

قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں

سیدنا امیر معاویہؓ

کے حالات زندگی

حکیم محمود احمد ظفر



# فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۱	عرض احوال (طبع ثانی)	۱
۱۳	تعارف از مولانا امین احسن اصلاحی	۲
۱۷	رائے گرامی از علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ	۳
۱۸	رائے گرامی از مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ	۴
۱۹	رائے گرامی از علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ	۵
۲۲	رائے گرامی از شیخ الحدیث مولانا محمد الحق سندیلوی	۶
۲۴	رائے گرامی از مولانا سرفراز خان صاحب صفدر	۷
۳۰	تقریظ از مولانا سید حامد میاں صاحب	۸
۳۳	رائے گرامی از شیخ مولانا عبد الکبیر (ڈھاکہ)	۹
۳۴	تبصرہ از ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک	۱۰
۳۶	قطعہ تاریخیہ عربیہ از مولانا نذیر احمد انوری (چٹاگانگ)	۱۱
۳۷	نذر عقیدت از مولانا قاضی عبدالکریم صابر کلاچوی (ڈیرہ اسماعیل خان)	۱۲
۳۸	پیش آہنگ	۱۳
۴۲	اسلامی تاریخ کے ماخذ	۱۴
۶۰	حدیث و تاریخ کا تقابل	۱۵
۶۶	تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول	۱۶

۶۸	تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر	۱۷
۸۶	کیا کتب تاریخ ناقابل اعتماد ہیں؟	۱۸
۸۶	خاندان قریش	۱۹
۸۷	قریش کی شاخیں	۲۰
۸۹	بنو امیہ اور تجارت	۲۱
۸۹	بنو امیہ مخالفت اور موافقت کے روپ میں	۲۲
۹۲	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو امیہ	۲۳
۹۶	بنو ہاشم کا قبول اسلام	۲۴
۹۸	بنو امیہ کا قبول اسلام	۲۵
۱۰۶	دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ	۲۶
۱۰۶	سیاسی نظام میں بنو امیہ کا مقام	۲۷
۱۱۲	عہد صدیقی اور بنو امیہ	۲۸
۱۱۵	عہد فاروقی اور بنو امیہ	۲۹
۱۱۹	نسب نامہ	۳۰
۱۲۰	ولادت اور صورت و سیرت	۳۱
۱۲۶	بارگاہ رسالت میں مقام	۳۲
۱۲۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۳
۱۳۳	قبول اسلام	۳۴
۱۳۳	عہد رسالت اور سیدنا معاویہؓ	۳۵
۱۵۳	کتبہ وحی اور سیدنا معاویہؓ	۳۶
۱۶۰	عہد صدیقی اور سیدنا معاویہؓ	۳۷
۱۶۳	عہد فاروقی اور سیدنا معاویہؓ	۳۸

۱۸۲	عہد عثمانی اور سیدنا معاویہ	۳۹
۱۸۹	فتنہ عظیمہ اور سانحہ عظیمہ	۴۰
۱۹۲	مخالفت کا پس منظر	۴۱
۱۹۷	یہود کی خیر سے جلا وطنی	۴۲
۱۹۸	سیدنا عمرؓ کی مخالفت کے اسباب	۴۳
۲۰۶	سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں فتنہ کے اثرات	۴۴
۲۰۸	سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں فتنہ کے برگ و بار	۴۵
۲۱۱	بصرہ میں فتنہ کیا ابتداء	۴۶
۲۱۳	عبداللہ بن سباء کی حکمت عملی	۴۷
۲۱۷	سیدنا ابوذر غفاریؓ کا نظریہ معیشت	۴۸
۲۲۱	گورنروں کی مجلس شوریٰ کا انعقاد	۴۹
۲۲۵	کوفہ میں انقلاب کی لہریں	۵۰
۲۲۷	مدینہ طیبہ کے حالات اور تحقیقاتی کمیشن	۵۱
۲۲۹	ایک گشتی مراسلہ	۵۲
۲۳۰	موسم حج میں گورنروں کا اجتماع	۵۳
۲۳۲	سیدنا معاویہؓ کا امیر المومنینؓ کو مشورہ	۵۴
۲۳۳	مدینہ منورہ پر باغیوں کی پہلی یورش	۵۵
۲۳۴	مدینہ منورہ پر باغیوں کی دوسری یورش	۵۶
۲۳۶	مدینہ منورہ پر باغیوں کی تیسری یورش	۵۷
۲۳۹	معزولی پر اصرار اور قتل کا منصوبہ	۵۸
۲۴۵	شہادت کے بعد	۵۹
۲۴۷	فتنہ کے مختلف زاویے اور سیدنا علیؓ کی بیعت	۶۰



۲۵۲	جنگ جمل اور اس کے اسباب و نتائج	۶۱
۲۵۸	معرکہ صفین کا پس منظر	۶۲
۲۶۰	ملکی انتظامیہ میں تبدیلی	۶۳
۲۶۵	سیدنا معاویہؓ اور مطالبہ قصاص	۶۴
۲۶۷	سیدنا معاویہؓ کی معزولی اور اس کا ردِ عمل	۶۵
۲۷۰	حضرت معاویہؓ سے مصالحت	۶۶
۲۷۲	سیدنا معاویہؓ کی جوابی کارروائی	۶۷
۲۷۳	اکابر صحابہؓ کا سیدنا علیؓ سے اختلاف	۶۸
۲۷۶	مصالحت کی ایک اور کوشش	۶۹
۲۸۰	گشتی مراسلہ	۷۰
۲۸۱	سیدنا علیؓ کی شام کو روانگی	۷۱
۲۸۳	ایک من گھڑت روایت	۷۲
۲۸۶	میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش	۷۳
۲۹۰	جنگ کی ابتداء	۷۴
۲۹۲	جنگ کا دوبارہ آغاز	۷۵
۲۹۴	تاریخ اسلام میں غلط روایات	۷۶
۲۹۵	ابو جحف کا حدودِ اربعہ	۷۷
۲۹۶	سیدنا علیؓ کے لشکر میں انتشار	۷۸
۳۰۴	ثالثوں کا اجمالی تعارف	۷۹
۳۱۰	معادہِ تحکیم	۸۰
۳۱۳	فیصلہ سنانے کا مقام	۸۱
۳۱۵	فیصلہ کے متعلق مشہور روایات	۸۲

۳۲۲	روایات پر اجمالی بحث	۸۳
۳۲۷	ٹالٹوں کا اصل فیصلہ	۸۴
۳۳۳	عدالت صحابہؓ کی بحث	۸۵
۳۳۷	عدالت صحابہؓ کا مطلب	۸۶
۳۴۱	قتلہ کے اصل بانی	۸۷
۳۴۴	اہل عراق اور سب و شتم	۸۸
۳۴۷	ابن خلدون کا نظریہ	۸۹
۳۵۲	سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کی ابتداء	۹۰
۳۶۳	سیدنا معاویہؓ کا مصر پر قبضہ	۹۱
۳۶۸	محمد بن ابی حذیفہ کا انجام	۹۲
۳۷۰	نقد و نظر	۹۳
۳۷۳	فیصلہ حکیم کے بعد خوارج کی سرکشی	۹۴
۳۸۰	سبائیوں کی مختلف علاقوں پر شورش پسندی	۹۵
۳۸۰	سیدنا معاویہؓ کا بعض علاقوں پر قبضہ	۹۶
۳۸۲	سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا استعفاء	۹۷
۳۸۴	تاریخ کا نیا دھارا (شہادت امیر المومنینؓ)	۹۸
۳۹۲	خلافت سیدنا حسنؓ اور سیدنا معاویہؓ	۹۹
۳۹۵	شیعانِ حسنؓ کی مخالفت	۱۰۰
۳۹۷	سیدنا حسنؓ کے ساتھیوں کی مخالفت	۱۰۱
۳۹۸	سیدنا حسنؓ کی صلح پر آمادگی	۱۰۲
۴۰۲	سیدنا حسنؓ کا احباب سے مشورہ	۱۰۳
۴۰۳	سیدنا حسینؓ سے مشورہ	۱۰۴

۴۰۵	سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی پیشکش	۱۰۵
۴۰۹	صلح کی شرائط	۱۰۶
۴۱۶	سیدنا حسنؓ کا خلافت سے دستبرداری کا اعلان	۱۰۷
۴۲۰	مخالفت کا طوفان	۱۰۸
۴۲۴	اعتراضات کا جواب	۱۰۹
۴۲۵	سیدنا حسینؓ کا آپؐ کی مخالفت کرنا	۱۱۰
۴۳۰	سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ کی حیثیت سے	۱۱۱
۴۳۶	خوارج کی شورش اور اس کا قلع قمع	۱۱۲
۴۳۹	بصرہ کی شورش	۱۱۳
۴۴۴	اصلاحات	۱۱۴
۴۴۶	رفاء عامہ کے کام	۱۱۵
۴۴۷	مساجد کی تعمیر	۱۱۶
۴۴۸	غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ	۱۱۷
۴۴۹	زراعت اور اس کے وسائل کی ترقی	۱۱۸
۴۵۰	زراعت کے لئے پانی کی فراہمی	۱۱۹
۴۵۱	نئے شہروں کی تعمیر	۱۲۰
۴۵۳	نقل و حمل کا انتظام	۱۲۱
۴۵۳	رعایا سے سلوک	۱۲۲
۴۵۵	قضاء و عدالت	۱۲۳
۴۵۷	عسکری نظام	۱۲۴
۴۶۱	تظم مملکت	۱۲۵

۳۶۳۶۳۶۲	محکمہ جات (صیغہ پولیس، ڈیفنس رولز، صیغہ عدالت، نکاح)	۱۲۶
۳۶۴	تحریر و تقریر کی آزادی	۱۲۷
۳۷۰۵۳۶۶	مالیات (خراج، جزیہ، ذکوۃ، صدقات، خمس، منرائب، محصول، فتنے، عشر، کراملا، ارض)	۱۲۸
۳۷۱	صوبوں کی آمدنی	۱۲۹
۳۹۱۵۳۷۲	فتوحات شمالی، افریقہ، پرشکرکشی، سندھ کی فتح، قسطنطنیہ، پرشکرکشی، مدوٹس کی فتح، ماروٹز کی فتح	۱۳۰
۳۹۲	بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک	۱۳۱
۵۱۰	آثارِ حرم و آثارِ نبوی کا تحفظ	۱۳۲
۵۱۵	علمی سرگرمیاں	۱۳۳
۵۱۸	یزید کی ولیعہدی	۱۳۴
۵۴۲	وفات	۱۳۵
۵۴۶	ازواج و اولاد	۱۳۶
۵۴۸	اخلاق و عادات	۱۳۷
۵۴۹	حلم و بردباری	۱۳۸
۵۶۰	مدیر و سیاست	۱۳۹
۵۶۲	شجاعت و بساعت	۱۴۰
۵۶۳	سپہ گری	۱۴۱
۵۶۴	خطابت	۱۴۲
۵۶۵	فضل و کمال	۱۴۳
۵۶۷	ظرافت اور چودو سقا	۱۴۴
۵۷۵۵۶۶۹	قیام عدل اور اتباع سنت	۱۴۵
۵۷۶	کرامات	۱۴۶
۵۷۹	سیدنا معاویہؓ مستشرقین کی نظر میں	۱۴۷



# اعترافات کے جوابات

۵۸۶	سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کے جوابات	۱۴۸
۶۰۱	گورنروں کی بالادستی	۱۴۹
۶۲۲	وہیت کے معاملہ میں سنت کی تبدیلی	۱۵۰
۲۳۳	بیت المال کے اموال میں بے ضابطگی	۱۵۱
۶۳۷	سیدنا معاویہؓ کا مطالبہ قصاص	۱۵۲
۶۳۹	بسر بن ارطاة کے مظالم کا تذکرہ	۱۵۳
۶۴۵	مسلمان کا فرکار وارث ہو سکتا ہے؟	۱۵۴
۶۵۲	اہل بیت نبویؐ سے برتاؤ	۱۵۵
۶۵۸	سید حسن گوز ہر دلوانا	۱۵۶
۶۶۳	احتماقی زیاد	۱۵۷
۶۷۳	حجر بن عدی کا قتل	۱۵۸
۷۰۱	سیدنا علیؓ پر سب و شتم	۱۵۹
۷۲۳	حضرت عمار بن یاسرؓ کی شہادت	۱۶۰
۷۵۵	یزید کی ولی عہدی	۱۶۱
۸۰۹	خلافت راشدہ	۱۶۲
۸۳۳	ایک حدیث اور اس کا جواب	۱۶۳

# عرضِ احوال

## طبع ثانی

جولائی ۱۹۷۷ء میں جب اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تو میرے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اہل علم کے ہاں اس کتاب کی اس قدر پذیرائی ہوگی، کیونکہ اس موضوع پر اس زمانہ میں جو کتابیں شائع ہوئیں اگرچہ انہوں نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا لیکن ان میں بہت کچھ مسلکِ اہلسنت سے ہٹ کر لکھا گیا جس کی وجہ سے اہل علم حضرات نے ان کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں اور اپنی تقاریر اور عام گفتگو میں بھی ان کی تردید کی، چنانچہ اس خوف سے کہ کہیں میری کتاب میں بھی ایسا مواد موجود نہ ہو، میں نے کتاب کی اشاعت کے ساتھ ہی تین جید اہل علم

(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ نجد والہ یار

(۲) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا شمس الحق افغانی شیخ النخیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

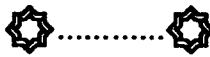
کو کتاب کی ایک ایک کاپی اس غرض سے بھیجی تاکہ وہ اس کو پڑھ کر یہ بتائیں کہ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں کہی گئی جو مسلکِ اہلسنت کے خلاف ہو۔

الحمد للہ! ان تینوں بزرگوں نے اپنی جو آراء اس کتاب کے بارہ میں ارسال فرمائیں ان کی بناء پر میں اس کتاب کو اپنے لئے سرمایہ آخرت سمجھتا ہوں۔

کیونکہ اس کتاب کے ذریعہ میں نے ایک مظلوم ترین صحابی رسول سیدنا امیر معاویہؓ کا کامیاب دفاع کیا ہے۔ ان آراء کو کتاب کے شروع میں درج کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام بھی ان سے آشنا ہوں۔

کتاب کے اس جدید ایڈیشن میں کچھ حک و اضافہ کیا گیا ہے جس نے کتاب کی افادیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔  
 آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ دوسرے صحابہؓ کے بارے میں بھی مجھ ایسے ناتواں کو ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق عطا فرماوے۔  
 آمین یا اللہ العلمین !

نیاز آکین  
 حکیم محمود احمد ظفر  
 ۱۰ دسمبر ۱۹۷۷ء



بسم الله الرحمن الرحيم

## تعارف

حضرت مولانا امین حسن صاحب اصلاحی، اللہ ہو

مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی اس قیمتی تصنیف پر ایک سرسری نظر ڈالنے کا موقع مجھے ملا ہے اور میں اس رائے کے اظہار میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف ہماری تاریخی کتابوں میں ایک قابل قدر اضافہ کیا ہے بلکہ اس سے دین کی بھی نہایت اہم خدمت انجام دی ہے۔

ہماری تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی مسلمانوں کے اندر منافقین و مفسدین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے ایک طرف تو ملت کے اجتماعی و سیاسی نظام کی پھولیں ہلا کر رکھ دیں دوسری طرف اپنی تبلیغات اور دروغ بافیوں سے ہمارے تاریخی لٹریچر میں ایسا زہر آلود مواد بھر دیا جس کے مہلک اثرات سے آج تک ملت اسلامیہ کو نجات نہ مل سکی۔ ہر دور کے مفسدین و اشرار اس زہر پلے مواد کو اُبھار اُبھار کر کوئی نہ کوئی فتنہ ایسا اٹھاتے رہے ہیں جس سے پوری ملت برابر ایک انتشار و اضطراب میں مبتلا رہے۔

ہمارے اصحاب علم و نظر پر یہ ایک بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی تاریخ پر ایک گہری ناقدانہ نظر ڈال کر اس قسم کی تدلیسات و تبلیغات سے اس کو پاک کریں۔ اس کے بغیر افکار و جذبات کی وہ ہم آہنگی و وجود میں نہیں آسکتی جو تنظیم ملت کی حقیقی بنیاد ہے، خاص طور پر صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم



کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے، ان کے باب میں کوئی اختلاف صرف تاریخ کا اختلاف نہیں ہے بلکہ عقائد و ایمانیات اور ارا و احوال و قلوب کا اختلاف ہے اور اس کی زد بالواسطہ اصل دین پر پڑتی ہے۔ اگرچہ ہر دور میں ہمارے بیدار مغز علماء نے اس فرض کا احساں کیا اور انہوں نے بہت سی تبلیغات کا پردہ چاک کرنے کی پوری کوشش کی ہے لیکن اس فتنے کی جڑیں ہمارے ادب اور ہماری تاریخ کے اندر اتنی گہری آتری ہوئی ہیں کہ جب تک تنقید کے جدید آلات و جرائد سے کام لے کر اس سرطان کے ہر اثر کا کٹائی استیصال نہ کر دیا جائے گا مفسدین اور منافقین اپنے مشنوم اغراض کے لیے اس کو غذا بہم پہنچاتے رہیں گے اور کمزور طبائع پر اس کا حملہ ہوتا رہے گا۔

ہر کام کے لیے قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے شاید یہ دور اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے منتخب فرمایا ہے کہ ہمارا چننا تاریخ اس تمام بھاڑ و بھنگ کاٹ سے پاک و صاف ہو جائے جس کی تخم ریزی مفسدین نے کی اور جو چین کے مایوں کی غفلت کے سبب سے جڑ پکڑ گیا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے اور یہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ادھر حقوڑے سے عرصے میں ہماری تاریخ کے اس خاص پہلو پر متعدد ایسی بلند پایہ کتابیں نکلی ہیں جو ذہنوں کے صاف کرنے اور طرز فکر کے بدلنے میں نہایت مؤثر اور مفید ثابت ہوئی ہیں۔

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب بھی اسی زمرے کی ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ ہم نے اس کے جن مباحث پر نظر ڈالی ہے ان سے ہمیں اندازہ ہوا کہ حکیم صاحب نے اپنے موضوع کا گہرائی اور وسعت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سبھی ہوئے انداز میں دلائل کے ساتھ کھلے موضوع کے پیش کردہ دلائل کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن کتاب کی ہر فصل کا مدعا بحیثیت مجموعی اس قدر واضح ہے کہ اس سے مشکل ہی سے کوئی

انصاف پسند آدمی اختلاف کر سکے گا۔

اس کتاب کے مباحث پر نظر ڈالتے ہوئے بار بار میں خیال آیا کہ جب سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا امیر معاویہؓ اور اکابر بنی امیہ سے متعلق تاریخ کی کتابوں میں یہ پاکیزہ مواد بھی موجود ہے جو اس کتاب میں مستند حوالوں سے نقل ہوا ہے تو آخر اس کو نظر انداز کر کے بعض لوگوں نے صرف اُس مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں فرمائی جس سے ان جلیل القدر صحابیوں کی تنقیص ہو سکے۔ آخر یہ مطالعہ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاظت پسند مکی کی طرح صرف انہی گندے پھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مغتری نے ہمارے پاکیزہ خصائل اسلاف کے دامن پر اڑائے ہوں۔ اس معاملے میں جو کوتاہی ہمارے مؤرخین سے ہوئی ہے اگرچہ وہ بھی قابلِ افسوس ہے لیکن ان کی طرف سے یہ عذر کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے صرف روایات و اقوال کے جمع کر دینے پر اکتفا کیا ہے، تحقیق و تنقید کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کی طرف سے آخر کیا عذر پیش کیا جاسکتا ہے جو تحقیق و تنقید کے دعوے کے ساتھ اٹھتے ہیں اور سبائیوں اور رواض کی روایات کو بنیاد بنا کر جلیل القدر صحابہ کو مطعون کر ڈالتے ہیں۔ اگر کسی جامع اقوال مؤرخ کی کتاب میں کوئی روایت درج ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت اُس مؤرخ کا مذہب و مسلک ہے لیکن اگر اس روایت کو کوئی شخص اپنی تحقیق کی حیثیت سے اختیار کر لیتا ہے تو اس کے صاف معنی ہیں کہ یہی اس کا مذہب و عقیدہ ہے۔ پھر یہ بات بھی اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مؤرخین نے خواہ کتنی ہی ضخیم ضخیم کتابیں لکھی ہوں لیکن ان کی رطب و یابس روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بناء پر صحابہؓ کو مجروح قرار دیا جائے، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا امیر معاویہؓ تو خیر بڑی چیز ہیں ایک ادنیٰ صحابی کا بھی یہ درجہ ہے کہ اس کی ثقاہت و عدالت کو ہزاروں طبری و جزیری اور لاکھوں کلبی و واقدی بھی مجروح نہیں کر سکتے۔

ہماری دُعا ہے کہ اس کتاب کو حُسن قبول حاصل ہو اور ان فتنوں کے  
استیصال میں یہ ایک مؤثر قوت ثابت ہو جو اس وقت بعض سیاسی طالع آرمائو  
نے اٹھا دیئے ہیں۔

امین احسن اصلاحی  
۱۰ جولائی ۱۹۶۷ء

# رائے گرامی

شیخ الاسلام زبدۃ المتحذین حضرت العلامة مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ  
سابق شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ ٹنڈوالہ یار

میں نے آپ کی کتاب ”سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار“ مختلف مقامات سے دیکھی۔ ماشاء اللہ آپ نے خوب تحقیق سے کام لیا ہے، افسوس ہے کہ بعض نام نہاد علماء جیسے ڈاکٹر لالہ حسین اور سید قطب وغیرہ نے اس حقیقت سے صرف نظر کر لی ہے کہ تاریخ میں بھی موضوعات اور مکذوبات موجود ہیں۔ جب فتنہ پردازوں نے حدیث رسول میں بھی موضوعات و مکذوبات شامل کر دی ہیں تو تاریخ بیچاری کیا چیز؟ پھر جیسے محدثین نے حدیثوں میں سے موضوعات و مکذوبات کو الگ کر دیا ہے اسی طرح مبصرین کو تاریخ کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ آج کل بعض مؤرخین آنکھوں کے بھی اندھے اور دل کے بھی اندھے اور بعض آنکھوں سے بینا ہیں لیکن دل کے نابینا ہیں۔ آپ نے ماشاء اللہ دونوں سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آج کل اس قسم کی تصنیفات کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہودی اور عیسائی مبلغوں کا بڑا حربہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو حضرات صحابہ کی طرف سے بدظن کر دیا جائے تو پھر دین کی بنیاد کمزور ہو کر دین منہدم ہو جائے گا۔ یہی حربہ انکار حدیث کے سلسلہ میں کارفرما ہے کیونکہ جب حدیث حجت نہ رہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قرآن کی شرح تھی تو اب ہر شخص آزاد ہو گا کہ قرآن کی جو چاہے شرح کرے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام اور نافع بنائیں۔ (راۓ گرامی)

والسلام  
ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۵ جمادی الاول ۱۳۸۶ھ



# رائے گرامی

فخر الامثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

کتاب ”سیدنا معاویہؓ“ مصنفہ عالی قدر مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی، انقر نے  
اول سے آخر تک پوری پڑھی اور اس کی دلچسپ تعبیر، بلاغت، بیانی اور تسلسل واقعات  
کے سبب پورا پڑھے بغیر چارہ کار بھی نہ تھا۔

کتاب مسئلہ مشاہدات صحابہؓ اور سیرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں  
تاریخ، تفسیر اور حدیث کی روایات کا بچوڑ اور صحت فکر کا مرقع ہے۔ سیدنا امیر معاویہ  
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتی عظمت، جلالت اور شرف صحابیت کی وجہ سے بلندی مقام  
کو جن غلط تاریخی روایات کے نیچے دبائے رکھنے اور اصل حقیقت کو تعقبات کے  
غلیظ پردوں میں چھپائے رکھنے کی جو کوششیں ایک خاص نقطہ نظر کے ماتحت کی  
جاتی رہی ہیں اس کتاب نے اُن غلیظ پردوں کو چاک کر کے حضرت معاویہؓ کی حقیقی  
عظمت و شان نکھار کر سامنے رکھ دی ہے، خصوصیت سے کتاب کا مقدمہ تاریخ  
اور تاریخی روایات کے رد و قبول کے اصولوں کا ایک بہت ہی قابل قدر اور کارآمد مجموعہ  
ہے جس سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارہ میں تاریخی روایات  
کے غٹ و ثنیں کو باسانی پرکھا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم نے اگر کسی طبقہ کو من حیث الطبقة  
پورے کے پورے طبقہ کی تقدیس کی ہے تو وہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے، اس لیے صحابہؓ  
کے بارے میں ہر تاریخی روایت کے رد و قبول کا سیدھا اور صاف معیار قرآن حکیم  
ہے جس سے مصنف نے جگہ جگہ کام لے کر واضح کر دیا ہے کہ اسلامی ذہن اس سلسلہ  
میں کسی ایسی روایت پر مطمئن نہیں ہو سکتا جو اس قطعی اور سچے معیار پر پوری نہ اُترتی  
ہو۔ نیز اس باب کی ایسی روایات کے وضع کرنے میں جو حضرات صحابہؓ کی عظمت و جلال

میں شکوک و شبہات و ادرام پیدا کر سکتی تھیں، جن چابکدستیوں سے کام لیا گیا ہے مصنف دام فیض نے ان سب کی قلعی کھول کر دکھ دی ہے۔ ساتھ ہی اس بارہ میں مستند مؤرخین کی معیاری شہادتوں اور ان سے بھی بالاتر احادیث نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ مستند حوالوں کے ساتھ پیش کر دیا ہے جو اس سلسلہ میں سارے شکوک و شبہات کا قرار واقعی جواب و استیصال ہے۔ مصنف مدوح نے محنت شاقہ اٹھا کر اور سینکڑوں کتابوں کی چھان بین کر کے مشاہیر اصحاب و بالخصوص فیصلہ تکمیل کے بنیاد کا نقاط سامنے رکھ دیئے ہیں جنہیں سامنے رکھنے سے اُمت مرحومہ تمام ایسی جعلی اور فرضی کاروائیوں کے دام فریب سے بچ سکتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن بنائے اور اس اُمت میں تفریق ڈالنے کے لیے منافقوں کی طرف سے انجام دی گئیں۔

کتاب ماشاء اللہ محققانہ، بخیدہ اور اپنے موضوع میں کامیاب اور قابل قدر ہے۔ حق تعالیٰ مصنف کو ہم سب علمائوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس سعی کو قبول فرما کر مقبول عام بنائے۔ (آمین)

محمد طیب

(مہتمم دارالعلوم دیوبند، ۱۶ شعبان ۱۳۸۶ھ)

# رائے گرامی

حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب انصافی سابق شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

یہ کتاب ایک ایسے نازک اور پیچیدہ موضوع پر لکھی گئی ہے کہ جس کی پیچیدگی کے چند اسباب حسب ذیل ہیں :-

(۱) حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مقبولانِ بارگاہِ خداوندی میں سے ہیں اور دونوں میں اس کے باوجود صفین کے موقع پر تصادم کی نوبت بھی آئی ہے۔ اب مؤرخانہ انداز میں تاریخی حقائق کو اس انداز میں پیش کرنا کہ دونوں میں سے کسی کی شخصیت بھی مجروح نہ ہو اور کتاب و سنت کے آئینے میں دونوں کی جو قطعی شخصیت ہے اس سے بھی ٹکراؤ نہ ہو یہ بہت نازک اور محتاط کام ہے۔

(۲) دوم یہ کہ ارباب تاریخ نے ارباب غرض و سیاست رواۃ کی تقلید میں ان دونوں حضرات کی تاریخ کچھ ایسی مسخ کی ہے کہ دونوں حضرات کی زندگی کے اصلی خدخال نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں اب ان بناوٹی پردوں کو ہٹا کر اصل حقیقت تک پہنچنا آسان کام نہیں۔

(۳) تاریخ میں قاتلانِ عثمانؓ پر اسلامی قانون نافذ کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اور بارہ صوبوں کے گورنروں کی یک قلم اور بلا وجہ تبدیلی اور فتوحات اسلامیہ اور تبلیغ اسلام کی رکاوٹ سب کچھ مذکور ہیں لیکن حضرت علیؓ کی طرف سے ان فروکشوں کے سلسلے میں معذرت اور مجبوریاں واضح نہیں کی گئی ہیں۔ اسی طرح فیصلہ حکیم جس سے جانبین کی جنگ رک گئی اس کی تحریری شکل کو نظر انداز کر کے اس کو افسانے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس سے جانبین کے متعلق بدگمانی ہوتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مؤرخین نے سیدنا امیر معاویہؓ کے فرضی عیوب کو اچھا لایا ہے لیکن ان کے

حلم، ہود و سخاوت، شجاعت، جہاد، فتوحات اسلامیہ اور مملکت کے تعمیری کاموں کو نظر انداز کر دیا ہے اور اگر کچھ کیا بھی ہے تو واضح اور مفصل بیان نہیں کیا۔  
مصنف کتاب دام فیض نے ان سب مشکلات کو حل کیا ہے اور اس نازک موضوع کو ایسا نبھایا ہے کہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ علماء، طلباء دونوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ بھی اس جہاد و دفاع عن الصحابہ میں شریک ہو سکیں۔

### اتھر شمس الحق افغانی

شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور  
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند  
وزیر معارف شرعیہ یا ستہائے متحہ بلوچستان

# رائے گرامی

استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق صاحب بیرونی سابق شیخ الحدیث و ذی العلماء لکھنؤ

جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی کتاب ”سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار“ کی جلد اول کا میں نے مطالعہ کیا، مطالعہ کر کے جناب مصنف کیلئے دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس عظیم خدمت کو قبول فرما کر اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین۔ صحابہ کرامؓ کی جانب سے دفاع و حقیقت دلائل نبوت کی جانب سے دفاع ہے، کیونکہ ہر صحابی اپنی اعلیٰ شخصیت اور اپنے اعلیٰ کردار کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی شانِ تعلیم و تربیت کا آئینہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک مستقل دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ دین کے ایک گروہ نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرامؓ کا وقار ناواقف مسلمانوں کی نگاہ سے گمراہی تاکہ ہدایت کا یہ دروازہ بند ہو جائے۔ خصوصاً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زبانِ طعن و لڑکرنا اور اُن محترم پر مہتان باندھ کر چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کرنا تو ابنِ سبأ اور اُس کے متبعین کا خاص شعار ہے۔ کچھ سبائی تو نقابِ قبیحہ ڈال کر اور نظاہرستی بن کر اس جلیل القدر صحابی رسول پر افتراء پر دازی کرتے ہیں تاکہ ناواقف اہل سنتِ قریب میں اُن کو محترم کے متعلق سوءِ ظن میں مبتلا ہو جائیں اور اپنی عاقبت خراب کر لیں۔

ایہ حالات میں جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی یہ کتاب تحفظِ دین اور ہدایتِ مسلمانوں کا ذریعہ اور بہت اہم خدمتِ اسلام ہے جس کے لیے وہ سب مسلمانوں کی جانب سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کتاب میں ہر بات مدلل و مبہر بن

اور ہر دلیل اطمینان بخش اور مسکت ہے۔ تاریخی واقعات کی تحقیقات بحوالہ کتب کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب حق اور منصف مزاج کے لیے یہ کتاب نسخہ تریاق اور رقص کے زہر سے نجات کی ضامن ہے، البتہ معاند کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس خدمت کو قبول فرمائیں۔ (آمین ص)

محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

ناظم شعبہ تصنیف و تالیف

مدسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی

۴ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

## رائے گرامی

حضرت مولانا محمد سر فراز خان صاحب مفتی شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے لکھا ہے کہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ - اَمَّا بَعْدُ  
 اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں جو درجہ، شان اور مرتبہ امام الانبیاء  
 خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل  
 نہیں ہے۔ نہ عرش و کرسی کو، نہ لوح و قلم کو، نہ خورشید و ملک کو اور نہ کعبہ کو اور نہ کسی  
 بشر کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بلند مقام کے لیے صرف آپ ہی کو چنا اور اختیار فرمایا،  
 جو کتاب آپ کو مرحمت فرمائی وہ سب کتابوں سے اعلیٰ، جو قبلہ آپ کو عطا کیا  
 وہ سب قبلوں سے عمدہ، جو دین آپ کو عنایت فرمایا وہ سب ادیان سے  
 اکمل اور جو صحابہ کرام آپ کو دیئے وہ اپنی شان و اخلاص میں سب سے یکتا کہ  
 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد پوری نوع انسانی میں ان کی نظیر اور مثال  
 ناممکن ہے جن کے ایمانی کارنامے رہتی دنیا تک ساری امت کے لیے بہترین  
 نمونہ ہیں۔ وہی حضرات قرآن و حدیث کے اولین راوی اور توحید و سنت کے پہلے  
 گواہ ہیں۔ اگر معاذ اللہ ان کا ایمان ثابت نہیں تو یقین جلیئے کہ قرآن و حدیث اور  
 توحید و سنت کچھ بھی ثابت نہیں۔ اس لیے کہ وہی حضرات تو ان کی حقانیت کے  
 گواہ ہیں، اگر وہی غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہوں تو قرآن و حدیث پر کیا اعتماد ہو  
 سکتا ہے؟ توحید و رسالت پر کیا یقین ہو سکتا ہے؟ جنت و دوزخ اور شر و نثر  
 کا کیا یقین ہو سکتا ہے؟ کیونکہ جب گواہ ہی قابل اعتماد نہ ہوں تو جس امر کی وہ  
 گواہی دے رہے ہیں اس کا بھلا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ

کا ان کے بارے میں جو منصفانہ اور عادلانہ نظریہ ہے وہ یہی ہے کہ: ”الصحابۃ کلہم عدول“ ان کی عدالت پر اعتراض کرنے والا ظالم اور فاسق ہے اور وہ آفتاب و ماہتاب پر تھوکنے کی ناپاک اور سعی لاحاصل کے درپے ہے۔  
نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ ذٰلِكَ الْنَفْسِیْنَ۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرات صحابہ کرامؓ کو مغفرت اور رضا کی ہوسند عطا فرمائی ہے اور رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کے شاہی انعام سے جس طرح ان کو نوازا ہے وہ کس مسلمان سے مخفی ہے؟ اور کون مسلمان ان کے مناقب و فضائل اور شمائل و خصائل کی عمدہ صفات سے ناواقف ہے؟ اس مقام پر ہم قرآن کریم کا ایک مضمون عرض کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات حمیدہ کا ذکر فرمایا ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ  
وَالَّذِينَ اٰوُوا وَانصَرَوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ  
مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا  
وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ۔ (الانفال: ۱۰)

(ترجمہ) ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان (مہاجرین) کو جگہ دی اور ان کی مدد کی تو وہ لوگ یقینی بات ہے کہ مومن ہیں، ان کیلئے بخشش ہے اور عزت کی روزی، اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہیں میں سے ہیں۔“

اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے

تین طبقوں کا ذکر فرمایا ہے:-

۱۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت اور جہاد کیا یعنی مہاجرین! مثلاً حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور



حضرت علیؑ وغیرہم۔

- ۲۔ وہ حضرات جو ایمان لائے اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ہر طرح سے انکی نصرت کی، یعنی انصار اچھے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابو ابوشہہؓ وغیرہم۔
- ۳۔ وہ حضرات جو اُس زمانہ میں ایمان لائے جب نصرت اور امداد کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ مثال کے طور پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہم۔

اور اسلام کو بفضلہ تعالیٰ خوب تائید و تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ - (الآیۃ) میں انہی حضرات کا ذکر ہے جو مثلاً صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے، ان سب کو اللہ تعالیٰ اُھمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا سے تعبیر فرماتے ہیں کہ یہ سبھی حضرات یقینی طور پر مومن ہیں اور ان سے مغفرت کے علاوہ جنت میں عزت کی روزی کا وعدہ بھی ہے۔ جن کو پروردگار یقینی طور پر مومن فرمائے اور جن کو بخشش کا پروانہ دے اور جن کو رزق کریم کی بشارت سنائے اُن کے مومن ہوتی، عادل اور جنتی ہونے میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ قرآن حکیم میں اگر کوئی اور مضمون ان حضرات صبیحہ کرامؓ کے بارے میں نہ بھی ہوتا تو ان کی مقبولیت اور مرتبت کے لیے یہ ارشاد کیا کم ہے؟ مگر یہ سب کچھ مومنوں کے لیے ہے۔

(۲) حضرت عویم بن ساعدہ الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:-

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِخْتَارَنِىْ وَ اِخْتَارَنِىْ اَصْغَابًا وَ جَعَلَ لِيْ مِنْهُمْ دُرَرًا وَ اَنْصَارًا وَ اَصْهَارًا فَمَنْ سَبَّهَمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ اَلْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّٰسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَرْفٌ وَ لَا عَدْلٌ۔

(ترجمہ) بلاشبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے (اپنی ساری مخلوق میں) مجھے چنا اور خود اسی نے میرے لیے

میرے صحابہ پُچھے اور اس نے میرے لیے ان میں سے وزیر، مددگار اور سردار بنائے، سو جس شخص نے ان کو برا کہا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، ایسے شخص کی قیامت کے دن نہ تو نقلی عبادت قبول ہوگی اور نہ فرضی“

(مسند رک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۲ - قال الحاکم والذہبی صحیح)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لیے پروردگار نے منتخب فرمایا ہے اس میں کسی انسان کے انتخاب کا دخل نہیں ہے اس لحاظ سے صحابہ کرامؓ پر تنقید (معاف اللہ) رب العزت پر تنقید کو مستلزم ہے اور ان پر تنقید کرنے والا اور ان کو ہدف ملامت بنانے والا اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں اور معصوم فرشتوں کی لعنت کا مستحق ہے، کیونکہ ان صحابہ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے آپؐ کے وزراء ہیں اور حضرت ابوالیوب انصاریؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے حضرات آپؐ کے انصار اور مددگار ہیں اور حضرت ابوسفیانؓ جیسے آپؐ کے شہسوار حضرت امیر معاویہؓ جیسے آپؐ کے برادر بستی اور مومنوں کے ماموں ہیں۔ لہذا حضرات صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بھی برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ اور اس کی اعلیٰ مخلوق کی لعنت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(۳) حضرات صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنا اور عامۃ الناس میں ان نفوس قدسیہ کو مطعون ٹھہرانا دینِ قویم کی مضبوط دیواروں کو کھوکھلا کرنا ہے، اس شیعہ حرکت کا ارتکاب کوئی دانستہ طور پر کرے یا نادانستہ، اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو، اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے اور باطل پرست اور علیٰ الخصوص سبائی پارٹی اور اُن کے کاسہ لیس اسی طریق سے اسلام کی عمارت کو گرانا چاہتے تھے اور اب بھی اس کے درپے ہیں، حالانکہ یہی حضرات علیٰ طور پر اسلام کا بہترین سرمایہ

ہیں مگر افسوس کہ

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے

پیدا کیے فلک نے تھے جو خاک چھان کر

علامہ ابو بکر احمد بن علی الخلیب البغدادی (المتوفی ۴۳۳ھ) مشہور نزدیک شاکر کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابو داؤد سجستانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

لما جاء الرشيد بشاكر رأس الزنادقة ليضرب عنقه قال

اخبرني لم تعلمون المتعلم منكم اقل ما تعلمونه الرقص

والقدرة؟ قال ما قولنا بالرفض فانا نريد الطعن على

الناقلة فاذا بطلت الناقلة او شك ان يبطل المنقول

واما قولنا بالقدرة فانا نريد ان نجوز ان يخرج بعض

افعال العبادة ثبات قدر الله فاذا اجاز ان يخرج

البعض جاز ان يخرج الكل - (تاريخ بغداد جلد ۳۸ طبع مصر)

ترجمہ: جب ہارون رشید کے سامنے زندیقیوں کا پیشوا شاکر درافضی پیش

کیا گیا تاکہ اس کی گردن اڑادی جائے، تو ہارون رشید نے اس سے

پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ کہ تم سب سے پہلے رفض اور انکار تقدیر کا سبق منتقم

کو کیوں سکھلاتے ہو؟ شاکر نے جواب دیا کہ ہم رفض (جس میں

حضرات صحابہ کرام کی تکفیر اور ان پر طعن ہے) تو اس لیے سکھلاتے

ہیں کہ ہمارا مطلب ناقلین (مذہب صحابہ کرام) پر طعن کرنا ہے،

جب ناقلین مذہب غیر معتقد قرار پائیں تو دین خود بخود باطل ہو جائے

گا، اور ہم تقدیر کا انکار اس لیے سکھلاتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ

بندوں کے بعض افعال اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے خارج ہیں تو اس سے

کل افعال کے خارج ہونے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے۔“

اس حوالہ سے آفتاب تیمروز کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبائیں

رافضیوں اور باطل پرستوں نے قرآن وحدیث کے اولین راویوں (صحابہ کرامؓ) پر محض اس لیے طعن شروع کیا ہے کہ اس طرح کرنے سے دین اسلام کی بنیاد ہل جاتی ہے اور یہی ان کا ناپاک مقصد ہے۔ اور حضرات اہلبیت کی محبت کے پردہ میں حضرات اصحاب ثلاثہؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ حضرات پر جس بیباکی سے انہوں نے طعن کیا ہے اور ان کو بدنام کرنے کے لیے گہرے منصوبے کے تحت جو خوب باتیں گھر گھر کران کے گلے مڑھی گئیں اور ان کے سر تقویٰ گئی ہیں ان سے ہر شریف آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کو جنہوں نے تاریخ کے صد ہا اوراق اٹھنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے مذہبی اور سیاسی کارناموں کو اجاگر کیا اور ان پر کیے گئے مطاعن کا خوب جائزہ لیا اور بائبلوں کی خود ساختہ تاریخ کے دبیز پردوں کے نیچے دبی ہوئی شخصیت کو عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا۔ کتاب ”سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار“ راقم الحروف نے اول سے آخر تک بغور دیکھی ہے، جس نزلے اور انوکھے طرز سے انہوں نے یہ کتاب لکھی ہے دل کی تہہ سے ان کے حق میں دعائیں نکلتی ہیں۔ کتاب صوری اور معنوی حیثیت سے بلند پایہ کتاب ہے۔ چند دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے حالات سے عموماً اور حضرت امیر معاویہؓ کے حالات سے خصوصاً واقف ہونے والے حضرات سے پُر زور التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اس سے استفادہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرات صحابہ کرامؓ کے دامن سے وابستہ رکھے، اسی پر جئیں اور اسی پر مریں۔ (رأینص)

احقر ابوالزہاد محمد سرفراز صد مدرس مدرسۃ العلوم کوثرانولہ

۶ شوال ۱۳۸۶ھ / ۶ جنوری ۱۹۶۸ء

# تقریظ

مفت مولانا سید حامد میاں صاحب شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ اَمَّا بَعْدُ !  
میں نے جناب مولانا حکیم محمود احمد ظفر کی تصنیف ”بیتہ نامعاویہ شخصیت اور کردار“ کی جلد اول کو مسلسل دیکھا، مولانا موصوف نے نہایت کاوش و کوشش سے مفید و عظیم خزانہ یکجا کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا صحیح مقام یہی تھا اور جس نظر سے انہیں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اس نظر محبت سے دیکھنا بین ایمان ہے۔ افراط و تفریط سے جو مفاسد پیدا ہوئے انہوں نے مستقل فرقوں کی شکل اختیار کر لی ہے حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابن مبارک نقل فرماتے ہیں:-

سَأَلَ أَبُو عَصَمَةَ ابَا حَنِيفَةَ فَمَنْ تَأْمَرُ فِیْ اَنْ اَسْمَعَ الْاَثَارَ قَالَ  
مَنْ کُلِّ عَدَلٍ فِیْ هَوَاہِ الْاَلِ الشَّیْعَةِ فَاَنْ اَصِلَ عَقِیْدَتُہُمْ تَضْلِیْلٌ  
اصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ طَائِعًا  
اَمَا فِیْ لَا اَقُولُ اَنْہُمْ یُکَذِّبُوْنِہُمْ اَوْ یَاْمُرُوْنِہُمْ بِمَا لَا یَنْبَغِ  
وَلٰکِنْ وَطَاوَالِہُمْ حَتّٰی اِنْقَادَتْ الْعَامَّةُ بِہُمْ فَہَذَا اِنْ لَا یَنْبَغِ  
اِنْ یُکُوْنُ اَمِنْ اَثْمَةِ الْمُسْلِمِیْنَ -

”یعنی ابو عصمہ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے دریافت کیا کہ آپ مجھے کس سے احادیث سننے کا حکم دیں گے؟ فرمایا ہر اس شخص سے حدیث سنو جو اپنی خواہشات نفس میں اعتدال پر رہتا ہو سوائے شیعوں کے کہ ان کا

اصل اعتقاد یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہ ثابت کیا جائے دمعاذ اللہ اور اس شخص سے بھی روایات نہ لیں جو بادشاہ کے پاس اطاعت کرتا ہوا پہنچتا ہو، میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے لوگ بادشاہوں سے جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں یا انہیں ایسے کام کرنے کو کہتے ہیں جو مناسب نہ ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ ایسے لوگ عوام کی اطاعت کیلئے زمین ہموار کر دیتے ہیں تو یہ دونوں طبقے مسلمانوں کے رہبر نہ ہونے چاہئیں۔“

یہ روایت خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب کفایہ ص ۱۲۴ پر درج کی ہے اور اپنی سند امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک بتوسط ابن مبارک نقل کی ہے۔

حقیقت یہ ہے جو ابو زرہ رازیؒ نے بیان فرمائی ہے،

اذا رايت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فانه زنديق وذلك ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادعى اليه هذا القرآن والسنة اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا يطلوا الكتاب والسنة والجرح بهما اولى واهم زنادقة۔ (کفایہ ص ۱۲۴)

”جب کسی کو صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندقہ ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی پہنچایا ہے جو لوگ صحابہؓ پر معترض ہوتے ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور زندقہ ہیں۔“

سلف سے مسلمانوں کا یہی اعتقاد چلا آ رہا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت

کا مذہب ہے۔

اس کتاب میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا گیا ہے اور ان پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی مدلل دیئے گئے ہیں، لہذا ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے، ہم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خدمت لے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہمیں محشور فرمائے۔ (آمین)

## حامد میاں

۶ اربیع الثانی ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۶۷ء

# رائے گرامی

استاذ الحدیث حضرت مولانا عبدالکبیر صاحب مدظلہ محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ

سیدنا امیر معاویہؓ کے بارے میں بعض بددین اور فتنہ انگیز لوگوں کی بعض تحریروں کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد میں کچھ رخنہ پیدا ہونے لگا تھا، اچھے اچھے لوگوں کو بھی غلط فہمی ہونے لگی تھی۔

آپ کا اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے سیدنا امیر معاویہؓ کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب تصنیف فرما کر متزلزلہ عقائد والوں کو ٹھکانے لگایا اور فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے لیے فتنہ انگیزی کا دروازہ بند کر دیا۔

خداوند کریم آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے، میں آپ کو مبارک باد پیش کرنا ہوں

احقر عبدالکبیر  
محدث جامعہ قرآنیہ عربیہ لال باغ ڈھاکہ  
۲۴ رجب ۱۳۸۷ھ



# ماہنامہ الحق اکوڑہ ٹھک

## کاتبصرہ

ماہنامہ الحق ملک کا ایک معیاری پرچہ ہے جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹھک کے زیر اہتمام اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی زیر ادارت چار سال سے جاری ہے۔ اس پرچہ کے دسمبر کے شمارہ میں کتاب ”سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار“ پر تین صفحات میں شاندار تبصرہ کیا گیا ہے۔ مکمل تبصرہ کو تو نقل کرنا مشکل ہے البتہ اس کے چند اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:-

”محباہ کرام“ میں حضرت معاویہؓ کی ذات بڑی مظلوم ہے، اس کا تپ وحی ہادی اور مہدی شخصیت کے آئینہ مصفا پر بعض مؤرخین نے منوں گرد ڈال دی ہے جس سے موصوف کا جمال یہاں آراں ابھی تک ایسا ستور رہا ہے جس طرح چاند کی طلعت ابراؤد ہو جائے۔

آگے تاریخ کی تدوین میں جو کچھ عیاریاں کی گئیں اور شیعہ حضرات نے کس طرح اپنی تفتیہ کی فیکٹری میں ان روایات کو ڈھالا اور سیدنا عثمانؓ غنی اور سیدنا علیؓ کے بعد بعض لوگوں کو بدنام کرنے کی جو ہم شروع کی گئی تبصرہ نگار نے ان کی نشاہدی کی ہے، اس کے بعد فاضل تبصرہ نگار لکھتے ہیں:-

”خدا تعالیٰ مصنف ”سیدنا معاویہؓ“ کو جزائے خیر دے کہ اس نے شبانہ روز محنت، جگر کاوی اور عرق ریزی سے اس گرد کو جھاڑنے کی مستحسن کوشش کی ہے جو اولوالعزم اور حبیب القدر صحابیؓ کے دامن اور آئینہ مصفا پر پڑی تھی۔ اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر صحابہؓ حتیٰ کہ اہل بیتؑ تک کے افراد عبداللہ بن عباسؓ، محمد بن حنفیہؓ،

عبداللہ بن عمرؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ کے اقوال بیان کر کے حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرنے کی سعی کی ہے، اور تاریخ کا تانا بانا جس رطب ویابس مواد سے تیار کیا گیا ہے اُسے بھی خوب بے نقاب کیا گیا ہے اور اس پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ بزرگ کس راستے سے آئی ہیں۔ کتاب کیا ہے؟ اس روشنی کا مینار ہے جو تاریخ کے اندھیرے میں بھٹکتے ہوئے طالب علموں کو صحیح راستہ دکھا سکتی ہے، ایک صیقل ہے جس نے تاریخ کے چہروں کو مصفا اور مجلہ کر دیا ہے، غلط روایات کا پوش مارٹم ہے اور ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر صحیح اور غلط واقعات کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ ہم اپنے جملہ قارئین اور خصوصاً اہلسنت حضرات سے اس کے مطالعہ کی پُر زور سفارش کرتے ہیں اور مصنف کی اس غواصانہ عرق ریزی کی داد دیتے ہیں مصنف کا سب سے بڑا کمال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرتے کرتے اپنے دامن کو بھی خارجیت سے بچا گئے ہیں ورنہ اس سلسلہ میں پہلے قطعی کوششیں ہوئیں ان میں ایک گڑھ کھولی گئی تو دس گرہیں اونمودار ہو گئیں، حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کیا اور یوں خارجیت کی پرورش کی، لیکن مصنف کتاب ہڈانے اہلسنت والجماعت کے مسلک کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

دسمبر ۱۹۶۷ء

# قطعة تاريخية عربية

(٥٦)

تتواضع لخدمته صاحب النوري شيخ الادب والسرير بمعية الاسلام باشرافه  
 حضرت مولانا نذير احمد صاحب النوري شيخ الادب والسرير بمعية الاسلام باشرافه

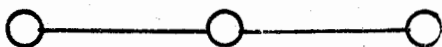
كتاباً الف جى عجيباً  
 اديباً شاعراً علام دهر  
 ذكياً حاذقاً مقداً علم  
 شهيراً فى جميع العلم فرداً  
 فى التحرير سباق زمان  
 وفى التنظيم هو كبر خضم  
 لجبت الشرق والغرب جميعاً  
 هو الشيعان فى كل الامور  
 وفى التاريخ قد جمع كتاباً  
 وكل لفظه دُرّ ثمين  
 جزاه الله فى الدارين خيراً  
 وقد كلّ النذير عن ثناءه  
 ولا تلقى كمثله لبيباً  
 بليغاً ماهراً فقام عصر  
 نقيباً فائقاً سباق حلم  
 ولا تلقى له فى الفضل ندّاً  
 وفى التقرير منطق بيان  
 وكل ناقص وهو متمم  
 فاني نلته فضلاً رفيعاً  
 فقيده المثل فى كل الدهور  
 وقد سهل ما كان صعباً  
 على ما قال والله امين  
 وقاء الله فى الكونين ضيلاً  
 على ما كان فيه من سناء

وفى التاريخ قولوا من سرور  
 كتاب السيرة جاء بنور  
 ١٣٨٤ هـ

ت و ق ت ل فى سن طبع من سرور

# نذر عقیدت

نتیجہ فکر مولانا الحاج محمد عبدالکریم صااباویہ اسماعیل خان



کیا بہترین، کتنی انوکھی کتاب ہے  
عنوان ہیں اچھوتے تو تحریر دلیہر  
ہے دل نشین بیان امیر معاویہؓ  
جو وقت کا مدبر اعظم تھا بے مثال  
وہ کاتبان وحی میں جس کا شمار تھا  
وہ کہ جو تھا صحابی محبوب کردگار  
حاصل تھی جس کو دنیا میں فوقیت عظیم  
جس کے ہے کارناموں پر تاریخ کو بھی ناز  
کہ دار میں اسی کے لکھی گئی یہ کتاب  
اس فور میں یہ واقعی تصنیف ہے عجیب  
محمود کی ظفر کی ہے احمد کی یادگار

اور یہ کتاب آپ ہی اپنا جواب ہے  
کیا بحث کیا دلائل نختہ ہیں بے نظیر  
ظاہر ہے جس سے شان امیر معاویہؓ  
لاریب اک منکر اعظم تھا بے مثال  
جو شاہکار قدرت پروردگار تھا  
گنجینہ رسول کا اک درّ تاب دار  
وہ فاتح دنیا کا شخصیت عظیم  
اسلام جس کے عہد میں کتنا تھا سرفراز  
پھر کیوں نہ یہ کتاب ہو نیا میں اللہ جواب  
اور اپنے رنگ خاص کی مالیت ہے عجیب  
اس عہد کا یہ ایک نرالا ہے شاہکار

کاوش ظفر کی دہریں یہ بے مثل ہے  
صابر قبول اس کی یہ سعی جمیل ہے



# پیش اسہنگ

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے نابغہ اسلام، کاتب وحی خال المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی کتاب زندگی ہے اس میں آپ کے واقعات زندگی، واقعات کے نشیب و فراز اور ان کی مختلف کروٹوں پر کتاب و سنت اور تاریخ اسلام کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔

سیدنا معاویہؓ ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو اپنی سیادت اور قیادت کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھا اور ہر موقع پر اس خاندان نے سیاسی و اقتصادی مسائل میں قریش کی قیادت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ دور جاہلیت میں اس خاندان نے اہل اسلام کی نہایت شدت سے مخالفت کی لیکن جوہی اس خاندان کے لوگوں نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالا اور نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بیک کہا تو وہی لوگ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے مصداق بن گئے اور ان کی شدت نفرت شدت محبت میں بدل گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہی لوگ جس طرح دور جاہلیت میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین کے قائد و سرور تھے اسی طرح اسلام قبول کرتے ہی مخالفین اسلام کا سر کھنچنے والوں کی قیادت کے فرائض سر انجام دینے لگے اور ان کے حسن اسلام کی وجہ سے ان کی سیادت میں اور بھی تسن پیدا ہو گیا۔

ان کی سیادت کا سب سے بڑا اظہار سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب تمام مملکت اسلامیہ ایک ایسے خلیفۃ المسلمین اور چند ایسے گورنروں کے تحت آگئی جن کا تعلق خاندان بنو امیہ سے تھا وہ گورنر اگرچہ سیدنا عثمان غنیؓ کے مقرر کردہ نہ تھے بلکہ ان کے تقرر کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے تھا،

لیکن بعض بنو ہاشم کو جو شروع ہی سے اپنے کو خلافت کا سب سے بڑا مستحق سمجھتے تھے بنو امیہ کی شان و شوکت اور پر عروج بالکل نہ بھاتا تھا۔ اس کے ساتھ اہل ایران اور یہودیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خلافت عثمانی کے خلاف ایک فتنہ بپا کر دیا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا موجب بنا، پھر بعد میں علوی خلافت میں بھی انہی شورش پسندوں کی وجہ سے ہنگامہ میں اور زیادہ اضافہ ہوا اور جنگ جبل اور جنگ صفین میں کئی ہزار جانوں کو خاک و خون میں لیٹا پڑا جس کا تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔

ان ہنگاموں میں جو کچھ بھی ہوا وہ کسی خاندانی رقابت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بعض سیاسی حالات ان واقعات کا پیش خیمہ تھے، مگر بعد کے تاریخ نگاروں نے ان واقعات کو ایک تو باہمی خاندانی رقابت کا رنگ دے دیا اور دوسرے ان میں اس قدر مبالغہ اور غلو سے کام لیا کہ حقیقت غلط روایات کی نذر ہو گئی۔ تاریخ کو اس طرح مسخ کرنے میں سب سے زیادہ دخل بنو عباس کو ہے کیونکہ ایک تو وہ خود خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے دوسرے خاندان بنو امیہ سے انہوں نے تمام خلافت چھینی تھی اور وہ اپنے اس پروپیگنڈے سے بنو امیہ کو خلافت کا واقعی غیر مستحق اور اپنے کو اس کا سب سے بڑا مستحق سمجھانا چاہتے تھے۔ پھر تاریخ نویسی کا آغاز بھی چونکہ انہی کے زمانہ میں ہوا اس لیے انہوں نے ایک خاص سیاسی مصلحت کے پیش نظر تاریخ میں ایسی غلط روایات داخل کروادیں جن کا حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ چنانچہ ندوہ کے ایک فاضل مؤرخ مولانا شاہ معین الدین ندوی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

”بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو امیہ کے سخت دشمن تھے اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں تاریخوں میں داخل ہو گئیں کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا روایات کی

انہی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا پورا امتیاز ہو سکے شکل حقی  
گو بہت سی بے سرو پا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا تنقید سے مسترد  
ہو گئیں لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے  
حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریرؒ اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط قرار دیا  
سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پوٹیکل مقاصد  
کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے۔ تاہم زمانہ مابعد میں جب  
تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی حد تک اس قسم کی روایتیں ناقابل اعتبار قرار  
پائیں، چنانچہ ابن خلدون میں اس قسم کے افسانے نہیں ملتے،  
رہبر الصحابہ جلد ۶ ص ۹۳

مصر کے فاضل مصنف علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس حقیقت کو ان  
الفاظ کا جامہ پہنایا ہے :-

ان التاریخ الاسلامی لم یبداء تدوینہ الا بعد زوال  
بنی امیة و قیام دولة لا یسرر حالها التعدث بمفخر ذلك  
الماضی و محاسن اهلہ فتولى تدوین تاریخ الاسلام  
ثلاث طوائف طائفة كانت تنشر العیش و الجدة من  
التقرب الى بغضی بنی امیة بما تکتبه و تولفه و طائفة  
ظننت ان التدوین لا یتیم و لا یكون التقرب الى الله الا  
بتشویة سمعة ابی بکر و عمر و عثمان و بنی عبد شمس  
جميعاً و طائفة ثالثة من اهل الانصاف و الدین۔

(العواصم من القواصم ص ۱۰۱ تعلیقہ)

(ترجمہ) ”تاریخ اسلام کی تدوین بنو امیہ کے زوال اور اس سلطنت کے قیام  
کے وقت شروع ہوئی جس کے لوگوں کو بنو امیہ کے منہ خوار و محاسن کا  
تذکرہ ایک قلم نہیں بھاتا تھا چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں

نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو امیہ کی مخالفت میں کتب میں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ آدمی کا تین اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا اور اس کو قربِ خداوندی اُس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا جب تک ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور تمام بنو عبد شمس (بنو امیہ) کے دامنِ شہرت کو داغدار نہ کیا جائے، اور تیسرا گروہ اہل انصاف و اہل دین کا تھا۔

کیا یہ سویں صدی ہجری کے مشہور محدث ملا علی قاریؒ ایک سلسلہ گفتگو میں تاریخ اسلام کے پس منظر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ومن ذلک الاحادیث فی ذی معاویۃ و ذم عمرو بن العاص و ذم بنی امیۃ و مدح المنصور و السفاح و کذا ذم یزید و الولید و مروان بن الحکم۔ (الموضوعات الکبیر ۱/۲۹۹ مع المطالع کپڑی)

ترجمہ: انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی موضوع ہیں جو حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور بنو امیہ کی مذمت میں ہیں اور اس کے مقابلے میں منصور عباسی اور سفاح عباسی کی مدح و تعریف میں ہیں اور اسی طرح یزید بن معاویہؓ اور ولید اور مروان بن الحکمؓ کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (کیونکہ وہ بنو عباس کے زمانہ میں محض ان لوگوں کو بدنام کرنے کے لیے وضع کی گئی تھیں)۔

ہر سہ اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ ایسے نہیں تھے جیسے تاریخی روایات بتاتی ہیں بلکہ وہ اسلام کے نہایت مخلص خدمت گزار تھے اور اسلام کی خدمت میں وہ کسی قبیلے سے پیچھے نہیں تھے بلکہ سب سے پیش پیش تھے۔ اور یہ روایات جن سے ابن جریر طبری، ابن الاثیر اور ابن عساکر کی تواریخ اتنی پڑی ہیں سیاسی اغراض کی تکمیل اور خاص سیاسی جذبات کی تسکین کے لیے اپنے سیاسی حریفوں کیلئے خاص کر کرانے کے



لوگوں سے وضع کرائی گئیں اور بعد میں ان روایات کو کچھ اس طرح سے ہوا دی گئی کہ بے خبر لوگوں نے ان غلط روایات کو حدیث کے ہم پلہ اور ان افسانوں کو تاریخ کی مستحکم اور ثقہ روایات سمجھ لیا۔

## اسلامی تاریخ کے ماخذ

اسلامی تاریخ کے ماخذ صرف کتب تواریخ ہی نہیں بلکہ اس تاریخ کے

ماخذ تین ہیں۔

① **قرآن حکیم** | اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا ماخذ قرآن حکیم ہے جس نے اپنے خاص مشن کے تحت صحابہؓ کی ایک جماعت تیار کی پھر اس عجمت کی صفات و ذہنی رجحانات، قلبی کوائف کو بیان کیا اور ان کی خصوصیات کو اُمتِ مسلمہ کے سامنے بطور اتباع اور حجت پیش کیا۔ چنانچہ صحابہؓ کرامؓ کے ذہنی رجحانات، قلبی کوائف اور فکری ارتقاء کا تذکرہ کئی سوایات میں بیان کیا گیا ہے جس سے صحابہؓ کرامؓ کی سیرت سے متعلق بہت سی چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

② **احادیث** | قرآن حکیم کے بعد احادیث رسول کا درجہ ہے جو نہ صرف قرآن کی تشریح و تفسیر ہیں بلکہ صاحب قرآن اور حاملین قرآن کی سیرت اور واقعات زندگی پر بھی کافی حد تک روشنی ڈالتی ہیں۔ حدیث کی متعدد کتب میں ارشادِ نبویہ کے ماسوا صحابہؓ اور تابعین کے اقوال و اعمال کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور ان سے تبع تابعین تک کے احوال و وقائع پر روشنی پڑتی ہے۔

صحیح کے لحاظ سے کتب احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں :-

پہلا طبقہ | کتب احادیث کا پہلا طبقہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ مؤطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ مؤطا کے رجال کی عدالت اور ضبط پر

اہل علم کا اتفاق ہے۔ فقہائے ائمہ کی بنیاد بھی اسی پر ہے، متعدد اہل علم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ صحیحین بخاری اور مسلم اگرچہ احادیث کی کثرت اور پھیلاؤ میں

مٹوطا سے دس گنا ہوں گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) اور امام مسلمؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) نے احادیث کی روایت کرنے کا طریقہ، راویوں کی تمیز کا سلیقہ تتبع طرق حدیث اور استنباط مسائل کا ڈھنگ مٹوطا ہی سے معلوم کیا ہے۔ صحیحین کے جامعین نے بڑی محنت اور دجال روایت پر بڑی کڑی شرطیں لگا کر احادیث کا استخراج کیا ہے لیکن پھر بھی یہ ضروری نہیں کہ صحیحین کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں صحیح حدیث نہ ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

ان قولنا رواہ البخاری ومسلم علامة لنا على صحته لا انه  
صان صحيحاً بمجرد رواية البخاری ومسلم رواها  
غيرهما من العلماء والمحدثين من لا يصحى عددهم  
الا الله ولهم ينضرد واحد منهما بعد حديث بل ما من حديث  
الا قد رواه قبل زمانه وفي زمانه وبعد زمانه طوائف  
ولو لم يخلق البخاری ومسلم لهن ينقص من الدين شيء و  
كانت تلك الاحاديث موجودة باسانيد يحصل بها  
المقصود وفوق المقصود۔

ہمارے یہ کہنا کہ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ہمارے  
مزدیک اس کی صحت کی علامت ہوتی ہے لیکن محض اس لیے نہیں کہ اس کو  
امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے روایت کیا ہے بلکہ ان کی احادیث کے علاوہ ان  
حدیثوں کو علماء اور محدثین کی ایک بڑی تعداد نے روایت کیا ہے، ان  
احادیث میں ایک بھی ایسی نہیں جس کو کافی لوگوں نے ان کے زمانے سے  
قبل اور خود ان کے زمانے میں اور ان کے زمانہ کے بعد روایت نہ کیا ہو  
اگر بخاریؒ اور مسلمؒ پہلے نہ ہوتے تو پھر بھی دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوتی اور  
یہ احادیث اپنی اسناد کے ساتھ اسی طرح موجود ہوتیں اور ان سے یہی  
مقصود حاصل ہوتا بلکہ مقصود سے بھی کچھ زیادہ حاصل ہوتا۔

وَأَمَّا قَوْلُنَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ كَقَوْلِنَا فِي الْقُرْآنِ رَوَاهُ الْقُرْآنُ  
السَّبْعَةُ وَالْقُرْآنُ مَنْقُولٌ بِالتَّوَاتُرِ لَمْ يَخْتَصْ هَؤُلَاءِ السَّبْعَةُ  
بِنَقْلِ شَيْءٍ مِنْهُ وَكَذَلِكَ التَّصْحِيحُ لَمْ يَقْلِدْ أُمَّةُ الْحَدِيثِ  
فِيهِ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمًا بَلْ جَمْعُهُمَا مَا صَحَّحَا كَانَ قَبْلَهُمَا  
عِنْدَ أُمَّةٍ الْحَدِيثِ صَحِيحًا مُلْتَقًى بِالْقَبُولِ وَكَذَلِكَ فِي  
عَصَرِهِمَا وَكَذَلِكَ بَعْدَهُمَا قَدْ نَظَرَ أُمَّةُ هَذَا الْقَرْنِ  
فِي كِتَابَيْهِمَا وَافْقَوْهُمَا عَلَى صِحَّةِ مَا صَحَّحَا أَلَا مَوَاضِعَ  
يَسِيرَةً نَحْوَ عِشْرِينَ حَدِيثًا غَالِبًا فِي مُسْلِمٍ نَقَدَهَا  
عَلَيْهَا طَائِفَةٌ مِنَ الْحَفَازِ -

ہمارے کہنا کہ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے، یہ بالکل ایسا ہی  
ہے جیسے ہم قرآن کی بابت کہتے ہیں کہ اسے قراء سبعہ نے روایت کیا  
ہے حالانکہ قرآن تو اترے منقول ہے اور اس کی کسی شے کے بارہ میں  
قراء سبعہ کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اسی طرح حدیثوں کی تصحیح کا معاملہ ہے  
اس میں بھی محدثین بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کرتے بلکہ جن احادیث کو  
انہوں نے صحیح کہا ہے محدثین کے نزدیک وہ ان سے پہلے زمانہ میں بھی  
صحیح اور ملتی بالقبول ہی تھیں، اسی طرح ان کے زمانہ میں بھی اور ان  
کے بعد بھی۔ اس فن کے ائمہ (محدثین کرام) نے ان دونوں کتابوں کا  
بغور مطالعہ کیا اور ان روایات کی صحت پر ان کے ساتھ اتفاق کیا جن کو  
ان دونوں امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح کہا ہے سوائے ان حدیث  
کے قریب جن میں اکثر مسلم میں ہیں اور بعض حفاظ حدیث نے ان دونوں  
کتابوں کی ان احادیث پر تنقید کی ہے۔ رہنما جلد ۳ ص ۹۱/۹۸ بولائی مصر

دوسرا طبقہ اکتب احادیث کا دوسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ کتابیں ہیں جو ان  
دونوں کتابوں کے درجہ تک تو نہیں پہنچی ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں

جیسے جامع ترمذی (م ۲۶۹) سنن ابی داؤد (م ۲۵۵) سنن نسائی (م ۳۰۳) جن کے مؤلفین وثوق، عدالت، حفظ اور ضبط میں مشہور تھے اور فتویٰ حدیث میں قیصر۔ ان حضرات نے اپنی ان کتابوں میں ان شروط میں کوتاہی اور چشم پوشی کرنے کو پسند نہیں کیا ہے جن کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور احادیث کے احوال و علل کے بیان کرنے میں کم کوشش نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ یہ کتابیں لوگوں میں مشہور ہو گئیں اور ائمہ حدیث نے ان چھ کتابوں کو ”صحاح ستہ“ کے نام سے موسوم کیا ہے لیکن سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی سب روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع بھی قسم کی روایات شامل ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالحی کھنوی فرماتے ہیں :-

ليس كل ما في هذه الكتب و امثالها صحيحاً و حسناً  
بل هي مشتملة على الاخبار الصحيحة و الحسنة  
والضعيفة و الموضوعه -

”ان کتابوں اور ان جیسی دوسری کتابوں میں صرف صحیح اور حسن روایات ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات ہیں“ (الاجوبة المفاضلة ص ۶۶)

ایسا ہی علامہ نووی نے لکھا ہے کہ :-

ان في السنن الصحيح والحسن والضعيف  
والمنكر -

”سنن اربعہ میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر ہر قسم کی روایات

ہیں“ (التقريب ص ۹۵)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک مسند امام احمد (م ۲۴۱) بھی اسی طبقہ ثانیہ سے ہے، وہ اصل ہے جس سے صحیح اور تقیم کا علم ہوتا ہے اور اس سے اس حدیث بنی کی کوئی اصل ہے اس حدیث سے جس کی کوئی اصل نہیں ہے تمیز کیا جاتا ہے۔

ہاں ہمارے مسند میں بہت سی ضعیف احادیث بھی ہیں جن کا احوال بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسند احمد کی ضعیف احادیث بھی اُن ضعیف احادیث سے کہیں بہتر ہیں جن کی متاخرین تصحیح کرتے ہیں کیونکہ مسند احمد کی ضعیف حدیث بھی حسن کا درجہ رکھتی ہے۔ بہر حال مسند امام احمدؒ سے بڑا صحیح احادیث کا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ علامہ حافظ نور الدین ہینٹھیؒ نے ”غایۃ المقصد فی زوائد المسند“ میں تصریح کی ہے کہ:-

مسند احمد اصح صحیحاً من غیرہ۔

”صحیح ہونے کے لحاظ سے مسند احمد اوروں کی نسبت زیادہ

صحیح ہے۔“ (تذاریع الراوی ص ۴۵)

لیکن محدثین کی یہ تصحیح اسناد کے لحاظ سے ہے، درایت کے اصولوں پر اگر ان احادیث کو پرکھا جائے تو کئی احادیث ایسی ملیں گی جو کہ حد درجہ کی ضعیف ہیں اور ان کے راویوں نے اپنی مرویات میں نادانستہ یا دانستہ دروغ گوئی سے اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔

علمائے حدیث و فقہ نے مسند احمد کو اپنا راہ نما بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ فن حدیث میں اس کی حیثیت رکن اعظم کی ہے۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ (م ۲۴۳) بھی طبقہ ثانیہ میں شمار کی جاتی ہے اگرچہ اس کی بعض احادیث انتہا درجہ کی ضعیف ہیں۔ حدیث کی کوئی کتاب بھی ہو خواہ وہ بخاری مسلم ہی کیوں نہ ہوں تنقید اور چھان بین سے بالاتر نہیں اور محدثین نے اپنی کتابوں میں ان سب کتابوں کی روایات پر بحث اور تنقید کی ہے اور ان کی احادیث کے بارہ میں استدراکات لکھے جیسا کہ امام دارقطنیؒ نے بخاری کی دو سو احادیث پر ”الاستدراکات“ نامی کتاب لکھی۔ (عمدة القاری جلد ۱) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں ان کا جواب دینے کی بھی سعی کی ہے لیکن جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ مضمحل نظر آتے ہیں۔

(ہدی الساری مفید فتح الباری ص ۳۸۲ تا ۳۸۸)

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایک تقسیم کے لحاظ سے احادیث کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) وہ احادیث جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو فضائل سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن میں واقعات، تنازعات، مشاہرات اور سیر و معازی کا ذکر ہے۔

ان میں سے پہلی قسم کی احادیث پر ائمہ اربعہ اور ان کے متعلقین فقہاء نے اسناد و روایت کے لحاظ سے سیر حاصل بحثیں کر کے ان کی چھان بھٹک کر دی ہے اور اب ان پر زیادہ تنقید اور تحقیق کی چنڈاں ضرورت نہیں ہے۔

دوسری قسم کی احادیث علمائے کرام نے کچھ بحث کی ہے لیکن اس قسم کی احادیث پر ان کا معیار تنقید احکامی احادیث سے الگ ہے۔ ان احادیث کے بارہ میں علماء نے نہایت تساہل سے کام لیا ہے، اگر کسی ضعیف حدیث سے بھی کسی عمل کی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو اس ضعیف حدیث پر عمل کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے ائمہ حدیث فرماتے ہیں :-

اذا روينا في المحلل والحرام شدة دنا واذ روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا۔

جب ہم حلال و حرام (یعنی احکام) کے بارہ میں احادیث روایت کرتے ہیں تو سختی سے کام لیتے ہیں لیکن جب فضائل کی احادیث روایت کرتے ہیں تو دان پر جرح اور تنقید کے بارہ میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ (کفایہ ص ۱۳۷)

اس مضمون کو ان کتابوں میں بھی مختلف الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے :-

(۱) عیون الاثر فی فنون معازی والسیر لابن سید الناس جلد ۱ ص ۱۵

(۲) الحظ الاوفر فی الصحیح الاکبر ص ۷۷۔ (۳) الموضوعات لعلی القاری ص ۷۳

(۴) شرح الفیۃ الحدیث جلد ۲۔ (۵) الفتح المبین شرح اربعین نووی لابن حجر مکی ۳۲  
تیسری قسم کی احادیث جن کا تعلق مغازی و سیر اور مشاجرات و واقعات صحابہ  
سے ہے ان کی تنقیح و تمقیق پر بہت ہی کم لوگوں نے توجہ کی ہے اور جن  
لوگوں نے ان احادیث کے بارہ میں کچھ لکھا ہے انہوں نے بھی صرف اسنادی لحاظ سے ان  
پر جرح و نقد کیا ہے، اصول و دلیلت کے لحاظ سے ان کے بارہ میں کوئی بحث نہیں کی۔  
لہذا سیر و مغازی اور مشاجرات صحابہ کے بارہ میں ہر قسم کی احادیث کو بڑے بڑے  
محدثین نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ اور عام لوگ ہر موضوع  
اور ضعیف حدیث کو بھی صرف اس وجہ سے کہ فلاں عالم نے اس کو اپنی کتاب میں  
نقل کیا ہے، اپنے معتقدات کی بنیاد ان پر رکھنے لگے۔

علاوہ ازیں سیر و مغازی اور مشاجرات کا تعلق تاریخ سے بھی ہے اور تاریخ کی اکثر  
روایات محمد بن اسحاق، واقفی اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں جن کے کذب پر بڑے  
بڑے ائمہ حدیث کا اتفاق اور اجماع ہے چنانچہ محمد بن اسحاق کے بارہ میں امام نسائی، امام ابوالحکم  
امام دارقطنی، سلیمان بن یحییٰ بن سعید القطان، وریب بن خالد، امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی،  
حافظ ابن القیم، امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان اور دیگر ائمہ حدیث نے کذاب ضعیفین و کذب  
کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضعیف و کذاب العطل جلد ۳ ص ۴۳، میزان الاعتدال  
جلد ۳ ص ۲، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۶، توحید النظر ص ۲۸، زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۴۱، نیل الارطار  
جلد ۲ ص ۲۳، دلیل الطالب ص ۲۳۹ وغیرہم۔

بلکہ امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ محمد بن اسحق ”وجالوں میں سے ایک جال تھا“  
(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۱)

اسی طرح واقفی کے بارہ میں ائمہ حدیث نے کذاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔  
ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۶، لسان المیزان جلد ۶ ص ۸۵،  
میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۱۹، المغنی جلد ۲ ص ۶۱۹)

اسی طرح ابو مخنف لوط بن یحییٰ بھی اہل علم کے نزدیک دروغ گو، اخباری، غیر ثقہ اور

جلالینا شیعہ ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶، لسان الیزان جلد ۴ ص ۴۹)  
یہی حال ہشام بن محمد بن سائب الکلبی کا ہے۔ علمائے جرح و تعدیل نے اس کا  
چہرہ بھی گھناؤنا پیش کیا ہے جس کی تفصیل اس کتاب کے اگلے صفحات میں آ رہی ہے۔  
ان راویوں کی مرویات آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیسی ہوں گی! کذب اور  
دروغ یا قی کا مرقع، صحابہ کرامؓ پر افتراء پر دازی اور بہتان تراشی کا مجموعہ، دین اسلام  
کے خلاف ایک سازش، جس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے۔

ہمارے محدثین نے تاریخ اور حدیث کی بعض روایات میں جب ہم آہنگی دیکھی  
تو بعض ضعیف بلکہ موضوع احادیث کو بھی جن کا تعلق سیر و مغازی اور مشاہیرات سے تھا  
بغیر اسناد پر بحث کئے اور درایت کے اصولوں کو نگاہ میں رکھے بیک جنبش قلم ان کو صحیح  
لکھ دیا اور متاخرین نے مقدمین پر اعتماد کی بنیاد استوار کرتے ہوئے بغیر جرح و تنقید  
کے ان کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی اور اُنے والے لوگوں کے راستہ میں مشکلات  
کی دیوار کھڑی کر دی۔ مثال کے طور پر حدیث ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيَ مَوْلَاً“  
اس حدیث کو اگرچہ طبقہ اعلیٰ کی کتابوں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم،  
سنن ابی داؤد وغیرہ میں روایت نہیں کیا گیا، لیکن یہ درست ہے کہ یہ حدیث کثرت  
روایت اور تعدد طرق سے مروی ہے لیکن اس کے باوجود غیر صحیح اور ضعیف ہے، چنانچہ  
حافظ جمال دین زبلیؒ نے لکھا ہے کہ:-

کم من حدیث کثرت رواۃ و تعددت طرقہ و هو  
حدیث ضعیف۔

”کئی احادیث کثرت روایت اور تعدد طرق کے باوجود ضعیف ہیں“  
ان ہی احادیث میں حافظ زبلیؒ نے حدیث ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيَ مَوْلَاً“  
کو بھی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو نصب الرایہ جلد ۱ ص ۳۵۹، ۳۶۰)

اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہؒ نے علامہ ابن حزمؒ کا ظاہری قول نقل کیا ہے:-  
وَأَمَّا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاً فَعَلِيَ مَوْلَاً فَلَا يَصَحُّ مِنْ طَرَق



## انشقات اصلاً -

”اور حدیث من کنت مولاهُ فعلی مولاهُ ثقہ اور معتبر طریقوں سے

ہرگز ثابت نہیں۔“ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۸۶ بولاق)

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ثقات کے نزدیک بالکل ضعیف ہے لیکن کثرتِ روایات اور تعددِ طرق کی بناء پر بعض محدثین نے اسے صحیح لکھ دیا ہے جو کہ اصولِ روایت اور اصولِ دلالت کی رُو سے سراسر غلط ہے۔

ساری بحث کا حاصل یہ کہ سیر و مغازی اور مشاہرات و واقعات صحابہؓ کے بارہ میں احادیث پر علمائے متقدمین اور متاخرین نے اصولِ روایت و دلالت کے لحاظ سے وہ جرح و تنقید اور بحث و تحقیق نہیں کی ہے جو احکامی احادیث پر کی ہے اور اگر کچھ جرح و نقد کی بھی ہے تو نہایت تساہل سے۔

دوسری چیز یہ کہ حدیث صحیح اور ضعیف وہی ہے جو اصولِ روایت و دلالت پر پوری اُترتی ہو، بعض یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث فلاں کتاب میں ہے اور یہ خبر فلاں مؤرخ نے نقل کی ہے ایک بے وزن بات ہے۔

ایسی احادیث اور اخبار سے صحابہ کرامؓ کی شخصیات کو مجروح نہیں کیا جاسکتا جن کی پاکدامنی اور رضاۃ الہی کی سند غیر متواتر یعنی قرآن حکیم سے دی جا چکی ہے۔

**تیسرا طبقہ** | کتب احادیث کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس میں وہ مسانید، جوامع اور مصنفات شامل ہیں جو بخاری اور مسلم کے زمانے سے قبل یا ان کے زمانے

میں یا ان کے بعد تصنیف ہوئیں اور وہ صحیح حسن، ضعیف، معروف، غریب، شاذ، متکبر، خطا و صواب اور ثابت و مقول ہر نوع کی احادیث پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ ان سے اجتہاد مطلقہ زائل ہو گئی ہے تاہم علماء میں ان کی شہرت و مقبولیت ویسی نہ ہو سکی جیسی طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی کتابوں کی ہوئی۔

ان میں مختلف معیار کی کتابیں ہیں بعض کتابیں بعض سے زیادہ قوی ہیں ان کتابوں کے کچھ نام یہ ہیں۔

مسند امام شافعی (دم ۲۰۲) سنن ابن ماجہ (دم ۲۰۳) مسند دارمی (دم ۲۰۵)  
 مسند ابو یعلیٰ موصلی (دم ۲۰۶) مصنف عبد الرزاق (دم ۲۱۱) مصنف ابن ابی شیبہ  
 (دم ۲۱۵) مسند عبد بن حمید (دم ۲۱۹) مسند ابو داؤد طباطبائی (دم ۲۲۰) سنن داقطنی  
 (دم ۲۱۸) صحیح ابن حبان (دم ۲۲۵) مستدرک حاکم (دم ۲۲۵) کتب بیہقی  
 (دم ۲۲۵) کتب طحاوی (دم ۲۲۲) اور مصنفات طبرانی (دم ۳۶۴)

کتب حدیث کے چوتھے طبقے میں وہ کتابیں شامل ہیں جن کے مصنفین  
پہلے طبقے نے زمانہ دلاز کے بعد ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا جو گزشتہ  
 زمانوں (طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کی کتابوں) میں نہیں تھیں، لہذا ان کی احادیث دو طبقوں  
 سے خالی نہ ہوں گی۔ ایک شق یہ ہے کہ سلف نے ان سے کافی بحث کی لیکن انہیں ان  
 کی اصل نہ ملی کہ ان کی روایت میں مشغول و مصروف ہوتے، دوسری شق یہ ہے کہ  
 انہیں اصل تو ملی لیکن ان میں قدر و علت تھی جس کی وجہ سے وہ ان کی روایت ترک  
 کرنے پر مجبور ہوئے۔ غرض ان دونوں شقوں کی بناء پر ان کتابوں پر کوئی ایسا  
 اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ ان کتابوں سے کوئی عقیدہ ثابت کیا جاسکے یا ان سے  
 کسی عمل کے ارتکاب پر کوئی دلیل قائم کی جاسکے۔

اس قسم کی کتابیں بکثرت موجود ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

کتاب الضعفاء لابن حبان (دم ۲۵۲)	مسند الفردوس للعلیمی (دم ۵۰۹)
مصنفات حاکم (دم ۴۰۵)	بلکہ ان کی ساری تصانیف -
کتاب الضعفاء للعقيلي (دم ۳۲۳)	مصنفات ابی نعیم (دم ۴۳۰)
کتاب الکامل لابن عدی (دم ۳۶۵)	مصنفات جو ترقانی (دم ۵۲۳)
مصنفات ابن مردويه (دم ۴۱۶)	مصنفات ابن عساکر (دم ۵۷۱)
کتب خطیب (دم ۴۶۳)	مصنفات ابی الشیخ (دم ۳۶۹)
تصانیف ابن شاہین (دم ۳۸۵)	افہ
تفسیر ابن جریر (دم ۴۱۰)	مصنفات ابن النجار (دم ۴۶۳)

علامہ ابن جوزی (م ۵۹۶ھ) نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں ان کتابوں کی اکثر موضوع روایات کی خوب خبر لی ہے، چنانچہ ان کو انہوں نے مجروح اور مطعون ثابت کیا ہے اور ان کے دلائل وضع و کذب کو خوب واضح کیا ہے، نیز کتاب ”تمنیزہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشذیعة الموضوعة“ للشیخ ابی الحسن علی بن محمد بن عداق الکنانی (م ۹۶۳ھ) اس قسم کی فریب دہ چیزوں کو دور کرنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ دوسری کتابوں کی حاجت ہی نہیں رہتی، اکثر عجیب و غریب مسائل مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا مسلمان ہونا اور ابن عباس سے مسح رجلین کی روایات اور اس طرح کے بہت سے عجیب و غریب مسائل اسی طبقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی تصانیف کا سارا سرمایہ ہی کتابیں ہیں کیونکہ وہ زیادہ انہی کتابوں میں مشغول رہتے اور ان سے ایسے ایسے احکام استنباط کرتے کہ جن کی کوئی حد نہیں۔

اگر کسی کو ان کتابوں سے کوئی دلچسپی ہو تو وہ علامہ شمس الدین فہرستی کی کتاب ”میزان المعنی“ اور ابن حجر عسقلانیؒ کی ”لسان المیزان“ کو اپنے زیر مطالعہ رکھے کیونکہ یہ دونوں کتابیں ان کتابوں کی روایات کی تحقیق کے بارے میں از حد مفید ہیں۔ (ماخوذ از عجالة نافه از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۸۰، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئله العشرۃ الکاملۃ ص ۱۳۷)

### ③ تاریخ

تاریخ اسلامی کا تیسرا ماخذ کتب تواریخ ہیں، لیکن یہ ماخذ اتنا معتبر نہیں ہے کہ اس پر سبکی اعتماد کر کے پہلے دو ماخذوں کی روایات اور وقائع کو نظر انداز کر دیا جائے یا ان کو غلط قرار دے دیا جائے۔ کیونکہ پہلے دونوں ماخذوں (قرآن و حدیث) کی اکثر روایات یقینی اور کچھ قریب بہ یقین ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں تاریخی روایات بالکل غلط بلکہ اکثر محرف ہیں جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) اکثر کتب تاریخ بنی عباس کے زمانہ میں مدون ہوئیں اور ایک خاص پرنسپل سازش کے تحت ان میں جان بوجھ کر ایسا مواد اور ایسی روایات جمع کر دی گئیں کہ

جن سے بنو امیہ کی متقیص مقصود تھی اور اس کے محاسن کو بھی معائب و مثالب کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا اور اس مقصد کے لیے کرائے کے ٹو بھی خریدے گئے۔ (۲) بعد کے زمانہ میں شیعہ راویوں اور شیعہ مؤرخین نے اپنے کو سنی ظاہر کر کے تاریخ کی ایسی کتابیں تالیف کیں جن میں بنو امیہ کے خلاف اپنے دلی بغض کا کھل کر اظہار کیا گیا اور سنی کتب تواریخ میں تحریف کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جن کا تفصیلی ذکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”تختہ اثنا عشریہ“ میں فرمایا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:-

(۱) شیعہ علماء اکثر یہ کیا کرتے ہیں کہ تفسیر و سیر کی ان کتابوں میں جن کا استعمال سنی علماء و طلباء کے ہاں کم رہتا ہے یا حدیث کی ان کتابوں میں جو زیادہ مشہور نہیں ہوتیں اپنی طرف سے موضوع اور جھوٹی باتیں جو کہ مذہب شیعہ کی مؤید ہوتی ہیں ملحق کر دیتے ہیں اور پھر اس سے سنی ناواقف علماء کو بھی بعد میں دھوکا لگ جاتا ہے۔ پھر اس کی ایک مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”محمد شاہ کے زمانہ میں دہلی میں دو شیعہ بھائی طبقہ امراء میں سے ایسے تھے جو کہ صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور المسند کی دوسری کئی ایک تفاسیر کو بہترین کاغذ پر خوش خطیوں سے لکھواتے اور جگہ جگہ اپنے مذہب کی تائید کی حدیثیں ملا دیتے، پھر ان نسخوں کی جلدوں کو مطلقاً اور مذہب کر کے بہت معمولی قیمت پر فروخت کرنے کیلئے بازار میں پیش کرتے، معمولی قیمت پر بہترین خط و کاغذ کی اعلیٰ کتابوں کو دیکھ کر ناواقف لوگ شوق سے خرید لیتے اور اس طرح ان کتابوں کی اشاعت ہو جاتی۔

اسی طرح اصغہاں میں خاندان صفویہ کے امراء میں سے ابراہیم بن علی شاہ شیعہ وہاں پر اسی طرح کا کام کرتے رہے لیکن ان مکایوں اور دھوکہ بازیوں سے بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہو سکا کیونکہ المسند کی مشہور کتابیں کمال شہرت کی وجہ سے ناقابل تحریف تھیں اور کتب غیر مشہورہ کا کوئی اعتبار نہیں۔“ (تختہ اثنا عشریہ ص ۹۵)

(ب) کبھی شیعہ علماء فضائل خلفاء اربعہ میں کوئی کتاب تصنیف کر دیتے ہیں اور اس میں

اہل سنت کی صحیح کتابوں سے صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں لیکن جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ذکر کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں جو کہ خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہؓ کے حق میں موجب قدح ہوتی ہیں، وضع کر جاتے ہیں یا حضراتِ شیعہ کی کتابوں سے نقل کر دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت کی حقیقت کے بارے میں چند نصوص صریحہ اور یہ کہ سیدنا علیؓ کے ہوتے ہوئے جو کوئی خلیفہ بن جائے تو وہ "یہ اور وہ" ہے درج کر جاتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ سکر پڑھنے اور سننے والے شبہ میں پڑ جاویں اور خلفائے راشدین کے بارہ میں ان کے دل میں بدظنی پیدا ہو جاوے۔  
(تحفہ اثنا عشریہ ص ۹۶)

اور حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کی مثالیں بھی نقل فرمائی ہیں۔  
(ج ۱) کبھی یہ لوگ اہلسنت کے مؤرخوں کے ساتھ یوں بھی کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتاب لکھ لیتے ہیں اور اس میں کوئی ایسی بات جس سے یہ وہم پیدا ہو سکے کہ مؤلف اہلسنت سے خارج ہے، درج نہیں کرتے، لیکن سیرِ علماء، احوالِ صحابہؓ اور ان کے باہمی محاببات کے بیان میں کچھ حصہ تھوڑا سا اپنے مذہب کا ملا لیتے ہیں، بعض اہلسنت مؤرخین اس خیال سے کہ مصنف سنی اور محقق ہے اس سے نقل کرتے اور غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہی بے تحقیق عبارت قارئین کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

پھر ایک مثال دے کر فرماتے ہیں کہ محققین اہلسنت ایسی تاریخوں کے مطالعہ سے احتراز ضروری قرار دیتے ہیں۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۱۱)

(د) کبھی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اہلسنت کے معتبر اور مستند علماء کے اسماء و القاب اور ان کی کنیتوں پر غور کس کے دیکھ لیتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی بڑا شخص اپنے کسی عالم کا ہم نام یا ہم لقب پالیتے ہیں تو اپنے اس شیعہ عالم کی حدیث و روایت اس سنی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، نام و لقب کے اتحاد کی وجہ سے دونوں میں امتیاز بہت مشکل ہوتا ہے لہذا ناواقف سنی اس کو اپنے ائمہ میں سے ایک امام سمجھ کر اس کی روایت کو قابل اعتبار سمجھ لیتے ہیں، جبے "سُدی" اس نام کے دو شخص ہوئے ہیں ایک سُدی کبیر

اور دوسرا سدی صغیر۔ کبیر اہلسنت کے معتبر علماء میں سے ہیں اور صغیر و قاضین و  
 کذاہین میں سے ہے اور غالی و متشدد و رافضی ہے۔ اور اسی طرح ابن قتیبہ نام کے بھی  
 دو شخص ہیں۔ ایک ابو اہیم بن قتیبہ غالی رافضی ہے اور دوسرا عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ  
 اہلسنت میں سے ہے ”کتاب المعارف“ اصل میں سنی ابن قتیبہ کی ہے لیکن شیخ  
 ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب کا نام معارف رکھا تاکہ لوگوں کو نام سے اشتباہ ہو جائے۔  
 (تحفہ اثنا عشریہ ص ۶۷)

(۳) کتب تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا تیسرا سبب اکثر تاریخی روایات کا بے سند ہونا  
 ہے مسلمانوں نے جب اقوال رسول کے لیے سند کا ہونا ضروری قرار دیا ہے تو تاریخ  
 کے لیے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ بغیر سند کے ہر کوئی جو کچھ چاہے کسی کے  
 متعلق کہہ سکتا ہے اسی لیے امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت عبد اللہ بن  
 مبارک کا ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ :-

لَوْ لَا الْأَسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ۔ (مقدمہ صحیح مسلم جلد اول)

اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔

چنانچہ کتب تاریخ میں اکثر روایات بے سند ہیں کسی کو ذکر و اے اور کسی کو  
 ”قیل“ یا ”یقال“ یا ”روی عن اصحابنا“ یا اسی طرح کے اور مبہم سے الفاظ کے ساتھ  
 ذکر کیا گیا ہے۔ اب ایسی روایات کی حقیقت قرآن اور حدیث کی صحیح روایات کے  
 مقابلہ میں کچھ نہیں، چنانچہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ  
 فرماتے ہیں :-

”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ  
 ہوتا ہے نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ انفصال و انقطاع سے  
 بحث ہوتی ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو  
 عموماً ان میں ہر غٹ و ثبہین سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے  
 خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ۲۶۶)

(۴) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا پوچھنا سبب یہ ہے کہ تاریخی کتابیں پریس نہ ہونے کے سبب سے کافی عرصہ سے قریباً ناپید ہو چکی تھیں، اس زمانہ میں یورپ کے مستشرقین نے ان کو چھاپا ہے، اب معلوم نہیں انہوں نے ان میں کیا کیا تحلیفات کی ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلام کے خلاف ایک گہری سازش کیے ہوئے ہیں اور اسلامی کتابوں کے انگریزی ترجمے اور اسلامی نایاب کتابوں کی طباعت ان کی بڑی نیت کی غمازی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ کی دو عظیم اشیان کتب "طبری" اور "طبقات ابن سعد" ہیں۔ طبقات ابن سعد کے مصنف ایک بہت بڑے عالم اور محدث تھے، واقندی کے شاگرد اور فتوح البلدان کے مصنف بلاذری کے استاذ تھے، طبقات ۲ جلدوں میں مرتب فرمائی جن میں دو حصے صرف جناب ختمی مرتبت کے حالات کے بارہ میں ہیں اور باقی دس حصے صحابہ، تابعین کے حالات زندگی پر مشتمل ہیں، لیکن یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانے میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا۔ جرمن کے شہنشاہ کو اس کی طباعت و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ اس نے لاکھ روپے اپنی جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ کے مختلف کتب خانوں سے اس کے تمام اجزاء فراہم کیے اور یورپ کے بارڈر پروفیسروں نے جن میں اکثر پادری تھے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ تیسری سیر میں بیٹون (ہالینڈ) سے اس کو طبع کر کے شائع کیا گیا۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷)

آج بھی کتاب تمام دنیا میں ملتی ہے اگرچہ بعد میں یہ کتاب مصر میں بھی شائع ہوئی لیکن انہوں نے اسی لیڈن کے نسخہ کی نقل کر کے شائع کی ہے۔ اب ایک ایسی کتاب جو ایک عرصہ تک ناپید رہی ہو اور اہل علم میں اس کے علمی تعارف کا واسطہ ملے متقطع ہو کر رہ گیا ہو اور اس کو دوبارہ مرتب کرنے والے غیر عرب غیر مسلم اور متعصب عیسائی پادری ہوں جو تیرہ سو سال سے مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ قائم کیے ہوئے ہوں اور بغیر علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور ان کی امت کے ساتھ

ان کا تعصب اظہر من الشمس ہو اُس کی اعتمادی حیثیت کس پایہ کی رہ جاتی ہے اور اس کی روایات کو بلا تنقید و تنقید کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے؟

یہی حال طبری کی "تاریخ الامم والملوک" کا ہے، یہ بھی یورپ ہی کے طفیل زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے اور اسی طرح غیروں بلکہ دشمنوں کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے، اسی طرح اور کئی کتابیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ ان کتابوں کی طباعت سے علمی دنیا کو بہت فائدہ پہنچا، لیکن اسلامی دنیا کو اس سے اتنا ہی نقصان بھی ہوا اور ان لوگوں نے ان میں بہت سی تحریفات کر دیں۔

(۵) تاریخ کے غیر معتمد ہونے کا پانچواں سبب یہ ہے کہ دورِ بنی عباس میں جب اس کی تدوین ہوئی تو اُس وقت جو کتابیں مرقون ہوئیں وہ تاریخ نہیں تھیں بلکہ موادِ تاریخ پر مشتمل تھیں۔ ان کتابوں میں مؤرخین نے صحیح اور غلط، مستند اور غیر مستند، قوی اور ضعیف، ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور جمع کرنی چاہیے بھی تھیں تاکہ بعد کے مؤرخین ان روایات کی چھان بھٹک کر کے صحیح تاریخ مرتب کر لیں۔ لیکن بعد کے مؤرخین نے بجائے اس بات کے کہ ان روایات کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنی کتابوں میں جگہ دیتے اُسی طرح اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور وہ ضعیف و قوی اور صحیح و غلط روایات متعدی امراض کی طرح ایک کتاب سے دوسری کتاب میں پھیلتی چلی گئیں، اور اگر کسی مؤرخ نے ان روایات پر تنقید کی بھی اور ان کو اصولِ روایت و درایت کے لحاظ سے غلط بھی پایا پھر بھی محض تقلیدی ذہنیت کے تحت ان کو اپنی کتابوں میں لکھ دیا اور بعض معتمد مؤرخین نے ایسا کیا اور کچھ تنبیہ بھی کر دی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر "طبری" کی بعض روایات پر تنقید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

”وفي بعض ما اوردناه نظر ولو كان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكره ماسقته“ (البدایة والنہایة جلد ۸ ص ۲)



”اور جو کچھ ہم نے کھا ہے اس میں سے بعض حصہ عمل نظر ہے اور اگر  
ابن جریر طبریؒ اور دوسرے ائمہ حفاظ نے ان روایات کو نقل نہ کیا ہوتا  
تو ہم بھی ترک کر دیتے۔“

مؤرخین کی یہ روش ان کی کتابوں کی اعتمادی حیثیت کو مخدوش کر دیتی ہے، تاریخ  
کی اسی غیر اعتمادی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-  
المؤرخون الذين يكثر الكذب فيما يروونه وقل ان يسلم  
لهم نقلهم من الزيادة والنقصان - (منهاج السنة ج ۳ ص ۱۹۶)  
”مؤرخین اپنی روایات میں اکثر کذب بیانی سے کام لیتے ہیں اور یہ  
بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی روایات زیادتی و نقصان اور افراط و تفریط  
سے محفوظ رہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر امام ابن تیمیہؒ اسی شے کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:-  
وانما هو من جنس نقلة التواريخ التي لا يعتمد عليها اولوا  
الابصار - (منهاج السنة ج ۳ ص ۲۴۲)  
”اور یہ تاریخی مقولات کی نوع میں سے ہے جن پر اہل بصیرت حضرات  
بالکل اعتماد نہیں کرتے۔“

(۶) تاریخ کے غیر معتبر ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تاریخ جو نیکو بنو عباس کے  
دور میں مرتب ہوئی اس وجہ سے تاریخ ایسے لوگوں نے مرتب کی جو دباری و مکاری  
لوگ تھے، ان لوگوں نے حکومت و وقت سے انعام و اکرام حاصل کرنے کیلئے عام  
صحابہ کرامؓ اور خصوصاً طور پر بنو امیہ کے خلاف غلط روایات وضع کر کے تاریخ میں گھسیٹ  
دیں۔ بنو عباس نے حکومت جو نیکو بنو امیہ سے چھینی تھی اس وجہ سے انہوں نے ہر اس  
مؤرخ اور راوی کو انعام و اکرام سے نوازا جس نے بنو امیہ کے خلاف روایات وضع  
کر کے تاریخ کو جتیا کیں۔ چنانچہ کچھ لوگ جو اندر سے شیعہ تھے انہوں نے سنیّت کا لبادہ  
اوڑھ کر تاریخ کو ان گنت ایسی روایات جتیا کیں جو نہ صرف خلاف عقل و دانش تھیں بلکہ

روایت کے اصولوں کے بھی سراسر متضاد تھیں۔ چنانچہ الواقدی، ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی جیسے شیعہ حضرات نے ہماری تاریخ کو اتنا غلط اور خلاف واقعہ مواد فراہم کیا جس کو پڑھ کر حیا و دیانت بھی منہ چھپا لیتی ہے۔ چنانچہ الواقدی نے ایک روایت کی جس کو طبری نے نقل کیا کہ سیدنا معاویہؓ نے حکم دیا کہ منبر نبویؐ کو مدینہ طیبہ سے اٹھا کر شام یعنی دمشق لے جایا جائے، لیکن جب منبر نبویؐ کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوری طور پر آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے، چنانچہ یہ حالت دیکھ کر سیدنا معاویہؓ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور دسے عامہ کو اپنے خلاف دیکھ کر بہانہ یہ تراشا کہ میں منبر نبویؐ کو اٹھا کر لے جا رہا ہوں چاہتا تھا بلکہ میں نے اس کو اپنی جگہ سے صرف اس لیے اٹھایا تاکہ دیکھوں کہ کہیں اس کے نیچے دیک تو نہیں لگ گئی، چنانچہ آپ نے منبر وہیں رکھ دیا بلکہ اس پر خلاف چڑھا دیا۔

اب الواقدی کا یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ نہ آفتاب بے نور ہوا، نہ دن کو ستارے نظر آئے اور نہ سیدنا معاویہؓ نے منبر نبویؐ کو اٹھا کر شام لے جانے کی کوشش کی، لیکن باقی نے کبھی اہلہ نے مانی، الواقدی نے روایت گھڑی اور طبری نے اس کو اپنی تاریخ میں جگہ دی۔ الواقدی بھی شیعہ اور طبری بھی شیعہ، لیکن شیعوں نے ان دونوں شیعوں کی روایت پر یقین کرتے ہوئے کاتب وحی، خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کے خلاف واپسی تباہی کہنی شروع کر دی۔ اسی طرح ابی شہاب الزہری اندلس سے شیعہ تھا لیکن بخاری اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کا بڑا معتبر راوی، اُس نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ روایت نقل کی کہ معاویہؓ اُمت میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا۔ حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ سیدنا معاویہؓ بن جبرؓ کا مسلک بھی یہی ہے اور انہوں نے یمن میں خود بھی ایک ایسا فیصلہ کیا۔ (ملاحظہ ہو المسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷، المعتمد لابن ابی شیبہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۶، البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۱۰۳) لیکن نام انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا لیا تاکہ جو عباس خوش ہو جائیں اسی طرح یمن میں معاشاہد کے مسئلہ میں بھی انہوں نے سیدنا معاویہؓ کا نام لیا حالانکہ اس بابہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے اور سیدنا علیؑ کا مسلک بھی یہی تھا۔ (اسنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۱۶۲)  
(المبسوط جلد ۱ ص ۳۴)

اسی طرح لوط بن یحییٰ بھی اسی قسم کا راوی تھا، کثر شیعہ لیکن تاریخ اسلام کا اور اپنے خبیث باطن کا اپنی روایات میں اس نے پورا پورا مظاہرہ کیلے ہے۔

## حدیث و تاریخ کا تقابل

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ تاریخ کی روایات کی اکثریت غیر مستند روایات پر مبنی ہے، لہذا جب تاریخ کا تقابل حدیث کی روایات صحیحہ سے ہوگا تو تاریخ کی غیر مستند روایات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے گا یا ان کی مناسب تاویل کی جائے گی۔ صحابہ کرامؓ جن کی عظمت شان اور جلالت قدر قرآن و حدیث و اجماع امت اور منقولات متواترہ حقہ سے ثابت ہے، ان کے مقابلہ میں طبری، ابن اثیر، ابن سعد ابن کثیر کی مقطوع اور بے سند روایات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ چنانچہ شیخ العرب العجمی سند و مولائی حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسناد اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے بیچ ہیں، اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے“ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۲)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

”صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماول قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ، اب آپ اصولی تنقید

کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے، (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۶۶)  
 شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ایک جگہ فلاسفہ و متکلمین کے متعلق بحث کرتے  
 ہوئے لکھتے ہیں:-

”اور فلاسفہ کے یہ اقوال، تاریخ و سیرت وغیرہ کی مرسل اور مقطوع روایات  
 کی قسم سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، جب ایسا ہے تو صحابہ کرام  
 کے فضائل و محاسن جو قرآن و سنت اور روایات متواترہ سے ثابت ہیں  
 ایسی روایات سے جن میں بعض منقطع بعض محرف اور بعض ایسی ہیں جن سے  
 معلومات قطعیہ پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی۔ محاسن و فضائل صحابہ کی  
 قطعی روایات کا رد و جائز نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا اور ہمارا  
 یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور سلف کے اجماع  
 سے ثابت ہیں اور ان منقولات متواترہ کی دلائل عقلیہ سے بھی تصدیق ہوتی  
 ہے، وہ اس طرح کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں  
 سب سے زیادہ افضل ہیں، لہذا ان کے بارہ میں مشکوک باتوں سے  
 جرح و قدح نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ باطل روایات و خلافات سے۔“

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۹)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں ایک اصول بیان فرمایا کہ:-  
 ”جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے  
 معارض ہوں ان کے متعلق یقین کر لیں کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے  
 راویوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری بات یہ کہ جو روایت حسن اور مشاہدہ  
 کے خلاف پائی جائے اور قرآن و سنت کی نصوص متواترہ کے متضاد  
 اجماع قطعی کے برخلاف ہو وہ روایت بھی قابل قبول نہیں ہوتی“

(فتح المغیث جلد ۱ ص ۲۳۹)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی

اس سلسلہ میں یوں فرمایا ہے کہ:-

”فتردکی من روایات التاریخ ما یعود منها علی شین وعیب  
فی بعض اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم  
وہ تاریخی روایات جن سے بعض صحابہ کرامؓ پر طعن اور عیب پیدا کیا  
جاتا ہے وہ قابل رد ہیں“ (احکام القرآن عربی جلد ۲ ص ۲۴۴)  
اسم اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:-  
”ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویۃ رضی اللہ  
عنه..... وکل حدیث فی ذمہ کذب  
ان موضوع اور جھوٹی احادیث ہیں وہ احادیث بھی شامل ہیں جو  
سیدنا معاویہؓ کی مذمت میں بنائی گئی ہیں کیونکہ ان کی مذمت کی ہر  
حدیث کذب محض ہے“ (النار المنیفة ص ۱۱)

ایسا ہی ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے الموضوعات الکبیر“ میں  
لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو الموضوعات الکبیر“ ص ۱۶۹، ۱۷۰)  
قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اپنی مشہور آفاق کتاب العوام من القوام“ میں احادیث و  
تواریخ کے اس تقابل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

”قاضی ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں دیکھتے  
اور اس کا حسد اور عداوت ان پر غالب ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے  
کئی عیوب تراش لیتے ہیں۔ میری یہ بات یاد رکھو کہ سوائے صحیح روایات  
کے اور کسی طرف التفات بھی نہ کرو، اور جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے خصوصی  
طور پر مؤرخین سے بچو، یہ سلف سے تھوڑی سی صحیح قبریں ذکر کرتے ہیں کہ  
ان کے ذریعہ بہت سی باطل روایات نقل کر سکیں، یہ ایسے لوگ ہیں جو  
اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بانیں ڈالتے ہیں تاکہ  
سلف کی تحقیر اور دین کی توہین و تذلیل کر سکیں حالانکہ دین اس عزیز تر

اور سلف ہم سے زیادہ محترم ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوگا۔  
 اور جو شخص صحابہؓ کے حالات و افعال پر نظر کرے گا اس پر وہ تو یہی چیز الٹا  
 واضح ہو جائیں گے جنہیں مؤرخین نے کمزور لوگوں کے قلوب کو گمراہ اور  
 بے راہ بنانے کیلئے تراشا ہے؛ (العواصم من القواصم ۲۳۵، ۲۳۶)  
 پھر دو صفحات کے بعد غیر معتبر مفسرین کے بارے میں بھی لکھتے ہیں :-

انما ذكرت لكم هذا التحذروا من الخلق وخاصة من المفسرين  
 "والمؤرخين واهل الادب بانهم اهل جهالة بحرقات الدين  
 او على بدعة مصرين فلا تبالوا بما رووا ولا تقبلوا ما رواه  
 الا عن ائمة الحديث ولا تسمعوا المؤرخ كلاما الا للطبري  
 وغيد ذلك هو الموت الاحمر والداء الاكبر فاتهم ينشئون  
 احاديث فيها استغفار القعابة والسلف والاستخفاف بهم  
 واختراع الاسترسال في الاقوال والافعال عنهم وخروج  
 مقاصدهم عن الدين الى الدنيا وعن الحق الى الهوى۔"

(العواصم من القواصم ۲۳۷، ۲۳۸)

"یہ باتیں نہیں نے تم سے اس لیے ذکر کیں تاکہ تم لوگوں سے بچو خصوصاً  
 مفسرین، مؤرخین اور اہل ادب سے، کیونکہ یہ لوگ دین کے احترام سے  
 جاہل اور بدعت پر اصرار کرنے والے ہوتے ہیں ان کی روایات کی بھی  
 مطلق پرواہ نہ کرو، اور محدثین اور ائمہ حدیث کے سوا کسی کی روایت  
 قبول نہ کرو، اور سوائے طبری کے اور کسی مؤرخ کی بھی بات نہ سنو، کیونکہ  
 وہ دین کے لیے موت کا پیغام ہیں اور بہت بڑا مرض، وجہ اس کی یہ  
 ہے کہ وہ ایسی ایسی روایات تراشتے ہیں جن میں صحابہؓ اور سلف کی تحقیر اور

ان کا استخفاف پایا جاتا ہے۔“

تاریخ تو پھر بھی تاریخ ہے محدثین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جتنے احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل کرنا واجب ہے اور اگر کوئی تاویل نہ ہو سکے تو وہ روایت قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ کسی حدیث سے کسی صحابی کی تنقیص نہیں ہو سکتی، چنانچہ شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :-

”قال العلماء الاحادیث الواردة التي ظاهرها دخل على صحابي يجب تاويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات الا ما يمكن تاويله۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۷۸)

علماء کہتے ہیں کہ وہ احادیث جن میں بظاہر کسی صحابی پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کی تاویل واجب ہے اور علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو۔“

علامہ ابن حجرؒ ہمیشگی فرماتے ہیں :-

”والواجب ايضا على كل من سمع شيئا من ذلك ان يثبت فيه فلا ينسبه الى احد منهم بمجرد ما قيلته في كتاب او سمعه من شخص بل لا بد ان يبحث عنه حتى يصح عنده نسبته الى احدهم فحينئذ الواجب ان يلتزم لهم احسن التاويلات واصوب المنعارج اذ هم اهل لذلك كما هو مشهور في مناقبهم ومعدود من ما تروهم۔ (الصواعق المعرقة ص ۱۲۹)

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارے میں کوئی بات سنے اس کے لیے اس قدر ضروری ہے کہ پہلے وہ اس کی پوری تحقیق کرے اور صرف کسی کتاب میں پڑھ لیتے سے اور کسی شخص سے سن لینے کی بناء پر اس بات کی نسبت اُن کی طرف نہ کرے، (اگر وہ بات ان کے خلاف پڑتی ہے) تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کی کوئی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی بہتر محمل تلاش

کرے کیونکہ وہ اپنے مناقب و آثار کی بناء پر اس کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہیں۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک مقام پر بڑے پتہ کی بات لکھی ہے چاہتا ہوں کہ اس کو بھی قارئین کے گوش گزار کر دیا جائے تاکہ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات پر تنقید کا ایک معیار ذہن میں آجائے، شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:-

”وَإِذَا كَانَ ذَلِكَ لِمَنْ يَجْزِلُ أَحَدُ أَنْ يَتَّبِعَ فِي مَسْئَلَةٍ فَرِيعَةٍ بِمَحْدِثٍ حَتَّى يَبْتِنَ مَا بِهِ يَنْبَغُ فَكَيْفَ يَتَّبِعُ فِي مَسَائِلِ الْأَصُولِ الَّتِي يَقْدَحُ فِيهَا فِي خِيَارِ الْقُرُونِ وَجَاهِدُوا الْمُسْلِمِينَ وَسَادَاتِ أُولِي الْأَلْبَابِ الْمُقَرَّبِينَ بِمَحِيطٍ لَا يَعْلَمُ الْحَقَّ بِهٖ صَدَقَ -  
جب کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلہ میں بھی کسی حدیث سے استدلال اُس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ اُسے روایت و درایت کے اصول سے صحیح ثابت نہ کر دے پھر یہ اس کے لیے کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اُن روایات سے جن کے صحیح ہونے کے بارہ میں اسے کوئی علم نہیں، اسلام کے اصولی مسائل کے بارہ میں جن سے خبر القرون جمہور مسلمان اور مقرب اولیاء اللہ کے سرداروں (صحابہ کرامؓ) کے بارہ میں استدلال کرے۔“ (منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۸)

جب تاریخ کی حیثیت یہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کو غلط قرار دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر زبانی طعن دراز کرنا جہلاء کا شیوہ تو ہو سکتا ہے، علماء کی شان کے یہ چیز طرہ خلاف ہے۔ اب اس زمانے میں اپنے کو مفکرین اسلام کہنے والے معلوم نہیں کس فکر میں پڑ کر صحابہؓ کے خلاف مسلسل مقالات کا سلسلہ جاری کیے ہوئے ہیں۔  
اعاذنا اللہ من هذه الخرافات۔



## تاریخی روایات کو پرکھنے کے اصول

اوپر کی بحث سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ تاریخ کی روایات میں اکثریت غلط اور منقطع روایات کی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کو پرکھنے کے چند مشہور اصول بھی لکھ دیئے جائیں جن کی روشنی میں ہر روایت کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جاسکے، وہ اصول حسب ذیل ہیں :-

(۱) روایت نص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

(۲) روایت سند متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

(۳) روایت صحابہؓ کے اجماع قطعی کے خلاف نہ ہو۔

(۴) روایت میں کوئی ایسا محسوس و مشہور واقعہ بیان ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو اس کو روایت کرنے والے متعدد آدمی ہوتے لیکن اس کے خلاف ایک آدمی راوی ہوں تو وہ روایت بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

(۵) روایت مستئمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔

(۶) روایت صحیح اور مقبول حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(۷) روایت قواعد عربیہ کے خلاف نہ ہو۔

(۸) روایت ایسی نہ ہو جس میں راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہو کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

(۹) روایت ایسی نہ ہو کہ اس کے معنی رقیق یا شان نبوت یا شان صحابہؓ کے منافی ہوں۔

(۱۰) روایت عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

روایت کے اس دسویں اصول کو محدثین کی اصطلاح میں ”اصول درایت“ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں جس کے بارہ میں محدثین نے بہت بحث کی ہے،

جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

یہ دس اصول تو متن روایت کو پرکھنے کے لیے ہیں باقی سند روایت کے پرکھنے کے لیے حسب ذیل اصول ہیں :-  
(۱) راوی عادل، تام الضبط اور ثقہ ہو۔

(۲) روایت کتنے طریق سے مروی ہے اور راویوں کی تعداد کیا ہے۔  
(۳) روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہے یا راستہ ہی میں رک جاتی ہے اگر روایت اصل آدمی تک پہنچتی ہوگی تو وہ مرفوع کہلائے گی اور اگر راستہ میں رک جاتی ہے تو اسے منقطع کہتے ہیں۔

یہ وہ اصول ہیں جن پر تاریخ کی ہر روایت کے متن اور سند کو پرکھ کر دیکھا جاسکتا ہے کہ اس روایت کی اعتمادی حیثیت کیسی ہے، اور میرے خیال میں اگر ان اصولوں کو تاریخی روایات میں اپنا بجلئے تو غلط اور منقطع روایات کی کافی حد تک چھان بھنگ ہو سکتی ہے۔

اور اس وقت ایک قاری اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اچھے طریقے سے بھج جائے گا کہ غلط روایات کا کس قدر ذخیرہ تاریخ کے صفحات میں سمودیا گیا ہے۔  
چنانچہ مودودی صاحب تاریخ کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ :-

”تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کیلئے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ کا وہ فیصلہ بلکہ اس سے بھی زیادہ حتمہ دربارہ ذکر دینا ہو گا (خلافت و ملکیت متنازعہ)

لہذا یہ کوئی ضروری ہے کہ ہم نونے فیصلہ یا اس سے زیادہ غلط روایات کی موٹی موٹی تاریخی کتابوں کو اپنے سینے سے چٹائے رکھیں اور دشمنان اسلام ان کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کے پاکیزہ دامنوں کو داغدار بناتے رہیں، پھر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی صداقت پر قرآن و سنت ظہور ناظر ہیں ان کی روایات تو اصول روایت و درایت پر پکھ کر قبول کریں اور تاریخ کے کذاب اور دشمن اسلام کو پوٹھنکی باتوں کو بغیر کسی تحقیق کے ہی مان لیں۔

# تاریخ کی چند مشہور کتابوں پر ایک نظر

فن تاریخ اور کتب تاریخ کی اعتمادی حیثیت پر ایک اجمالی مبرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مشہور کتب تاریخ پر انفرادی طور پر بھی کچھ لکھ دیا جائے۔ جنہ کو مستشرقین اور اس زمانہ کے نام نہاد مفکرین اسلام صحابہؓ اور خصوصاً طور پر بنو امیہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس سے ایک تو ان کتابوں اور ان کے مصنفین کی حیثیت اور دوسرے ان لوگوں کی دیانت کا پتہ چل جائے گا جو قرآن و حدیث کی روایات معتبرہ متواترہ و صحیحہ کے مقابلے میں ان کتابوں کی بے سند اور غیر معتبر راویوں کی روایات کو اپنی مطلب برآری کے لیے استعمال کرتے ہیں :-

(۱) تاریخ طبری | اس کا اصلی نام ”تاریخ الامم والملوک“ ہے اور اس کے مصنف محمد ابن جریر طبری ہیں، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ قریباً تمام محدثین ان کی وسعت علم اور فضل و کمال کے معترف ہیں، یہ نہ صرف مؤرخ ہیں بلکہ مفسر بھی ہیں اور ان کی تفسیر قریباً ام التفاسیر کہلاتی ہے، یہ ۲۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

ان کی تاریخ ہر قسم کے رطب و یابس سے بھری ہوئی ہے اور زیادہ روایات ابوحنیفہ و طبر بن یحییٰ کی نقل کی ہوئی ہیں، بقول مولانا شبلی نعمانی :-

”تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً کامل ابن الاثیر، ابن خلدون،

ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات

ہیں، یہ کتاب بھی عرصہ سے ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع

ہوئی“ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۷)

بعض مؤرخین ان کے بہت مداح ہیں، حتیٰ کہ محدث ابن فریہ کا قول ہے کہ :-

”مَا أَعْلَمَ عَلَى أَدِيمِ الْأَرْضِ أَعْلَمَ مِنْ ابْنِ جَرِيرٍ“

میں روئے زمین پر کسی کو ابن جریر سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا“  
(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۲)

اور قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں:-

”ولا تسمعوا المؤمن كلاماً الا الطبري — طبری کے سوا کسی  
مؤرخ کی بات نہ سنو“ (العواصم من القواصم ص ۲۲۸)  
لیکن اکثر محدثین کے نزدیک وہ شیعہ تھا اور غودان کی روایات اور مسائل  
بھی اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا۔ چنانچہ محدث احمد بن علی سلیمانؒ  
فرماتے ہیں کہ:-

”كان يضع للروافض - (لسان الميزان جلد ۵ ص ۱۰۲)  
وہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے“

اگرچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ نے سلیمانؒ کے اس قول کو یکدگانی پر محمول  
کیا ہے اور ان کو اسلام کے معتد اماموں میں سے ایک امام شمار کیا ہے لیکن ان کو  
ان کے شیعہ ہونے کا اقرار کرنا ہی پڑا۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام ذہبیؒ  
متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ:-

”ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں تھا“ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۲)  
میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۵

ابن حجرؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:-

”ابو جعفر الطبري وهو امام من الائمة الامامية -

ابو جعفر محمد بن جریر طبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے“

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۰۲)

انہوں نے خم غدیر جیسے خالص شیعہ قصہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کیں، وضو میں ہوا  
مسح رجليں (پاؤں پر مسح کرنے) کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے،  
اپنی تاریخ الامم والملوک کی جلد ۳ کے ص ۲۲ کی سطر ۲۵ پر: ”فی وسط خلافة معاوية

لعنه الله۔ اور ص ۲۹۷ پر فی خلافة یزید بن معاویة لعنه الله  
 لکھا ہے جو کہ خالص شیعہ فکر کی غمازی کرتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ابن جریر کی زندگی ہی میں اکثر لوگ ان کے شیعہ فکر کی وجہ سے  
 ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کی وفات کے وقت ان کی لاش کو ان کے رفض کی  
 وجہ سے اہل اسلام کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا، چنانچہ ان کو اپنے ہی گھر  
 کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۲۷)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابن جریر طبری نے جس قدر روایتیں  
 اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں ان میں اکثر شیعہ راویوں کی ہیں جن میں ابو مخنف و طبرن  
 یحییٰ کی قریباً ۹۰ فیصد روایات ہیں، جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ  
 کٹر شیعہ تھا، کذاب تھا، اس کی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں۔

میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۷۱، تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۵، لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۹۲،  
 تاج العروس شرح قاموس مجتہد ۶ فصل ۵ ص ۱۰۵

دوسرے راوی محمد بن سائب الکلبی اور اس کا بیٹا ہشام بن محمد بن السائب ہیں  
 یہ دونوں راوی بھی سبائی تھے اور ان کا تعلق بھی کذابین سے تھا۔ ملاحظہ ہو  
 میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۶۲، ص ۲۵۶، لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۹۶، ص ۱۹۷  
 شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ انہیں راویوں کے متعلق اہل علم کا فیصلہ بیان  
 فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ابو مخنف و ہشام بن محمد بن السائب و اہلہما من  
 المعروفین بالکذب عند اہل العلم۔ (محتاج الشیخ ج ۱ ص ۴۷۱)  
 راویوں کا اہل علم کے نزدیک دروغ گو اور کاذب ہونا مشہور و معروف  
 ہے۔

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے ابن جریر اور ذہبی کے اس قول کے کہ ان میں  
 فی الجملہ تشیع تھا لیکن مفسر نہیں تھا، کیا معنی ہیں؟ صحابہؓ پر لعنت کرنا خیم غدیر جیسے قصہ

پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرنا، وضو میں پاؤں کے نہ دھونے کا قائل ہونا اور سب سے بڑی چیز یہ کہ شیعہ راویوں کی روایات اپنی کتابوں میں لاکر صحابہؓ کے متعلق اُمت کے جذبات کو اکسانا، اگر یہ چیزیں مضر نہیں ہیں تو پھر معلوم نہیں کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک ”مفرت“ کی تعریف کیا ہے ؟

پھر شیعہ ہونا اور غیر مضر ہونا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی دلیل نہیں، شیعہ حضرات کا صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارنا اور اس کے پیلے مختلف طریقے اختیار کرنا ”ذاتنا اثنا عشریہ“ کے حوالے سے ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں۔

جب دلائل واضح سے یہ معلوم ہو گیا کہ طبری شیعہ تھا اور اس نے اپنی کتاب میں شیعہ راویوں کی روایات کثیر تعداد میں نقل کی ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کے خلاف ایسی ایسی باتیں کہی گئی ہیں جو کہ قرآن و حدیث کی صیح روایات کے مراسر خلاف ہیں۔ اب ایک شیعہ مؤرخ کی روایات کو قرآن و حدیث کی صیح روایات کے مقابلہ میں کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے ؟

اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ طبری شیعہ نہیں تھا پھر بھی اس میں کسی کو انکار نہیں کہ تاریخ طبری میں ہر قسم کا رطب و یابس بھرا ہوا ہے اور وہ تاریخ نہیں بلکہ مؤرخ تاریخ ہے، اس صورت میں اس کی روایات کو ان اصولوں پر پرکھا جائے گا جو حدیثین اور

امام علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: ”ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتل کرنے پر اکسایا گیا تھا“ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۷)

ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

هذا کذب علی الصحابۃؓ (یہ صحابہؓ پر افتراء ہے)

صحابہؓ پر یہ افتراء پر دازی معلوم نہیں ابن حجرؒ اور ذہبیؒ کے نزدیک کس طرح غیر مضر ہے ؟

ابن خلدون جیسے مؤرخین نے قائم کیے ہیں، جو روایات ان کی روایت اور درایت کے اصولوں پر پوری اتریں گی وہ قبول کی جائیں گی اور دوسری کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ طبری کے اردو ترجمہ پر ”ترجمان القرآن“ کے تبصرہ نگار نے اپریل ۱۹۷۷ء کے شمارہ میں لکھا تھا۔

”ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی معروف کتاب ”تاریخ الامم والملوک“ تاریخ کے پہلے حصے یعنی واقعات کے جمع کرنے میں اُفتات المکتب کا درجہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے روایات کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح و تعدیل کا کام دوسرے اصحاب علم کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ خود قوی اور ضعیف یا غلط و صحیح کے درمیان امتیاز کریں، چونکہ یہ تاریخ کی کتاب ہے احادیث کی کتاب نہیں اس لیے واقعات کی چھان بین اور جن حضرات سے واقعات منقول ہیں ان کے علمی اور اخلاقی مقام کو مشخص کرنے میں وہ احتیاط نہیں برتنی گئی جو تدوین حدیث کے معاملے میں پیش نظر رکھی گئی ہے، اس لیے اس کتاب میں بہت سی غیر مستند چیزیں بھی جمع ہو گئی ہیں“

(ترجمان القرآن ص ۱۲۶، ۱۲۷) اپریل ۱۹۷۷ء

علامہ شبلی نعمانیؒ نے نہایت محتاط انداز میں طبری اور ابن سعد کی کتابوں کے بارے میں اظہارِ خیال فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

”ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں لاویلوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں“

(سیرت النبی جلد ۱ ص ۲۵)

(۲) کتاب الامامۃ والستیا | یہ کتاب ۱۳۲۲ھ میں مصر میں چھپی اور اس کے سرورق پر اس کے مصنف کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (المتوفی ۲۴۶ھ) لکھا ہے۔ جہاں تک ابن قتیبہ کا تعلق ہے وہ واقعی بعض علماء کے نزدیک صاحب فضل و شرف آدمی تھے، لیکن قاضی ابوبکر ابن العربی نے ”کتاب الامامۃ والسیاستہ“ کی وجہ سے اسے ”جاہل“ کا خطاب دیا ہے۔

(العوام من القواصم ص ۲۴۸)

امام حاکم نے کذاب کہا ہے۔ (لسان المیزان جلد ۳ ص ۳۵۷) سید محمود لوسی ابن قتیبہ، ابن احثم کو فی اور سماعی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-  
”کانوا مشہورین بالکذب والافتراء۔ یہ سب دروغگوئی اور افتراء پر دازی میں مشہور تھے“ (تفسیر روح المعانی جلد ۷، سۃ احزاب ص ۴۲)  
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے ”تحفۃ الشاعریہ“ میں جگہ جگہ ابن قتیبہ کا نام شیعہ مؤرخ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے لیکن آپ کی دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اہل تشیع سے کوئی تعلق نہیں تھا اور ”کتاب الامامۃ والسیاستہ“ آپ کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے جس کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:-

(۱) علامہ ابن قتیبہ کی تصانیف کی فہرست میں اس کتاب کا کہیں نام نہیں ملتا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ابن قتیبہ جیسا مشہور و معروف آدمی ایک ایسی کتاب لکھے جس میں صریحاً صحابہؓ پر حملے کیے گئے ہوں اور صحابہؓ کی عدالت و ثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور ہمارے محدثین اور مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا ذکر نہ کریں۔

(۲) ابن قتیبہ ایک ادیب اور فاضل شخص تھے اور فنون ادب میں ایک متاثریت

لہ ابن قتیبہ کی تصانیف کے لیے دیکھو ”ابن الخلیکان، لسان المیزان، تاریخ خطیب بغدادی، فتوحات الذہب اور بغیۃ الوعاة وغیرہ“



کے حامل تھے، ادب میں ”ادب الکاتب“ آپ کی ایک ایسی کتاب ہے جو علامہ ابن خلدونؒ کے شیوخ کی بناء پر علم و ادب کے اصول و ارکان میں سے ایک ہے۔ (مقدمہ ص ۲۸)

اسی وجہ سے آپ کی ہر کتاب میں ادبی چاشنی، عبارت کی حلاوت و دلکشی اور وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو ایک ادیب اور ماہر علم کی کتاب میں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ غریب القرآن، غریب الحدیث، تاویل مختلف الحدیث وغیرہ کی عبارتیں آپ کے ادبی ذوق کی بین مثال ہیں اور ”ادب الکاتب“ کی عبارت آپ کی ادبی ذہنیت کی غمانی کرتی ہے ”کتاب الامامۃ والبیاسۃ“ کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف علم و ادب میں کوئی متاثر درجہ نہیں رکھتا، اگر ہم اس کے غلط واقعات اور فضول روایات سے قطع نظر کر کے صرف اس کے ادبی معیار ہی کو دیکھیں تو ذوق سلیم صاف فیصلہ کرے گا کہ یہ کتاب ابن قتیبہؒ جیسے قادر الکلام شخص کی نہیں ہو سکتی۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ یہی واقعات جو کتاب الامامۃ والبیاسۃ میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب ”معارف“ میں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مصنف کے تفصیل و اجمال میں نفس اور روح واقعہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا اور مفصل تذکرہ میں جو جو چیزیں اہم اور واقعہ کی جان ہوتی ہیں خلاصہ بیان کرتے وقت یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کا کوئی جوڑ نہ جائے تاکہ حقیقت حال سمجھنے میں کوئی اشتباہ واقع نہ ہو۔ مگر ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے ایک معمولی قاری بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ”کتاب الامامۃ والبیاسۃ“ میں جن مباحث مثلاً مشاجرات صحابہؓ اور بنو امیہ کے مظالم و مثالب کو خاص اہمیت دی گئی ہے ”معارف“ میں اس کے متعلق کچھ ذکر ہی نہیں۔ مثال کے طور پر ”کتاب الامامۃ والبیاسۃ“ میں سیدنا علیؓ کی سیدنا ابوبکرؓ سے بیعت جبری اور ظالمانہ رنگ میں پیش کی گئی ہے اور کتاب کی جلد ۱ کے صفحہ ۱۱ سے لیکر ۱۸ تک صفحات میں بیعت

۱۰۔ کو جبری ثابت کرنے کے لیے عجیب عجیب قسم کی روایات نقل کی ہیں اور کچھ روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن کو تسلیم کر لینے کے بعد کسی شخص کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا اور حضرات صحابہؓ کے متعلق بدعتی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اسی بیعت کلمہ ذکر وہ جب وہ کتاب ”معارف“ میں کرتے ہیں تو اس انداز میں کرتے ہیں کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا۔ (معارف ص ۵۵) اسی طرح ”کتاب الامتہ والبیاتہ“ جلد ۱ ص ۳۳۳ میں واقعات کو جس طرز و انداز میں بیان کیا گیا ہے اسی طرز و انداز کے بالکل مغائر ”معارف ص ۵۶“ میں پیش کیا گیا ہے، ایسے ہی اور بہت سے مقامات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔

(۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ کتاب الامتہ والبیاتہ میں اکثر روایات شیعہ مذہب کی تائید میں ہیں اور ایک عام آدمی بھی اس کتاب کے سرسری مطالعہ سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ایسے مصنف کی ہے جو شیعہ فکرمحور کا حامل ہے حالانکہ ابن قتیبہؒ اہل تشیع کے سخت مخالف ہیں اور ان کو باطل فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ رمل خطہ ہو ”تأویل مختلف الاحادیث ص ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹“

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسا شخص جس کی پوری زندگی رد و وافض میں گزری اور جنہوں نے ”منہاج السنۃ“ جیسی لاجواب کتاب رد و افض کے رد میں لکھی ابن قتیبہؒ کو اہلسنت میں سے شمار کرتا ہے اور ان کی فیصلت علم کو بیان کرنے ہوئے اہل مغرب کا ایک عام مقولہ ذکر کرتا ہے کہ:-

”کل بیت یس ذیہ شئی من تصنیفہ لا یمیز۔ (تفسیر سۃ اخلاص ص ۵۸)

جس گھر میں ابن قتیبہؒ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ گھر خیر و برکت سے

خالی ہے۔“

پھر اپنی طرف سے لکھتے ہیں:-

”ابن قتیبہؒ اہل سنت کے لیے ایسے ہیں جس طرح معتزلہ کے لیے جاحظ

کیونکہ وہ خطیب اہل السنۃ ہیں جس طرح ملاحظہ خطیب المعز لہ تھا،  
(تفسیر سورۃ اخلاص ص ۸۶)

(۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ اس کتاب میں علامہ مصر کی بہت سی روایات نقل کی گئی ہیں حالانکہ ابن قتیبہ مصر میں نہ ہی گئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ان علماء سے کوئی روایت کی ہے۔

ان دلائل سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ الامامۃ والیاستہ ابن قتیبہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسی لیے اکثر محدثین اور مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا اور جن چند لوگوں نے کیا بھی ہے انہوں نے بھی یقین کے ساتھ اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف نہیں کی، چنانچہ ابوبکر بن العربیؒ اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ان صح عنہ جمیع ما فیہ۔ (العواصم ص ۲۴۸) اگرچہ کچھ کتاب (الامامۃ والیاستہ) میں اس کی نسبت ابن قتیبہ کی طرف صحیح ہے“

اسی طرح حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ”حیات مالک“ میں فرماتے ہیں:-  
”وبقول ابن قتیبہ المتوفی ۲۶۷ھ راگر وہ کتاب الامامۃ کا مصنف ہے“  
(حیات امام مالک ص ۵۸)

بلکہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جدید آباد کن کے متعلق نویس نے تو صاف فقوں میں لکھ دیا:-  
”وکتاب الامامۃ والیاستہ طبع بالقاہرہ ۱۳۲۲ھ- ۱۳۲۷ھ، وھذا ینسب إلی ابن قتیبہ بیدان دہ غوی فی..... جلد ۱۵ ص ۲۲۲

یرجح ان ھذا المصنف کتبہ فی حیاۃ ابن قتیبہ رجل مصری  
او مغربی۔ ردائۃ المعارف الاسلامیۃ ج ۱ حصہ ۳ ص ۲۶۲

کتاب الامامۃ والیاستہ جو ۱۳۲۲ھ و ۱۳۲۷ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی ابن قتیبہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن دہ غوی نے..... جلد ۱۵ ص ۲۲۲ میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ کتاب کسی مصری یا مغربی نے ان کی زندگی

میں لکھی ہے اور بعد میں ان کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔  
 اور کسی آدمی نے اگر اس کو ابن قتیبہ کی کتاب مانا بھی ہے تو اس نے بھی اس  
 بات کو ضرور تسلیم کیا ہے کہ اس میں اکثر روایات الحاقی ہیں اور ان لوگوں نے صاف  
 لکھا ہے کہ: ”اس میں بعض روایات ایسی ہیں جو ابن قتیبہ کے علم اور اس کی دوسری  
 تصنیفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔“

(۳) طبقات ابن سعد | اس کے مصنف محمد بن سعد ہیں جو واقفی کے شاگرد  
 اور بلاذری کے استاد ہیں۔ اگرچہ خطیب بغدادی  
 ابن خلکان اور دوسرے کئی محدثین نے ان کو صدوق، ثقہ، اہل العلم والفضل میں  
 سے شمار کیا ہے لیکن یحییٰ بن معین جیسے جلیل القدر محدث نے ان کی توثیق نہیں کی۔  
 ان کی کتاب طبقات ۱۲ جلدوں میں ہے اور بالکل ناپید ہو گئی تھی اب اہل یورپ  
 کی بدولت چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

ان کے استاد واقفی، ہشام بن محمد بن السائب اور ابو حشر ہیں۔ واقفی  
 کے متعلق تو تمام محدثین متفق ہیں کہ وہ ایک افسانہ گو تھا۔ چنانچہ امام نسائی کا  
 قول ہے:-

”وہ کذاب جو روایات تراشنے میں شہرہ آفاق ہیں چاہیں۔ (۱) مدینہ

میں ابن ابی یحییٰ (۲) بغداد میں واقفی (۳) خراسان میں مقاتل بن سلیمان

اور (۴) شام میں محمد بن سعید جنہیں سولی دی گئی۔“ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۵)

اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ —

امام بخاری ”متروک الحدیث“ کہتے ہیں، امام احمد بن حنبل ”کذاب“ کا خطاب دیتے

ہیں یقلب الاحادیث جو احادیث میں ہیر پھیر کرتا ہے۔ محدث مرمہ فرماتے ہیں

لیس بشیء (بالکل کچھ نہیں یعنی ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ بن معین ضعیف کہتے ہیں،

تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۵، محدث ابن المدینی فرماتے ہیں کہ: ”عند ۳۶۵

عندہ عشرون الف حدیث یعنی مالہا من اصل تہذیب التہذیب جلد ۹

اس کے پاس ہیں ہزار ایسی حدیثیں تھیں جن کی کوئی اصل نہیں تھی؛  
ایک اور مقام پر یہی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یحییٰ کذاب ہے لیکن وہ  
واقعی سے بہتر ہے یعنی واقعی اس سے زیادہ کذاب ہے۔

اور امام ذہبیؒ ”میزان الاعتدال“ میں فرماتے ہیں :-  
”استقر الاجماع علیٰ وہن الواقدی۔“ (تہذیب التہذیب جلد ۹، میزان الاعتدال جلد ۳)  
واقعی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے۔  
امام ذہبیؒ نے ”مغنی“ میں لکھا ہے :-

”مجمع علیٰ ترکہ وقال النسائی، کان یضع الحدیث۔“ اس کے  
متروک ہونے پر اجماع ہے اور امام نسائی نے فرمایا کہ وہ حدیث وضع  
کیا کرتا تھا۔ (المغنی جلد ۲ ص ۶۱۹)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۴، ص ۳۶۶،  
لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۵۲، کتاب البحر و صین لابن جان جلد ۲ ص ۲۸۳،  
میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”واقعی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں“  
کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں۔  
ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ ”اگر واقعی سچا ہے تو دنیا میں کوئی  
اس کا ثانی نہیں ہے اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۸)

یہی حال ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور ابو معشر کلے۔ ہشام کو حافظ بن  
اور حافظ ابن حجرؒ نے کذاب کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳، لسان المیزان جلد ۶ ص ۱۹۶، ص ۱۹۷)  
اسی طرح بشیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے کہ ہشام بن محمد بن السائب  
اہل علم کے نزدیک دوسرا گواہ اور کاذب مشہور و معروف ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱)  
جب محمد بن سعد کے اساتذہ اس طرح کے خیر ثقہ اور کذاب ہیں تو اس کا اثر ان کی

کتاب پر کیوں نہ پڑا ہوگا؟ یقیناً پڑا ہے، اس لیے کہ ان کی کتاب میں اکثر روایات واقعی وغیرہ کی ہیں، چنانچہ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں :-

”اس کتاب کا بڑا حصہ واقعی سے ماخوذ ہے“ ریسرٹ النبی جلد ۱۲  
اس سے معلوم ہوا کہ باوجود محمد بن سعد کے ثقہ ہونے کے ان کی کتاب ”طبقات“ اتنی ثقہ نہیں ہے بلکہ واقعی، ہشام بن محمد بن السائب وغیرہ کذاب راویوں کی وجہ سے ان کی کتاب کی اعتمادی حیثیت پر بہت بُرا اثر پڑا ہے اور اب اس کی روایات اس قابل نہیں ہیں کہ ان کو نقد و جرح کے بغیر قبول کیا جاسکے۔

چنانچہ محدثین کرام نے ان کی کتاب ”طبقات“ کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے :-

”ھو فی نفسہ ثقہ ولکن کھروی فی کتابہ الذکور عن اناس  
ضعفاء منهم شیخہ الواقدی مقتدر کثیراً علی اسمہ واسم  
ابیہ من غیر تمیز بنسبتہ ولا غیرہا ومنہم ہشام بن محمد  
بن السائب فاکثر عنہما ومنہم نصر بن ابی سہل الخراسانی۔  
ان سعد بنات خود تو ثقہ ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتاب ”طبقات“ میں  
بہت سی روایات کمزور اور ضعیف لوگوں سے روایت کی ہیں جن میں  
ایک تو ان کے شیخ واقدی ہیں جو روایت میں اقتصار سے کام لیتے  
ہے یعنی سلسلہ سند پورا ذکر نہیں کرتا بلکہ صرف پہنا نام اور اپنے  
باپ کا نام ذکر کرتا ہے اور اسناد کی نسبت اور ان کے درمیان تمیز  
کا بھی علم اسے نہیں ہوتا۔ ان کمزور اور ضعیف راویوں میں سے دو سرا  
ہشام بن محمد بن السائب ہے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب میں ان  
دونوں (واقعی اور ہشام بن محمد) سے بہت زیادہ روایات کی ہیں اور  
ان میں ایک اور راوی نصر بن ابی سہل الخراسانی ہے“

(تذیب الراوی شرح تقریب النوادی ص ۲۹)

(۴) **ابن الاثیر** تاریخ پر آپ کی دو مشہور تصانیف ”اکمال“ اور ”اسد الغابہ“ بہترین کتابیں ہیں، آپ قدیم و جدید تاریخ کے حافظ اور حدیث اور اس کے تعلقات کے امام تھے لیکن تاریخ میں ان کا ماخذ وہی ”طبری“ کی تاریخ تھی جس کی اکثر روایات ابوحنیفہ لوط بن یحییٰ، محمد بن اسباب الکلبی وغیرہ غیر معتبر حضرات کی ہیں اور باوجود امام حدیث ہونے کے تاریخ میں وہی رطب و یابس سے کام لیا ہے جو اکثر مؤرخین کا شیوہ ہے۔ چنانچہ مہر کے فاضل علامہ محب الدین الخطیب مؤرخین کے تین گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وطائفة ثلاثة من اهل الانصاف والدين كالطبري وابن عساكر وابن الاثير وابن كثير مات ان من الانصاف ان تجتمع اخبار الاخباريين من كل المذاهب والمشارب كلوط بن يحيى الشيعي، محروق وسيف بن عمر العراقي معتدل -

اور تیسرا گروہ اہل انصاف اور اہل دین کا ہے جیسے طبری، ابن عساكر، ابن الاثیر، ابن كثير، ان کے فکر میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مذہب و مشرب کے اہل اخبار مثلاً لوط بن یحییٰ کٹر شیعہ اور اہل اعتدال میں سے سیف بن عمر عراقی کی خبریں جمع کر دی جائیں۔ ”والعوام من القوام کما“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الاثیر اگرچہ خود ثقہ اور حافظ تاریخ ہیں لیکن ان کی تاریخ اس قابل نہیں کہ بغیر کسی جرح و نقد کے اس کی ہر روایت کو صرف اس اعتماد پر کہ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے قبول کر لیا جائے۔

(۵) **ابن کثیر** تفسیر، حدیث اور تاریخ کے حافظ اور امام ہیں، ان کی تفسیر کتب تفسیر میں ایک خاص مقام کی حامل ہے، آپ کی تاریخ ”البدایہ والنہایہ“ چودہ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں ابتداء آفرینش سے لے کر وفات امام تک کے واقعات درج ہیں۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ وہ صحیح و ناقص روایات میں تمیز کرتا ہے کتاب میں کئی شیعوہ روایات کی تردید کی گئی ہے، لیکن ان

سب باتوں کے باوجود وہ بھی اپنی تاریخ میں بعض ایسی باتیں درج کر گئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صرف طبری کے اعتماد پر ابو مخنف لوط بن یحییٰ وغیرہ شیعوں کی روایات سے اپنی کتاب کو نہ بچا سکے بلکہ ایک جگہ تو صاف کھل کر لکھ گئے ہیں کہ :-

”والمشيعۃ والرافضة فی صفة مصرع الحسين کذب کثیر  
واخبار باطلۃ و فیما ذکرنا کفایۃ و فی بعض اوہدناہ نظر و لولا  
ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمة ذکرہ لما  
سقتہ و اکثرہ من روایۃ ابن مخنف لوط بن یحییٰ وقد  
کان شیعياً و هو ضعیف الحدیث عند الامۃ“  
(البداية والنهاية ج ۸ ص ۲۲)

سیدنا حسینؑ کی شہادت کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹی اور باطل خبریں ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہیں اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے، اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ و حفاظ اس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے، ان میں اکثر روایات تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔“

یہ ہے تاریخ کی مشہور ترین کتابوں پر اجمالی تبصرہ! باقی رہیں یعقوبی، مسعودی، فخری اور حضری کی کتب تاریخ، اتویہ و دلوگ ہیں جن میں کوئی معتزلہ اور کوئی کٹر شیعہ تھا، پھر نہ ان کو روایت سے کوئی قصہ اور نہ درایت سے کوئی سروکار، جو دل میں آیا سمجھ دیا اور جس کے خلاف چاہا لکھ دیا۔ ان لوگوں کا مقصود زندگی ہی امت میں غلط روایات پھیلا کر تشنّت و افتراق پیدا کرنا تھا جس کے لیے انہوں نے بہت محنت کی اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے۔



## کیا کتب تاریخ ناقابل اعتماد ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کتب تاریخ کی یہ حالت ہے تو پھر ان کی اعتمادی حیثیت کیا رہی؟ پھر تو ان کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں؟ یہ چیز غلط ہے اور نہ ہی کتب تاریخ پر اس تنقیدی نظر سے ہمارا یہ مقصد ہے۔ بتایا صرف یہ گیا ہے کہ کتب تاریخ نہ تو اس قدر قابل اعتماد ہیں کہ ان کی ہر روایت اور ہر واقعہ کو بغیر کسی جرح و قدح کے من و عنین تسلیم کر لیا جائے اور نہ ہی ان کی ہر روایت ایسی ہے کہ اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے، بلکہ جس طرح حدیث کی روایت کو جرح و تعدیل کے اصول پر پرکھا جاتا ہے اسی طرح تاریخ کی روایات کو بھی نقد و جرح کے اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا اور صحیح و سقیم کے درمیان امتیاز پیدا کر کے صحیح کو لے لیا جائے اور سقیم کو رد کر دیا جائے گا۔ ان اصولوں کو کام میں لا کر امت کی صحیح تاریخ معلوم کی جاسکتی ہے لیکن اگر ان اصولوں کے استعمال کے بغیر صرف مؤرخین کے نام کی شہرت کی وجہ سے ان کی کتابوں کو ایک اعتمادی حیثیت دے دی جائے تو یہ چیز صرف حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان کوئی امتیاز پیدا نہ کر سکے گی بلکہ امت کے لیے ایک انتہائی نقصان کا باعث ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ تاریخ پر ایک تنقیدی بحث کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بالکل آخری صفحہ پر فرماتے ہیں:-

”وقد بینت لکھا نکھا لا تقبلون علی انفسکم فی دینار  
بل فی درھم الا عدلاً بریئاً من التھم سلماً من الشھوة  
فکیف تقبلون فی احوال السلف وما جرى بین الاول  
من لیس لہ مرتبة فی الدین فکیف فی العداۃ۔  
میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف ایک دینار تو  
کیا ایک درھم کا دعویٰ بھی اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ

مدعی عادل اور ہمتوں سے بری اور خواہشات نفسانی سے پاک نہ ہوئیں  
 تم احوال سلف اور مشاہیرات صحابہؓ کے بارہ میں ایسے آدمی کی بات کو  
 کس طرح تسلیم کر لیتے ہو جن کا عادل ہونا تو کجا خود دین ہی میں کوئی مقام  
 نہیں، (العواصم من القواصم ص ۲۵۲)

بتایا یہ جارہا ہے کہ سلف کے احوال اور مشاہیرات صحابہؓ کے بارہ میں بات چیت  
 کرنا اور ان کو زیر بحث لانا نہایت نازک مسئلہ ہے کیونکہ وہ لوگ قرآن و حدیث  
 بلکہ پورے دین کے اولین راوی ہیں، ان کے بارہ میں اگر ذرہ برابر غلط روایت  
 قبول کر لی جائے جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو تو نہ صرف ان کی ذات مجروح ہو  
 گی بلکہ پورے دین کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے علمائے لکھا ہے  
 جو صحابہ کی شان میں تنقیص سے کام لیتے ہیں وہ زندقہ اور بدعت دین ہے۔

(الکفایہ ص ۴۶، ۴۹)

دوسرے اگر ان کتابوں کی روایات قرآن و احادیث صحیحہ کے خلاف ہوں گی  
 تو وہ نقل کرنے والوں کے منہ پر ماری جائیں گی کیونکہ دین کی روح ایک لمحہ  
 کے لیے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ قرآن و حدیث کے ثابت شدہ حقائق کے خلاف  
 کوئی روایت قبول کی جائے، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ اس حقیقت کو ان الفاظ میں قلاب  
 کرتے ہیں:-

”بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مجہول راویوں سے  
 صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں  
 وہ ناقضین کے منہ پر ماری جائیں گی۔“

صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان واقعات و غیبی لہجہ  
 قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف،  
 مستقیم اور سقیم اور کمزور و مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں،

(المبدایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۱۲۷)

دیے بھی یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ غیر قومیں تو اپنے بزرگوں کے غیر اہم کاموں کو کارہائے نمایاں ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھیں اور ہم اپنے اکابر کے محاسن و مفاخر کو قبیح اور بد شکل صورت میں پیش کریں اور اُن راویوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں نمایاں جگہ دیں جو صحابہ کرامؓ کے حسن و جمال کو قبیح بنائیں، اسی بات کا رونا موجودہ دنیا کے بہترین فاضل علامہ محب الدین الخطیب ان الفاظ میں روتے ہیں :-

أُمَّا عَظْمَةُ اسْلَافِنَا حَقْدٌ سَلَطَ الشَّيْطَانُ عَلَيْهَا قُلُوبًا  
فَاسِدَةً تَفْضِي بِالسُّوءِ وَصَدَقَ اكْذَابُهَا الْاَكْثَرُونَ  
مَنَاكَالَ امَّةٍ الَّتِي لَا مَجْدَ لَهَا بَيْنَنَا هِيَ نَائِمَةٌ عَلَى تَرَاثِ  
مَنْ الْمَجْدُ لَا تَحِلُّهَا لَا نَسَانِيَّةً بِمِثْلِهِ -

والعواصم من القواصم تعلیقہ ص ۸۵  
اور ہمارے اسلاف کی عظمت اسو شیطان نے ایسے لوگ مسلط کر دیئے جن کے قلوب بدترین تھے اور ان سے برائی ہی ٹپکتی تھی، انہوں نے ان کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے ان کے اس جھوٹے پروپیگنڈہ کو صحیح سمجھ لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ایک ایسی اُمت ہو کر رہ گئے جن کی کوئی عظمت اور بزرگی نہ ہو اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ جب مجد و عظمت بٹ رہی تھی اُس وقت یہ اُمت سوئی ہوئی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ انسانیت ایسی گہری نیند کبھی نہیں سوئی۔“

ایک اور مقام پر اس نقشے پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کرتے ہیں :-  
”تعب ہے اس اُمت پر کہ یہ اپنے ابطالِ جلیلہ کی برائی بیان کرتی ہے اور اپنی تاریخ کے خوب صورت ترین دور کو بدترین انداز میں پیش کرتی ہے اور اپنی بزرگیوں اور کارہائے نمایاں کو مٹاتی ہے جیسا کہ ہم میں سے

اشرار اور سازشی ذہن رکھنے والے لوگ کرتے ہیں، پھر ان اشرار کا  
 پروپیگنڈہ اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو بھی گمان ہو جاتا ہے  
 کہ شاید یہ باتیں سچی ہوں۔“ (العواصم من القواصم ص ۹۹ تعلیقہ)  
 یہ عقائد تاریخ اسلام کا مختصر تذکرہ جس کو مختصر الفاظ میں آپ کے سامنے  
 پیش کر دیا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ مؤرخین پر اس معمولی سی تنقید پر کچھ حضرات  
 غم و غصہ کا اظہار کریں، لیکن میں مجبور ہوں، اس لیے کہ صحابہ کرامؓ تمام بزرگوں  
 سے بڑے بزرگ تھے اور ہر بزرگ پر تنقید برداشت کی جاسکتی ہے لیکن صحابہؓ  
 پر کسی قلم سے تنقید کا ایک حرف بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا، اور ہر کتاب کی اُس  
 روایت کو رد کرنا واجب ہے جس سے صحابہؓ کے متعلق ذرا سبھی نقیص کا پہلو نکلتا ہو۔

نیا ن آئیں

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی عفی عنہ

## خاندان قریش

خاندان قریش عرب کا ایک معزز ترین خاندان تھا اور اپنی طاقت اور قوت میں اپنی مثال آپ۔ اس خاندان کا نام بھی اس کی شجاعت، بہادری اور عزت و احترام کی خاطر ہی قریش رکھا گیا تھا، کیونکہ قریش ایک سمندری جانور کو کہتے ہیں جو اپنی قوت و طاقت کی وجہ سے سمندر کے دوسرے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے اور ہر جانور پر اس کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے جس کو چاہتا ہے قتل کے گھاٹ اتار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنا دل بہلانے کے لیے رکھ چھوڑتا ہے وہ سب پر غالب و حاکم ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اپنے علم و فضل اور کمالات و محاسن کی وجہ سے ایک خاص مقام کے حامل تھے باتوں باتوں میں انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم سے بڑا کوئی عالم نہیں، بھلا قریش کی وجہ تسمیہ بیان کرو، اس پر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے قریش کی وجہ تسمیہ ہی بیان فرمائی جو اوپر بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل شعر بطور دلیل پڑھے، فرمایا کہ شمر بن ذی الجوشن نے کہا ہے

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ  
بِهَاسِئَتِ قُرَيْشٍ قُرَيْشًا  
تَأْكُلُ الْفَتَّ وَالسَّعِينِ وَلَا تَذُرُكَ  
لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيْشًا  
هَكَذَا فِي الْإِلَادِ دَحَى قُرَيْشٍ  
يَا مَلُوكَ الْإِلَادِ أَكَلَا كَيْشًا

(فتح الباری ج ۶ ص ۲۱۶)

”یعنی قریش دراصل ایک جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ وہ جانور دُبلے پتلے، طاقتور اور موٹے جانوروں کو اس طرح چٹ کر جاتا ہے کہ ان کے پُر تک نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح یہ قبیلہ قریش مختلف شہروں کو نہایت تیزی سے کھا جاتا ہے۔“

شیخ محمد الدین ابن عربیؒ نے لکھا ہے کہ قریش ایک بحری جانور ہے جس نے اس کو خود دیکھا ہے، اس کا بدن باہم ایک دوسرے کے ساتھ گھٹا ہوا ہوتا ہے، نیز فرماتے ہیں کہ اہل مکہ نے اپنی اجتماعی زندگی کو جو تنظیم کی تھی وہ سمٹ کر ایک نکتہ اور اکائی پر مرکوز تھی، اسی وجہ سے اس اجتماعی تنظیم کا نام قریش رکھا گیا۔

(فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۱۱۱)

## قریش کی شاخیں

اس خاندان کی چھوٹی بڑی و تن شاخیں تھیں لیکن بنو ہاشم اور بنو امیہ ان سب میں سے دُنیوی عظمت اور وجاہت کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ ہاشم بہت سخی اور بامروت انسان تھے، سارے عرب میں ان کی سخاوت اور داد و دہش زبان زدِ خواص تھی۔ ان کا اصلی نام تو عمرو تھا لیکن ایک دفعہ مکہ میں قحط کے دوران انہوں نے فُتو بہ میں روٹیاں چورہ کر کے قحط زدہ لوگوں کو کھلائیں جس کی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، کیونکہ ہاشم ہاشم سے آسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں چورہ کرنے والا۔

ہاشم ہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سب سے پہلے قریش میں سال میں دو مرتبہ تجارت کے لیے قافلہ روانہ کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ موسمِ سرما میں مین کی طرف اور موسمِ گرما میں شام کی طرف۔ نجاشی شاہ حبشہ اور قیصرِ روم ہاشم کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ عرب کے دوسرے قبائل کی نگاہ میں بھی ہاشم کی خاص توقیر تھی اس وجہ سے ان دوسروں کے راستوں پر جو قبائل آباد تھے ہاشم نے ان قبائل

سے بھی یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری تمام ضرورتیں پوری کیا کریں گے اور تم ہمارے قافلے کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۴۵) ہاشم کی اس تدبیر سے قریش کے قافلوں کے تمام راستے مامون و معشون ہو گئے۔

اس کے علاوہ ہاشم نے اپنے لیے یہ دستور وضع کر رکھا تھا کہ حج کے ایام میں تمام محتاج کی گوشت، روٹی، سٹو، کھجوروں اور دیگر اشیائے خورد و نوش سے تواضع کرتے اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام فرماتے جس سے ان کی چار دانگ عالم میں شہرت پھیل گئی۔

## بنو امیہ

قریش کے دوسرے ممتاز بزرگ امیہ بن عبد شمس تھے جن سے خاندان بنو امیہ کی شاخ چلی، یہ قریش کے سپہ سالار تھے، اگرچہ ابتداء میں قریش کی سپہ سالاری کا عہدہ بنو مخزوم میں تھا لیکن عبد شمس کے زمانہ سے یہ عہدہ اور منصب بنو امیہ میں منتقل ہو گیا۔ چنانچہ عکاظہ، فجار اول اور فجار دوم وغیرہ سب بڑائیوں میں جو زائدہ جاہلیت میں قریش اور دوسرے خاندانوں میں ہوئیں سپہ سالاری کے فرائض عبد شمس کے پوتے ابوسفیان کے والد حرب بن امیہ نے سرانجام دیئے۔

(العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۱)

حرب بن امیہ کی موت کے بعد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے تک قریش کی سپہ سالاری انہی کے ہاتھوں میں رہی۔ جنگ بدر میں جو کہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان سب سے پہلا معرکہ تھا ابوسفیان قریش کے قافلہ کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ان کے سرسخت بن ربیعہ نے سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے، اس کے بعد ان کے اسلام لانے تک جتنے معرکے بھی کفر اور اسلام کے درمیان ہوئے ان سب میں قریش کی قیادت ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں رہی۔ (تاریخ اسلام ایساوی جلد ۱ ص ۳۹۵)

## بنو امیہ اور تجارت

بنو امیہ نہ صرف قریش کے قائد اور سپہ سالار تھے بلکہ یہ قریش کے دوسرے خاندانوں کی طرح صاحب مال اور تجارت پیشہ بھی تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ خاندان تجارت میں بھی سارے قریش کا لیڈر اور قائد تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر قریش کا جو قافلہ شام گیا ہوا تھا اُس کی قیادت بھی ابوسفیانؓ کے ہاتھ میں تھی اور ہر قل کے نام جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کا خط بھیجا اُس زمانے میں بھی ابوسفیانؓ اپنے تجارتی قافلہ کو وہاں لے کر گئے ہوئے تھے، آپ اس سارے قافلہ کے قائد اور سربراہ تھے، چنانچہ ہر قل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیق حال کے لیے انہی کو بلایا اور مختلف سوالات کے ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حالات سے آشنائی حاصل کی۔ یہ واقعہ بخاری کے متعلق ابواب میں تفصیلاً مذکور ہے، تجارت کی وجہ سے بنو امیہ کی مالی پوزیشن بھی بہت مضبوط تھی اور مکہ کے مالداروں میں اکثریت انہی کی تھی حضرت عثمانؓ جن کی ساری دولت اسلام کے دو عشرت میں اس خدمت کے لیے وقف تھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

## بنو امیہ مخالف اور موافقت کے روپ میں

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنو ہاشم کی طرح بنو امیہ بھی حلقہ بغوش اسلام ہوئے، لیکن بنو ہاشم نے قوی اور قبائلی عصیت کے بناء پر آپؐ کی زیادہ حمایت کی تھی، چنانچہ آپؐ کے قتل کی سازش میں بنو ہاشم میں سے کوئی بھی شریک محفل نہ تھا۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۷)

بنو امیہ چونکہ قریش کی قیادت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے لہذا انہوں نے اس



عہدے کے عظیم فرائض منصبی کا احساس کرتے ہوئے اہل اسلام کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور ان کا یہ مقابلہ اہل اسلام سے خاندانی چشمک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے علاوہ کسی اور جماعت سے اُمران کا مقابلہ ہوتا تو اس کے ساتھ بھی بنو اُمیہ ہی سرگرمی دکھاتے۔ اس دشمنی کو خاندانی چشمک کا نتیجہ بنانا تاریخ سے جہالت اور بنو اُمیہ کے اصلی حالات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، تاہم تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، یہاں تک کہ حبشہ کی ہجرت اولیٰ میں زیادہ بنو اُمیہ ہی کے لوگ تھے بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب تھے۔ (دہشام جلد ۳۲) چنانچہ علامہ احمد بن سبیحی البلاذریؒ نے بھی لکھا ہے کہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(انساب الاشراف جلد ۱ ص ۱۹۵)

اور بنو اُمیہ اور ان کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی تھی ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ اور ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔
- ۲۔ خالد بن سعید بن العاص بن اُمیہؓ۔
- ۳۔ عمرو بن سعیدؓ۔
- ۴۔ ابو حذیفہ بن عتیبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہیلہ بنت سہیل۔
- ۵۔ عبد اللہ کنیت ابو محمد حلیف بنو اُمیہ
- ۶۔ عبد اللہ کنیت ابو احمد " "
- ۷۔ عبید اللہ کنیت ابو محش " "
- ۸۔ شجاع بن وہب بن ربیعہ " "
- ۹۔ قیس بن عبد اللہ " "

۱۰۔ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی حلیف آل سعید بن العاص

۱۱۔ ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس بن سلیم بن خضار حلیف آل عتبہ بن ربیعہ

دانساب الاشراف جلد ۱۶۹، ۲۰۰ء

ہجرت اولیٰ بجانب حبشہ کے ہاجرین کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو۔

(عیون الاثر ابن سید الناس جلد ۱۵۱، فتح الباری جلد ۷ ص ۱۳۸)

اس کے علاوہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کے میٹھے پانی کے اُس رومہ کنوئیں کو جو ایک یہودی کی ملکیت تھا اور اس نے اس کو تبریعہ معاش بنارکھا تھا غریب مسلمانوں کی تکلیف کی خاطر آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۸۸، فتح الباری باب مناقب عثمان جلد ۷ ص ۴۳)

پھر انہی سیدنا عثمانؓ نے غزوہ تبوک میں تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور نقد ایک ہزار دینار لاکر بارگاہ نبویؐ میں پیش کیے، اس سے آپؐ اس قدر خوش ہوئے کہ آپؐ ان اشرفیوں کو بار بار ادا چھالتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو کوئی عمل نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور فرماتے اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۴۳، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۳۳، زرقانی جلد ۳ ص ۶۲)

ترمذی باب مناقب عثمان جلد ۲ ص ۲۱۱

بنو امیہ کی اسلام دشمنی جو کچھ کہ تھی اس کو زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے، یہ درست ہے کہ حالت کفر میں ان لوگوں نے اسلام اور اہل اسلام کی سرٹوڈ مخالفت کی، لیکن جب یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اسلام کی محبت اور دوستی میں بھی انہوں نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ اسلام کی تاریخ میں وہ واقعات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، خود ابوسفیانؓ جنہوں نے اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت کی مٹھی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی بڑائیوں میں دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش اس قدر گرم جوشی سے حصہ لیتے رہے کہ خود ان کی جاہلیت کی تاریخ اس کے سامنے گرد مٹتی غزوہ حنین میں شرکت فرمائی، پھر محاصرہ طائف میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے یہاں تک

اس غزوہ میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۱۷۱)  
 اور یرموک میں دوسری آنکھ بھی اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶)  
 الصديق للهيكل ص ۲۰۷

اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:-  
 ”النَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ هُمْ  
 فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ هُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فِقَهُوْا۔“  
 (بخاری جلد ۱ ص ۹۴، مسلم جلد ۲ ص ۳۳۱، مستدرک جلد ۳ ص ۲۴۳)  
 لوگوں کی مثال سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت  
 میں بہتر تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی بہتر ہیں اگر انہیں دین کی  
 سمجھ حاصل ہو جائے۔“

## نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنو امیہ

یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم بنو امیہ کو بھونچوں وہ اسلام  
 لاتے رہے اپنی خاص نوازشات سے نوازتے رہے کیونکہ آپ ان کے اندر وہی غمی گوہر سے  
 آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ان لوگوں نے حالت کفر میں کفر کے لیے مردھڑ کی  
 بازی لگا دی تھی اسی طرح اب یہ اسلام کے لیے بھی اپنا سب سرمایہ جیات قربان کرنے  
 سے دریغ نہیں کریں گے جیسا کہ بنو امیہ کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے، چنانچہ آپ  
 نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیوں زینب، رقیہ، ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہن، کا  
 نکاح بنو امیہ میں کیا، اپنی سب سے بڑی صاحبزادی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کا نکاح  
 ابوالعاص ابن ربیع ابن عبد العزیٰ اموی سے کیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۷۶)

سیدنا عثمان غنیؓ سے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور

سیدہ ام کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہا کو بیابا۔ (حیات القلوب جلد ۲، ص ۳۳۰)

اور فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ کی زوجیت

لے بعض حضرات اس بات کا انکار کرنے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہؓ سے چار صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ ام کلثومؓ، سیدہ رقیہؓ اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہن تھیں، اور اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ رقیہؓ کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔ یہ مسئلہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں، خواہ مخواہ اگر کوئی اس میں اختلاف کرے تو یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کی معتبر کتابیں سیدنا عثمانؓ کے داماد رسولؐ ہونے کو تسلیم کرتی ہیں۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب نہج البلاغہ میں ہے کہ سیدنا عائشہؓ نے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ کو مخاطب فرماتے ہوئے آپؐ کے شرف اور بزرگی کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا :-

”فما من ابی قحافة ولا ابن الخطاب اولى بعمل الحق منك وانت اقرب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وشيعة رحمة منهما وقد نلت من صهره ما لم يتكالا۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۲۲)

اور ابو بکرؓ و عوفیؓ چرچل کرنے میں آپؐ سے زیادہ مستحق تھے آپؐ ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسی قرابت میں زیادہ قریب ہیں اور آپؐ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف بھی حاصل کیا جو وہ دونوں حاصل نہیں کر سکے۔“

اسی مسئلہ کو تحفۃ النواۃ ص ۱۱۳، اصول کافی ص ۲۸، استبصار جلد ۲ ص ۲۴۵، تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۲، امرأة العقول

ص ۳۵۲، حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۳۰، ص ۱۸، ص ۱۹، ص ۲۸، تفسیر مجمع البیان جلد ۳ ص ۲۳۳، مجالس المؤمنین مجلس ۳

ص ۱۷، مسالک الافہام الی اتیفق شرائع الاسلام ص ۵۳۲ وغیرہ شیعہ کتابوں میں نہایت ملاحظت کے ساتھ بیان کیا

گیا ہے اور اہل سنت کی بھی تقریباً تمام کتابوں مثلاً تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸، ۱۲۹، اصابع جلد ۱ ص ۲۹۷،

ابداۃ و اتہایہ جلد ۱ ص ۱۹۹، استیعاب ذکر عثمان بن عفان ص، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۹۵،

وغیرہ میں اس بات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

میں دیتا ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۱۷

دوسری طرف بنو امیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی بیٹی سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے نکاح کر کے بنو امیہ سے اپنی نہایت قریبی رشتہ داری کے تعلقات قائم فرمائے۔

(زرقانی جلد ۳ ص ۲۲۷، اصحاب جلد ۴ ص ۳۹، صفۃ الصفوة جلد ۲ ص ۲۷)

فتح مکہ کے روز آئیے ابوسفیانؓ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دیدیا اور فرمایا:-

”مَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سُفْيَانَ فَلَهُ مِنْ آلِهِ رَسُولُ بَابِ فَتْحِ مَكَّةَ ۲۷۱ ص ۱۵۱“

مسند احمد ص ۱۰۹۹ حدیث ۵۹۰۹، تہذیب التہذیب جلد ۲، تاریخ ابن خلدون جلد ۳

جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔“

۱۔ ایک روایت میں آتا ہے:-

”وَلَوْ كَانَ لِي ثَلَاثَةُ لَزَوْجَتِهِ وَهَازِ وَجْتَهُ الْإِبِلُ الْوَحْيُ مِنَ اللَّهِ

تَعَالَى۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲)

اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ سے بیاہ دیتا اور میں از خود

نہ بیاہتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے حکم سے بیاہتا۔“

ایک روایت میں چالیس بیٹیوں کا ذکر آتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲) اور ایک روایت

میں تلو کا لفظ بھی آتا ہے۔

۲۔ یہ گھر بیت اللہ سے بالکل ملحق تھا اور جب مسجد حرام کی توسیع کی گئی اُس وقت اس گھر کو حرم

شریف میں داخل کر دیا گیا۔ علامہ محب الدین الخطیب صاحب تعلیقات العوام من القوامم والمنشی

میں مہاج الاعتدال فی نقص کلام اہل الوقف والا عزال فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے حرم شریف کے اس حصے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو پہلے دار ابی سفیانؓ تھا،

وہاں ایک پتھر نصب تھا جس پر نہایت خوبصورت خط میں لکھا ہوا تھا مَنْ دَخَلَ دَارَ

ابْنِ سُفْيَانَ فَلَهُ مِنْ آلِهِ۔ جو کوئی ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امان سے

ہے۔ (المنشی از محمد ابن عثمان النبی تعلیقہ ص ۲۵۳)

جمادی الاول ۱۰؎ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا اس مہم میں جب آپ تشریف لے گئے تو آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔  
(طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹)

پھر ۱۱؎ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت رضوان منعقد فرمائی اور اخیر میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی جانب سے ہے۔ (بخاری شریف)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں ہتر تھا۔  
(رزقانی جلد ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۸)

اس بیعت میں اللہ جل شانہ نے صرف سیدنا عثمانؓ کی طفیل ۴۰۰ اور بعض روایات کے مطابق ۵۰۰ مسلمانوں کو اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ عطا فرمایا جس کا ذکر سورۃ فتح میں فرمایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو رزقانی جلد ۲ ص ۱۸)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَمَّتِ الشَّجَرَةُ  
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ  
فَتْحًا قَرِيبًا وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا  
حَكِيمًا (الفتح آیت ۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے جبکہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے پس اللہ نے ان کے دلوں کے اخلاص اور محبت کو جان لیا، چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی خاص مہکنت اور طمانیت نازل فرمائی اور (اس کے علاوہ) اور بھی وہ بہت سی غنیمتیں حاصل کریں گے اور اللہ جل شانہ غالب اور حکمت والا ہے۔

انہی سیدنا عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کو آپ نے کتابت وحی کے ذمہ دارانہ منصب پر مامور فرمایا۔ چنانچہ سید عائشہ صدیقہ صلوٰۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ

رات کے وقت وحی نازل ہوئی، سیدنا عثمانؓ موجود تھے، آپؓ نے انہیں لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۷)

## بنو ہاشم کا قبول اسلام

عام تاثر یہ دیا جاتا ہے کہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی شروع ہی سے چونکہ باہمی دشمنی چلی آ رہی تھی اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے رقیب و حریف تھے اس وجہ سے بنو امیہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی از حد مخالفت کی۔ لیکن یہ بات بالکل غلط ہے اور اس پر تعمیر کردہ نتائج کی دنیا محض ایک باطل مفروضہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے کی سعادت آپؐ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد سلام اللہ علیہا کے حصہ میں آئی تھی جو اگرچہ قبیلہ و خاندان کے لحاظ سے بنو اسد کی فرد تھیں لیکن شادی کے بعد علیؑ طور پر بنو ہاشم کی رکن بن چکی تھیں۔ عربوں کی قبائلی روایات کے مطابق بیویاں اپنے خاوندوں کے خاندان کی رکن سمجھی جاتی تھیں، اسی طرح موالی اور حلیف بھی اپنے سرپرستوں یا آقاؤں کے خاندان ہی کے افراد سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سیدنا زید بن حارثہؓ کلبی کے علاوہ ابورافعہ، صالح ثقفی، ابوبکثہ اور انسہ اور غالباً کچھ اور موالی بھی بنو ہاشم اور اہل بیت رسول کے مکی مسلمان تھے۔ اہل بیت کرام میں آپؐ کی چار صاحبزادیاں سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہؓ بھی ابتدائی مکی دور کی مسلمان تھیں۔ خاندان رسول کے موالی میں سیدنا زید بن حارثہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام ایمنؓ بھی قدیم ترین اسلام لانے والوں میں سے تھیں، پھر سیدنا زیدؓ کے فرزند سیدنا اسماء بن زید کلبیؓ بھی پیدا ہوئے مسلمان تھے۔

ابو طالب قدیم و جدید مؤرخین کی روایت کے مطابق دولتِ اسلام سے محروم رہے لیکن ان کے دو بیٹے سیدنا علیؓ اور سیدنا جعفرؓ اور ان کی اہلیہ سادہ بنت عیسٰیؓ بھی

قدیم کی مسلمان ہیں۔ سیدہ اسماءؓ نے تو اپنے شوہر سیدنا جعفرؓ کے ساتھ ہجرت حبشہ بھی فرمائی تھی۔ ابو طالب اگرچہ خود شرفِ اسلام سے محروم رہے لیکن ان کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم نے مکہ ہی میں غالباً ابو طالب کی وفات کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا اور بعد میں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی تھی، ان کے بیٹے عقیل کی اہلیہ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ اموی نے بھی غالباً صلح حدیبیہ کے بعد بافتح مکہ کے زمانہ میں اپنے خاوند کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔

بنو ہاشم ہی کے ایک اہم فرد اور آپ کے چچا ابولہب بن عبد المطلب ہاشمی نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی اور آپ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھا، لیکن اس دشمن اسلام و رسول کے دو لڑکوں عذیرہ اور عتبہؓ نے فتح مکہ کے بعد دعوتِ اسلام کو قبول کر لیا تھا اور غالباً ان کی تمام اولاد نے بھی۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ جس کا تعلق سیدنا عباس بن عبد المطلب سے تھا یہ بھی آپ کے چچا تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ کے کچھ بعد بافتح مکہ سے کچھ قبل اسلام قبول کیا تھا، اس زمانہ میں آپ کے صاحبزادے بہت چھوٹے تھے لیکن غالباً اپنے والد کے ساتھ وہ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں فضل، قثم، عبید اللہ اور عبد اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب کا گھرانہ تھا، سیدنا حمزہؓ کا خاندان ابتدائی عہدِ کاسم تھا جبکہ آپ دارِ ارقم میں قیام پذیر تھے، سیدنا حمزہؓ کی کوئی تربیتِ اولاد نہ تھی، ایک لڑکی امامہؓ تھی جو عمرۃ القضا میں بہت چھوٹی تھی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ کی تولیت میں دیا تھا کیونکہ ان کی بیوی سیدہ امامہؓ کی خالہ تھیں، البتہ ان کے موالی بنو عقیل ابتدائی مکّے مسلمان تھے جو ابو مرتضہؓ اور مرتضیٰؓ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بنو ہاشم کا ایک اور گھرانہ حادث بن عبد المطلب ہاشم کا تھا، حادث تو بخت نبوی



سے قبل ہی انتقال کر چکے تھے، لیکن ان کے بیٹے نوفل بن حارث بن عبد المطلب نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مدینہ کو ہجرت جنگ نذوق کے بعد سیدنا عباسؓ کے ساتھ کی تھی۔ نوفل کے باقی تین بھائیوں ربیع، عبد اللہ اور ابوسفیان کے بارہ میں تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کے روز حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سیدنا ابوسفیانؓ بن حارث بن عبد المطلب ہاشمی کے بارہ میں روایات میں اسے کہ اپنے وقت کے بہت اچھے شاعر تھے لیکن اسلام کے سخت دشمن تھے، وہ بیس برس تک اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی ہجو کرتے رہے لیکن فتح مکہ کے روز جان نثار رسول بن گئے۔ اس خاندان کے نین اور افراد جعفر بن ابی سفیانؓ، حارث بن نوفل بن حارث اور عبد المطلب بن ربیع بن حارث نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب کی اہلیہ جملہ بنت ابی طالب جو سیدنا علیؓ کی ہمشیرہ تھیں اپنے خاوند سے قبل مکہ میں اسلام میں داخل ہو کر ہجرت مدینہ کے شرف سے مشرف ہو چکی تھیں۔

اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ہاشم نے خاندان کی محبت میں اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایک ہاشمی فرد ہونے کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا بلکہ اسلام کو سچا سمجھتے ہوئے اسے قبول کیا تھا، دوسرے لفظوں میں بنو ہاشم نے اسلام کی شدید ترین مخالفت بھی کی اور شدید ترین حمایت بھی۔

## بنو اُمیہ کا قبول اسلام

بنو عبد مناف کی دوسری شاخ بنو عبد شمس کی تھی، یہ قبیلہ دیوبی جاہ و شہرت، مال و دولت اور عددی لحاظ سے بنو عبد مناف کا سب سے زیادہ طاقتور اور مال دار قبیلہ تھا، اس کی اہم ترین شاخ بنو اُمیہ اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی کہ بنو عبد شمس عملاً بنو اُمیہ ہی سمجھے جانے لگے تھے۔ ہمارے خیال میں، بنو اُمیہ کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی

طور پر جو عروج اور بلند مقام حاصل ہوا وہ ہاشم اور ان کے فرزند عبد المطلب کی وفات کے بعد حاصل ہوا کیونکہ ہاشم ایک بڑے باوجاہت انسان تھے اور سرکاری دربار تک ان کی رسائی تھی، دوسرے بادشا ہوا کے ہاں بھی انہیں باریابی حاصل تھی، وہ مدبر و منظم بھی تھے، بڑے باہمت اور فرائض کی ادائیگی اور انجام دہی میں نہایت چابکدہ تھے، اس وجہ سے ان کا سیاسی اور سماجی طور پر ایک خاص مقام تھا۔

ان کے صاحبزادے عبد المطلب کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہی صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا جن سے ان کے باپ ہاشم کو نوازا تھا، آپ سیرت و صورت دونوں میں یگانہ روزگار تھے۔ قد بحر رجز میں، بدن سڈول، چہرہ سے وجاہت و ہیبت، آنکھوں سے شرافت و نجابت، اور رنہساروں سے جلالت و عظمت کی شعائیں صوافشاں تھیں، ایک اجنبی بھی جب دیکھ پاتا تو قدموں پر گرنے کے لیے بیتاب ہو جاتا، جو دوسخا میں شہو آفاق تھے، آپ کا دسترخوان نہ صرف انسانوں کے لیے وسیع تھا بلکہ جنگل کے وحشی جانور اور ہول کے پرندے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔

ہاشم اور عبد المطلب کی وفات کے بعد بنو ہاشم میں اس پایہ کا اُن کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ ابوطالب مالی طور پر نہایت مفلوک الحال تھے۔ خاندان کے سربراہ اور سردار کے لیے جو صفات اور خصوصیات ایک شخص میں پائی جانی چاہئیں جیسے شجاعت و بہادری، جو دونوں، بخشش و عطاء، مروت و بردباری اور دولت و ثروت وغیرہ، ابوطالب ان میں سے اکثر سے محروم تھے، پھر جسمانی طور پر بھی لنگڑے تھے۔ چنانچہ اس نقص کی وجہ سے نہ ہی حرب فجار میں اور نہ ہی کسی اور جنگ میں آپ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے۔ ٹانگوں کے اسی نقص کی وجہ سے وہ خطر فرشی اور بعض اوقات غلہ کی خرید و فروخت کر لیتے تھے، چنانچہ سیدنا علیؑ فرماتے ہیں کہ:-

”اِج ساد فقیراً و ماساد فقیراً قبلہ

میر و والد ابوطالب سردار ہوئے تو فقیر تھے اور ان سے قبل کوئی فقیر کبھی قبیلہ

کا سردار نہیں ہوا“ (تاریخ یعقوبی شیعہ جلد ۱ ص ۱۷۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بنو امیہ کو سیادت و قیادت کی یہ نہایت کارآمد مطلب کی وفات کے بعد ملتی آئی۔ عبد شمس کو ہاشم کی طرح اپنے باپ کی زندگی ہی میں برابری کا مقام حاصل تھا اور باپ کے انتقال کے بعد اگر ہاشم کو سقایہ اور فادہ کے عہد سے ملے تھے تو عبد شمس کو قیادہ کا عظیم منصب ملا تھا، اس طرح عبد مناف کے دونوں فرزند میکی اشرافیہ کے برابر کے رکن اور میکی سماج و معاشرہ میں یکساں عزت و توقیر کے حق دار بن گئے تھے۔

ہاشم کی نو عمری میں وفات اور ان کے بیشتر بچوں کا بچپن میں انتقال وغیرہ کی وجہ سے ان کی نسل صرف بنو عبد المطلب میں جاری رہی، جبکہ اس کے مقابلے میں عبد شمس کے متعدد لڑکوں سے ان کی نسل خوب چلی اور بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے اپنے متعدد بطون (چھوٹے چھوٹے قبیلے) وجود میں چکے تھے، قبیلوں کی کثرت تہذیب کی وجہ سے جو اس زمانے میں ایک امتیازی خصوصیت تھی لہذا بنو عبد شمس کو ایک امتیازی، سیاسی اور سماجی عظمت و توقیر حاصل ہو گئی تھی۔ علاوہ ازیں ان کو ملکی اقتصادیات میں بھی نمایاں برتری حاصل تھی، عہد نبوی میں بھی بنو عبد شمس کو یہ قیادت و سیادت حاصل تھی، اس قیادت و سیادت کو قائم رکھنے میں بنو عبد شمس کی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے علاوہ کلمہ خاندان بنو عبد مناف کی تائید و تصدیق اور اتحاد کی دولت حاصل تھی۔ گویا بنو عبد شمس کی عظمت و ریاست بنو ہاشم کی عظمت و ریاست تھی، یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے دوست، حلیف اور بھائی تھے نہ کہ رقیب، حریف اور مقابل۔

بعثت نبوی تک بنو عبد شمس کے متعدد خاندان اور گھرانے بجائے خود ایک سماجی اکائی بن چکے تھے، ان میں سب سے بڑا اور اہم ترین گھرانہ بنو امیہ کا تھا جو متعدد گھرانوں پر مشتمل تھا، اس کی اہم شاخیں مندرجہ ذیل تھیں :-

۱۔ بنو ابی العاص بن امیہ اکبر۔ اس کی مزید دو ذیلی شاخیں تھیں (

(ا) بنو عفان : سیدنا عثمان بن عفان کا خاندان۔

(ب) بنو حکم : سیدنا مروان بن الحکم کا خاندان۔

۲۔ بنو حرب بن امیہ اکبر۔ (اس کی حسب ذیل تین اہم ترین شاخیں تھیں)

رواہ ابو سفیان بن حرب (دب) بنو عتبہ بن ابی سفیان (رح) بنو عتبہ بن ابی سفیان — ان کے علاوہ بھی بعض گھرانے ان میں شامل تھے۔

۳۔ بنو ابی العیص، سیدنا عتاب بن اُسَیْد کا گھرانہ۔

۴۔ بنو ابی عمرو بن امیہ : دشمن رسول عقیقہ بن ابی معیط کا خاندان۔

۵۔ بنو عاص بن امیہ : اولاد احمد سعید بن عاص کا خاندان۔

علاوہ ازیں عبد شمس کے متعدد بیٹوں کے خاندان تھے، جیسے بنو جویب بن عبد شمس، بنو عبد امیہ بن عبد شمس، بنو نوفل بن عبد شمس، بنو ربیعہ بن عبد شمس اور بنو عبد العزیٰ بن عبد شمس۔ پھر ان کے آگے کئی گھرانے ہو چکے تھے۔ بنو ربیعہ بن عبد شمس کے دو افراد عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ مکی انصاریہ کے بعثت نبوی سے قبل اہم ترین ستون تھے، جب کہ حضور اذکر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بڑے داماد ابوالعاص بن ربیعہ کا گھرانہ تھا۔ مختصر سی تفصیل تھی بنو عبد شمس / بنو امیہ کے خاندان کی۔ اسلام کے بارہ میں اس خاندان کا رویہ بنو ہاشم یا دوسرے کسی مکی خاندان سے مختلف نہ تھا، اگرچہ ان میں سے بعض نے اسلام کی پوری پوری مخالفت کی تھی لیکن اسی خاندان کے کئی افراد نے بھرپور حمایت بھی کی تھی، بنو ہاشم کے بعض گھرانوں کی طرح بعض اموی / عبد شمس گھرانوں نے بھی بسبقت اسلام کی دولت سے حظ وافر پایا۔

خاندان بنو عاص بن امیہ اکبر میں ابوالاحمہ سعید بن عاص کا گھرانہ اپنی دولت و ثروت، شرافت و نجابت اور سیادت و ریاست کے لیے تمام مکہ میں ممتاز ترین گھرانہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی خاندان سعیدی کے ایک فرد سیدنا خالد بن سعید امویؓ غالباً اولین اموی مسلمان تھے اور روایات کے مطابق ان کا سلسلہ سابقین اولین صحابہ میں تیسرا یا چوتھا نمبر تھا۔ ان میں سے ایک بھائی عمرو بن سعیدؓ نے غالباً ان کے اثر سے مکی عہد کے نصف اول کے آغاز ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا، یہ دونوں بھائی اپنے والد دوسرے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔

ابن اسحاق کے قول کے مطابق اپنی دونوں بیویوں ایلنہ بنت خلف خزاعی اور فاطمہ

بنت صفوان المدیحی کے ساتھ حبشہ ہجرت کی تھی۔ سیدنا خالد بن سعیدؓ کے دونوں بچے سیدنا سعیدؓ اور سیدہ ام حبشہؓ میں پیدا ہوئی تھیں، غالباً عمرو بن سعیدؓ کی اولاد میں بھی مکہ یا حبشہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ سربراہ خاندان سعید بن عاص کا بدر کے بعد حالت کفر میں انتقال ہوا تھا جبکہ ان کے دو بڑے ابا بن سعید اور حکم (عبداللہ بن سعیدؓ نے صلح حدیبیہ کے بعد یا فتح مکہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ چاروں بھائی بے پناہ اور غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے اس لیے انہوں نے اسلامی ریاست کے چار مختلف صوبوں میں عہدہ نبوی ہی میں گورنری کے فرائض سرانجام دیتے تھے، اس خاندان کے ایک فرد سعیدؓ غزوہ طائف میں شہید ہوئے تھے۔ اس خاندان کے دوسرے کئی افراد نے بھی اسلام قبول کیا، اس خاندان کی بیٹیوں میں سے ایک فاختہ بنت سعیدؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد سیدنا ابوالعاص امویؓ کے جالہ عقد میں آئیں، انہی سے ان کی نسل چلی۔

خاندان بنو ابی العاص کے قدیم ترین مسلمان سیدنا عثمان بن عفانؓ امویؓ تھے جو سیدنا صدیق اکبرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوئے، یہ دارالرقم میں قیام نبوی سے قبل شرف اسلام سے مشرف ہوئے، اور بقول ابن اسحاق پہلے آٹھ مسلمانوں میں سے تھے، ان کے حقیقی چچا حکم بن ابی العاص نے اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑے ظلم توڑے تھے، آخر تنگ آکر یہ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ زقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہ نبوی میں جانب حبشہ ہجرت فرما گئے، سیدنا عثمانؓ کے دوسرے بھائی بہنوں کے قبول اسلام کے بارہ میں کتابوں میں کچھ نہیں ملتا البتہ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ارویٰ بنت کریظہؓ ابتدائی مکی مسلمان تھیں، اور ان کی ایک اموی اہلیہ سیدہ رطلہ بنت شیبہ بن ربیعہؓ ابتدائی مکی مسلمان اور مہاجر مدینہ تھیں، ان کے چچا حکم بن ابی العاصؓ کے خاندان نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا تھا، سیدنا حکمؓ کے علاوہ ان کے بیٹے مروانؓ بھی صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

نور ربیعہ بن عبد شمس کی قسمت میں سبقت اسلام کا شرف حاصل کرنے والے

سیدنا ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ تھے، یہ تیسرے اہم اموی مکی مسلمان ہیں جو ہجرت آغاز اسلام ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے بلکہ مکہ میں اپنوں ہی کے ہاتھوں ستائے جانے کی وجہ سے اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ سہلہ بنت سہیل عامریؓ کے ساتھ جنتہ ہجرت فرما گئے تھے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے جس میں ان کے چھائی، والد اور والدہ شریک ہوئے تھے، ان کے خاندان میں ان کی ایک عم زاد بہن کے علاوہ اور کسی کے نفع مکہ سے قبل مسلمان ہونے کا ذکر نہیں ملتا، البتہ ان کے ایک مولیٰ سیدنا سالمؓ تھے جو بالکل آغاز اسلام میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قدیم ہاجر اور بدری تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو حرب بن امیہ کے کسی فرد نے مکی عہد میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کی ایک خاتون سیدہ ام حبیبہؓ جو ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں ابتدائی مسلمان تھیں اس خاندان کے مردوں نے نفع مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا، مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ قوی اور معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیانؓ کے دو صاحبزادوں یزیدؓ اور معاویہؓ صلح حدیبیہ کے بعد غالباً عمرۃ القضا کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ غالباً ان کے اہل خانہ بھی مسلمان ہوئے ہوں گے۔ سیدنا ابوسفیانؓ اپنی زوجہ سیدہ ہند بنت عتبہؓ اپنے دوسرے صاحبزادوں عتبہؓ اور عقیبہؓ کے ساتھ نفع مکہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

یہ نہایت تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کے اکثر ارکان مکی عہد میں دائرہ اسلام سے خارج رہے لیکن ان کے بنو غنم بن ودان کے تمام حلیف جن کی تعداد روایات کے مطابق چالیس بالغوں پر مشتمل تھی آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کے قبول اسلام کا زمانہ مکی دور کا آخر ہے۔ بہر حال زمانہ کوئی ہوا ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے اور ان میں سے بعض ہجرت جنتہ میں بھی شریک تھے اور باقی ہاجرین مدینہ اور اصحاب بدر

میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے ان کے ۲۳ مردوں کے نام گنوائے ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

- (۱) عبداللہ بن جحش (۲) ان کے بھائی ابواحمد (۳) عبداللہ بن جحش کے فرزند محمد
  - (۴) عکاشہ بن محسن (۵) شجاع بن وہب (۶) ان کے بھائی عقیقہ
  - (۷) اربد بن حمیر (۸) منقذ بن نباتہ (۹) سعید بن رقیش
  - (۱۰) یزید بن رقیش (۱۱) عبدالرحمن بن رقیش (۱۲) محرز بن نضلہ
  - (۱۳) قیس بن جابر (۱۴) عمرو بن محسن (۱۵) مالک بن عمرو (۱۶) صفوان بن عمرو
  - (۱۷) ثقف بن عمرو (۱۸) ربیعہ بن اکثم (۱۹) زبیر بن عبیدہ (۲۰) تمام بن عبیدہ
  - (۲۱) بنجرہ بن عبیدہ (۲۲) ابوسنان بن محسن (۲۳) سنان بن ابی سنان۔
- ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ان کی آٹھ خواتین کے نام معلوم ہوئے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:-

- (۱) زینب بنت جحش (۲) ان کی بہن اُم حبیب (۳) جذامہ بنت جندل
- (۴) اُم قیس بنت محسن (۵) اُم حبیب بنت ثمامہ (۶) آمنہ بنت رقیش
- (۷) صخرہ بنت تمیم (۸) حمہ بنت جحش۔

اس طرح بنو حرب بن اُمیہ کے حلیف بنو غنم بن ودان کے ابتدائی مسلمانوں کل تعداد ۳۱ ہوتی ہے۔ کتابوں میں مزید ۹ بالغوں کے نام بھی آئے ہیں ان کے بچوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن جحش کی والدہ سیدہ اُمیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا جو کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی دور کی مسلمان پھوپھی ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ خلفاء بنی حرب بن اُمیہ کے ابتدائی مسلمانوں کی تعداد اڑھائی تین سو کے درمیان تھی۔

بنو اُمیہ کے ایک اور حلیف سیدنا عبیقہ بن ابی فاطمہ دوسری تھے جو کہ قدیم مسلمان تھے۔ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئے، بعض روایات میں ہے کہ وہ مکہ سے

واپس اپنے قبیلہ دوس چلے گئے تھے اور وہاں تبلیغ اسلام کرنے رہے۔

بنو عبد العزیٰ بن عبد شمس کے ایک اہم رکن سیدنا ابوالعاش بن ربیع تھے، وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے داماد اور سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوہر تھے، اس کے علاوہ سیدہ خدیجہ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا کی بہن کے بیٹے تھے، انہوں نے صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا، پھر مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، ان کی صاحبزادی اُمّہؓ پیدا نشی مسلمان تھی، باقی گھرانہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لایا تھا۔

بنو ابی العیص میں سیدنا عتاب بن اسید اموی فتح مکہ کے روز اپنے خاندان والوں کے ساتھ دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے، وہ قبولِ اسلام کے چند ہی روز کے بعد اسلامی ریاست کی طرف سے مکہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ زبیری نے ان کے ایک بھائی خالد بن اسید کا ذکر بھی کیا ہے جس کا کافی بڑا گھرانہ تھا۔

خاندان بنی عمرو بن امیہ کے سردار عقبہ بن ابی معیط نے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ وہ ابولہب ہاشمی اور ابوہل مخزومی کی طرح اسلام کو بغیر اسلام کانٹیسرا بڑا دشمن تھا، وہ اپنے جنگی جرائم کی وجہ سے غزوہ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا، اسی دشمن خدا اور رسول کی جرأت مند اور دیر صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ بنت عقبہؓ بعد ہجرت کسی وقت اسلام قبول کر لیا تھا اور صلح حدیبیہ کے فوراً بعد واپس ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئی تھیں۔ عقبہ اموی کے تین لڑکوں سیدنا ولیدؓ، سیدنا خالدؓ اور سیدنا عمارؓ نے عام روایات کے مطابق فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان کی وجہ سے دوسروں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو۔ بہر حال یہ ایک مسلم تاریخی حقیقت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اموی کا گھرانہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا بسا تھا۔

بنو عبد شمس اور بنو امیہ کے باقی گھرانے اور افراد زیادہ تر فتح مکہ کے زمانے میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حضرات و خواتین کچھ عرصہ



پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں۔ پھر بھی ان میں سے ابوبکر یہ حادث ہو کر پڑا،  
عمر بن کریم، عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمن بن سمرہ وغیرہ عظیم صحابہ کا ذکر مل ہی جاتا ہے۔

## دونوں خاندانوں کا تقابلی جائزہ

اگر خاندان بنو ہاشم اور خاندان بنو اُمیہ کے قبول اسلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو اس میں بڑی حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ خاندان بنو عبد مناف کے ان دو برادر قبیلوں اور ان کے افراد نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ یکساں رویہ اپنایا تھا۔ اگرچہ ہاشمیوں نے سبقت اسلام اور حمایت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کیا تھا تو بعینہ یہی شرف پند امویوں نے بھی حاصل کیا تھا۔ اگر کچھ ہاشمیوں نے مکہ میں اللہ کے راستہ میں تکالیف اٹھائیں اور مصائب برداشت کئے تھے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی تو ان سے زیادہ امویوں نے یہی قربانیاں دی تھیں۔ اگر ابوسفیان بن حرب اموی اور عقبہ بن ابی معیط اموی نے امویوں میں سے اسلام کی مخالفت کی تو عناد اسلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابولہب ہاشمی اور ابوسفیان بن حرب ہاشمی بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ٹوٹ کر اسلام اور رسول اسلام کی مخالفت کی۔ لہذا یہ کہنا کہ امویوں نے غیر معمولی طور پر یا بنو ہاشم سے پرانے عناد کی وجہ سے اسلام اور رسول خدا کی مخالفت کی تھی تو یہ بات سراسر غلط ہے، واقعات اس بات کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔

## سیاسی نظام میں بنو اُمیہ کا مقام

علاوہ ازیں بنو اُمیہ کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

خاص اہمیت دی، چنانچہ اکثر صوبوں کے گورنر اموی خاندان ہی سے مقرر فرمائے اور اسٹیٹ کی انتظامی مشینری ان کے ہاتھ میں دی، فتح مکہ کے بعد مکہ کا گورنر سیدنا ابوسفیانؓ کے چچا کے پوتے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی اور روزینہ کے طور پر ایک درہم یومیہ مقرر فرمایا، اس پر عتابؓ نے یہ کہا :-

”اَيُّهَا النَّاسُ اَجَاعَ اللّٰهُ كَبَدَ مَنِّ جَاعَ عَلٰى دِهَجٍ  
اے لوگو! اللہ اس شخص کے جگر کو بھوکا رکھے جو ایک درہم میں بھی  
بھوکا رہے۔“

عتاب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ کے سارے دور خلافت میں مکہ کے گورنر رہے۔ (روضہ الاف للہبیل جلد ۲ ص ۲۶۶، استیعاب جلد ۳ ص ۵۳ ترجمہ عتاب بن اسید، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۸، تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۷۹) بعض روایات میں آتا ہے کہ مکہ کی امارت پر سرفراز فرماتے ہوئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے عتابؓ کو ارشاد فرمایا :-

”عتاب! تم کو معلوم ہے کہ کن لوگوں پر میں نے تم کو عامل بنایا ہے؟ اہل اللہ پر، اگر مکہ والوں کے لیے تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نظر آتا تو میں یہ بتاتا۔“ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۵۸)

آپؐ پہلے ہی سے ان سے بخوبی آشنا تھے اور فتح مکہ سے دو رات پہلے ایک مجلس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ :-

”قریش کے چار آدمی شرک سے دور اور اسلام سے قریب نہ اور اس کی طرف راغب ہیں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو۔“ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۵)

پھر ۸ھ میں حج کی امارت کا شرف بھی آپؐ ہی کو حاصل ہوا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۸۹)

اسد الغابہ جلد ۳۵۸) اس لحاظ سے عتاب تاریخ اسلام میں سب سے پہلے امیر الحج ہیں۔

سیدنا ابوسفیانؓ کو آپؐ نے بحران کا گورنر مقرر فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۴،

تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۲۱، کتاب الحج لابی جعفر بغدادی، تاریخ خلیفہ بن خلیفہ جلد ۱ ص ۶۲)

اور قبیلہ بنی ثقیف کے مناة نامی بت کو توڑنے کے لیے بھی آپؐ کو اور سیدنا مغیرہ

بن شعبہؓ کو مقرر فرمایا چنانچہ ان دونوں نے اس بت کو توڑا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۲۱،

البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۳۳، سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۲)

ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قریش کو تقسیم کرنے

کے لیے کچھ مال بھیجا وہ مال سیدنا ابوسفیانؓ نے قریش میں تقسیم کیا۔

(طبقات ابی سعد جلد ۴ ص ۳۲، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ ص ۱۲۹)

سیدنا ابوسفیانؓ ایک امیر اور صاحب حیثیت شخص تھے اسلئے کئی دفعہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال کو غریب اور نادار لوگوں کی حاجتوں میں خرچ کیا۔

چنانچہ قبیلہ بنی ثقیف کے دو شخص عروہ اور الاسود مقروض تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے سیدنا ابوسفیانؓ کو ان کا قرض اتارنے کے لیے ارشاد فرمایا، اور آپؐ نے حسب

فرمان نبویؐ ان کا قرض ادا کر دیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۲)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف اور اس کے ملحقات کا گورنر مقرر فرمایا۔

و تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۲۸)

آپؐ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور دور فاروقی اکو

صدیقی میں بصرہ، بحرین، عمان کے گورنر رہے، یمن میں سیدنا خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو

گورنری کے عہد پر مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۳، زاد المعاد لابن الفیثم جلد ۱ ص ۳۱)

آپؐ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چچا عاص کے پوتے تھے، جنگ مرج میں شہید ہوئے۔

لہٰذا ان کی شہادت کی کیفیت بھی عجیب بیان کی گئی ہے، کھلے کھلے کہ غفل کی ہم کے بعد اسلامی فوج نے جب مرج صفر

کا رخ کیا تو اسی دوران میں حضرت خالدؓ نے ابوہل کی پہو جو عکرمہ کی بیوہ تھی (سیدہ ام کلثوم) سے شادی کر لی اور

اور مرج صفر میں جو دمشق کے قریب ہے بیوی سے ملنے کی تیاریاں شروع کیں، بیوی نے کہا کہ بہتر ہوتا اگر اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور جہاں دشنام کے لیے سب سے پہلے آپ نے ہی آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ (فتوح البلدان جلد ۱ ص ۲۵)  
عثمان ابن سعید رضی اللہ عنہ کو آپ نے خیبر کا گورنر مقرر فرمایا اور ان کے بھائی ابان  
بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کی گورنری عطا فرمائی۔ (استیعاب جلد ۱ ص ۲۵)

سیدنا ابوسفیانؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ جو تاریخ اسلام  
میں ”یزید الخیر“ کے نام سے مشہور ہیں، بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے فتح مکہ  
کے روز اسلام سے مشرف ہوئے اور غزوہ جنین میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں  
شریک ہوئے، جنگ کے اختتام پر آپ نے انہیں بہت سا مال مرحمت فرمایا۔  
رطبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۲۷، البدایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۹۵، آپ کا شمار بھی کاتبانِ وحی  
میں سے ہے۔ (دواعی السیرت لابن حزم ص ۲۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کے تنہا کے قبیلہ بنی فراس پر انہیں عامل صدقات مقرر فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۶۱۹،  
اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۱۲)

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمار کا گورنر بھی مقرر فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۶۳،  
کتاب الحجر ص ۱۲۶) چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

والقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)  
معمر کہ بعد اطمینان سے ملے، لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھے اس معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے لہذا  
خواہش ہے کہ عروسِ کربلا کے گلے ملنے سے قبل تم سے مل لوں وہ راضی ہو گئیں، چنانچہ ایک پل کے پاس جواب  
قنطرہ ام حکیم کہلاتا ہے بیوی کے پاس شبِ ہاش ہوئے اور صبح کو احباب کی دعوتِ ولیمہ کی۔ ابھی یہ  
لوگ دعوتِ ولیمہ سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رومی میدان میں آگئے اور جنگ شروع ہو گئی، ایک نفعی  
نے مبارز طلبی کی، خالدؓ مقابلہ کے لیے نکلے اور نکلے ہی شہید ہو گئے۔

ان کی بیوی ام حکیمؓ اگرچہ جامعہ عروسی میں تھیں لیکن رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا اسلئے شکستہ خاطر  
اور غمزدہ ہونے کے بجائے اور زیادہ جوش میں آ گئیں، فوراً اٹھیں، کپڑوں کو باندھا اور خیبر کی جانب اتار کر  
کافروں پر حملہ کیا، تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس خوب سے انہوں نے کافروں کو ہنہم واصل کیا۔  
(اصابہ جلد ۲ ص ۲۲۵، فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۵) - تفصیل ابن سعد سے ماخوذ ہے۔

”وكان بنو أمية أكثر القبائل عمالاً للنبي صلى الله عليه وسلم  
فإنه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن أسيد بن أبي العاص  
بن أمية وخالد بن سعيد وأخويه إبان وسعيداً على أعمال الأخر واستعمل  
أبا سفيان بن حرب وابنه يزيد ومات وهو عليها وصاهر  
النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بناته الثلاثة لبنى أمية .

(منهاج السنة جلد ۲ ص ۱۲۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گورزوں میں دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت  
بنو امیہ کے لوگ اکثر و بیشتر تھے، چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ نے عتاب بن اسیدؓ  
بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا اور خالد بن سعید بن ابی  
العاص اور ان کے دونوں بھائیوں ابان اور سعید کو دوسرے علاقوں کا  
گورنر بنایا، ابوسفیان اور ان کے صاحبزادے یزید کو بھی نجدان اور تیارم کا  
گورنر بنا کر بھیجا، حتیٰ کہ آپ کی وفات تک اس منصب جلیلہ پر فائز تھے،  
علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں (زینب، رقیہ ام کلثوم  
صلوٰۃ اللہ علیہن) کو بھی بنو امیہ ہی میں بیاہا۔  
علامہ بلاذریؒ نے بھی واقعی کی روایت سے لکھا ہے کہ:-

”توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعة من بني أمية  
عماله عتاب بن أسيد على مكة، إبان بن سعيد بن العاص  
على البحرين، خالد بن سعيد على صنعاء وأبوسفيان بن حرب  
على نجران - (الانساب الاشراف جلد ۱ ص ۵۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا سے انتقال فرمایا تو آپ  
کے بنو امیہ میں سے مختلف صوبوں پر چار گورنر تھے۔ (۱) عتاب بن اسیدؓ مکہ  
پر (۲) ابان بن سعیدؓ بحرین پر (۳) خالد بن سعیدؓ صنعاء پر اور  
(۴) ابوسفیان بن حربؓ نجران پر۔

اس کے برعکس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبہ کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خود مختار سپہ سالار بنایا اپنی اس دنیاوی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چند روز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا لیکن اقتدار اعلیٰ اور افسری سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ کو عطا فرمائی۔ (حلیۃ الاولیاء ابو نعیم اصفہانی جلد ۱ ص ۳۵۷، مدارج النبوة ۵۰۲، زرقانی جلد ۲ ص ۹۹، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی پوری تاریخ اسلام کی ورق گردانی فرما لیجئے آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا تعلق نسبی بنو ہاشم سے ہو بلکہ بنو ہاشم میں سے بعض لوگوں نے تقرر کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیات دنیوی کے آخری ایام میں جب آپؐ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے علیؓ! خدا کی قسم تین دن کے بعد تم پر کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہو گے، خدا کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں دریافت کر لیں کہ آپؐ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہو گا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپؐ اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بارہ میں انکار فرما دیں تو ہم پھر ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جائیں گے، بخدا میں اس بارہ میں آپؐ سے ایک حرف بھی نہ کہوں گا۔ (بخاری کتاب المغازی،

مسند احمد جلد ۱ ص ۲۶۲، ۳۲۵، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۲۷، ۲۵۱)

غرض کہ عہد رسالت میں اکثر و بیشتر بنو امیہ کو گورنری کے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بنو ہاشم میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو حضور اکرمؐ نے کسی اور جگہ کا گورنر بنا کر بھیجا ہو حالانکہ آپؐ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپؐ کے چچا کے بیٹے

سیدنا عقیل اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر تمام عصابات موجود تھے، سرکاری عہدہ تو ایک طرف رہا آپ نے غزوات کے سلسلہ میں ۲۸ مرتبہ مدینہ پاک چھوڑا لیکن ایک مرتبہ بھی انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے آپ نے بنو ہاشم میں سے اپنے نائبین کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ کبھی کسی اموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو، کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی کلبی اور غفاری کو۔ جنگ تبوک کے موقع پر آپ نے سیدنا علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کر کے نہیں بلکہ صرف اہل و عیال کی حفاظت اور خبر گیری کے واسطے اور اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی محمد بن مسلمہ انصاری کو مقرر فرمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۹)

## عہد صدیقی اور بنو امیہ

جس خاندان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نوازشات سے نوازیں اور اسٹیٹ میں ان کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز فرمایاں بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خلفائے راشدین اپنے عہد راشدہ میں اس خاندان کی قابلیت اور تدبیر سے فائدہ نہ اٹھائیں، چنانچہ تاریخ اسلام کے صفحات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ خلفائے راشدین نے اس خاندان کے لوگوں کی قابلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اسٹیٹ میں گورنری اور سپہ سالاروں کی آسامیوں کے لیے اس خاندان کی خدمات حاصل کیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ رداء میں اموی سرداروں کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ہر موقع پر اموی قائدین نے نہایت قابلیت، محنت اور جانفشانی سے اپنے فرائض سرانجام دے کر خلافت اسلامیہ میں ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل کی، شام کی فوج کشتی میں سیدنا ابوسفیانؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا یزیدؓ کو اسلامی فوج کے ایک بڑے حصے کا سردار مقرر فرمایا۔ (معاشرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۱ ص ۱۱۹) فوج البلدان ص ۱۱۹، اور سیدنا معاویہؓ کو اس لشکر کا علمدار مقرر کیا۔

(ہشٹی آف دی عزیز انگریزی ص ۱۴۸) روانگی کے وقت کچھ دور تک پیادہ پارخصت  
 کرنے کے لیے نکلے (طبری جلد ۴ ص ۳۱) سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 نے خلیفہ رسول سیدنا صدیق اکبرؓ کو پیادہ دیکھ کر عرض کیا امیر المؤمنین! آپ بھی سوار ہو  
 جائیں یا مجھے پیادہ پا چلنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا  
 ”نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے اور نہ تم کو اتنے کی، میں جتنے قدم رکھتا ہوں اُن کو  
 اللہ کی راہ میں شمار کرتا ہوں“ رخصت کرنے وقت ارشاد فرمایا، ”اے یزید! شام میں  
 تم کو بہت سے تارک الدنیا راہب ملیں گے اُن سے اور اُن کی رہبانیت سے تعرض  
 نہ کرنا۔ پھر فرمایا تم کو جنگ میں ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا، جزیرہ سے سرمنڈالتے  
 ہیں اسی حصہ پر تلوار مارنا۔ پھر فرمایا میں تم کو دس نصیحتیں کرتا ہوں ان کا ہمیشہ خیال  
 رکھنا، غور توں، پنچوں اور بوڑھوں کو نہ مارنا، پھلے پھولے درختوں کو نہ کاٹنا، آبادیاں  
 ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھلنے کے علاوہ بیکار ذبح نہ کرنا، درخت نہ چلانا،  
 پانی نہیں ڈبانا، خیانت اور بزدلی نہ کرنا“ (موطا امام مالکؒ، تاریخ الخلفاء ص ۱۰۰)  
 ان ہدایات کو لے کر جب سیدنا یزید شام کی سرزمین میں پہنچے تو آپ نے سب سے  
 پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصری پر حملہ کیا، بصری والوں نے صلح کر لی،  
 بصری کے بعد فلسطین کا رخ کیا اور جناد بن کے مقام پر تیسویں کو شکست فاش دی۔  
 راسد الخا بہ جلد ۵ ص ۱۱۲) اردن کی فتح کے بعد ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے یزید کو ساحلی  
 علاقہ کی طرف روانہ کیا، انہوں نے عمرو بن العاصؓ کے ساتھ مل کر اس کو زیر نگین کیا۔  
 فتوح البلدان بلبلادری ص ۱۲) دمشق کے محاصرہ میں شہر پنہا کے ہر ہر حصہ پر علیحدہ  
 علیحدہ افسر متعین تھے، چنانچہ باب تغیر سے باب کیسان تک کی نگرانی سیدنا یزید بن  
 ابی سفیانؓ کے سپرد تھی، دمشق کی فتح کے بعد جب سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے محاصرہ  
 کا ارادہ کیا تو سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کو دمشق میں اپنے تمام مقام کی حیثیت سے چھوڑ دیا۔  
 فتوح البلدان ص ۱۳) جنگ یرموک میں بھی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اسلامی  
 فوج کے ایک حصہ کے افسر تھے اس جنگ میں آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ



بھی شریک تھے، آپ نے اس جنگ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا یہاں تک کہ ان کی دوسری آنکھ بھی اس لڑائی میں جاتی رہی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، الصلیق ص ۲۰۶) سیدنا ابی سفیانؓ کی پہلی آنکھ طائف کے محاصرہ میں ضائع ہوئی تھی۔ (الاستیعاب لابن عبد البر جلد ۲ ص ۴) اور دوسری آنکھ جنگ یرموک میں ضائع ہوئی اس وجہ سے وہ جنگ یرموک کے بعد ظاہری بنیائی سے کلیتہً محروم ہو گئے۔ اس جنگ میں سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے پورے کنبے، باپ، ماں اور بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے اور ان کی والدہ سپاہیوں کو جنگ پر ابھارتی تھیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۲) جب مسلمانوں پر رومیوں کا ریلزیاہ ہوا تو سیدنا یزیدؓ کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ لڑتے بھی جاتے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں فتح و نصرت کی دعا بھی فرماتے جاتے اور ساتھ ہی جان نثاران اسلام کو ابھارتے بھی جاتے کہ :-

”اللہ انکم لوگ عرب کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور اسلام کے دست و بازو ہو اور تمہارے حریف سلطنت روم کا ہالہ، اس کا خلاصہ اور مشرکین کے دست و بازو ہیں، اے اللہ آج کا دن تیرا دن ہے تو اپنے بندوں کی مدد فرما“ (المختصر ص ۲۵۲، فتوح البلدان ص ۱۲۲، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۹۶) مشہور تابعی سعید بن مسیبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے روز جبکہ مسلمان رومیوں سے نبرد آزما تھے ایک ہوکا عالم طاری تھا اور جنگ کی شدت کے باعث تمام لوگ چُپ تھے لیکن ایک آدمی ایسا تھا کہ جو باواز بلند پکار رہا تھا :-

يَا نَصْرَ اللَّهِ اقْتَرِبْ ، يَا نَصْرَ اللَّهِ اقْتَرِبْ  
اے اللہ کی مدد جلد آ ، اے اللہ کی مدد جلد آ

میں نے سراٹھا کر دیکھا تو وہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے فرزند ابوجند سیدنا یزیدؓ کے جھنڈے تلے رومیوں سے لڑ رہے تھے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۴۱۶، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، تاریخ اسلام للذہبی جلد ۱ ص ۱) اسی جنگ یرموک میں مسلم خواتین کی قیادت ایک اموی خاتون سیدہ جویریہ

بنت ابی سفیانؓ نے فرمائی - (الصديق ص ۲۰۶)

اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن اموی قائدین کو اسٹیٹ کے سیاسی نظام میں جو مقام دیا تھا خلیفۃ الرسول بیتنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے اس مقام کو برقرار رکھا بلکہ جہاں تک ہو سکا اپنے مختصر دور خلافت میں اُن کے مقام میں اور اضافہ کیا، چنانچہ قتیب بن أسیدؓ گوزرہ مکہ کو آپ نے مکہ کی گوزری پر برقرار رکھا۔ (استیعاب جلد ۳ ص ۱۵۳، تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۸۹)

## عہدِ فاروقی اور بنو امیہ

عہدِ فاروقی میں سیدنا ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ۱۸ھ میں امیر المؤمنین سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی طرف سے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلسطین کے حاکم مقرر ہوئے اور قیساریہ کی مہم ان کے سپرد ہوئی، مسلمان اس وقت قیساریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، یزیدؓ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سترو ہزار فوج لے کر ان کی امداد کو پہنچے اور اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے، سیدنا معاویہؓ نے اس مہم کو سر کر کے ان کے پاس اس کی اطلاع بھیجی اور انہوں نے مدینۃ الرسول میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع بھجوائی۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۱)

عہدِ فاروقی میں جب عمواس کے تاریخی طاعون میں سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کو شام کے صوبے کا والی اور گوزرہ مقرر فرمایا۔ (بہری اودی عربی، فتح الباری جلد ۷ ص ۸۲) خود سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کنعان میں بھی آپ اسلامی فوج کے علمبردار تھے اور جس لشکر نے قبیلہ، عرقہ، بیروت وغیرہ علاقوں کو فتح کیا، اس کے ہرول دستہ کی قیادت سیدنا معاویہؓ ہی فرما رہے تھے۔ (بہری اودی عربی ص ۸۴)

چنانچہ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ یزید بن ابی سفیانؓ کو لوگ ”یزید الخیر“ کے نام سے پکارتے تھے۔

”أَسْلَحَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَسَنَ اسْلَامُهُ وَشَهِدَ حَيَاتًا۔  
یہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن و خوبی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا اور جنگ حنین میں بھی انہوں نے شرکت کی؛  
ایک اور مقام پر علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

”وَكَانَ جَلِيلَ الْقَدْرِ شَرِيفًا سَيِّدًا فَاضِلًا وَهُوَ أَحَدُ أُمَرَاءِ الْغِيَارِ  
الْإِسْلَامِيَّةِ الدِّينِ عَقْدَ لِمِ ابْنِ بَكْرٍ الصَّدِيقِ وَسَيِّدِهِمُ لُغْزُ الشَّامِ۔  
سیدنا یزیدؓ شرافت، سیادت اور بزرگی کے لحاظ سے ایک جلیل القدر  
انسان تھے اور یہ اُن چار نیک صفت امراء میں سے تھے جن کو سیدنا  
ابوبکر صدیقؓ نے شام کی فتح کے وقت متعین فرمایا تھا۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۴)  
ساحل شام پر واقع شہر قیساریہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں میں ان کا انتقال  
ہو گیا۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:-

”فَلَمَّا فَتَحَتْ دِمَشْقَ امْرَأَةٌ عَمْرُؤَ دِمَشْقَ تَحُولِي بَعْدَ  
مَوْتِهِ أَخَاهُ مُعَاوِيَةَ۔ (تاریخ اسلام للذہبی ج ۲ ص ۶۵)  
دمشق جب فتح ہو گیا تو سیدنا عمرؓ نے انہیں ہاں کا گورنر مقرر فرما دیا اور  
ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی معاویہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا۔“  
یہ تھے اس خاندان کے اجمالی حالات جس خاندان کے نابھہ روزگار تینا معاویہؓ  
کی سیرت اور سیاسی زندگی اُمّہ صہفیات میں آ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان  
جس طرح جاہلیت میں ایک عظیم مقام کا حامل تھا اسی طرح جب یہ حلقہ بگوش اسلام  
ہوا تو ان کی سیادت و قیادت میں ذرا بھی کمی نہ ہوئی بلکہ روز بروز اضافہ ہوا، کیونکہ  
”خِيَارُ هُخْرٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُ هُخْرٍ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فُتِحَ هُوَ إِذْ نَحَارَى جِلْدَ الْكَلْبِ“  
مسلم جلد ۳ ص ۴۱) اور ان کے کمالات، ہر موقع پر اسلام اور اہل اسلام کی معاونت کرتے

رہے لیکن جنتناہ خاندان عظمت، بلندی اور رفعت کا مالک تھا اتنا ہی اس خاندان کو دشمنان اسلام نے اپنے غلط اعتراضات اور بے بنیاد الزامات کا نشانہ بنایا، کبھی کہہ دیا کہ یہ لوگ رمذا اللہ منافق تھے، یہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے کبھی یہ کہہ دیا کہ جس طرح جاہلیت میں اس خاندان نے اسلام کی مخالفت کی اسی طرح زمانہ اسلام میں بھی یہ لوگ اندرونی طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ اپنے اس دعویٰ کو مضبوط بنانے کے لیے چند غلط اسلط اور عجیب و غریب روایتیں بھی مشہور کر دیں جن سے ان کی اسلام دشمنی کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی، افسوس کہ اس سازش میں کچھ ایسے لوگ بھی شریک ہیں اور وہ باقاعدہ مضامین لکھ کر ان غلط واقعات کو لوشہرت دے رہے ہیں جو اپنے کو موجودہ وقت میں اسلام کا منکر اور مسلمانوں کی سیاسی کشتی کا ناخدا کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البرؒ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے خاندان کے متعلق اسی قسم کے واقعات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

”لَمْ أَجْبَأْ عَنْ هَذِهِ دِيَّةً“ - (استیعاب ج ۲ ص ۷۷)

ان کے متعلق اس قسم کے واقعات جس قدر ہیں وہ سب ردی لغو اور مہمل ہیں۔

اسی طرح ”اسد الغابہ“ میں علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

”نُقِلَ عَنْهُ مِنْ هَذَا الْجُنُسِ أَشْيَاءُ كَثِيرَةٌ لَا تَثْبُتُ فِي اسَدِ الْغَابَةِ“

جلد ۵ ص ۱۶۷ - تذکرہ ابوسفیانؓ

اُن کے متعلق اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے جاتے ہیں لیکن

ان میں سے کوئی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا:-

یہ روایات صحیح بھی کیسے ہو سکتی ہیں جبکہ اس خاندان کی قربانیوں سے پوری

اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے خود سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر زیادہ

اتہامات لگائے جاتے ہیں اپنی دونوں آنکھوں تک کو اللہ رب العزت کے راستہ میں

قربان کر دیا۔ (الصديق ص ۲، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱۶، استیعاب جلد ۲ ص ۱۷)  
 ان کے دونوں صاحبزادوں سید نایزیدؒ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگی  
 اللہ کے دین کی خدمت میں وقف کر دیں، اور اسلامی تاریخ کے صفحات اس بات کی  
 شہادت پیش کرنے سے ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے کہ اس خاندان کے قریباً تمام  
 افراد نے اسلام کے دستور العمل کو نہایت اعلیٰ طریقے سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔  
 اور افریقہ، یورپ اور دوسرے بیشتر علاقوں کے لوگ قبول اسلام میں آج تک  
 ان کے زیر بار احسان ہیں۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان بنو امیہ کے  
 ایک ایسے گوتہر تابدلار اور اسلام کے ایک ایسے بطل جلیل ہیں کہ اسلام کی تاریخ ان  
 کے سنہری کارناموں سے بھری پڑی ہے اور ملت اسلامیہ ان کے کارناموں کو ہمیشہ یاد  
 رکھے گی۔ آپ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں جو ساری عمر قریش  
 کے سپہ سالار اور قائد رہے، اسی شرف نسب اور خاندانی علو مرتبہ کی وجہ سے شروع  
 ہی اعلیٰ اخلاقی اقدار، شرف نسب اور اعلیٰ خاندانیت کی جملہ مقتضیات اور لوازمات  
 پیدا ہو گئے۔ آپ بہادری، شجاعت، علم و بردباری، سخاوت اور اصابت رائے میں  
 اپنی مثال آپ تھے، ایک خاص خصوصیت آپ میں یہ تھی کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے  
 تھے، اس خصوصیت سے اس زمانہ میں غوام کیا خواص بھی محروم تھے لیکن آپ کے والد ماجد  
 نے آپ کی تربیت بڑے اچھے طریقے سے کی اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ دنیا  
 کی کوئی خوبی ایسی نہ ہو جس سے ان کا بچہ محروم رہے۔ آپ کی تربیت میں آپ کے  
 بڑے بھائی سیدنا نایزیدؒ کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا کیونکہ عہد رسالت، عہد صدیقی اور عہد  
 فاروقی میں جہاں جہاں بھی وہ گئے اپنے اس بھائی کو انہوں نے ساتھ رکھا اور بڑے  
 بڑے تلخ تجربات میں ڈال کر ان کے ذہن میں ایک خاص قسم کی پختگی اور جلاوٹی  
 جو مستقبل میں آپ کے کام آئی۔

زمانہ جاہلیت کوئی ایسا زمانہ نہ تھا جس کی تفصیلات لوگ ذہن میں رکھتے، دوسرے

زمانہ جاہلیت میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے حالات زندگی اس قابل ہی نہ تھے جن کو لوگ اپنے سینوں اور ذہنوں میں جگہ دیتے۔ یہ اسلام ہی تھا کہ جس نے اپنے ماننے والوں کو جس طرح اگلی زندگی میں دوام بخشا اسی طرح اس زندگی میں بھی ان کے حالات و واقعات کو حیات جاودانی عطا کی، آپ کی پیدائش بھی چونکہ زمانہ جاہلیت میں ہوئی اور بچپن بھی جہالت میں گزرا، اس لیے بچپن کے حالات مستند طریقے سے تاریخ کے صفحات میں نایاب ہیں، البتہ آپ کی اسلام کے بعد کی زندگی کے حالات تاریخ کے اوراق کے بیسنے پر ابھرے ہوئے ہیں لیکن جتنی ہی کسی میں غویاں زیادہ ہوں اتنے ہی اس کے حاسد اور دشمن بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشمنان اسلام نے اسلام کے اس بطل جلیل کے بہترین اعمال پر تعصب اور ناہمی کے دیڑ پر دے ڈال رکھے ہیں اور کسی ایک بات سے آزرہ ہو کر ان کی بے مثال فراست، انتظامی صلاحیت اور حلم و بردباری کو یک قلم نظر انداز کر دیا ہے، اس لحاظ سے اسلام کی پوری تاریخ میں شاید یہ سب سے زیادہ مظلوم شخصیت ہیں۔

## نسب نامہ

آپ کا پدری اور مادری نسب نامہ حسب ذیل ہے۔

(ر) معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیر بن عبد شمس بن عبد مناف۔

(ب) ہند بنت عقیل بن ربیع بن عبد شمس بن عبد مناف۔

واصابہ جلد ۴، ۴۰۹، المعارف منہ، ۱۵، نسب قریش ۱۲۳، ۱۲۵

گویا کہ آپ کا نسب پوختی پشت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

جا ملتا ہے۔

آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے، چونکہ آپ کی ہمشیرہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا ام المؤمنین تھیں اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالہ عقد میں تھیں، اس وجہ سے نبوت سے اس رشتہ کے تعلق کی وجہ سے آپ کو احتراماً خال المؤمنین بھی

کہا جاتا ہے۔ (ابداً یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۷)

## ولادت

سیدنا معاویہؓ ہوں یا کوئی اور صحابی، اسلام لانے سے قبل ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے ایک ایسی قوم کو جس پر حکومت کرنا لوگ اپنے لیے باعثِ عزت نہ سمجھتے تھے پوری دنیا کا حکمران بنا دیا، اس وجہ سے کسی بھی شخص کا سن ولادت حتمی نہیں کہا جاسکتا، لیکن سیدنا معاویہؓ کے سن ولادت کے بارہ میں اہل سیرت نے لکھا ہے کہ یہ سرکاری دعوٰی عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۴ سال چھوٹے تھے۔ چنانچہ علامہ برہان الدین الحلبی نے سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ:-

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۳۴ سال بعد سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ پیدا ہوئے۔“ (سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۲۵۴)

یہ بیان تو علامہ حلبیؒ کہے لیکن دیگر علمائے ان سے اختلاف کیا ہے، بعض نے لکھا ہے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پانچ سال قبل اور کسی نے سات سال قبل اور کسی نے تیرہ سال قبل آپ کی ولادت کا سال تحریر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ یہ قول کہ آپؐ کی ولادت بعثت نبویؐ سے ہوئی زیادہ مشہور ہے۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۱۲۷)

جب سال کا تعین ظنی و تخمین سے ہے تو دن اور مہینہ تو یقینی طور پر کہا نہیں جا سکتا، کیونکہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو کسی کو بالکل پتہ نہیں ہوتا کہ یہ بڑا ہو کر کیا بنے گا لہذا اس کی ولادت کے سن و سال کو کون اس زمانے میں درج کرتا تھا۔

## صورت و سیرت

جس طرح آپ سیرت و کردار میں اعلیٰ تھے اسی طرح آپ کی صورت میں بھی ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی، رنگِ سُرخ و سفید کا امتزاج، سر و قد، عظیم و شمیم، وضع و قطع

اور چال و ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور نمکنت رنگ گوارا پھر کتابی، آنکلیں موٹی موٹی اور چتون شیر کی مانند۔ کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۳۱) صورت وحیدہ، بظاہر شان و شوکت اور نمکنت لیکن مزاج میں زہد و تواضع اور فروتنی، نہایت درجہ بردبار، حلیم اور وسیع القلب۔ کتاب الادب ص ۱۸۱، ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہنری ماس (۱۹۰۶ء) فقیر کی نمکنت اور امیر کی مسکنت کا بہترین امتزاج، دارلحی کفی، جہندی اور دوسرے کے مصائب سے رنگی ہوئی، لباس میں سادگی بلکہ اکثر دفعہ دیہیوں ہیوں نہ صرف فیض کو لگے ہوئے ہوتے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ علی بن ابی جہل نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ:-

”نَأَيْتُ مَعَاوِيَةَ عَلَى الْمَنْشِقِ بِرَيْدٍ مَشَقٍّ يَغْطِبُ النَّاسَ وَعَلَيْهِ قُوبٌ مَرْقُوعٌ“ (۱۱- ابدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

میں نے سیدنا معاویہؓ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور آپ نے پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے:-

یونس بن میسران الحمیری الزاہری جو کہ امام اوزاعیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں:-

”نَأَيْتُ مَعَاوِيَةَ فِي سُوْقٍ دَمَشْقٍ وَهُوَ مُرْدِفٌ وَرَأَاهُ وَهَيْفًا وَعَلَيْهِ قَيْصٌ مَرْقُوعٌ الْجَبِيْبُ يَسِيْدُ فِيْ اَسْوَاقِ دَمَشْقٍ“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

میں نے معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار دیکھا آپ کے پیچھے آپ کا ایک غلام تھا اور آپ ایک ایسی قیص زیب تن کئے ہوئے تھے جس کا رنگا رنگ دیرہ تھا اور آپ اسی حالت میں دمشق کے بازار میں پھر رہے تھے۔ حالانکہ آپ وہاں کے حکمران تھے:-

اس طرح کے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں جن سے اُن کی سادگی لباس کا پتہ چلتا ہے۔



مذہبی علوم میں آپ کا خاص مقام تھا، قرآن و سنت میں اس گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے صاحب فتویٰ صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۰۰)  
 اور برسہ برس صحابہؓ آپ کے تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ چنانچہ جب سیدنا  
 عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیدنا معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کی بابت کہا گیا تو  
 انہوں نے فرمایا :-

”اصاب الله فقيهه۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱)

اس نے صحیح کہا یقیناً وہ فقیہ ہے؛  
 امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ ایک وتر  
 کی بحث چل پڑی، بحث میں سیدنا معاویہؓ کا ذکر بھی آگیا، سیدنا معاویہؓ کا نام سنکر  
 سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

”لیس احد منا اعلم من معاوية۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۲۶۷)

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہیں؛

مسند امام احمد بن حنبل میں زیر مسندات معاویہ بن ابی سفیان جلد ۴ ص ۹۵ پر بھی  
 سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کچھ اسی قسم کے الفاظ منقولہ  
 ہیں جن سے ان کی علمی ثقافت کا پتہ چلتا ہے؛ بلکہ مسند احمد جلد ۴ ص ۹۶ پر سیدنا علیؓ  
 کے صاحبزادے سیدنا محمد بن حنفیہ سے سیدنا معاویہؓ سے روایت بھی منقول ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک علمی گھرانے میں پرورش پائی  
 تھی، اس زمانے میں حدیث و تفسیر سب سے بڑا علم تھا، چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے  
 بھی اس علم میں خاصی درک حاصل کی۔

کتب حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ احادیث نبوی کے راوی بھی ہیں  
 اور مروی عنہ بھی، یعنی آپ نے احادیث روایت بھی کی ہیں اور آپ سے دوسروں  
 نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے مندرجہ ذیل حضرات  
 نے آپ سے روایات نقل کی ہیں۔ ۱۔

”سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ،  
سیدنا عبداللہ بن جریر الجعفیؓ، سیدنا سائب بن یزیدؓ، سیدنا معاویہ بن خدیجؓ،  
سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سیدنا ابوامامہ بن سہلؓ۔“

مندرجہ ذیل تابعین نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں :-

”سعید بن المسیبؓ، عبداللہ بن الحارث بن نوفلؓ، قیس بن ابی حازمؓ،  
الوادریس الخولانیؓ۔“

ان کے علاوہ اور بہت سے حضرات ہیں جنہوں نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ :-

”مندرجہ بالا حضرات اسلام کے ائمہ ہیں انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے  
روایات نقل کیں، لہذا معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا معاویہؓ کتنے اعلیٰ درجہ  
کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجہ کے فقیہ تھے“ (تطہیر الجنان ص ۲۶،  
اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۷)

سیدنا معاویہؓ احادیث کی روایت کرنے میں بہت محتاط تھے، اس معاملہ  
میں وہ سیدنا عمرؓ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامرؓ فرماتے  
ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہؓ سے سنا کہ بیان روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے  
فرما رہے ہیں کہ بے احتیاطی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مت  
بیان کیا کرو و صرف وہ روایات بیان کیا کرو جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی  
تھیں، سیدنا فاروقؓ اعظمؓ اللہ سے ڈرنے والے تھے لہذا وہ اپنے زمانہ میں  
بے اصل روایات کو روایت میں شامل نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس فرمان کے بعد  
سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ  
میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ :-

”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ۔“

اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۹۹)

نہ صرف احادیث بلکہ فقہی مسائل میں بھی آپ دوسرے اکابر صحابہؓ سے بعض دفعہ دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں ان کی کیا رائے ہے؟ آپ اگرچہ بقول سیدنا ابن عباسؓ خود بھی فقیہ تھے (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱) لیکن پھر بھی بعض مسائل میں دوسرے صحابہؓ کی رائے معلوم کرنا ضروری سمجھتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص الاوص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی وہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ الاوص کا انتقال ہو گیا، اس کی وراثت کے سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ نے مشہور صحابی رسول سیدنا زید بن ثابتؓ کی خدمت میں آدمی بھیج کر وراثت کا مسئلہ دریافت کیا، سیدنا زیدؓ نے جواب میں فرمایا:-  
 ”پونہ بیس تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی۔“  
 (مشکوٰۃ، باب العدة ص ۲۸۹)

اسی شام کے علاقہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک اجنبی شخص کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تو اس نے بیوی اور اس اجنبی شخص کو موقع پر ہی قتل کر دیا۔ اس معاملہ کے فیصلہ میں سیدنا معاویہؓ کو ایک اشکال ہوا تو آپ نے سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ کو خط لکھا کہ سیدنا علیؓ سے اس مسئلہ کا حل طلب فرمائیں، چنانچہ سیدنا ابوموسیٰ الاشعریؓ نے سیدنا علیؓ کو خط لکھ کر اس مسئلہ کا شرعی حل دریافت کیا، سیدنا علیؓ نے لکھا کہ اگر قاتل چار گواہ پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے۔

(موطا امام مالک ص ۳۰۵)

اس طرح کے اور کئی مسائل ہیں جن کا حل سیدنا معاویہؓ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے پوچھا اور پھر ان کے فتویٰ کے مطابق اس پر عمل کیا۔ یہ شریعت کے ساتھ ان کی محبت کی دلیل ہے۔

شعر و ادب کا بھی کافی مذاق تھا جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے، اور اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ کتاب العمود منہ تقریر میں اپنی مثال آپ تھے۔ چنانچہ ان کی تقریریں تاریخ کے صفحات پر پڑھ کر ان کی فصاحت و بلاغت کی داد دینی پڑتی ہے۔ ”کتاب البیان والبتیان“ جلد اول ص ۱۱۲ میں آپ کی ایک تقریر نمونہ درج کی ہے، اور اکبر دتے ”اکمال“ میں بھی کہیں کہیں کچھ جملے ذکر کیے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے بھی ”البدایہ والنہایہ“ کی ساتویں اور آٹھویں جلد میں کچھ انتباسات نقل فرمائے ہیں۔

ابن جریر طبری نے قبصہ ابن جابر اسدی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں سید نافاروقی اعظمؒ کی صحبت میں رہا اُن سے زیادہ میں نے کسی کو فقیہ اور دینی مہارت والا نہیں دیکھا، پھر میں طلحہ بن عبید اللہؒ کی صحبت میں رہا اُن سے زیادہ میں نے کسی کو بغیر سوال کے دینے والا نہیں دیکھا۔

ثُمَّ صَحِبْتُ مَعَاوِيَةَ فَمَارَيْتُ رَجُلًا أَحَبُّ رَفِيقًا وَأَشْبَهُ  
سَرِيحًا بَعْلَانِيَّةً مِنْهُ - (طبری ج ۶ ص ۱۸۲)

میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ رہا تو میں نے ان سے زیادہ (اپنے) ساتھی کو محبوب رکھنے والا اور ظاہر و باطن میں ایک جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

ظاہر و باطن کی یکسانیت اور ممکنات و مسکنت کا ایسا امتزاج شاید کسی میں ہو اور یہ نئے آدمی کے کرکیر کا نقطہ عروج ہے، اسی وجہ سے سلیمان بن مہران الاعمش جو کہ ائمہ حدیث میں سے ایک بہت بڑے مقام کے مالک ہیں، سیدنا معاویہؓ کو ان کے صدق کی وجہ سے ”المصحف“ کے نام سے پکارتے تھے۔

(العوام من القوام قاضی ابوبکر بن العربي ص ۲۱ تعلیقہ)

تالیف قلب عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ دمنہاج السنۃ لابن تیمیہ جلد ۲ ص ۲۱۹ اور اس بات کا خاص خیال کرنے تھے کہ کسی کا حق میرے ذمہ باقی نہ رہ جائے۔ اسی وجہ سے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ جو کہ عشرہ مبشرہ

میں سے ہیں اور سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی آپس کی جنگوں میں بالکل غیر جانبدار ہے  
ہیں سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :-

مَا نَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ أَقْضَى مِنْ صَاحِبِ هَذَا الْبَابِ  
يَعْنِي مُعَاوِيَةَ - (البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۱۳۳)

میں نے سیدنا عثمانؓ کے بعد اس دروازہ والے یعنی معاویہؓ سے زیادہ  
حق پر فیصلہ کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا

حقوق اللہ کے ہول یا بندوں کے، انسان کی نیکی اور صالحیت کا تقاضا یہ ہے  
کہ دونوں کو ادا کرے اور یہ ادا اُسی وقت ہو سکتے ہیں جبکہ انسان اپنے کو اللہ  
رب العزت کے سامنے جوابدہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے قلب کی گہرائیوں  
میں موجزن ہو جس کو شریعت کی زبان میں تقویٰ اور خشیت کے ناموں سے پکارا  
جاتا ہے۔ اسی تقویٰ اور خشیت الہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ عدل، علم، جہاد اور عمل  
صالح میں دنیوی شہرت اور القابات کی مطلقاً پروا نہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا دھیان  
آخرت کی جزا پر ہوتا تھا۔

## بارگاہ رسالت میں مقام

آپ کے انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے  
حق میں بہت سی دُعائیں ارشاد فرمائیں، ایک مرتبہ فرمایا :-

”أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنِّي كُنْتُ فِي الْبِلَادِ“ - (البداية والنهاية جلد ۸ صفحہ ۱۳۴)

اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما اور اس کو مختلف شہروں میں حکومت  
عطا فرما،

لے آپ کی اسی دعا کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں تمام امت نے بالاتفاق ان کو اپنا امیر منتخب کیا۔

کتاب کے علم کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے علم حساب کے حصول کی دعا بھی فرمائی، چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہؓ کے حق میں دعا کے طور پر فرمایا کہ :-

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ مُعَاوِيَةَ الْحِسَابَ وَفِيهِ الْعَذَابُ ط (السنن الکبریٰ لمعاویہ جلد ۲ ص ۳۲۷، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۶)

سیدنا عرابض بن ساریہؓ سے حساب کے ساتھ کتاب کے علم کے حصول کی دعا بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں فرمایا :-

”اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَفِيهِ الْعَذَابُ -  
اے اللہ معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کو محفوظ فرما“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، استیعاب جلد ۳ ص ۳۸۱، الفتح الربانی جلد ۲ ص ۳۵۶)

ایک اور موقع پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-  
”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ -

اے اللہ معاویہؓ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے لیے دربرہٴ ہدایت بنا“ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۴، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی جلد ۲ ص ۳۵۶، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، تابیخ کبیر بخاری جلد ۳ ص ۲۴، جلد ۲ ص ۳۲۷، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۳۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت تنادہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے :-

”كُنَّا صِبْغَتُمْ فِي مِثْلِ عَمَلِ مُعَاوِيَةَ لَقَالَ اَكْثَرُكُمْ هَذَا الْمُهْدِي  
اگر تم سیدنا معاویہؓ کے سے حالات و معاملات میں ہوتے تو پکار اٹھتے کہ یہ مہدی ہے“

اسی شے کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند الواسطی السبعیؒ ان احاظ میں فرمایا کرتے تھے :-

”كُوْا دُرُكُمْ مَوَدَّ اَوْ اَدْرِكْهُمْ اَيَّامَهُ لَقَلَّتُمْ مَكَانَ الْمَهْدِيِّ هَذَا۔“

اگر تم لوگ معاویہؓ کو پالیتے یا اس کے زمانہ کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵، العواصم من القواصم ص ۲۵ تعلیفہ)

اسی صرح کا قول سیدنا مجاہد سے بھی منقول ہے، فرماتے ہیں :-

”كُوْا دُرُكُمْ مَعَاوِيَةَ لَقَلَّتُمْ هَذَا الْمَهْدِيَّ۔“

اگر تم لوگ معاویہؓ کو پالیتے تو بول اٹھتے کہ یہی مہدی ہیں۔ (العواصم تعلیفہ)

معلوم ہوا کہ آپ خود ہدایت پر تھے، لوگوں کو ہدایت کی تلقین کرتے تھے، آپ کی کوئی بات ایسی نہ تھی جو ہدایت سے خالی ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ہادی اور مہدی ہونے کی دُعا فرمائی تھی۔ اب جو آدمی سیدنا معاویہؓ کے کاموں میں رختہ اندازی پیدا کرنے اور نقص نہ کرنے کی کوشش کرتا ہے یا تاریخ کی بعض لغو، مہمل اور غیر مستند روایات کی بناء پر ان کی طرف ایسے اعمال اور افعال منسوب کرتا ہے جو ہدایت سے خالی ہوں تو اُس کو خود اپنے لیے ہدایت کی تلاش کرنی چاہیے اور اپنے ایمان پر نظر ثانی کرنی چاہیے کیونکہ یہ اعتراض صحابی رسول پر نہیں بلکہ خود ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے جس کا نتیجہ ایمان کا شکرانہ ہے۔ ان تمام فضائل اور بارگاہِ رسالت میں اس مقام کے باوجود ہدایوں لوگوں نے ان پر ایسے ایسے اتہامات لگا رکھے جو ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذرا بھی زیب نہیں دیتے، ان اتہامات لگانے والوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کی تشریح و تفسیر کے مجملہ حقوق اپنے نام محفوظ کروائے ہوئے ہیں اور خود کو موجود زمانہ کے مفکر اسلام اور حدیث و تفسیر اور تاریخ کے میدان کے شاہسوار سمجھتے ہیں پھر تعجب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی ظاہری نصوص کے عکس تاریخ کی اُن روایات سے اپنے غلط دعوؤں کے لیے دلائل ہتھیائے جاتے ہیں جن کی نہ تو سند ہے اور اگر سند

ہے بھی تو راوی اس قدر مجہول اور غیر معتبر اور ابو مخنف لوطن بن یحییٰ جیسے کذاب جن پر معمولی بات کے لیے بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ ان ہستیوں کی تفتیش کے متعلق ان پر اعتبار کیا جائے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے دنیا ہی میں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش تھے جیلا کہاں تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات جن کے راوی بھی اکثر ایسے جہوں نے خالص سیاسی مصالح کی بناء پر ان کے متعلق یہ روایات وضع کیں، اور کہاں قرآن و سنت کی منواتر اور قطعی خبریں جن کی سچائی میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جاسکتا، کَمَا لَا يَخْفَىٰ مَنْ لَهُ أَدْنَىٰ مِنَ الْفِہْمِ ۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

صحیح مسلم میں ایک حدیث آتی ہے جس کو سیدنا ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے میں نے اپنے آپ کو ایک دروازے کے پیچھے چھپا لیا، آپؐ نے دیکھ لیا اور جہاں میں چھپا ہوا تھا وہاں مجھے آلیا اور فرمایا کہ معاویہؓ کو بلاؤ، سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور واپس آکر بتایا کہ وہ کھانا تناول فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد پھر آپؐ نے مجھے بھیجا اور میں نے پھر آکر کہا: ”هُوَ يَأْكُلُ“ یعنی وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ اب کی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”لَا أَشْبَعُ اللہُ بَطْنَهُ۔ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔“ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵)

اس حدیث کو سند ابی داؤد طیالسی ص ۳۵۹ حدیث نمبر ۴۷۶۰، ۴۷۶۵، ۴۷۶۸، ۴۷۶۹، اور تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۳۵ سند احمد حدیث نمبر ۲۶۵۱، ۲۶۵۰، ۲۶۵۱، ۳۱۰۳، ۳۱۰۴، اور تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۳۵ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مخالفین لَا أَشْبَعُ اللہُ بَطْنَهُ کے کلمے کو اچھا کر



یہ بتاتے ہیں کہ حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ الفاظ نہیں کیے اور ناراضگی سے بیان فرمائے تھے، اور پھر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ جس پر خدا کا رسول ناراض ہو وہ انسانِ حُرمتِ الہی کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے! ان حضرات کا یہ کہنا کہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں وہ حُرمتِ الہی سے بعید ہے یہ تو درست ہے لیکن کَاَشْبَعَ اللّٰهُ يَطْلُتْ کے جملہ سے یہ کہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض تھے سراسر غلط ہے اگر یہ کلمہ پیغمبر کی ناراضگی کی علامت ہو سکتا ہے تو رَغِمَ اَنْفُ اِيّیْ ذٰلْکَ، اور قَحْرًا اَبَا تُرَابٍ کے کلمات کے بارہ میں ان حضرات کا کیا فتویٰ ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس کلمے کو مخالفین سیدنا معاویہؓ کے حق میں بددعا بتاتے ہیں وہی کلمہ دراصل آپ کے حق میں ایک دُعا ہے چنانچہ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے :-

”باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبتہ اودعا علیہ  
ولیس ہواہلا لہ لذلک کان لہ زکوۃ واجزا ورحمۃ -  
یعنی باب اس بارہ میں کہ جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لعنت کریں یا برا  
بھلا کہیں یا اس کے لیے بددعا کریں اور وہ ان باتوں کا مستحق نہ ہو تو وہ  
بددعا، لعنت وغیرہ اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و رحمت کا  
سبب ہوتی ہے۔“

پھر اس باب میں فرمایا سب اسی مضمون کی احادیث لائے ہیں کہ جناب رسول اللہ  
علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے :-

”اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ فَيُغْضَبُ مَا يَغْضَبُ الْبَشَرَ وَاِنْ  
قَدْ اَتَمَذْتَ عِنْدَكَ عَهْدًا لَمْ تَخْلُفْنِيْهِ فَاِيْمَا مَوْمِنٍ اَذِيْتُهُ  
اَوْ سَبَبْتُهُ اَوْ جَلَدْتُهُ فَاَجْعَلْهَا لِيْ كَفَاْرَةً وَقَرِيْبَةً تَقَرُّبَةً  
بِيْهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ -

اے اللہ! محمد ایک بشر ہے وہ (بعض دفعہ) اسی طرح غصہ میں آتا ہے

جس طرح دوسرے انسان غصہ میں آتے ہیں اور میں نے تجھ سے عہد لیا ہوا ہے اور تو عہد کے خلاف کبھی نہیں کرتا کہ جس مومن کو میں کوئی اذیت دوں یا برا بھلا کہوں یا کوئی چیز ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لیے کفارہ بنا دے اور قیامت کے دن اس چیز کو اس کے لیے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔“

اس مضمون کی اور بہت سی احادیث بیان فرمانے کے بعد آخر میں مثال کے طور پر سیدنا معاویہؓ کا یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں جس سے مراد ان کی یہ ہے کہ یہ کلمہ جو بظاہر آپ کے لیے بددعا معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت آپ کے رفع درجات اور علو مرتبت کے لیے ایک دُعاِ ثمہ کلمہ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”وقد فهم مسلم من هذا الحديث ان معاوية لم يكن مستحقاً للدعاء عليه فلم هذا ادخله في هذا الباب وجعله غيره من مناقب معاوية لانه في الحقيقة يصير دعاء له - (مسلم شرح نووی ج ۲ ص ۳۳۵)“

امام مسلمؒ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ معاویہؓ اس بددعا کے مستحق نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس حدیث کو اس باب میں نقل کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اس کو مناقب معاویہؓ میں شمار کیا ہے کیونکہ یہ درحقیقت ان کے لیے دُعا ہے۔“

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا آپ کے لیے ایک دُعاِ ثمہ کلمہ تھا نہ کہ بددعا کا جملہ، مخالفین کا اس کو بددعا سمجھنا کئی علم اور کثرتِ جہالت کے سبب سے ہے۔ - اعاذنا اللہ من هذا العلم والفهم والعقل -

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ قصہ روایت ”لَا أَشْبَعَ اللَّهُ بَطْنَهُ“ عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابو حمزہ کا تصرف اور ادراج ہے۔

اس راوی پر علماء نے نقد اور کلام کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ ابن عباسؓ سے جو اس نے روایت نقل کی ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۳۹)  
چنانچہ امام نوویؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ اس راوی کا تصرف ہے، چنانچہ مسلم میں اس کی صرف یہ حدیث ہے اور بخاری میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔  
(نووی جلد ۲ ص ۳۲۵)

اصل واقعہ یہ ہے جو کہ دوسری روایات میں مذکور ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

”اذهب فادع لی معاویۃ وکان کاتباً  
جاؤ اور معاویہؓ کو بلا کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے“

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں دوڑتا ہوا گیا اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ جناب کو آپ سے کوئی کام ہے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۹، ص ۳۳۵)

اس میں نہ تو سیدنا ابن عباسؓ کے بار بار جانے کا ذکر اور نہ ہی اس شے کا ذکر کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ اس کے شکم کو سیر نہ کرے“ اس سے یہ پتہ چلا کہ اصل روایت تو یہ ہے جو مسند احمد نے روایت کی اور مسلمؒ کی روایت میں تصرف کرنے والے عمران بن ابی عطاء ہیں جو کہ علماء رجال کے نزدیک ضعیف ہیں اور مسلمؒ نے اسکی اور کوئی حدیث نہیں لی، اور امام بخاریؒ نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ کو یہ بد دعا دے بھی کیسے سکتے تھے جبکہ آپ ان کے شکم کے لیے یہ دعا دے چکے تھے۔  
”اللہ تعالیٰ ملاء علیاً وحلباً۔ لے اللہ اس پیٹ کو جو میرے

جسم کے ساتھ لگ رہا ہے علم اور علم (بروباری) سے بھرنے،  
تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲ ص ۳۱۹، تاریخ الکبیر، بخاری جلد ۴ ص ۱۸

## اسلام

آپ کے اسلام لانے کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ فتح مکہ کے روز دولت ایمان سے سرفراز ہوئے، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ:-  
اَسْلَمَ مُحَمَّدٌ وَآبَاؤُهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَشَهِدَ حَبِيبًا وَكَانَ مِنَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ ثُمَّ حَسَنَ اسْلَامُهُ - (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۳)  
وہ (معاویہؓ) اور ان کے والد (ابوسفیانؓ) فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے  
غزوہ حنین میں شرکت کی، مؤلفۃ القلوب میں سے تھے پھر آپ کا  
اسلام درست ہو گیا۔

لیکن محققین کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ علامہ ذہبیؒ، ابن عساکرؒ،  
اور ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ اور شیخ کے درمیان اسلام لائے والے (التثقیق  
ص ۲۵۴) تعلیقہ (ابن حجرؒ) نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے:-

”مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ خَلِيفَةُ صَحَابَةٍ اَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ  
وَكَتَبَ الْوُحْيَ - (ص ۳۵۴)

معاویہ بن ابی سفیانؓ خلیفہ اور صحابی ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام  
ہوئے اور آپ کا تب و دی تھے۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے:-

”اَظْهَرَ اسْلَامُهُ يَوْمَ الْفَتْحِ - (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۳۱۸)  
فتح مکہ کے روز انہوں نے اپنے اسلام کو جس کو وہ پہلے چھپائے ہوئے  
تھے، ظاہر کیا۔“

علامہ ذہبیؒ کے علاوہ اور بھی کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ عمرہ اقصیٰ

کے موقع پر اسلام لائے لیکن اپنے اسلام کو اپنے والدین سے مخفی رکھا۔

ثُمَّ كَانَ مُعَاوِيَةُ يَقُولُ أَنَّهُ أَسْلَمَ عَامَ الْقَضِيَّةِ وَإِنَّهُ لَقِيَ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا وَلَتَمَّ اسْلَامُهُ  
مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ -

سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عمرہ القضاء کے موقع پر اسلام لائے  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہو کر ملے لیکن اپنے باپ  
اور اپنی ماں سے اسلام مخفی رکھا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۵،  
تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱،  
تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۴)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد  
۸ ص ۸۱ میں لکھتے ہیں :-

"بعض وجوہ کی بناء پر آپ نے اپنے یاں کو چھپائے رکھا جن میں  
سب سے بڑی وجہ کفار مکہ کی مسلمانوں پر سختی تھی، کیونکہ وہ زمانہ ایسا  
تھا کہ زبان سے کَا اَلَه اِلَّا اللّٰہ نہ کہنا سارے عرب کو اپنی مخالفت کی  
دعوت دینا تھا، امام ابو ذرین حضرت بلالؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت  
صہیب رومیؓ اور جنابؓ کی اینٹوں کا نقشہ آپ کے سامنے تھا،"  
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۱۱، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶

”أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَطِيعُوكُمْ فَإِنَّكُمْ كَذَّابٌ۔ (اے لوگو! اس کی بالکل نہ سننا (معاذ اللہ) بھوٹا ہے“

(کنز العمال جلد ۶، ص ۳؛ مسند احمد جلد ۴ ص ۶۳)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری جلد ۷، ص ۱۳، اندقانی جلد ۱ ص ۲۵۲،

عیون الاثر لابن سید الناس جلد اول ص ۱۱۱ وغیرہم )

پھر آپ کے گھریلو ماحول کا دباؤ بھی آپ کے ایمان کے اظہار میں مانع تھا کیونکہ سیدنا ابوسفیانؓ اس زمانہ میں قریش کے سردار اور قائد تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے، بھلا وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ خود ان کے گھر میں اسلام کا وہ چشمہ جاری ہو پڑے جس کو بند کرنے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں :-

أَسْلَمْتُ يَوْمَ هُمْرَةَ الْقَضَاءِ وَالْكَتْبِ كَتَمْتُ إِسْلَامِي مِنْ

أَيْ إِلَى يَوْمِ الْفَتْحِ۔ (البداية والنهاية ص ۲، ص ۱۱۱)

میں عمرہ قضا کے روز اسلام لایا تھا لیکن اپنے والد کے ڈر سے فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔

ایسا ہی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ جلد ۳ ص ۲۳۳ پر لکھا ہے :-

ان وجہ کی بنا پر سیدنا معاویہؓ مجبور و مقہور تھے اور اسلام لانے کے باوجود

اس زمانے میں اپنے اسلام کا اظہار نہ کر سکے اور اُس روز اس کا اظہار کیا جس روز آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ کا بیان زیادہ حیثیت رکھتا ہے

کیونکہ ان کے والد سردارِ مکہ اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے والے قریباً ہر

شکر کے سپہ سالار تھے، اب ان کا اپنا بیٹا جو ان کے گھر میں رہتا ہے حلقہ اسلام

میں داخل ہو جائے تو والدین کے لیے یہ کس قدر سوائی کا سبب بن سکتا تھا۔ چنانچہ

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”ابن سعد کے بیان کے مطابق سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں عمر القضا سے قبل اسلام لایا لیکن میں اپنی ماں کے خوف سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے نہ جاسکا کیونکہ وہ مجھے کہتی تھی کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا دانہ پانی بند کر دیں گے“ (الاصابہ جلد ۳ ص ۱۳۱)

مؤرخین کے بیان کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی، اٹھارہ سال کا بچہ وہ بھی قریش کے سپہ سالار کا نورِ نظرِ ماں کی اس دھمکی کی وجہ سے مرعوب ہو گیا اور اپنے ایمان کو کئی سال تک چھپائے رکھا، چنانچہ ابن اثیرؒ کے الفاظ ہم نے نقل کیے ہیں۔ لیکن اسلام کا چھپانا صرف والدین سے تھا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں صاف طور پر بتا دیا تھا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

”میں عمرۃ القضاء کے سال دولتِ اسلام سے مشرف ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے میں نے ان کو اپنے اسلام کے بارہ میں بتا دیا، آپ نے اسے قبول بھی فرمایا۔“  
(نسب قریش ص ۱۳۱، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸)

آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے مسلمان ہونے کے بارہ میں بتا دیا تھا لیکن گھر والوں اور مکہ کے عام لوگوں کے سامنے اسلام لانے کا اظہار نہ کیا تھا۔ عام لوگوں کے سامنے آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان فتح مکہ کے روز کیا، اسی وجہ سے علامہ سیوطیؒ جیسے لوگوں کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ فتح مکہ کے روز ایمان لائے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں :-

”جب فتح مکہ کا سال آیا تو میں نے اس روز اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا، میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ نے مجھے خوش آمدید فرمایا“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۲۸)

آپ کے اسلام لانے کے اس واقعہ کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، بعض حضرات کے حوالہ جات ہم نے دے دیئے ہیں زیادہ تفصیل درکار ہو تو تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۵ اور دیگر کتب تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے ان کا فتح مکہ کے روز مسلمان ہونا لکھا ہے ان کو سیدنا ابوسفیانؓ کے ایمان لانے سے شبہ گذرا ہے کہ شاید سیدنا معاویہؓ بھی اسی روز ہی ایمان لائے تھے، جیسا کہ سیوطیؒ وغیرہ نے لکھا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۳) حالانکہ ابوسفیانؓ بھی فتح مکہ سے ایک روز قبل ایمان لائے تھے اور ان کے مسلمان ہونے کے بعد ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا :-

”مَنْ دَخَلَ دَارَ آئِي سَفِيَّانَ فَهُوَ اِمْنٌ“۔ (مسلم باب

فتح مکہ جلد ۲، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۳۱۱، مسند احمد حدیث نمبر ۷۹۰۹، ۱۰۹۱۱)

جو ابی سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہو گا۔“

ان ابوسفیانؓ کے ایمان لانے کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو آپؐ دس ہزار صحابہؓ کی معیت میں ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو نماز عصر کے بعد مکہ کی جانب روانہ ہوئے، (فتح الباری لابن حجر جلد ۸ ص ۸) جب آپؐ ذوالخلیفہ کے مقام پہنچے تو حضرت عباسؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، سیدنا عباسؓ نے سامان اور اہل و عیال کو تو مدینہ کی جانب بھیج دیا اور خود شکر اسلام میں شریک ہو گئے۔

جب آپؐ کا لشکر وادیِ ظہران پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لشکر کو اپنے خیمہ کے سامنے آگ جلانے کا ارشاد فرمایا تاکہ اگر کوئی دشمن کا جاسوس ہو تو اس پر لشکر کی کثرت کے سبب رعب پڑے، چنانچہ ظہران کا میدان تاریکی میں روشنی کی کثرت سے وادیِ امن بنا ہوا تھا۔ اسی رات ابوسفیانؓ حکیم بن حزام



اور بدیل بن ورقہ تحقیقات کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے اور وہ اسلامی لشکر کی اس قدر کثرت دیکھ کر بہت مرحوب ہو گئے۔

قریش نے گو مسلمانوں پر بہت ستم رانیاں اور ظلم و تشدد کیے تھے لیکن پھر بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کے رشتہ دار اور فاندان کے فرد تھے اور مکہ میں ان کے عزیز و اقارب موجود تھے۔ حضرت عباسؓ "چونکہ حال ہی میں وہاں سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہاں کے بہت بڑے تاجر مومن کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے سے ان کے تعلقات بھی تھے، اس وجہ سے ان کے دل میں خیال آیا کہ اگر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے سے قبل امان نہ لی تو شاید سب تباہ ہو جائیں، چنانچہ وہ اس تلاش میں نکلے کہ اگر کوئی مکہ جانے والا آدمی مل جائے تو اس کی زبانی قریش سے کہلا بھیجیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیِ مضر میں تک پہنچ چکے ہیں لہذا وہ لوگ آکر اپنی جان بخشی کر وائیں۔ اتفاقاً سیدنا عباسؓ اسی سمت کسی آدمی کی تلاش میں گئے جس طرف ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل وغیرہم تھے، ابوسفیان کی آواز سنکر سیدنا عباسؓ نے ان کو پکارا، انہوں نے آواز کو پہچان کر کہا "ابو الفضل! سیدنا عباسؓ نے فرمایا "ہاں میں ہوں" ابوسفیان بولے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں تم یہاں کہاں؟ سیدنا عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان آگئے ہیں، ابوسفیان نے پریشان حال ہو کر پوچھا "پھر کوئی تدبیر؟" سیدنا عباسؓ نے ان کے ساتھیوں کو ٹوٹا دیا اور انہیں غفو و تقصیر اور معافی جرم کے لیے اپنے ساتھ سوار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، یہاں صبح کے وقت سیدنا ابوسفیانؓ نے

اے حضرت عباسؓ! سلام تو کافی پہلے لایا ہے لیکن قیام مکہ ہی میں رکھا، ہجرت کیلئے دو تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی لیکن آپ نے یہ جواب دیا کہ چچا جان! آپ ہیں قیام رکھیں، اللہ تعالیٰ آپ پر عجز و تعظم کرے جیسا کہ محمد پر نبوت کو نعم کیلئے۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳)

۱۱۶  
اسلام قبول کیا۔ (الوداؤد مع شرح عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲۴)  
سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۵ میں بھی سیدنا ابوسفیانؓ کے اسلام لانے کا ذکر تفصیل سے درج ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوسفیان فتح مکہ سے ایک روز قبل اسلام لائے تھے، لہذا علامہ سیوطیؒ کا یہ لکھنا کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے روز اسلام لائے، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کہاں تک درست ہے، البتہ اتفاق اس پر ہے کہ سیدنا معاویہؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔

(تطہیر الجنان لمعاویہ بن ابی سفیان ص ۱، حیوة السیوان جلد ۱ ص ۱)  
آپ نے اگرچہ اپنے اسلام کو مخفی رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن پھر بھی آپ کے والد کو آپ کے اسلام لانے کا علم ہو گیا اور آپ سے کہا:۔  
هَذَا أَخُوكَ يَزِيدُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْكَ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ۔  
تم سے تو تمہارا بھائی یزید ہی اچھا ہے جو اپنے آباؤی دین پر قائم ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۲۸)  
حضرت معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ قضا کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو میں اُس وقت آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کرتا تھا یعنی مسلمان تھا، پھر جب حجۃ میں آپ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۱، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵)  
دہائیہ بھی یہی بات درست ثابت ہوتی ہے کیونکہ فتح مکہ سے قبل آپ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے والد اور خاندان کے دوسرے افراد ان جگہوں میں پیش پیش تھے۔  
اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اور شیخ کے درمیان ایمان لائے۔ (تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۳۳۱)

لیکن اپنے اسلام کا اظہار اُس روز کیا جب آپ کے والدِ محترم سیدنا ابوسفیانؓ بھی دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، آپ کے اسلام کے بارہ میں مشہور مؤرخ مصطفیٰ یک نجیب نے لکھا ہے :-

”جہاں تک امیر معاویہؓ کے اسلام لانے کا تعلق ہے ان کا معاملہ ویسا ہی ہے جیسا سیدنا عباسؓ کا جو جنگِ بدر کے موقع پر ہی مشرفِ باسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان آپ نے فتحِ مکہ سے کچھ پہلے کیا، چنانچہ امیر معاویہؓ بھی صلح حدیبیہ کے موقع پر حلقہٴ بکوش اسلام ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کا اعلان فتحِ مکہ کے روز کیا۔“

(حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۳)

آپ کے فتحِ مکہ سے قبل ایمان لانے کی وجہ سے ہی جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتیمات نے آپ کو فتحِ مکہ کے بعد مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں قیام کی اجازت دی حالانکہ آپؐ فرما چکے تھے :-

”لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ - (فتحِ مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں)۔“

لہذا فتحِ مکہ کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ کا قیام فرماتا اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ آپ کا اسلام فتحِ مکہ سے قبل کا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو اُس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۱۶۳) اس کے بعد صرف چند ایک غزوات (جیسے حنین اور طائف کے غزوات) ہوئے ہیں، تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ جونہی اس خاندان نے اسلام کی آواز پر لبیک کہا اور ایمان کی دولت کو قبول کیا، فوراً دل و جان سے اس کی تشہیر اور خدمت میں لگ گئے، فتحِ مکہ رمضان ۱۰ھ میں ہوئی۔ اس سال آپ کے والدین اور بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور آپ نے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اس کے فوری بعد شوال میں

غزوہ خنین اور غزوہ طائف پیش آئے۔ ان دونوں غزوات میں بارہ ہزار صحابہ کرامؓ شریک ہوئے، یہ دونوں غزوات نہایت اہم شمار کئے جاتے ہیں۔  
 غزوہ خنین میں مسلمانوں کا مقابلہ بنو ثقیف اور بنو ہوازن سے تھا، یہ دونوں قبائل نہایت جری اور اعلیٰ قسم کے تیرانداز تھے، اس وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ نہایت سخت معرکہ ہوا، اس معرکہ میں دیگر صحابہ کرامؓ کے ساتھ سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایمانی تقاضا کے تحت شریک ہو کر اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

ان دونوں غزوات میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم پھڑے اور غنیمت خائب و خاسر ہوا، دشمن کا بہت سا مال مسلمانوں کے ہاتھ لگا، چھ ہزار کے قریب لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اہل سیرت نے لکھا ہے کہ ان چھ ہزار قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کے لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے والد سیدنا ابوسفیانؓ کی قابلیت اور صلاحیت کے پیش نظر انہیں ان (قیدیوں) کے معاملات کا نگران اور امین مقرر فرمایا۔ (سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۱)  
 غزوہ طائف کے موقع پر بھی ابوسفیانؓ اور آپ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ نے نہایت جرأت و بہادری کے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے، اس غزوہ میں کفار نے مسلمانوں پر شدید تیراندازی کی تھی جس سے بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے ان زخمیوں میں ایک سیدنا ابوسفیانؓ بھی تھے، دشمن کا ایک تیر آپ کی آنکھ میں پیوست ہوا اور آنکھ باہر نکل آئی، تابیخ کے پورے رقبے ہیں کہ آپ وہ آنکھ ہتھیلی پر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی:-

”یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ابوسفیان! اگر تم کہو تو اللہ سے دعا کرتا ہوں اور تمہیں یہ آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے بدلہ میں جنت چاہتے ہیں تو اس کو اسی

طرح رہتے دیں۔“

سیدنا ابوسفیانؓ اگر دل و جان سے مسلمان نہ ہوئے ہوتے جیسا کہ بعض لوگ ان کے بارہ میں کہتے ہیں تو یہ اُسی وقت جواب دیتے کہ مجھے آنکھ چاہیئے لہذا آپؐ دُعا کریں کہ مجھے آنکھ واپس مل جائے، لیکن اسلام کے اس شہیدؓ نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا:-

”یا رسول اللہ! مجھے جنت چاہیئے اور فوراً اس آنکھ کو تھیلی سے پھینک

دیا۔“ ریسرٹ الحلبیہ جلد ۳ ص ۱۳۲

ان دونوں غزوات میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، فتح کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو مالی غنیمت میں سے خطو افر عطا فرمایا جنہوں نے فتح مکہ کے بعد پہلی مرتبہ اسلامی غزوات میں شرکت کی تھی، ان لوگوں میں سیدنا ابوسفیانؓ، سیدنا یزید بن سفیانؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور دیگر کئی حضرات قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کو حضور اکرمؐ نے کتنا مالی غنیمت عطا فرمایا؟ مؤرخین نے لکھا ہے کہ غزوہ حنین میں سیدنا معاویہؓ کو ایک سواونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، یہ چاندی سیدنا بلالؓ نے انہیں وزن کر کے دی۔ غزوہ طائف میں بھی آپؐ نے سیدنا ابوسفیانؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا حکیم بن حزامؓ اور حارث بن کلابہ بنی عبد الدار کو سو سولہونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی، سیدنا ابوسفیانؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے یزیدؓ کو بھی عنایت فرمائیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ابوسفیانؓ کے دونوں بیٹوں یزیدؓ اور معاویہؓ کو بھی اتنے اونٹ اور اتنی رقم عطا فرمائی، بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی:-

”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں آپؐ کو میں نے

جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان اور کریم پایا۔“

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں:-

”آپ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپ کے ساتھ صلح کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہترین صلح کرنے والے پائے گئے۔“

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۴، سیر المجلیبہ جلد ۳ ص ۱۳۶)

## عہد رسالت اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی اسی علمی جستجو اور سبقت ایمانی کے پیش نظر بارگاہ رسالت میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کیے، مختلف مواقع پر آپ نے ان کے بارہ میں مختلف قسم کی دعائیں کیں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمن بن ابی عمرؓ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ان الفاظ میں دعا فرمائی،

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا وَاهِدًا وَاهِدِيًّا

اے اللہ! معاویہؓ کو لوگوں کے لیے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔

(التاریخ الکبیر جلد ۴ ص ۳۲۶، طبرانی، المعجم الاوسط جلد ۸ ص ۳۸، ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۱)

اسد انفاہ جلد ۴ ص ۳۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی

جلد ۲ ص ۳۱۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۳۵۸، طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۱۳۷،

تاریخ بغداد جلد ۸ ص ۴۰۸، الامصارہ جلد ۲ ص ۴۰۶، وقال الترمذی حسن غریب،

الفتح الربانی جلد ۲ ص ۳۵۶، تہذیب الاسماء واللغات للنووی جلد ۲ ص ۱۰۳)

ہدایت کی یہ دعا آپ نے سیدنا علی الترقیؓ اور سیدنا جریر بن عبداللہ بعلیؓ کے لیے بھی فرمائی تھی، چنانچہ سیدنا علیؓ جب یمن کو روانہ ہوئے تھے تو آپ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا،

اللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهُ وَاهْدْ قَلْبَهُ۔

اے اللہ! اس کی زبان کو ثبات رکھ اور اس کے دل کو ہدایت سے

نواز۔ (البداۃ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۱)

اسی طرح سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کے حق میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلۂ ششم کے کچھ بانیہ کو گمراہی کے لیے بھیجا تھا، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا، یہ شکر سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا :-

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا حَتَّىٰ وَجَدْتَ بُرْذَهًا۔

اے اللہ! اس کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے، یہاں تک کہ میں نے

اس کی پیٹھ پر محسوس کی۔ (البداۃ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۰۱، المصنف

لابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۱۵۳)

حضرت عبدالرحمن بن ابی عمیرؓ کی روایت کے بارہ میں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں :-

”هَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ ثِقَاتٌ وَلَكِنْ اختلفوا في صحبته

عبد الرحمن والظاهر انه صحابي وروى نحوه

من وجوه اخر۔

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں لیکن بعض حضرات نے عبدالرحمن

بن ابی عمیرؓ کے صحابی ہونے کے بارہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن یہ بات

نہایت واضح ہے کہ وہ صحابی ہیں، اور اس طرح کی اور روایات بھی

کئی طریقوں سے مروی ہیں۔“ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرابض بن ساریہؓ سے مروی ہے،

سیدِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ دُعا فرمائی

کلمات ارشاد فرمائے :-

”اللَّهُمَّ عَلَّمَ مَعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِيَهُ الْعَذَابَ  
اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب  
جہنم سے محفوظ فرما۔“ (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۲۱، تاریخ الاسلام للذہبی  
جلد ۲ ص ۳۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ۱۲، کنز العمال جلد ۷ ص ۸۷،  
الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۸۱، انساب الاشراف بلاذری جلد ۴ ص ۱۷۱،  
مجمع الزوائد بیہقی جلد ۹ ص ۳۵۷، صیغ ابن حبان جلد ۱ ص ۱۴۹، اللصاہیہ  
جلد ۱ ص ۳۸۵)

علم الکتاب کی یہ دُعا آپؐ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے بارہ میں  
بھی فرمائی تھی۔

”اللَّهُمَّ عَلَّمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔“

اے اللہ! عبداللہ کو کتاب اور حکمت کا علم عطا فرما۔“

(بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، مسلم جلد ۲ ص ۲۹۸)

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں حضور نبی کریمؐ کی یہ دعا مستجاب ہوئی  
اور پوری اُمت جانتی ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ کو حق تعالیٰ شانہ نے کتاب و  
حکمت کا خصوصی علم عطا فرمایا۔ جب سیدنا ابن عباسؓ کے بارہ میں آپؐ کی  
یہ دعا قبول ہوئی تو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کیوں قبول نہ ہوئی ہوگی۔  
چنانچہ ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں :-

”وَلَا رَيْبَ أَنْ دَعَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجَابٌ

فَمَنْ كَانَ هَذَا حَالَهُ فَكَيْفَ يَدْعُو تَابُ فِي حَقِّهِ

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً قبول

ہوتی ہے لہذا جس شخص کے حق میں یہ دُعا میں ہوئی ہیں اس کے بارہ

میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جاسکتا ہے۔“ (مرقاۃ جلد ۱ ص ۱۳۸)



اس حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک تو آپ کے لیے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امور خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لیے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اُس کے لیے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت اور الفت کا رشتہ ہو۔

بہر حال الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تعلیم کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و معصون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک اُمتی کے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اُس کا نبی اس دنیا میں اُس کے لیے تعلیم کتاب، فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو الہدیٰ کہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵) اور کوئی ان کو المصحف کہتا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱) اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امامِ اعمشؒ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا تذکرہ چل پڑا۔ امامِ اعمشؒ نے فرمایا: اگر تم سیدنا معاویہؓ کے زمانہ کو پالیتے تو ہمیں پتہ چل جاتا، لوگوں نے پوچھا: حضرت اس چیز کا پتہ چل جاتا، ان کے علم و بردباری کا؟ فرمایا: نہیں! بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔

(العواصم من القواصم ص ۳۰۵ تعلیقہ)

سیدنا معاویہؓ پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شفقت کا اس حدیث

سے بھی پتر چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیرؒ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تابیخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ سے کسی بات کے بارہ میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارہ میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربار رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے، آپؐ نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا :-  
**ادعوا معاویۃ - معاویہؓ کو بلاؤ۔**

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپؐ نے فرمایا ”معاویہؓ کو بلاؤ“ جب سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ :-

**فَاتَّهَ قَوًیَّ اَمِیْنٌ** (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)  
 (البدایہ والنہایہ جلد ۱۲، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۹،  
 مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۵)

تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے سیدنا معاویہؓ کی خلافت و امارت کے بارہ میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپؐ کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کر رہے تھے، سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا :-

**یا معاویۃ! ان ولیت امرًا فاتق الله واعدل۔**  
 اے معاویہؓ! اگر تجھے امورِ مملکت و خلافت سونپے جائیں اور اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا، (البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۳)

مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۸۶ و جلد ۹ ص ۳۵۵، مسند احمد جلد ۴ ص ۱۰۱،

تطہیر الجنان ص ۱۸، دلائل النبوة جلد ۶ ص ۲۲۶ (

اس روایت کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیرؒ اور ابوبکر ابن ابی شیبہؒ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

”یا معاویہ! ان ولیت فاحسن۔“

اے معاویہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے

حسن سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت و خلافت کو احسن طریقہ

سے سرانجام دینا، (المصنف، ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۱۱،

اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۳، المطالب العالیہ

لابن حجر عسقلانی جلد ۴ ص ۱۰۸)

سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مجھے یہ کلمات فرمائے تھے اُسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات

میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ مختلف

شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی دعا کا نتیجہ تھا۔ (نسیم الریاض جلد ۳ ص ۱۲۶)

آپ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت

کے بارہ میں بھی حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:-

”ان معاویۃ لا یصدع احداً الا صرعه معاویۃ۔“

معاویہؓ سے جو بھی نبرد آزما ہوگا معاویہؓ اسے سچاڑ دے گا،

(کنز العمال جلد ۷ ص ۸)

یہ تو دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام الہی کا

فکر فرماتے ہوئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”يُبْعَثُ اللَّهُ تَعَالَى مَعَاوِيَةَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَعَلَيْهِ رِءَاؤُ مِنْ

الْإِيمَانِ - (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۹)

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز معاویہؓ کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ

ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہوگی جس میں وہ پیٹے ہوئے ہوں گے۔“

علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے

پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ چٹا لیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”مَعَاوِيَةُ! تَمَاهِيرُ جِسْمِي كَأَنْسَا حَصْرِي جِسْمِي كَمَا تَمَاهِيرُ جِسْمِي“

سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا،

”يَا رَسُولَ اللَّهِ! مِيرَايِطُ أَوْرَسِيْنِي أَتَيْتُكَ جِسْمِي كَمَا تَمَاهِيرُ جِسْمِي“

یہ سنکر حضور اکرمؐ نے دعا کے طور پر فرمایا،

”اللَّهُمَّ! امْلَأْهُ عِلْمًا - (اے اللہ اس کو علم سے بھر دے)۔“

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے :-

زَادَ أَبُو مَسْعُودٍ وَحَلَمًا -

ابو مسعودؒ نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی ”اے اللہ اس کے سینے اور

پیٹ کو علم اور حلم دونوں سے بھر دے“

(تاریخ اسلام جلد ۳۱۹، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۱۸)

جناب فاطمہ البینین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور بیش گوئیوں کا نتیجہ

تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نوازا تھا اور حضورؐ کے ارشادِ گرامی

إِنْ دُبِيتَ فَأَحْسِنْ پاپا نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال

شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا آپ اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرمانے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ آپ کو ”سید کریم“ فرمایا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ آپ کی سیرت پر تبصرہ فرماتے ہوئے اس چیز کو ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

”من المعلوم من سيرة معاوية انه كان من احلم الناس واصبرهم على من يؤذيه واعظم الناس تاليفاً لمن يعاديه۔ (منهاج السنة جلد ۲ ص ۲۱۹)  
آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذا دینے والے کی ایذا کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرنے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رکھتے۔“

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ لے شیوہ مؤرخین نے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے سیدنا علیؓ سے علیحدہ ہونے کے متعلق بڑے عجیب و غریب قصے تراشے ہیں اور بعض سنیوں نے بھی ان قصوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ وہ بیت الحال سے غلط طریقے سے رویہ لینا چاہتے تھے، سیدنا علیؓ نے ان کو دعا اور دعہ ناراض ہو کر معاویہؓ سے جا ملے۔ (جلد ۴ ص ۹۳/۹۲)

تاریخی لحاظ سے یہ سب قصے القیامی کے قصوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ان سے مقصود صرف سیدنا عقیلؓ اور دیگر صحابہؓ کی پوزیشن کو داغدار کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ ابو طالب کا بیٹا اور علیؓ کا بھائی جس نے اپنی پوری زندگی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں گزار دی، معاذ اللہ ایک بوگس کرکٹر کا انسان تھا۔ (۳-۱-ظ)

سے جا ملے تھے اور جنگ صفین میں سید معاویہؓ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علیؓ سے جنگ لڑی، چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے :-

”وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی آیام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشنھل صفین معاً۔“

(عمدة الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے دہلیؓ سے صفین کی جنگ لڑی؛

آپ کی وسعت قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید جلد ۲ ص ۳۰۲، جلد ۱، ص ۱۶۵، مروج الذهب جلد ۱) لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل التحیات والسلام کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے علم اور بُرہ داری کو اپنی کتاب زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔ (ہسٹری آف دی عربز اذ پرو فیسر ہٹی انگریزی ص) آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :-

”انی لاسق نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوئ او

جھل اکثر من حلمی او عورتہ کلا او اریہا بستی او اسانۃ

اکثر من احسانی۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۸۴، البدایہ و النہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵،

ابن الاثیر جلد ۳ ص —)

میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سرنی ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ پھپھاسوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں۔“

آپ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے۔

”أَفْنَى الْأَحْوَالِ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ السُّنَنِ مَا لَمْ يَحُولُوا  
بَيْنَنَا وَبَيْنَ سُلْطَانِنَا وَمَلِكِنَا“ رطبری جلد ۵ ص ۳۳۶، اُکلال لابن الاثیر  
جلد ۳ ص ۲۶۳، تاریخ الاسلام والحضارة الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۲۷

میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں  
ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں“

آپ کی اسی وسعت قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسان نبوت نے ان الفاظ  
میں فرمایا :-

”أَخْلَعْنَا أَمَّتِي مَعَاوِيَةَ“ - (تظہیر الجنان بر حاشیہ صواعق مرقرة از ابی جبر کی ص ۵۵)  
میری اُمت میں سب سے بڑا حلیم اور بُر دبار معاویہ ہے۔

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مواقع پر آپ کی انتہائی تعریف  
فرمائی اور آپ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ کو بہت سے  
صحابہ پر ایک امتیاز حاصل تھا۔ اسی وجہ سے اُلگے جگہ میں تمام اُمت نے متفقہ طور  
آپ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسنؑ اور دیگر صحابہؓ  
نے آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی۔

(ملاحظہ ہوا البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱، فتح الباری جلد ۱۳، بیج الخزان ص ۴۸،  
ناسخ التواتر مخ جلد ۶ کتاب دوم ص ۷۹، بحار الانوار از ملا باقر مجلسی  
جلد ۱۰ ص ۱۶۲ وغیرہم)

فتح مکہ تک تو آپ نے اپنا اسلام اپنے گھر والوں سے چھپائے رکھا۔  
البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱، تظہیر الجنان لمعاویہ بن ابی سفیان ص ۱، حیوة الجنوان  
جلد ۱ ص ۱۰، الاصابہ تذکرہ معاویہ اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۵) لیکن فتح مکہ کے بعد  
آپ نے حضور رسالتؐ علیہ افضل الثقیات کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور  
اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ نے غزوہ خنین اور غزوہ ط

میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو سواونٹ اور چالیس  
اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۷۷ م)

صرف علمی اور علمی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ  
نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت سے تعلق اور قرب حاصل  
تھا، ایک تو جو ختمی پشت میں آپ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی  
بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برادر نسبتی اور  
مسلمانوں کے ماموں تھے۔

## کتابت وحی اور سیدنا معاویہؓ

آپ کی ذہنی، فکری اور علمی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
کو آپ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہ رسالت سے آپ کو  
کتابت وحی کا منصب جلیلہ عطا ہوا۔ (تقریب التہذیب ص ۲۵۷ کنز العمال جلد ۲  
ط ۲۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸، آداب السلطانیہ للفرغی ص ۱۴۵، النجوم الزاہرہ جلد ۱  
ص ۱۵۴، الاستیعاب جلد ۳ ص ۳۲۵ م)

خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے :-

”کان (معاویہ) احد کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے تھے“

(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۲۳۸ م)

آپ کا تپ نبوی ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے علامہ ذہبی نے بفضل  
الغلابی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ :-

”ان زید بن ثابت کان کاتب وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“



وكان معاوية كاتبه فيما بينه وبين العرب -  
 حضرت زبیر بن ثابتؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے کاتب  
 تھے اور حضرت معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے دوسرے  
 قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے،  
 (تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)

اگرچہ علامہ ذہبیؒ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایات اس کی  
 تردید کرتی ہیں، لہذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ  
 سیدنا زبیر بن ثابتؓ صرف وحی الہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ وحی الہی اور رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے چنانچہ علامہ ذہبیؒ  
 نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:-  
 كنت العبد عند عاتق رسول الله صلى الله عليه وسلم

فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحى -  
 میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا  
 کہ معاویہؓ کو بلا لاؤ اور معاویہؓ وحی لکھا کرتے تھے، (تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۱۸)  
 اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ ہی سے  
 مروی ہے، فرماتے ہیں کہ:-

”ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ معاویہؓ کو بلا  
 کر لاؤ اور سیدنا معاویہؓ ان دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتب  
 وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہؓ کو سرکارِ دو عالم  
 صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام دیا کہ سرکارِ آپ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ  
 کو تم سے کوئی کام ہے،“ (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۳۵)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؐ سیدنا معاویہؓ صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف

وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲) اور طبرانیؒ سے بسند حسن وایت کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔ (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۴)

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے کہا کہ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن وائلؓ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپؐ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیسے لکھوں؟ آپؐ نے فرمایا پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھو، اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھوں وہ لکھو، چنانچہ آپؐ نے ایسے ہی لکھا۔ (الاصابہ جلد ۲ ص ۳۹۳)

تاریخ میں مختلف فرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر کتنا جھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندیؓ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ ہضرموت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو فرمایا کہ وائلؓ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لیے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دیدیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساتھ ہی ان کے لیے ایک مکتوب تحریر کیا جس میں سیدنا وائلؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اوپر میرے اہل خانہ کے لیے مزید مال و متاع کے لیے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل

فرمائی ہے۔ (التاریخ الکبیر جلد ۲ ص ۱۷۵، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۸۱، الاصابہ جلد ۳ ص ۵۹۲  
صحیح ابن حبان جلد ۹ ص ۱۰۷ تحت وائل بن حجر الکندیؒ)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدثین اور اصحاب تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال بن الحارث المزنیؓ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبیلۃ میں چند قطعات اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہؓ سے اس بارہ میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطا فرمایا۔  
راستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۱۷، معجم البلدان جلد ۵ ص ۳۰۷)

محدثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی لہنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہؓ کے کاتب رسول ہونے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اُن کے با اعتماد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابی سیدنا جبجیہؓ کی معرفت قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک والا نامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التوفیٰ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التوفیٰ بیان کرتا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتیمات مقام تبوک میں اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا، میں آپؐ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ چیل (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں، میں نے وہ مکتوب آپؐ کی خدمت اقدس میں پیش کیا، آپؐ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہیں؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں، سیدنا معاویہؓ نے وہ مکتوب آپؐ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپؐ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپؐ سے پوچھا تھا)

آپؐ نے یہ سُنکر فرمایا :-

سُبْحَانَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ اللَّيْلُ فَأَيُّ النَّهَارِ ؟

سُبْحَانَ اللَّهِ ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے ؟

جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپؐ نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغامِ رسال کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی بدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔

آپؐ کی یہ بات سُنکر آپؐ کے اصحاب میں سے ایک شخص اُٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو بدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال لایا اور اُسے میری گود میں رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ یہ عثمان بن عفانؓ ہیں۔

بعد ازاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں تحفہ رائجے گا ؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس بٹھرایا۔  
(مسند احمد جلد ۳ ص ۴۱۱، جلد ۴ ص ۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۷۱)

جمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۳۵)

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاویہؓ سے پڑھواتے اور انہی سے ان کا جواب بھی لکھواتے تھے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابوبکرؓ اور عمر بن الخطابؓ جیسے حضرات کے ساتھ ان کو بھی بطور گواہ پیش کیا۔ (ملاحظہ ہو سیرت الحبلیہ جلد ۳ ص ۲۱۱)

سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثبت کی وہیں حضور انورؐ کا سیدنا معاویہؓ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لیے فرمانا

ان کی کتاب زندگی کا ایک نہایت پر اعتماد باب ہے۔ بلکہ میرے خیال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے ہی پانچ خلفاء ہیں جو مسیح الدارنی کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرما رہے ہیں۔ (المختار جلد ۳ ص ۲۴۱)  
سیدنا معاویہؓ کے کاتب وحی ہونے کو شیعوہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ ابن ابی الحدید کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعوہ حضرات کا ایک اہم ستون سمجھا جاتا ہے، اُس نے بھی صاف لفظوں میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپؐ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپؐ ہی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

”وَكَانَ كِتَابُهُ الَّذِي يَكْتُبُونَ الْوَحْيَ وَالْكَتَبَ وَالْعَهْدَ

عَلَى بَنِي طَالِبٍ وَعُثْمَانَ بْنِ عَفَانَ وَعُمَرَوْنَ وَالْعَاصِ

بْنَ أُمَيَّةَ وَمَعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سَفْيَانَ وَشُرَحْبِيلَ بْنَ حَنْسَةَ۔۔۔۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین جو آپؐ کے لیے وحی، مراسلات و

معاهدات اور موثقی وغیرہ لکھا کرتے تھے وہ علی بن ابی طالبؓ، عثمان بن عفانؓ،

عمر بن العاصؓ بن اُمیہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور شرجیل بن حنسہؓ وغیرہم

تھے۔“ (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۴)

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت

سے بھی ہوتی ہے کہ:-

وَكَانَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنَ الزَّمِ النَّاسِ لِذَلِكَ ثُمَّ تَلَاہُ مَعَاوِيَةُ

بَعْدَ الْقَتْلِ فَكَانَ مَلَا زَمِينَ لِكِتَابَتِهِ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فِي الْوَحْيِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لَا عَمَلَ لَهَا غَيْرُ ذَلِكَ۔

سیدنا زید بن ثابتؓ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کے لیے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں

میں سے تھے چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی۔ (روایع السبق)<sup>۲۷</sup>  
 آپ کے کاتب وحی ہونے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی  
 ہیں۔ الاستیعاب جلد ۳ ص ۲۷۵، الاصابہ جلد ۳ ص ۳۱۱، مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۳۵۷،  
 زاد المعاد جلد ۱ ص ۳

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نفل فرمایا ہے  
 کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ:-

”یا محمد اقرأ معاویۃ السلام واستوص بہ خیراً فانہ امین اللہ

علی کتابہ ووجیہ ونعم الامین۔ (ابداۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲)

اے محمد! معاویہؓ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ

کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کو کاتب وحی بنانے کے لیے حضور  
 ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبریل امین علیہ السلام  
 نے جواب دیا:-

”استکتبہ فانہ امین۔ (ابداۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲)

آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔“

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبریل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف  
 کتابت وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونے کے لیے کافی تھا کیونکہ جس  
 طرح وحی لانے والے کے لیے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الہی کے لانے میں کوئی  
 خیانت نہ کر سکے اسی طرح کاتب وحی کے لیے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابت وحی  
 میں کوئی خیانت نہ کر سکے۔ لہذا جس طرح آپ کا کاتب وحی ہونا مسلم ہے اسی طرح آپ  
 کا امین ہونا بھی مسلم ہے۔ گمنا کہ لا یمحق علی من لہ اذنی من انہم  
 کتابت وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی عظمت مرتبت

کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے، کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ بھی تھے۔ (الحضارة الاسلامیہ ص ۶۳) پورے مکتب میں جبکہ صرف سترہ (۱۷) یا بیس (۲۰) لکھنا پڑھنا جانتے تھے آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

## عہدِ صدیقی اور سیدنا معاویہؓ

عہدِ رسالت کے بعد دورِ صدیقی شروع ہوتا ہے، اس دور میں بھی ہم اس نابغہ اسلام کو اولین صفوں میں دیکھتے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں جہاں آپ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ شام بھیجے جانے والے لشکر کے امیر بنائے گئے وہاں سیدنا معاویہؓ اس لشکر کے ہراول دستہ کے علمبردار مقرر ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ ص ۴، فتوح البلدان ص ۲۸، حیوۃ الجوان جلد ۱ ص ۱۷۱، المعواصم من القواصم ص ۷۷، تاریخ النخیس جلد ۲ ص ۳۲۵، ہسٹری آف دی عربز از ہٹی (انگریزی) آپ کی اٹھک پیٹھک اکابرین صحابہ اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ تھے جن سے آپ نے اپنی ذکاوت، تدبیر، ذہانت اور بلندی فکر کی وجہ سے ہر قسم کی خوبیاں اور محاسن اپنے لیے انتخاب کیے اور جلد ہی سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا عمرؓ بن الخطابؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا خالد بن الولیدؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدہ عائشہؓ ام المؤمنین جیسے لوگوں کے زمرہ میں شمار ہونے لگے، اسی زمانہ میں آپ نے قیادت و سیادت کے وہ جوہر اور کمالات اپنے اندر پیدا کیے کہ جن کی مثال ملنا مشکل ہے، ان کمالات کا اظہار آپ کے زمانہ خلافت میں ہوا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

خلافتِ صدیقی میں آپ کو بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض سرانجام

دینے کا موقع ملا۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳) اور تاریخ کے صفحات اس پر شاہد ہیں کہ آپ نے احسن طریق سے اس ذمہ داری کو پورا کیا اور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت، حسن تدبیر اور حسن انتظام کا سنگ بٹھا دیا۔

طبری اور ابن کثیر کے بقول سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی امداد کے لیے سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک فوج مرتب فرمائی جس کی قیادت سیدنا معاویہؓ فرما رہے تھے سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا معاویہؓ کو اس فوج کا امیر بنا کر اس کو خود رخصت فرمایا۔ چنانچہ لکھا ہے:-

”وَاجْتَمَعَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ نَاسٌ فَأَمَرَ عَلَيْهِمُ مَعَاوِيَةَ وَأَمَرَ  
بِالْحَاقِ بِيَزِيدٍ وَخَرَجَ مَعَاوِيَةَ حَتَّى لَحِقَ بِيَزِيدٍ -  
لوگ حضرت ابو بکرؓ کے پاس جمع ہوئے پس آپ نے اُن پر حضرت معاویہؓ  
کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں یزیدؓ سے ملنے کا حکم فرمایا، چنانچہ امیر معاویہؓ  
ان کو لے کر یزید بن ابی سفیانؓ سے جا ملے“

(طبری جلد ۳ ص ۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۷۷)

یزید بن ابی سفیانؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی زیر نگرانی آپ کے قولے علیہ کی تربیت اور اس پر آپ کے والد ماجد سیدنا ابی سفیانؓ کی بچپن کی بہترین تربیت، ان دو تربیتوں نے آپ کو علم و عمل کے لحاظ سے ایک پختہ انسان بنا دیا اور رعیت پر شفقت اور تدبیر مملکت میں وقت نظری اور امور انتظامیہ میں عواقب پر نگاہ کا ایک بہترین ملکہ پیدا کر دیا اور اسلام کی برکات نے ان کو باہمیبت، عزم و استقلال اور شجاعت و بسالت کا مجسمہ بنا دیا۔

(دول الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۴)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور فرامین و مراسلات کی کتابت اکثر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ اب چونکہ وحی کا سلسلہ



تو ختم ہو چکا تھا اس وجہ سے فرامین اور مراسلات کی کتابت اکثر و بیشتر سیدنا معاویہؓ ہی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا زبیر بن العوامؓ کو ایک قطعہ اراضی مرحمت فرمایا، اس کا وثیقہ سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا۔  
(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۲۵)

عہد صدیقی میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک زبردست جنگ لڑی جو تاریخ میں جنگ یمامہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے، یہ جنگ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی زیر قیادت لڑی گئی۔ تاریخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس زور کارن پڑا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، سیدنا خالد بن ولیدؓ کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا، (لہ یلیق المسلمون حرباً مثلها قطم)

سیدنا معاویہؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے اور بعض مؤرخین کے بقول مسیلمہ کذاب کو انہوں نے ہی قتل کیا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کو پہلے سیدنا وحشی بن حربؓ نے وہی نیزہ مارا جس سے انہوں نے سیدنا حمزہؓ کو شہید کیا تھا، بعد میں ابو دجانہ سحاک بن خویلدؓ نے تلوار سے اسے مضروب کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۱۱)

صاحب تاریخ النخیس شیخ دیار بکری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرمایا کرتے تھے ”مسیلمہ کو میں نے قتل کیا تھا۔ (انا قتلته)“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے ساتھ اسلام کی اس اہم جنگ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے اور مسیلمہ کذاب کے قتل میں ان کا بھی اچھا خاصا ہاتھ تھا، یہ جنگ ربیع الاول ۳۲ھ میں لڑی گئی۔

## عہدِ فاروقی اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تو ویسے ہی امورِ خلافت کو سرانجام دینے کا بہت کم وقت ملا، کیونکہ آپ نے صرف دو سال تین مہینے دس دن خلافت کی۔ اس دوران میں آپ کو ایک روز بھی آرام کا سانس لینا نصیب نہ ہوا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنبلا سے انتقال فرمانے کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں مختلف فتنوں نے سراٹھایا، کہیں مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ اور کہیں مدعیانِ نبوت کا فتنہ۔ ان اندوہناک فتنوں کے علاوہ بیرون ملک بھی دشمنانِ اسلام نے مختلف شورشیں پیدا کرنے کی کوشش کی، پھر ملکی نظم و نسق، حکام کی نگرانی اور ان کا احتساب، مالی انتظامات، فوجی انتظامات، فوج کی اخلاقی تربیت کا اہتمام، بیرون ملک جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھنے کے لیے سامانِ حرب کی فراہمی، وسعتِ سلطنت کے ساتھ مختلف علاقوں میں فوجی چھاؤنیوں کا قیام اور ان کی نگرانی و دیکھ بھال، بدعات کا انسداد، اشاعتِ اسلام کی تدابیر اور جمع قرآن جیسے امور کی انجام دہی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے ملک کی خارجہ پالیسی اور وسعتِ خلافت پر زیادہ توجہ دینے کی مصلحت آپ کو نہ دی، لیکن پھر بھی عراق، شام، اجنادین، قوج، مکران اور زارہ وغیرہ کے علاقے آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہو کر خلافتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے۔ (فتوح الشام ص ۱۶، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۱ اور تاریخ طبری وغیرہم)۔

خلیفہ اول کا یہ مختصر دورِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے لیے ایک تربیتی دور تھا، اور اس زمانہ میں جو کمالات آپ نے حاصل کیے اُن کے جوہر دکھانے کا موقع آپ کو دورِ فاروقی میں میسر آیا، شروع شروع میں تو آپ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان کی زیرِ قیادت بہادرانہ کارنامے سرانجام دیئے۔ چنانچہ عہدِ فاروقی میں صیدا، عرقہ، ہمدان وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی ہم

یزید بن ابی سفیانؓ کی زیر قیادت مقدمہ الجیش کی کمان آپ ہی کے ہاتھوں میں تھی اور ان علاقوں کے اکثر و بیشتر حصہ کی فتح آپ ہی کی مرہونِ منت ہے، خصوصی طور پر عرقہ کا علاقہ تو تمام تر آپ ہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ قیساریہ کا معرکہ جس میں پہلے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج کے ساتھ خود شریف لے گئے اور بعد میں اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر واپس فلسطین لوٹ آئے (فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴) اور طبری وغیرہم، یہ معرکہ آپ ہی کے ہاتھوں سر ہوا اور اس میں رومیوں کے اتنی ہزار سپاہی مارے گئے۔

۱۸۱ھ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی یزید کا انتقال ہو گیا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ آپ کو شام کا والی مقرر فرمایا۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۸۲، استیعاب جلد ۱ ص ۲۱۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۰۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۲، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۲، ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص ۱۵۲، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۶۸، الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۰۳)

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے عہدِ خلافت میں بھی سیدنا معاویہؓ نے بڑی بڑی مہمات میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ چنانچہ سواہلِ اردن کی مہم جو ۱۵۱ھ میں پیش آئی، اس میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، اس مہم میں لشکرِ اسلام کے سپہ سالار سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ امیر الافواج کے

۱۸۱ھ بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عمر بن خطابؓ نے مقرر فرمایا تھا اور آپ نے سیدنا معاویہؓ کو لکھا تھا۔

انی قد ولیتک قیساریۃ فیسو البھا واستغفر اللہ واكثر من قول

لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ (رخطط الشام ج ۱ ص ۱۲۷)

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے امداد

طلب کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔

فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہؓ امیر الامراء نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی درخواست پر ایک فوجی دستہ روانہ کرنے کے لیے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو حکم دیا انہوں نے جو فوجی دستہ کمک کے طور پر سواحل اردن کی طرف روانہ کیا اس کے مقدمہ الجیش پر سیدنا معاویہؓ کماندار تھے، سیدنا یزیدؓ خود بھی اس میں شامل تھے، چنانچہ اسلامی افواج نے اس علاقہ میں گھسان کی جنگ لڑی اور فتحیاب ہوئی، اس فتح کا سہرا سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کے سر ہے۔

سیدنا ابوعبیدہؓ نے بارگاہ خلافت میں فتح کی خوشخبری کا سندسبہ بھجوا دیا اور سیدنا مرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی اس فتح جلیلہ کا ذکر فرمایا۔ مرج الصفر کے معرکہ میں بھی سیدنا معاویہؓ کی شمولیت کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں سیدنا خالد بن سعید بن العاصؓ نے جام شہادت نوش فرمایا اور ان کی شمشیر آبدار سیدنا معاویہؓ کو افام کے طور پر دی گئی۔ مرج الصفر کی فتح سے فراغت کے بعد اسلامی افواج نے دمشق کی طرف رجوع کیا اور اس کو — فتح کیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸)

دمشق کی فتح میں اکابر صحابہ سیدنا خالد بن ولیدؓ، سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کی مساعی جلیلہ کو بہت دخل حاصل ہے۔ اس موقع پر سیدنا معاویہؓ مقدمہ الجیش کے کماندار تھے، اس وجہ سے ان کا بھی ان فتوحات میں کافی حلقہ ہے۔ خصوصی طور پر عرقہ کی فتح ان کی ہی سرہون منت ہے۔

دمشق کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کی ہدایت پر سواحل دمشق کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کئی علاقوں کو قدسے مزاحمت کے ساتھ اور بعض کو نہایت آسانی کے ساتھ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

(ملاحظہ ہو فتوح البلدان ۱۳۳، ۱۳۴)

قیساریہ کی مہم سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں خاص مہموں میں سے ایک ہے، پہلے ۱۷ھ میں اس کا محاصرہ کیا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مورخین نے کھلبے کہ قیساریہ کی مہم

میں کافی وقت صرف ہوا اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام ابو عبیدہ بن الجراح، سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ وغیرہم نے اس پر متعدد بار چڑھا کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

۱۸ھ میں طاعون عمواس سے کئی صحابہ کرام شہید ہو گئے جن میں سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح بھی تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ اسی مہم کے دوران مصر چلے گئے۔ اب سیدنا عمرؓ نے یزید بن ابی سفیانؓ کو شام اور فلسطین کے علاقوں میں فوج کا کنٹرول مقرر فرمایا اور انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ قیساریہ کی مہم نے قریباً سات سال سے پریشان کیا ہوا تھا۔ چنانچہ سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ سترہ ہزار فوج لے کر اس مہم کو سر کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے لیکن ۱۸ھ میں ان کی طبیعت ناساز ہو گئی اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر خود واپس فلسطین لوٹ آئے۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۷)

بعض روایات میں آتا ہے کہ قیساریہ کے معرکہ پر سیدنا معاویہؓ کو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطابؓ نے براہ راست مقرر فرمایا تھا، چنانچہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کو نکھا تھا۔

”انی قد ولیتک قیساریۃ فسر الیہا واستخض اللہ والکثر من قول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔“

میں نہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں، پس تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا

کرو۔“ (خطبہ الثام جلد ۱ ص ۱۲۳)

سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا اور دشمن کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیا، ایک روز ایک شخص نے مسلمانوں کو خفیہ راستے کی نشاندہی کی اس پر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے جس روز مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے وہ انوار کا دن تھا اور روحی اپنے کلیسا میں جمع تھے، ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا

علم نہ ہو سکا، وہ بالکل بے خبر کلیسا میں بیٹھے تھے کہ مسلمانوں نے یکبارگی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، رومی نعرۂ تکبیر سنکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے اور وہ مسلمانوں کے حملہ کے جواب میں کوئی مدافعت نہ کر سکے، اس طرح رومی مغلوب ہو گئے اور مسلمانوں کو حق تعالیٰ شانہ نے سات سال کی طویل جدوجہد کے بعد فتح و نصرت عطا فرمائی اور اس فتح کا سہرا سیدنا معاویہؓ کے سر باندھا گیا، یہ فتح ۱۹ھ میں ہوئی۔ (فتوح البلدان ۱۴۷ء، ۱۴۹ء، طبری جلد ۴ ص ۲۲۵)

اس معرکہ میں اسی ہزار رومی مارے گئے، سیدنا معاویہؓ کو اس فتح کی بہت خوشی ہوئی، چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اس فتح کا مزہ اور نوید ظفر سننے کیلئے سیدنا تمیم بن ورقاء انجشمی کو مدینہ طیبہ بھیجا، قاصد نے شب و روز سفر کر کے جب یہ مزہ جالفرزا امیر المؤمنینؓ کو سنایا تو فتح قیساریہ کی اس خوشخبری کو سن کر سیدنا فاروق اعظمؓ بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۱ ص ۱۹، فتوح البلدان وغیرہ)

علامہ بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ جو نہی امیر المؤمنینؓ نے فتح کی یہ خوشخبری قاصد کے منہ سے سنی تو سیدنا عمرؓ اور بارگاہ خلافت میں موجود دوسرے مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۹)

قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے اور آپ کی کتاب فتوحات کا ایک اہم باب ہے۔ (کتاب الموال لابن عبید القاسم روایت ۲۷۹) شیعہ مؤرخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی یہ فتح سیدنا معاویہؓ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ البتہ اس نے یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے سیدنا معاویہؓ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا اور یہ مہم ۱۸ھ میں سر ہوئی۔

(کتاب البلدان ص ۸۵)

مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا یزید بن ابی سفیانؓ کو جنود شام کا کمانڈر مقرر فرمایا تو انہیں قیساریہ کی مہم سر کرنے کا بھی حکم دیا وہ متروہ ہزار کا

لشکرِ جبار لے کر قیساریہ پہنچے لیکن ۱۸ھ کے آخر میں سیدنا یزیدؓ بیمار ہو گئے اور وہ اپنے بھائی سیدنا معاویہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرما کر دمشق واپس چلے گئے اور ان کی غیر موجودگی میں سیدنا معاویہؓ نے قیساریہ کو فتح کیا، لیکن جب عمواس کے طاعون میں سیدنا یزیدؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے ان کی جگہ سیدنا معاویہؓ کو شام کا والی مقرر فرمادیا، اس پر سیدنا ابوسفیانؓ نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا شکریہ ادا کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب قاصد سیدنا یزیدؓ کے انتقال کی افسوسناک خبر لے کر مدینہ منورہ آیا تو سیدنا عمرؓ نے اسی قاصد کے ہاتھ سے سیدنا معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ پر شام کا والی مقرر فرمادیا، بعد میں ایک روز سیدنا فاروقِ اعظمؓ سیدنا یزیدؓ کی تعزیت کے لیے ان کے والد ابوسفیانؓ کے پاس گئے، باتوں باتوں میں سیدنا ابوسفیانؓ نے پوچھا: امیر المؤمنینؓ! آپ نے یزیدؓ کی جگہ پر کس کو شام کا والی مقرر فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے بھائی معاویہؓ کو۔ سیدنا ابوسفیانؓ نے امیر المؤمنینؓ سے کہا: ”آپ نے صلہ رحمی کا خیال رکھا“

فتوح البلدان ص ۱۳، ابن خلدون جلد ۳ ص ۷، فتح الباری جلد ۲ ص ۸۲،

الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۱۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۲،

ہسٹری آف عربز انگریزی ص ۱۵۲، تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۶۸،

الاصابہ جلد ۳ ص ۴۱، تہذیب الاسماء واللغات جلد ۲ ص ۱۰۳

سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کو شام کا گورنر مقرر کرنے کے بعد دو جلیل القدر صحابہ سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو سیدنا معاویہؓ تے منصبِ قضا پر فائز فرمایا، سیدنا ابوالدرداءؓ کو دمشق اور اردن کا قاضی اور سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کو محض اور قفسرین میں عہدہٴ قضا پر فائز کیا، اس کے ساتھ ان دونوں حضرات کو اپنے علاقے کے نظم و نسق کی نگرانی کے فرائض بھی تفویض فرمائے۔ اتنے جلیل القدر صحابہ کا آپ کی ماتحتی میں قضا اور نماز کے انتظام و انصرام کو سنبھالنا

سیدنا معاویہؓ کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۸)  
 سیدنا فاروق اعظمؓ کا سیدنا معاویہؓ کو شام اور اس کے ملحقات کا والی مقرر کئے  
 کے بعد چند ہی سالوں میں بیشتر علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ ۱۹ھ میں  
 قیساریہ فتح ہوا اور دو سال کے قلیل عرصہ میں سیدنا معاویہؓ نے حصہ تفسیر اردن  
 البحرہ، فلسطین اور انطاکیہ وغیرہ کئی علاقے فتح کر لیے اور اسلامی سلطنت کا دائرہ تیزی  
 سے وسیع ہونے لگا۔ اب مرکز خلافت سے ایک مکتوب سیدنا معاویہؓ کو موصول  
 ہوا جس میں لکھا تھا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں سے عسقلان کی طرف زیادہ توجہ دی  
 جائے اور اسلامی قلمرو میں شامل کرنے کی پوری سعی کی جائے۔ امیر المومنینؓ کے حکم کھر  
 تعمیل میں سیدنا معاویہؓ نے اس طرف پیشقدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

(فتوح البلدان ص ۱۳۹)

علامہ ابن کثیرؒ نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ عسقلان کو پہلی دفعہ سیدنا عمرو  
 بن العاصؓ نے فتح کیا تھا لیکن ان کے جانے کے بعد وہاں کے باشندوں نے  
 بغاوت کردی، اس بغاوت میں سلطنت روم نے ان کی پوری پوری مدد کی، اس بغاوت  
 کو فرو کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ نے پیشقدمی فرمائی اور اس علاقے کو دوبارہ  
 فتح کیا۔

طبریؒ نے لکھا ہے کہ فتوحات کی وسعت کے پیش نظر اب البلقاء، اردن،  
 فلسطین، سواحل اور انطاکیہ کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کی ولایت میں تھا۔

(طبری جلد ۴ ص ۲۵)

سیدنا فاروق اعظمؓ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے گوزروں کو وقتاً فوقتاً مختلف  
 ہدایات اور نصائح بدریغ خطوط کرتے رہتے تھے، اس سے آپ کے گوزروں کو معلوم  
 ہوتا رہتا تھا کہ خلیفہ المسلمین ہم سے غافل نہیں ہیں لہذا وہ خود ہر وقت اپنے  
 اعمال کا محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ اس اصول کے پیش نظر آپ نے سیدنا معاویہؓ کو  
 بھی بعض مواقع پر مختلف قسم کی ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں، چنانچہ ایک موقع پر آپ نے



سیدنا معاویہؓ کو لکھا :-

”اما بعد! فانتم الحق — لك الحق منازل الحق ولا تقص  
الا بالحق - والسلام

آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں اس سے اہل حق کے منازل و مراتب  
آپ پر واضح ہوں گے اور ہر فیصلہ حق و انصاف سے کیجئے۔“ والسلام  
(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۰۸، روایت ۳۵۰۶)

سیدنا معاویہؓ کی انہیں خدمات اور قابلیت کی وجہ سے سیدنا فاروقؓ اعظمؓ  
نے تمام گورنروں سے زیادہ سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا، ان سے زیادہ کسی اور گورنر کا وظیفہ  
ہمارے علم کے مطابق سیدنا فاروقؓ اعظمؓ رضی اللہ عنہ نے مقرر نہیں فرمایا تھا،  
چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”سیدنا عمر بن الخطابؓ نے سیدنا معاویہؓ کا سالانہ وظیفہ دس ہزار دینار  
مقرر فرمایا جب وہ شام کے گورنر مقرر کیے گئے“ (الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۲۸۳)

بارگاہ خلافت سے یہ سیدنا معاویہؓ کا ایک بہت بڑا اعزاز تھا، دس ہزار  
دینار سالانہ وظیفہ اس زمانے میں بڑے بڑے لوگوں کا نہیں تھا لیکن سیدنا معاویہؓ  
کا اتنا بڑا وظیفہ ان کی قابلیت اور سلطنت اسلامیہ کے لیے گرانقدر خدمات کی غمازی  
کرتا ہے۔ پھر دوسرا اعزاز یہ تھا کہ سیدنا فاروقؓ اعظمؓ نے اپنے پورے عہد خلافت  
میں ان کو شام کی گورنری سے تبدیل نہیں کیا حالانکہ یہ بات بھی ان کی عادت کے  
خلاف تھی، آپ نے اپنے عہد خلافت میں بڑے بڑے جلیل القدر گورنروں کو اپنے  
عہدوں سے سال دو سال کے بعد تبدیل کر دیا جن میں ایک سیدنا سعد بن ابی  
وقاصؓ بھی تھے جو فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ کے صحابی تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ کو آپ  
نے اول روز جس علاقہ میں گورنر متعین کیا تھا آپ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات  
تک ان کو وہاں سے تبدیل نہیں کیا۔

آپ کے دور گورنری میں دمشق نے زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی۔ جس کی تفصیل

آئندہ صفحات میں آرہی ہے) سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے سیاسی اور انتظامی لحاظ سے یہ بہت ضروری تھا کہ مسلمانوں کا ظاہری دبہ اور عیب و داب بھی اہل کفر کے دلوں میں قائم رہے۔ اس کے لیے آپ نے ظاہری شان و شوکت کے طریق بھی اختیار فرمائے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ ظاہری شان و شوکت کے طریقوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی کے پیش نظر آپ نے بھی ان ذرائع کو اختیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس سے واپسی پر دمشق تشریف لے گئے تو آپ نے بڑی شان و شوکت سے امیر المؤمنین کا استقبال کیا، سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ شان و شوکت اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ناپسند فرماتے ہوئے پوچھا معاویہؓ! تم نے یہ سادہ روی کیوں چھوڑ دی ہے؟ آپ نے جواب میں یہ عذر بیان کیا :-

اِنَّا بِاَرْضِ جَوَاسِسُ الْعَدُوِّ فِيهَا كَثِيْرَةٌ فَيَجِبُ اَنْ تَظْهَرَ مِنْ عِزِّ السُّلْطَانِ مَا يَكُوْنُ فِيْهَا عِزًّا اِلَاسْلَامِ وَ اَهْلِهِ وَ نَزْهَبُ هُجْرِهِ -

امیر المؤمنین! ہم ایک ایسی سرزمین میں ہیں جہاں دشمن کے جاسوس ہر وقت کثیر تعداد میں رہتے ہیں لہذا ان کو مرعوب کرنے کے لیے گوندہ کو ظاہری شان و شوکت دکھانا ضروری ہے، اسی میں اسلام اور اہل اسلام کی عزت بھی ہے۔

سیدنا عبدالرحمن ابن عوفؓ بھی وہاں موجود تھے، سیدنا معاویہؓ کے منہ سے یہ حکیمانہ جواب سُنکر سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا امیر المؤمنین! دیکھیے کس احسن طریق سے انہوں نے اپنے آپ کو انعام سے بچایا ہے، امیر المؤمنین نے جواب دیا: اسی لیے تو ہم نے ان کے کاندھوں پر یہ بار گراں ڈالا ہے۔

الابدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵، ۱۲۵، مقدمہ ابن خلدون، التلخیص جلد ۳ ص ۱۵۳

وہ عمر فاروقؓ جو معمولی معمولی باتوں پر گرفت فرماتے تھے ایسی گرفت کہ اس کی مثال تاریخ کے اوراق میں ملتی مشکل ہے، چنانچہ آپ نے ایک دفعہ ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے گورنری سے معزول فرمادیا کہ وہ بچوں سے پیار نہیں کرتا تھا اور آپ نے فرمایا کہ جب تو چھوٹے بچوں سے پیار نہیں کرتا تو اپنی رعایا اور ملک کے ساتھ کیسے شفقت و محبت سے پیش آئے گا، اُس فاروقؓ کا سیدنا معاویہؓ سے اتنی بڑی بات پر مؤاذہ نہ فرمانا بلکہ اُن کے فعل کی تحسین فرمانا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ کو سیدنا معاویہؓ پر ایک خاص قسم کا اعتماد تھا اور آپ اُن کی عقل و فراست کے قائل تھے، اسی لیے ان کی ہر بات کو کسی نہ کسی حکمتِ عملی پر معمول فرماتے تھے بلکہ بقول مصطفیٰؐ ابک: ”جہاں تک سیدنا معاویہؓ کی عقل و فراست کا تعلق ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو سیدنا فاروقؓ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مرمّ شاس خلیفہ نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا،“ (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۶)

سیدنا الفاروقؓ کی عادت تھی بلکہ انتظامِ حکومت کے لیے ایک اصول تھا کہ کسی گورنر یا سپہ سالار کو زیادہ دیر تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے، آپ کے گورنروں میں سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہی وہ واحد شخصیت تھی جن کو آپ نے ایک دفعہ بھی دمشق سے تبدیل نہیں کیا۔ چنانچہ دینی یا انتظامی لحاظ سے آپ میں اگر کوئی نقص ہوتا تو اول تو آپ ان (معاویہؓ) کو بالکل معزول فرما دیتے نہیں تو کم از کم آپ کا تبادلہ تو ضرور فرما دیتے، لیکن آپ نے اپنے ساٹھ تیرہ سالہ دورِ خلافت میں ان کی قدر و منزلت میں اور اضافہ ہی کیا، اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عمر فاروقؓ کے نزدیک کس قدر قابلِ اعتماد تھے اور صرف قابلِ اعتماد ہی نہیں بلکہ اپنی نظری، فکری، علمی اور عملی قابلیتوں کا سکہ بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دل پر جمایا ہوا تھا کیونکہ دمشق جیسے سرحدی علاقے میں جہاں ہر وقت بازنطینی حکومت کے حملہ کا خطرہ ہو صرف اور صرف اس شخص کو اتنے عرصہ تک متعین کیا جاسکتا ہے جس کی ثقاہت اور نظری، فکری، سیاسی قابلیتوں پر غیر معمولی اعتماد اور بھروسہ ہو اور حکومت کے ساتھ اس کی وفاداری میں

ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو، ایسے علاقے میں ایسے آدمی کا تقرر ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا جس کی حکومت اور اسلاک سے وفاداری ذرہ برابر بھی مشکوک ہو۔

پھر سیدنا عمر الفاروقؓ صرف ایسے آدمی ہی کو گورنری کا منصب عطا نہیں فرماتے تھے جو حکومت کے انتظامی اور ترقیاتی امور ہی سے آشنا ہو بلکہ آپ گورنر کی انفرادی، جماعتی، دینی، دنیاوی، اقتصادی اور معاشی زندگی کی باسکیوں پر بھی نگاہ رکھتے تھے، کیونکہ النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں) کے تحت آپ یہ سمجھتے تھے کہ گورنر اور حاکم وقت کی مجموعی زندگی کا اثر پورے معاشرہ پر پڑتا ہے اور رعایا کی پوری زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف اس وجہ سے ایک گورنر کو معزول فرما دیا کہ اس نے بچوں پر نظرِ شفقت نہیں کی تھی اور معزول فرماتے وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”میں نے تم میں قساوت قلبی کے آثار دیکھے ہیں لہذا میں ایسے آدمی کو ایک ثانیہ کیلئے بھی لوگوں پر حاکم نہیں بنا سکتا جس کے قلب میں رحم اور شفقت کی کمی ہو کیونکہ خطرہ ہے کہ اس کی سخت دلی کے اثرات لوگوں کو بھی قاسی القلب بنادیں۔“

خالد بن الولیدؓ کو کون نہیں جانتا، سانِ نبوت نے ان کو سیف من سیدوف اللہ فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۸) غزوہ موتہ، سریہ نجران، سریہ یثرب، نزار کسر، عین التمر، حصید و خنافس، شام، عراق، یرموک، حصن، بیت المقدس کی فتوحات آپ ہی کی مرہونِ منت ہیں، بلکہ مہرتدین کی سرکوبی اور مدعیانِ نبوت کا استیصال تو خصوصی طور پر سارے کا سارا آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ:-

”اِنَّ فَتْوحَ اَهْلِ الْبَرَّةِ كُلِّهَا كَانَتْ لِخَالِدِ بْنِ وَلِيْدٍ وَغَيْرِهِ۔“

ارتداد کی ساری فتوحات خالد بن ولیدؓ کی مرہونِ منت ہیں۔“

(طبری جلد ۳ واقعات ۳۸۸)

قریباً سو اسو لڑائیوں میں آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھلائے اور عجم پر ایک بالشت بھی حقہ ایسا نہیں تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخم سے چھلکی نہ ہوا ہو۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۵)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہایت محبوب سمجھتے تھے، محبوبیت کے لیے سَيِّفٌ مِّنْ سَيِّفِ اللّٰهِ کا لقب ہی کیا کم تھا کہ بھی فرماتے: ”خالد کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کافروں پر کھینچا ہے۔“ (الاصابہ جلد ۲ ص ۹۹)

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور ایک گھاٹی کی طرف سے حضرت خالد بن ولید بھی داخل مکہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ دیکھو وہ کون ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ ”خالد بن ولید“ آپ نے فرمایا: ”یہ خدا کا بندہ بھی کیا خوب ہے“

(مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۶، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۹۴)

ایک مرتبہ بارگاہ رسالت سے سیدنا عمرؓ کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تو ابن جبیلؓ، خالد بن ولیدؓ اور عباس بن عبد المطلبؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: ”ابن جبیل فقیر تھا خدا نے اس کو دولت مند کیا یہ اس کا عوض ہے، لیکن خالدؓ پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو اُس نے اپنا تمام سامان حرب خدا کی راہ میں وقف کر دیا اس پر زکوٰۃ کیسی؟“ رہا عباس بن عبد المطلبؓ کا معاملہ تو اس کا میں ذمہ دار ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ چچا بچائے باپ کے ہے۔“ (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۳)

بہی خالدؓ سیف من سیوف اللہ“ شجاعت اور جان نثاری کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے دُرِّ نشا ہوا، بارگاہ رسالت کے گوہر تابدار اور اپنے زمانے کے نہایت با اثر اور ذی وقار بزرگ، بارگاہ فاروقی سے سپہ سالاری کے منصب سے صرف اسلئے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک قصیدہ کو دس ہزار روپے کی ایک خطیر رقم

بطور انعام دی، سیدنا عمرؓ کو جب پتہ چلا تو آپ نے سپہ سالار اعظم سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو لکھا کہ خالدؓ نے اگر یہ انعام اپنی گرہ سے دیا ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دیا ہے تو خیانت کی ہے، لہذا دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ (الکامل لابن اثیر جلد ۲ ص ۲۱۸)

۲۹۱  
سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہلو ہیں۔ (السلاب جلد ۲ ص ۲۹۱)  
اسلام میں چھٹے یا ساتویں مسلمان ہیں، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۷ ص ۷۷۷ وغر وہ بدر، غزوہ اُحد، فتح مکہ، غزوہ طائف، غزوہ حنین، غزوہ تبوک اور دیگر غزوات کے جانباز مجاہد، عشرہ مبشرہ کے ایک فرد، فاتح ایران، بانی کوفہ، اتنی خصوصیات کے حامل لیکن بتانے والوں نے جب بتایا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی بھی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو گورز رنگ پہنچنے میں کچھ کاوٹ ہوئی ہے یا رکاوٹ ہونے کا اندیشہ ہے، تو آپ نے اسی وقت محمد بن مسلمہ کو بھیجا کہ جا کر ڈیوڑھی کو آگ لگا دیں، چنانچہ محمد بن مسلمہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوفہ پہنچ کر اس ڈیوڑھی کو آگ لگا دی اور سعد بن ابی وقاصؓ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ (کنز العمال جلد ۳ ص ۳۵۵)  
عیاض بن غنمؓ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک حلیل القدر صحابی اور گورز مصر ہیں، دربار خلافت میں شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، اطلاع کا پہنچنا تھا کہ دربار خلافت سے احتساب شروع ہوا، فوراً محمد بن مسلمہ کو تحقیقات کے لیے بھیجا اور حکم ہوا کہ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو عیاض بن غنمؓ کو فوراً دربار خلافت میں پیش کیا جاوے، محمد بن مسلمہ مصر پہنچا اور عیاض ابن غنمؓ کے گھر گئے، دیکھا کہ واقعی دروازہ پر دربان ہے اور عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنے گھر میں بیٹھے ہیں، محمد بن مسلمہ گورز مصر کو اسی ہیئت اور لباس میں لے کر مدینہ طیبہ آئے، سیدنا عمر الفاروقؓ نے اُن کا باریک کرتا اتروایا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے، سیدنا فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے

اس میں عاریکوں، غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے اور احسن طریقہ سے سرانجام دیتے رہے۔

(کتاب الخراج ص ۶۷، طبری جلد ۴ ص ۲۰۷)

سیدنا ابی بن کعبؓ نہایت بلند مرتبہ صحابی اور قرآن کریم کے بہترین ماہر ہیں، بخاری علی فتح الباری جلد ۷، ص ۱۷۱ ایک دفعہ کسی مجلس میں اُسٹے تو کچھ لوگ ادب و تعظیم کی وجہ سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے خلیفہ المسلمین سیدنا فاروق اعظمؓ ادھر آنکے، یہ حالت دیکھ کر آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور ابی بن کعبؓ کو زور سے ایک کوڑا مارا، سیدنا ابیؓ کو بہت تعجب ہوا اور کہا خیر توبہ ہے؟ سیدنا عمرؓ نے فرمایا،

”أَمَا تَرَىٰ فِتْنَةً لِّلْمُتَّبِعِ وَمَدْلَةٌ لِّلتَّابِعِ“۔ (مسند دارمی ص ۷۰)

تجھے معلوم نہیں کہ یہ بات متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت کا

سبب ہے؟

سیدنا عمر فاروقؓ کا اپنے گورنروں کا یہ احتساب اور ان کے اخلاق و عادات کی اس قدر نگرانی صرف اس لیے تھی کہ آپ سمجھتے تھے کہ حاکم اور گورنریں اگر اخلاق اور تدبیر کی چھانک بھر گئی ہوئی تو رعایا میں منوں کے حساب سے کمی واقع ہو جائے گی، اس وجہ سے آپ جب بھی کسی گورنر بنا کر بھیجتے تو گورنر کے سارے فرائض اس کو سمجھاتے، پھر اس سے عہد لیتے کہ وہ:-

(۱) تیر کی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

(۲) باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(۴) دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔

(۵) اور اہل حاجت کے لیے اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۷)

اور پھر پھر جمع میں ان الفاظ میں اس کا اعلان فرماتے:-

”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْهَدُكَ عَلٰی اَمْرٍ اَدَا لِمَصْدا رِ اَتَمَّا بَعَثْتَهُمْ

لِيَعْلَمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ وَأَنْ يَفْقَهُوا بَيْنَهُمْ  
فِيهِمْ وَأَنْ يَعْلَمُوا فَإِنْ أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ رَفَعُوهُ إِلَى

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۴

اے اللہ! میں ان گورنروں کے بارے میں جن کو میں نے مختلف شہروں  
میں مقرر کیا ہے تجھے گواہ بنانا ہوں، اے اللہ! میں نے ان کو اس لیے گورنر  
بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں اور ان کے نبی کی سنت  
کی تعلیم دیں اور فتنے کا مال اُن پر تقسیم کریں اور انصاف کے دامن کو  
ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اگر کسی معاملہ میں اُن کو کوئی مشکل پیش آجائے  
تو میری طرف رجوع کریں۔“

ایک مرتبہ ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس شے کو ان الفاظ میں فرمایا،  
”إِنِّي وَاللَّهِ مَا أَلْعَثُ إِلَيْكُمْ عُتْلَى لِيَضْرِبُوا أَبْشَارَكُمْ وَلَا يَأْخُذُوا  
مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنِّي أَعْتَصِمُ إِلَيْكُمْ لِيَعْلَمُوكُمْ دِينَكُمْ وَ  
سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ فَمَنْ فَعَلَ بِهِ سِوَايَ ذَلِكَ فَلْيَرْفَعْهُ إِلَى  
قَوَائِدِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَقْصَتْهُ مِنْهُ“۔

مجھ میں نے اپنے گورنروں کو اس لیے نہیں بھیجا ہے کہ وہ تم کواریں  
پیٹیں اور نہ اس لیے کہ تمہارے مال چھینیں بلکہ میں نے ان کو اسلئے  
بھیجا ہے کہ تمہیں تمہارا دین اور نبی کی سنت سکھائیں، جس کسی کے ساتھ اس  
کے خلاف عمل کیا گیا ہو وہ مجھ سے اس کی شکایت کرے، قسم ہے اُس ذات  
کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں اُس سے ضرور بدلہ لوں گا۔“

اس پر پھر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاصؓ نے اُٹھ کر کہا کہ ”حضرت اگر کوئی  
شخص مسلمانوں کا گورنر ہو اور تادیب کی غرض سے کسی کو پیٹے تو کیا آپ اُس سے بھی  
بدلہ لیں گے؟“ سیدنا عمرؓ نے فرمایا ”ہاں مجھ میں اُس سے بھی بدلہ لوں گا کیونکہ میں  
نے خود سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا



ہے۔ کتاب الخراج لقاضی ابویوسف ص ۹۶، الکامل ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۳،  
مسند ابی داؤد طبہا سی حدیث ۵۵، طبری جلد ۳ صفحہ ۲۷۳

سیدنا عمرؓ کے ان کلمات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ گورنروں کو  
بھیجتے ہی صرف اس لیے تھے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا دین اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی سنت کی تعلیم دیں، ان میں اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پیدا کریں۔ اگر اس بارہ  
میں کسی میں کوئی کمی محسوس فرماتے تو اس پر احتساب فرماتے، جیسا کہ گزشتہ صفات  
کے واقعات اس پر شاہد و ناظر ہیں، یہی وجہ تھی کہ آپؐ کے عمالِ سنتِ نبوی کے  
اتباع میں اپنی مثال آپ تھے۔

اب سیدنا فاروقؓ جیسے مقتصد اور سنتِ نبوی کا لحاظ رکھنے والے خلیفہ راشد  
کا سیدنا معاویہؓ کو دمشق کا گورنر بنانا اور ان کو اپنی پوری مدتِ خلافت بغیر کسی احتساب  
کے وہاں برقرار رکھنا اس بات کی تین دلیل ہے کہ وہ تدبیر، تقویٰ اور سنتِ نبوی کی  
پیروی میں ایک بہت بڑے مقام کے حامل تھے اور صرف خود ہی سنتِ نبوی کے  
عاشق نہ تھے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس معاملہ میں روشنی کا مینار تھے، اسی لیے  
سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل شام سے فرمایا کرتے تھے :-

”مَا دَأَيْتُ أَحَدًا أَشْبَهَ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِمْلَائِكُمْ هَذَا يَعْنِي مُعَاوِيَةَ (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵)

میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ جس

کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ ہو۔“

سیدنا فاروقؓ اعظمؓ نے جب حضرت عیڑ کو حص کی گورنری سے معزول  
فرما کر سیدنا معاویہؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر فرما دیا تو کچھ لوگوں نے حضرت عیڑؓ کے  
سامنے حضرت معاویہؓ کے متعلق بعض بے جا باتیں کیں، ان کے جواب میں حضرت عیڑؓ نے فرمایا:-

”كَأَنَّكُمْ وَامْعَاوِيَةَ إِلَّا بِعِيْرِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللَّهُمَّ اهْدِنِي - (ترمذی جلد ۲، البیہ و التہایہ جلد ۸، ص ۱۲۵)

التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۸)۔

معاویہ کی بات اگر کرنی ہے تو اچھائی اور خیر سے کرو کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سنا ہے کہ اے اللہ! معاویہ کو ذریعہ ہدایت بنا۔“ علامہ ابن کثیرؒ نے اسی طرح کی ایک روایت سیدنا فاروق اعظمؓ سے بھی نقل فرمائی ہے کہ جب ان کے پاس سیدنا معاویہؓ پر کچھ تنقید کی گئی اور بعض لوگوں نے ایہ اعتراض کیا کہ معاویہؓ فوجوان ہیں اور غیر تجربہ کار اور فنی پختگی کے مالک ہیں اس پر آپؐ نے اُن کے اعتراضات کا ان الفاظ میں جواب دیا کہ:-

”معاویہؓ کا ذکر جس نے بھی کرنا ہو وہ اچھے طریقے سے کرے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے سنا کہ اے اللہ! معاویہ کو ہدایت کا ذریعہ بنا۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ:-

”اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دے اور ہدایت کا ذریعہ بھی بنا۔“

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ ص ۱۲۲)

محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ”الفاروق“ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا شریحیل بن حسنہؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ پر سیدنا معاویہؓ کو مقرر فرمادیا تو جب امیر المؤمنین سے سیدنا شریحیل بن حسنہؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپؓ نے فرمایا:-

”میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ ایسے معزول کیا

ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی۔“ (الفاروق جلد ۱ ص ۲۹)

شریحیل بن حسنہؓ کی معزولی کے بعد شام کا پورا صوبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت آگیا۔ الفاروق جلد ۱ ص ۳۰ اور ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۶۳)

حافظ ذہبیؒ نے اسماعیل بن امیہ سے نقل کیا ہے کہ:-

”ان عمرا فرد معاویہ بالشام و رزقہ فی کل شہر ثمانین دیناراً  
سیدنا عمرؓ نے شام کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے تحت کر دیا اور ۸۰  
دینار ماہانہ مشاہرہ مقرر فرمایا۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۱۹)  
ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت سے بہت  
متاثر تھے اور آپ کی علمی اور فکری صلاحیتوں کا آپ کو اعتراف تھا، چنانچہ آپ  
اکثر فرمایا کرتے تھے :-

”جب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں  
قیصر و کسریٰ کی زیر کی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

(الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۲، طبری جلد ۶ ص ۱۴۲، تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۳۲۴)  
ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ کے سامنے کسی نے  
کچھ نازیبا الفاظ کہے، آپ نے فرمایا :-

”دعونا عن ذم فتی قریش من یضعک فی القضب ولا ینال  
ماعدہ علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق رأسہ الا من تحت قدیمیہ۔  
(إزالة الخفا ج ۲ ص ۵۷، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۴)

قریش کے اس نوجوان کی برائی سے ہمیں معاف رکھو یہ نوجوان ایسا ہے  
کہ غصہ میں ہنستا ہے اور سولے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں  
کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے  
ہی سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی عزت و تکریم کے ساتھ۔“

اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے  
ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابت رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و  
انتشار سے منع فرمایا۔ (الاصابہ جلد ۶ ص ۱۱۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۸)

علاوہ ازیں تاریخ کی کتابوں میں اس قسم کے دسیوں حوالہ جات ملتے ہیں جن  
میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا معاویہؓ کی تعریف فرمائی ہے اور اسی وجہ سے آپؓ

انہیں یزید بن ابی سفیان کے بعد شام کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔  
 جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ اپنی نظری، فکری اور علمی اور عملی قابلیتوں کی بدولت  
 جلد ہی اپنے معاصرین صحابہؓ کی نگاہ میں انتہائی بلند مقام حاصل کر چکے تھے اور صحابہؓ  
 میں سے کوئی شخص بھی آپ کے متعلق کسی قسم کا برا خیال نہ رکھتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ سیدنا  
 علیؓ اور سیدنا حسن بن علیؓ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خیالات آپ کے  
 متعلق نہایت اعلیٰ تھے، کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نکالنا تو درکنار حاشیہ خیال میں  
 بھی نہ لانے تھے جس سے ذرہ برابر بھی ان کی تقیص کا اظہار ہوتا ہو بلکہ سیدنا حسنؓ  
 نے توان کے ہاتھ پر بیعت کر کے قیامت تک آنے والوں کو آپ کے مقام و  
 احترام سے آگاہ کر دیا۔ حضرت علیؓ کے چچا زاد بھائی اور ترجمان القرآن سیدنا  
 عبد اللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

”مَا لَيْتُ أَحَدًا أَلِيقَ مِنْ إِعْطَافِ مُعَاوِيَةَ بِالرِّيَاسَةِ وَالْمَلِكِ (نَفَرًا)

میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کوئی لائق  
 نہیں دیکھا۔“

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جذبات کو  
 ان الفاظ کا جامہ پہنایا ہے:-

”مَا رَأَيْتُ رَجُلًا اخْلُقَ بِالْمَلِكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ.

میں نے سیدنا معاویہؓ سے زیادہ بادشاہی کے لائق کسی کو نہیں دیکھا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۳۲۷،

طبری جلد ۵ ص ۳۳۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۳، احصابہ جلد ۳ ص ۱۳۳)

اس قسم کی رائے سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کی آپ کے متعلق  
 تھی، ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت فاروقی میں سیدنا معاویہ ایک  
 نہایت اہم مقام کے حامل تھے اور آپ کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدنا عمرؓ نے  
 آپ کو دمشق کی گورنری کے عہدہ پر تعین فرمایا تھا اور لڑکی مدت خلافت ان کو وہیں رکھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارہ میں خود اپنا بیان کافی و وافی ہے  
چنانچہ فرماتے ہیں :-

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان معصوماً فوقاً فی  
فادخل فی امری ثم استخلف ابی بکر فوقاً فی ثم استخلف عمر  
فوقاً فی ثم استخلف عثمان فوقاً فی فلما ال لاحد منهم ولم  
یولنی الا وهو مراض عنی۔ (طبری جلد ۳ ص ۳۶۳)  
بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انہوں نے مجھے والی اور  
حاکم بنایا اور اپنے کام میں شامل فرمایا پھر ابوبکر خلیفہ ہوئے انہوں  
نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے بھی مجھے حاکم  
بنایا پھر عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی مجھے والی بنایا پس ان میں سے  
جس کے لیے بھی حاکم بنا اور جس نے بھی مجھے حاکم بنایا وہ سب مجھ سے  
راضی رہے“

## عہد عثمانی اور سیدنا معاویہؓ

جس شخصیت کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا  
فاروق اعظمؓ اپنی خصوصی نوازشات سے نوازیں اور اس کے حق میں دعائیں فرمائیں  
کبھی عکبر دار شکر بنائیں تو کبھی گورنر اور والی کے منصب پر بٹھائیں تو بھلا یہ کیسے ہو  
سکتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ اس پر نظرِ شفقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ  
میں تو صرف دمشق کا علاقہ آپ کے زیرِ حکومت تھا لیکن سیدنا عثمانؓ نے ان کی  
علمی اور فکری صلاحیتوں کے پیشِ نظر شام، فلسطین، اردن اور لبنان وغیرہ کا پورا  
علاقہ ان کے تصرف میں دیدیا۔

۲۲ھ میں سیدنا عمرؓ کی شہادت ہوئی، ۲۳ھ میں اہل روم نے ایک عظیم الشان

لشکر مسلمانوں پر حملے کے لیے تیار کیا، سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سیدنا عثمانؓ کو مطلع کیا اور معاونت کی درخواست کی، امیر المومنینؓ نے کوخہ کے حاکم ولید بن عقیقہؓ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ شام کے مسلمانوں کی امداد کے لیے آٹھ ہزار کا ایک لشکر کسی بہادر اور امانتدار آدمی کی قیادت میں بھیجیں۔ چنانچہ ولید بن عقیقہؓ نے مرکز کے حکم کی تعمیل کی اور آٹھ ہزار مجاہدین کا ایک لشکر سلمان بن ربیعہ کی زیر قیادت شام روانہ کیا، شام کے لشکر کے امیر حبیب بن مسلمہ القہری تھے، ان دونوں لشکروں نے اکٹھے ہو کر بلادِ روم پر حملہ کیا اور دشمن کو شکست فاش دی، متعدد قلعے اپنی تحویل میں لیے، بہت سے لوگوں کو قیدی بنایا اور بہت سامانِ غنیمت حاصل کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۵۱، ابن خلدون جلد ۲، ص ۱۰۱)

بلادِ روم کے کچھ علاقے سردیوں کے موسم میں سخت سردی کی لپیٹ میں ہوتے تھے، اس موسم میں ان پر حملہ کرنا سخت مشکل ہوتا تھا، اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے موسمِ گرما میں ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے مجاہدینِ اسلام کے لشکر بھیجے، ان غزوات کو تاریخ میں ”الصائفہ“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان سرد علاقوں میں سردیوں کے موسم میں لڑائی بند کر دی جاتی اور موسمِ گرما میں مجاہدین کو ان علاقوں میں پھر روانہ کر دیا جاتا، ان غزوات میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بہت سامانِ غنیمت حاصل ہوا بلکہ بعض مؤرخین کے بقول مجاہدینِ اسلام بلادِ روم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرس کے قلعوں کو خالی پا کر اپنے لشکر وہاں جمع کر دیئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۵۱، ابن خلدون جلد ۲، ص ۱۰۱)

گویا ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب اور رومی قلعوں پر بھی آپ نے قبضہ کر لیا اور پھر قبرص پر بحری حملہ کرنے کے لیے بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت امیر المومنینؓ سے طلب کی اور قبرص کی فتح کے بعد غلٹائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے۔

قبرص جس کو آج کل سائپرس بھی کہتے ہیں بحیرہ روم میں شام کے قریب ایک نہایت

خوبصورت اور زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مہر اور شام کی فتح کا دروازہ ہے، اس مقام کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ مصر و شام بحراب تک مسلمانوں کے زیر نگین ہو چکے تھے کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی رومیوں کا خطرہ دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اس لیے سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ ہی سے آپ کی اس زرخیز، حسین اور اہم جزیرہ پر نظر تھی اور اس زمانہ میں بھی آپ نے سیدنا فاروق اعظمؓ سے اس پر فوج کشی کی اجازت بھی طلب کی تھی مگر بعض وجوہات کی بناء پر آپ کو اجازت نہ دی گئی مگر میں بڑی وجہ یہ تھی کہ سیدنا فاروق اعظمؓ بڑی جنگوں ہی میں بہت زیادہ مصروف تھے اس لیے آپ بحری لڑائی کا نیا محاذ نہیں کھولنا چاہتے تھے۔ آخر اللہ جل میں سیدنا معاویہؓ نے پھر سیدنا عثمانؓ کو داما در رسولؐ سے اہرام کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی، سیدنا عثمانؓ نے بحری جنگوں کو ذرا خوفناک تصور کرتے تھے کیونکہ مسلمانوں کو اس سے قبل اس کا تجربہ نہیں تھا، لیکن آپ سیدنا معاویہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو اطمینان دلایا کہ بحری جنگ اس قدر خوفناک نہیں ہے جس قدر اس کو خوفناک سمجھا جاتا ہے۔ جواب میں سیدنا عثمانؓ نے تحریر فرمایا کہ اگر تمہارا بیان درست ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، لیکن اس ہم میں صرف اسی شخص کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی اور رضا سے شرکت کرے۔ دربار خلافت سے اجازت ملے ہی آپ نے بحریہ کی تشکیل کی اور پانچ سو جہازوں کا ایک بحری بیڑہ مرتب کیا اور عبداللہ بن قیس حارثیؓ کی قیادت میں اس کو قبرص کی فتح کے لیے روانہ کیا، یہ اسلامی بیڑہ صبح اور سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا لیکن چند روز بعد اس بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن قیسؓ ناگہانی طور پر شہید ہو گئے، ان کی شہادت کے بعد سفیان بن عوف ازدیؓ نے حکم سمجھا لیا کہ اہل قبرص کو زیر کیا جس پر اہل قبرص نے مندرجہ ذیل شرائط پیش کر لی :-

- (۱) اہل قبرص ۷ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔
- (۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳۱) بحری جنگوں میں اہل قبرص اسلام کے دشمنوں کی نقل و حرکت سے ان کو مطلع کرتے رہیں گے۔ (الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۷، فتح الباری جلد ۶ ص ۶۷، فتوح البلدان فتح قبرص)

ابن الاثیر اور خلیفہ بن خلیاٹ نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ نے بذاتِ خود مع اپنی اہلیہ فاختہ بنت قرظہ کے بھی حصہ لیا اور سیدنا ابوذرؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا عبادہ بن الصامتؓ اور ان کی اہلیہ ام حرامؓ نے بھی شرکت کی تاکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق ہو سکیں جس میں آپؐ نے اس لشکر کے لیے جنت کے واجب ہونے کی بشارت دی تھی۔

زنا تاریخ خلیفہ بن خلیاٹ جلد ۱ ص ۱۳۵، الاصابہ جلد ۴ ص ۶۲، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۳، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۶۲)

اہل قبرص کچھ دنوں تک تو اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ میں یعنی ۵ سال بعد انہوں نے اہل اسلام کے خلاف رومی بحریہ کی مدد کی لہذا سیدنا معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا اور اسلامی سلطنت کے ممالکِ محروسہ میں شامل کر لیا اور اعلان کر دیا کہ مستقبل میں یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۷)

اسی دوران مسلمانوں کو ایک عظیم الشان بحری جنگ لڑنا پڑی۔ ہوا یہ کہ ۳۳ھ میں قیصرِ روم قسطنطین نے ایک بہت بڑا جنگی بیڑا جس میں قریباً پانچ سو جہاز تھے، سواحلِ شام پر حملہ کے لیے بھیجا، اس بیڑے کی قیادت خود قیصرِ روم کر رہا تھا۔ سیدنا معاویہؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ بھی بذاتِ خود اس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، بحریہ کی کمان عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کے ہاتھ میں تھی۔ سمندر پر جب دونوں فوجوں کا آمناسا منا ہوا تو مسلمانوں نے تجویز پیش کی کہ دونوں فوجیں ساحلِ سمندر پر اتر کر لڑیں لیکن رومیوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہم سطحِ سمندر پر ہی لڑیں گے، اس پر مسلمانوں کے امیر البحر نے اپنے کل جہاز ایک دو کسے سے باندھ دیئے اور



ان کو دشمن کے قریب لے جا کر حملہ کر دیا، فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی، یہاں تک کہ کشتوں کا خون ساحل تک بہتا ہوا نظر آیا اور خون کی سُرخ پانی پر غالب آگئی، بیمار رومی مائے گئے اور مسلمان بھی بہت شہید ہوئے لیکن ان کے عزم و استقلال نے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت قلیل تعداد زندہ بچی، خود قسطنطین اس معرکہ میں شدید زخمی ہوا اور اہل اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ اس لڑائی کا اثر یہ ہوا کہ اہل روم کو کچھ کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، عثمان بن عفانؓ از عربون ۲۱۶، ۲۱۷

بحرہ کی یہ فتح سیاسی اور عسکری لحاظ سے نہایت اہم تھی، اس سے :-

(۱) ایک تو مسلمانوں کی بحریہ وجود میں آگئی۔

(۲) یہ کہ بحری جنگوں کیلئے اہل اسلام کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔

(۳) مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ کی فتح جس پر حملہ کرنے کے لیے سارا نبوت بڑی بڑی

بشارتیں دی تھیں، کا فتح کرنا بہت آسان ہو گیا اور مسلمانوں کا محاذ قسطنطنیہ کے بالکل قریب ہو گیا جس سے دشمن پر رعب طاری ہو گیا۔

اس بحری جہاد کا نقشہ اس سے قبل حضورؐ اور سرکارِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو خواب میں دکھلایا گیا تھا اور آپؐ نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی، چنانچہ حدیث

میں ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کے گھر پر

کھانا تناول فرما کر استراحت فرمانے لگے، سیدنا عبادہؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حرامؓ نے

آپؐ کا سر مبارک دیکھنا شروع کیا، اسی اثنا میں آپؐ کو نیند آگئی، تھوڑی دیر بعد

سیدہ ام حرامؓ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے

ہیں، ام حرامؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ :-

لے اس جنگ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب سیدنا عثمانؓ اور کردارِ جلال میں بیان کی ہے۔

لے یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحابہ وسلم کی رضائی حالت تھیں۔

”میں نے ایک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے سوار ہیں“

حضرت اُم حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں، آپؐ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرمایا، کچھ دیر بعد آپؐ پھر سکر اتے ارادہ ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

زرقانی جلد ۶۶، اصابعہ جلد ۸ ص ۲۲، بخاری جلد ۱ ص ۳۹ و جلد ۲ ص ۹۲۹، مسلم جلد ۲ ص ۱۲۱، ابوداؤد علیٰ عون البیہود جلد ۲ ص ۳۱، نسائی جلد ۲ ص ۵۳، ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۲)

بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

”أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَعْرَ قَدْ أَوْجِبُوا لِي بَخَارِي جلد ۱ ص ۴۰، ۴۱“

میری امت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس پر جنت واجب ہوگی۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سب سے پہلا لشکر جس نے ۲۸ھ میں قبرص کو فتح کیا تھا سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا لیکن عمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۶۵، ۱۶۶ اور اسی میں سیدہ ام حرامؓ بھی شریک لشکر تھیں جو کہ واپس

لے علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وكان امير ذلك الجيش معاوية بن ابي سفيان في خلافة عثمان و

معه ابوذر و ابوالدرداء وغيرهما من الصحابة و ذلك سنة

سبع و عشرين - (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷۵)

اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے اور یہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت

میں سر ہوئی اور ان کے ساتھ اس مہم میں حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ صحابی

رسول شامل تھے، اور یہ واقعہ ۲۸ھ میں پیش آیا۔

۳۹۱

ایک خچر پر سوار ہوتے وقت گر پڑیں اور وہیں انتقال فرما گئیں۔ (صحیح بخاری جلد ۱،  
ارشاد الساری شرح بخاری جلد ۵ ص ۵۷۱، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۱)

اس جنگ کے سن میں اختلاف ہے، ابن جریر نے ۲۸ھ بتایا ہے، واقدی نے  
۲۸ھ نقل کیا ہے، اور ابو معشر نے ۲۳ھ بیان کیا۔ (یعنی جلد ۱ ص ۱۹۸) لیکن صحیح  
۲۸ھ ہی ہے، ابو معشر سے شاید سہو ہو گیا ہے کیونکہ ۲۳ھ میں سیدنا معاویہؓ نے  
قبرص پر دوسری بار حملہ کیا تھا اور انہوں نے شاید اسی کو پہلا حملہ سمجھ لیا ہے۔  
اس جنگ کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

اس لحاظ سے سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ سب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بحریہ کی  
تشکیل کی اور بحری بیڑہ قائم کیا جس کی وجہ سے بحر روم مسلمانوں کا بادی گاہ بن گیا۔  
(فتوح البلدان للبلاذری ص ۱۶) اور مسلمانوں کے لیے آئندہ بحری مہموں کا راستہ کھل گیا۔  
اسی زمانہ میں سیدنا معاویہؓ نے شام میں بحیرہ روم کے ساحل پر اور انطاکیہ سے لیکر طرس  
تک فوجی نوآبادیاں قائم کیں۔ (اکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۲) جس سے ایک تو اسلامی  
حکومت کے دفاع کو بہت فائدہ پہنچا اور دوسرے سلطان دود دراز علاقوں تک  
پھیل گئے جس سے اسلام کی اشاعت کے کام کو کافی تقویت پہنچی اور بحروبر میں  
اسلام کے چرچے ہونے لگے۔



## فتنہ عظیمہ اور سانحہ عظیمہ

جس طرح خلافت فاروقی ہر لحاظ سے ایک کامیاب خلافت تھی اسی طرح خلافت عثمانی بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عبداللہ بن ابی سرحؓ، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور دیگر اکابر صحابہ کے باہمی اتحاد و یگانگت سے خلافت اسلامیہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوئی، ملکی حدود و نفوذ روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہے تھے، بحریہ کے وجود میں آنے سے سمندر پار کے علاقے مسلمانوں کی دسترس میں آ گئے اور افریقہ، یورپ اور ہندستان کی سرحدوں پر بھی مسلمانوں کے گھوڑے پہنچانے لگے، ہمسکارسارا علاقہ اسلامی مقبوضات میں شامل ہو گیا۔ طرابلس، قبرص، خراسان، طخارستان، اسپین، طالقان، قاریاب، جوخان، بختان، ہرات، کابل، نیشاپور، بست، اشبندورخ، خواف، امیرائن، ارغیان اور خرس وغیرہ کے علاقے مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی زیادتی، تجارت اور زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے ملک میں فارغ البالی، تمول اور عیش و تنعم کو عام کر دیا یہاں تک کہ بعض صحابہ آیام رسالت کی سادگی کو یاد کر کے اور اس زمانہ کے سامانِ عیش، ثروت اور تمول کو دیکھ کر حدیثِ نمکین ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ جو اپنی سادگی اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے مسیح الاسلام تھے، مسلمانوں کی اس حالت سے نہایت پریشان اور نمکین تھے، آپ اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں۔

خلافت اسلام عناصر کو اسلام کی بیہ روز افروں ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لہذا انہوں نے اسلام اور خلافت اسلامیہ کے خلاف خفیہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، گورنروں کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، خود امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرنے

کی کوششیں شروع ہوئیں تو اندرون ملک ایک منظم جماعت عبداللہ بن سباؓ کی قیادت میں کام کرنے لگی اور کوفہ، مہر، شام اور خود دار خلافت میں امیر المومنین اور ان کے گورنروں کو مختلف اعتراضات کا ہدف بنایا جانے لگا۔

اسے یہ شخص ملک بن کاہنہ والا یہودی تھا، ۶۵ھ میں بظاہر اسلام کو قبول کر لیا لیکن اندر سے اسلام کا نہایت سخت دشمن تھا، اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے، یہ شخص اسلام کیلئے مارآستین ثابت ہوا اور بانی اسلام اور اہل اسلام سے اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لینے لگا جن کو نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کی پاک سرزمین سے جلا وطن کیا تھا اور بعد میں سیدنا عمر الفاروقؓ نے ان کو عرب ہی کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا، لہذا اُس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور مسلمانوں کے اندر ایسی باتیں پھیلانا شروع کر دیں جو کہ اسلامی اصولوں کے سراسر منافی تھیں مثلاً امامت علیؓ کی فرضیت کا اعلان (خلافت بلا فصل) اصحاب ثلاثہ کی تنقیص اور ان پر تبرا وغیرہ۔

چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استرآبادی اپنی تصنیف ”منہج المقال“ میں لکھتے ہیں :-  
 فانظر والی عبارة المتشی ذکر بعض اهل العلم ان عبد الله بن سبا كان يهوديا واسلم والی علیاً وكان يقول علی یهودیته وصی بالقول فقال بعد اسلامه بعد وفاقا رسول الله صلى الله عليه وسلم فی علی مثل ذلك فكان من اشهر بالقول بفرض امامة علی علیه السلام البرأة من اعدائه وكان مخالفیه واكفرهم فمن ههنا قال مخالف الشيعة اهل التشيع والرفض من اليهودية -

عبارت کشتی دیکھو، بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اسلام لایا اور سبنا علی کا عیب بنا، وہ اپنے یہودیت کے زمانہ میں یوشع وصی ہوئی کی نسبت غلو کرتا تھا پھر اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے فرضیت امامت علیؓ کا اعلان کیا اور ان کے اعداء سے تبرا کیا، وہ سیدنا علیؓ کے مخالفین کو برا کہتا اور ان کو (بغیہ ما شیعہ) اگلے صفحہ پر۔

عبداللہ بن سبا ہی دراصل اس پوری تحریک کا بانی تھا اور اسی نے اپنی تیراکیوں  
سازشہ قوت سے مختلف انجیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا تھا اور خود پوری  
تحریک کے قائد کی حیثیت سے خلافت اسلامیہ میں امیر المومنین اور ان کے گورنروں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) کا فرقرار دیتا تھا، یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رض کی  
اصل بنیاد یہودیت ہے ایسا ہی "تاریخ الاسلام" ایسا ہی جلد ۲۴/۳۵ پر لکھا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے بھی اپنی تاریخ میں عبداللہ بن سبا کے بارہ میں لکھ لے کر۔

اصلة من اهل اليمن وكان يهودياً من امة سوداء فاطهر  
الاسلام وطاف بلاد المسلمين ليلفتهم عن طاعة الائمة ولبقى  
بينهم النشرو كان يداؤلاً بالحجاز ثم بالبصرة ثم بالكوفة ثم  
دخل دمشق أيام عثمان بن عفان فلحقه يقرى على ما يريد عند من

اهل الشام فاخرجوه حتى اتى مصر

عبداللہ بن سبا اصل میں بن کا یہودی تھا اور سودا قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اُس نے ظاہری  
طور پر اسلام قبول کر لیا اور مملکت اسلامیہ میں اس نے اس غرض سے دور کیا تاکہ لوگوں کو خلفاء کی  
اطاعت سے گریزاں کیا جائے اور ان کے مابین شروفساد کا بیج بویا جائے چنانچہ اس نے اپنا س مشن  
کو حجاز سے شروع کیا پھر وہ بصرہ اور کوفہ گیا پھر دمشق میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت  
میں وارد ہوا لیکن اہل شام سے جو کچھ وہ چاہتا تھا حاصل نہ کر سکا، چنانچہ اہل شام نے اس کو نکال  
دیا اور وہ مصر چلا گیا، (اساتذہ الکبریٰ ابن عساکر جلد ۷ ص ۳۲۸)

(تفصیل کیلئے دیکھو تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳،

کے خلاف سازشوں کا ایک خفیہ جال پھیلانا شروع کیا اور ان پر فطرتاً ہی لگا کر لوگوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۲۷ ص ۲۳۷)

## مخالفت کا پس منظر

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو علماء یہود و خاص طور پر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مختلف قسم کے سوالات کیے، وہ لوگ اس بات سے بخوبی آشنا تھے کہ جس نبی کی بشارتیں ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہیں وہ مستقبل قریب میں سرزمین بطنی میں مبعوث ہونے والا ہے، وہ آئے دن مدینہ کے لوگوں سے یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ اگرچہ ہم لوگ یہاں اقلیت میں ہیں اور کئے روز تمہاری اکثریت ہمارے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کر رہی ہے لیکن مختصر قریب جب وہ نبی آخر الزمان دُعاے خلیل اور توبہ میسا اس سرزمین

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) وغیرہ سے نکلے ہوئے یہودی جو اسلام کی شوکت متاثر ہو کر بظاہر اسلام لاپکے تھے اس کے ساتھ مل گئے دوسری طرف اہل حرم جن کی سلطنت کی سیدنا عمر فاروقؓ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، اسلام کے خلاف دلی کدورت رکھتے تھے وہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اس طرح ساس بانی گروہ نے اسلام میں فتنہ برپا کرنے کے لیے اندرون ملک سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اُس کے اس پروپگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے سادہ دل مسلمان بھی متاثر ہو کر عارضی طور پر اس سے مل گئے لیکن بعد میں اس گروہ کی حقیقت کھلنے پر اس سے الگ ہو گئے۔

مختصص یہ کہ عبداللہ بن سباؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نقل تھا بلکہ سازشوں میں تو اُس کے بھی کان کڑتا تھا۔

عبداللہ بن سباؓ یہودی کے بارہ میں تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمانؓ“ شخصیت اور کردار“

جلد اول میں بیان کر دی ہے۔

میں مبعوث ہوں گے تو ہم ان کا اتباع کر کے تمہاری اشریت پر غالب آجائیں گے اور اپنے وہ سب حقوق تم سے واپس لے لیں گے جو تم نے ناجائز ہم سے چھینے ہیں بلکہ جس طرح اب ہم تمہارے زیر دست ہیں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے زیر دست ہو گے اور جس طرح ہم آج تمہارے در یوزہ گریں اسی طرح اُس وقت تم ہمارے در یوزہ گم ہو گے یہود کی آئے دن کی ان باتوں سے مدینہ کے لوگ بھی نبی آخر الزمان سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے ایک سال بعد نذر ج قبیلہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپ کو دیکھ کر اور آپ کے قرآن کی تلاوت سے متاثر ہو کر وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ بخدا یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر یہود ہم سے کیا کرتے ہیں چنانچہ وہ چھ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے آپ کی علامات اور آپ کا تذکرہ علمائے یہود سے سنا تھا جن کی بنا پر ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے اب ہم مدینہ پہنچ کر ان سے بھی آپ کا تذکرہ کریں گے اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو پھر وہ اور ہم متحد ہو کر آپ کا ساتھ دیں گے۔

فتح الباری جلد ۱، ص ۱۵۷، زرقانی جلد ۱، ص ۳۱، شیراز بن ہاشم جلد ۱، ص ۱۵۷، البیہقی جلد ۱، ص ۱۵۷

جب یہ لوگ مدینہ منورہ واپس پہنچے اور انہوں نے علمائے یہود سے اس بات کا تذکرہ کیا تو وہ لوگ جو قبائل مدینہ سے پہلے ایمان لانے کے بارہ میں سبقت لے جانا چاہتے تھے اب بالکل انکار پر نکل گئے اور انصار مدینہ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی مخالفت کرتی شروع کر دی۔

دو سال بعد جب جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علمائے یہود اجتماعی اور انفرادی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور جن کے نصیبہ نے ان کی یاوری کی وہ دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے اور محروم القسمت یک تم ہی دامن رہے۔

تہی دستان قسمت را چہ سودا ز رہبر کامل  
بچوں خضر از آپ حیوان تشنہ می آرد سکندر را



چنانچہ حضرت عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری کی خبر سنا کر  
صرف آپ کو دیکھنے آئے لیکن فرماتے ہیں:-

فلما رأیت وجہہ عرفت ان وجہہ لیس بوجہ کذاب۔  
جب میں نے آپ کا روئے مبارک دیکھا تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ بیچرو  
چھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھو: البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۳ ص ۳۱۲، ۳۱۳،  
عیون الاثر لابن سید الناس جلد ۲)

اسی طرح یہود کے سردار حمی ابن اخطب کا بھائی ابویاسر آپ کی خدمت  
میں حاضر ہوا اور آپ کا کلام سن کر جب واپس گیا تو اپنی قوم سے کہنے لگا،  
اطیعونی فانا ہذا النبی الذی کنا منتظر۔  
میرا کہا مانو کیونکہ یہ وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے۔

لیکن حمی ابن اخطب نے اس کی مخالفت کی اور قوم یہود نے بھی حمی ابن اخطب  
کا اتباع کیا اور ابویاسر کے کہنے کو نہ مانا اور ایمان کی دولت سے بھی دست رہے۔  
(فتح الباری جلد ۷ ص ۲۲۰)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

ان اقل من اتاہ منہم ابویاسر بن اخطب۔

ابویاسر بن اخطب سب سے پہلا آدمی تھا جو علماء یہود میں سے آپ  
کی خدمت میں حاضر ہوا۔

## یہود مدینہ کی مخالفت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ تشریف لانے پر اگرچہ یہودی علماء  
آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی، اکثریت نے معاندانہ رویہ

اختیار کیا اور آپ کے خلاف خفیہ طور پر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت اور عناد میں زیادتی کا سہو باب کرنے کے لیے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ مرتب کیا جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۲۲ اور سیر ابن ہشام جلد ۱ ص ۱ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ معاہدہ آپ نے یہود کے تین قبیلوں سے کیا جن کے نام یہ ہیں:

(۱) بنی قینقاع (۲) بنو نضیر اور (۳) بنی قریظہ

یہ قبائل یہود کے بڑے قبیلے تھے اور مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہتے تھے ان قبیلوں نے آپ پر ایمان لانے سے گریز کیا لہذا آپ نے ان سے یہ معاہدہ کیا تاکہ وہ فتنہ و فساد کی آگ نہ بھڑکاسکیں، لیکن حالات کے شب و روز نے یہود کو اس معاہدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور ان تینوں قبیلوں نے یکے بعد دیگرے اس معاہدے کو توڑا چنانچہ سب سے پہلے بنی قینقاع نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑائیں، شوال ۳ھ میں آپ نے ابولہبابہ بن عبدالمذر انصاریؓ کی زیر قیادت ایک مختصر سا لشکر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے، ابن عبدالمذر انصاریؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا آخر سولہ روز کے محاصرہ کے بعد وہ قلعہ سے باہر آ گئے، اہل انصارین عبد اللہ بن ابی کی عاجزانہ اپیل پر ان کو قتل تو نہ کیا گیا لیکن جلاوطن کر دیا گیا۔ (تفصیل کیلئے دیکھو البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۲۲ زرقانی جلد ۱ ص ۱۷۱، ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۲۲ وغیرہ)۔

دفعہ الاول ۳ھ میں بنو نضیر نے بھی آپ کے قتل کی سازش کر کے اس معاہدہ

کو توڑا، ان لوگوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبیلہ میں بلوا کر ایک دیوار کے نیچے بٹھائیں اور اوپر سے ایک آدمی ایک بڑا سا پتھر اڑھکا دے جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہو جائیں، چنانچہ اس خفیہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیت کے سلسلہ میں اپنے قبیلہ میں بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا عبد الرحمن بن عوف، سیدنا زبیر بن العوام اور سیدنا طلحہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہم کی معیت میں

وہاں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے سایہ تلے بیٹھ گئے لیکن بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد آپ کو حق تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودی کی اس سازش سے مطلع فرمادیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر واپس مدینہ تشریف لائے۔

بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ کا عامل مقرر فرما کر بنو نضیر کا محاصرہ کیا، بنو نضیر اپنے قلعوں میں گھس گئے، پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد آپ نے اُن کے باغوں اور درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا جس سے یہ لوگ اپنے قلعوں سے نکل کر امن کے خواستگار ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تمہیں دس روز کی ہمت دی جاتی ہے، ان دس روز میں تم مدینہ کو کیسے غالی کرو اور اپنے اہل و عیال اور سامان حرب کے ماسوا دوسرے سامان کو جہاں لے جانا چاہتے ہو لے جاؤ۔ بنی نضیر نے یہ شرط مان لی اور دس روز کے اندر اندر ان کے بعض لوگ شام چلے گئے اور بعض نے خیبر میں سکونت اختیار کر لی خیبر میں سکونت اختیار کرنے والوں میں ان کے سردار حی ابن اخطب، سلام ابن ابی اسحق اور کنان بن الربیع بھی تھے۔

تفصیل کے لیے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۸۰، فتح الباری جلد ۱، ملاحظہ فرمائیں۔

اس معاہدہ میں تیسرا قبیلہ بنی قریظہ شامل تھا، اس قبیلہ نے بھی شہر میں غزوہ خندق کے موقع پر قریش مکہ سے ساز باز کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا، چنانچہ غزوہ خندق سے فراغت کے بعد آپ جبریل امین کے کہنے پر بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۶۷، فتح الباری جلد ۴ ص ۳۲) آپ کو دیکھتے ہی بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے، آپ نے ۲۵ روز تک ان کا محاصرہ رکھا، آخر مجبور ہو کر بنو قریظہ نے سعد بن معاذؓ کا حکم مان لیا اور کہا جو فیصلہ وہ فرمائیں وہ ہمیں منظور ہے۔

(ذرقانی جلد ۲ ص ۱۳۳)

سیدنا سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے اس لیے وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر فیصلہ کے لیے تشریف لائے، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ان کے بڑے والے مرد قتل کیے جائیں، عورتیں اور بچے اسیر کر کے نوٹڈی اور غلام بنائے جائیں اور ان کا

سب مال و اسباب اہل اسلام میں تقسیم کر دیا جائے، چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔  
(عیون الاثر لابن سیدنا اس جلد ۲ ص ۱۳۷، زرقانی جلد ۲ ص ۱۳۷)

## یہود کی خیر سے جلا وطنی

غرض کہ مدینہ کے یہودی اپنی فتنہ پر دازیوں اور آگے دن کی سازشوں کی وجہ سے مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے، مدینہ سے جلا وطن ہونے کے بعد یہ لوگ خیر وغیرہ میں آباد ہو گئے، لیکن بقول شیخ سعدیؒ

نیش عقر ب نہ از پئے کین است  
مقتضائے طبیعتش این است

فتنہ و فساد ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اس وجہ سے انہوں نے وہاں بھی اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا اور اسلامی حکومت کے خلاف غلط پروپیگنڈہ شروع کر دیا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب یہودیوں کی ان کاروائیوں کا علم ہوا تو آپؐ نے فرما کر کہ میں چودہ سو پیادوں اور دو سو سواروں کے ساتھ خیر پر حملہ کیا اور چند ہی روز میں ناغم، تسطاط، قنوص، حصن قلمہ وغیرہ یہودی قلعوں کو فتح کر لیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۲، ص ۳۷۷، زرقانی جلد ۲ ص ۲۱۸، اکمال لابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۳، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۹۸، عون المعبود جلد ۳ ص ۱۲۰، عیون الاثر جلد ۲ ص ۱۳۷، ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۸۵، ۱۸۷)۔

اس غزوہ میں کچھ یہودی قتل ہوئے اور کچھ وطن چھوڑ کر ایران، شام اور دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے، وہ بھی یہودی ہی تھے جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہر دیا تھا جس کا مفصل ذکر فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۰ اور دیگر حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے۔

یہودیوں کی اسی اسلام دشمنی اور باطل دوستی کا نتیجہ تھا کہ قرآن حکیم نے ان پر

ذلت اور مسکنت کے عذاب کا اعلان کیا، اور ان کی برائیوں کو عبد اللہ بن رواحہ نے  
نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

يَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ أَخْتَرُ أَبْغَضُ الْخَلْقِ إِلَيَّ قُلْتُمْ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ  
وَكَذَبْتُمْ عَلَى اللَّهِ الْخ - (معانی الآثار جلد ۱ ص ۳۱ مطبع مصطفائی)

اے یہودیو! تمام مخلوق میں تم مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو گئے ہو  
اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیا اور تم ہی نے اللہ رب العزت پر چڑھو باندھا۔  
یہود کی انہی اسلام دشمنیوں اور اہل اسلام کے خلاف خفیہ سازشوں کا  
نتیجہ تھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت  
کو کہاں اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی :-  
”اخْرِجُوا الْيَهُودَ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ“ (بخاری جلد ۲ ص ۴۴، مسند احمد جلد ۹ حدیث ۶۳۶۷)

یہودیوں کو عرب کے جزیرہ سے باہر نکال دینا :-  
یہ وصیت ہر اس آدمی کے لیے تھی جو آپ کے بعد بار خلافت کی فتمہ داری  
کو اٹھائے۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ اندرونی اور بیرونی فتنوں  
کی سرکوبی اور ملکی نظم و نسق کی طرف منصطفیٰ رہی، لہذا انہیں اپنی خلافت کے قلیل  
عرصہ میں اس وصیت کو عملی جامہ پہنانے کی فرصت ہی نہ ملی، آپ کے قریباً  
اڑھائی سالہ دور خلافت کے بعد سیدنا عمر الفاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں  
حضور انورؐ کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنایا اور تمام یہودیوں کو جزیرہ عرب سے  
باہر دھکیل دیا۔ (مسند احمد حدیث ۶۳۶۸)

## سیدنا محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کے اسباب

(۱) جزیرہ عرب سے نکالے ہوئے یہودی خلافت اسلامیہ اور اس کے باہر مختلف

علاقوں میں پھیل گئے لیکن اسلام اور خلیفہ اسلام کے خلاف اپنی جلاوطنی کا یہ انتقامی جذبہ اُن کے دلوں میں سنگتے لگا جس کی تسکین کے لیے انہوں نے خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروقؓ کے خلاف خفیہ سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ گویا خلافت اسلامیہ کے خلاف سب سے پہلا مخالف عنصر یہ یہودی ہی تھے جن کو سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں جزیرہ عرب سے جلاوطن کیا تھا انہی میں ایک یہ عبداللہ بن سبا بھی تھا جو اپنے خاندان اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لیے اس تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔

(۲) خلافت اسلامیہ کی مخالفت کا سبب دوم عربوں کا عجم پر تفوق تھا جن میں ایران سب سے پیش پیش تھا، اسلامؐ میں جب سیدنا عمر فاروقؓ نے سلطنت ایران کو زیر کرنے کا منصوبہ بنایا تو سلطنت ایران کے اعیان و اکابر نے خاندانِ کیانی کے وارث یزدگرد جس کی عمر اُس وقت بقول ابوحنیفہ الدینوریؒ اور ابن جریر الطبریؒ کے ۲۱ سال تھی، کی قیادت میں باہم متفق و متحد ہو کر خلافت اسلامیہ کے مقابلہ کا منصوبہ بنایا لیکن قادیسہ کی فیصلہ کن جنگ نے خاندانِ کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور درفش کا دیانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت نشان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا۔

۱۔ یہ جملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تھا، جنگِ خندق میں جبکہ صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے اچانک ایک بڑی سی چٹان اُگئی، صحابہؓ نے بہت کوشش کی لیکن وہ نہ ٹوٹی، آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا آپؐ نے جب پہلی بار بسم اللہ پڑھ کر دکل ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، مجھ کو ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں، بخدا میں اس وقت شام کے سرخ عملوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپؐ نے دوسری بار دکل ماری تو دوسرا تہائی ٹوٹ کر گر پڑا، آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر، فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں۔ واللہ اِنِّی لَا اَنْظُرُ قَصَاصَ الْمَدَائِنِ الْبَیْضُ۔ اور بخدا میں مدائن کے قصرِ بیض کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایران فتح تو ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کا دیانی کے ہلائی پرچم لہرانے لگا اور لوگ دین زرتشت کو غیر یاد کہہ کر دین اسلام کو قبول کرنے لگے لیکن اُن کی ذہنی زمین میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی بلکہ ان کے ذہنی بجائے اسلامی عقائد و احکام کے برگ و بار نکالنے کے اسلام کے خلاف فقیہ سازشوں کی پیداوار کرنے لگے لیکن چند لوگ اس سے مستثنیٰ تھے جن کی فطری صلاحیت، جبلی انصاف پسندی اور قبول حق کے داعیہ نے ان میں ذہنی پنچگی اور قلبی سکون پیدا کر دیا تھا۔ عوام اور خواص کی اکثریت طبعی تدبیر اور اعتدال مزاج کی بیش بہا دولت سے محروم ہونے کی وجہ سے وطن کی جغرافیائی حدود کو اسلام کی اصولی ملت سے ہر طرح اعلیٰ اور فائق سمجھتے تھے اور وہ بجائے دینی قدروں کے سیاسی قدروں کو زیادہ اہمیت دیتی تھے۔

وہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن ان کی ذہنی حالت ابھی غیر مستقل تھی، وہ اگرچہ کَا اللہ اِلَّا اللہ پڑھتے تھے لیکن اس کی تشریح میں ابھی وہ مختلف قسم کی تاویلات کا شکار تھے، وہ اگرچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینی طور پر بنی تسلیم کر چکے تھے لیکن وہ جغرافیائی قدروں پر ایمان رکھتے ہوئے کبھی بھی ایرانیوں پر غلبہ کا یہ سیاسی تفوق برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

دیگر نو مفتوحہ علاقوں میں عمومی طور پر اور ایران میں خصوصی طور پر یہ ذہنیت جاری تھی، وہ یہودی جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے اور جن کو سیدنا عمر فاروقؓ نے سرزمین عرب سے نکالا تھا پہلے ہی سے ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے، چنانچہ

(تقریباً ۱۸ گزشتہ صفحہ) تیسری دفعہ آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر پھر کدال ماری تو باقی چٹان بھی ٹوٹ کر گر گئی اور آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر! میں کی گنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں بخدا امتعا کے دروازوں کو میں یہاں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۱۸، حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۸)

یہ تمام علاقے خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں فتح ہوئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مختلف پیشگوئیوں میں جو کچھ ان علاقوں کے متعلق فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ہوا۔

انہوں نے ایرانیوں کی اس نفسیاتی کمزوریوں سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور ان کے سامنے سیدنا فائدوق اعظمؑ کو غاصب جابر اور کتاب اللہ کو مسخ کرنے والا کہنے لگے، ایرانی پہلے ہی سے سیدنا عمرؓ سے نالاں تھے کیونکہ انہوں نے ایران کی سلطنت کو تہس نہس کر دیا تھا اور ان کا سارا مال و متاع حتیٰ کہ ان کے دربار کے قالمین اور قلموں بھی دربار خلافت میں مال غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے اور ان کی رتھیاں نوڈیاں بنا کر مدینہ طیبہ لائی گئیں، اور یہ سب چیزیں ان کے اندر نفرت و انتقام کے جذبات کو سنگسار رہی تھیں لہذا وہ اسی وقت ان کے ہم نوا بن گئے اور جبر و غصب کے مظلوم شاہان عجم کو قرار دینے کے بجائے بنو ہاشم کو قرار دیا جانے لگا تاکہ اس سے ایک تو خود عربوں میں باہم تفریق پیدا ہو جائے اور دوسرے اس ذریعہ سے بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کی جاسکیں، چنانچہ انگریز مؤرخ ایڈورڈ براؤن جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایران اور اہل ایران کی تاریخ کے مطالعہ میں گزارا ہے لکھتا ہے کہ :-

”راشین میں سے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ سے جو اہل عجم متنفر ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ غارت گر عجم تھے، اگرچہ اس نفرت کو مذہبی رنگ دیدیا گیا لیکن اصل حقیقت اندر سے صاف نظر آتی ہے۔“  
(تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر براؤن اردو ترجمہ جلد ۱ ص ۲۱)

یہ بھی ڈاکٹر براؤن ایک اور مقام پر اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-  
”معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حقوق کو غصب کیا بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا۔“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص ۲۸۹)

اس سلسلہ میں ڈاکٹر براؤن نے ایرانی شاعر رقصائے کرد کے یہ دو شعر نقل کیے ہیں :-

بشکت عمر پشت ہریران اجم را      برباد فنا دادرگ ویشم جم را



بغضب خلافت ز علیؑ نیست این عرب و بالِ عمرؓ کینہ قدیم است محمدؐ را  
یعنی حضرت عمرؓ نے جنگل کے شہروں یعنی اہل ایران کی پشت توڑ کر رکھ دی  
اور بشید خاندان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیا، یہ سارا جھگڑا اس وجہ سے  
تھیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کی خلافت غضب کر لی بلکہ اس وجہ سے  
ہے کہ اہل ایران کی آلِ عمرؓ سے پرانی دشمنی چلی آ رہی ہے۔  
(تاریخ ادبیات ایران از براؤن جلد ۱۱، مطبع انجمن ترقی اردو دہلی)

مختصر یہ کہ اس سیاسی پرخاش اور عربوں کے اس سیاسی تفوق کی وجہ سے  
اہل ایران نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے خلاف عبداللہ بن سبا اور دیگر مسلم نمایاں ہودیوں  
ساتھ مل کر سازشوں کے زمین دوز بن بچھلنے شروع کر دیئے جو کہ صولتِ فاروقی کی  
وجہ سے خلافتِ فاروقی میں تو نہ پھٹ سکے لیکن خلافتِ عثمانی کے آخری سالوں میں  
انہوں نے ایک دفعہ تو پوری ملتِ اسلامیہ اور مملکتِ اسلامیہ کو ہلا دیا جس کی  
تفصیل آگے آ رہی ہے۔

بنی ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اہل ایران نے ایک حربہ بھی استعمال  
کیا کہ ساسانی طرزِ حکومت کی طرح اسلام میں ”بادشاہوں کے الٰہی حق“ کے پرہیزگار  
کا پرچار شروع کر دیا۔ لیجئے حقیقہ ایران میں تو نسلاً بعد نسل چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ  
ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے:-

”ساسانیوں کے عہد میں بادشاہوں کے آسمانی حق کا عقیدہ تہن تمیم اور  
شد و مد کے ساتھ ایران میں پالا گیا غالباً اس کی مثال کسی دوسرے ملک  
میں نہیں ملتی۔“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۵)

لے تاریخ انگلستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان بھی کافی زمانے تک اس بادشاہوں  
کے الٰہی حق کے عقیدہ پر کار بند رہا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس عقیدے کے بانی اہل ایران  
یا کسی اور ملک کے باشندے۔

اس عقیدے کے پرچار اور غاندان رسالت کے ساتھ اس کی خصوصیت کی ایک صبح اور بھی ہوئی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جب اسلام اپنی پوری شانِ اعجاز کے ساتھ ایران پر غالب آیا اور ایرانی بادشاہ یزدگرد جو کہ غاندانِ کیانی کی آخری یا دگار تھا اپنی تمام حشمت و جاہ کے باوجود اہل اسلام سے شکست کھا گیا تو اس کا سب مال و منال دربارِ فاروقی میں مالِ قیمت کے طور پر پیش ہوا اور اس کی برکیاں ٹوٹیاں بن کر سیدنا عمرؓ کے حضور میں آئیں اور مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں، چنانچہ سیدنا حسینؑ کی بیوی شہربانو اسی یزدگرد کی بیٹی تھی لیکن لہذا اہل ایران نے بنو ہاشم کو اور خصوصی طور پر اولادِ علیؑ کو تخت و تاج حاصل کرنے کا یہ حق دیا کیونکہ ان کا رشتہ پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتا تھا اور آلِ ساسان سے بھی، چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے :-

”سفرت حسینؑ کی نسبت چونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ انہوں نے ساسانیوں کے آخری تاجدار یزدگردِ سوم کی بیٹی شہربانو سے عقد کیا تھا ایسے قبیلوں کے دونوں فریق یعنی اشاعریہ اور اسمعیلیہ کے نزدیک (انکے اپنے ائمہ) نہ صرف پیغمبرِ بلاک شاہی حقوق و صفات کے وارث بھی ہیں، پیغمبرِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان اماموں کا خون ملتا ہے اور آلِ ساسان سے بھی رشتہ ہوتا ہے، اس تعلق سے ایک سیاسی عقیدہ پیدا ہو گیا“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۸)

۱۔ بعض حضرات نے شہربانو کا یزدگرد کی بیٹی ہونا اور سیدنا حسینؑ کی بیوی ہونے کا انکار کیا ہے وہ اپنی تائید میں تاریخ کے چند حوالہ جات بھی پیش کرتے ہیں لیکن حوالوں کے بارہ میں ان سے غلط فہمی ہو گئی ہے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ سینا زین العابدینؑ کی والدہ کا نام شہربانو تھا اور وہ یزدگرد کی صاحبزادی تھیں ہم اس مسئلہ کو یہاں تفصیل سے بیان کرنا نہیں چاہتے، ویسے اگر کسی کو تفصیل دیکر ہوتو انکا فی مع شرح لُصافی جلد ۲ حصہ ۲ ص ۲۵۲، فیضی قاسمیر از حجة الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ص ۱۶، تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۸، جلد ۲ ص ۲۹۷، وسطایشیا کا مذہب و فلسفہ از گوئیو نیو ص ۲۷۷، تجلیات روح ایران در ادب تاریخی از حسین کاظم زاده ص ۱، منتخب التاریخ از محمد ہاشم بن محمد علی ص ۲۹۹ ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اور مقام پر بھی انگریز نقاد لکھتا ہے :-

”تیسرے امام حسینؑ کے زمانے میں جو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے چھوٹے صاحبزادے تھے ایک دوسرا ہی عنصر پیدا ہو گیا، کیونکہ متقدمین اور مستند مؤرخین مثلاً الیعقوبی وغیرہ کے بیان کے مطابق ایران کے آخری ساسانی تاجدار یزدگرد سوم کی ایک دختر حضرت امام حسینؑ کے جائزہ عقد میں تھیں اور ان میں سے ایک صاحبزادے الموسوم بہ علی الملقب بہ زین العابدین تھے جو چوتھے امام تھے جو کہ ایک طرف اولادِ فاطمہؑ سے تھے تو دوسری جانب ایرانی شاہی خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۲۹ ص ۲۹۱) ایک ایرانی مؤرخ حسین کاظم زادہ اپنی تصنیف ”تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی“ میں شہر بانو دختر یزدگرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن خطابؓ کے سامنے پیش ہوئیں انہوں نے اسے بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا، حضرت علیؑ اس بات میں مانع ہوئے اور کہا کہ بادشاہ ہزاروں کان اور شریفوں کو بچنے کے لیے بازار سے جانا خلافِ ادب ہے، بالآخر وہ تقسیم ہوئیں اور حضرت حسین بن علیؑ کے حصہ میں آئیں“

چند سطور کے بعد یہ مصنف پھر لکھتا ہے کہ :-

”اسی سبب سے حضرت علیؑ کا خاندان ایرانیوں کی نگاہ میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا اور رسولِ خداؐ سے رشتہ کی بناء پر شرف اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا، صرف اسی سبب سے یہ خاندان جائزہ طور پر کیانی تخت و تاج کا مالک ہو سکتا ہے، نیز اسی وجہ سے امام حسینؑ کے فرزند زین العابدین کو جو شہر بانو کے بطن سے تھے عرب و عجم کا فخر کہتے ہیں کیونکہ باپ کی جانب سے اُن کا نسب پیغمبرِ اکرمؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتا

ہے جو کہ عربوں میں بزرگ ترین شخصیت تھے اور ماں کی طرف سے زمین کے نجیب ترین بادشاہوں پر مبنی ہوتا ہے۔“

(تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی ص ۱)

اولاد علیؑ اور خصوصی طور پر پسریدنا حسینؑ کی اولاد کا سلسلہ ایک طرف سے آلِ ساسان سے قائم کر کے اور دوسری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار کر کے ”بادشاہت کا الہی حق“ جو ساسانیوں کو ان لوگوں نے دیا تھا وہی اولاد علیؑ کو بھی دینا چاہا اور سرزمین عرب میں اس ساسانی نظریہ کو ایک اسلامی عقیدے کے رنگ میں پیش کیا جانے لگا۔

عرب کے لوگ فطرۃ شوریٰ نظام کے قائل تھے اور اب اسلام نے بھی ان کو وَشَادُوهُمْ فِي الْاَمْرِ۔۔۔ وَامْرُؤُهُمْ شُرُودِي بَيْنَهُمْ کی تعلیم دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنیا سے انتقال فرمانے کے بعد اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ کا انتخاب بھی اسی شوریٰ نظام کے تحت ہوا تھا، لہذا ایرانیوں کے اس نظریہ کھم تشہیر عربوں اور ایرانیوں کے امتزاج کے دوز بردست اصولوں کا ٹکراؤ تھا جس نے ایک ایسے فتنے کی بنیاد ڈالی جس کے برگ و بار سے ابھی تک شیعہ سنی منافرت پھیل ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر براؤن لکھتا ہے کہ:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یا روحانی جانشین کا انتخاب جمہوریت پسند عربوں کیلئے تو بالکل قدرتی چیز تھا لیکن ایرانیوں کے نزدیک یہ انتخاب غیر طبعی اور نفرت انگیز تھا“ تاریخ ادبیات ایران جلد ۱ ص ۲۱۷

ایک اور مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے:-

شیعہ اور سنی کا جھگڑا صرف ناموں یا شخصیتوں کا جھگڑا نہیں بلکہ دو متضاد اصولوں یعنی ”جمہوریت اور بادشاہوں کے حق الہی“ کا جھگڑا ہے عرب زیادہ تر جمہوریت پسند تھے اور ہمیشہ رہے ہیں، لیکن ایرانی ہمیشہ اپنے بادشاہوں کو الہی یا نیم الہی ہستیاں سمجھتے رہے ہیں، جو بطالع اس بات

تمام کو گوارا نہیں کر سکتیں کہ انسانوں کا منتخب کردہ کوئی شخص ان کی ریاست کا حاکم ہو وہ امام یعنی خلیفۃ الرسول کے انتخاب عمومی کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایران ہمیشہ اسمعیلیہ اور امامیہ فرقوں کا مرکز بنا رہا ہے“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ ص ۳۰۲۹)

نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں میں قرآن و سنت کی رُو سے جہاں یہ نظریہ تھا کہ اسلام کا خلافتی نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہے وہاں اب خفیہ تحریکوں کے ذریعے اس نظریہ کا پرچار شروع ہو گیا کہ :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کے برادرِ عم زاد اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کے شوہر حضرت علیؑ کو ان کا جانشین ہونا چاہیے تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں نامزد فرمایا تھا نیز یہ کہ حضرت علیؑ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں بطورِ حق الہی کے منتقل ہونی چاہیے تھی“ (تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ ص ۲۸۰)

## سیدنا محمدؐ کے زمانہ میں فتنے کے اثرات

عرب کے جلاوطن شدہ یہودی اور ایران کے مجوسیوں کے گھٹ جوڑے سے خلافتِ اسلامیہ کے خلاف جو خفیہ تحریکیں اٹھائی گئیں سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں ان کو زیادہ برگ و بار پھیلانے کا موقع نہ مل سکا، اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن سب سے بڑی وجہ خود سیدنا عمرؓ کی صولت اور رعب و داب تھا، حق تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسی شخصیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے مدبرین اور جبارہ آپ سے ٹھرتے تھے، دین اور امورِ انتظامیہ میں ذرہ برابر مداخلت کو برداشت کرتا آپ کے لیے مشکل تھا، چنانچہ ایک موقع پر خود ہی فرماتے ہیں :-

وَاللّٰہِ لَا نَقْلِبُ فِی اللّٰہِ حَتّٰی لَہُوْا لَیْنٌ مِّنَ الذِّبْدِ وَلَقَدْ اَشْتَدَّ

قَبْلِي فِي اللَّهِ لَهُوَ أَشَدُّ مِنَ الْحَجَرِ

بخدا میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہو گیا ہے حتیٰ کہ وہ جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہے اور خدا ہی کے لیے سخت بن گیا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے۔  
اس کی ایک مثال تو وہ ہے جسے ابن سعد رحمہ اللہ نے ”طبقات“ میں نقل فرمایا ہے کہ: غزوہ بدر میں کفار مکہ نے نبوہاظم کو مسلمانوں کے خلاف رٹنے پر مجبور کیا تھا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ حضرت عباس اگر نہیں نظر آئیں تو انہیں قتل نہ کرنا، حضرت ابوذر غفاریؓ جو کہ قریشی لشکر کے سردار عقبہ بن سبیع کے بیٹے تھے چونکہ جوش میں آئے ہوئے تھے اس لیے جوش کی حالت میں ان کی زبان سے نکل گیا کہ نبوہاظم میں کیا خصوصیت ہے، اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا، سیدنا عمرؓ ابوذر غفاریؓ کے منہ سے یہ گستاخی آمیز کلمات سُکر آپؐ سے باہر ہو گئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں!“ (طبقات ابن سعد ج ۲۰ ص ۴۰) مگر تذکرہ سیدنا عباسؓ نے اس کے ساتھ ساتھ آپؐ باطلع غیور بھی تھے جس کا اقرار خود لسان نبوت نے بھی ایک حدیث میں فرمایا ہے جسے صحاح کی تقریباً سب کتابوں نے باختلاف الفاظ نقل کیا ہے کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اور آیات الہی آپؐ کو دکھائیں ہاں جنت کا مشاہدہ بھی کروایا، آپؐ نے فرمایا عمرؓ او ہاں میں نے ایک عالیشان طلائی محل دیکھا جو تمہارے لیے مخصوص تھا میں نے اس میں جانا چاہا لیکن مجھے تمہاری غیرت یاد آگئی اور میں واپس چلا آیا۔ حضرت عمرؓ نے لسان نبوت سے جب یہ سنا تو رونے لگے اور عرض کیا :-

”أَعَلَيْكَ أَغَاثُ يَا رَسُولَ اللَّهِ“ (بخاری ج ۱ ص ۵۲)

اے اللہ کے رسول! کیا میں آپؐ پر غیرت کروں گا؟  
آپؐ کی اس صولت، غیرت، حمیت اور فتنہ و فساد کے مقابلہ میں تشدد کی پالیسی نے اس فتنہ کے آتشیں لاوے کو باہر نہ نکلنے دیا لیکن پھر بھی آپؐ کی زندگی کے آخری

ایام میں اس طوفان کی کچھ تیز ہواؤں نے امت کو اپنا احساس دلادیا اور انہی غنیہ سازشوں کا نتیجہ تھا کہ ابو لؤلؤ جو جی نے جس کا اصلی نام فیروز تھا، صبح کی نماز میں اچانک آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۱) فاروق اعظمؓ کے قتل میں وہ اکیلا ہی شریک نہ تھا بلکہ ایک نو مسلم ایرانی ہرمزان اور دوسرے کئی ایک ایرانیوں کی حمایت اس کی پشت پر تھی۔ جس کی تفصیل ہم نے سیدنا عثمانؓ کی سیرت میں ذکر کی ہے۔

## سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت

### میں سے فتنہ کے برگ و بار

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا عثمانؓ تخت خلافت پر بٹھ گئے، آپ فطری طور پر نرم دل اور سلیم الطبع تھے، مروت و نرم خوئی آپ کی فطرتِ ثانیہ تھی، عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ آپ کے مزاج کے خلاف تھا، اس لیے آپ کے دورِ خلافت میں شریروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنی تحریک کو تیزی کے ساتھ چلانا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سباؓ قائدِ تحریک بڑا فتنان اور سازشی ذہن کا مالک تھا، لہذا اُس نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الحیالِ مفسدوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا اور اپنی اس تحریک کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اس نے عجیب و غریب عقائدِ اختراع کیے اور خفیہ طور پر ہر صوبے میں ان کو پھیلا دیا۔

عہدِ عثمانی میں قریباً ۸۰ سال تک حالات معمول پر رہے لیکن آپ کی خلافت کے آخری سالوں میں عبداللہ بن سباؓ اور اس کے داعی اور سفیروں نے ہر جگہ دوسرے کر کے خلیفہ اسلام اور ان کے گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی فضا کو اپنے نفرت انگیز یکپروں سے مسموم بنا دیا، اہلبیتِ نبوت کی ہمدردیاں

حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت کا نعر لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے حسب ذیل طریقے اختیار کیے گئے۔

(۱) قتال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے اتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔

(۲) امیر المؤمنین پر نا انصافی اور کتبہ پروری کے الزامات کی تشہیر کرنا۔

(۳) بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھانسا۔

ان طریقوں سے انہوں نے عوام میں خلافت کے خلاف ایک نفرت پیدا کر دی اور تمام اسلامی مرکزوں میں اس سازش کا جال بھیلادیا، نیز ہر جگہ سبائی دعاۃ اور ان کی خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈہ کیا گیا کہ چند ہی روز میں ملک کی امن و عافیت کی ساکن فضا میں فتنہ و فساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور فنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہو گیا۔ (طبری جلد ۹، ابدا یہ جلد ۶، ص ۶۸) مہراس تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا کیونکہ یہ عبداللہ بن سبا نو مسلم یہودی کا مسکن تھا لیکن کوفہ میں بھی اس کے اثرات کچھ کم نہ تھے۔ وہاں اشتر نخعی، ابن الحنکہ، جندب

صعقبہ بن الکواہر، کھیل، عمیر بن ضابی اس تحریک کے سرپرست تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۲، ص ۶۸) ان لوگوں کا خیال تھا کہ ریاست و امارت قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ جو ازاں نہیں، ان ممالک کو چونکہ عام مسلمانوں نے فتح کیا ہے لہذا وہ سب اس کے مستحق ہیں خواہ وہ کسی قبیلہ یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ گورنر کوفہ سعید بن العاص سے ان لوگوں کو خاص رنج تھا کیونکہ وہ اُن پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، لہذا انہوں نے ان کو

بدنام کرنے کے لیے ہر روز ایک نئی تدبیر سوچنا شروع کر دی، ایک روز انہوں نے ایک نوجوان کو مارا پیٹا، ان مفسدہ پردازوں سے تنگ آکر سعید بن العاص اور اشتراف کو کوفہ سے امیر المؤمنین حضرت عثمان سے درخواست کی کہ خلافت ان فتنہ جو اشخاص سے جلد از جلد کوفہ کی سرزمین کو نجات دلائی جائے، امیر المؤمنین نے قیام امن کی خاطر قریباً دس آدمیوں کو



جو کہ اس تحریک کے رواج رواں تھے کوفہ سے جلا وطن کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس  
شام بھیج دیا اور لکھا کہ یہ فتنہ پرداز لوگ ہیں ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اگر یہ  
اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔ (المکمل ابن الاثیر جلد ۲ ص ۷۷)  
سیدنا معاویہؓ کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تو آپ نے ان کی بڑی خاطر مدارات  
کی اور نرمی سے پوری کوشش کی کہ یہ لوگ اپنی فتنہ پرداز یوں سے باز آجائیں اور  
حکومت وقت کے ساتھ تعاون کریں، لیکن وہ لوگ نرمی سے کب ماننے والے تھے انہوں  
نے اپنی طینت کی دناؤت کا مظاہرہ کیا اور ان کی نرمی و ملائمت کا جواب سختی سے دیا،  
ان کا یہ رویہ دیکھ کر آپ نے بھی سختی کا لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا:-

”یاد رکھو یہ کوفہ نہیں ہے، بخدا اگر شام کے لوگوں نے تمہاری اس قسم کی  
ترکیش دیکھ لیں تو میں ان کا امام ہونے کے باوجود انہیں تمہارے قتل  
سے باز نہ رکھ سکوں گا، واللہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہاری کوئی  
باہمی سازش ہے۔“ (طبری جلد ۵ ص ۹۹)

سیدنا معاویہؓ نے جب ان کے مرض کو لا علاج دیکھا تو امیر المؤمنین سیدنا  
عثمانؓ کو لکھ دیا،

”یہ لوگ جن کو آپ نے میرے پاس بھیجا ہے عقل و دانش سے بالکل محروم ہیں  
اور دین سے ان کا کوئی سروکار نہیں، اللہ کی رضا ان کا مقصود زندگی نہیں  
اور دلیل و حجت سے بات کرنے کا ان میں سلیقہ نہیں، صرف فتنہ برپا کرنا  
اور زمینوں کے مال کو ہڑپ کرنا ان کا مقصد ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان  
کو ہی مہیت میں مبتلا کرے گا اور فتنہ و فساد کی ہواً گئی یہ امت کے لیے

لے ایک روایت میں نو آدمی آئے ہیں۔ پہلے ان کے ناک یہ ہیں؛ تاکہ الاشرار بنی، ثانی بن قیس الہمدانی،  
کبیر بن زیاد، زید بن حوکان، مصعب بن حوکان، جناب بن زہیر، غان، جناب بن کعب، زید بن عمرو  
بن الجعد، عمرو بن الحق، الخزاعی، ابن الکواء۔ البسایہ میں ابن کثیر نے کچھ ناموں کا اختلاف بتایا ہے۔

ماہظہ ابو البسایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۱۶۵، المکمل ابن الاثیر جلد ۲ ص ۷۷

جلا ہے ہیں اُمید ہے کہ یہ اس میں خود ہی جل جائیں اور انجام کار ان کو  
ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا“ (اسکا کل ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۷۱)  
آپ نے یہ بھی لکھا :-

”امیر المؤمنین ! ان کی اصلاح میرے لیے کار و گ نہیں اور میں شام میں  
ان کا رہنا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ خطر ہے کہ ان کے زہر سے یہاں کی فضا  
بھی مسموم نہ ہو جائے لہذا آپ خود ہی ان کا کوئی بندوبست فرمادیں“  
امیر المؤمنین نے جواب میں حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ : ”ان لوگوں کو واپس کوفہ ہی  
میں بھیج دیا جائے“ چنانچہ ان کو پھر کوفہ میں بھیج دیا گیا لیکن کوفہ کے گورنر سعید بن العاصؓ  
پھر دربار خلافت میں ملتی ہوئے کہ ”خدا را ان کو کہیں اور بھیج دیا جائے اور کوفہ کی سرزمین کو  
ان کے ناپاک وجود سے محفوظ رکھا جائے“ اس پر امیر المؤمنین نے سعید بن العاصؓ کو  
لکھا کہ ان کو جس بھیج دیا جائے جہاں سیدنا خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے سیدنا عبدالرحمنؓ  
سیدنا امیر معاویہؓ کی طرف سے منتظم تھے۔ آپ نے ان لوگوں کی اصلاح کرنے میں سختی سے  
کام لیا اور ایک سال کے بعد آپ صرف اتنی بات ہیں کامیاب ہوئے کہ وہ دربار خلافت  
میں تلافی مافات کریں۔ چنانچہ سیدنا عبدالرحمنؓ ابن خالد نے مالک الاشتر کو حکم دیا کہ وہ  
مدینہ منورہ حاضر ہو کر دربار خلافت میں ان سب کی طرف سے بالمشافہ ایک عذر نامہ  
پیش کرے، چنانچہ مالک الاشتر عذر خواہی کے لیے سیدنا عثمانؓ کے حضور مدینہ منورہ  
روانہ ہو گیا۔ (طبری جلد ۸۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۶)

## بصرہ میں فتنہ کی ابتداء

بصرہ میں سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر تھے لیکن  
سیدنا عمرؓ کے آخری ایام میں وہاں ایک جماعت ان کی مخالف ہو گئی تھی اور وہ آئے دن  
ان کی شکایتیں دربار خلافت میں پہنچاتی رہتی تھیں لیکن مولف فاروقی ان کو اپنے مقصد

میں کامیاب نہیں ہونے دیتی تھی۔ خلافت عثمانی میں ان لوگوں نے امیر المؤمنین سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا، مطالبہ کی شدت کے باعث امیر المؤمنین نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو: اکامل جلد ۳ ص ۴۹)

عبداللہ ابن عامرؓ کو گورنر مقرر ہوئے ابھی تین ہی سال گزرے تھے کہ ایک روز انہیں پتہ چلا کہ حکیم بن جبلة البعلبی کے ہاں ایک خطرناک آدمی آیا ہے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن سباؓ، نو مسلم یہودی ہے اور اس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ ایسی باتیں کی ہیں جن میں سیدنا عثمانؓ اور خلافت اسلامیہ کے خلاف طعن تشنیع اور بغاوت کے کئی پہلو نکلتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عامرؓ نے اس شخص کو اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ عبداللہ ابن سباؓ نے جواب دیا کہ میں اہل کتاب ہوں اسلام کے ساتھ مجھے محبت ہے اور میں یہاں آپ کی ولایت میں رہنا پسند کرتا ہوں لیکن گورنر بصرہ نے جواب میں فرمایا کہ تمہاری کارکردگی کی جو رپورٹیں مجھے پہنچی ہیں ان کی رو سے میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا، چنانچہ وہ یہاں سے بھاگ کر کوفہ چلا گیا، کوفہ میں بھی سعید بن العاصؓ اس کی خباثت پر مطلع ہو گئے اور انہوں نے اس کو وہاں سے بھی نکال دیا، پھر آخر میں اُس نے اپنا مستقر مصر کو بنایا۔ (اکامل لابن الاثیر ص ۴۰) مصر کو مستقر بنانے کے بعد ایک طرف تو اس نے نبوت کے بارہ میں اسلامی عقیدہ میں تاویلات کے انجکشن لگانے شروع کر دیئے، اور خلافت کے بارہ میں یہ کہنا شروع کیا کہ

میں نے یہ شخص ایک ڈاکو تھا اور اس کا کام فتنہ و فساد پر پیکرنا اور اہل ذمہ کے مال و اسباب کو لوٹنا تھا۔ زبیروں اور مسلمانوں نے دربار خلافت میں اس کی شکایت کی جس کے نتیجے میں سیدنا عثمانؓ نے عبداللہ ابن عامرؓ کو لکھا کہ اس شخص کو اور اس قماش کے دوسرے لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے اور جب تک ان کی اصلاح نہ ہو جائے بصرہ سے ہارنہ جانے دیا جائے۔ عبداللہ بن عامرؓ نے امیر المؤمنین کے اس حکم کی تعمیل کی، اس وجہ سے یہ عبداللہ بن عامرؓ کو دل سے اچھا نہیں جانتا تھا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علیؑ کو اپنا وصی بنایا تھا اور جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح علی ابن ابی طالب خاتم الاولیاء ہیں پس سیدنا علیؑ سیدنا عثمانؓ سے خلافت کے بارہ میں زیادہ مستحق ہیں، اس طریقے سے اُس نے مصر کے کافی لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیا مصر کی سرزمین کو اپنے مشن کے لیے ہولار دیکھ کر مصر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور وہاں سے بصرہ، کوفہ اور دوسرے علاقوں کی جماعتوں کو مختلف قسم کی ہدایات دی جلتے لکیں اور خفیہ خط و کتابت اور دعاۃ کی مدد سے سیدنا عثمانؓ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو تیزی کے ساتھ بھڑکانا شروع کر دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲، ۱۶۷، ۱۶۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۱)

## عبداللہ ابن سبا کی حکمت عملی

اور مختلف لوگوں کی مخالفت کی وجوہات

عبداللہ ابن سبا اور اس کے داعیوں کی کوششوں سے مفسدین کی جماعت ملک میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی لیکن ہر علاقہ کے مفسدین کا نقطہ نظر الگ الگ تھا اور آئندہ خلیفہ کے بارہ میں ہر ایک کی نظر بھی الگ الگ شخصیتوں پر تھی۔ اہل کوفہ سیدنا زبیرؓ پر نگاہ جمائے ہوئے تھے، اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو پسند کرتے تھے، اہل مصر سیدنا علیؑ کے ساتھ اپنے دامن عقیدت کو باندھے ہوئے تھے، عراق کے لوگوں کی ایک جماعت قریش کے تمام افراد سے بغض و عداوت رکھتی تھی، اور ایک جماعت سر سے عربوں ہی کی دشمن تھی لیکن عبداللہ ابن سبا نے اپنی حکمت عملی سے کام لے کر سب کو مخالفت عثمانؓ پر متحد و متفق کر دیا جس کی وجہ سے سب ایک ہی نعرہ لگانے لگے کہ ہم عثمانؓ کی معزولی چاہتے ہیں

پھر ان مختلف انجیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد میں بھی ہم آہنگی نہ تھی۔

(۱) بنو ہاشم خلافت کے مناصب اور سرکاری عہدوں کا اپنے کو سب سے زیادہ مستحق

سمجھتے تھے لہذا وہ بنو امیہ کو عروج و ترقی کی بجائے تنزل و ادبار کی گہرائیوں میں دیکھنا پسند کرتے تھے۔

(۲) یہودی یہ چاہتے تھے کہ اہل اسلام میں ایسا اشتت و افتراق پیدا کر دیا جائے جس سے ان کی قوت پاش پاش ہو جائے اور ہمیں جزیرہ عرب میں سکونت اختیار کرنے کا موقع مل جائے۔

(۳) مجوسی یہ چاہتے تھے کہ خلافت اسلامیہ کلی طور پر تاخت و تاراج ہو جائے جس طرح مملکت کسریٰ تباہ ہوئی ہے یا کم از کم اس میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جائے جس میں حکومت ایسے خاندان کے ہاتھوں میں آجائے جس سے وہ بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور وہ عربوں پر اپنا سیاسی نفوق قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

(۴) عام قبائل عرب اعلیٰ مناصب، سرکاری عہدوں اور دوسری باتوں کے استحقاق میں اپنے کو قریش سے کم نہیں سمجھتے تھے لہذا وہ قریشی افسروں کی مکت اور نفوق کو توڑ کر اپنا نفوق قائم کرنا چاہتے تھے۔

ان وجوہات کی بناء پر مختلف علاقوں کی مختلف جماعتوں نے عبد اللہ ابن سبا کا ساتھ دیا اور ہر جماعت اپنے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے سیدنا عثمانؓ کی معزولی کا مطالبہ کرنے لگی۔

## ابتدائی کاروائیاں

مفسدین کو خطرہ تھا کہ اگر ہم نے پہلے ہی امیر المومنین کی معزولی کا مطالبہ شروع کر دیا تو لوگ اتنی کثرت سے ہمارا ساتھ نہیں دیں گے جس سے ہماری یہ تحریک کامیابی ہمسار نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ پہلے امیر المومنین کے گورنروں پر جھوٹے الزامات لگا کر ان کو معزول کروایا جائے، اگر وہ معزول ہو گئے تو نئے متعین شدہ گورنروں سے امیر المومنین کو معزول کروایا جائے، اور اگر امیر المومنین گورنروں کو معزول

نہ کیا تو ان پر نااہلی کا الزام لگا کر معزولی کی مہم کو تیز تر کر دیا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے سب سے پہلے ولید بن عقبہؓ کو دربارِ کوفہ پر شراب خوردی کا الزام قائم کیا اور دربارِ خلافت سے ان پر حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ولید بن عقبہؓ پر شراب خوردی کا یہ الزام ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا حالانکہ ولید بن عقبہؓ تقویٰ و طہارت اور قلبی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ تھے، رعیت کے ساتھ بہت خفیف تھے اور اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے اس قدر وقت کر دیا کہ گھر کا دروازہ تک نہیں لگوا یا تھا تا کہ اہل حاجت کو آنے میں تکلیف نہ ہو۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۲) اسی کوفہ کے لوگوں نے اُن کے خلاف دربارِ خلافت میں یہ الزام تراش دیا کہ انہوں نے شراب پی ہے، امیر المومنین نے ان کو مدینہ منورہ طلب فرمایا، دو آدمیوں نے شہادت دی کہ ہم نے ان کو شراب کی قے کرنے دیکھا ہے اور شراب ان کی داڑھی سے ٹپک رہی تھی۔ اس پر سیدنا علیؓ نے حد جاری کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے چالیس دُرے مارے۔ جب ولید بن عقبہؓ پر حد جاری ہونے لگی تو وہ ایک سیاہ رنگ کا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، سیدنا علیؓ نے اس کو اتارنے کے لیے کہا۔ ولید بن عقبہؓ نے اس کپڑے کو اتار دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو اکمال لابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۲، ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۵۵)

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا، اس عہد میں جب قیصر روم نے سواحِلِ شام پر ۵۰۰ جہازوں کی مدد سے حملہ کیا تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے سمنہ کے اندر جا کر اس کا مقابلہ کیا، دشمن کی فوج اور اس کے جہازوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جس کی وجہ سے مسلمان نہایت پریشانی میں مبتلا تھے، خوف و ہراس کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے جو سائی پرو پیگنڈے سے متاثر ہو کر اس تحریک کے پُر جو ش رکن بن چکے تھے لشکرِ اسلام میں فتنہ انگیزی اور شُر و فساد

لے اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمانؓ - شخصیت اور کردار“ میں بیان کر دی ہے۔

کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، حالانکہ یہ موقع لشکر اسلام کے ساتھ تعاون کرنے کا تھا، یہ دونوں حضرات عبداللہ بن ابی سرح کی بہت مخالفت کرتے بلکہ موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے، غرض ہر طریقے سے ان کو دق کرتے، مجاہدین اسلام سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلے میں جہاد کرنے جا رہے ہو حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں مجاہدین کی کیا ضرورت ہے؟ تو وہ دونوں سیدنا عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ ان کو معزول کرنا اسلام کی بڑی خدمت ہے کیونکہ اس نے ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور اکابر صحابہؓ کو معزول کر کے سعید بن العاصؓ اور عبداللہ بن عامرؓ جیسے لوگوں کو گورنری کی ٹرسٹی پر بٹھا دیا ہے اور کہتے :-

وَدَمُهُ حَلَالٌ لِأَنَّهُ اسْتَعْمَلَ عَبْدَ اللَّهِ بن سَعْدٍ وَكَانَ قَدْ  
ارْتَدَ وَكَفَرَ الْقُرْآنَ الْعَظِيمَ وَأَبَاحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
دَمَهُ وَأَخْرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامًا وَاسْتَعْمَلَهُمْ  
عُثْمَانُ - (البدایہ والنہایۃ ج ۷ ص ۵۸۸)

عثمانؓ کا خون دھانا حلال ہے کیونکہ اس نے عبداللہ بن سعد کو گورنر بنا دیا ہے حالانکہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور قرآن پاک کا اس نے انکار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان چیزوں کے پیش نظر) اس کا خون حلال کر دیا تھا، نیز عثمانؓ نے ایسے لوگوں کو حکومت کے مناصب پر متعین کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کیا تھا؛

غرض ہر طرح سے انہوں نے یہ کوشش کی کہ مسلمانوں کو خلافت اسلامیہ سے برگشتہ کر کے اسلامی بیڑے میں شامل نہ ہونے دیا جائے لیکن اہل اسلام نے اُن کی ایک نہ سنی، چنانچہ جب اسلامی بیڑہ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو انہوں نے بھی اسلامی بیڑے کے جہازوں میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن امیر البحر سیدنا عبداللہ بن ابی سرحؓ نے محمد بن ابی عذیفہ کی یہ چال دیکھ کر فرمایا :-

”لَا تَرْكِبُ مَعَنَا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۹) تم لوگ ہمارے ساتھ سوار مت ہونا۔“  
امیر البحر کا حکم سنکر وہ ایک الگ کشتی پر سوار ہو کر اسلامی بیڑے کے تعاقب میں  
گئے اور راستہ میں جہاں جہاں لنگر انداز ہوتے وہ دونوں اپنی کشتی کو قریب لے جا کر سیدنا  
عثمانؓ اور امیر البحر سیدنا عبداللہ بن سعدؓ کے خلاف اُکستے، پھر جب اس اسلامی بیڑے  
کی رومی بیڑے سے مد بھیر ہوئی اور سطح سمندر پر میدان کارزار گرم ہوا اور کشتیوں  
کے پُشتے لگ گئے اور اتنا خون بہا کہ :-

”غَلَبَ الدَّمُ عَلَى كَوْنِ الْمَاءِ۔ (البدایہ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۷)  
خون پانی کے رنگ پر غالب آ گیا۔“

اس آڑے وقت میں بھی ان دونوں نے مسلمانوں کا کوئی ہاتھ نہ بٹایا بلکہ دور اسی  
کشتی پر سوار مسلمانوں اور رومیوں کے متحدر کے اس کھیل کو دیکھتے رہے، اسلامی لشکر کی فتح  
کے بعد جب مسلمانوں نے جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ان کو ملامت کی تو ان دونوں نے کہا :-

کیف نقاتل مع عبد اللہ بن سعد؟ استعملہ عثمان وعثمان

فعل کذا وکذا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۵۹)

ہم عبداللہ بن سعدؓ کی قیادت میں کیسے لڑ سکتے ہیں؟ اس کو عثمان نے  
عامل بنایا ہے اور عثمان نے فلاں فلاں دغلط کام کیا ہے۔

اور پھر انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی برائیوں اور مشالب کی خود ساختہ ایک طویل  
داستان بیان کرنا شروع کر دی۔ امیر البحر کو جب ان کی اس فتنہ پر دازی کا علم ہوا اور  
انہیں پتہ چلا کہ یہ نونوں ہنرات کی طرح بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات  
آہستہ آہستہ دوسروں پہ بھی اپنا اثر کر رہے ہیں تو انہوں نے ان کو نہایت سختی سے منع  
کیا۔ (البدایہ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۵۷، ۱۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۸، ۵۹)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کا نظریہ معیشت

انہی ایام میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس کو مفسدین نے مشہر کر کے فائدہ اٹھانے



کی کوشش کی اور کئی مقام پر انہوں نے کافی حد تک فائدہ بھی اٹھایا، وہ واقعہ صبح اسلام سیدنا ابوذر غفاریؓ کا اپنے نظریہ معیشت کی تبلیغ تھا اور اسی نظریہ نے ان کو مقام ربذہ میں خلوت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔

سیدنا ابوذر غفاریؓ بنفطری طور پر درویش منش، تارک الدنیا، زہد پیشہ اور عزت پسند بزرگ تھے، زمانہ رسالت ہی سے وہ زہد پیشہ تھے لیکن صدیق اکبرؓ کی وفات نے ان کو اور زیادہ شکستہ خاطر کر دیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں انہوں نے مدینہ منورہ کو خیر باد کہہ کر شام کی غربت کی زندگی اختیار کی۔ (الاستیعاب لابن عبد البر جلد ۱ ص ۸۳)

عہد رسالت اور شیخین کا زمانہ اصل سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ تھا لیکن خلافت فاروقی کی فتوحات نے مال و دولت کی فراوانی پیدا کر دی، ہر روز کی فتوحات نے مدینہ منورہ اور دیگر صوبوں میں دولت کے انبار لگادیئے جس سے قدرتی طور پر بے تکلفی کی جگہ پر تکلف اور سادگی کی جگہ پر تمدن کی نقش آرائیوں نے لے لی۔ ان چیزوں کے اثرات خلافت فاروقی کے شروع میں تو کچھ ظاہر نہ ہوئے لیکن خلافت فاروقی کے اواخر میں عام مسلمانوں کی زندگی پر اس کے بہت سے اثرات رونما ہو گئے۔ سرزمین شام چونکہ سرحدی علاقہ تھا اور رومیوں کی تہذیب سرحد پار اپنے پوسے عروج پر تھی، لہذا متعلقہ دوسرے حصوں کے یہاں کے مسلمانوں کی زندگی زیادہ شان و شوکت کی حامل تھی جس میں زیادہ دخل حکومت کی سیاسی حکمت عملی کو بھی تھا جس کا اجمالی تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

سیدنا ابوذرؓ کو مسلمانوں کی ایسی زندگی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، وہ عہد رسالت اور شیخین کے زمانہ کی سادگی اور بے تکلفی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دل مال و دولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا کسی حالت میں بھی جائز نہ تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے اس نظریہ معیشت کی بڑی بیباکی کے ساتھ تبلیغ شروع کر دی اور امراء اور حکومت وقت پر اعتراضات اور ان کی دولت و شہمت اور ساز و سامان پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔ سیدنا ابوذرؓ

اپنے اس نظریہ معیشت کی تائید میں قرآن پاک کی اس آیت استدلال کرتے :-  
 وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (سورۃ التوبہ)  
 جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

سیدنا امیر معاویہؓ سیدنا ابوذرؓ کے اس آیت سے اپنے نظریہ کے استدلال کو غلط ٹھہراتے اور فرماتے کہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے اس آیت کا تعلق بھی انہی سے ہے مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن سیدنا ابوذر غفاریؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے متعلق ہے، غیر مسلموں سے اس کے اختصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ وَلَا يَنْفِقُوهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ - سے ابوذرؓ اپنا سارے کا سارا مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا مراد لیتے، اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ فرماتے کہ یہ صرف زکوٰۃ سے متعلق ہے، زکوٰۃ کے فریضہ کا ادائیگی کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے لیکن سیدنا ابوذر غفاریؓ جس شے کو صحیح سمجھے ہوئے تھے اور جس نظریہ کو انہوں نے ساری زندگی اپنا کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالا تھا وہ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے کسی حالت میں بھی تیار نہ تھے اور نہ ہی اس نظریے کی تبلیغ سے باز رہ سکتے تھے لہذا انہوں نے بڑی سختی کے ساتھ ان لوگوں کو طعن و تشنیع شروع کر دی جو ان کے نظریہ کے حامی نہیں تھے۔

سیدنا معاویہؓ نے ابوذرؓ کے اس فکر کی جب یہ سختی دیکھی تو انہیں یہ خیال ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ انہوں نے امیر المؤمنین کو ان حالات سے مطلع کیا، امیر المؤمنینؓ نے لکھا کہ ان کو میرے پاس مدینۃ النبی میں بھیج دیا جائے، چنانچہ سیدنا ابوذرؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا، لیکن مدینہ کی حالت بھی اب وہ نہیں تھی جو ابوذرؓ نے عہد رسالت اور شیخین کے زمانہ

میں دیکھی تھی، وہ مدینہ جس کے لوگ سادگی اور زہد میں تمام دنیا کے لیے ایک آئینہ بن گئے تھے، وہی لوگ اور ان کی موجودہ نسل اب حضرت ابوذرؓ کی سادگی کو تعجب کی نظروں سے دیکھتے، جہاں وہ جلتے ہر جگہ ان کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا ہجوم لگ جاتا، آپ نے یہاں بھی اپنے لیے ماحول کو سازگار نہ پایا لہذا امیر المؤمنین سے عرض کیا کہ میں ربذہ میں جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں مکہ کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، سکون اختیار کرنا چاہتا ہوں، امیر المؤمنین نے اجازت دیدی، آپ مع اپنے اہل و عیال وہاں تشریف لے گئے۔ مدینہ سے رخصت ہونے وقت امیر المؤمنین نے بڑی شان اور بہت خاطر و مدارات کے ساتھ رخصت کیا اور دو لونڈیاں، کچھ اونٹنیاں اور کچھ روپیہ بھی دیا۔ (البدایۃ النہایہ جلد ۳، ۱۵۵، ۱۵۶، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۱۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۷، ۵۸)

سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ تشریف لے جانے کو مفسدین نے خوب اچھالا اور امیر المؤمنین کے خلاف اس چیز کو باقاعدہ ایک الزام کی صورت میں تمام ملک میں مشہور کر دیا کہ امیر المؤمنین کے خلاف سیدنا ابوذرؓ بھتیجی بیان کرتے تھے لیکن وہ حق نہیں سننا چاہتے تھے اس وجہ سے امیر المؤمنین نے ان کو مدینہ بدر کر دیا ہے۔

امیر المؤمنین کے خلاف یہ الزام کہاں تک صحیح ہے؟ اس کا جواب ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمانؓ شخصیت اور کردار“ میں دیا ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ سیدنا ابوذرؓ کے ربذہ میں سکونت پذیر ہونے نے بھی مفسدین کے امیر المؤمنینؓ کے خلاف الزامات کی فہرست میں ایک اور الزام کا اضافہ کر دیا۔ سیدنا ابوذرؓ کا یہ فعل ان کی لہارت نفس اور نیک نیتی کی وجہ سے تھا لیکن مفسدین نے اس کو لوگوں کے سامنے غلط رنگ میں پیش کیا، خود سیدنا ابوذرؓ کو بھی وعلا نے کی کوشش کی، چنانچہ عراقیوں کا ایک وفد ان کے پاس ربذہ پہنچا اور کہا کہ عثمانؓ نے آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا، عثمان کے ناروا سلوک ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کو شام اور مدینہ طیبہ آباد شہر چھوڑ کر یہاں ویرانہ میں قیام کرنا پڑا، ہم لوگ کبھی برداشت نہیں کر سکتے

ہیں امیر المؤمنین سے زیادہ آپ سے ہمدردی ہے، لہذا اگر آپ امیر المؤمنین کے خلاف علم بغاوت بلند کریں تو ہم لوگ اس معاملہ میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیں گے آپ نے عراقی مفسدوں کی یہ بات سنکر فرمایا:-

”مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو اور اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا وہ توبہ کی قبولیت سے محروم رہا اگر عثمانؓ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا اور میں اسی بات میں اپنے لیے بہتری سمجھتا، اگر وہ مجھے بجائے زندہ کے ایک اُفق سے دوسرے اُفق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں اُن کے سامنے تسلیمِ خم کر دیتا اور اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا اور اگر وہ مجھے کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی پر لوٹا دیتے تو بھی مجھے کوئی عذر نہ ہوتا اور میں اس میں بھی اپنی سعادت سمجھتا“ (طبقات ابن سعد جلد ۲۲، تاریخ الاسلام جلد ۱۴)

سیدنا ابو ذرؓ کے منہ سے یہ جواب سنکر وہ اپنا سامنے لے کر واپس چلے گئے لیکن لوگوں کو امیر المؤمنین کے خلاف اکسانے کے لیے وہ اس الزام سے برابر مدلیتے

رہے۔

## گورنروں کی مجلسِ شوریٰ کا انعقاد

خلافتِ اسلامیہ میں سبائیوں نے جو طوفانِ بدتمیزی اٹھا رکھا تھا اور امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کے خلاف فتنہ و فساد کی جواگ وہ بھڑکا رہے تھے امیر المؤمنین ان سب باتوں سے بے خبر نہ تھے پھر جن الزامات کی بنیاد پر انہوں نے سازش اور انقلاب کی یہ عمارت کھڑی کی تھی امیر المؤمنین کی نگاہ ان کی طرف بھی تھی۔ ان الزامات کے ہا دیل جوابات بھی آپ کے پاس موجود تھے لیکن آپ بار بار صفائی پیش کر کے اپنی پوزیشن مشکوک نہیں بنانا چاہتے تھے، آپ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ فتنہ و فساد کی جواگ دشمنانِ اسلام نے بھڑکائی ہے اس کا کچھانا کوئی آسان کام نہیں لیکن پھر بھی آپ نے

شورش کے رفع کرنے اور شکایتوں کے ازالہ کے لیے ایک آخری کوشش کی اور خلافت مدینہ طیبہ میں اپنے تمام گورنروں کی ایک مجلس شوریٰ منعقد فرمائی تاکہ اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے کچھ سوچ بچار کیا جاسکے، اس مجلس شوریٰ میں جی لوگوں نے شرکت کی ان میں سیدنا عمر بن العاصؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا سعید بن العاصؓ اور سیدنا عبد اللہ بن سعد بن ابی سراحؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجلس دو تین روز تک جاری رہی شروع میں سیدنا عثمانؓ نے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں مجلس کے انعقاد کی وجوہات بیان فرمائیں اور فرمایا :-

”ان نکل امریٰ وناسخاء ونصحاء وانکم وزلائی ونصحائی و اهل ثقتی وقد صنع الناس ما قد رأیتم وطلبوا الی ان اعزل عمالی وان اجمع عن جمیع ما یکرهون الی ما یحبون فاجتهدوا رأیکم۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۷۵)

ہر ایک آدمی کے کچھ وزیر اور صاحب مشورہ لوگ ہوتے ہیں اور تم میرے وزیر، صاحب مشورہ اور قابل اعتماد لوگ ہو، اور لوگوں نے جو کچھ (ملک میں) کیا ہے اس سے تم بخوبی واقف ہو، ان کا مطالبہ ہے کہ میں اپنے گورنروں کو معزول کر دوں اور جن چیزوں کو وہ پسند نہیں کرتے ان سے جو غا کر کے ان کی مرضی کے موافق ہر کام کروں، لہذا تم مجھے اس بارہ میں اپنی رائے سے آگاہ کرو تاکہ کسی اجتماعی فکر پر پہنچا جاسکے اور اس فتنہ کو دبانے کے لیے کچھ کیا جاسکے۔“

ہر گورنر نے الگ الگ اپنی رائے امیر المومنین کے گوش گزار کی، سیدنا عبد اللہ بن عامرؓ گورنر بصرہ نے کہا :-

”امیر المومنین میری رائے یہ ہے کہ آپ اس وقت کسی علاقے پر فوج کشی کر کے ان کو جہاد میں مشغول کر دیں تو پھر ان میں سے کسی کو ہمت نہیں ہو گی کہ وہ اس سازش میں حصہ لے سکے نتیجہ یہ ہوگا کہ فتنہ و فساد کی آگ

خود بخود سمجھ جائے گی۔“

سید بن العاصؓ گورز کو فہ نے کہا کہ:-

”امیر المؤمنین! موجودہ شورش صرف ایک گروہ کی کاروائیوں کا نتیجہ ہے اگر ان کے قائدین کو قتل کر دیا جائے تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ملک میں امن و امان کی فضا پھر سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ہر جماعت اور گروہ کے کچھ قائدین ہوتے ہیں اگر ان کو قتل کر دیا جائے تو وہ جماعت منتشر ہو جاتی ہے اور پھر کسی مرکز پر جمع نہیں ہو سکتی۔“

سیدنا امیر معاویہؓ گورز پر شام نے کہا:-

”امیر المؤمنین! میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنے گورزوں کو واپس ان کے صوبوں میں بھیج دیں اور ہر ایک گورز سے کہیں کہ وہ اپنے صوبہ میں امن کے قیام کی پوری ذمہ داری لے اور وہ لے بھی سکتا ہے کیونکہ ہر صوبہ میں شورش پسند قلیل تعداد میں ہیں اور میں اپنے صوبہ شام کی ذمہ داری لیتا ہوں۔“

سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ گورز مصر نے عرض کیا:-

”امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ آپ ان لوگوں کو بخشش اور انعامات سے نوازیں جس سے ان کی تالیفِ قلب ہوگی اور یہ ملک میں شورش برپا نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ لوگ مجھے روپیہ کے لالچی اور بھوکے معلوم ہوتے ہیں، جب آپ روپیہ سے ان کی تالیفِ قلب کریں گے تو ان کے دل آپ کی طرف کھینچ جائیں گے۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا:-

---

اے بعض مؤرخین نے یہاں ایک دوسرے کی اتباع میں سیدنا عمرو بن العاصؓ پر دو ٹوٹی پالیسی کا اہتمام لگایا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے لوگوں کی موجودگی میں امیر المؤمنین کو کچھ کہا اور جب لوگ چلے گئے اور نیند آئی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امیر المؤمنین! شورش پسند لوگ اپنی پسند کی چیزیں آپ سے کروانا چاہتے ہیں اور جن امور کو وہ ناپسند کرتے ہیں ان کو مٹانے کے درپے ہیں اس صورت میں آپ کے لیے دو ہی صورتیں ہیں،

فاعتدل واعتزل - (الکامل لکھن الاثیر ج ۳ ص ۵۷)

یا تو آپ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتے یا پھر خلافت سے کنارہ کشی کیجئے، اگر یہ دونوں صورتیں آپ کو ناپسند ہوں تو پھر جو چلے کیجئے لیکن عزم مصمم کے ساتھ (ابداً و انتہایہ جلد ۱۶ ص ۱۶۵، طبری جلد ۵ ص ۹۲) مجلس مشاورت کے ہر رکن نے اگرچہ اپنی اپنی مجھ کے مطابق تجاویز

رقیہ طاشیہ گزشتہ صفحہ) تمہارے گئے تو کہا کہ ”امیر المؤمنین! آپ مجھے زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف دکھلاوے کی تھی تاکہ مفسدین مجھے اپنا ہنجیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائیں اور میں اُن کے اندونی راز سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں گا اور آپ ان کے خیر و شر سے واقف ہو سکیں“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۵۷) یہ روایت درایت کے لحاظ سے صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ایک صحابی رسول سے اس بات کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ جلوت میں امیر المؤمنین کو کچھ مشورہ دے اور خلوت میں کچھ - جلوت و خلوت کی یہ غیر آہنگی صحابی رسول اور پھر سیدنا عمرو بن العاصؓ سے بھی متوقع نہیں ہو سکتی۔ اول تو جہاں تک ہمارا خیال ہے سیدنا عمرو بن العاصؓ اس مجلس مشاورت میں بلائے ہی نہیں گئے تھے مؤرخین نے ایسے ہی اس مجلس میں ان کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ یہ گورنرز کانفرنس تھی اس میں صرف گورنر یا دوسرے سرکاری حکام موجود تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ تو سلاطین کے گورنری کے عہدے سے معزول کیے جا چکے تھے، اور اب کسی اور سرکاری عہدہ پر بھی نہیں تھے، اس لیے اُن کا اس مجلس میں بلایا جانا درایت کی رو سے صحیح معلوم نہیں ہوتا، اور اگر بلائے بھی گئے تھے تو انہوں نے وہی جواب دیا ہو گا جو سب گورنروں اور دوسرے سرکاری حکام کی موجودگی میں دیا تھا اور جن کو تن میں نقل کیا جا چکا ہے، لیکن اس جواب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدنا عثمانؓ خلافت کے بارہ میں نا انصافی سے کام لیتے تھے، یہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کی ایک رائے تھی اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے، تفصیل آگے ذکر کی جائے گی۔

پیش کیں، لیکن اب حالات ایسی کروٹ بدل چکے تھے کہ ان تجاویز میں سے کسی تجویز سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کوئی جامع منصوبہ اور دستور العمل تیار نہ ہو سکا، مجلس کے اختتام پر سیدنا عثمانؓ نے ہر گورنر کو اپنے اپنے صوبے میں مناسب ہدایات کے ساتھ واپس روانہ فرمادیا۔

## کوفہ میں انقلاب کی لہریں

کوفہ میں اس تحریک کی آگ اندر ہی اندر سگ رہی تھی اور اصل بے توجہانہ امیر المؤمنینؓ سے تھا لیکن سبائی آئے دن اُن کے گورنروں کو بھی دق کرتے رہتے تھے اور اُن کو اپنے اس مقصد کے راستے میں روڑا سمجھتے ہوئے اپنا مخالف سمجھتے تھے۔ سیدنا سعید بن العاص گورنر کوفہ سے ان لوگوں کو کچھ خاص عناد تھا کیونکہ اس سے قبل سعیدؓ ان کے کئی آدمیوں کو جلاوطن کر چکے تھے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۵) اکمل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۶۹، طبری جلد ۵ ص ۸۳) جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے، چنانچہ اب جب مجلس مشاورت میں شمولیت کے لیے سیدنا سعید بن العاصؓ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو کوفہ کی سبائی پارٹی نے یہ عہد کیا کہ وہ اب سعیدؓ کو کوفہ میں واپس نہیں آنے دیں گے اور اس مقصد کے لیے انہیں تلوار کا استعمال بھی کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ سیدنا سعیدؓ کی کوفہ سے غیر حاضری کے دوران یعنی ۳۲ھ میں یہاں کے ایک انقلابی یزید ابن قیس کو یہاں تک جرأت ہو گئی کہ وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر سیدنا عثمانؓ سے اُن کی دستبرداری کا مطالبہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو پڑا، لیکن قعقاع بن عمروؓ نے اس کو کپڑا لیا، گرفتاری کے بعد یزیدؓ نے کہا کہ ہم خوف گورنر کوفہ سعید بن العاصؓ کا تبادلہ چاہتے ہیں، اس پر قعقاعؓ ابن عمروؓ نے اس کو چھوڑ دیا، یزید ابن قیس کے ساتھ باقی تحریک اور مشہور فتان عبداللہ ابن سبأ بھی تھا۔ (اکمل جلد ۳ ص ۶۹) اسی اثنا میں کوفہ کے سبائیوں نے مالک الاشترؓ کو خط لکھ کر کوفہ بلایا، مالک اشترؓ



نے کوفہ پہنچے، یہی اپنی شراکیزہ تمکین شروع کر دیں، چنانچہ جمعہ کے روز جبکہ حضرت سعیدؓ کے قائم مقام عمرو بن حریث مسجد میں خطبہ دینے کے لیے منبر پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک انقلابی نے دروازہ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو آواز دی:-

”مَنْ شَاءَ أَنْ يُلْحِقَ بِزَيْدٍ لَوْ رَدَّ سَعِيدٌ فَلْيَفْعَلْ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

جو آدمی سعید بن العاصؓ کو واپس مدینہ بھیجنے کے لیے زید بن قیس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ مل جائے۔

اب ابن الاثیرؒ ہی کی زبانی سنیں کہ کن لوگوں نے زید کا ساتھ دیا اور کون مسجد میں ملنے گئے، لکھا ہے:-

فَبَقِيَ أَشْرَافُ النَّاسِ وَحُلَمَاءُ وَهُمْ فِي الْمَسْجِدِ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

صرف شریف اور سنجیدہ قسم کے لوگ ہی مسجد میں ملے رہے۔ (باقی سب دوران خطبہ ہی مسجد سے باہر نکل آئے اور زید کے لشکر سے جا ملے)۔

یزید بن قیس اپنی جماعت کو لے کر کوفہ سے مدینہ کے راستہ کی طرف نکل پڑا اور قادسیہ کے قریب ”جرعہ“ نامی مقام پر ڈیرہ جمالیا، یہاں مالک الاثیرؒ بھی زید کے ساتھ تھا۔ جب یزید بن قیس، مالک الاثیرؒ، عبداللہ بن سبأ اور ان کی جماعت سعید بن العاصؓ کے کوفہ میں داخلہ کی مزاحمت کے لیے مقام جرعہ پر ڈیرا ڈالے تھے تو سعید بن العاصؓ بھی مجلس مشاورت سے فارغ ہو کر واپس کوفہ تشریف لائے لیکن راستہ میں ”جرعہ“ کے مقام پر سبائیوں نے ان کی مزاحمت کی اور کہا:-

”لَا حَاجَةَ لَنَا بِكَ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۴۷)

ہمیں نہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا تم واپس چلے جاؤ۔

اسی دوران میں مالک الاثیرؒ نے سیدنا سعید بن العاصؓ کے ایک غلام کو قتل کر دیا، حضرت سعیدؓ نے جب دیکھا کہ حالات زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لیے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انہوں نے خود جاکر امیر المؤمنینؓ سے کہہ دیا کہ کوفہ کے لوگ میری جگہ ابو موسیٰ اشعریؒ کو روزگار

ہیں لہذا ان کو گورنر بنا کر کوفہ بھیج دیا جائے، آپ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کے کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۳، ۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۷، ابن الاثیر جلد ۴ ص ۴۷۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعرئ کے تقرر کے ساتھ ہی آپ نے باغیوں کو لکھ بھیجا کہ: ”میں نے تمہارے مطالبے کو ماننے ہوئے سعید کو معزول کر کے ابو موسیٰؓ کو ان کی جگہ گورنر مقرر کر دیا ہے، بخدا میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمہارا مقابلہ میں صبر و استقلال سے کام لوں گا اور تمہاری اصلاح میں پوری کوشش کروں گا۔“ (ابن الاثیر جلد ۴ ص ۴۷۷)

## مدینہ طیبہ کے حالات

اب مدینہ طیبہ میں بھی حالات کچھ اچھے نہیں تھے، مفسدین یہاں کی فضا کو بھی مسموم کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے، لیکن تمام صحابہؓ امیر المؤمنینؓ کے ساتھ تھے اس وجہ سے مسلمانوں تک یہاں مفسدین کی جماعت کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا، لیکن مسلمانوں میں جب مفسدین کا پروپیگنڈہ کچھ مؤثر ہونے لگا تو سیدنا علیؓ نے چند لوگوں کے ساتھ امیر المؤمنینؓ سے ملاقات کی اور انہیں مفسدین کے اعتراضات اور ان کے حالات سے بخوبی آگاہ کیا، امیر المؤمنینؓ نے مفسدین کے اعتراضات کو دلیل کے ساتھ رد کیا، جس کی تفصیل ابن الاثیرؒ نے الکامل جلد ۳ ص ۷۷ اور ابن جریر الطبریؒ نے تاریخ الامم والملوک جلد ۵ ص ۹۶ پر ذکر کی ہے۔

## تحقیقاتی کمیشن

مدینہ کی حالت دگرگول ہوتے دیکھ کر امیر المؤمنینؓ کو زیادہ تشویش لاحق ہوئی

مدینہ کے علاوہ کوثر بصرہ مصر وغیرہ کی حالت بھی تشویش ناک تھی، آپ فرب و روز اسی سوچ میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر کی جاوے جس سے حالات کے اس تلاطم میں سکون پیدا ہو جائے لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسی اثنا میں سیدنا طلحہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ملک کے مختلف صوبوں میں حقیقت حال جاننے کے لیے وفد بھیجے جائیں اور وہ وہاں کا آنکھوں دیکھا حال اور وہاں کے باشندوں سے اپنی کالوں سنی ہوئی باتیں دربار خلافت میں آگے بیان کریں اور ان وفد کی رپورٹ پر پھر آپ مناسب کارروائی کریں اس سے مجھے اُمید ہے کہ حالات میں جو تیزی پیدا ہو گئی ہے وہ ممکن کی صورت اختیار کرے گی۔ امیر المؤمنین کو سیدنا طلحہؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے ۳۵ھ میں سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو کوثر، سیدنا اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ، سیدنا عمار بن یاسرؓ کو مصر اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ کو دوسرے صوبوں میں تحقیق حال کے لیے روانہ کیا۔ (راکمل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۹، طبری جلد ۵ ص ۹۹) ان وفدوں نے پورے ملک کا دورہ کیا، مختلف گورنروں پر جو الزامات عائد کیے جاتے تھے اُن کی چھان بین کی، مختلف لوگوں سے ملے سپاہیوں کی کاروائیوں کا مطالعہ کیا اور اس میں ان کے خلوص کا اندازہ لگایا، موجودہ حالات کی پوری تحقیقات کے بعد انہوں نے اپنی مفصل رپورٹ دربار خلافت میں پیش کی سوائے حضرت عمار بن یاسرؓ کے دوسرے

۱۔ حضرت عمار بن یاسرؓ ایک نہایت سادہ دل اور دلش فاش بزرگ تھے جیسا کہ کھاجا چک ہے کہ بانیوں نے اپنے پرہیزگاروں سے کچھ سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنے طام تزویر میں چھانس لیا تھا اُن میں سے ایک سیدنا عمار بن یاسرؓ بھی تھے، یہ مصر میں تحقیقاتی وفد کے ساتھ گئے لیکن مصر کے سپاہیوں نے ان کو معاملہ کی اصل تہ تک نہ پہنچنے دیا، طبری نے نقل کیا ہے کہ:-

استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منهم عبد اللہ بن سوداء و خالد ابن ملجم و سودان بن حموان و کنانة بن ایشور۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۹) یعنی سپاہیوں نے مصر میں ان کو پہلا پھنسا لیا اور عبداللہ بن اسوداء، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے وہ حج کے موقع پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے گورنروں سے اپنا حق مانگے یا پھر معاف کر دے بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والوں کو جزائے خیر دیتے ہیں“

(طبری جلد ۵ ص ۹۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۷۸)

جب خلافت اسلامیہ کے مختلف شہروں میں اس گنتی مراسم کو پڑھ کر نایا گیا تو اس کو سن کر تمام لوگ اشکبار ہو گئے اور امیر المؤمنین کے حق میں دُعا ئے خیر کی۔

## موسم حج میں گورنروں کا اجتماع

اگلے سال موسم حج میں سب گورنر مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور ان میں سعید بن العاصؓ سابق گورنر کوفہ اور عمرو بن العاصؓ سابق گورنر مصر کو بھی مشورے کے لیے بلایا گیا تو آپ نے ان سب گورنروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :-

”یہ شکایتیں اور افواہیں کیسی سننے میں آرہی ہیں؟ تمام گورنروں نے جواب دیا: ”کیا آپ تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ ان افواہوں کی تحقیقات نہیں کروا چکے؟ کیا عوام الناس کے خیالات کی رپورٹ آپ کو نہیں مل چکی؟ اور کیا آپ کے تحقیق کرنے والے آپ کو اصل حقیقت حال سے آگاہ نہیں کر چکے کہ ان افواہوں میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں؟ لہذا صف افواہوں پر مواخذہ جائز نہیں“

آپ نے فرمایا تو پھر مجھے بتاؤ کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس پر سعید بن العاصؓ نے عرض کیا کہ :-

”امیر المؤمنین! یہ معاملہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا علاج صرف

یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے“

سعید نامعاویہ بن ابی سفیانؓ نے عرض کیا :-

”امیر المؤمنین! میرے صوبہ میں بالکل امن و امان ہے وہاں سے آپ کو فتنہ و فساد کی خبر نہ ملے گی۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ سابق گورنر مصر نے کہا :-

”میری رائے یہ ہے کہ آپ زیادہ نرمی سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، آپ اپنے دونوں ساتھیوں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجئے اور درستی کے موقع پھر درستی اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے۔“

آپ نے ان سب گورنروں کی رائے سُن کر فرمایا :-

”مُہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے اس امت کے لیے جس فتنہ کا خوف ہے وہ آکر ہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزدل کھل جائے گا لیکن میں اس کو نرمی ہی سے بند کروں گا البتہ حق تعالیٰ کی حدود میں ہرگز ہرگز نرمی نہیں برتوں گا۔۔۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے لوگوں کی بہتری اور ان کی بھلائی میں کبھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، اور بے شک فتنہ کی چکی چلنے والی ہے اگر عثمان اس حالت میں مر گیا کہ اُس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے خوشخبری ہے۔“

پھر فرمایا :-

”تم لوگوں میں امن و سکون پیدا کرو، ان کے حقوق پورے کرو اور حقوق اللہ میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کرو۔“ (طبری جلد ۲، ابن الاثیر جلد ۲)

اس پیغمبرِ علم و عفو سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کے اس دھارے کو اپنی نرمی کے بند سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سب کچھ بے سود رہا جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور امت میں ایک ایسے فتنے کا دروازہ کھل گیا جس کے متعلق چالیس سال قبل ذاتِ قدسی صفات نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۲ ص —)

## سیدنا معاویہؓ کا امیر المومنینؓ کو مشورہ

یہ فتنہ روز بروز خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا تھا اور آپ اصلاح حالات کی تدابیر میں ہمت تنصروف تھے اور ادھر سبائی لوگ مدینہ منورہ پر یورش کرنے کا منصوبہ طے کر رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ کی دُور بین نگاہوں اور ایمانی بصیرت نے شروع ہی سے اس فتنہ کا تجزیہ کر لیا تھا اور آپ اس کے عواقب و نتائج سے بخوبی آشنا ہو چکے تھے، اور گورنر توج کا نفرنس کے بعد مکہ مکرمہ ہی سے واپس اپنے صوبوں میں چلے گئے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ امیر المومنینؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ بھی تشریف لائے، مدینہ سے شام واپس جاتے ہوئے آپ نے امیر المومنین سے انتہائی اصرار سے عرض کیا:-

”امیر المومنین! یہاں کی حالت انتہائی غیر اطمینان بخش ہے اس لیے آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلے، وہاں کے لوگ امرائے بہت تابعدار ہیں وہاں آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا۔“  
آپ نے فرمایا:-

”معاویہ اساری عمر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گزری ہے اب خواہ میرا ستر تن سے جدا ہو جائے لیکن پھر بھی میں اس بڑھاپے میں جو اور رسول کو نہیں چھوڑوں گا۔“ (غزب اقلوب! طبری جلد ۸ ص ۱۸۸)  
سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب پہلی تجویز مسترد ہو گئی تو آپ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ:-

”میں آپ کی حفاظت کے لیے شام سے کچھ فوج بھیجتا ہوں۔“  
آپ نے فرمایا:-

”لا اذیق علی جیدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والوں پر مدینہ رسول کو تنگ نہیں کرنا چاہتا۔

سیدنا معاویہؓ نے چلتے ہوئے پھر کہا کہ :-

”مجھے ناگہانی حادثے کا شدید خطرہ ہے۔“

امیر المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ :-

”حَسْبِيَ اللَّهُ وَكَفَى الْمَوْتُ كُفً كَافً“۔ کافی ہے میرے لیے اللہ اور

وہ بہترین کار ساز ہے۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۱، ۱۶۹، الکامل لابن الاثیر جلد ۳، ۴۹، طبری جلد ۵، ۱۸۱)

## مدینہ طیبہ پر باغیوں کی پہلی کوشش

فتنہ و فساد کی آگ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی اور امیر المؤمنین تمام عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف تھے۔ مصر میں محمد ابن ابی حذیفہ اور محمد ابن ابی بکر شورش پسندوں کے ہتھے چڑھ چکے تھے اور عبدالرحمن بن ادیس البلوی، کنانہ بن بشر اور عبداللہ بن سباد ان کو اپنی مقصد برآری کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صحابی زادہ ہونے کے باوجود سینا عثمانؓ سے خاص بغیر تھا یہاں تک کہ بقول ابن الاثیر الجزری: ”يُحَدِّثَانِ عَلِيَّ عَثْمَانَ“ یہ دونوں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اکسارتے رہتے تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۳، ۴۹)

ان کی آگساہٹ اور سبائی منصوبہ کے تحت رجب کے مہینہ میں... شورش پسندوں نے عمرو کے بھانے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، گورنر مہر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی مروح نے امیر المؤمنین کو ان کی روانگی اور ان کے منصوبے سے مطلع کر دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو امیر المؤمنین نے سیدنا علیؓ سے کہا کہ مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بھا کر واپس بھیج دیا جائے ان... شورش پسند



میں عبدالرحمن بن عدیس، کنانہ بن بشر، سودان بن حمران قائدین تحریک بھی تھے، اور محمد بن ابی بکر جو کہ حضرت علیؓ کے ربیب تھے وہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، سیدنا علیؓ نے تین صحابہؓ کی معیت میں مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو سمجھا بجا کر واپس بھیج دیا اور جو کچھ ان لوگوں نے امیر المؤمنین پر اعتراضات کئے اُن کے نشانی جوابات دیئے، بعد میں آپ نے امیر المؤمنین کو اس کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیں اس سے ان حالات میں بہت فائدہ ہوگا، چنانچہ آپ کے کہنے پر امیر المؤمنین نے مسجد نبوی میں بڑی مؤثر تقریر کی جس کے متعلق ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:-  
 ”وَأَدُسَلَ عَيْنِيهِ فَبَكَى الْمُسْلِمُونَ أَجْمَعُونَ -“

آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور سب مسلمان بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۷۴)

## مدینہ طیبہ پر دوسری یورش

جب یہ مفسدین واپس چلے گئے تو انہوں نے بھرہ اور کوفہ کی جماعتوں کے ساتھ نط و کتابت کے ذریعہ یہ منصوبہ بنایا کہ شوال میں سب نواح مدینہ میں اکٹھے ہوں اور امیر المؤمنین کو خلافت سے معزول کریں۔ چنانچہ شوال ۳۵ھ میں مصری مفسدین چار امراء کی سرکردگی میں چار گروہوں میں نکلے، اور ایک ایک گروہ کی تعداد کم سے کم چھ سو اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھی، ان چار گروہوں کے سردار عبدالرحمن بن عدیس البلوی، کنانہ بن بشر الیشی، سودان بن حمران اور فقیہ بن فلان الکوفی تھے اور

لے محمد بن ابی بکر تھے تو ابو بکرؓ کے بیٹے لیکن مدینہ اکبرؓ کی وفات کے بعد آپ کی بیوہ اسماء بنت عیس نے سیدنا علیؓ سے شادی کر لی، محمد بن ابی بکرؓ اس وقت ۱۲ سال کی تھی اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے ہاں پرورش پائی۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۷۰)

ان چاروں گروہوں کی قیادت النافقی بن حرب کر رہا تھا، ان گروہوں میں اخلاقی جرأت کا اس قدر فقدان تھا کہ مصر سے نکلنے وقت عوام کو یہ نہ بتایا کہ ہم امیر المؤمنین کی معزولی کے لیے جا رہے ہیں بلکہ:-

”وخرجوا في مآظهم ورون للناس حجاجاً۔ (البداية والنهاية ج ۳ ص ۱۴۳)

لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔  
ویسے تو یہ پانچوں قائدین ہی فتنہ و فساد کے لیے کچھ کم نہ تھے، لیکن:-  
”ومعهم ابي السواد۔ (البداية والنهاية ج ۳ ص ۱۴۱)

ان کے ساتھ ابن السواد (عبد اللہ ابن سباد) بھی مل گیا۔  
اسی طرح کوفہ اور بصرہ سے بھی چار چار گروہوں میں اتنی ہی تعداد میں یہ لوگ نکل پڑے اور مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر پہنچ کر رُک گئے۔ اہل بصرہ نے دانخت اہل کوفہ نے اتحوص اور اہل مصر نے ذی المروہ کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے اور کچھ لوگوں کو مدینہ طیبہ میں حالات کے مطالعہ کیلئے بھیجا۔ انہوں نے مدینہ میں سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور دوسرے لوگوں سے مل کر اصل مقصد سے مطلع کیا اور کہا ہم امیر المؤمنین اور ان کے گورنروں کی معزولی کے لیے آئے ہیں لہذا آپ لوگ ہمیں مدینہ میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، لیکن:-

”فكلى الناس أبقى دخولهم وتمهلى عنه۔ (البداية والنهاية ج ۳ ص ۱۴۴)

سب لوگوں نے ان کے داخلہ سے انکار کر دیا اور اس سے منع کیا۔  
معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کو امیر المؤمنین سے کوئی شکایت نہیں تھی اور اگر انہیں کوئی شکایت ہوتی تو وہ ضرور ان مفسدین کا استقبال کرتے اور مدینہ طیبہ میں ان کے داخل ہونے کو بخوشی قبول کرتے، لیکن تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تمام اہل مدینہ نے اُن کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا اور ان کو داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علیؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے پاس جب یہ لوگ گئے اور انہیں

اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو مؤرخین متفق ہیں کہ :-

”ان تینوں نے باوازی بلند اپنے پاس سے دھتکار دیا اور فرمایا نیک اور صالح لوگوں کا یقین ہے کہ ذی المروہ اور ذی شنب کا شکر خناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملعون ہے لہذا تم واپس چلے جاؤ خدا تمہارا ساتھی اور حامی نہ ہو“ (ابداۃ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۷۲)

الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۵، طبری جلد ۵ ص ۱۷۲  
غرض یہ لوگ اہل مدینہ سے مایوس ہو کر واپس اپنے لشکر واپس چلے آئے اور ان کو اگر تمام حالات سے آگاہ کیا۔

## مدینہ طیبہ پر مفسدین کی تیسری یورش

مدینہ طیبہ میں جو حضرات حالات کے مطالعہ کے لیے آئے تھے، واپسی پر انہوں نے :-

”اظہروا للناس انہم راجعون الی بلد انہم۔“ (ابداۃ جلد ۱ ص ۱۷۲)

لوگوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کو واپس جا رہے ہیں۔  
لیکن ایک روز یکا یک اہل مدینہ نے مدینہ کی گلیوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں اور بکیر کے نعروں کا شور سنا تو باغیوں کی ایک کثیر تعداد مدینہ کی گلیوں میں دوڑ رہی تھی، ان میں اکثر تو حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور اعلان کر دیا :-

”من کف یدہ فہو ارمی۔“ (ابداۃ جلد ۱ ص ۱۷۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۵)

جو اپنے ہاتھ کو روک لے گا اُس کو امان دی جائے گی۔  
اہل مدینہ باغیوں کی اس اچانک یورش اور مدینہ میں آنے کے اس ناگہانی داخلہ سے خوفزدہ ہو گئے، پھر مفسدین کے اس اعلان نے کہ جو اپنا ہاتھ روک لے گا وہ

امن میں ہوگا انہیں اور زیادہ پریشان کر دیا کیونکہ انہیں اس قدر توقع ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اہل مدینہ نے اپنے ہاتھ روک لیے اور اپنے گھروں میں چلے گئے، کچھ پستہ نہیں چلتا تھا کہ حالات کیا کروٹ لیں گے اور یہ لوگ جو اچانک مدینہ میں داخل ہو کر قابض ہو گئے ہیں کیا گل کھلانے والے ہیں، لیکن ان دنوں میں بھی امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ باقاعدہ مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت کراتے یہاں تک کہ اہل مدینہ اور باغی دونوں آپ کے پیچھے نماز پڑھتے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۷۱، اکمال لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)  
اسی اثنا میں چتر صحابہؓ نے جن میں سیدنا علیؓ بھی شامل تھے مفسدین سے ان کے واپس آنے کا سبب پوچھا، طبری نے لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے پوچھا:۔  
”مَا اَذَكُم بَعْدَ ذَهَابِكُمْ وَرَجُوعِكُمْ عَنْ رَايِكُمْ“  
تھا کہ جانے کے بعد پھر واپس آنے اور تمہیں اپنی رائے سے رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟ (طبری جلد ۷ ص ۱۷۱، البدایہ جلد ۷ ص ۱۷۱)  
انہوں نے جواب دیا:۔

”اَخَذْنَا مَعَ بَرِيدٍ كَتَابًا يَقْتُلُنَا۔“ (اکمال لابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)  
ہم نے قاصد سے ایک خط پکڑا ہے جس میں ہمارے قتل کا حکم ہے۔  
سیدنا علیؓ نے ان سے سوال کیا:۔

”اُسے اہل کوفہ اور اُسے اہل بصرہ! اہل مصر کو جو واقعہ پیش آیا ہے کہ انہوں نے ایک قاصد کو پکڑ کر اُس سے ایک خط حاصل کیا ہے، اس واقعہ کا نہیں کیسے علم ہو گیا؟ جبکہ تم مثنیٰ منزیلیں طے کر چکے تھے پھر تم آگئے ہو کہ یہاں آگئے، بخدا یہ تو مدینہ ہی میں تیار کی گئی سازش ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ اس کو جس پہچان میں معمول کر لیں ہمیں تو اس شخص راہبہ امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو معزول کر کے ہی دم لیں گے۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۷۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸)

## ایک روایت

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ جب مصریوں کا لشکر راضی ہو کر سیدنا علیؑ اور دیگر صحابہؓ کے سبھانے پر واپس لوٹا تو وہ لوگ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ انہیں ایک قاصد ملا، مشکوک سمجھتے ہوئے انہوں نے اس کی نفی تیش حال کی تو اس نے کہا کہ میں امیر المؤمنین عثمانؓ کا قاصد ہوں اور گورنر مصر کے پاس جا رہا ہوں، یہ سن کر انہیں کچھ اور شک پڑا، تلاشی پر اُس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر باقاعدہ امیر المؤمنین کی مہر بھی ثبت تھی، اس میں لکھا ہوا تھا تھا کہ ان لوگوں کو یا تو سولی پر لٹکا دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ وہ اس قاصد کو پکڑ کر مدینہ طیبہ لے آئے اور سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا کہ (معاذ اللہ) اس دشمن خدا (سیدنا عثمانؓ) کا حال ملاحظہ فرمائیے، اس نے اس خط میں ہمارے متعلق یہ لکھا ہے، اللہ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے لہذا آپ ہماری ساتھ اُس کے پاس چلئے، آپ نے کہا واللہ میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، اس پر باغیوں نے سیدنا علیؑ سے کہا:-

”فَلَمْ كُنْتُمْ اِلَيْنَا، اُپنے پھر ہماری طرف خط کیوں لکھا؟“

آپ نے فرمایا:-

”مَا كُنْتُمْ اِلَيْكُمْ كِتَابًا، میں نے کبھی بھی تمہاری طرف کوئی خط نہیں لکھا“

سیدنا علیؑ کے منہ سے یہ سن کر وہ ایک دوسرے کا منہ تیکنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:-

”اَلِهَذَا اتَّقَتْ لَوْ اَوْ لِهَذَا اتَّقَضِيُونَ، کیا تم اسی کے لیے رڑتے ہو اور اسی کے لیے غضبناک ہوتے ہو؟“

سیدنا علیؑ نے جب اُن کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیا اور

ایک بستی کی طرف تشریف لے گئے۔

سیدنا علیؑ کے بعد مفسدین سیدنا عثمانؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے متعلق یہ خط لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یا تو تم اس پر دو گواہ پیش کرو یا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی مبعود نہیں، نہ تو یہ خط میں نے لکھا ہے نہ میں نے کھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، اور نہیں علم ہے کہ کسی نے ناکے ٹھوٹا، خط لکھا جاسکتا ہے اور ایک ٹہر کی طرح دوسری ٹہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ یہ سن کر باغیوں نے کہا کہ اللہ نے اب آپ کا خون ہمارے لیے حلال کر دیا۔۔۔۔۔ پس باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۷۰)

## معزولی پر اصرار اور قتل کا منصوبہ

باغی پہلے ہی چاہتے تھے کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں لیکن اس واقعہ سے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آگئی اور اب وہ پہلے سے زیادہ زور شور سے یہ کہنے لگے کہ ”جس شخص کی طرف سے ایسے اہم فرامین نکلے جائیں اُن پر اس کی ٹہر بھی لگاؤ جلتے اور سرکاری قاصد اسے لے کر جائے اور اس شخص کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہیں ہے، لہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ آپ فی الفور خلافت سے دستبردار ہو جائیں، اور اگر آپ خلافت سے دستبردار نہیں ہوتے تو ہم آپ کو قتل کر کے چھوڑیں گے“

امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ غنیؓ نے فرمایا:-

”جو قسمیں اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہیں میں اس کو کبھی نہیں اتاروں گا“

لے آپ کا خلافت کو نہ چھوڑنا خود ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا کیونکہ آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ ”اے عثمانؓ ابے شک اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قسمیں پہنائیں گے پس اگر خافین تمہے اس کے اتار دینے کا مطالبہ کریں تو ہم ہرگز نہ اتارنا یہاں تک کہ تم شہید ہو کر تجھ آملو“ (ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۰) (باقی حاشیہ لکے صفحہ پر)

اس ہر ایک شہر پر ہوا اور باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اگرچہ مفسدین ان ایام میں برابر امیر المؤمنین کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے لیکن ان کی نگاہ میں امیر المؤمنین کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، چنانچہ ایک جمعہ کو جبکہ آپ اس عرصہ میں لے کر جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر الصدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ اپنے ہاتھ میں لے کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لے گئے کہ دفعتاً ایک آدمی اٹھا اور بولا: اس منبر سے اتر آئیے، اور آپ کے ہاتھ سے وہ عصا لے کر اس کو اپنے دلہنے کھٹنے پر دکھ کر توڑ دیا۔ اس کے بعد شاید آپ ایک یا دو بار سے زیادہ نہیں نکلے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۱۷۵)

سیف ابن عمرؓ ذکر کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد امیر المؤمنین منبر پر تشریف لائے اور باغیوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

”اے باہر سے آنے والو! اللہ سے ڈرو! بخدا مدینہ کے لوگ بخوبی واقف ہیں کہ تم لوگ جناب رسالتؐ آپ علیہ افضل التحیات کے ارشاد کے مطابق ملعون ہو، لہذا تم اپنے قصور کو نیکی سے مٹاؤ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ برائیوں کو نیکیوں سے مٹاتے ہیں۔“

یہ سن کر محمد ابن مسلمہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

”اَنَا اَشْهَدُ بِذَلِكَ۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔“

یہ سن کر حکیم ابن جبہ باغی نے محمد ابن مسلمہؓ کو پکڑ کر بٹھا دیا، اس پر زید بن ثابتؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا:-

”اِنَّهُ فِي الْكِتَابِ۔ یہ چیز کتاب میں ہے۔“

یہ سنتے ہی ایک دوسرے کو نے سے محمد ابن ابی مریرہ باغی نے اٹھ کر ان کو بٹھا دیا۔

---

(بقیہ تاریخ گذشتہ صفحہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان کی تعمیل میں آپؐ شہید ہوئے تو قبول کریا لیکن خلافت کو نہ چھوڑا۔ اس فقرہ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

پھر دفعۃً تمام باغی اہل مسجد پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ انہیں مسجد سے باہر نکال دیا اور امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ پر اس قدر بھروسہ کر گئے کہ آپ بیہوش ہو کر منبر سے نیچے گر پڑے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱، ص ۱۶۶، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۱، طبری جلد ۵ ص ۱۰۰)

اس پر صحابہ کرام کی ایک جماعت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے باغیوں سے لڑنے کو نکلے، امیر المؤمنین کو جب پتہ چلا تو کہلا بھیجا کہ اپنا ہاتھ روکے رکھیں اور کسی کوئی تعرض نہ کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو یہ سن کر یہ لوگ واپس آگئے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۱، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۶)

جمع کے اس واقعہ نے صورتحال کو اور زیادہ نازک کر دیا جس سے صحابہ کرامؓ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی، امیر المؤمنین کے گھر کا محاصرہ زیادہ سخت کر دیا گیا تھا، اکثر صحابہ خانہ نشین ہو گئے تھے کیونکہ امیر المؤمنین ان کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اب صحابہ نے اپنے بیٹوں کو امیر المؤمنین کی حفاظت کے لیے بھیجا۔ چنانچہ سیدنا حسین، سیدنا عبد اللہ بن زبیر، سیدنا عبد اللہ بن عمر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ساتھ خلافت پر بہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی باغی آپ تک نہ پہنچ سکے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۶۶، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۸۱)

حالات لمحہ بہ لمحہ زیادہ نازک صورت اختیار کرتے جا رہے تھے اور باغیوں کے قبضہ کی وجہ سے مدینہ میں ایک خوف و ہراس طاری تھا، محصور ہونے کے بعد جب آپ کا داخلہ مسجد میں بند کر دیا گیا تو آپ نے سیدنا ابوالیوب انصاریؓ کو مسجد نبوی میں امام مقرر فرمایا لیکن باغیوں نے ان کو فرائض امامت سے معزول کر کے عافقی ابن حرب کو امام مقرر کر دیا۔

امیر المؤمنین کے لیے پانی تک بند کر دیا گیا، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا اور سیدنا حضرت علیؓ باغیوں کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے لیکن باغیوں نے ان دونوں کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں ام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا کی شان اقدس



میں سخت سست الفاظ استعمال کیے اور آپ کے نجر کو جس پر آپ سوار تھے زخمی کر کے گرادیا، چند حضرات نے بڑی مشکل سے ام المؤمنین کو وہاں سے الگ کیا۔

(طبری جلد ۵ ص ۱۲۵)

مدینہ پر غاصبی ابن حرب اور اس کی جماعت کا پورا تسلط تھا گویا سبائیوں نے مدینہ پر مارشل لا کی سی کیفیت طاری کر دی تھی اور مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے ہزاروں سبائی مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں دندناتے پھرتے تھے اور کوئی ان کو روکنے والا نہیں تھا، اکابر صحابہ نے کئی تجاویز پیش کیں، حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا کہ انصار کی ایک جماعت دروازے پر حاصر ہے اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے کو تیار ہے لیکن امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں جنگ کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ق اول ص ۴۴، العوام من القوام ص ۳۳ التعلیف)

سیدنا مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہا کہ: "امیر المؤمنین! یا تو آپ مقابلہ کیجئے یا پھر عقبی دروازہ سے نکل کر مکہ یا شام کو چلے جائیے، شام کے لوگ بہت وفادار ہیں اور وہاں سیدنا معاویہؓ بھی موجود ہیں" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "مقابلہ میں کسی صورت نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جس کے ہاتھوں آپؐ کی اُمت کی خوریزی کا آغاز ہوا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی میں کسی صورت چھوڑنا نہیں چاہتا" (مسند احمد ابن حنبل جلد ۲ ص ۶۷)

لے اس روایت سے اُس روایت کی تردید ہوجاتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مصر، کوفہ، بصرہ اور شام میں اپنے گورنروں کو فوج بھیجنے کے لیے خط لکھے تھے اور ان کی فوج مدینہ کے قریب پہنچ چکی تھی جب باغیوں نے آپ کو تنہید کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۵، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۸۵) یہ روایت عقلی اور فطری دونوں لحاظ سے غلط ہے کیونکہ اگر لوگ آپ کو اپنی حفاظت کرنا نہ ہوتی تو تمام اہل مدینہ اس مقصد کے لیے آپ کے ساتھ تھے اور وہ چند گھنٹوں میں باغیوں کا مفاہیہ کر سکتے تھے، خود (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باغیوں نے اپنی ایک میننگ میں یہ فیصلہ کیا کہ امیر المؤمنین کی شمع حیات کو جلد امجد خاموش کر دیا جائے کیونکہ انہیں اس کام کی تاخیر میں کچھ خطرات پیش آنے کا ڈر تھا، ادھر آپ کو بھی اپنی شہادت کا یقین ہو چکا تھا، ادھر عاصیہ کو بھی انچاس دن ہونے کو آئے تھے۔ (مروج الذهب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵) اب آپ نہایت صبر کے ساتھ اس لمحہ کے منتظر تھے، جمعہ کے روز سے روزہ تھا، ایک پاجامہ جسے آپ نے کبھی زیب تن نہیں فرمایا تھا اس روز پہنا، بیس غلام آزاد کیے اور کلام اللہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ (انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ صفحہ ۸۲، مسند احمد ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۲۵، ۱۲۸) طبری جلد ۵ صفحہ ۱۲۵

صدر دروازہ پر سیدنا حسینؑ، سیدنا حسنؑ، سیدنا محمد بن عباسؑ، سیدنا ابی زبیرؑ اور دیگر کئی صحابہ زادوں کا پہرہ تھا لہذا باغی صدر دروازہ سے قہر خلافت میں داخل نہ ہو سکے، کچھ لوگ مکان کے عقب سے چڑھ کر اندر داخل ہو گئے لیکن امیر المؤمنینؑ کو تلاوت میں مشغول پا کر واپس لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکرؓ نے رجو کہ سیدنا عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھا، بڑھ کر امیر المؤمنین کی ریش مبارک پکڑ لی، آپ نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ محمد بن ابی بکرؓ تھا، آپ نے فرمایا: "بھتیجے! اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو تو کبھی ایسا نہ کر سکتا۔" یہ کلمات سن کر محمد بن ابی بکرؓ نام دم ہو کر واپس چلا گیا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳، البدایہ جلد ۲، مروج الذهب جلد ۲، ابن اثیر جلد ۹ ص ۹) اس کے بعد عافقی ابن حربؓ نے آگے بڑھ کر قرآن پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳) اسی اثنا میں کنانہ بن بشرؓ نے پیشانی پر لوہے کی لاٹ اس زور

دھیا جانیہ گذشتہ صفحہ) حیدر گڑھ موجود تھے اس کے لیے باہر سے فوج حگوئے کی ضرورت ہی کی تھی، لیکن آپ نے اہل مدینہ کو روک رکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک کا بیان ہے کہ: "امیر المؤمنینؑ نے میں باغیوں کے ساتھ لڑنے سے روک دیا تھا، اگر آپ اجازت دیتے تو ہم انہیں مار مار کر مدینہ سے باہر نکال دیتے۔" (العوامم من القوامم صفحہ ۱۱، الامایہ جلد ۲ صفحہ ۱۱، الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۱)

سے ماری کہ سیدنا عثمانؓ پہلو کے بل گر پڑے اور خون کا فوارہ قرآن پاک کے اوراق پر جاری ہو گیا، کرتے ہی آپ کی زبان سے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ کے الفاظ نکلے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۳۱)

اس کے بعد عمرو ابن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر کئی وار کئے، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہؓ آپ کو بچانے کے لیے دوڑیں لیکن سودان ابن حمران کی تلوار کے وار سے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں، پھر سودان ابن حمران نے بڑھ کر داماد رسول، پیکرِ علم و حیا و جامع قرآن کو شہید کر دیا، شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا، فَبَشِّرْهُنَّ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ط اور اس وقت آپ جس آیت کو تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی۔

اے بعض حضرات جن میں ابن جریر طبری بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ قتل عثمانؓ میں تمام صحابہ شریک تھے اور وہ لوگوں کو خط لکھ کر ترغیب دیتے تھے کہ سیدنا عثمانؓ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وذكر ابن جرير من هذه الطريق ان الصحابة كتبوا الى ابي العباس  
يا مؤمن الناس بالقدوم على عثمان ليقتلوه۔ اور ابن جریرؒ نے  
اس طریق سے ذکر کیا ہے کہ صحابہؓ مدینہ سے باہر کے لوگوں کو خط لکھتے جن میں انہیں  
سیدنا عثمانؓ پر چڑھائی کر کے انہیں قتل کرنے کا حکم دیتے۔ (ابوداؤد و التہایہ جلد ۵ ص ۱۷۸)  
ابن جریر طبری کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

”هذا كذب على الصحابة۔ (ایضاً) یہ صحابہ پر بہتان اور افتراء ہے۔“

صحابہ پر ایسی اعتراض کو ابن کثیرؒ نے ابوداؤد جلد ۵ ص ۱۹۸ پر بھی نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے۔  
پھر بھی ابن کثیرؒ حاف لفظوں میں صحابہؓ کی بریت فرماتے ہوئے حافظ ابن عساکرؒ کے حوالے سے لکھتے  
ہیں کہ جن لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا:-

”ليس فيهم احد من الصحابة ولا ابتاؤهم الا محمد بن ابي بكر

ان میں نہ تو کوئی صحابی شامل تھا اور نہ ان کی اولاد میں سے کوئی شریک تھا سوائے

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ  
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (۴۷)  
(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۲، طبری جلد ۵ ص ۱۲۶، البدایہ جلد ۷ ص ۱۸۸، انساب  
الاشراف جلد ۵ ص ۸۴، ۸۵)

ان خیاد المسلمین

## شہادت کے بعد

امیر المؤمنین کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی جس  
کو شکر صحابہ مضطرب اور بیقرار ہو گئے، سیدنا علیؑ نے جس وقت مدینہ خبر سنی تو دونوں  
ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں۔  
سیدنا خدیجہؓ نے فرمایا: ”عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہو گیا ہے جسے پہاڑ  
بھی بند نہیں کر سکتے۔“ سیدنا عباسؓ نے فرمایا کہ: اگر ساری مخلوق اس قتل میں  
شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۵۲)  
امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد باغیوں نے ان کے گھر اور بیت المال کو لوٹ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) محمد بن ابی بکر کے: (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس بارہ میں لکھتے ہیں :-

ان خیاد المسلمین لہم دخل واحد منهم فی دم عثمان لا قتل ولا  
امر یقتلہ، واما قتله طائفة من المفسدين فی الارض من اوباش  
القبائل واهل الفتن۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۸۷)

اچھے اور نیک مسلمانوں میں کوئی شخص بھی قتل عثمانؓ میں شامل نہیں تھا نہ ان کے قتل اور نہ ہی  
ان کے قتل میں کسی قسم کا حکم دینے میں بلکہ انہیں اہل فتنہ قبائل کے اوباش لوگوں اور زمین میں  
فتنہ و فساد کرنے والے ایک گروہ نے قتل کیا تھا۔

لیا۔ (تاریخ الاسلام سیاسی جلد ۳۵، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۸۹) آپ کی نعش مبارک کی بے حرکتی کی۔ (الاستیعاب تذکرہ عثمان، طبری جلد ۵ ص ۳) بلکہ عمیر بن ضابطی نے نعش مبارک کی پسلی توڑ دی (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۱) منہ پر چیت مارے۔ (الایقان اور مسلمانوں کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ طبری جلد ۷ ص) اور آپ کے حرم کو سب و شتم کیا۔

ذوالحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ آپ کی شہادت کا بانگ افاقہ پیش آیا، دور و نزدیک اور بعض روایات کے مطابق تین روز تک پوری مملکت اسلامیہ جی کا ایک سرا کابل تک تھا تو دوسرا سرا مراکش تک تھا کے فرمانروا کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر دوسرے یا تیسرے روز چند آدمیوں نے رات کی تاریکی میں غصیہ طور پر انہی خون آلود کپڑوں میں حش کو کب میں ظلم و بردباری کے اس پہاڑ کو دفن کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳، طبری جلد ۷ ص ۱۲۳) حش کو کب کو بعد میں دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا۔

امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ایک شخص بیت اللہ میں یہ کہتا پھر رہا ہے: اللہم اغفر لی وما اظن ان تغفر لی داے اللہ! مجھے غصہ دے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ تو مجھے بخشے گا نہیں، میں نے کہا کہ جو تو کہتا ہے ایسا میں نے کسی کو بھی کہتے نہیں سنا اس نے کہا کہ میں نے حق تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر میں عثمان کے منہ پر طمانچہ مار سکا تو ضرور ماروں گا پس جب وہ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ ان کے گھر میں چارپائی پر رکھا ہوا تھا میں بھی وہاں پہنچ گیا اور موقع پا کر آپ کے چہرے سے پڑا ہٹایا اور زور سے ایک تھپیڑ مارا جس پر سر داہیاں ہاتھ سوکھ گیا۔

امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا دایاں ہاتھ دیکھا اور وہ اس طرح سوکھا ہوا تھا گویا کہ وہ ایک کلڑی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۱، تاریخ الکبیر فتحاری جلد ۳ ص ۱۲۱) امیر المؤمنینؓ کے قاتلین اور آپ کو تکلیف دینے والوں کا بھی برا حال ہوا اور وہ بڑی ذلت سے ملے گئے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اس کی تفصیل کے لیے میری کتاب "میدان عثمانی شخصیت اور کردار" کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ (م۔) (ظ۔)

# فتنہ کے مختلف زاویے

## سیدنا علیؑ کی بیعت

خلیفۃ المسلمین کا دار الخلافت میں دن دیہاڑے قتل کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا لیکن سیائی پورے مدینہ پر چھائے ہوئے تھے اور ہر آدمی اس اچانک حادثہ پر انگشت بندھا تھا۔ امیر المؤمنینؑ کی مظلومانہ شہادت کے بعد پانچ روز تک عافقی ابن حرب مدینہ کا امیر رہا، سبائیوں کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ خلافت کے اس بوجھ کو ہرگز نہیں اٹھا سکتے لہذا پانچ روز کے بعد انہوں نے امیر کی تلاش شروع کر دی، اہل مہر سیدنا علیؑ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، (کیونکہ محمد بن ابی بکر ان کے ساتھ تھا) کوئی سینا زبیرؓ کو اور اہل بصرہ سیدنا طلحہؓ کو، لیکن ان تینوں میں سے کوئی بھی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا، ان تینوں حضرات کے انکار پر سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ پر اس منصب کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا لیکن ان دونوں نے بھی انکار کر دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۲۲۶، طبری جلد ۵، ۱۵۵م)

طبری نے شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ شہادت عثمانؓ کے تیسرے روز باغی سیدنا علیؑ کے پاس آئے، آپ اُس وقت مدینہ طیبہ کے ایک بازار میں تھے، آتے ہی کہنے لگے کہ ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جلدی نہ کرو، سیدنا عمر الفاروقیؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے شوری کی وصیت فرمائی تھی لہذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔

یہ بات سُنکر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؑ کے پاس واپس آئے اس دفعہ

مالک الاثر بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) بعد میں سبائی فخر سے یہ کہا کرتے تھے کہ سیدنا علیؑ کی بیعت سب سے پہلے اشتر نے کی تھی۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۲۲۶)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشر (جو کہ سبائیوں کا سرغنہ تھا) اور اس کے ساتھیوں نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ نے سیدنا علیؑ کو بدشت منع کیا اور کہا کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ:-

”فَاتَكَ وَاللَّهِ لَتَنْ نَهَضْتَ مَعَهُ لَوْلَا الْيَوْمَ لِيَحْمِلَنَّكَ النَّاسُ دِمَ عَثَا غَدًا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۱، طبری ج ۵ ص ۱۵۶)

بخدا اگر آج آپ ان (باغیوں) کے ساتھ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل کو لوگ آپ پر قتل عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے، لیکن سیدنا علیؑ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

پھر حال سیدنا علیؑ خلیفہ مقرر ہو گئے اور ان لوگوں ہی نے سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جو قتل عثمانؓ میں پیش پیش تھے، لہذا آپ کا انتخاب آنا دانہ نہ ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ میں دہشت و بربریت کا دور دورہ تھا اس وجہ سے سیدنا علیؑ کے آنا دانہ انتخاب کا امکان ہی نہ تھا۔

یہ درست ہے کہ آپ خلیفہ بننا ہرگز پسند نہ کرتے تھے اور بار بار یہی فرماتے تھے: ”دَعُونِي وَالْقَسَا غَيْرِي“ (ابن الاثیر جلد ۳، طبری جلد ۵ ص ۱۵۲) مجھ کو چھوڑ دو اور کسی اور کی تلاش کرو۔

۱۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے سیدنا طلحہؓ نے آپ کی بیعت کی یہ روایت غلط ہے، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے معتبر روایات کی رو سے اول تو سیدنا علیؑ کی بیعت کی، یہی نہیں تھی اور اگر کی بھی تھی جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے تو وہ حبرؓ کی تھی جیسا کہ الفخزری نے سیدنا اسماعیل بن زیدؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (الخصری جلد ۳ ص ۴۰۹)

لیکن جس طرح سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اپنے عزم پر قائم رہے آپ اس طرح قائم ترہ سکے اور باوجود عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ کے آپ نے باغیوں کی بیعت قبول فرمائی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۸۱، آنحضری جلد ۲ ص ۲۳۲، ۲۳۵)

چونکہ باغی آپ کی بیعت میں پیش پیش تھے لہذا جمہور صحابہ نے آپ کی بیعت سے گریز کیا۔ (خطط الشام جلد ۱ ص ۱۳۶) انکر دعلی جن میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا قدام بن مظعونؓ، سیدنا صہیبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا کعب بن مالکؓ، سیدنا مسلم بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن عبیدؓ، سیدنا عبداللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا منیر بن شعبہؓ وغیرہم مشہور ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبری جلد ۵ ص ۱۵۲، ۱۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۲۶، المحاضرات للتحفزی جلد ۲ ص ۳۳۵، خطط الشام جلد ۱ ص ۱۳۶)

چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

”فان اکثر من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبايعوه ولم یبايعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمرو ولا عیدہما۔ (منہاج التتبع جلد ۲ ص ۱۳۶) مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علیؓ کی) بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے صحابہؓ نے آپ کی بیعت کی۔“

اُس زمانہ میں جن لوگوں کو اہل حل و عقد کہا جاتا تھا انہوں نے بھی آپ کی بیعت سے گریز کیا، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں:-

”خلافت برائے حضرت مرقطیؓ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحتہ للمسلمین بیعت نہ کردہ۔ (ازالۃ الخفاء جلد دوم ص ۲۴۹)

سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوئی اس لیے کہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد



اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے آپ کی بیعت نہ کی تھی۔  
 بھر حال آپ کی بیعت ہوئی اور ان ہنگامی حالات میں سیدنا حسنؑ کے منع کرنے  
 کے باوجود آپ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ اے

## جنگِ جمل

مدینہ طیبہ کی اس شورش اور امیر المؤمنینؑ کے اس سفاکانہ قتل پر سارا مدینہ مضطرب

ابو قیس بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے جمل کے روز سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے سنا، اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلَیْکَ مِنْ  
 دِمِ عُمَیْنٍ، وَلَقَدْ طَاشَ عَقْلِیْ یَوْمَ قَتْلِ عُمَیْنٍ اَنْکَرْتُ نَفْسِیْ وَجَارَوْنِیْ بِالْبِیْعَةِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ  
 اِنِّیْ لَا سَیِّحَیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ اَبَیْعَ قَوْمًا قَتَلُوْا رَجُلًا قَالَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ  
 وَسَلَّم اِنِّیْ لَا سَیِّحَیْ مِمَّنْ تَسَیِّحُیْ مِنْہِ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اِنِّیْ لَا سَیِّحَیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ اَبَیْعَ  
 وَعُمَیْنٌ قَتِیْلٌ فِی الْاَرْضِ وَلَہِیْدٌ فِنْ بَعْدٍ فَاَنْصَرَفُوْا فَلَمَّا دَفِنَ رَجَعَ النَّاسُ  
 یَسْئَلُوْنِیْ اَبِیْعَۃً فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْفَقُ مِمَّا اَقْدَمَ عَلَیْہِ تَحَرُّجَاتِ عَزْمَۃٍ  
 فَبَايَعْتَ فَلَمَّا قَالُوْا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ کَانَ صَدْعٌ قَلْبِیْ وَاسْکَتْ۔ (ابو یوسفؒ و انہار علیہ السلام)  
 اے اللہ! میں تیرے ہاں خوب عثمانؑ سے اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں، جس عثمانؑ کے روز میری عقل جاتی  
 رہی تھی اور (حزن و ملال کی وجہ سے) مجھے اپنی زندگی بُری معلوم ہونے لگی، لوگ میرے پاس بیعت کرنے کے لیے  
 آئے میں نے اُن سے کہا کہ بخدا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت کروں جنہوں نے  
 ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”میں اس سے حیا کرتا ہوں  
 جس سے قرشتے حیا کرتے ہیں“ اور بلا شک و شبہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں بیعت کروں اس حالت میں  
 کہ عثمانؑ فرس خاک پر خون سے لت پت ہیں اور ابھی تک دفن نہیں ہوئے۔ چنانچہ لوگ واپس چلے گئے، جب  
 عثمانؑ دفن ہو گئے تو لوگ پھر میرے پاس آئے اور مجھے بیعت لینے کی درخواست کی، میں نے کہا اے اللہ!  
 میں اس اقدام سے ڈرتا ہوں، لوگ پھر آئے اور اصرار کیا تو میں نے بیعت نہ لی لیکن جب انہوں نے مجھے  
 امیر المؤمنینؑ کہا تو میرا دل پھٹ گیا اور میں دم بخود رہ گیا۔“

تھا، سیدنا علیؑ کے خلیفہ المسلمین ہونے پر جب اہل مدینہ نے دیکھا کہ وہی مالک الانترہی عبد اللہ بن سباؓ وہی محمد بن ابی بکرؓ وہی کنانہ بن بشرؓ وہی خافضی بن حربؓ وغیرہم جو کل تک قاتلان عثمانؓ میں سے تھے آج سیدنا علیؑ کے گرد و پیش پھر رہے ہیں اور امیر المؤمنینؓ کے کاروبار خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں تو صحابہؓ کے ایک وفد نے سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے رہے ہیں نیز ان سے مدد حاصل کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ عند اللہ قابل مواخذہ ہیں لہذا شریعت کا تقاضا ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔ (التبیر جلد ۳ ص ۴۰، ابن الاثیر جلد ۲) لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا :-

”انی لست اجهل ما تعلمون ولكن كيف اصنع بقوم يملكوننا

ولا نملكهم۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱، یا ۱۴ العرب ص ۳۲۲)

جس چیز کو تم جانتے ہو میں بھی اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن میں

اس قوم سے کیسے نہٹ سکتا ہوں جن کو ہم پر قابو ہے اور میں ان پر

قابو نہیں۔“

لیکن صحابہ کرامؓ سے باغیوں کی یہ بے راہروی دیکھی نہیں جاتی تھی، مدینہ میں وہ دندناتے پھرتے تھے اور مسلمانوں کی سیاست پر ان کا پورا کنٹرول تھا اور ہر ایک کو یہ فکر لاحق تھی کہ حالات اب کیا کروٹ بدلتے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ نے تو اپنے کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کی راہ لی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳)

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے مدینہ کی موجودہ حالت کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر قومی محاذ قائم کیا جائے اور اس طریقہ سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے اور خلیفہ المسلمین کے قتل کا قصاص لیا جائے، چنانچہ وہ چند صحابہؓ کی معیت میں مکہ کی طرف چل دیئے۔

سیدہ عائشہ ام المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہا ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں، سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ میں وہ مکہ ہی میں تھیں لیکن واپسی پر ان کو ایک قرظی عزیز بن عبید بن ابی سلمہ نے اطلاع دی کہ امیر المؤمنین کو شہید کر دیا گیا ہے اور مدینہ میں باغیوں کا دور دورہ ہے اور انہوں نے سیدنا علیؓ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا ہے، یہ اطلاع پا کر وہ پھر مکہ لوٹ آئیں اور فرمایا :-

”وَاللّٰهُ قَتَلَ عَثْمَانَ مَظْلُومًا وَاللّٰهُ لَا يَطْلُبُ بِلَدِّهِ (البدایہ جلد ۱) ۱۰۵  
بخدا عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے اور اللہ کی قسم میں ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ ضرور کروں گی“

اتنے میں سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے انہوں نے ام المؤمنین کو مدینہ متورہ کے مکمل حالات سے مطلع کیا اور بتایا کہ :-

”ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آ رہے ہیں مدینہ میں لوگ نہایت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں ہیں اور ان کی حالت یہاں تک پرانگندہ ہو چکی ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ ہی ان میں اپنی حفاظت کی سکت ہے“ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۶، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۵)

## جنگِ جبل اور اس کے

### اسباب و نتائج

خلیفہ المسلمین سیدنا عثمانؓ غنیؓ (جن کو انتہائی مظلومی کی حالت میں گھر کی چار دیواری میں دن و رات شہید کیا گیا تھا) کے قصاص کی دعوت پر سائے عامر نے ایک کہا نہ اردو مسلمان جان تک دینے کے لیے تیار ہو گئے مکہ کے ایک رئیس یحییٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم بطور چندہ پیش کیے، عبداللہ بن عامر الحضری گود زر مکہ نے اعلان کیا کہ جو شخص اس لشکر میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سوری اور زورہ

نہ ہو تو اس کی سب ذمہ داری برداشت کی جائے گی۔ اس طریقہ سے تین ہزار آدمی اس دعوت میں شریک ہو گئے۔ اس سال چونکہ تمام اہمات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہم فتنہ کے دور سے حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لائی ہوئی تھیں اسلئے وہ بھی ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گئیں۔ سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی رائے سیدہ ہامدہ بنہ طیبہ چلنے کی تھی، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے شام چلا جائے اور وہاں سے سیدنا معاویہؓ کو ساتھ لے کر ہجرہ مدینہ طیبہ آیا جائے، لیکن بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے بصرہ چلا جائے، مدینہ جانے میں تو اہمات المؤمنین صلوٰۃ اللہ علیہم بھی شریک ہونے کو تیار تھیں لیکن جب فیصلہ بصرہ جانے کا ہوا تو اہمات المؤمنینؓ کٹ گئیں، صرف سیدہ حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینے کو کہا مگر آپ کے بھائی سیدنا ابن عمرؓ نے آپ کو روک لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲۲۹، ۲۳۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۸۱۰) بہر حال ادھر مدینہ میں آپ خلیفہ ہوئے ادھر سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کی والدہ سیدہ اُم الفضل نے سیدنا علیؓ کو ایک قاصد کے ذریعہ مطلع کیا کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے بصرہ کی طرف جا رہے ہیں لیہ مفسدین کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہیں ایک

اے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ نے امیر المؤمنین سیدنا علیؓ کی بیعت کر کے پھر اس بیعت کو ٹوٹ دیا تھا لیکن صحیح روایات اس کی تردید کرتی ہیں اور صاف صاف بتاتی ہیں کہ انہوں نے بیعت پہلے ہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ ابن جریرؒ نے صاف لکھا ہے کہ جب سیدنا علیؓ کی بیعت کی گئی تو یہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۶) اور اگر مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے بیعت کر لی تھی تو روایات میں آسلہ کہ ان کو مجبور کر کے بیعت کی گئی تھی اور انہوں نے بھی فتنہ کے خوف سے بیعت کر لی تھی۔ (الخصری جلد ۲، ابن الاثیر جلد ۳) پھر بغیر جبر کے بھی اگر بیعت کی ہو تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو سکتا ہے کہ اب وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ مطالبہ ان ہی اپنے نے بھی کیا جو سیدنا علیؓ سے بیعت کے چکے تھے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱۰، الخصری جلد ۳ ص ۱۲۰) بلکہ علامہ محمد ابوالفضل ایم ایمؒ نے تو صاف لکھا ہے کہ سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ اور دوسرے کئی ایک صحابہؓ نے جو بیعت کی تھی وہ مشرروط تھی، اور وہ شرط یہ تھی کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص (باقی ماشاء اللہ صفحہ پر)

سنہری موقع ہاتھ آگیا، چنانچہ کچھ مُفسد ہوا خواہی کے ہمدے میں سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے  
شکر میں مل گئے اور ایک اچھی خاصی تعداد سیدنا علیؑ کے ساتھ مل گئی  
ادھر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں، ادھر سیدنا علیؑ بھی  
اپنے شکر کے ساتھ ربیع الاول ۳۶ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیا جائیگا اور ان پر قتل کی شرعی حد نافذ کی جائے گی، چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

”کُتِبَتْ الْبَيْعَةُ وَرَجِعَ إِلَى بَيْتِهِ دَخَلَ عَلَيْهِ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِي عِدَّةٍ مِنَ  
الصَّحَابَةِ فَقَالُوا يَا عَلِيُّ إِنَّا قَدْ اشْتَرَطْنَا إِقَامَةَ الْحَدِّ وَدَوَانَ هَلْوَاءِ  
الْقَوْمِ قَدْ اشْتَرَكُوا فِي قَتْلِ هَذَا الرَّجُلِ -

جب بیعت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور حضرت علیؑ گھر تشریف لائے تو سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور  
دوسرے کئی ایک صحابہؓ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود اور قصاص کی  
شرط پر آپ کی بیعت کی تھی اور یہ لوگ جو آپ کے ارادہ کو دھجھ رہے ہیں یہ سیدنا عثمانؓ کے  
قتل میں برابر کے شریک ہیں اور آپ ان سے قصاص نہیں لے رہے“

سیدنا علیؑ نے فرمایا:-

”میں اُس بات سے نا آشنا نہیں ہوں جس کو تم جانتے ہو لیکن میں اس قوم پر اقامت  
حدود کیسے نافذ کر سکتا ہوں جن پر ہم کو قابو نہیں بلکہ وہ ہم پر قابو پائے ہوئے ہیں“  
(ایام العرب فی الاسلام ۳۲۲)

سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ کا مطالبہ صرف طلبِ قصاص تک تھا اور ان کے ذہن میں بھی نہیں  
تھا کہ اس مطالبہ کی نوبت خونریزی تک پہنچ جائے گی اور نہ ہی سیدنا علیؑ کو اس کی توقع تھی، یہ تو صرف سیاسیوں  
کی اندرونی سازش کا نتیجہ تھا جس سے یہ مطالبہ ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر گیا اور سیدنا زبیرؓ اور سیدنا  
طلحہؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے امتِ محروم ہو گئی۔

سیدہ عائشہؓ جنگ کے لیے نکلی تھیں یا صرف قصاص کے لیے؟ اس کے لیے میری کتاب ”کیا عورت  
مرد اور مملکت ہو سکتی ہے؟“ کا مطالعہ ضروری ہے۔ (م)۔ (ر)۔ (ظ)۔

نے آپ کے مدینہ سے نکلنے کی مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی گام تھام کر کہا:-  
 ”یا امیر المؤمنین! تخرج منها فواللہ لیں خرجت منها لا یعود  
 سلطان المسلمین الیہا ابداً۔“

امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلے، بخدا اگر آپ نکل گئے تو پھر مسلمانوں  
 کی حکومت مدینہ میں کبھی نہیں آئے گی۔  
 اس پر سیانیوں نے آپ کو سب و شتم کیا لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو  
 یہ اصحاب رسول میں بہت اچھے آدمی ہیں۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۰۱، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۲،  
 ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۱)

آپؐ حبیب مدینہ طیبہ سے جا رہے تھے تو سیدنا حسنؑ نے راستہ میں جا کر آپ سے  
 عرض کی ابا جان! میں نے پہلے بھی آپ کو کئی مشورے دیئے لیکن آپ نے ان کو نہ سنا  
 نہ سمجھا، آپ نے پوچھا وہ کون کون سے مشورے تھے؟ سیدنا حسنؑ نے عرض کیا:-  
 ”ابا جان! کیا میں نے آپ سے سیدنا عثمانؓ کے قتل سے پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور  
 پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قتل ہو جائیں اور آپ کے مدینہ میں ہونے  
 کی وجہ سے آپ پر کوئی الزام آئے لیکن آپ نے نہ مانا ابھر کیا میں نے آپ سے یہ  
 نہیں کہا تھا کہ آپ اُس وقت تک لوگوں سے بیعت نہ لیں جب تک کہ کل شہروں  
 کے ارباب حل و عقد آپ سے استدعا نہ کریں، لیکن آپ نے اس کو بھی نہ مانا اب پھر  
 میں نے اس وقت بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ جب سیدہ عائشہؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا  
 زبیرؓ قصاص کے مطالبہ کے لیے نکلے ہیں تو آپ گھر میں بیٹھے رہیں یہاں تک کہ آپس  
 میں مصالحت ہو جائے لیکن آپ نے میرا کوئی مشورہ نہیں مانا (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۲،  
 غرض کہ دونوں جماعتیں بصرہ میں آمنے سامنے ہوئیں، کوفہ کے ایک بزرگ صحابی

لے یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ اس خانہ جنگی میں اہل مدینہ اور اکابر صحابہ کی اکثریت نے سیدنا علیؑ کا  
 ساتھ نہیں دیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کی آپس کی اس خانہ جنگی کو بالکل پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے،  
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا حضرت قعقاع بن عمروؓ نے دونوں گروہوں میں مصالحت کی کوشش کی اور ان کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی اور سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عاصہؓ سب صلح پر متفق ہو چکے تھے کہ اسی اثنا میں سبائی پارٹی کے سرغنول اشتر النخعیؓ، خالد بن ولیدؓ، عبداللہ بن سبار، شریح بن اونیؓ اور علی بن مہیشم وغیرہم نے مل کر مشورہ کیا اور کہا کہ اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہماری غیر نہیں، لہذا مناسب یہی ہے کہ سب مل کر علیؓ کو بھی عثمانی کے پاس پہنچادیں۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۵) لیکن اس تجویز پر اتفاق نہ ہو سکا، آخر میں عبداللہ بن سبار نے کہا کہ قبل اس کے کہ علیؓ، طلحہؓ و زبیرؓ سر جو کر مزید غور فکر کریں تم جنگ چھڑ دو اور جنگ کا شعلہ جب بھڑک اُٹھے گا تو پھر دونوں پارٹیاں اپنے اپنے دفاع کے لیے جنگ پر مجبور ہو جائیں گی، اور سب نے اس پر اتفاق کیا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۶، ۱۹۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۲ ملاحظہ فرمائیں)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:-

”فاش شد علی اهل المدينة الامر فقتلوا۔ (طبری ص ۱۶۲)

اہل مدینہ کیلئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اپنا پہلو بچایا۔“

سیدنا علیؓ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو جنگ پر بلانے کے لیے کھیل انٹھنی کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے جواب دیا کہ میں اہل مدینہ کے ساتھ ہوں کیونکہ میں انہی میں سے ہوں، اگر وہ اس میں شریک ہو گئے تو میں بھی ہمدرد اور اگر وہ الگ رہے تو میں بھی پہلو تو ہی کروں گا۔

بعد میں جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اہل مدینہ کی طرف بھاگ کر کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو یہ کہتے ہوئے سنا:-  
”واللہ لاندري كيف نصنع فان هذا الامر لم يشبهه علينا ونحن قميون حتى يضي لنا وليفسد۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۴، ابن الاثیر جلد ۵ ص ۱۹۵)۔“  
مخدا، میں کچھ پتہ نہیں چلا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر مشتبہ ہو گیا ہے جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے ہم اس وقت تک اس بارہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

یہی حال دوسرے معاملہ کا تھا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ (۲ - ۱ - ظ)

طرفین میں صلح کی گفتگو جاری تھی اور سیدنا قتاع بن عمرو کی وجہ سے دونوں گروہ اس بات پر متفق ہو گئے تھے، اور بقول ابن کثیرؒ:-

”وَعَوَّلُوا جَمِيعًا عَلَى الصَّلَاحِ وَبَاتُوا بِخَيْرِ لَيْلَةٍ لَعَرَبِيَّةٍ تَوَابَتْ بِهَا  
لِلْعَافِيَةِ وَبَاتَ الَّذِينَ اتَّارُوا أَمْرَ عَثْمَانَ بِشَرِّ لَيْلَةٍ مَا بَاتُوا هَا قَطُّ -

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۳۹، ابن الاثیر جلد ۳، ص ۱۲۳، طبری جلد ۵، ص ۲۰۲، ۲۰۳)

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سو گئے کہ

اس سے قبل کبھی ایسے اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے لیکن وہ لوگ جنہوں

نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی راواران کو شہید کیا تھا،

انہوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی“

(تفصیل کے لیے دیکھئے، طبری جلد ۵، ص ۲۰۲، ۲۰۳، منہاج السنۃ جلد ۲، ص ۸۵، جلد ۳، ص ۲۲۵، ۲۲۶)

المنتقى للذبيحي ج ۲، ص ۲۲۳، ابن الاثير جلد ۳، ص ۱۲۳، البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۳۹،

تاریخ اسلام ذہبی جلد ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹)۔

صبح کو صلح کا اعلان عام ہونا تھا کہ سبائیوں نے صبح ہونے سے قبل اندھیرے

میں ہی دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا، سیدنا علیؓ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو

انہوں نے قرآن پاک دکھا دکھا کر لوگوں کو جنگ بند کرنے کے لیے کہا اور فرمایا کہ لوگو!

اس قرآن کو ثالث مانو اور بجائے ایک دوسرے کی گردن مارنے کے اس (قرآن) کے

مطلق اپنا فیصلہ کرو۔ (طبری جلد ۵، ص ۲۰۲) لیکن جنگ کی یہ آگ چونکہ ایک سازش

کے تحت لگائی گئی تھی لہذا سیدنا علیؓ کے قرآن دکھانے سے بھی نہ بچیں اور اس کا انجام

ایک خونریز جنگ کی شکل میں ظاہر ہوا اور ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اختتام جنگ پر سیدنا علیؓ کے بعض ساتھیوں نے

سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کے ساتھیوں کے اموال کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرنے کو کہا مگر

سیدنا علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ سبائیوں نے اس پر طعن و تشنیع کی اور کہا کہ جب

ان کے خون ہمارے لیے حلال تھے تو ان کے اموال ہمارے لیے کیوں حلال نہیں؟ آپ نے



یہ شکر فرمایا کہ تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا مال غنیمت میں اُس کے حصہ میں آئیں، یہ شکر سب نے چپ سادھی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۳۷)

اس جنگ میں سیدنا معاویہؓ کی طرف سے جو حضرات قتل ہوئے سیدنا علیؓ نے ان کے بارہ میں کلمہ خیر ہی کہا اور اپنے ساتھیوں کو منع فرمایا کہ وہ انہیں مومن کے سوا کسی اور نام سے یاد نہ کریں، آپؓ نے زیادہ سے زیادہ انہیں باغی کے لفظ سے یاد فرمایا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸، التفسیر قرطبی جلد ۱۶، ابن عساکر جلد ۱، المستفیٰ ذبی صفحہ ۳۳۵)

آپؓ کو توقع نہیں تھی کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا اور مطالبہ قصاص میں اس قدر جانیں تلف ہوں گی۔ چنانچہ جنگ جمل کے اس قتل عام سے آپؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ بڑی حسرت سے اپنے صاحبزادے سیدنا حسنؓ سے فرمایا:-

”بیٹا! کاش کہ تہا را باپ بیس سال قبل اس دنیا سے رحلت کر گیا ہوتا“

یہ شکر سیدنا حسنؓ نے عرض کیا:-

”ابا جان! کیا میں نے آپؓ کو اس سے روکا نہیں تھا؟“

آپؓ نے فرمایا:-

”بیٹا مجھے تو قلع ہی نہیں تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، تاریخ اسلام جلد ۲، کنز العمال جلد ۶، ۱۵۵)

(طبع حیدرآباد، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵، ۲۷۷، ۲۸۵)

## مَعْرَکَةُ صَفِّینَ

### پس منظر

سیدنا علیؓ کی بیعت کے بعد اکابر صحابہؓ کی نگاہیں اس بات پر تھیں کہ آپؓ کب

قاتلانِ عثمانؓ کو کفر کر دار تک پہنچاتے ہیں اور جن لوگوں نے دن دھاڑے مدینہ طیبہ میں امیر المومنینؓ کو انتہائی مظلومانہ حالت میں شہید کیا ہے اُن کو کب اپنے کیے کا بدلہ دیتے ہیں، لیکن تمام لوگ متعجب ہو گئے جب انہوں نے دیکھا کہ قاتلانِ عثمانؓ نہ صرف آپس کے مافیہ نشین ہیں بلکہ آپ اُن کو کاروبار حکومت کی ہر کلیدی آسامی پر متعین فرما رہے ہیں کچھ صحابہؓ نے ذاتی طور پر سیدنا علیؓ سے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا لیکن شنوائی نہ ہوئی۔

راغبی جلد ۳ ص ۴۰۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۱ اور ایک غوریز جنگ تک نوبت پہنچی۔ جنگِ جمل کی غوریز جنگ کے معاملہ نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، سیدنا علیؓ اور دیگر صحابہؓ کو اس بات کی ذرہ برابر توقع نہ تھی کہ دشمنانِ اسلام معاملہ کو اس حد تک پہنچا دیں گے۔ سید عثمان بن حنیفؓ اور قعقاع بن عمروؓ کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اس جنگ میں شہید ہو گئے، کچھ صحابہؓ نے حالات کے اس طرح کروٹ بدلنے سے سیدنا علیؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اموی سادات بصرہ اور مدینہ میں اپنا مستقبل اچھا اور خوشگوار نہ سمجھتے ہوئے سیدنا معاویہؓ کے پاس شام بھاگ گئے۔ (کافی الطبقاتی والبدایہ والکامل وغیرہا) دھرمیتا علیؓ کی انتظامیہ پر سبائیوں کا پلوپلو اور اقبہ تھا اور اب وہ کسی قیمت پر سیدنا علیؓ کو کسی سے صلح کی کوشش جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اس میں ان کے لیے سراسر نقصان تھا۔

اسی اثنا میں سیدنا علیؓ نے اپنی قوتِ فکر سے اور سبائیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو اپنا مرکزِ خلافت بنایا جائے کیونکہ وہاں ان کو اپنے لیے فضا ساز کا معلوم ہوئی، چنانچہ ۱۲ رجب ۳۶ھ کو آپ کوفہ تشریف لائے اور سیدنا عبداللہ بن سلامؓ کی وہ بات بالکل درست ثابت ہوئی کہ:-

لے بعض صحابہؓ اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ ابن علیؓ کو حلالہ کے اس نظریہ پہنچ جانے کا علم تھا اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا علیؓ کو ان اقدامات سے روکا جو انہوں نے کیے۔ (ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴)

لَا تَخْرُجْ مِنْهَا قَوْلًا لِلَّهِ لِيَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا لَا يَعُوذُ إِلَّا بِاللَّهِ الْمُسْلِمِينَ

أَيْدًا۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۰۰، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۳۳)

اے علیؑ! تم مدینہ سے باہر مت نکلو، بخدا اگر ایک دفعہ آپ مدینہ سے نکل گئے تو پھر مسلمانوں کی خلافت مدینہ میں کبھی بھی واپس نہیں لوٹے گی!

عراق میں آپ (سیدنا علیؑ) کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی کیونکہ عبداللہ بن سبا کی تحریک کا مرکز عراق اور مصر وہی تو صوبے تھے اور انہی دو صوبوں سے ساری مملکت میں انتشار پھیلا تھا جو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا۔ تاریخ کا طالب علم یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دالہ خلافت کی اس تبدیلی سے آپ کو مستقبل میں بہت نقصان اٹھانا پڑا، ایک تو آپ مدینہ طیبہ کے بابرکت اور مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور ہو گئے، دوسرے آپ بالکل سانیوں کے زرخ میں پھنس گئے اور آپ کی پوری سیاست اور اعظامیہ مآلک الاشتر کائنات ابن بشر اور دیگر سبائی سرخروں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے ساری زندگی آپ کو مشکلات سے دوچار رکھا اور خلافت اسلامیہ کو پانچ چھ سال تک ابتلائے عظیم میں مبتلا رکھا۔

## ملکی انتظامیہ میں تبدیلی

دوسری بات جس نے اسلامی تاریخ کا دھارا تشتت و افتراق کی طرف موڑ دیا وہ ملکی انتظامیہ میں فی الفور تبدیلی تھی۔ سیدنا عثمانؓ کی طرف سے مختلف صوبوں میں مندرجہ ذیل گورنر تھے :-

گوفہ	(زمانہ کے لیے)	ابو موسیٰ الاشعریؓ
	(امور جنگ کیلئے)	قعقاع بن عمروؓ
	(امور مالیات کیلئے)	جابر بن عمرو المزنیؓ
بصرہ		عبداللہ بن عامرؓ
مصر		عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ

معاویہ بن ابی سفیانؓ	شام
عبد الرحمن بن خالد بن ولیدؓ	حصص
جیب بن سلمہ فہریؓ	قنسرین
ابوالاعور بن سفیانؓ	اردن
حکیم بن علقمہؓ	فلسطین
اشعث بن قیسؓ	آذربائیجان
جریر بن عبد اللہؓ	قرقیسیا
عتیبہ بن اثہاسؓ	حلوان
مالک بن جبیبؓ	قیساریہ
عبد اللہ بن الحضرؓ	مکہ مکرمہ
قاسم بن ربیعہ الشقیؓ	طائف
یعلیٰ بن أمیہؓ	صنعاء
سائب بن الاقرعؓ	اصبہان
النسبہ	ہمدان
سعید بن قیسؓ	ری
جیش	سبذان

مدینہ طیبہ کے بیت المال پر عقبہ بن عمروؓ اور قتادہؓ پر سیدنا زید ابن ثابتؓ کو مقرر کیا گیا تھا۔ (الابدایہ والنبایہ جلد ۲۲، طبری جلد ۵ ص—)

لیکن سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر شکن ہونے ہی جہاں اپنے دارالخلافت میں تبدیلی کی وہاں گورنروں میں بھی اہم تبدیلیاں کیں اور خلافت عثمانی کے قریباً تمام گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ کچھ تو اپنے خاندان میں سے اور کچھ سبائیوں میں سے گورنر متعین فرمائے، چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل حضرات کو مختلف صوبوں میں گورنر بنایا۔

عبد اللہ بن عباسؓ  
 سمرہ بن جندبؓ  
 عمارہ بن شہابؓ  
 قیس بن سعد بن عبادہؓ، محمد بن ابی بکر  
 سہل ابن حنیفؓ  
 قثم بن عباسؓ، معبد بن عباسؓ  
 عبید اللہ بن عباسؓ (ایک روایت کے مطابق: ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱۱)  
 ثمامہ بن عباسؓ  
 زیاد بن ابی سفیانؓ  
 اشعث بن قیسؓ (خیانت عثمانی ہی سے یہاں تھے)  
 یزید بن قیسؓ  
 مالک الاشتر (سبائی سرغنہ) موصل، نصیبین، دارالبحر، سنجار، آمد  
 میا فارقین اور شام کے بعض مقبوضات پر۔  
 (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۲۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱۱، الاخبار الطوال  
 ص ۱۵۳، ۱۵۴، منهاج التتبع جلد ۲ ص ۱۷۳، المنتقى جلد ۲ ص ۲۸۲، ۲۸۳، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۸۲  
 ص ۱۸۵، ۱۸۶، الامامیہ جلد ۲ ص ۴۳، جلد ۳ ص ۱۵۷، جلد ۴ ص ۲۲۸، ۲۵۸، طبری جلد ۲ ص ۱۷۳  
 تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۷۹، جلد ۳ ص ۲۰۵)  
 شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی سیدنا علیؑ کے بارہ میں اپنے اقارب کو والی  
 اور گورنر بنانا لکھا ہے، فرماتے ہیں:-  
 ”و معلوم ان علیاً ولی اقاربه من قبل ایہ و اقمہ کہیں اللہ

لے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے عبد اللہ بن عباسؓ کا گورنر ہونا لکھا۔ (منہاج التتبع جلد ۲ ص ۱۷۳)  
 لے طبری کی ایک روایت میں عثمان بن حنیفؓ کا گورنر بصرہ ہونا لکھا ہے۔ (طبری جلد ۳ ص ۱۷۳)

وعبيد الله ابني عباس فولى عبيد الله بن عباس على من دولت  
على مكة والطائف قثم بن عباس واما المدينة فقتيل انه ولي  
عليها سهل بن حنيف وقيل ثمامة بن العباس واما البصرة  
فولى عليها عبد الله بن عباس وولى على مصر، بليبه محمد بن ابي بكر  
الذى رباها في حجره -

اور ميہ سلم ہے کہ سیدنا علیؑ نے باپ اور ماں کی طرف سے اپنے عزیز و اقارب کو  
گورنر مقرر فرمایا جیسے عبد اللہ بن عباسؓ اور عبيد اللہ بن عباسؓ کو پس اپنے عبيد اللہ بن  
عباسؓ کو یمن کا گورنر بنایا اور مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ کو والی مقرر کیا، لیکن مدینہ  
پر ایک روایت کے مطابق سهل بن حنيف کو اور ایک روایت کے مطابق ثمامہ  
بن العباسؓ کو گورنر مقرر فرمایا اور بصرہ پر عبد اللہ بن عباسؓ کو والی بنایا اور مصر  
کی گورنری اپنے ربیب محمد بن ابی بکر، جس کو اپنے گودوں بالا تھا کے سپرد کی۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۴۲)

ہو سکتا ہے کہ آپ کی فوت فکر نے یہ محسوس کیا ہو کہ حسب دستور آپ اپنی کامیابی کا انتخاب  
فرما کر جلد حالات پر قابو پالیں گے کیونکہ جب تک ملک کے انتظامی عہدوں پر آپ کے  
اپنے آدمی نہیں ہوں گے اس وقت تک آپ اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، لیکن  
حالات کے دھارے نے یہ بتا دیا کہ جس شے کو آپ اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتے تھے وہی  
شے آپ کی ناکامی کا سبب بنی، لوگوں کو خیال ہوا کہ خلافت عثمانی کے گورنروں کو آپ  
بیشک معزول فرماتے لیکن کسی وجہ سے، اور اگر بغیر وجہ ہی کے معزول فرمانا تھا تو کم از کم  
حالات کے نشیب و فراز کو دیکھ کر معزول فرماتے، چند روز قبل تو امیر المؤمنینؓ کو نئی دنیا  
شہید کیا گیا، مفسدین میں آپ کا ربیب محمد بن ابی بکر بھی تھا اور مالک الاشتر بھی اور دوسرے  
باغی بھی تھے جو اب آپ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھے اور ہر کام میں آپ کے شریک گاہ  
اور مشیر تھے جس سے خواہ مخواہ ذہن اس طرف جاتا تھا کہ شاید آپ کا بھی شہادت عثمانی میں  
ہاتھ ہے، اس کے ساتھ آپ کا مسند خلافت پر ممکن ہونے کے چند روز بعد خلافت عثمانی کے

گورزوں کو یکدم معزول کر دینا اور مالک الاشرع جیسے سبائی سرغنہ کو بھی گورز مقرر کرنا لوگوں کے لیے زیادہ غلط فہمی کا باعث بن گیا، اور پھر باوجود صحابہ کے مطالبہ و اصرار کے آپ کا قصاص عثمان کی طرف پوری تو جہ نہ دینا، ان سب چیزوں نے بہت سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے اور خلافتِ اسلامیہ میں آپ کے متعلق لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ بختہ نہ ہو سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ جمل میں کئی ہزار لوگوں نے سیدہ عائشہؓ کا ساتھ دیا اور بہت اکابر صحابہ نے آپ (سیدنا علیؓ) کا ساتھ نہ دیا۔

مملکتِ اسلامیہ کے بارہ صوبوں میں عثمانی گورزوں میں بغیر کچھ ویر بتائے اور بغیر ان کی جواب دہی کئے اتنی جلدی تبدیلی اور مقرر کردہ گورزوں میں چار جگہ اپنے ہی خاندان کے لوگوں کا نقرر، پھر آپ کی اپنی فوج میں مفسدین کی اور قاتلانِ عثمان کی موجودگی آپ کے اپنے لشکر میں انتشار کا سبب بن گئی اور سپاہیوں میں مختلف قسم کی چیمگیوں یا شروع ہو گئیں، چنانچہ مالک الاشرع نے جو خود بھی بعض علاقوں کا گورزرہ چکا تھا جب دیکھا کہ سیدنا علیؓ نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو گورز مقرر فرمایا ہے اور ان کے گورزوں میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہو سکتے ہیں تو وہ غضبناک ہو گیا اور بولا :-

”علی ما قتلنا الشیخ اذن۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۴)

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا؟  
سبائی کسی صورت بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافتِ اسلامیہ مستحکم ہو، وہ تو مملکتِ اسلامیہ اور اسلام میں ایک ایسا فتنہ برپا کرنا چاہتے تھے جس سے ایک تو (معاذ اللہ) مسلمانوں کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے اور دوسرے ان کی آتشِ انتقام کو تسکین ہو۔

آپ نے جن گورزوں کو چارچ لینے کے لیے باہر بھیجا ان کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی اور وہاں کے لوگوں اور خلافتِ عثمانی کے گورزوں نے ان کو شہر میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ہبل بن حنیفؓ جن کو سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کی جگہ شام کا گورزر بنا کر بھیجا تھا خام جاتے ہوئے جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو آپ کو سیدنا معاویہؓ کے چند گھوڑسوار ملے انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ ہبل بن حنیفؓ نے جواب دیا: ”میں امیر ہوں“ انہوں نے

پوچھا کس شے پر امیر ہو؟ کہا: ”صوبہ شام کا امیر ہوں۔“

ان گھوڑ سواروں نے کہا کہ اگر تو سیدنا عثمانؓ نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر اھلاً  
 دُسهلاً و مَرَحَباً۔ اور اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو پھر واپس تشریف لے جائیے۔ چنانچہ  
 وہ سیدنا علیؓ کے پاس واپس تشریف لے آئے اور ان کو تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

اسی طرح آپ کے گورنر قیس بن سعد جو کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ پھر تشریف  
 لے گئے اُن کے جانے پر بھی وہاں اختلاف واقع ہو گیا حالانکہ وہاں پہلے ہی محمد بن ابی  
 حذیفہؓ جو کہ سیدنا علیؓ کے خاص آدمی تھے حالات کو قابو میں کئے ہوئے تھے، لیکن پھر  
 بھی اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی اور ایک گروہ کہنے لگا:-

”لا نبایع حتی نقول قتله عثمان“

ہم اُس وقت تک بیعت نہ کریں گے جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو  
 قصاص میں قتل نہ کر لیں۔“

لیکن اکثریت نے بیعت کر لی جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) یہی حال بعبرہ اور  
 کوفہ کے گورنروں کا ہوا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

## سیدنا معاویہؓ اور مطالبہ قصاص

سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا نعمان بن بشیرؓ صحابی رسول امیر المؤمنین  
 کی خون میں لٹھری ہوئی قمیض اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں بیکہ  
 شام میں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں جا کر مدینہ میں باغیوں کی بریت  
 اور دہشت گردی اور امیر المؤمنینؓ کی مظلومانہ شہادت کا حال بیان کیا اور آپ کا خون آلود  
 کرتہ اور سیدہ عائشہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی دکھائیں، سیدنا معاویہؓ نے وہ کرتہ اور انگلیاں  
 لوگوں کو دکھانے کے لیے منبر پر رکھ دیں، اس منظر نے لوگوں کو رلا دیا، وہ امیر المؤمنینؓ کی  
 اس مظلومانہ شہادت کا تصور کر کے اور ان کی قمیض جو کہ خون سے لٹ پٹ تھی دیکھ کر رندار و قطار



روتنے بلکہ بعض روایات کے مطابق ایک سال تک روتے رہے۔ چنانچہ جب مکہ مکرمہ اور خود مدینہ طیبہ سے قاتلان عثمان سے قصاص کے مطالبہ کی تحریک شروع ہوئی اور اکابر صحابہ کے وفد نے سیدنا علیؓ سے مل کر کہا کہ: ”ہم نے اسلامی حدود کے نفاذ کی شرط پر آپ سے بیعت کی تھی لیکن آپ قاتلان عثمانؓ کو پناہ دے رہے ہیں اور ان کو اپنا معاون و مددگار اور شریک محض بنائے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ لوگ اسلامی حکومت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں لہذا شریعت اسلامی کے اقتضاء کے مطابق آپ انہیں سزا دیجئے۔“ (ایام العرب ۳۲۲، المحضری جلد ۲ ص ۴۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱)۔

شام میں بھی سیدنا معاویہؓ، سیدنا جبارہ بن الصامتؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا ابوامامہؓ، سیدنا عمرو بن عباسؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور تابعین میں سے شریک بن جابرؓ، ابومسلم الخولانیؓ اور عبدالرحمن بن غنمؓ وغیرہ نے لوگوں کو اس مطالبہ کی حمایت کے لیے کہا، لوگ تو پہلے ہی امیر المؤمنینؓ کی مطلوبانہ شہادت پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے اور باہر سے بھی اس مطالبہ کی خبریں ان کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں لہذا انہوں نے فوراً ان صحابہؓ اور اکابرین اُمت کی آواز پر لبیک کہا اور قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کے لیے پورا شام اٹھ بیٹھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۶-۲۲۸)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو جب سیدنا عثمانؓ کی مطلوبانہ شہادت اور سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ کی جنگ جمل میں شہادت کے بارہ میں علم ہوا تو انہوں نے اہل شام سے صورت حال کے بارہ اور سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے بارہ میں مشورہ طلب کیا، تمام اہل شام نے یک زبان ہو کر سیدنا عثمانؓ کے خون ناحق کا قصاص طلب کرنے کی تائید کی اور:-

”ثُمَّ يَأْتِيهِمْ عَلَى ذَلِكَ أَمِيرُ أَعْيُنَ خَلِيفَةٍ - انہوں نے خلیفہ ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ امیر ہونے کی حیثیت سے طلب قصاص کے لیے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔“

شام میں قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کیا

تھا بلکہ بعض صحابہ اور رؤساء نے انہیں اس مطالبہ کے لیے مجبور کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جریر بن عبداللہؓ سیدنا علیؓ کا خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی گئی تھی تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور دوسرے رؤساء شام کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔

”فایوا ان یبایعوه حتی یقتل قتلة اولیہم قتلة عثمان۔  
تو انہوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے اُس وقت تک انکار کیا جب تک کہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے اور اگر سیدنا علیؓ ان سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو قاتلانِ عثمان کو ان کے حوالہ نہ کر دیا جائے۔  
اور اگر سیدنا علیؓ ان دو باتوں میں سے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتے تو  
”قاتلوه ولہربا یعوه حتی یقتل قتلة عثمان۔ اُن کے ساتھ قتال کیا جائے اور ان کی اُس وقت بیعت نہ کی جائے جب تک کہ وہ قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کریں۔“ (البیہود والنہایہ جلد ۲، ص ۲۵۳)

## سیدنا معاویہؓ کی معزولی

### اور اُس کا ردِ عمل

ادھر شام میں یہ کاروائیاں ہوں ہی تھیں اُدھر مدینہ طیبہ میں سیدنا معاویہؓ کی معزولی کی تدبیر کی جا رہی تھی، وہ معاویہؓ جو سیدنا عمرؓ کے زمانہ سے شام کے گورنر چلے آ رہے تھے اور اپنی فکری، علمی و عملی قابلیتوں کی وجہ سے وہاں سلطنتِ اسلامیہ کی دھاک بٹھائے ہوئے تھے اُن کو اب صرف اس وجہ سے اپنے عہدے سے ہٹایا جا رہا تھا کہ اُن کا سیدنا عثمانؓ اور اُن کے خاندان بنو امیہ سے تعلق تھا۔ کئی صحابہ نے اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی مخالفت کی اور گورنروں کو اتنی جلدی معزول کرنے سے روکا، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست و تدبیر میں اپنی مثال آپ تھے سیدنا علیؓ سے عرض کیا کہ آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی گورنروں

کو اپنے مناصب سے ہٹانے میں اتنی جلدی نہ کریں، جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کر لیں، اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں، اس سے ایک تو آپ کی بیعت، سب علاقوں میں آسانی سے ہو سکے گی دوسرے ان شہروں میں امن و امان بھی بحال رہے گا اور لوگ بھی پرسکون زندگی گزارتے رہیں گے۔ لیکن سیدنا علیؑ نے ان کی ایک نہ سنی، پھر سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے بھی آپ کو سمجھایا کہ آپ ابھی معاویہؓ کو برطرف نہ کریں اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہیں گے تو حالات کے اتنا خراب ہونے کا امکان نہیں لیکن اگر ان کو شام کی گورنری سے ہٹا دیا گیا جہاں وہ بیس سال سے رہ رہے ہیں اور پورا شام ان کے زیر تصرف اور زیر اثر ہے تو سارے شام، عراق اور دوسرے صوبوں کی فضاء آپ کے خلاف مکتہ رہ جائے گی، لیکن سیدنا علیؑ نے ان کے مشورہ پر بھی توجہ مبذول نہ فرمائی۔

(۱۶۶) (اختیار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ص ۱۲۲، البدایہ جلد ۷ ص ۲۸، تاریخ الاسلام)

سیدنا علیؑ نے اپنی فکر کے ماتحت سہل ابن حنیفؓ کو سیدنا معاویہؓ کے بجائے وہاں کا گورنر مقرر فرما کر بھیجا لیکن سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں نے ان کو شام کی حدود میں داخل بھی نہ ہونے دیا اور متعام تہوک ہی سے ان کو واپس کر دیا۔

(طبری جلد ۵ ص ۱۶۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۰۳)

اس کے بعد سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ کو کئی خطوط لکھے جن میں یہ لکھا کہ مہاجرین و انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، لیکن سیدنا معاویہؓ پریشان تھے کہ کیا جواب دیا جائے کیونکہ شام میں قاتلانہ عثمان سے قصاص کی تحریک زوروں پر تھی۔ چنانچہ صفر المظفر ۳۶ھ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے تین ماہ بعد سیدنا معاویہؓ نے اپنے ایک خاص قاصد کی معرفت آپ کو جواب بھیجا، سیدنا علیؑ نے جب لفافہ کھولا تو اس میں سوائے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور مِنْ مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِی عُبَیۃ کے اور کچھ نہ تھا، اس سے سیدنا علیؑ نے حالات کی ناخوشگواری کا اندازہ لگایا۔

قاصد نے زبانی بھی وہاں کا سارا آنکھوں دیکھا حال بیان کر دیا کہ سارا شام قاتلانہ عثمان

سے قصاص لینے پر تکا ہوا ہے، اور کہا کہ میں نے شام میں ۶۰ ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمان کی خون آلود قمیص پر ان کی دائرہیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ جب تک وہ اس خون ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۲۹، ابن الاثیر جلد ۳، ص ۱۷۱، طبری جلد ۵، ص ۱۷۱، اخبار الطوال ص ۱۷۱) یہ جواب سنکر سیدنا علیؑ نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، آپ کے ساتھیوں نے پھر آپ کو روکا لیکن آپ نے ان کی بالکل نہ مانی، خود آپ کے بڑے و اجزاء سیدنا حسن بن علیؑ نے کہا :-

”یا ابی دعو هذا فان فيه سفك دماء المسلمين و وقوع

الاختلاف بينهم۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۲۹)

ابا جان! آپ اس ارادہ کو ترک فرما دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی ہوگی اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہونے کا اندیشہ ہے، لیکن انہی محافظان کثیر کا بیان ہے کہ :-

”فلو يقبل منه ذلك بل صمم على القتال و ربت الجيش۔

اس مشورے کو انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ جنگ کا صمم الادہ کر لیا اور اس کے

لیے لشکر بھی مرتب کر لیا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۲۲۹)

آپ نے محمد بن حنفیہ کو علم بر وار، عبداللہ بن عباسؓ کو میمنہ پر، عمرو بن ابی سلمہ کو میسرہ پر اور سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے پیچھے ابولیلہؓ کو مقدمۃ الجیش پر امیر مقرر فرمایا، قثم بن عباسؓ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ غرض کہ سیدنا معاویہؓ سے جنگ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کر لیں اور شام کا قصد کرنے ہی والے تھے کہ درمیان میں جنگ جبل کا حادثہ پیش آ گیا جس کا اجمالی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔



## حضرت معاویہؓ سے مصالحت

جنگِ جبل کی غوربینی نے سیدنا علیؓ کو بہت زیادہ متاثر کیا لہذا انہوں نے اب پہلے مصالحت کے لیے سیدنا معاویہؓ کو ایک خط لکھا اور سیدنا جریر بن عبد اللہ ابھیؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، آپ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشتر سبائی نے بڑے تنگ و شہیمہ کا اظہار کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:-

”لا تفعل فان هواہ مع معاویۃ۔ (ابن لاثیر جلد ۳، البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، ص ۲۸۳)

اس کو نہ بھیجیں کیونکہ اس کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔  
لیکن سیدنا علیؓ نے اشتر کی بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبد اللہ ابھیؓ کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ مہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی ہے لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق رؤسہ شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لیے بلایا اور ان کو وہ خط سن کر مشورہ طلب کیا لیکن ان سب نے یک زبان ہو کر سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں کہ:-

”فالباوان یبایعوه حتی یقتل قتلة عثمان و ان یسلم الیہم قتلة

عثمان و ان لہ یفعل قاتلوه و لہ یبایعوه حتی یقتل قتلة

عثمان رضی اللہ عنہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۲، ص ۲۸۳)

ان رؤسہ نے اُس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک قاتلانِ عثمان کو قصاص میں قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد نہ کیا جائے (تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلانِ عثمان کو قتل نہیں کر سکتے تو وہ کریں) اور اگر آپ (سیدنا علیؓ) ایسا نہیں کرتے تو وہ ان سے قتال کریں اور اُس وقت تک ان کی بیعت نہ کریں جب تک کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قصاص

میں قتل نہ کر دیا جائے۔“

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبد اللہؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روک رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبد اللہؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور سیدہ زینبؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قمیص کھائی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے لیں گے اُس وقت تک وہ نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے اور جو آدمی قصاص عثمانؓ کے آڑے بھی آئے گا اُس سے بھی جنگ لڑیں گے۔

چنانچہ سیدنا جریر بن عبد اللہؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو دے دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے بارہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی شہادت میں ہاتھ ہے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ جریر بن عبد اللہؓ کے منہ سے یہ واقعات سنکر مالک الاشترؓ لال پھلا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہا کہ یہ سب آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں، اگر آپ مجھے قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی، لیکن سیدنا جریرؓ نے کہا ”بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ دل پس نہ آنے دیتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلان عثمانؓ میں سے ہو۔“ مالک الاشترؓ نے آگے سے کچھ الٹا ہی جواب دیا، جس پر سیدنا جریر بن عبد اللہؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قریباً میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس صبر بات چیت سے مطلع کر دیا۔

سیدنا علیؓ نے مصاحمت کی کوششیں رائیگاں سمجھتے ہوئے جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے کرنا شروع کر دیں اور اپنے تمام گوزر زوں اور سکام کو ملک کے دُور دراز حصوں سے جنگ میں شرکت کے لیے خطوط لکھے، جس سے قریباً اسی ہزار آدمیوں کا

شکرتیار ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۱، ۱۳۲)

## سیدنا معاویہؓ کی جوانی کا وائی

سیدنا معاویہؓ کو جب پتہ چلا کہ سیدنا علیؓ جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں تو آپ نے بھی جوانی کا وائی کے طور پر جنگ کے انتظامات کرنے شروع کر دیئے، آپ کا ارادہ بالکل جنگ کرنے کا نہیں تھا آپ تو صرف قاتلان عثمان سے قصاص لینا چاہتے تھے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ :-

”لہ یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداء بل کان من اشدّ

الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال۔ (منہاج السنۃ ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے (مضین کی) جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ تو اس بات کے

سب سے زیادہ خواہشمند اور حرصیں تھے کہ یہ قتال اور خونریزی نہ ہو۔“

آپ کی یہ ساری تیاری صرف مدافعت تھی نہ کہ جارحانہ، آپ سیدنا علیؓ کے مقام اور مرتبہ سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ آپ نے کئی موقعوں پر اس کا اقرار بھی کیا لیکن ادھر سیدنا علیؓ کی فوج میں مالک الاشتر، محمد بن ابی بکر، کنانہ بن بشر وغیرہم سبائی سرغنہ قاتلانہ حیثیت سے شامل تھے، اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے دو گروہوں کو ضرور آگ کی بھٹی میں جھونکنا چاہتے تھے کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا جس کی وجہ سے قتل عثمانؓ کے بعد ان کی جان بچ سکتی تھی۔

بعض دشمنان اسلام نے و اسی تباہی بکواس کر کے اور غلط قسم کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ کی بڑی گھناؤنی تصویر پیش کی ہے اور ان کی بلند اور ارفع شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ان ناقدین نے خود اپنی شخصیتوں کو داغدار کر دیا ہے۔

## اکابر صحابہ کا سیدنا علیؑ سے اختلاف

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریوں کو دیکھ کر غلص اور بھی غواہان کو پھر صدمہ اور پریشانی لاحق ہونے لگی کیونکہ ابھی تک جنگ جمل کے شہداء کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا خونریز مرحلہ امت کے سامنے پیش آگیا، یہ جنگ بھی کفر و اسلام کے درمیان میں نہیں تھی بلکہ جنگ جمل کی طرح اکابرین امت کے درمیان تھی جو ”اساطین امت“ کہلاتے تھے، اس لیے اکثر صحابہ نے اس آگے سے اپنے دامن کو بچانے کی کوشش کی اور اکثر اس میں کامیاب بھی ہو گئے، اہل مدینہ نے بھی سیدنا علیؑ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ :-

”فاشتمد علی اهل المدينة الامر فتنوا قلوبا۔ (طبری ج ۵ ص ۱۶۷)  
اہل مدینہ کے لیے یہ مسئلہ بہت مشکل ہو گیا اور انہوں نے ہر ممکن طریق سے اپنا پہلو بچایا  
ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ :-

”فتدب اهل المدينة لیسیرھم فتنوا قلوبا۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۵۱)  
اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کیلئے آپ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا  
علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”وكان على لما عزم على قتال اهل الشام قد ندب اهل المدينة  
الى الخروج معه فابوا عليه۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۳)  
سیدنا علیؑ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کیا  
اس کے بعد آپ نے انفرادی طور پر مختلف صحابہ سے ساتھ چلنے کی اپیل کی، سیدنا



عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ان کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی تو آپ نے کہا :-

”اِنَّمَا اَنَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَقَدْ دَخَلُوْا فِيْ هَذِهِ الْاَمْرِ وَقَدْ خَلَتْ  
مَعَهُمْ فَاِنْ يَخْرُجُوْا اَخْرِجْ مَعَهُمْ وَاِنْ يَقْعُدُوْا اَقْعُدْ۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۸)  
میں اہل مدینہ میں سے ہوں اگر وہ اس معاملہ میں شامل ہوئے تو میں بھی  
شرکت کروں گا لیکن اگر انہوں نے شرکت نہ کی تو میں بھی شرکت نہیں کروں  
گا اور اگر وہ بیٹھ گئے تو میں بھی بیٹھ جاؤں گا۔“

چنانچہ جب عبداللہ بن عمر الفاروقؓ نے اہل مدینہ کی طرف رجوع کیا تو ان  
کو یہ کہتے ہوئے پایا :-

”وَاللّٰهُ لَا تَدْرِيْ كَيْفَ نَصْنَعُ فَاِنْ هٰذَا الْاَمْرُ لَشَبَّهَتْهُ عَلَيْنَا  
نَحْنُ مُقِيْمُوْنَ حَتّٰى يَضِيْ لَنَا وَيُسْفِرُ۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۶۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۵۸)  
بخدا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہم کیا کریں اور یہ معاملہ ہم پر شبہ ہو گیا ہے،  
جب تک معاملہ بالکل واضح نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم اس بارہ میں  
کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے۔“

اہل مدینہ کا یہ جواب سن کر آپ رات کی تاریکی میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے خود سیدنا  
علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسن ابن علیؓ اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کے سخت مخالفت  
تھے اور انہوں نے سیدنا علیؓ سے کہہ دیا :-

”ابا جان! آپ اس ارادہ کو چھوڑ دیجئے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی خونریزی اور  
باہمی اختلاف کے سوا اور کچھ نہیں۔“

لیکن آپ نے ان کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور جنگ کی تیاریاں

شروع کر دیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۹)

جنگ جبل کی خونریزی کے موقع پر بھی جب سیدنا علیؓ نے بعد حسرت و یاس اپنے  
بیٹے سیدنا حسنؓ سے فرمایا :-

”یا حسن لیت اباک مات منذ عشرين سنة۔“

اے حسن! کاش کہ تیرا باپ آج سے بیس سال قبل اس دنیا سے انتقال کر گیا ہوتا (اور آج یہ غور پزی نہ دیکھتا)۔  
جواب میں سیدنا حسنؓ نے کہا:-

”یا ایہ قد کنت انھاک عن هذا۔  
ابا جان! کیا میں نے آپ کو پہلے ہی منع نہیں کیا تھا؟  
آپ نے فرمایا:-

”يَا بُنَيَّ اِنَّ لِحَدَثِ الْاَمْرِ مِثْلَ هَذَا۔ (البداية ج ۷، ص ۳۲)  
بیٹا! مجھے تصور بھی نہیں تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔“

سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور کوفہ کے لوگوں سے ساتھ چلنے کیے کہیں آپ نے بھی ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک فتنہ برپا ہوگا:-

”النَّائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْيَقِظَانِ وَالْيَقِظَانُ خَيْرٌ مِنَ الْقَاعِدِ  
وَالْقَاعِدُ خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الزَّائِمِ وَالزَّائِمُ خَيْرٌ  
مِنَ السَّاعِي۔ (البداية والنهاية جلد ۷، ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس فتنہ کے زمانے میں سویا ہوا جاگنے والے سے بہتر ہے اور جاگنے والا بیٹھے والے سے بہتر ہے اور بیٹھا ہوا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا سوار سے بہتر ہے اور سوار دوڑنے والے سے بہتر ہے۔  
لہذا تم لوگ اپنی تلواروں کو نیا موم میں گھولو اور اپنے نیزوں کو گند کر لو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے۔“

غرضیکہ انہوں نے بھی اس کشمکش سے پہلو تہی کی۔

سیدنا علیؓ کے حقیقی بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ بھی آپ کی اس روش کو دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ آپ کے لشکر میں اکثریت قاتلان عثمان اور ان لوگوں کی ہے جو مملکت اسلامیہ میں فتنہ و فساد کا باعث ہوئے ہیں، سیدنا علیؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ

کے پاس شام چلے گئے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:-

”وفارق (عقیل) اخاه علیاً امیر المؤمنین فی ایام خلافتہ

میرب الح معاویۃ وشہد صفین معہ۔

(عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۵۱)

اور عقیل اپنے بھائی علیؑ امیر المؤمنین سے ان کے ایام خلافت میں علیحدہ

ہو گئے اور معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور معاویہ ہی کے ساتھ مل کر

آپؑ نے دُعا سے (صفین کی جنگ لڑی)۔

ان اکابرین کے سوا اور کئی ایک دوسرے حضرات بھی اس بات کے قطعاً حاکم

نہیں تھے کہ حضرت علیؑ اہل شام سے جنگ کریں۔

## مصالحات کی ایک اور کوشش

ادھر سیدنا معاویہؓ کی جنگی تیاریوں کو دیکھ کر شام کے مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کی  
لاٹے پٹئی کہ معاملہ کو خط و کتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعہ طے کیا جائے اور کوئی ایسا  
قدم نہ اٹھایا جائے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی ہو، چنانچہ وہاں کے ایک  
عابد شب زندہ دار اور دردمند بزرگ ابو سلمہ الخولانیؓ چند مسلمانوں کی معیت میں

لے ابو سلمہ الخولانیؓ ایک نہایت با عظمت اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اصل نام عبد اللہ بن ثوب اور بعض  
کے نزدیک عبد بن ثوب ہے، کنیت ابو سلم ہے۔ آپ یمن کے شہر خولان کے رہنے والے تھے، اس وجہ سے خولانی  
کہلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حیاتِ نبوی کے آخری ایام میں مشرف باسلام ہوئے تھے مگر دُعا  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی سعادت سے محروم ہے، اس وجہ سے تابعین میں سے شمار ہوتے ہیں۔

سراوید و عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن کے ایک شخص اسود غسانی نے نبوت کا دعویٰ کیا  
اُس نے اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے انہیں بلوایا، جب آپ اس کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ سے  
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ :-

”انت تنازع علیٰ اهل انت مثلہ ؟“

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؓ سے برسرِ بیکارہونا چاہتے ہیں، کیا آپ اپنے کو ان کے ہم پایہ اور برابر سمجھتے ہیں ؟

(بقیہ خبیثہ گذشتہ صفحہ) پوچھا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں“ اس کے بعد اس نے پوچھا کیا تم میری نبوت کی تصدیق کرتے ہو؟ آپ نے جواب دیا: ”ہیں یہ بات سننا بھی گوارا نہیں کرتا“ اسود غنی نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ ان کو آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو ایک بہت بڑے آگ کے الاؤ میں پھینک دیا گیا لیکن آپ پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ بالکل صبیح اور سلامت رہے۔ پھر اسود غنی نے انہیں جلا وطن کر دیا تاکہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ میری نبوت کا انکار نہ کریں۔

آپ وہاں سے مدینہ طیبہ تشریف لائے، اس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہٴ مسلمین تھے، آپ جب سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے تو سیدنا فاروق اعظمؓ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں اپنے اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے درمیان بٹھایا، یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا، اس کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابولم الخولانیؓ کی پیشانی کو شفقت و محبت کی وجہ سے بوسہ دیا اور فرمایا :-

”اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سیدنا خلیل اللہ والا معاملہ کیا“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۶، حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۲۹)

سیدنا ابولم الخولانیؓ نہایت صاحبِ کرامت بزرگ تھے، ان کی بہت سی کرامتیں کتابوں میں مرقوم ہیں

(ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۳)

اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت حق گو اور بدیاک تھے، اسی حق گوئی ہی کی وجہ سے اسود غنی نے انہیں آگ میں پھینک دیا تھا، ان کی حق گوئی کے کئی واقعات کتابوں میں درج ہیں۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا :-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنْ لَا عَلَامَ إِلَّا عَلِيًّا أَفْضَلُ مِنِّي وَاحِقٌ بِالْأَمْرِ وَلَكِنْ السُّتَمُّ تَعْلَمُونَ  
 إِنَّ عَثْمَانَ قَتَلَ مَظْلُومًا وَأَنَا ابْنُ عَمِيهِ وَأَنَا أَطْلُبُ بَدْمَهُ فَاتُوا عَلِيًّا  
 فَقُولُوا لَهُ فُلَيْدٌ فَغُلِيَ فَعَالِي قَتَلَةَ عَثْمَانَ وَاسْلَمُوا لَهُ -

خدا کی قسم میں اپنے کو علیؓ کے برابر ہرگز نہیں سمجھتا بلکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے  
 افضل ہیں اور امر خلافت میں مجھ سے زیادہ حق دار ہیں لیکن کیا تم لوگ نہیں جانتے  
 کہ سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے ہیں اور میں ان کا بیچا زاد بھائی ہوں اور سیدنا  
 علیؓ سے سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا طلبگار ہوں لہذا تم علیؓ سے جا کر  
 کہو کہ اگر وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہیں ہمارے  
 حوالے کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے پھر دیکھیں کہ میں کیسے ان کی  
 اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہوں اور ان کی خلافت کو تسلیم کرتا ہوں“

(تاریخ اسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸)

ابو سلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور امت کے لیے ایک درد تھا وہ اس  
 معاملہ کو غور و باری کے بغیر ہٹانا چاہتے تھے لہذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ  
 سب مطالبات مجھے لکھ دیں میں خود سیدنا علیؓ کے پاس جاتا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو  
 کر کے آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو سلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ  
 نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامع پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو سلم الخولانیؒ  
 کے ہاتھ سیدنا علیؓ کو روانہ کیا :-

”ابا بعد! سیدنا عثمان امیر المؤمنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں  
 شہید کیے گئے، آپ اُن کے گھر کا شور و غل اور آہ و بکا سنتے رہے لیکن اپنے  
 قول و فعل سے اس کا کوئی مداوا نہ کیا، میں بقسم کہتا ہوں کہ آپ اگر خلاص اور  
 بچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو ان کے قتل سے روکتے تو آج  
 نہ تو ہمیں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔“

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور شیر کار ہیں، ہمارے کانوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قتلِ عثمان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ (اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے) اور اے علیؓ! آپ یقین رکھیے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے، خدائے بزرگ و تر کی قسم! ہم بحر و بر سے قاتلانِ عثمان کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیں گے۔“

ابو سلم الخولانیؓ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؓ کی خدمت میں پہنچے، خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے اور پورا پورا یقین دلایا کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے! آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں کیونکہ وہ مظلوم شہید کیے گئے ہیں، لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں! اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیں گے اور آپ کے مخالفین کے ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اعوان و انصار بن کر لڑیں گے۔

سیدنا علیؓ نے ابو سلم الخولانیؓ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سُنیں، آپ نے اُس روز تو ابو سلمؓ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کل اس کا جواب دوں گا، دوسرے دن ابو سلمؓ جامع مسجد کوفہ میں جب آپ سے ملنے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے لگا رہے تھے :-

”کلنا قتلة عثمان۔ ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں۔“

یہ دیکھ کر ابو سلمؓ نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے، بعد ازیں سیدنا علیؓ نے زبانی

ابو سلم الخولانیؒ سے کہا کہ قاتلوں کو ان لوگوں کے حوالہ کرنا میرے امکان سے باہر ہے  
 لہذا میں مجبور ہوں اور سیدنا معاویہؓ کے خط کا حسبِ ذیل تحریری جواب دیا۔  
 ”معاویہؓ ا قتل عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں میں اس سے بالکل بری ہوں  
 نہ میں نے کسی کو ان کے خلاف بھڑکایا ہے اور نہ ہی کسی کی معاونت کی ہے  
 ہاں جب ہنگامہ نے زیادہ خطرناک صورتحال اختیار کر لی تو میں خانہ نشین ہو گیا  
 میرے خیال میں قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص کے مطالبہ کو آپ اپنے مقصد کے  
 حصول کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اگر آپ اس فتنہ انگیزی سے باز نہ آئے  
 تو جو سلوک باغیوں سے کیا جاتا ہے وہی آپ سے کیا جائے گا“  
 (اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴، ملخصاً)

## گشتی مُراسلہ

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے تمام عالمِ اسلامی کو وہ اسباب اور وجوہات لکھ  
 بھیجیں جنہوں نے انہیں اس بات پر مجبور کیا اور انہیں سیدنا علیؓ کے گورنروں اور  
 حکام کے نام بھی روانہ کیا، آپ نے لکھا کہ:-

”تم لوگ اطاعت و جماعت کی طرف دعوت دیتے ہو، وہ جماعت جس  
 کی طرف تم دعوت دیتے ہو وہ ہمارے ساتھ ہے، یہی تمہارے دوست  
 کی اطاعت سو وہ ہم پر فرض نہیں کیونکہ تمہارے دوست (سیدنا علیؓ) نے  
 ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا، ہماری جماعت میں انتشار پیدا کیا، ہمارے  
 خلیفہ کے قاتلوں کو پناہ دی اور ان کو اپنے ہاں بڑے بڑے عہدوں سے  
 نوازا، تمہارا رفیق کہتا ہے کہ میں قتلِ عثمانؓ سے بری ہوں، ہم اس کی تردید  
 نہیں کرتے لیکن کیا تم لوگوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو دیکھا ہے؟ کیا وہ علیؓ  
 کے دوست نہیں ہیں؟ کیا وہ ان کو اپنے دامن میں پناہ نہیں دے رہے

ہیں؟ تمہارے امام کا فرض ہے کہ وہ ان قاتلوں سے قصاص لے اور اگر خود  
 قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو ان قاتلوں کو ہمارے حوالہ کریں تاکہ ہم  
 خلیفہ المسلمین کے قتل کا قصاص لیں اور بھرا طاعت و جماعت کی طرف  
 بلایک کہیں (طبری جلد ۶ ص)

سیدنا معاویہؓ کے اس گشتی مراسلہ نے سیدنا علیؓ کے لیے ایک بہت بڑی مشکل  
 پیدا کر دی جس کا حل بہت دشوار تھا کیونکہ سیدنا علیؓ کے لیے قاتلان عثمانؓ سے قصاص  
 لینا یا ان کو طالبانِ قصاص کے حوالے کرنا آسان کام نہیں تھا، جبکہ وہی لوگ آپ کے  
 دست و بازو اور اعمان و انصار تھے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمام لوگوں میں شک کی  
 ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس سے آپ کی پوزیشن مخدوش ہونے کا قوی احتمال تھا خواہ اس  
 حادثہ میں آپ کا دخل ہو یا نہ ہو۔

سیدنا علیؓ نے اس گشتی مراسلے کا ایسا مبہم سا جواب دیا جس سے لوگوں کے  
 دل مطمئن نہ ہوئے کیونکہ آپ اس الزام کو واضح طور پر رفع نہ کر سکے جو کہ سیدنا معاویہؓ  
 نے آپ پر لگایا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے اعمان و انصار کی ایک کافی تعداد آپ  
 سے کٹ گئی۔

## سیدنا علیؓ کی شام کو روانگی

دونوں حضرات اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے اور مصالحت کی سبب  
 تدریس الٹ گئی تھیں جس کے نتیجہ میں وہ ہنگامہ پیش آ گیا جس سے بچنے کے لیے  
 یہ سب کچھ کیا جا رہا تھا۔ سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ معاویہؓ اپنے مطالبہ سے باز نہیں  
 آ رہے ہیں تو آپ نے سیدنا ابوسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کر ذوالحجہ  
 لشکرؓ میں اتنی ہزار فوج کے ساتھ کوفہ سے شام کی طرف کوچ کیا۔

لے یعقوب وغیرہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں شریدری صحابہ، سات بیعت رضوان کے شرکاء اور  
 (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



سیدنا علیؑ کے لشکر کی روانگی کے متعلق سنکر سیدنا معاویہؓ بھی شام سے نکل پڑے، ان کا مقدمہ ابجیش ابوالاعور سلمیٰ کی قیادت میں جاری تھا کہ راستہ میں سیدنا علیؑ کے ہر اول مرتبہ سے مٹھ بھٹیر ہو گئی، ابوالاعور سلمیٰ نے سیدنا علیؑ کے مقدمہ ابجیش کو آگے بڑھنے سے روکا جس سے معاملہ بڑھ گیا، علوی فوج کے افسر زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی نے سارا دن نہایت بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، اسی اثنا میں حضرت علیؑ کی فوج سے اکثر انھنی ملک لے کر آ گیا، ابوالاعور نے حالات کی نزاکت کے تحت رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو پیچھے ہٹایا اور سپدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؑ کی فوج کی آمد کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے میدان کو مداخلت کے لیے منتخب کیا اور وہاں اپنے ڈیرے جمادیئے۔

(واقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) چار سو عام ہاجر و انصار تھے (جلد ۲ ص ۲۱۸) لیکن ان کی روایت درست نہیں ہے، امام ابن کثیرؒ نے امام محمد بن یسینؒ کا اس بارہ میں ایک قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "فتنہ اٹھا اور اصحاب رسولؐ اس وقت دستل ہزار تھے لیکن ان میں سے سوا بھی اس میں شامل نہ تھے بلکہ تیسؒ بھی نہیں تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۲) اور امام شعبہؒ سے جب یہ کہا گیا کہ ابوشیبہ یہ کہتے ہیں کہ جنگ صفین میں ستر ہجری صحابہ نے شرکت کی تو امام شعبہؒ نے فرمایا: "کذب ابوشیبہ۔ ابوشیبہ سے غلطی ہو گئی ہے۔"

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

"أما ان رجلاً من اهل بدر لن موا بيوتهم بعد قتل عثمان  
فلهم يخرجوا الا الى قبورهم - (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۵۲)  
اصحاب بدر شہادت عثمانؓ کے بعد خانہ نشین ہو گئے اور وہ اپنی قبروں کے  
سوا اور کہیں نہ نکلے۔"

اس کے علاوہ اور بھی کئی تاریخی شہادتیں اس بات پر موجود ہیں کہ جنگ صفین میں سیدنا علیؑ کے ساتھ اصحاب بدر، اصحاب بیعت رضوان اور ہاجرین و انصار کی اتنی بڑی تعداد تھی جتنی کہ بیان کی جاتی ہے۔

# ایک من گھڑتِ وایت

غرض دریائے فرات کے کنارے یسفین کے میدان میں دونوں فوجیں اتر پڑیں ابدی پوری نے اخبار الطوال ص ۱۶۸، مسعودی نے مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۸۶، طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک جلد ۵ ص ۲۲۱، ابن الاثیر نے الکامل جلد ۳ ص ۱۲۵ اور ابن الطقطقی نے کتاب الفخری فی آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ کے ص ۸۲ پر شعیبی روایات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے پہلے سے جا کر دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور انہوں نے سیدنا علیؓ کے لشکریوں کا پانی بند کر دیا اور جب سیدنا علیؓ کے لشکریوں کو زیادہ چپایاں لگی تو انہوں نے اشعث بن قیس الکندی کی قیادت میں ایک جماعت کو بھیجا تاکہ وہ پانی لائے لیکن سیدنا معاویہؓ کے آدمیوں نے کہا :-

”موتوا عطشا کما منعتم عثمان العلاء۔ پیاسے مروجیں طرح تم نے عثمانؓ پر برپانی بند کیا“

اس پر دونوں طرف سے پہلے نیزہ بازی ہوتی رہی اور بعد میں تلواروں کی جھنکار پڑی اور کئی سوادمی شہید ہو گئے یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں سے گھاٹ کو واکزار کرا لیا گیا۔

یہ روایت ایسی ہے کہ نہ تو اس کی کوئی سند ہے اور نہ ہی درایت کے لحاظ سے یہ درست ہے، یار لوگوں نے فراغت سے ایسی روایات گھڑی ہیں اور صحابہ کرامؓ جو کہ قرآن و حدیث کے اولین راوی تھے، کے مقام اور احترام کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے یہ ایک سازش کی گئی ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کو مخدوش اسی سوت میں کیا جاسکتا ہے جبکہ پہلے صحابہؓ کے مقام کو مخدوش کیا جائے۔ کتنے ظالم اور دین کے دشمن ہیں وہ لوگ جو ایسی غیر معتبر روایات پر یقین کر کے صحابہؓ کی تنقیص کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حلم سیدنا معاویہؓ کی خاص صفت تھی، آپؓ تو تصور وار کو بھی اپنے حلم کی بنا پر پر معاف

کر دیتے تھے، چہ جائیکہ سیدنا علیؑ جن کے متعلق وہ خود کہتے ہیں کہ مجھ سے افضل ہیں لیکن  
بھلا ان کے ساتھ آپ ایسا کر سکتے تھے؟ آپ کا تو ارادہ ہی جنگ کا نہ تھا آپ تو صرف دفاع  
کے لیے آئے تھے نہ آپ کا مقصد سیدنا علیؑ کو شکست دینا تھا اور نہ ہی ان کا پانی بند  
کر کے ان کو رسوا یا ذلیل کرنا تھا، پھر نہ تو سیدنا معاویہؓ اس قدر نا عاقبت اندیش تھے اور  
نہ ہی دریا اتنا چھوٹا تھا کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے سے پورا دریا ان کے قبضہ میں آجاتا ایسی وایات  
گھڑنے والوں میں معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے کم عقل رکھی ہوئی ہے یا کسی کی دشمنی اور کسی  
کی محبت میں ویسے ہی کم ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کی بردباری اور علم پر اپنے تئیں  
پرانیوں نے بھی گواہی دی ہے۔ چنانچہ ابن لفظی شیعہ ہونے کے باوجود سیدنا معاویہؓ کے  
تدبر، علم و بردباری اور فراست فرمائی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

”امیر معاویہؓ ایک دنیا شناس دانشمند، صاحب علم و فراست، بردبار، اعلیٰ درجے  
کا سیاست دان، بہترین منتظم اور فصیح و بلیغ انسان تھا، نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی  
کے موقع پر سختی سے کام لیتا تھا لیکن بردباری کا پہلو اس میں غالب تھا۔ اشراف  
قریش میں سے ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن جعفرؓ، ابن ابی بکرؓ اور ابان بن  
عثمانؓ جیسے بزرگ اس کے پاس حاضر ہوتے، بعض دفعہ اگر کوئی سخت لفظ  
بھی کہہ دیتا تو معاویہؓ کبھی تو ہنسی خوشی میں ٹال دیتے اور کبھی اغماض و چشم پوشی  
سے کام لیتے۔ مزید برآں آپ ان کو بڑے بڑے انعامات سے نوازتے۔“  
(الغزالی ص ۳۷۷)

۱۔ تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۱۶۸ ۲۔ نہ صرف یہ بزرگ بلکہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو مستقل  
وہیں کے ہو رہے، اور سیدنا حسن بن علیؑ اور سیدنا حسین بن علیؑ بھی کثرت سے آپ کے پاس  
جاتے اور آپ کی داد و دہش سے بہرہ ور ہوتے جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ ۳۔ یہ  
بات سراسر غلط ہے، صحابہ کرام ”وَحَمْدُ بَيْنَهُمْ“ کا مصداق تھے اور آپس میں نرم دل اور  
نرم خور تھے۔

یہی مصنف آگے لکھتا ہے۔

”اسی اعلیٰ کردار کی بدولت امیر معاویہؓ عالم اسلام کے خلیفہ المسلمین بننے میں کامیاب ہو گئے اور تمام ہاجرین و انصار نے آپ کے سامنے تسلیم خم کر دیا۔ امیر معاویہؓ اپنی دانشمندی اور زیرکی کی بدولت، عرب کے شہرہ آفاق دانشمند اور ریرک شخصیت عمرو بن العاصؓ کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان دونوں میں کسی قسم کی دلی الفت اور محبت موجود نہ تھی۔“ (الفخری ص ۵۷)

آپ کی بردباری، حلم اور زیرکی کے متعلق پروفیسر ہٹی (HITTI) نے بھی اپنی کتاب HISTORY OF THE ARABS میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

جب آپ اس قدر بردبار اور شہرہ آفاق زیرک تھے تو عقلی طور پر یہ بعید ہے کہ آپ سیدنا علیؓ کے لیے دریائے فرات کا پانی بند کر دیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہی لوگوں کی بتائی ہوئی روایت ہے جنہوں نے یزید کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس نے سیدنا حسینؓ پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا تھا۔ تَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْخُرَافَات۔

یہ روایت جن لوگوں نے گھڑی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کا مشورہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور سیدنا ولید بن عقبہؓ نے دیا تھا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں مراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنگ صفین میں شریک ہی نہیں تھے۔ (ملاحظہ ہو ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۸۴، الاستیعاب جلد ۱ ص ۳۸۲، جلد ۲ ص ۶۰۵)

اے یہ غلط ہے کہ خلیفہ المسلمین بننے کی اپنی کوئی خواہش تھی۔ ذٰلِكَ قَضٰهُ اللّٰهُ بِيُوسُفٍ مِنْ يٰسَآءٍ۔

اے سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا معاویہؓ میں باہم ذاتی کوئی عداوت یا رنجش نہیں تھی سیدنا عمرو بن العاصؓ ویسے ہی عزت کی زندگی بسر کر رہے تھے سیدنا معاویہؓ نے جب خط لکھ کر بلایا تو ان کے پاس چلے آئے۔ (تاریخ الاسلام ایسا جلد ۱ ص ۳۷۵)

بلکہ ابن کثیرؒ نے تو عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بارہ میں صاف طور پر لکھا ہے :-  
 ”هو معنز علیاً و معاویۃ - (البداية والنهاية ج ۳، ص ۳۱۱)  
 وہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی مشابرت کے زمانہ میں دونوں سے  
 الگ رہے“

## میدان جنگ میں مصالحت کی کوشش

اگرچہ دونوں فوجیں میدان صفین میں آنے سے پہلے ہی جھڑپ ہو چکی تھی لیکن حال یہ تھا کہ دونوں میں کوئی قلبی کدورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی، دونوں فریق آپس میں ہنسی خوشی ملتے جلتے تھے اور ایک دوسرے سے کوئی ایسی پرعاش والی بات نہیں کرتے تھے، اور یہ تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس دریا میں پانی کی بجائے کسی روز خون بہہ گا۔  
 ربائی اپنی سازشوں میں مصروف تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان اختلافات کی تبلیغ کو یہاں تک وسیع کرنا چاہتے تھے کہ دونوں ہارٹیاں برسرِ پیکار ہو جائیں لیکن اس کے برعکس دونوں پارٹیوں کے مخلص اور غیر خواہانِ امت اس بات کی کوشش اور تنگ و دو میں مصروف تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں فریقین میں مصالحت ہو جائے۔

سیدنا معاویہؓ تو جنگ کے بالکل ہی خلاف تھے اور آخر تک آپ کی یہی کوشش رہی کہ کسی نہ کسی طرح جنگ کی چکی رُکی رہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”وله یکن معاویۃ ممن یغتاد الحرب ابتداء بل کان من  
 اشد الناس حرصاً علی ان لا یکون قتال و کان غیره  
 احرص علی القتال منه۔ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

معاویہؓ نے جنگ کی ابتداء نہیں کی تھی بلکہ آپ اس معاملہ میں سب سے زیادہ  
 حریص اور خواہشمند تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی اس بات کی حریص  
 تھی کہ جنگ ہو“

اس وجہ سے مصالحتی مشن دونوں طرف سے کام کرنے لگے، سیدنا علیؑ نے جنگ شروع ہونے سے قبل بشیر بن عمرو بن محسن الانصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شید بن ربیع القیمی کو بلا یا اور ان سے کہا کہ معاویہؓ کے پاس جا کر بیعت کرنے کے کہو، یہ تینوں سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے اور بشیر بن عمرو الانصاری نے ابتداء کلام کرتے ہوئے کہا:-  
 ”اے معاویہؓ! یہ دنیا زائل ہونے والی ہے اور بالآخر آپ کو آخرت کی طرف لوٹنا ہے اور اللہ رب العزت آپ کے اعمال کا محاسبہ کریں گے اور اس کی جزا دیں گے میں آپ کو اس امت میں تفریق اور ان کے درمیان خونریزی سے روکتا ہوں۔“.....

سیدنا معاویہؓ نے سلسلہ کلام کو منقطع فرماتے ہوئے فرمایا:-  
 ”ہل لا اوصیت بذلک صاحبک۔ کیا تم نے کبھی اپنے رفیق (سیدنا علیؑ) کو یہ نصیحت نہیں کی؟ (جو مجھے کر رہا ہے)“  
 بشیر بن عمرو الانصاری نے کہا:-

”میرا ساتھی آپ کی طرح نہیں، میرا رفیق اس امر میں سب سے زیادہ مستحق ہے علم و فضل میں، دین میں، مسابقت فی الاسلام میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت میں“

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: ”اچھا کہیئے آپ کیا کہہ رہے تھے؟“ بشیر بن عمرو نے کہا:-

”میں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے متعلق کہتا ہوں اور میں آپ کو کہتا ہوں کہ آپ اپنے بچا زاد بھائی علیؑ کی دعوت حق کو قبول کریں اسی میں آپ کیلئے اس دنیا میں بھی بہتری ہے اور عاقبت میں بھی خیر و عاقبت ہے۔“  
 سیدنا معاویہؓ نے بہت اطمینان سے بشیر بن عمرو الانصاری کی گفتگو سنی، بشیر کی بات کے اختتام پر آپ نے فرمایا:-

”ونترک دیم ابن عفان لا واللہ لا افعل ذلک ابداً۔“

”ہم عثمان بن عفانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں! بخدا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا۔“

بشیر بن عمرو الانصاری کے دوسرے ساتھیوں سعید بن قیس الہمدانی اور شہید بن ربیع التیمی نے بھی باری باری آپ سے باتیں کیں لیکن یہ بات چیت کوئی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۷)

دونوں طرف علماء، فضلاء اور قرآن کے حفاظ کی ایک جماعت موجود تھی جو دل کھے اتھاہ گہرائیوں سے اس خونریزی کو ناپسند و مکروہ جانتی تھی، اس نے نگاہ تین ماہ تک اس جنگ کو روک رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ سیدنا علیؓ نے عدی بن حاتمؓ، یزید بن قیس الارجی، شہید ابن ربیع اور زیاد بن حصہ کو ایک وفد کی شکل میں سیدنا معاویہؓ کے پاس مصالحت کی گفتگو کے لیے بھیجا، یہ چاروں اُس وقت آپ کے پاس پہنچے جبکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، عدی بن حاتمؓ نے بات کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:-

”معاویہؓ! ہم آپ کو اس بات کی طرف دعوت دینے آئے ہیں جس پر اللہ رب العزتؓ نے ہمیں اکٹھا کیا ہے اور جس کی وجہ سے خون محفوظ ہیں اور راستے پر امن ہیں اور آپس میں صلح و آشتی ہے (یعنی خلافت کا معاملہ) آپ کے چچا زاد بھائی (علیؓ) سید المسلمین ہیں اور سبقت اسلام میں افضل ترین اور اسلام پہنچنے میں بہترین لوگ اس پر اکٹھے ہو گئے ہیں سوائے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے۔“

پھر ذرا سختی اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا:-

”فانتہ یا معاویہ لا یصلک اللہ واصحابک مثل یوم الجمل۔“  
اے معاویہؓ! باز آ جا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو جنگ جمل والوں کی طرح مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔“

سیدنا معاویہؓ بھی قریش کے سپہ سالار کے بیٹے تھے اور خود بھی ساری زندگی اسی راہ کی بادہ پیمانی کرتے رہے تھے وہ بھلا ان دھبکیوں سے کب معروب ہونے والے تھے، عدی بن حاتمؓ کی بات پر حیت کا یہ آخری جملہ سن کر فرمانے لگے :-

”كَانَتْ اِنَّمَا جُنَّتْ مَهْدًا وَلَمْ تَاتِ مَصْلَعًا -

البدایۃ والنہایۃ ج ۲، ۲۵۷، ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۲۱

معلوم ہوتا ہے کہ تم تہذیب اور دھبکی کے لیے آئے ہو اصلاح کی خاطر تمہیں آئے، افسوس ہے تم پر اے ابن حاتم! بخدا میں بھی ابن حرب ہوں تم مجھے ان دھبکیوں سے نہیں ڈرا سکتے۔“

پھر شہید بن ربیع اور زیاد بن حنفہ نے بات کی اور حضرت علیؓ کی فضیلت آپ کو یاد دلائی، ان سب کی باتوں کو آپ نے بغور سنا اور پھر فرمایا :-

”آپ لوگ مجھے جماعت اور بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں جماعت تو ہمارے ساتھ بھی ہے، باقی رہ گئی بیعت اور اطاعت اس میں کیسے ایسے آدمی کی اطاعت کروں جس نے قتل عثمانؓ پر اعانت کی ہو، ان کا خیال ہے کہ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے، ہم اُن کے اس دعویٰ کی نہ تو تردید کرتے ہیں اور نہ ہی اُن کو اس بارہ میں متہم کرتے ہیں، لیکن یہ تو ہے کہ انہوں نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، پس وہ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان سے قصاص لیں، پھر ہم آپ کی اطاعت اور جماعت کے دعویٰ پر لبیک کہیں گے۔“

سیدنا معاویہؓ کا یہ جواب سُن کر یہ لوگ واپس آگئے اور سیدنا علیؓ کو اس معاملہ سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے حبیب بن مسلمہ الفہری، شریحیل بن السمط اور معن بن یزید الاخنس کو سیدنا علیؓ کے پاس بھیجا، حبیب بن مسلمہ الفہری نے سیدنا علیؓ سے آغازِ کلام کرتے ہوئے کہا :-



”بے شک عثمان بن عفانؓ ایک ہدایت یافتہ خلیفہ تھے انہوں نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کیا اور اس کو نافذ کیا لیکن آپ لوگوں نے ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا اور ان کی وفات کا موجب ہوئے، ان کے خلاف سرکشی کر کے تم لوگوں نے ان کو قتل کر دیا، اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ ان کے قتل میں شریک نہیں ہیں تو ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کر دیں ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے پھر آپ الگ ہو کر خلافت کے معاملہ کو مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیجئے اور وہ باہمی مشورے سے جس کو چاہیں گے یہ امر خلافت سپرد کر دیں گے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۲۵۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۸)  
اس پر سیدنا علیؓ نے ان کو ڈانٹ دیا اور وہ واپس سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔

تین ماہ تک صلح کی یہ کوششیں جاری رہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا، اسی اثناء میں دونوں طرف سے قریباً بچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ہمدان ملت نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا۔ ربیع الاول، ربیع الثانی اور جادی الاولیٰ برابر تین ماہ صرف صلح کے انتظار میں گزر گئے لیکن اس دوران کی تمام خط و کتابت اور بات چیت بالکل بے اثر ثابت اور معاملہ جنگ تک پہنچ گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۲۵۸، ۲۵۹)

## جنگ کی ابتداء

جمادی الاولیٰ ۳۳ھ سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ شروع شروع میں لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ صبح و شام ایک جماعت، دوسرے نکلتی اور ایک جماعت ادھر سے نکلتی اور اور وہ دونوں آپس میں لڑتیں، پورا لشکر دوسرے لشکر سے نہیں بھڑا، کیونکہ دونوں طرف دردمندان ملت اور مصلحین امت کی خواہش تھی کہ ہمیں معاملہ خونریز جنگ تک نہ پہنچ

جائے اور بہت سے آدمی کبیت نہ ہو جائیں یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ تک جاری رہا  
لیکن جو نہی رجب کا چاند طلوع ہوا اشہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں  
طرف جنگ کا سلسلہ یک قلم منقطع ہو گیا اور خیر خواہان ملت نے ایک دفعہ پھر مصالحت  
کی کوششیں شروع کر دیں۔ (اخبار الطوال ص ۱۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص —)

امت کے دردمند حضرات سخت پریشان تھے وہ کسی صورت میں بھی جنگ کے قائل  
نہ تھے وہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کی وہ طاقت جسے کفر  
کا انحصار کرنا ہے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے، اب ماہ رجب میں جو جنگ  
رُکی تو ان حضرات نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے پھر نئے سرے سے اپنی کوششیں شروع  
کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا  
ابو امامۃ الباہلیؓ دونوں سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ سے کہا :-

”اے معاویہ! آپ علیؓ سے کیوں لڑتے ہیں؟ بخدا وہ آپ سے اور آپ  
کے والد محترم سے اسلام لانے کے لحاظ سے مقدم ہیں اور قربت کے  
لحاظ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور خلافت کے  
لیے بھی آپ سے زیادہ مستحق ہیں“  
سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا :-

”میں تو صرف عثمانؓ کے خون کے لیے لڑتا ہوں، اور انہوں نے قاتلان  
عثمان کو اپنے ہاں پناہ دی ہوئی ہے، آپ دونوں علیؓ کے پاس جائیں  
اور ان سے کہیں کہ قاتلان عثمان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دیں  
تو میں تمام اہل شام میں سے پہلے بیعت کرنے والا ہوں گا“

چلے بات ان دونوں صحابہ کی سمجھ میں آگئی لہذا وہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ  
کے پاس آئے اور سیدنا معاویہؓ کی پوری گفتگو سے انہیں مطلع کیا، آپ نے جواب میں فرمایا :-  
”وہ یہی لوگ ہیں جن کو آپ دیکھ رہے ہیں“

اتنے میں کافی لوگ جن کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی بیک آواز بول اُٹھے :-

”ذبح جميعاً قتلتنا عثمان۔ ہم سب نے عثمان کو قتل کیا ہے۔“  
 علوی فوج کا یہ حال دیکھ کر دونوں بزرگوں نے یہ سمجھا کہ یہ معاملہ سلجھنے والا نہیں  
 اور ہماری کوششیں جیسے پہلے رائیگاں گئی ہیں ویسے ہی اب بھی بے اثر ثابت ہوں  
 گی، چنانچہ وہ دونوں لشکروں کو چھوڑ کر ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اور اس جنگ  
 سے اپنا دامن بچا گئے۔ (انجال الطوال ص ۱، البدایہ جلد ۲ ص ۲۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۵۹)

## جنگ کا دوبارہ آغاز

رجب ۶۳۶ھ سے اخیر محرم ۳۴ھ تک دونوں طرف بالکل سکوت رہا، محنت  
 کی بات چیت جاری رہی اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ دونوں فوجیں اپنے اپنے شہروں  
 کو واپس چلی جائیں اور جنگ کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے لیکن جب سب بے اثر  
 رہا تو اشہر حرم و حرمت والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۴ھ میں دوبارہ جنگ کا  
 آغاز ہو گیا۔

اب بھی شروع شروع میں اگرچہ معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن اب کی جھڑپیں پہلے  
 سے سخت تھیں۔ جب معاملہ نے طول کھینچا اور فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو ایک  
 روز سیدنا علیؑ نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کی، ان کو دشمن کے خلاف جوش دلایا  
 اس تقریر نے یہ اثر کیا کہ آپ کی ساری فوج نے حضرت معاویہؓ کی ساری فوج پر حملہ کر  
 دیا، نہایت شدت کا رن پڑا جس میں کافی آدمی شہید ہوئے۔ اس میں بھی ابتدا  
 سیدنا علیؑ کی طرف سے ہوئی اور سیدنا معاویہؓ صرف دفاع ہی کرتے رہے۔

(منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۱۶، ۲۲۰) یہاں تک کہ جمعہ کی رات کو بہت شدت سے  
 جنگ ہوئی، چوبیس گھنٹے تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، تلواروں کی جھکاکار  
 گھوڑوں کی ٹاپوں اور نیزوں کے شور سے کڑا ادنیٰ تھڑا رہا تھا، دونوں فریقوں نے  
 ایک دوسرے پر نہایت شدت سے حملہ کیا یہاں تک کہ نیزے ٹوٹ گئے اور تلواں

گندہ ہو گئیں اور سیدنا علیؑ قلب لشکر میں کھڑے

”يَحْرُضُ الْقَبَائِلَ وَيَتَقَدَّمُ إِلَيْهِمْ يَا مَرْيَا لِيَصْبِرَ وَالْثَبَاتُ -

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۷۱)

اپنے لشکر میں شامل شدہ قبائل کو ابھارتے اور ان کو پیش قدمی اور مبرور  
ثبات کا حکم دے رہے تھے“

میمنہ پر مالک الاشتر اور عبسہ پر سیدنا ابن عباسؓ اور قلب پر سیدنا علیؑ تینوں  
مصرف و پیکار تھے، جنگ کی اس شدت اور گھن گرج کے لحاظ سے یہ رات تاریخ  
میں ”لیلۃ الہریر“ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ ”ہریر“ عربی میں شور و غوغا  
اور گھن گرج کو کہتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

”واستمر القتال فی هذه الیلۃ کلھا وھی من اعظم الیالی

شرّاً بین المسلمین وتسبى هذه الیلۃ لیلۃ الہریر“

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۷۱، ۲۷۲)

اور اس رات لڑائی ساری رات جاری رہی، چنانچہ اس رات کا شمار مسالوں

کے درمیان نہایت پرفتن اور بُری راتوں میں سے ہے اور اس رات کو

”لیلۃ الہریر“ کہا گیا ہے“ (اخبار الطوال ص ۱۹۵، طبری جلد ۶ ص ۲۶۷،

مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۷۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۷، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۷۱، ۲۷۲)

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جنگ کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے یہ جو جنگ

ہو رہا تھا سب آپؐ کی مرضی کے برعکس ہو رہا تھا، اب یہ لیلۃ الہریر کی خوریز جنگ

آپؐ کو اور زیادہ پریشان کیے ہوئے تھی، آپؐ بہر صورت جنگ بند کرنا چاہتے تھے،

آپؐ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت اس طرح ختم ہو، لہذا آپؐ نے سیدنا

عمر بن العاصؓ فاتح مصرؓ کے مشورے سے سیدنا علیؑؓ والی تدبیر اختیار کی، یعنی قرآن حکیم

کو نیزوں پر بلند کر دیا، یہی تدبیر سیدنا علیؑؓ نے جنگ جل بند کروانے کے لیے کی تھی۔

(ملاحظہ ہو، طبری جلد ۵ ص ۲۷۱) اسی تدبیر کو سیدنا معاویہؓ نے جنگ صفین بند کروانے

کے لیے استعمال کیا، لیکن اُس وقت یہ تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی اور اب کارگر ہو گئی، آپ نے دونوں لشکروں کو قرآن دکھا کر کشت و خون سے روکا اور کہا کہ جب کتاب اللہ موجود ہے تو پھر قتل و غارت کا کیا فائدہ؟ اللہ کی یہ کتاب ہمارے اختلافات بطریق آسان مٹا سکتی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کی اس تدبیر سے جنگ رُک گئی اور اشریت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن پاک کو حکم بنا کر اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر قرآن پاک کو حکم نہ مانا گیا تو ہم آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں گے، چنانچہ ابن کثیرؒ اور ابن الاثیرؒ کے الفاظ ہیں:-

”كَفَعَلُ بِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِابْنِ عَفَّانٍ“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، البدایہ و النہایہ جلد ۴ ص ۲۴۳)  
 ہم تمہارے ساتھ وہی کریں گے جو ہم نے عثمان بن عفان سے کیا تھا۔“

## تاریخ اسلام میں غلط روایات

طبری، مسعودی اور کئی دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن نیزوں پر ادا پڑاٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس چیز کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپ نے اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو، یہ معاویہ بن ابی سفیانؓ، یہ عمرو بن العاصؓ، یہ ابن ابی معیطؓ، یہ حبیب بن مسلمہؓ، یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاکہ بن قیسؓ

لیسوا باصحاب دین ولا قرآن انا اعرف بهم منکم وصعبتہم  
 رجلاً فکانوا شر اطفال وشر رجال وینکم واللہ ما دفعوها انہم  
 یقرأونہا ولا یعملون بما فیہا وما دفعوها الا خدیعة ودھار ومکیدۃ۔  
 (طبری جلد ۴ ص ۲۸، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۱۶۱)

اے سیدنا علیؓ کے لشکریوں کے اس جملہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلین عثمان وہی تھے۔ (ظفر)

ابداً یہ والنہایہ جلد ۲، ۲۴۳)۔ ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں، میں انہیں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گزاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں، دئے ہے تم پر، بخدا انہوں نے (صدق دل سے) ان کو نہیں اٹھایا، یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو نیزوں پر نالتی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض دھوکہ دہی، مکاری اور عیاری کے لیے ہے۔“

## ابو مخنف کا حد درجہ

اس روایت اور اس جیسی ہزاروں روایات کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے بلکہ طبری، ابن الاثیر، انساب الاشراف بلاذری وغیرہم میں اس نام کی تکرار آتی ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کون تھا اور اس کا حد و درجہ کیا تھا؟ اس کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں محدثین کا فیصلہ پڑھیے:-

(۱) علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

لَا يُوثَقُ بِهِ دِيزَانُ الْاِعْتَدَالِ جلد ۲، ص ۳۶) اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) علامہ محمد طاہر بیہقی صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں:-

لوط بن یحییٰ کذاب۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶ دمشق) لوط بن یحییٰ کذاب ہے۔

(۳) اسی طرح ”کشف الاحوال فی نقد الرجال ص ۹۲“ پر منقول ہے:-

هو كوفي وليس حديثه بشيء من - (معجم الادباء جلد ۲ ص ۳۱)

وہ کوئی ہے اور اس کی روایات کسی کام کی نہیں۔

(۴) علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:-

وقد كان شيعة وهو ضعيف الحديث عند الأئمة - (ابداً والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف الحدیث ہے۔

(۵) علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جو کہ حدیث اور نقد حدیث میں اپنی مثال آپ ہیں فرماتے ہیں:-  
لا یوثق بہ - اعتبار کے قابل نہیں۔

پھر فرماتے ہیں :-

(۶) ترکہ ابو حاتم وغیرہ - ابو حاتم اور دیگر ائمہ (جرح و تعدیل) نے متروک کہلے۔

(۷) وقال الدارقطنی ضعیف، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔  
پھر فرماتے ہیں کہ :-

(۸) وقال یحییٰ بن معین لیس بشقۃ - امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔  
پھر فرماتے ہیں :-

(۹) وقال ابن عدی شیعہ محترق صاحب اخبارہم - (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۹۲)  
میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۶ ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ جلا بھتا کٹر شیعہ تھا اور انہی کی  
خبریں جانتا اور روایت کرتا تھا۔

ایسا ناقابل اعتبار شخص جس کو تمام بڑے بڑے محدثین نے کذاب، متروک، ضعیف،  
لیس، بشقۃ اور کٹر شیعہ کہا ہو اس کی روایات پر اعتماد کر کے صحابہ کے خلاف  
لوگوں کے ذہنوں کو مسموم کرنا دراصل قرآن و حدیث کی ثقاہت کو مخدوش کرنا ہے، ایسے  
شخص کی روایات پر تو اب حکل کا کوئی خود ساختہ منکر اسلام ہی اعتماد کرے گا، کوئی صاحب  
عقل و ہوش اور علم و فراست کا حامل ایک لمحہ کے لیے بھی ان روایات پر اعتماد نہیں  
کر سکتا۔

## سیدنا علیؑ کے لشکر میں انتشار

بہر حال جنگ رُک گئی، لیکن جنگ رکنے کے ساتھ ہی سیدنا علیؑ کے لشکر میں پھوٹ  
پڑ گئی۔ طبری اور الفخری وغیرہ مؤرخین نے یہاں بھی تاریخ کے اوراق میں اپنے انداز فکر

پر حالات کو لانے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ تدبیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کے مشورے سے کی تھی اور اس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں تشنّت اور تفرقہ پیدا کر دیا جائے کیونکہ اس بات کو اگر وہ متفقہ طور پر مان لیں گے تب بھی ان میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اگر متفقہ طور پر نہیں مانیں گے تب بھی ان کی فکری اور ذہنی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۶، اخبار الطوال ص ۲۱، الفخری ص ۸۲، طبقات جلد ۲ ص ۲۵۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶)

جنگ بند کرنے کی اس تجویز سے سیدنا علیؓ کے لشکر میں تفرقہ پیدا ہو گیا، مالک الاثر اور اس کے سبائی گروہ نے اس کو مسکایا تاہر کر کے دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہا لیکن ایک بہت بڑی جماعت اس تجویز سے متاثر ہو گئی اور انہوں نے سبائوں کے علی الرغم لڑائی کو بند کر دیا۔

کچھ لوگوں نے کہا اور بڑی سختی سے کہا کہ ہمیں قرآن کی اس دعوت کو رد نہیں کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے الگ ہو جائیں گے بلکہ سیدنا علیؓ کا مقابلہ کریں گے۔

سیدنا علیؓ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس نے کہا:-

”امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن

میری اپنی رائے یہ ہے کہ ہمیں اس وقت کتاب اللہ کو حکم مان لینا چاہیے“

لیکن اُختر نخعی اس بات کو نہیں مان رہا تھا اور برابر جنگ لڑتا رہا، سیدنا علیؓ نے

جب اپنے لشکر کا یہ رنگ دیکھا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کی یہ رائے سنی تو

آپ نے مالک الاثر نخعی کو لڑائی بند کرنے کا پیغام بھجوایا تو اس نے بادل خواہ جنگ بند

کی اور اپنی فرو دگاہ پر واپس آنے کے بعد ابن الکواثر اور معمر بن فکک وغیرہ کے ساتھ بہت

تلخ گفتگو کی اور قریب تھا کہ کشت و خون تک نہ پہنچ جاتی لیکن سیدنا علیؓ نے درمیان

میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کروادیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۷، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸،

ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶)



نہایت تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا علی جنگ بند کروانے کے لیے قرآن پاک کو نیزوں پر چڑھائیں اور کتاب اللہ کو حکم بنانے کا واسطہ دیں تو وہ غلص اور ان کی تدبیر سراپا اخلاص پر مبنی اور اگر کسی تدبیر سیدنا معاویہؓ جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کی تقلید اور مسلمانوں کی غیر خواہی اور ان کو خوریزی سے بچانے کے لیے کریں تو وہ (معاذ اللہ) متکار، عیار اور فریبکار کہلائیں کسی نے سچ کہا ہے کہ

میں الرضاعن کل عیب کلیلة

کما ان عین المسخط تبدي المسادیا

خوشی کی آنکھ ہر عیب پر (بھی) بند رہتی ہے جس طرح کہ غصہ کی آنکھ صرف عیوب ہی کو دیکھتی ہے؟

آپ کے خلوص اور ملت مسلمہ کے لیے ہمدی کا اندازہ اسی آواز ہی سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے میدان جنگ میں جنگ بند کروانے کے لیے لگائی، آپ نے اور آپ کے لشکر نے قرآن پاک کو نیزوں کی آٹیوں پر اٹھاتے ہوئے کہا :-

”هَذَا حَكَمُ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مِنَ الثَّغُورِ

الشَّامِ بَعْدَ أَهْلِهَا مِنَ الثَّغُورِ الْعِرَاقِ بَعْدَ أَهْلِهَا -

(ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۱، اتمام الوفاء ص ۲۳۲)

یہ اللہ کی کتاب تمہارے اور ہمارے درمیان حکم ہے، اہل شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی کون حفاظت کرے گا اور اہل عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی کون نگرانی کرے گا؟

مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کئے ہیں :-

”وَمِنْ لِّجِهَادِ الرُّومِ وَمِنْ لِلتُّوَكَّ وَمِنْ لِلْكَفَّارِ - (مروج الذهب جلد ۲)

رومیوں سے کون جہاد کرے گا اور ترکوں اور اہل کفر سے کون جنگ کرے گا؟

اسے علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ :-

وَكَانَ أَهْلُ الشَّامِ سِتِّينَ أَلْفًا قَتَلَ مِنْهُمْ عَشْرُونَ أَلْفًا وَكَانَ أَهْلُ الْعِرَاقِ

ان الفاظ ہی سے آپ کے قلب کی گہرائیوں کا جذبہ ظاہر ہو رہا ہے اور پتہ چل رہا ہے کہ کس مقدس جذبہ کے تحت آپ نے اس خوریز جنگ کو بند کروایا ، آپ سمجھ رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کی آپس کی خوریزی کچھ روز اس طرح اور رہی تو اسلام کی ترقی کا سلسلہ جو کہ جہاد کے ذریعے ہو رہا ہے بالکل منقطع ہو جائے گا ، دوسرے آپس کی اس خاتہ جنگی سے مسلمانوں کی عسکری قوت کمزور ہو جائے گی جس سے دشمنان اسلام کو ہو سکتا ہے کہ مقبوضات اسلامی پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے۔ آپ نے صرف اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کی خاطر اس جنگ کو بند کروایا۔

کتاب اللہ کو حکم مانتے ہی دونوں طرف پھر الفت و محبت پیدا ہو گئی اور بغض و عناد جو کہ جنگ کی تلخیوں کی وجہ سے وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا یک قلم کافر ہو گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال ص ۱۹، ۱۹۲) لیکن سیدنا علیؑ کے لشکر کی ایک جماعت نے جس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی اس تحکیم کو کفر اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) مائتہ وعشرون الفاقتل منهم اربعون الفا۔ (ابدایہ و النہایہ جلد ۲، ص ۲۷۹) اہل شام کی تعداد ۶۰ ہزار تھی جن میں سے ۲۰ ہزار قتل ہو گئے اور اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی جن میں ۴۰ ہزار مقتول ہوئے۔

مسلمانوں کا اتنی تعداد میں قتل ہو جانا سیدنا معاویہؓ کو بہت شاق گذر لہذا آپ نے شفقت علی المسلمین کے جذبہ کے تحت اس لڑائی کو بند کرنے کی یہ تجویز کی۔

قد فنی الناس فمن للشعور ومن للجهاد المشركين والكفار لوگ جب یوں فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور کون مشرکین اور کفار سے جہاد کرے گا۔

اس لڑقت اور ہمدردی اسلام کے جذبہ کو سیدنا معاویہؓ کی جنگی چال پر محمول کرنا سبائی فکر کا غمازی کرتا ہے۔

گنہ و عظیم قرار دیا اور سیدنا علیؑ کو اس سے توبہ کرنے کے لیے کہا، آپ ان کی دلیل کے جواب میں فرماتے :-

”کلمۃ حق ارید بہا باطل۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۹)

بات تو حق ہے لیکن مراد اس سے باطل ہے“  
لیکن اس جماعت کے دوسرے داروں زرعر بن برج الطائی اور قوص بن سعید السعدی

لے یہی وہ جماعت تھی جو بعد میں خوارج کہلائی کیونکہ انہوں نے سیدنا علیؑ کے خلاف خروج یعنی بغاوت کی اور کافی عرصہ تک سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے لیے ددو سر بنی رہی اور آخر سیدنا علیؑ کی شہادت کا باعث بھی یہی جماعت بنی۔ اس جماعت کے آپ کے شکر سے ملحدہ ہونے کے بعد آپ نے سیدنا ابن عباسؓ کی معرفت ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی بلکہ سیدنا ابن عباسؓ نے تو ان کے ساتھ ان الحکمہ الا للہ کے موضوع پر مناظرہ بھی کیا جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن یہ جماعت راہِ راست پر نہ آئی۔ بعد میں اسی جماعت نے ایک فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور عقائد ایک سلسلہ شروع کر دیا۔

ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، ان کے اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہوتا وہ ان کے نزدیک مباح المال والذم ہوتا یعنی اس کا مال اور اس کا خون ان کے لیے حلال ہو جاتا تھا، چنانچہ عبد اللہ بن خیاب اور ان کی اہلیہ ام سنان اور عاتر بن مرہ اسی بیخِ بستم کے قاتل تھے۔ اس جماعت کا تعلق بھی دراصل قاتلانِ عثمانؓ ہی سے تھا اور یہی لوگ پہلے حکیم پر راضی ہوئے اور بعد میں سیدنا علیؑ کی یونیشن کو داغدار کرنے کے لیے ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ حکیم کو کیوں اختیار کیا گیا، اس معاہدہ کو جلد از جلد توڑ دینا چاہیے کیونکہ یہ اسلام کے مزاج کے موافق نہیں، سیدنا علیؑ نے جواب دیا کہ میں عہد شکنی کر کے قبل از وقت جنگ شروع کر دوں، بخدا نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کو حضرت علیؑ کے ساتھ اس قدر دشمنی اور کد ہو گئی کہ انہوں نے کوفہ میں رہنا بھی پسند نہ کیا اور حور و راز نامی بستی میں اقامت اختیار کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، البیہار النہج جلد ۷ ص ۱۸۶، ۱۸۷) اس بنیاد پر انہیں ”حوریہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

اپنی بات پر اصرار کیا اور آپ کو توبہ کرنے کے لیے کہا لیکن آپ ان کی بات ماننے پر آمادہ نہ ہوئے، آخر میر، خوارج نے آپ کو الٹی میٹم دیا کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خطا کے لیے آپ کے ساتھ لڑیں گے، آپ نے فرمایا: ”میں بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں، اور یاد رکھو تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی“ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الکامل لابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴۲، ۱۴۳، اخبار الطوال ص ۲۱۱، ۲۱۲، طبری جلد ۶ ص ۴، ۵، ۶، البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۴۸، ۱۴۹، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۹)

## تحکیم

غرض جنگ بند ہو جانے کے بعد باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ دونوں جانب سے ایک ایک حکم (ثالثت) مقرر کیا جائے اور متنازعہ فیہ مسئلہ ان دونوں کے سپرد کیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق ہو فیصلہ کریں وہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہو جو قرین حق اس فیصلہ کو نہ مانے اس کے خلاف دوسرے کی امداد کی جائے۔

اس قرارداد کے پاس ہو جانے کے بعد اہل شام نے منفقہ طور پر سیدنا عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا، سیدنا علیؓ نے اہل عراق کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو ثالثت مقرر کرنا چاہا لیکن آپ کے اپنے لشکر نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی اور کہا:۔

”لا نرضی الا بابی موسیٰ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۶۶)

ہم سوائے ابو موسیٰ کے اور کسی پر راضی نہیں ہوں گے“

لے شاید اس معاملہ میں بھی مالک الاشرع مخالفت کرنے والوں کے پیش پیش تھا کیونکہ اس نے اُس وقت بھی سخت مخالفت کی تھی جب سیدنا علیؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا بلکہ غفیناک ہو کر سیدنا علیؓ کو دھکی بھی دی تھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۹۲) اور عبداللہ بن عباسؓ کے نام کے بعد آپ کا مالک الاشرع کے نام کو تجویز فرمانا بھی اسی بات کی غمازی کرتا ہے۔

ہیشم ابن عدی نے "کتاب الخوارج میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام سب سے پہلے اشعث بن قیس نے تجویز کیا تھا پھر اس کی متابعت میں اہل یمن بھی انہی کا نام لینے لگے اور دلیل یہ دی کہ وہ اس سارے حادثے سے الگ تھلگ رہے ہیں اور وہ اس معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہیں لیکن سیدنا علیؓ نے اشعث بن قیس کے تجویز کردہ نام کی مخالفت کی اور اصرار کیا کہ عید اللہ بن عباسؓ ہی کو حکم مقرر کیا جائے، آپ کے شکر نے کہا کہ عید اللہ بن عباسؓ آپ کے خاص عزیز ہیں حکم غیر جانبدار اور غیر متعلق ہونا چاہیے، سیدنا علیؓ نے پھر دوسرا نام مالک الاشتر کا تجویز کیا اس پر اشعث بن قیس اور اس کے ساتھیوں نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ یہ ساری آگ تو اسی کی لگائی ہوئی ہے اور اس کی رائے یہ ہے کہ جب تک آخری نتیجہ برآمد نہ ہو ہر فریق دوسرے سے برسرِ پیکار رہے اور لڑائی کسی صورت بند نہ ہو اب تک ہم اسی شخص کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا، سیدنا علیؓ نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یا مروجہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کو حکم مان لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ابن الاثیر جلد ۳، ۲۲، طبری جلد ۶، مروج الذهب جلد ۲، ۲۸، اخبار الطوال ۱۹۲، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲، ۲۲۸)

۱۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا علیؓ کی فوج آپ کی کس قدر فرمانبردار تھی وہ شاذ و نادر ہی آپ کی کسی بات سے اتفاق کرتی بلکہ اکثر یہی کوشش کرتی کہ اپنی بات سیدنا علیؓ سے منوائیں اس کے مقابلہ میں سیدنا ابیر معاویہؓ کے لشکر میں فرمانبرداری کا خاص شعور تھا جو بات آپ کے بولوں سے نکلتی آپ کے لشکر کے آدمی اس کی فورا تعمیل کرتے، اسی وجہ سے سیدنا علیؓ اپنے لشکریوں سے تنگ آ کر کبھی کبھی ایسا بھی فرماتے۔

— "خدا سو گند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالیں، پھر فرمایا، خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے، میں ان سے ملوں ہوں اور یہ مجھ سے ملوں ہیں خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھوں ہٹا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔ (جلد البیعون باب ۲، ۲۲۹) اسی وجہ سے تاریخ میں لکھا ہے کہ فیصلہ حکیم کے بعد امیر معاویہؓ کی طاقت میں اضافہ ہو کر وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے لیکن سیدنا علیؓ کی جماعت پھوٹ اور انتشار کی وجہ سے کمزور تر ہو گئی۔"

(ابوالفداء جلد ۱، ۱۷۸)

قبل اس کے کہ ہم تحکیم کے بارہ میں کچھ عرض کریں جنگِ صفین کے مقتولین کے بارہ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان کا کیا مقام تھا؟ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ دونوں حضرات ہی جنگ نہ کرنے کے درپے تھے، آپس میں اُن کی جو کشمکش پیدا ہو چکی تھی اس کو سبائیوں نے ہوا دے کر ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا یہاں تک کہ جنگ برپا ہو گئی جس کا دونوں حضرات یعنی سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کو از حد افسوس اور صدمہ تھا، لیکن یہ حضرات اس قتال میں حدودِ شریعہ سے متجاوز نہ ہوئے، یعنی نہ کسی عورت کا پردہ اٹھایا نہ کسی کا مال لوٹا نہ کسی مسلمان مرد کو غلام بنایا اور نہ ہی کسی عورت کو لونڈی نہ قیدیوں کو قتل کیا اور نہ ہی فریقین کے مال کو مالِ غنیمت سمجھا، بلکہ جب سیدنا علیؑ سے ان مقتولین کے بارہ میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا :-

”قتلانا وقتلاھم فی الجنة۔ رکنز العمال جلد ۶، سیر اعلام النبوی جلد ۳، ۹۵،

مجمع الزوائد جلد ۹، ۳۵۷) ہم اے اوزمعاویہؓ کی فوج کے مقتولین دونوں

جنت میں ہیں“

ایسے ہی ایک روز سیدنا علیؑ جنگ کے دوران باہر نکلے آپ کے ساتھ صحابیؓ رسول سیدنا عدی بن حاتمؓ تھے انہوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو پڑا ہوا پایا، سیدنا عدیؓ کے منہ سے نکلا: ”افسوس مسلمان تھا اور آج کافر ہو کر مرا پڑا ہے“ سیدنا علیؑ نے جب ان کے منہ سے یہ بات سنی تو فرمایا :-

”کان امس مؤمنًا وھو الیوم مؤمن۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲)

یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے“

سیدنا علیؑ کے ساتھیوں نے سیدنا علیؑ سے پوچھا کہ معاویہؓ کے جو ساتھی جنگِ صفین میں مارے گئے ہیں اُن کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ مومن تھے یا کافر؟ آپؑ نے بلا جھجک فرمایا :-

”ھم المؤمنون۔ وہ سب مومن ہیں“ (ابن عساکر جلد ۱، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۷۱)

زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں سیدنا علیؑ نے جو فرمایا وہ یہ تھا :-

”اخواننا بغوا علینا۔ وہ ہمارے بھائی تھے لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی“ (تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۲۳۱، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۱۶۳، شرح المقاصد جلد ۲ ص ۲۲۳)

باغی کا فرہیں ہوتا، پھر وہ بغاوت اجتہادی تھی جس میں ایک طرف سے بغاوت مذمتی بلکہ دونوں طرف سے بغاوت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ سیدنا علیؑ نے ان کے حق میں خود بھی کلمہ خیر کہا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کلمہ خیر کہنے کی تلقین فرمائی اور ان کے بارہ میں نازیبا یا خلاف شرع الفاظ کہنے سے سختی سے روکا بلکہ فرمایا :-

”فانہم زعموا انا بغینا علیہم ونہمنا انہم بغوا علینا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی ہے اور ہم نے یہ سمجھا کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے“

(ابن عساکر جلد ۱ ص ۳۲۹، منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۱)

چنانچہ جنگ کے اختتام پر سیدنا معاویہؓ کے مقتول ساتھیوں کی سیدنا علیؑ نے تجہیز و تکفین کی اور خود ان پر نماز جنازہ پڑھی جو ان کے مؤمن ہونے پر شاہد ناطق ہے۔

## تالشوں کا اجمالی تعارف

سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا نام عبداللہ بن قیس اور کنیت ابو موسیٰ تھی، آپ یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے اسی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔

سیدنا ابو موسیٰ یمن سے چل کر مکہ مکرمہ پہنچے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے۔ آپ یمن سے پچاس مسلمانوں کی ایک جماعت کی معیت میں بحری جہازی پر سوار ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے نکلے لیکن

باد مخالف نے جہاز کو حجاز کی بجائے حبشہ پہنچا دیا، یہاں آپ مہاجرین حبشہ سے مل گئے اور مدینہ منورہ میں عین اُس وقت ہجرت فرمائی جبکہ مجاہدین اسلام فتح قیصر سے واپس آئے تھے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو خیر کے مال غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ (بخاری شریف جلد ۲، طبقات جلد ۲ ص ۶۵۸)

آپ نے فتح مکہ، غزوہ خیبر اور غزوہ تبوک میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شرکت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر ان کو بہت عافیت دیں۔ آپ علی، علی اور فکری صحابہ کے مالک تھے، چنانچہ ابو الاسود بن بزید فرماتے ہیں:-

”لما رآی با لکوفۃ اعلم من علی و ابی موسیٰ۔“

میں نے کوفہ میں سیدنا علیؓ اور سیدنا ابو موسیٰؓ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ (تاریخ اسلام ذیہی جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۰۶)

امام مسروقؒ فرماتے ہیں:-

”کان القضاء فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ستۃ عمر و علی و ابن مسعود و ابی ذر و ثابت و ابو موسیٰ۔“

قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ صحابہ میں منحصر تھی۔ عمر، علی، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری میں۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷)

اسی وجہ سے کتابوں میں آتا ہے کہ:-

”کان ابو موسیٰ احد الفقہاء الستۃ۔“

ابو موسیٰ چھ فقہاء صحابہ میں سے ایک تھے۔“ (مسند رک حاکم جلد ۳ ص ۲۶۵)

ابو البختری کہتے ہیں کہ ہم نے سیدنا علیؓ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خصوصی طور پر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:-

”صبغ فی العلم صبغة ثم خرج منه۔ وہ علم میں رنگ کر لیا گئے تھے۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۷، تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۱۰۷)



امام ذہبیؒ نے ان کے متعلق جو ریمارکس دیئے ہیں وہ بھی پڑھنے کے قابل ہیں :-

”وكان من اجلاء الصحابة وفضلائهم“

ابوموسیٰ اشعریؒ جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں سے تھے :-

(تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۵۵)

آپ کی انہی صلاحیتوں کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۳، المعاصم من القواصم ص ۱۴۴، زرقانی جلد ۳ ص ۹۹، حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۳۵۲، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۳۵)

حجۃ الوداع میں آپ یمن ہی سے شرکت کے لیے تشریف لائے۔

سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی، پھر سیدنا عمرؓ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ (طبری جلد ۵ ص ۲۹۹) ۲۹۹ میں بصرہ کے مفسدہ پردازوں نے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تو سیدنا عثمانؓ نے انہیں معزول فرما کر ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر فرما دیا لیکن ۳۳ھ میں اہل کوفہ کی درخواست پر سیدنا سعید بن العاصؓ کی جگہ ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد جنگِ جمل کے موقع پر جب سیدنا علیؓ کے داعی لوگوں کو آپ کے لشکر میں شرکت کے لیے ابھار رہے تھے تو آپ کو ان کی یہ حرکت پسند نہ آئی، کیونکہ آپ خود مسلم کی ادرا فی پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے مسجد میں فتنہ کی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں اور فرمایا کہ جناب رسالتنا علیہ افضل الصلوٰۃ والتیات نے فرمایا ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں انقاد فیہا خیر من القائم، بیٹھا ہوا کھڑے بہتے والے سے بہتر ہے، لہذا تم لوگ غیر جانبدار ہو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۳۵)۔

اشتر نخعی بھی یہ باتیں سن رہا تھا یہ اسی وقت موقع پا کر جلدی سے دارالامارت چلا آیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جب مسجد سے فارغ ہو کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؒ دارالامارت کی طرف تشریف لائے تو اشتر نے ان کو دارالامارت میں داخل ہونے سے روکا اور کہا کہ آپ ہماری گورنری سے معزول ہو جائیے۔ آپ نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر نہایت تہذبہ

سے کام لیا، آپ نے سمجھا کہ اگر اس وقت میں نے مداخلت کی تو دارالامارت میں تو داخل ہو جاؤں گا لیکن ہزاروں سرتنوں سے جدا ہو جائیں گے، لہذا آپ واپس تشریف لائے اور ”عرض“ نامی گاؤں میں گوشہٴ محمولت کی زندگی بسر کرنے لگے، جب لوگ خونریزی سے سیر ہو گئے تو اس وقت ان کو سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے کہی تھیں، اسی وجہ سے لوگوں نے اب صفین کے موقع پر ان کو حکم مقرر کرنے پر اصرار کیا۔ (العواصم من القواصم ص ۲۷۱، ۲۷۲ تعلقہ)

آپ عوام کے صلح پسندانہ جذبات کے نمایاں مظہر تھے، اسی وجہ سے سیدنا علیؓ کی فوج کے دورانہدیش اور حقیقت پسند لوگوں نے انہیں حکیم میں اپنا ثالث مقرر کیا کیونکہ وہ گوشہٴ گناہی میں غیر جانبداری اور صلح پسندی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر کسی اور کو ثالث مقرر کیا گیا تو شاید وہ جانبدار ہونے کی وجہ سے اُمت کو پھر جنگ کی بھٹی میں نہ جھونک دے، چنانچہ انہوں نے اپنی بصیرت و تدبیر سے عوام کی توقعات کے مطابق ایسا فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی بے نیام تلواریں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیام میں چلی گئیں۔

دوسرے ثالث جن کو اہل شام نے متفقہ طور پر ثالث مقرر کیا سیدنا عمرو بن العاصؓ تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ مکہ کے بنو سہم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، قریش میں مقدمات کے فیصلوں کا عہدہ اسی قبیلہ میں تھا، یہ قبیلہ اہل اسلام کی ایذا رسانی اور دشمنی میں پیش پیش تھا چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کسی سے پیچھے نہ تھے، چنانچہ یہ حبشہ کے اس وفد میں شامل تھے جو مہاجرین کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے نجاشی کے پاس گیا تھا۔

غزوہ خندق تک آپ قریش کے ساتھ رہے لیکن اس غزوہ کے بعد آپ اسلام سے متاثر ہونا شروع ہو گئے اور مسلمانوں کی مخالفت سے کنارہ کشی کرنے لگے، چنانچہ فتح مکہ سے پہلے خالد بن ولیدؓ کے ساتھ جو انہیں مدینہ کے راستہ میں ملے، بارگاہِ رسالت میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (الہدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ خالد بن ولیدؓ کے بیعت کرنے کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں بیعت کروں گا لیکن آپ میرے اگلے پچھلے گناہ کو معاف فرمادیں، آپ نے یہ سن کر فرمایا عمرو! بیعت کرو اور جان لو کہ اسلام پہلے تمام گناہوں کو معدوم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی تمام گناہوں کو معاف کر دیتی ہے، چنانچہ میں نے بیعت کر لی اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ (مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹۸)

طبیعت میں انتہا پسندی تھی چنانچہ کفر میں بھی شدید اور جب اسلام لائے تو پھر اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

اکثر کہا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا اگر اسی حالت میں مرجاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا اور جب حلقہ بگوش اسلام ہوا تو آپ سے زیادہ کوئی ذات میری نگاہ میں وقیع اور باعزت نہ تھی اور میں پوری زندگی آنکھ کھرک آپ کے روئے اور کودیکھ بھی نہ سکا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۲۹)

عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں بہت سی جنگوں میں شرکت فرمائی، مصر، اسکندریہ اور طرابلس الغرب کی فتح آپ ہی کی جزاآت ایمانی کی مرہونِ منت ہے۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں بھی انہوں نے اپنے نمایاں جوہر دکھائے۔ فتوحات شام، أجنادین، دمشق، قسطنطنیہ، یروشلم وغیرہ میں بھی اپنی بہادری کی داد پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمان کے حاکم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور آپ کے خط سے متاثر ہو کر وہاں کے دونوں حاکم عبید اور جعفر مشرف باسلام ہو گئے، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہاں کا حاکم بھی مقرر فرمایا۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱۷) اپنی خلافت کے آخری سالوں میں سیدنا عمرؓ نے انہیں مصر کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ۲۳ میں سیدنا عثمانؓ نے انہیں وہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا، آپ نے اس بات کا بُرا نہ منایا اور واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ نہایت ذہین اور رسا ذہن کے مالک تھے اسی وجہ سے سیدنا عمرؓ ان خطا

اور سیدنا عثمان بن عفانؓ اہم امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے خصوصی طور پر سیدنا عثمانؓ تو ہر شکل موقع پر ان ہی کے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے۔ خویش کے زمانے میں جب باغیوں نے اپنے مطالبات متوائے کے لیے تخریبی دلائل استعمال کرنے شروع کئے تو سیدنا عثمانؓ نے ایک مشاورتی کونسل منعقد کی جس کے ایک رکن آپ بھی تھے۔ تمام اراکین کونسل کے مشورہ کے بعد آپ نے خاص طور پر ان کی رائے پر بھی۔ (طبری جلد ۵ ص ۹۹)  
کئی اور موقعوں پر بھی آپ نے باغیوں کے سامنے سیدنا عثمانؓ کی صفائی پیش کی۔  
(یعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۲، ۲۰۳، ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۵)

شہادتِ عثمانؓ کے بعد یہ بھی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرح عزت کی زندگی بسر کرنے لگے اور جنگ جمل کا قیامت خیز واقعہ بھی انہیں گوشہٴ عزت سے باہر نہ نکال سکا لیکن جب سیدنا علیؓ نے شام پر چڑھائی کی تو سیدنا معاویہؓ نے اس بہترین دماغ کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ ان کو خط لکھ کر شام بلا لیا۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۳۷۵)  
جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپ کی بہت تعریف کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضورؐ انورؑ نے فرمایا: ”عمر بن العاصؓ قریش کے صالح اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔“ (اصابہ جلد ۵ ص ۷۳)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا کہ کیا وہ شخص نیک خصال نہیں ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر دم تک محبوب رکھا ہو؟ آپ نے فرمایا اس کی سعادت اور نیک خصلت میں کس کو شک ہو سکتا ہے؟ وہ بولا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر دم تک تم سے محبت کرتے رہے۔

زہدیب التہذیب جلد ۸ ص ۸، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۱۱

قوتِ ایمانی میں ایک مینار کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ رسالت نے ان کے بارہ میں جو بیمار کس دیئے ہیں وہ شنیدنی ہیں، ایک مرتبہ حضورؐ انورؑ نے فرمایا:-

”اسلم الناس وامن عمرو بن العاص۔“ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۵)

لوگ تو اسلام لائے ہیں لیکن عمرو بن العاصؓ ایمان لائے ہیں۔“

ایک اور موقع پر لسان رسالتؑ نے فرمایا :-

”اینا العاص مومنان یعنی ہشام و عمرو (مسند احمد جلد ۴ ص ۲۵۳)

عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو بچے مؤمن ہیں“

تدبیر و سیاست میں اپنی مثال آپ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خود ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ :-

”تم اسلام میں ایک صاحبِ الائے آدمی ہو“ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۸۶)

چنانچہ ان کی اس زبردستی اور تدبیر کی وجہ سے اکثر حرکات ان کے سپرد فرماتے بلکہ بعض مرتبہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ پر ان کو امیر بناتے - (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۵۶)

سیدنا عمرؓ جیسا فہم اور صاحب تدبیر انسان بھی ان کی اس خوبی کا اعتراف کرتا تھا - (اصابہ جلد ۵ ص ۳۷)

## معابدہ حکیم

فیصلہ کے مطابق سیدنا علیؑ نے اپنے آدمی بھیج کر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو ”عرض“ سے بلوایا جہاں وہ عزت نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب ابو موسیٰ اشعریؓ سے جا کر کہا گیا کہ دونوں گروہوں نے آپس میں صلح کر لی ہے تو آپ نے فرمایا ”الحمد للہ“ اور جب یہ کہا گیا کہ آپ کو تنازعات کو نبٹانے کے لیے ثالث بنایا گیا ہے تو فرمایا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ - (ابن ابی حاتم جلد ۲ ص ۲۶۱، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۹۱)

بہر حال آپ کو بلایا گیا، ادھر سے سیدنا عمرو بن العاصؓ پہلے ہی سے موجود تھے، دونوں ثالثوں کی باہمی گفت و شنید کے بعد ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کو اب یثوریؒ ”انبار الطول“ طبری نے اپنی ”تاریخ الامم والملوک“ اور الخضری نے ”محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ“ اور دوسرے مؤرخین نے اپنی اپنی کتابوں میں الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کیا

ہے، وہ معاہدہ حسب ذیل تھا:-

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَذَا مَا تَقاضَى عَلَيْهِ عَلِيٌّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَمَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ قَاضِيًا عَلَى الْكُوفَةِ وَمِنْ مَعَهُمْ مَنْ شِيعَتُهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَقَاضِيًا مَعَاوِيَةَ عَلَى أَهْلِ الشَّامِ وَمَنْ كَانَ مَعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ -  
 اَنَا نَزَلْتُ عِنْدَ حَكَمِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَكِتَابِهِ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَنَا غَيْرُهُ وَإِنْ كَانَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ بَيْنَنَا مَنْ قَاتِلُهُ إِلَى خَاتَمِهِ فَيُحْيِي مَا حَيَّى وَنَمِيتَ مَا أَمَاتَ، فَمَا وَجَدَ الْحَكَمَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَهَذَا الْوَسْطَى الْأَشْعَرِيُّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ قَيْسٍ وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ الْقُرَشِيُّ عَمَلًا بِهِ وَمَا لَمْ يَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَالْسُنَّةُ الْعَادِلَةُ الْجَامِعَةُ غَيْرَ الْمُنْفَرِقَةِ -

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”یہ ہے وہ معاہدہ جو علی بن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کے مابین ہوا، یہ معاہدہ نے یہ معاہدہ تمام اہل کوفہ اور اپنے سب ساتھیوں مسلمانوں اور مؤمنین کی طرف سے اور یسنا معاویہؓ نے یہ معاہدہ تمام اہل شام اور سب اہل ایمان ساتھیوں کی طرف سے کیا۔ ہم اللہ رب العزت اور اس کی کتاب قرآن حکیم کے سامنے تسلیم خم کرتے ہیں اور اس کے ماسوا اور کسی پر متحد نہیں ہوں گے، اللہ رب العزت انجام سے انتقام تک ہم میں حاضر و ناظر ہیں، پس یہ دونوں ثالث عبد اللہ بن قیس (الوسطی اشعریؓ) اور عمرو بن عاصؓ جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں گے اس کے مطابق عمل کریں گے اور اگر اس تنازعہ کے فیصلہ کے بارہ میں کتاب اللہ میں کچھ نہ پائیں گے تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عادلہ، جامعہ غیر متفرقہ پر عمل کریں گے“

پھر فریقین کے سربراہوں میں سے ہر ایک نے الگ الگ عہد کیا:-

”میں اس ثالثی نامہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اُس پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہوں اور مؤمنین پر اس فیصلے کی پابندی ضروری قرار دیتا ہوں نیز عہد کرتا ہوں کہ جہاں کہیں

بھی یہ جائیں یہ خود ان کے اہل و عیال، ان کے اموال، ان کے شاہد و غائب سب امن و عافیت میں رہیں گے اور ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا جائے گا۔ عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ پر اللہ رب العزت کی طرف سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امت میں ثالثی کا فریضہ ادا کریں اور اس کو جنگ کی آگ میں نہ دھکیلیں اور نہ ہی اس میں تفریق کی صورت پیدا کر کے گنہگار بنیں، فیصلے کا اعلان رمضان المبارک تک کریں اور اگر اس مدت میں اور تاخیر مقصود ہو تو باہمی رضامندی سے اس میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔

اگر ثالثوں میں سے کوئی رقبہ الہی سے فوت ہو جائے تو ہر گروہ کا سربراہ اس کے بجائے کسی دوسرے کا تقرر کر سکتا ہے، لیکن وہ نیا ثالث عدل و انصاف کی صفات سے مزین ہو، ان ثالثوں کے فیصلہ کی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر فیصلہ مرتب کریں اہل کوفہ اور اہل شام کے درمیان ہو اور ان دونوں کی مرضی کے خلاف کوئی ان کے پاس نہ جائے، ہاں جسے وہ بلائیں وہ ان کے پاس جاسکتا ہے، پھر اس معاہدہ کی رو سے وہ اپنا فیصلہ قلمبند کریں گے اور جو آدمی اس ثالثی نامہ کو نہ ملنے اور اس میں کسی قسم کے ہیر پھیر اور ظلم کا مرتکب ہو تو تمام اہل اسلام اس کے خلاف دوسرے فریق کی مدد کریں گے۔“ (طبری جلد ۶، ۲۹، ۳۰، اخبار الطوال ص ۱۹۵، اتمام الوفاء ص ۲۳۲، ۲۳۳، ابن ابی الحدید جلد ۲، ۲۳۳، ۲۳۶)

اس معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے اور بہت سے گواہوں نے اپنے گواہیاں بھی ثبت کر دیں، اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے علاقہ میں چلے گئے، سیدنا علیؓ کو قرین اپنی فوجوں کے ساتھ واپس چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ شام چلے گئے اور باکر اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور سب فوجی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ (مرجع المذہب جلد ۲)

۱۷ ماہ صفر ۳۶ھ کو لکھا گیا تھا اور شعبان ۳۶ھ میں یعنی ۶ ماہ بعد ثالثوں کا اذبح میل اجتماع ہوا، گویا چھ ماہ تک ثالثوں نے تحقیقات کیں، مختلف لوگوں کی شہادتیں قلمبند کیں پھر ان کی چھان بین کر کے اس فیصلہ کو سنایا جس پر دونوں پارٹیاں مطمئن ہو گئیں اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ہمیشہ کے لیے رک گئی اس معاہدہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (نظر)

انحضری کے بیان کے مطابق معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی کہ ثالثی نامہ سننے کے وقت دونوں گروہوں کے امیر یعنی سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ وہاں نہ آئیں گے بلکہ ان کی طرف سے ان کے ایمان و انصار اور معتمدین میں سے چار چار سو نمائندے وہاں حاضر ہوں گے۔

رمحاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۲۹، طبری جلد ۶ ص ۲۹

اب یہ دونوں ثالث اٹھتے ہو کر ملت اسلامیہ کی بہتری کے لیے غور و فکر کرنے لگے، دونوں حضرات ایک بلند مقام کے مالک تھے اور تقویٰ، تدبیر، خشیت الہی میں اپنی مثال آپ لیکن بعض دشمنان اسلام نے ایک ثالث (سیدنا عمرو بن العاصؓ) کو انتہائی تمکار، عیار اور قریب کار ثابت کیا ہے اور دوسرے ثالث (سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ) کو انتہائی سادہ بیوقوف اور ابلہ صفت ثابت کرنے کی انتہائی قبیح حرکت کی ہے اور دونوں کے متعلق ایسی ایسے روایات وضع کی گئی ہیں جن کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ نقلی طور پر ان میں صداقت کا شائبہ معلوم ہوتا ہے۔

## فیصلہ سنائے کا مقام

افرض متعدد مجلسوں میں ثالثوں نے اپنا فیصلہ مرتب کر لیا اور اس کو تحریری طور پر مرتب کیا کیونکہ معاہدہ تحکیم، ہی میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں حکم مل کر جو فیصلہ کریں

لے ابن ابی الحدید اور طبری نے کچھ بھی دیا ہے "کان ابو موسیٰ مغفلًا، طبری جلد ۶، ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۵۶ پھر یہ لکھا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو گالیاں بھی دیں۔ (جلد ۶ ص ۲۵۶) طبری کا مزید یہ بتانا ہے، سیدنا ابو موسیٰؓ کوئی مفصل اور ابلہ صفت بزرگ نہ تھے بلکہ نہایت چھانڈا اور فقیر فی الدین اور صاحب فتویٰ بزرگ تھے۔ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں اور ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں امام شیعہ اور ابن الدینی کے اقوال سے انہیں سیدنا عمرؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ کے مقام کا مل لکھا ہے۔ اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۶، تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۶۳۔



وہ زبانی نہ ہو بلکہ تحریری طور پر مرتب ہو۔ دہری جلد ۶، ۳۰، ۲۹، محامرات جلد ۲ ص ۲۹ اور فیصلہ سناتے کی جگہ پر وہ صرف سنا دیا جائے۔

فیصلہ مرتب کرنے میں کئی لوگوں سے پوچھ گچھ ہوئی، کئی مرتبہ سیدنا معاویہؓ کے پاس ان دونوں ثالثوں کا ایلچی مختلف استفسارات کے جوابات معلوم کرنے کیلئے گیا اور کئی مرتبہ سیدنا علیؓ سے مختلف باتوں کے متعلق پوچھا گیا۔ محامرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۸۱ طے یہ ہوا کہ جب دونوں ثالث اپنا فیصلہ مرتب کر لیں تو دومۃ الجندل کے مقام اذرحؓ پر اس کو سنا لیں۔ دومۃ الجندل وہ مقام ہے جس کے متعلق دونوں ثالثوں نے عموم کر لیا تھا کہ اسے اس کانفرنس کا مرکز بنائیں گے کیونکہ یہ مقام شام اور عراق کے درمیان واقع ہے اور اذرحؓ کو بھی انہوں نے ہی منتخب کیا تھا کیونکہ یہ خوارج کا مرکز تھا اور بقاء عمان کے اطراف سے یہ حجاز کے قریب تھا جو کہ جرہام سے ایک میل دور۔ مجمع البلدان یاقوت الخوجی جلد ۲، ۲۸۸، دہری جلد ۲ ص ۱۸۱ یعنی آجکل یہ مقام معان اور بطرا (وادی موسیٰ) کے درمیان واقع ہے۔ عہد رسالت میں اس مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی کیونکہ قریش کے جو قافلے شام کی طرف جایا کرتے تھے، یہ مقام انکی اقامت گاہ تھا، رومی دور میں بحر احمر کے لیے یہ رومیوں کی جہازیں اقامت اور مرکز مواصلات تھا، چونکہ یہاں پانی کی افراط تھی لہذا شرق اردن جانے والے قافلے یہاں آکر ٹھہر کرتے تھے، سیدنا حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا اعلان بھی اسی جگہ کیا تھا، سودیہ پر صلیبی حملوں کے زمانہ میں یہ برباد ہو گیا تھا اسی وجہ سے عیسائی مؤرخین اپنی کتابوں میں اس کا نام نہیں لیتے حالانکہ وادی موسیٰ وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

قریباً سب مؤرخین نے اس کانفرنس کا مقام دومۃ الجندل میں ہونا نقل کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقام اذرحؓ تھا اور دومۃ الجندل بتلنے والے مؤرخین چونکہ گئے ہیں۔ ابوبکر ابن العربیؒ نے بھی اذرحؓ ہی نقل کیا ہے۔  
والعواصم من القواصم (ملک) مختلف شعرا نے بھی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اذرحؓ کے مقام کا نام لیا ہے، چنانچہ ذوالرمہ شاعر سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کے پوتے ہلال کو

مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

ابولک تلافی الدین والناس بعد ما  
تشاء و ابیت الدین منقطع الکسر  
فشذ اصابا لدین ایا م اذرح  
وهذا حروبا قد لقحن الی عقر

یعنی تیرے دادا آبانے دین کو بچا لیا جبکہ لوگ آپس میں بد دل ہو گئے  
تھے اور دین کی عمارت منہدم ہو چاہتی تھی۔ انہوں نے اذرح کے ایا م میں  
دین کے خیمہ کی ٹنابیں گس دیں اور ان رٹائیوں کا سلسلہ منقطع کر دیا جو اسلام  
کو بانجھ کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔ (معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳)  
بعض مؤرخین کی روایت کے مطابق یہ کانفرنس ہوئی تو دومۃ الجندل ہی میں تھی لیکن  
وہاں یہ اس لیے نہ ہو سکی کہ سیدنا علیؑ یہ چاہتے تھے کہ اس کانفرنس کی تاریخیں پیچھے ہٹ  
جائیں تاکہ وہ خوارج کو جو ان کے لشکر سے الگ ہو گئے تھے اپنے ساتھ ملا لیں اس لیے  
سیدنا علیؑ نے اپنے مندوب کو کانفرنس میں جانے سے روک رکھا اور وہ وقت معینہ  
پر وہاں نہ پہنچ سکے۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۰۰) لیکن آپ ہی کے دوستوں نے انہیں کانفرنس  
میں شرکت پر مجبور کر دیا، البتہ اس کے بعد اہل کوفہ اور اہل شام نے متفقہ طور پر بر ط  
کیا کہ کانفرنس اذرح میں ہونی چاہیے کیونکہ وہاں پانی کی افراط ہے اور دومۃ الجندل  
میں اس قدر فراوانی نہیں، پھر سیدنا معاویہؓ کو یہ توقع تھی کہ غیر جانبدار حضرات بھی  
کثیر تعداد میں اس میں شرکت فرمائیں گے۔ (اختار الطوال ص ۲۱۱، طبری جلد ۶ ص ۱۰۰)

## فیصلہ کے متعلق مشہور روایات

دونوں فریقوں کے چار چار سونائندے رمضان المبارک ۳۵ھ (بعض روایتوں  
میں شعبان آتا ہے) میں اذرح کے مقام پر ثالثوں کا تحریری فیصلہ سننے کے لیے

تشریف لائے۔ سیدنا علیؑ کے چار سونو بیہ کی قیادت آپ کے چچا زاد بھائی سیدنا عبدالقدیر عباسؑ کے ہاتھ میں تھی، اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی طرف سے بھی چار سونو مائندے اس فیصلہ کو سننے کے لیے آئے، لیکن خود یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ اس کانفرنس میں شریک نہ ہوئے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد اول) چونکہ یہ فیصلہ بہت اہم تھا اور ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا معاملہ تھا، اس لیے سیدنا معاویہؓ کی توقع کے مطابق غیر جانبدار صحابہ جیسے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ وغیرہم بھی اس اہم فیصلہ کو سننے کے لیے مقام اذرح پر تشریف لائے۔

طبری نے اپنی تاریخ الامم والملوک میں، الدینوری نے اخبار الطوال میں، الخضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ میں، مسعودی نے مروج الذهب میں، ابن الاثیر نے الکامل میں، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اور دیگر کئی مؤرخین نے اپنی اپنی تواریخ میں اس مقام پر وہ غلط بیانیوں کی ہیں کہ قلم کو تاب نہ لائیں اور سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی تصاویر اس قدر غلط رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں کہ اس کو پڑھ کر کوئی شخص ان بزرگوں کے ساتھ محسن ظن نہیں رکھ سکتا، یہ سب سازشیں ہیں ان لوگوں کی جو اپنی اسلام دشمنی کا اظہار صحابہ کرام کے وقار کو مخدوش کرنے سے کرتے ہیں۔ بہر حال اس پر ہم بعد میں بحث کریں گے کہ ان مؤرخین نے کیا کیا گُل کھلائے ہیں اور اپنی خود ساختہ روایا کے تیرے نخل اسلام کو کس طرح کاٹنے کی کوشش کی ہے، ابھی ہم صرف وہ واقعات قلمبند کرتے ہیں جو ان کذاب راویوں نے بیان کیے ہیں۔

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حضرات نے اذرح کے تاریخی مقام پر اپنا فیصلہ سنایا۔ یہ جو مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ پہلے آپ فیصلہ سنائیں، انہوں نے کہا: ولاک حقوق کلہا واجبة لیسئلک وصحتک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانت ضعیف۔ اور تمام حقوق آپ ہی کے ہیں، عمر کے اعتبار سے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

زیادہ عرصہ رہنے کے لحاظ سے اور پھر آپ ہیں بھی ہمارے جہان ۔

(مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۱، طبری جلد ۶ ص ۳۹)

اور اسی طرح سے بقول حلال الدین سیوطی، عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعرؓ کو دھوکہ اور چالبازی سے فیصلہ سنانے میں آگے کر دیا: ”فقدم عمرو اباموسیٰ الاشعری مکیدۃ منہ“ (تاریخ الخلفاء ص ۱۷۳)

چنانچہ سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا:۔  
”حضرات! ہم نے اس مسئلہ پر بہت غور و غوض کیا ہے، ہمیں اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آئی کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے شوریٰ جسے اہل سمجھے اسے منتخب کیا جائے، لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ جسے تم پسند کرو باہمی مشورے سے اپنا خلیفہ بنالو“

اس کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اپنا فیصلہ سنایا اور کہا:۔  
”حضرات! ابو موسیٰ اشعرؓ کا فیصلہ آپ نے سن لیا، انہوں نے اپنے امیر کو جس کی طرف سے وہ حکم ہیں معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے ان کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المؤمنین عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں لہذا ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ حقدار ہیں“

۱۔ اس رقم کی روایات کو نقل کرنے کے بعد قاضی ابویوسفؒ ابن العربیؒ صاحب ”احکام القرآن“ لکھتے ہیں:۔  
”هذه اكله كذب صراح ما جرى منه حرف قط وانما هو شيء اخبر عنه المتبذعة ووضعتہ التاریخۃ للملوك فتوارثه اهل المجانة والجهالة معاصی اللہ والیہ۔ (العواصم من القواصم ص ۱۷۱) یہ سب مرتب کذب ہے (باقی ماثیہ اگلے صفحہ پر)

یہ فیصلہ شکر ابو موسیٰ چلائے کر یہ بے ایمانی اور تکباری ہے، اور کہا کہ:-  
 ”انما مثلک مثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث و تنزل یلہث۔“  
 تمہاری مثال کتے کی ہے اگر اس پر بوجھ لا دو تب بھی ہانپتا ہے نہ لا دو تب  
 بھی ہانپتا ہے۔“

اب عمرو بن العاصؓ کو غصہ آگیا اور جواب میں فرمایا:-  
 ”مثلک کمثل الجہار، یحمل أسفاً۔“ تمہاری مثال گدھے کی  
 ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔“

اس کے بعد دونوں پارٹیوں کی آپس میں گالم گلوچ ہوئی اور ہاتھ پائی شروع ہوئی۔  
 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اخبار الطوال ص ۲۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، مروج الذهب  
 جلد ۲ ص ۳۳، طبری جلد ۶ ص ۲۰، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۸۳، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۲۵۶  
 اس قسم کی سب روایات جن میں صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو ابھارا گیا  
 ہے عقل اور نقلی دونوں لحاظ سے غلط اور صحابہؓ کے خلاف ایک خاص سازش کے نتیجے کے  
 طور پر ہیں۔ ایسی روایات کو یار لوگوں نے اس سادگی سے بیان کر دیا ہے کہ اچھے  
 اچھے لوگ بھی ان کے اس دام فریب میں آگئے ہیں، اور اردو اور عربی کے اکثر تاریخ نگار

(بیت حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا یہ واقعات ہیں جن کو اہل بدعت نے  
 نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے اس کو وضع کیا جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنون اور اس قسم  
 کے لوگ جو کھٹے بنوعن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں ان روایات کو تسلیم نہ کرنا  
 روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۳۱۸) اے ابن ابی الحدید نے اپنی فروع میں لکھا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فیصلہ حکیم سے  
 قبل سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو بہت جوش دلا یا اور کہا:-

واعلم یا ابو موسیٰ ان معاویۃ طلیق الاسلام وان اباءہ اوس الاحزاب وانہ یدعی  
 الخلافۃ من غیر مشورۃ ولا بیعة۔ (ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۱۶) اے ابو موسیٰ! آپ کو پتہ نہ چاہیے کہ  
 (بیت حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایسی باتوں کو بغیر عقل و خرد کی کسوٹی پر پرکھے صرف تقلیداً اپنی کتابوں میں لکھ گئے ہیں جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے ایک جگہ خود اقرار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:-

”لو کان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والا ئمة ذکرہ ماسقته واکثرہ من رواية ابن مخنف لوط بن یحیی وقد کان شیعۃ وھو ضعیف الحدیث عند الا ئمة - (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۰۲)  
 اگر ابن جریر طبری اور دوسرے ائمہ اور حفاظ نے وہ روایات نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ان کو ترک کر دیتے اور اکثر تو ان (غلط) روایات میں سے ابن مخنف لوط بن یحیی کی روایات ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ حدیث کے نزدیک وہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ) معاویہؓ نے طلاقے اسلام (یعنی وہ لوگ جن کو فتح مکہ کے روز معافی دی گئی تھی) میں سے ہے اور اس کا باپ (سیدنا ابوسفیانؓ) جنگ احزاب کا کمانڈر اور رئیس تھا اور وہ بغیر مشورہ کے اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کرتا ہے۔

ابن ابی الحدید کی یہ بات مرعی غلط ہے، نہ معاویہؓ نے طلاقہ میں سے تھے اور نہ ہی انہوں نے بغیر مشورہ اور بیعت کے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ صرف قاتلان عثمان سے قصاص کے طالب تھے نہ انہوں نے خلافت کی خواہش کی اور نہ ہی وہ اس کے مدعی تھے پہنانچہ جب میدان صفین میں سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا ابوامامہؓ صلح کی خاطر سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے تو آپ نے ان کے جواب میں صاف صاف کہہ دیا کہ میں خلافت کا دعویٰ نہیں ہوں بلکہ میں تو صرف :-

”اقاتلہ علی دم عثمان وانه اذی قتلته فاذهب الیہ فقول لہ فلیقتلہ منا من قتله عثمان ثحرا نا اول من با یعہ من اهل الشام - (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۹)  
 میں تو صرف قاتلان عثمان سے قصاص کی خاطر لڑ رہا ہوں اور قاتلان عثمان کو انہوں نے پناہ دی ہوئی ہے آپ دونوں حضرات علیؓ کے پاس جایئے اور اند سے کہیئے کہ وہ قاتلان عثمان کو ہمارے حملے کر دیں پھر (دیکھیں) کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اہل شام میں سے آپ (علیؓ) کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔“

ضعیف الحدیث ہے۔“

اگر ذرا بھی عقل و درایت سے کام لیا جائے تو ان روایات کی حقیقت صاف کھل جاتی ہے اور دشمنان اسلام کے محرو فریب کا پتہ چل جاتا ہے کہ انہوں نے تاریخ میں کیا کیا گُل کھلائے ہیں۔

اس روایت کے متعلق سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اتنا اہم فیصلہ جو پوری ملت اسلامیہ کی موت و حیات کا فیصلہ تھا کیا اس کا اعلان اس طرح کیا جانا تھا کہ جس طرح کسی مسجد کے منبر پر وعظ کیا جاتا ہے کہ پہلے ایک اُٹھا اور اس نے اعلان کر دیا اور بعد میں دوسرے نے اُٹھ کر اعلان کر دیا۔

جیسا کہ معاہدہ تحکیم میں درج تھا کہ :-

”ثم یکتبان شہادۃ ھما علی ما فی ہذہ الصھیفۃ۔“

رطبری جلد ۶ ص ۲۹، ایام العرب ص ۳۶۹، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۹

پھر یہ دونوں ثالث ثالثی نامہ کے معاملہ میں اپنا فیصلہ تحریراً مرتب کریں گے۔  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثالثوں نے فیصلہ تحکیم تحریری شکل میں مرتب کیا تھا، صرف زبانی نہیں تھا۔

یہ بات ساری دنیا جانتی ہے اور جب سے تحریر یا جان ہوئی ہے اُس وقت سے لے کر اب تک یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ دو منصف یا ثالث باہمی طور پر جب کوئی تحریر مرتب کرتے ہیں تو جن امور پر ان کا اتفاق ہوتا ہے ان کو لکھ لیا جاتا ہے، پھر جتنے گروہوں کے درمیان وہ فیصلہ ہوا ہو اُس تحریر کی اتنی ہی کاپیاں بنائی جاتی ہیں اور ہر کاپی پر ان مندوبین اور فیصلہ کنندگان کے دستخط ہوتے ہیں جو اُس فیصلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر وہ تحریر یا فیصلہ کسی کو سنانا ہو تو اُس فیصلہ کو جس پر کہ دونوں فریق کے مندوبین یا ثالثوں کے دستخط ہوتے ہیں صرف پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کے مابین ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اس فیصلہ پر ثالثوں اور گروہوں کے دستخط موجود ہیں اور کسی کو اب جلے فرار نہیں۔ اگر ثالثوں میں سے کسی ایک کی دیانت مشکوک

ہو تو شہادتوں کے ذریعہ فیصلہ کو مزید سخت کیا جاتا ہے تاکہ کوئی ثالث یا پارٹی اس سے فرار نہ کر سکے۔

نہود سنت میں اس کی مثال موجود ہے کہ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے عمرو بن مسعود ثقفی نمائندہ تھے اور ادھر سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی فرما رہے تھے، معاہدہ مرتب ہوا، بعد میں دونوں نمائندوں کے دستخط ہو گئے، اب نہ قریش اس سے انکار کر سکتے تھے اور نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا۔ اسی طرح اہل کفر کے ساتھ آپ نے اور معاہدے بھی کیے۔

لیکن یہ بات کس قدر دروازہ عقل ہے کہ اتنا بڑا فیصلہ ہوا اور معاہدہ میں اور شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہو کہ دونوں نمائندے جو بھی فیصلہ کریں وہ تحریری طور پر مرتب ہو اور اس پر باقاعدہ شہادتیں ثبت ہوں اور اس کو چھ ماہ کی تحقیق اور چھان بین کے بعد مرتب کیا گیا ہو، ثالث حضرات اور سب شرائط تو پوری کریں لیکن بشرطِ جو کہ معاہدہ کی جان ہوتی ہے اور اگر معاہدہ میں نہ بھی لکھی ہوئی ہو تب بھی محذوف ہوتی ہے اور یہاں تو صاف لکھی ہوئی تھی، اس کا کوئی لحاظ نہ کریں، پھر وہ مقام اذرح پر جہاں اس فیصلہ کو سنایا جانا تھا اور وہ بھی ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تو وہ بجلے تحریر ہوا فیصلہ پڑھ کر سنانے کے صرف زبانی فیصلہ سنانا شروع کر دیں اور ہزار ڈیڑھ ہزار حاضرین میں سے کوئی اُن پر اعتراض نہ کرے کہ وہ تحریری فیصلہ پڑھ کر سناؤ جو تم دونوں نے مرتب کیا ہے۔

پھر اس پر زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول ان روایات کے گھڑنے والوں کے کہ سیدنا علیؑ کو سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ پر پہلے ہی اعتماد نہیں تھا اور وہ معاذا اللہ ان کو نہایت بیوقوف، ابلہ صفت اور عربوںِ اعاصؓ کے مقابلہ میں ایک بڑا انسان سمجھتے تھے، طبری جلد ۲ ص ۴۰، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲، ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۵۵ وغیرہم، جب سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کی (معاذا اللہ) یہ حالت تھی تو سیدنا علیؑ اُن کے ساتھیوں کو تو اور زیادہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے تھا کہ فیصلہ تحریری ہو صرف زبانی اور تقریری نہ ہو



تاکہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کوئی چالاک نہ کر سکیں اور نہ ہی ٹمکر سکیں۔

تاریخ کی کتابوں میں ہیں تو یہ ملتا ہے کہ جب دونوں ثالث چند باتوں پر متفق ہو گئے اور مقام اذرح پر اپنا فیصلہ سنانے لگے اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو پہلے فیصلہ سنانے کو کہا اور سیدنا ابو موسیٰؓ اٹھے تو سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ جو علوی مندوبین کی قیادت فرما رہے تھے کہا :-

”وَبِمَكَ وَاللّٰهُ اِنِّى لَا ظَنُّهُ قَدْ خَدَعَكَ اِنْ كُنْتَ تَأْتِى الْتَفَقُّمًا عَلٰى اَمْرٍ  
فَقَدْ مَهْ فَلَيْتَ كَلَّمَ بِهٖ قَيْلَكَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِهٖ بَعْدَهُ فَادَّهٗ مَرَجَلٌ  
غَادِرٌ ----- الخ

افسوس ہے تم پر! بخدا مجھے یہ گمان تھا کہ یہ تم سے دھوکا کرے گا اگر تم دونوں کی بات پر متفق ہو گئے ہو تو بات کرنے میں اس کو مقدم کیجئے اور آپ بعد میں بات کریں کیونکہ (معاذ اللہ) یہ ایک عہد کو توڑنے والا آدمی ہے، (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۶۸) لیکن تاریخ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ سیدنا عباسؓ یا کسی اور علوی مندوب نے کہا ہو کہ آپ وہ فیصلہ سنائیں جو آپ دونوں حضرات نے چھ ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد مرتب کیا ہے تاکہ کسی جھگڑے کا شائبہ نہ اٹھ کھڑا نہ ہو۔

لیکن مخالفت کی لگن آدمی کو حقیقت اور محبت کی لگن سے زیادہ اندھا بنا دیتی ہے جن مخالفین نے روایات کے ذریعہ صحابہ کی یہ تصویر پیش کی ہے اور سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ جیسے پاکیزہ انسان کے منہ سے سیدنا عمرو بن العاصؓ کے متعلق فَاِنَّهٗ رَجُلٌ خَادِمٌ کا ناپاک جملہ وضع کیا، معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے اللہ اور آخرت کے خوف اور ایمان کی روشنی کی ایک ہلکی سی کرن سے بھی یک قلم خالی تھے۔

## روایات پر اجمالی بحث

اس کانفرنس میں کیا فیصلہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق میں اصل حقیقت کو گم کر دیا گیا ہے۔

تاریخ میں روایات کا ایک ایسا گورکھ دھند بنا دیا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہو گیا ہے، پھر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں بھی بہت اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۳۵۰، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۲۲، ۲۲۳، مسعودی جلد ۲ ص ۳۶۱، الفری جلد ۱ ص ۱۲۰، وغیرہم) بلکہ اگر میں یہ کہوں تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلام کی تاریخ میں جس قدر کذب بیانی اور غلو واقعہ تحکیم اور واقعہ کربلا کے بارہ میں کیا گیا ہے اتنا شاید ہی کسی اور واقعہ میں کیا گیا ہو۔ مسعودی، خضریٰ اور طبری وغیرہ مؤرخین اس بات کو مستحکم کرتے ہیں کہ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ تاشوں کا فیصلہ تحریری ہوگا اور حسب فیصلہ وہ تحریر بھی تھی لیکن فیصلہ کی تحریر کو ایک خاص سازش کے تحت حرف غلط کی طرح کتابوں کے اوراق سے مٹا دیا گیا، اور آج باوجود بحسن و تفصیل کے وہ تحریر تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں ملتی اور اس کے بجائے صرف یہی لکھ دیا ہے کہ فیصلہ زبانی سنایا گیا اور پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا اور بعد میں عمرو بن العاصؓ نے اصل فیصلہ کو مروڑتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کو سمجھے گا جنہوں نے واقعات کو اس طرح مسخ کر کے امت میں فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ سیدنا معاویہؓ نے اس زمانہ میں ابھی تک خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا وہ تو صرف قاتلان عثمان سے قصاص کے مدعی تھے اور اسی کے لیے وہ اٹھے تھے اور انہوں نے بار بار اپنے خطوط اور علوی نامہ بروں کے ساتھ اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ میں سب سے پہلے سیدنا علیؓ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں گا اگر وہ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۲۵۹) سیدنا علیؓ کے مقابلہ میں انہوں نے خلافت کا دعویٰ کیا ہی نہیں تھا کہ یہ سوال پیدا ہوتا کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے یا انہیں معزول کیا جائے اور نہ ہی تاشوں کا تقرر اس لیے ہوا تھا

لے حالانکہ مسعودی جیسے شیوخ مؤرخ نے بھی چکھا ہے کہ تاشوں میں سے کسی نے بھی زبانی تقریر نہیں کی۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۱۱)

وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ دونوں میں خلیفہ کون ہو، اور اگر یہ دونوں اُنی فرٹ ہو تو تیسرا کون ہونا چاہیئے؟ بلکہ ان کا تقرر تو صرف اس لیے ہوا تھا کہ وہ اس بات کا فیصلہ کریں کہ سیدنا معاویہؓ قاتلان عثمان سے قصاص کے مدعی ہیں اور اس کے عکس سیدنا علیؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں اس وقت ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتا پہلے تم میری بیعت کرو پھر جب میں مناسب سمجھوں گا یا اپنے کو اس قابل جانوں گا کہ قاتلان عثمان سے قصاص لے سکوں اُس وقت ان سے قصاص لوں گا۔“

لیکن سیدنا معاویہ اس بات کو تسلیم نہ کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ پہلے قصاص لو پھر میں بیعت کروں گا کیونکہ ان کے خیال میں خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کی بیعت ابھی تک ان کی گردن میں تھی اس لیے کہ وہ مظلوم شہید کی گئے تھے اور طبعی طور پر وفات نہیں پائی تھی، اس بارہ میں اس سے قبل فریقین میں کئی بار گفتگو بھی ہو چکی تھی، یہ دونوں حضرات اپنے اپنے مؤقف میں کہاں تک صحیح ہیں اور ان دونوں میں مصالحت کی صورت کیا ہے تاکہ اُمت بہت بڑی خوزیزی سے بچ جائے۔

یہ تھا فریقین کا مابہ النزاع مسئلہ، اور اسی کے فیصلے کے لیے حکمین کا تقرر ہوا تھا، دونوں ثالث اپنی اپنی جگہ ایک خاص علمی مقام کے مالک تھے، کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ ہمارا تقرر کس فیصلہ کے لیے ہوا تھا اور ہم کہ کیا فیصلہ رہے ہیں پھر جب انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو اُس وقت حاضرین میں سے ایک آدمی بھی نہ بولا کہ جناب ہم نے آپ کا تقرر کس بات کے لیے کیا تھا اور آپ فیصلہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فیصلہ ہوا کچھ اور تھا لیکن تاریخ میں کچھ ایسا ہمیر پھیر کیا گیا ہے کہ حقیقت ان روایات کے نتیجے چھپ گئی ہے اور مابعد کے مؤرخین مکھی پر مکھی مارتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے اس بات کی ٹوہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اس رکھ کے ڈھیر سے اس اصل ہیر کی جوت لگائیں جو اس کے اندر چھپا ہوا ہے۔

بعض لوگوں نے کچھ ایسی روایات بھی وضع کی ہیں کہ:-

”جب ناشوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو مجمع میں گڑبڑ پیدا ہو گئی اور شریح بن ہانی نے سیدنا عمرو بن العاصؓ پر کوڑے برسنا شروع کر دیئے اور ابو اشعرؓ کہیں چھپ گئے“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۸، اخبار الطوال ص ۲۱)

یہ ایسی خرافات ہیں کہ ان کو تاریخ کی کتابوں میں بیان کرنا یا تاریخ کہنا خود تاریخ کی توہین ہے، مستند روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس مجمع میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی بلکہ سب لوگوں نے ناشوں کے فیصلہ کو سراہا اور مسلمانوں کے مابین نزاع بہت حد تک کم ہو گیا اور کسی کو گڑبڑ کرنے کی جرأت تک پیدا نہ ہوئی۔ یہ کہنا کہ عمرو بن العاصؓ نے دھوکا دیا اور ابو موسیٰ اشعرؓ نے اپنی بیوقوفی اور سادہ لوحی کی وجہ سے ان سے دھوکا کھایا، یہ سب روایات ردی کی لوگوری میں ڈالنے کے قابل ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بہتان تراشیاں ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی کتابوں کے لکھے جانے سے قبل کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے دھوکا دیا اور سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دھوکا کھایا، اور اگر سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دھوکا کھایا ہوتا تو تاریخ میں ان پر بیوقوفی اور ملامت کی بوچھاڑ ہوتی، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر نے ان کے موقف کو سراہا ہے اور بڑے فخر سے ان کے اس فیصلے کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ عرب کا ایک مشہور شاعر سیدنا ابو موسیٰ اشعرؓ کے پوتے بلال سے ان کے دادا کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

ابولک تلافی الدین والتاس بعد ما

تشاروا بیت الدین منقطع الکسر

فقد اصاد الدین ایام اذ م ح

وہد حروبا لقد لقعن الی عثم

یعنی آپ کے دادا اباسینا ابو موسیٰ اشعرؓ نے دین اور لوگوں کی شیرازہ بندی فرمائی جبکہ لوگ آپس میں بد دل اور پر لگندہ خاطر تھے اور دین کی عمارت منہدم ہوا ہی چاہتی تھی، انہوں نے ایام حج یعنی اذ م ح کا فخر پس میں دین کے شہید

کی طنائیں کس دین اور جنگوں کے سلسلہ کو بالکل روک دیا جو کہ دین و ملت کو بآنجھ اور عقیم کر دینے والی تھیں۔ ” معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۳۰ ،  
العواصم من القواصم ص ۱۰۱ تعلیقہ معاویہ ابن ابی سرائینہ زکریا نصوفی ص ۳۱

پھر تاریخ کی کتابوں میں اس واقعہ کے بارے میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا علیؑ نے اس کانفرنس کے فیصلہ پر یہ اعتراض کیا کہ ان تائثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ (اخبار الطوال ص ۲۰۶، ۲۰۷، الفخری ص ۸۲، طبری جلد ۶ ص ۱۰۰) لیکن آپ نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاویہؓ کے حکم و عربین العالمی نے میرے حکم ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ کسی نے اس کانفرنس میں دھوکہ دیا اور نہ کسی نے دھوکہ کھایا، صرف مسلمانوں کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع کرنے کے لیے اس قسم کی روایات وضع کی گئی ہیں۔

اگر سیدنا عربین العالمی نے دھوکہ اور فریب سے سیدنا معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ دوسرے ہی روز اس بات کا اعلان فرما دیتے کہ اب سیدنا علیؓ خلیفہ نہیں ہیں بلکہ اہل حل و عقد نے مجھے خلیفہ بنایا ہے لہذا میں علیؓ کو الٹی میٹم دیتا ہوں کہ یا تو وہ میری خلافت قبول کر لیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں جس طرح کہ سیدنا علیؓ نے امیر معاویہؓ کو الٹی میٹم دیا تھا کہ ”تم میری بیعت کرو عاقبت اور سلاطین اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ“ (اخبار الطوال ص ۱۲۱)

لے یہ روایت بھی غلط ہے کہ سیدنا علیؓ نے یہ فرمایا تھا کہ تائثوں نے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ کے خلاف ہوتا تو آپ بعد میں اسی وقت لڑائی پھیل دیتے اور دوسرے ہی روز آپ نے دمشق کو گھیرے میں لے لیا ہوتا، لیکن ہم ایسا نہیں پاتے بلکہ صفین سے جو فوجیں مٹی تھیں ان کی بھر کسی بھی محاذ پر آپس میں مٹھ پھیل نہیں ہوئی بلکہ دونوں طرف سے لڑائی ایسی بند ہوئی کہ پھر خون کا ایک قطرہ بھی فرسش خاک پر نہیں پڑا۔ ان سب واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ فیصلہ نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ تھا اور اس سے ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر مطمئن تھا۔ (م۔ و۔ ط)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ایسا کوئی الٹی میٹم نہیں دیا اور نہ آپ نے اپنی فوج کو عراق کے کسی محاذ پر بھیجا بلکہ آپ آرام کے ساتھ دمشق میں رہے اور اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا۔

”ولحق معاویۃ بد دمشق من ارض الشام و فرق عسا کرہ

فلحق کل جند منہم ببلدہ۔ (مروج الذهب جلد ۳)

حضرت معاویہؓ سرزمین شام میں دمشق تشریف لے گئے اور اپنے لشکروں کو علیحدہ علیحدہ بھیج دیا، ان میں سے ہر ٹکڑی ریلٹن، الگ الگ شہر رچھاؤنی میں چلی گئی۔

اور اپنے زیر نگیں علاقے میں پہلے کی طرح حکومت کرتے رہے اس عرصہ میں آپ نے کبھی بھی سیدنا علیؓ کو بیعت کی دعوت نہیں دی بلکہ جب کبھی بات چلی آپ نے قاتلان عثمان سے قصاص ہی طلب فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ دھوکے سے کسی کی خلافت چھینی گئی اور نہ دھوکے سے کسی کو خلیفہ بنایا گیا بلکہ جس بارہ میں دونوں کو حکم بنایا گیا تھا اس بارہ میں انہوں نے نہایت دوراندیشی، معاملہ فہمی اور غور و فکر سے فیصلہ کیا اور ایسا اعلیٰ فیصلہ کیا کہ دین کی شیرازہ بندی ہوگئی، لوگوں کی منتشر خیالی اور پرآگندگی دور ہوگئی اور دین کی عمارت جو کہ منہدم ہونے کے قریب تھی پھر اپنی پہلی حالت پر آگئی اور ان جنگوں کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا جو کہ ملت اسلامیہ کو عظیم دباؤ (جھجھکاؤ) والی تھیں، کچھ ہوئی تلواریں نیاموں میں چلی گئیں اور ملک میں امن و سلامتی کا پودا پھر سے سرسبز و شاداب ہو گیا۔

## مثالتوں کا اصل فیصلہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مثالوں نے اگر یہ فیصلہ نہیں کیا تھا تو پھر آخر ان کا فیصلہ جو آذرخ کے مقام پر سنایا گیا وہ تھا کیا؟ اُمت کی بدقسمتی اور دشمنان اسلام کی سازشوں

سے وہ اصل تحریری فیصلہ آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ لیکن مسعودی وغیرہ مؤرخین کو اس بات کا اقرار ہے کہ:-

”انہما لم یخطبا وانما کتابا صحیفۃ“۔ (مسعودی جلد ۲۷، عمرو بن العاص (رحمہ اللہ) ج ۲)

ان حضرات نے زبانی خطاب نہیں فرمایا تھا بلکہ فیصلہ تحریر کیا تھا۔

اور فیصلہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات جن سے بنو امیہ کی ذرہ بذر بھی حمایت ہوتی ہے مسلم نماسیانیوں نے تاریخ کے اوراق ہی سے گم کر دی ہیں اور اصل حقیقت کے بجائے ایسے ایسے افسانے تاریخ میں بھر دیئے ہیں جو عقل اور نقل و روایت و درایت دونوں کے لحاظ سے غلط ہیں، مخصوصی طور پر تحکیم اور کربلا کا واقعہ۔ ان دونوں واقعات میں سیدنا علیؑ اور سیدنا حسینؑ کے مخالف رائے رکھنے والوں کا کرکیٹر اس قدر گھناؤنا پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پڑھ کر شاید فرعون والو جہل بھی ان سے اچھے نظر آئیں، اور اس معاملے میں یہاں تک زیادتی کی گئی ہے کہ اگر خود اہل بیت کے کسی فرد نے بھی ان کے ذرا خلاف اپنی رائے دی تو اس کو بھی مذل المؤمنین، مسودۃ وجہ المؤمنین قسم کے توہین آمیز القابات سے یاد کیا گیا ہے۔

اے سیدنا حسنؑ نے جب سینا معاویہؓ کی بیعت کی تو آپ کے لشکر کے بعض لیڈروں نے سیدنا حسنؑ سے مل کر اس معاملہ میں گفتگو کی اور آپ کو اسلام علیہ السلام یا مذل المؤمنین کہہ کر سلام کیا۔ (تجارب الطوائف، العوام من القوام ص ۱۹۷ میں مسودۃ وجہ المؤمنین و مومنوں کے چہروں کو سیاہ کرنے والا آیا ہے۔ اسی طرح جلد ۱۱ یونان اذ ملا باقر مجلسی میں بھی ص ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۶۔ یہ معاملہ صرف طعن و تشنیع تک ہی درہا بلکہ ان لوگوں نے کہا کہ ”معاذ اللہ“ شخص شل پد کافر ہو گیا، یہ کہہ کر بلوہ کیا اور امام حسنؑ کا سبب لوٹ لیا یہاں تک کہ جلے نماز آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور داد و دوش مبارک سے اتاری، پس امام حسنؑ نے اپنا گھوڑا طلب کیا، جراح بن سنان اسدی شقی نے بجام اسپ آنحضرتؐ کیڑی اور ایک خنجران مبارک پر مارا کہ استخوان تک نہ ٹکٹ ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا کہ (معاذ اللہ) تم شل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو۔ (جلد ۱۱ یونان ص ۳۱۳) یہ ساری سزا صرف اس وجہ سے تھی کہ آپ نے بنی امیہ (اور جو بھی مومنوں کا مونیہ یا معاویہؓ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاں اگر موجودہ روایات ہی کی ذرا چھان پھٹک کی جائے اور ان میں ذرا تنقیدی نگاہ سے ٹوہ لگائی جائے تو اصل حقیقت کی کچھ پرچھائیاں نظر آنے لگتی ہیں جن سے اس کا نقشہ کا نتیجہ سامنے آ جاتا ہے۔

(۱) دونوں ثالث اس بات پر متفق تھے کہ حق دونوں جانب ہے اور یہ دونوں حضرات اپنے اپنے موقف میں مخلص ہیں، معاویہؓ طلبِ قصاص میں اور علیؓ طلبِ بیعت میں، اور ان کے مابین جو اختلاف ہے وہ صرف اجتہادی اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف نگاہِ شریعت میں ایسا اختلاف ہے کہ جس میں صواب و خطا دونوں میں ثواب ملتا ہے، ہاں جو راہ صواب اختیار کر کے اصل مقصد کو پہنچ گیا اس کو راہِ خطا پر گامزن ہونے والے سے دو گنا ثواب ہے، حضورِ ممتیٰ مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی معصوم نہیں، غلطی کا ہر بشر سے امکان ہے، ہاں اس میں جو لوگ فتنہ پردازی کی غرض سے شامل ہیں وہ گنہگار اور واجبِ انقل ہیں اور انہیں کے قتل کا مطالبہ سیدنا معاویہؓ کر رہے تھے لہذا سیدنا علیؓ کی خلافت بالفعل صحیح ہے اور سیدنا معاویہؓ کا قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ صحیح ہے، اس وجہ سے دونوں کو اپنے اپنے موقف سے معزولی کیا جائے یعنی معاویہؓ قصاص کا مطالبہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور سیدنا علیؓ تلوار روکیں۔

دقیقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کی طرف میلان فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور وہ بھی تھا کہ جس میں بڑے بڑے آدمی جیسے یزید، حسن بن علیؓ کے منہ سے بھی جو امیہ کی معمولی تعریف یا ان کی طرف معمولی میلان بھی برداشت نہ کیا جاسکتا تھا تاریخوں میں بھی اسی تعصب کے اثرات ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

دعاشیہ صفحہ ۱۷۱ کے کیونکہ دونوں نے خطائے اجتہادی کی تھی، ایک نے قصاص عثمانؓ کو ہاتھ میں لیکر اور دوسرے نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر۔

اے موقع کی معزولی ہی کو مؤرخین نے خلافت سے معزولی پر محمول کیا ہے حالانکہ خلافت کے دعویدار صرف سیدنا علیؓ تھے نہ کہ دونوں حضرات، لہذا دونوں کی معزولی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر خلافت کے دعویدار ہوتے تو پھر فیصلہ میں دونوں کو معزولی کیا جاسکتا تھا، اس لیے اگر ثالث خلافت سے معزولی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



(ب) اس امر خلافت کا فیصلہ ایسے صحابہ کے اجتماع میں ہو جن سے اللہ کا رسول اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھا۔ (العواصم من العواصم ص ۱۸۰)

کیونکہ اتنے بڑے قضیے کا فیصلہ ہمارے بس کا روگ نہیں اس کے فیصلے کے لیے سب سے پہلے رائے عامہ کو ہموار کرنا ضروری ہے اور اگر ہم ابھی فیصلہ کر بھی دیں تو ایسے فیصلے کا کوئی فائدہ نہیں جس کو منولنے کے لیے پشت پر طاقت نہ ہو، اکابر صحابہ کی ایک جماعت جب اس کا فیصلہ کرے گی تو وہ فیصلہ بہت جلد نافذ ہوگا۔ یہ فیصلہ اس لیے کیا گیا کہ بائبلوں نے امت کے متفق علیہ امام کو دن دیہالے مدینہ منورہ کی پاک و مقدس سرزمین میں بغیر کسی قصور کے ظلماً شہید کر دیا اور پھر وہی قاتلان عثمان سیدنا علیؑ کے لشکر میں شامل ہیں ان سے قصاص کس طرح لیا جائے۔ اسی ذیل میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے کہ نئی خلافت انہی باغیوں نے اپنے اثرات اور اپنی کوششوں سے قائم کی۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے صراحت سے اپنی تاریخ میں ان واقعات کو بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۱۵ ص ۱۵۶) اور کتب تواریخ میں یہ جملہ بھی آتا ہے ”اول من بایعہ الاشترا“ سب سے پہلے اشتر نے سیدنا علیؑ کی بیعت لینی عاشیہ صفحہ ۱۰۷۲ کرتے تو ایک کو کرتے یعنی سیدنا علیؑ کو نہ کہ دونوں کو۔ بات دراصل یہ تھی کہ ان ثالثوں نے دونوں کو اپنے آپ سے موقوف کر لیا تھا، سیدنا علیؑ نے تلوار چلائی تھی ان کو تلوار چلانے سے روکا گیا اور سیدنا معاویہؓ نے قصاص کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا لہذا ان سے کہا گیا کہ آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں، یہ تھی اپنے موقوف سے دونوں کی معزولی جس کو

کر کے یہ لکھ دیا گیا کہ۔

ثم اصطلحوا علی ان یخلع معاویۃ وعلیاً ویتروک الامر شورى بین الناس  
لیتفقوا علی من یختار و لا ینفسم - (البدایہ والنہایہ جلد ۳ ص ۲۸۳)

پھر دونوں ثالث اس بات پر متفق ہو گئے کہ علیؑ اور معاویہؓ کو خلافت سے معزول کیا جائے اور اس امر خلافت کو لوگوں کے باہمی شور پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ متفق ہو کر جس کو چاہیں اپنے لیے بطور خلیفہ اختیار کریں۔ (مرد بن اعلیٰ ص ۱۸۰) اسی براہیم حسن، مروج الذهب جلد ۱ ص ۱۸۰ (م)

پھر ایک نے دوسرے کو دھوکے سے اپنے کو امیر المومنین بنا دیا اور دوسرے کو اسی طرح معزول کر دیا، یہ سب سازش یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے، صحابہ کا دامن اس قسم کے خرافات سے پاک ہے۔

کی (سبائیوں کے سیدنا علیؑ کو اس طرح ہنگامی طور پر خلیفہ بنا کر پھر ان کی فوج میں داخل ہو جانے سے اُمت بہت بڑے تفرقہ کا شکار ہو گئی اور سیدنا عمر بن العاصؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر بڑے بڑے صحابہؓ نے آپؐ کو بیعت نہ فرمائی۔ اسی تفرقہ کے سبب نوبت شمشیر کشی اور قتال تک پہنچ گئی، تائبوں نے تمام واقعات کی مکمل تحقیق اور چھان بین کر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ باغیوں اور قاتلانہ عثمان کے اثرات اور ان کے شمول سے سیدنا علیؑ کا انتخاب غیر آئینی ہے لہذا یہ انتخاب منسوخ ہو کر کل اُمت کے نمائندہ حضرات اور اربابِ حل و عقد کے مشورے سے از سر نو انتخاب ہو، اس اجتماع میں جس میں اس امر خلافت کا فیصلہ ہو صرف وہی حضرات صحابہ شامل ہوں جن سے جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت راضی تھے، یہ اربابِ حل و عقد جب کوئی فیصلہ کریں گے تو اُن کی پشت پر اس فیصلہ کو منوانے کے لیے رٹے عامہ کی بے پناہ طاقت ہوگی۔ (العواصم من القواصم ۱۶۶، ۱۶۷) تفصیل کے لیے کتب تواریخ ملاحظہ فرمائیں۔

(ج) جب تک اربابِ حل و عقد کے باہمی مشورے سے از سر نو انتخاب عمل میں نہیں آتا اُس وقت تک دونوں فریق اپنے اپنے زبیر اقتدار علاقوں کا نظم و نسق چلاتے رہیں اور آپس میں امن و سلامتی سے رہیں۔ اما التصرف العملى فى اداة البلاد التى كانت تحت يد كل من الرحلين المتحاربين فبقی كما كان، على متصرف فى البلاد التى تحت حكمه و معاوية متصرف فى البلاد التى تحت حكمه۔ (العواصم من القواصم ۱۶۷، تعلیقہ)

یہ تھا ان دونوں ٹائٹوں کا فیصلہ جس کو سبائی راویوں نے کیا کیا رنگ دے دیا ہے اور ان واقعات کو منسوخ کر کے اُمت کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ صحابہ کے بارہ میں ان کے معتقدات صحیح نہ رہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے مکرو فریب سے کام لیا، اس کے متعلق علامہ عبد اللہ النخعیؒ فرماتے ہیں:-

فالتحکیم لم یقع فیہ خداع ولا مکروہ لم تتخلله بلاہۃ ولا  
 غفلۃ وكان یكون محل للمکرا والغفلۃ لوان عملاً اعلن فی  
 نتیجۃ التحکیم انہ ولی معاویۃ امارۃ المؤمنین وخلافۃ  
 المسلمین وھذا ما لم یعلنہ عمرو ولا ادعاہ معاویۃ ولم یقل  
 بہ احد فی الثلاثۃ عشر قرناً الماضیۃ وخلافۃ معاویۃ لم  
 تبد الا بعد الصلح مع الحسن بن علی وقد تمت لبایعۃ الحسن  
 لمعاویۃ ومن ذلک الیوم فقط سُمی معاویۃ امیر المؤمنین  
 فعمرو لم یفایط ایا موسیٰ ولم یجد عہ لانہ لم یعط معاویۃ  
 شیئاً جدیداً ولم یقرر فی التحکیم غیر الذی قد مر  
 ابو موسیٰ ولم یخرج عما اتفقا علیہ معاً۔ (لعمریہ من انہما تم تعلیقہ)  
 یعنی مسئلہ تحکیم میں کسی مکروہ فریب کی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی غفلت و  
 بیوقوفی کا صدور ہو سکتا ہے ہاں فریب اور غفلت کا عمل جب ہوتا اگر سیدنا  
 عمرو تحکیم کے فیصلہ میں یہ اعلان فرماتے کہ وہ معاویہؓ کو مسلمانوں کی خلافت  
 اور مؤمنین کی امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے، اور سیدنا عمروؓ نے اس  
 بات کا اعلان کیا ہی نہیں اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ نے اس کا دعویٰ کیا ہے  
 اور نہ ہی گزشتہ تیرہ صدیوں میں کسی نے یہ چیز کہی ہے، اور سیدنا معاویہؓ کی  
 خلافت تو سیدنا حسن بن علیؓ کی صلح کے بعد شروع ہوئی اور اس کا انتظام  
 سیدنا حسنؓ کے بیعت کرنے سے ہوا اور اس روز سے انہیں امیر المؤمنین کہا  
 جانے لگا، لہذا نہ ہی سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا ابو موسیٰؓ کو دھوکہ دیا اور  
 نہ ہی اُس سے کوئی دھوکہ کھایا کیونکہ انہوں نے اپنے اعلان میں معاویہؓ کو  
 کوئی نئی شے دی ہی نہیں اور نہ ہی فیصلہ تحکیم میں اُس چیز کا اظہار فرمایا  
 جس کا اظہار سیدنا ابو موسیٰؓ نے نہیں فرمایا تھا اور نہ ہی اس بات کے سوا  
 کوئی اور بات کہی جس پر دونوں تائید کا اتفاق ہوا تھا۔

## اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک

اسی فیصلے کی روش سے اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حق پر تھے اور دونوں سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ سیدنا معاویہؓ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے قاتلانِ عثمان سے قصاص کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور سیدنا علیؑ سے یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے باوجود قدرت کے قاتلانِ عثمان سے قصاص نہ لیا اور اس طرح ققیہ نبٹنے کے بجائے اور طویل ہو گیا، سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئیں، اچھے اچھے لوگ مخالف ہو گئے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

”دوم آنکہ قصاص حق است وحضرت مرتضیٰ قادر است براخذہ قصاص ذی النورین و اخذ ان نمی کند بلکہ مانع آنست وحضرت مرتضیٰ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔ (ازارۃ الخفاء عن خلافتہ الفقاہ جلد ۲، اعلیٰ السنہ جلد ۲ ص ۲۳۸)

یعنی دوسرا یہ کہ قصاص حق ہے اور جناب علی المرتضیٰؑ جناب عثمان ذی النورینؓ کا قصاص لینے پر قادر تھے لیکن نہیں تھے بلکہ لینے سے منع کرتے تھے اور جناب مرتضیٰؑ نے خطائے اجتہادی کے ساتھ حکم فرمایا۔“

## عدالت صحابہ کی بحث

باوجود خطائے اجتہادی کے دونوں حضرات غلط تھے، ان کی کوئی بات بھی دین میں فتنہ پیدا کرنے کے لیے نہ تھی بلکہ امن و سلامتی کے لیے تھی، صرف انداز و فکر میں اختلاف تھا۔ کوئی معاملہ کو کسی پہلو سے سوچا اور کوئی کسی زاویہ سے، مگر مقصد سب کا دین اور کلمۃ اللہ کی سر بلندی تھی، اسی لیے ہر صحابیؓ رسولؐ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ:-

”الصحابۃ عالم عدول۔“ (فتح المغیث ص ۳۴۵)

صحابہ سب عادل ہیں۔“

چنانچہ غیبی بنادوں عدالت صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم فمن ذلك قوله: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ وقوله: وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ وقوله: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يُضَوِّدُ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْهُمْ وَيُخَوِّدُ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ وقوله: يَتَّبِعُونَ فُضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَيُضَوِّدُونَ اللَّهَ وَيُضَوِّدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ فِي آيَاتٍ يَكْتُبُ اللَّهُ يُدَاهِيهِ وَيُطَوِّلُ تَعْدَادَهَا وَجَمِيعُ ذَلِكَ يَقْتَضِي طَهَارَةَ الصَّحَابَةِ وَالْقَطْعَ عَلَى تَعْدِيلِهِمْ وَنِزَاهَتِهِمْ فَلَا يَحْتَاجُ أَحَدُهُمْ مَعَ تَعْدِيلِ اللَّهِ لَهُمْ إِلَى تَعْدِيلِ أَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ۔“ (الكفاية ص ۲۹، ۳۰، فتح المغیث للسخاوی ص ۳۴۵)

صحابہ کا عدول ہونا خود نصوں قرآنی سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعویل خود فرمائی ہے، جیسے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ... الخ اور وَلَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ... الخ اور السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَدَّمُونَ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يُضَوِّدُ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْهُمْ وَيُخَوِّدُ مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ... الخ اور يَتَّبِعُونَ فُضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَيُضَوِّدُونَ اللَّهَ وَيُضَوِّدُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ... الخ اور اس پر دال ہیں ان سب عدالت صحابہ کا ثبوت ملتا ہے، پس جب صحابہ کی تعویل خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی تو تعویل ایڑی کے بعد صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لیے کسی مخلوق کو کسر تعویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

علامہ ابن عبد البر بھی ان آیات قرآنیہ کا تعلق براہ راست صحابہ کرام ہی سے ثابت کرتے ہیں اور اس تعلق کی نسبت ابن سیرین، امام احمد بن حنبل، سعید بن مسیب،

امام شعبیؒ وغیرہ ائمہ کی تصریحات نقل فرمائی ہیں اور آخر میں لکھا ہے :-  
 ”ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل عليهم وثناء رسوله  
 عليه السلام ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منه -  
 (الاستيعاب ج ۱ ص ۶۱)

ائمہ عز وجل اور اس کے رسول کی طرف سے ان سب حضرات کی تعدیل اور  
 ان کی مدح و ثناء فرمادی گئی، لہذا اس تزکیہ سے افضل کوئی تکریم نہیں اور  
 اس تعدیل سے کامل تر اور کوئی تعدیل نہیں۔  
 علامہ عبدالحی کھنویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے عدول ہونے کا مسئلہ متفقہ  
 ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رجال اسناد میں نہ شمار ہوتے ہیں نہ وہ زیر بحث آتے ہیں  
 ان کے الفاظ ہیں :-

”واما الصحابة فانه وان كان عن رجال الاسناد الا ان المرء المحدثين  
 لم يعدوه منه لانهم كلهم عدول على الاطلاق من خالط  
 الفتن وغيرهم لقوله تعالى: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا -  
 اى عدولاً - (ظفر الاماني ص ۱۲۱)

صحابی اگرچہ حدیث کی اسناد میں ہوتا ہے لیکن محدثین اسے اسناد میں  
 کبھی زیر بحث نہیں لاتے کیونکہ سارے صحابہ علی الاطلاق عدول ہیں جو فتن اور  
 باہمی جنگوں میں شریک ہوئے ہیں وہ بھی عدول ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ  
 فرماتے ہیں: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا یعنی عدولاً۔  
 اسی شے کو علامہ سخاویؒ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

”الصحابة كلهم عدول مطلقاً كبيرهم وصغيرهم كلهم  
 الفتن لا وجوباً لحسن الظن ونظراً الى ما تمهد لهم من  
 المآثر - (فتح المغيث ص ۳۷۵)

صحابہ کرامؓ مطلقاً سب کے سب عادل و نہایت با اعتماد ہیں چاہے چھوٹے

ہوں یا بڑے، اختلافات میں حصہ لیا ہو یا نہ لیا ہو، کیونکہ ان سے حسن ظن واجب ہے اُن کی وہ فضیلتیں دیکھتے ہوئے جو معین ہو چکی ہیں۔  
علامہ طاہر پٹنی فرماتے ہیں :-

”ثم اتهم كلهم عدول وكبيرهم وصغيرهم من لابس  
الفتن وغيرهم بالاجماع۔ (مجمع الباعرج ۳ ص ۵۴۴)  
”تمام چھوٹے بڑے فتن میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے  
سارے کے سارے عدول ہیں اور ان کی عدالت و صداقت پر پوری  
امت کا اجماع ہے۔“

حافظ ابن الصلاحؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحابہ عدول و صدوق ہیں کہ باہمی  
مشاجرات و فتن کے موقع میں بھی انہوں نے عدالت و صداقت کے دامن کو ہاتھ سے  
نہیں چھوڑا اور اس پر پوری اُمت مسلمہ کا اجماع ہے، فرماتے ہیں :-

”ثم ان الامة مجتمعة على تعديل جميع الصحابة ومن كالبس  
الفتن منهم۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۷)

تمام امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور وہ صحابہ بھی عدول ہیں  
جنہوں نے جنگی فتن اور مشاجرات میں شرکت کر لی تھی۔“

صحابہ کرامؓ کی عدالت کے بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے حافظ ابو ذرؓ کا ایک  
واضح قول نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :-

”اذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله  
عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلك ان رسول الله صلى الله  
عليه وسلم عندنا حق والقرآن حق واتما أدى إلينا هذا القرآن  
والسنن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما يريدون  
ان يعرجوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة والجرح بهم  
اولى وهم زنادقة۔ (الكفاية ص ۴۹ از خطیب بغدادی)

”جب تو کسی کو دیکھے کہ وہ اصحاب رسول میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھے کہ وہ زندقہ ہے کیونکہ ہمارے نزدیک قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور قرآن و سنت کو ہمارے تک پہنچانے کا بابا یہی اصحاب رسول ہیں اور یہ زندقہ لوگ ہمارے ان گواہوں کو مخرور کرنا چاہتے ہیں تاکہ پھر قرآن و سنت کو باطل کر سکیں۔“

عدالت صحابہ کی اس بحث کو مقدمہ ابن الصلاح ۱۳۵، انقیبیدہ طایفہ شرح مقدمہ ابن الصلاح للعراقی ۲۲۹، ۲۳۲، فتح المغیث للسخاوی ۳۲۴، ۱۲۳، ۳۴۵، ظفر الامانی ۳۱۳، اصحابہ لابن حجر جلد ۱، ارشاد الفحول للشوکانی ۶۷ پر بالتفصیل بیان کیا گیا ہے جس کو طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

## عدالت صحابہ کا مطلب

بعض حضرات عدالت صحابہ کو صرف روایت حدیث تک محدود رکھتے ہیں اور دوسرے معاملات کے بارہ میں صحابہ کے کردار اور ایک عام آدمی کے کردار میں کوئی فرق نہیں سمجھتے حالانکہ یہ چیز درست نہیں، یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دنیا میں کوئی معصوم نہیں، بڑے سے بڑا صحابی بھی بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں۔ لیکن الصحابة کلہم عدول کا یہ مطلب بھی نہیں کہ صحابہ اپنی ذنیوی وجاہت، سر بلندی، اور تفوق کی خاطر ہر قسم کی خلاف اسلام تدابیر کرنے سے نہیں چھوکتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض صحابہ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن وہ غلطیاں جن سے اسلام کی اہانت ہو یا جن سے ملت اسلامیہ کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑے صحابہ کرام کا کبر کیٹر اس سے یک قلم مبہر ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بعض دفعہ غلط فہمی میں ایسا بڑے سے بڑا کام جسے قرآن کریم میں گناہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو معصوم اور غیر معصوم دونوں سے ہو جاتا ہے لیکن وہ صرف صورت گناہ کہلاتا ہے حقیقتاً گناہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقتاً اس کو گناہ کہا بھی



نہیں جائے گا جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کاٹ کر کھینچنا کہ داڑھی بھی ایک پیغمبر کی تھی اور تھے بھی بڑے بھائی، بظاہر یہ کتنی سخت اہانت ہے ایک پیغمبر کی، جو کہ اگر کوئی دوسرا کرے تو کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا۔ چنانچہ محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبیلے کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے کی جھجک ہوگی لیکن ہارون علیہ السلام کا معاملہ اس وقت بھی باعثِ خوف نہ ہوگا۔ دیکھا جائے تو وہ قبیلے کا فر تھا، ملک دار الحرب تھا اور وہ خدا کے رسول کے دشمن کا ہم قوم تھا اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریق پر بنی اسرائیل پر غلبہ کرتے ہوئے ستارہا تھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا، پھر اس کے بعد آپ نے معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ لِنَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِّیْ فَاغْفِرْ لِّہٖ ۚ اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ  
الَّذِیْ یُحِیْہٖ

کہا اے اللہ ابے شک میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر لہذا مجھ کو بخش دے  
پس اللہ نے اس کو بخش دیا، بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

مگر حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں۔

پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی الواح کو (تختیوں کو) پلک دیا (سورۃ الاعراف) کتاب اللہ کو کھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس کے کتاب اللہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں، بظاہر کتنا بڑا گناہ ہے، مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا کیونکہ یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی تھے جو ان کو سیدنا ہارون علیہ السلام سے ہوئی اور اس جوش نے بلا ارادہ یہ سب کچھ کرایا تھا جو محبت خداوندی نے شرک کی حالت کے مشاہدہ سے پیدا کیا تھا، یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر کر دی گئی تھی :-

فَاِنَّا قَدْ خَلَقْنَا قَوْمَکَ مِنْ بَعْدِکَ وَاصْلَحْ لِنَاْمِرِیْ۔ (سورۃ لہم)

ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو بچلا دیا اور سامری نے اس کو بہکا دیا۔  
 اس لیے اگر معصوم سے غلط فہمی میں ایسی باتیں ہو سکتی ہیں تو غیر معصوم سے خواہ وہ  
 کتنی ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو اس قسم کی باتیں کیوں نہیں ہو سکتیں اور اگر اس  
 غلط فہمی کی وجہ سے نبی سے کتاب اللہ کی امانت اور ہاتھ پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو  
 کیا سیدنا علیؑ سے جنگ و جدال پر مواخذہ متروک نہیں ہو سکتا؟ اور اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام  
 کا لپٹنے بٹے بھائی پر غصہ قربت قریب کی وجہ سے تیز ہو سکتا ہے تو سیدنا علیؑ پر  
 سیدنا معاویہؓ کا غصہ کیوں نہیں تیز ہو سکتا؟ کیونکہ یہ دونوں آپس میں چچا زاد بھائی ہی  
 تو ہیں۔ (از افادات شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) لکھا صرح فی مکتوبات  
 شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۳، ۲۴۴

موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے وہ قرآن سے ثابت ہے جو کہ قطعی  
 اور متواتر ہے اور صحابہ کرام کے متعلق جو کچھ دشمنان صحابہ پیش کرتے ہیں وہ حدیث سے  
 بھی نہیں بلکہ تاریخ کی بے سند اور غیر معتبر روایات سے ثابت ہے جن میں اکثر ابو مخنف  
 لوط بن یحییٰ اور اس جیسے دوسرے راویوں کی روایات ہیں اور صحابہ کی شان میں جو قرآنی  
 آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ قطعی ہیں  
 مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے بالکل ہیچ ہیں  
 لہذا اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تاریخ  
 کو غلط کہنا پڑے گا۔

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں :-  
 ”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے اور  
 نہ ان کی توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی  
 ہے، اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث و  
 خمین سے اودار سال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن الاثیر ہو یا ابن قتیبہ  
 ابن ابی الحدید ہو یا ابن سعد، ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے“

اور بے موقع ہے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر  
نصوص اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی موجود  
ہوتیں تو وہ بھی مؤول یا مردود قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ ،  
اب آپ اصولی تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی دلائل قائم کیجئے۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶)

عدالت صحابہؓ کے بارے میں ایک بات یہ بھی ذہن میں رہے کہ اگر عدالت صحابہؓ  
کو صرف روایت حدیث تک محدود رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے  
کہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کوئی غلط روایت نہیں لگا سکتا ہے؟  
اس کا جواب مقدمہ ابن الصلاحؒ میں دیا گیا ہے، فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ پر حدیث  
مَنْ كَذَبَ عَلَى مُتَعَمِّدٍ فَلَيْسَ بَشَرًا مَقْبُولًا مِنَ النَّارِ کا خوف طاری تھا،  
اور یہ حدیث صحابہ کرامؓ میں سے باسٹھ صحابہ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل  
ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۵) اور یہی جواب حافظ عمر الدین بن  
عبد السلام نے دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح المغیث للسخاوی ص ۱۲۳)

معلوم ہوا کہ صرف خوف جہنم صحابہ کو مانع تھا جس کی وجہ سے وہ کذب علی النبیؐ کے  
مترکب نہیں ہوتے تھے، کیا یہ خوف دوسرے گناہوں سے مانع نہیں تھا؟ یقیناً تھا، اور  
صحابہ ہر وقت اس خوف کو اپنے سامنے رکھتے تھے اور جہنم کے گناہوں سے اپنے کو  
محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے، اور یہ خوف تمام امت میں سب سے زیادہ تھا بھی صحابہؓ  
میں، ائمہ سے ان کو بارگاہ خداوندی سے رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ دَرَضُوا عَنْہُ کا  
سرفیض عطا ہوا جو کہ ساری امت میں سے کسی کو نہیں ملا، اور جس نے صحابہؓ  
کے تقدس اور تزکیہ باطن پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اب اگر اس تصدیق خداوندی کے  
بعد بھی ہم ان سب روایات کی تصدیق کریں جو کہ صحابہ کی تنقیص کے بارے میں تواریخ  
میں نقل کی گئی ہیں تو پھر رَضِیَ اللہ عَنْہُمْ دَرَضُوا عَنْہُ کا کوئی مطلب نہیں نکلتا  
بلکہ اس کی تکذیب لازم آتی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور عام آدمیوں

کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا ۔

كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى مَنْ لَهُ أَدْنَى مِنَ الْعَقْلِ وَالْفَهْمِ

## فتنہ کے اصل بانی

درمیان میں بات عدالت صحابہؓ کی چل نکلی تھی تو زیادہ طویل ہو گئی، بات یہ ہو رہی تھی کہ صحابہ کرامؓ کی کوئی بات دین میں فتنہ پیدا کرنے والی نہ تھی بلکہ امن و سلامتی کے لیے تھی، لیکن اس کے برعکس قاتلان عثمان ایسے گروہ سے تعلق رکھتے تھے جن کی زندگی کا مقصد ہی دین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے مخصوص لوگوں نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ ہی سے اندرون ملک کام کرنا شروع کر دیا تھا اور عبداللہ بن سبار، حکیم بن جبلة، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر، انصاف بن حرب، خالد بن ولید اور سودان بن جمران وغیرہم اس میں لیڈنگ پارٹ لے رہے تھے اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اس میں شریک ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہ تحریک سیدنا عثمانؓ کے آخری ایام میں کچھ کامیاب ہوئی اور شہادت عثمان کا جائگاہ واقعہ پیش آیا، بعد میں ان لوگوں نے ایک طرف سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا کے لشکر میں داخل ہو کر کچھ لوگوں کو سیدنا علیؓ کے خلاف بھڑکایا اور سیدنا علیؓ کے لشکر میں داخل ہو کر ان کو اصحابِ جبل کے خلاف مشتعل کیا اور جنگِ جبل کا حادثہ فاجعہ پیش آیا، جنگ سے ایک روز قبل غلصین اور خیر خواہان اُمت کے دخل سے دونوں پارٹیوں میں صلح ہوئے، ہی والی تھی اور سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو مان چکے تھے کہ ان دشمنانِ اسلام نے صبح اندھیرے میں ہی جنگ شروع کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ سیدنا طلحہؓ اور سیدنا زبیرؓ اور کئی دوسری قیمتی جانیں تلف ہو گئیں۔

(ابدا یہ والتہایہ جلد ۷، ۲۳۹، طبری جلد ۵، ۲۰۲، ۲۰۳) — انہی لوگوں نے بعد میں جنگِ صفینؓ کرادی اور اس میں بھی بہت سی قیمتی جانیں تلف ہو گئیں۔

اگر غور سے سوچا جائے تو شہادت عثمانؓ کے بعد سب شہداء (جمل وصفین) کا خون انہیں قاتلان عثمان کے سر پہے جنہوں نے فتنہ کا دروازہ کھول کر اتنی قیمتی جانوں کو ضائع کر دیا، ایسے لوگوں کو فوراً کیفر کر دیا تک پہنچانا چاہیے تھا، ایک تو قاتلان عثمان ہونے کی وجہ سے اور دوسرے امت مسلمہ میں فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باعث! کیونکہ اسلام فتنہ کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرتا۔  
خود قرآن حکیم کہتا ہے کہ:-

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ — فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے۔

سیدنا علیؓ سے ان سے قصاص نہ لینے میں اجتہاد غلطی ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۴۹، اعلام السنن جلد ۲ ص ۲۳۸) لیکن قدرت نے ان لوگوں سے خود انتقام لیا اور ان میں سے ہر آدمی کو قتل کر دیا، کچھ لوگ تو سیدنا علیؓ کے عہد کی جنگوں میں مارے گئے اور جو باقی بچ گئے اُن کو حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ تک زندہ رکھا اور بطور انتقام اس کے ہاتھوں قتل کر دیا۔ جَزَاؤُہُمْ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْہُمْ وَاللّٰہُ اَعْدَلُ الْحَاکِمِیْنَ ؕ اہل سنت میں سے کوئی شخص بھی سیدنا علیؓ کو متہم نہیں کرتا کہ آپ کا قتل عثمان میں

اے جن ظالموں نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی دنیا میں شہادت عثمانؓ کا مزہ چکھایا اور قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو جنوں اور پاگل ہو کر نہ مرا ہو یا جس کو قتل نہ کیا گیا ہو۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۱۸۶) علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں ”رَعَا مَثَلَهُمْ جَنَاحًا“ ان میں سے اکثر پاگل ہو گئے اور قدرت کے منتقم ہاتھوں نے اسی دنیا میں ان سے انتقام لے کر چھوڑا۔

(۱) محمد بن ابی بکر: جس نے آپ کے گھر میں گھس کر آپ کی دائرہ کی پٹری اور آپ کے خلاف فساد کو مکر کیا کرتا تھا جنگ صفین کے بعد سیدنا معاویہؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور حضرت معاویہ بن عبد اللہ کے ہاتھوں قتل ہوا پھر اس کی لاش کو گھس کے لگی پٹری ہوئی لاش میں ڈال کر جلادیا گیا۔ (البدایہ والنتہایہ جلد ۲ ص ۳۱۴)

(۲) دوسرا سب سے برا مخالف اور دشمن جان محمد بن ابی حذیفہ تھا، سیدنا عثمانؓ نے اگرچہ اس کے باپ کی شہادت کے بعد اس کو پالا تھا اور اس پر بڑے احسانات کئے تھے، آخر وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاتھ تھا، نہ اس زمانہ میں یہ کسی کا مذہب ہے اور نہ ہی زمانہ ماقبل میں اس پر کسی کا اعتقاد تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ عبداللہ بن سبا، کنانہ بن بشر، مالک الاشتر غنمی، حکیم بن جبلة، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ وغیرہ سارے کے سارے قاتلان عثمان آپ (سیدنا علیؑ) کے لشکر میں موجود تھے بلکہ اشتر کو کمانڈر انچیف اور محمد بن ابی بکر کو آپ نے گورنری تک کا عہدہ دے دیا اور دوسرے قاتلان عثمان بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، یہ بھی درست ہے کہ شروع شروع میں آپ کو قصاص لینے پر قدرت نہ تھی لیکن بعد میں آپ کو قدرت بھی حاصل ہو گئی اور آپ ان سے قصاص لے بھی سکتے تھے۔ (کمنا صرح الشاہ ولی اللہ فی انالہ المتخار عن خلافة الخلفاء جلد ۲ ص ۲۹۹)

(بقیہ حاشیہ از مؤلفہ شتر) ہاتھوں گرفتار ہو کر جیل میں ڈالا گیا اور بعد میں وہاں سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن غلام نے اس کا تعاقب کیا اور پکڑ کر اس کی گردن مار دی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۱۵)

(۳) فتنہ کی اس ساری تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا بھی نہایت ذلت کی موت مرا، اُس نے سیدنا علیؑ کے زمانہ میں سیدنا علیؑ کے رب ہونے کا دعویٰ کیا، آپ نے اس کو توبہ کے لیے کہا لیکن اس نے توبہ سے انکار کیا اس پر آپ نے اس کو آگ میں زندہ جلادیا۔ (رجال کشی ص ۷۷)

(۴) مالک الاشتر جو عبداللہ بن سبا کا دست راست تھا اور قتل عثمان کے بعد جیل اور ضیق میں بھی مسلمانوں میں مخالفت کی خلیج وسیع کرنے میں لیڈری کے فرائض سرانجام دے چکا تھا، پھر سیدنا ولید بن عقیلہ پر اس نے شراب نوشی کا الزام لگایا، سیدنا سعید بن العاصؓ کے خلافت اس نے پرو پیگنڈہ کیا، آخر ۳۸ھ میں کسی معلوم شخص کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (احصابہ ج ۳ ص ۲۸۲)

(۵) حکیم بن جبلة جس نے سیدنا عثمان پر پتھر اڑھایا تھا، خط کی سازش بھی اس نے مالک الاشتر کے ساتھ مل کر بنائی تھی قاتلان عثمان میں ایک یہ بھی تھا، پھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو بھی گایا دی تھیں، لیکن آخر کتوں کی طرح گھسیٹ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق اس کا سر مروڑ ڈالا گیا اور وہ چڑے سے اٹکارا گیا اور اس کا منہ گدی کی طرف ہو گیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۷۷)

اسی طرح دوسرے قاتلوں کا حال ہوا، جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”سیدنا عثمان شخصیت اور کردار“ میں بیان کی ہے۔ (م، د، ظ)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ نہ تو سیدنا معاویہؓ کو برا کہنے کا ہے اور نہ سیدنا علیؓ کو جس طرح کہ ہم سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کو فحشہ نازیبا کہہ سکتے ہیں اور نہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں حضرات حق پر تھے اور اہل حق میں سے تھے، اور واجب الاحترام ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے واجب الاحترام تھے اور ہیں۔

## اہل عراق اور سب و شتم

اہل عراق میں سے کچھ لوگوں نے فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ اور ان کے لشکر کے متعلق دشنام آمیز زبان استعمال کرنی شروع کر دی۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہٹا تو آپ نے ایک گشتی مراسلہ (CIRCULAR) اپنے زیر تصرف علاقہ میں لوگوں کو بھیجا اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے بلند وارفہ مقام سے آشنا کروا کر اس فعل شنیع سے سختی سے منع فرمایا، اس سرکرہ میں آپ نے تحریر فرمایا:-

”من کتاب لہ علیہ السلام الی الامصار لیتقص فیہ ما جرى  
بینہ و بین اهل الصنین و کان بدأ امرنا التیقینا و التوم  
من اهل الشام و الظاہرات ربنا و احد و نبینا و احد و دعوتنا  
فی الاسلام و احدۃ و لا نستزیدہم فی الایمان با اللہ و لتصدق  
برسولہ و لا یستزید و ننا الامر و احد الا ما اختلفنا فیہ من  
دم عثمان و نحن منہ براء۔“ (منہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۸)

جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے ہے جس کو آپ نے تمام ممالک میں روانہ فرمایا تھا، اس فرمان میں اُن تمام واقعات کو بیان فرماتے ہیں جو اُن کے اور اہل صفین کے درمیان واقع ہوئے اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور

ان کا رب ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک، نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے، صرف خون عثمان کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا، آپ کو جب پتہ چلا تو آپ نے انہیں سختی سے منع فرمایا بلکہ ابوحنیفہ دینوری نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سب و شتم کرنے والے مجرمین عدی اور عمرو بن الحمق وغیرہ تھے، آپ نے انہیں فرمایا کہ اپنی زبانیں بند رکھو ورنہ امیر المؤمنینؑ "السنا علی الحق وھم علی الباطل؟"

کیا ہم حق پر نہیں اور وہ غلطی پر نہیں؟  
آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم ہم حق ہیں! وہ کہنے لگے کہ آپ ہمیں ان پر سب و شتم اور لعن و طعن کرنے سے کیوں روکتے ہو؟ آپ نے فرمایا،  
"کرھت لکم ان تکنوا شتامین و لعانین۔"  
میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالی دینے والے اور لعن کرنے والے بنو۔

بلکہ ایسا کہو کہ اے اللہ! ہم دونوں کو خوریزی سے محفوظ فرما اور ہمارے دیمان اصلاح فرما اور انہیں ہدایت دے حتیٰ کہ ناواقف حق سے آشنا ہو جائے اور جھگڑنے والا شخص نزاع سے باز آجائے۔ (الاخبار الطوال ص ۱۶۵)

۱۔ بخاری سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے، سیدنا ابو میرزہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لا تقوم الساعة حتی تقتل قنطان و عواھا و احدھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۰) قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک میری امت کے دو گروہ آپس میں قتال نہ کریں اور ان کا دعویٰ ایک ہوگا لیکن غلط فہمی سے اختلاف ہو جائے گا اور نوبت قتال تک پہنچ جائے گی۔



کچھ اس قسم کا مضمون ”نہج البلاغہ“ میں بھی منقول ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۲۲)  
 عبد اللہ بن صفوان الجمعی کہتے ہیں کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا :-  
 ”اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الشَّامِ۔ اے اللہ اہل شام (معاویہؓ اور ان کے  
 ساتھیوں) پر لعنت فرما“

سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا :-

”لَا تَسُبُّ اَهْلَ الشَّامِ فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالَ فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالَ“

”فَاِنَّ بِهَا الْاَبْدَالَ“ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲)

اہل شام کو گالی مت دو کیونکہ وہاں ابدال رہتے ہیں وہاں ابدال رہتے  
 ہیں وہاں ابدال رہتے ہیں“

اس مضمون کی ایک روایت امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں نقل کی ہے کہ سیدنا علیؓ  
 کے سامنے ایک بار اہل شام کا ذکر کیا گیا، حاضرین میں سے ایک شخص کہنے لگا امیر المومنین!  
 کیا میں ان پر لعنت بھیجوں؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے جناب  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپؐ فرماتے تھے :-

”اَلَا يَدَّالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ وَهُمْ اَرْبَعُونَ رَجُلًا، كَلِمَاتٍ جَلَّ  
 اَبْدَالُ اللّٰهِ مَكَانَهُ، مَا جَلَّالٌ يَسْتَقِي بِهِمُ الْفَيْتَ وَيَنْتَصِرُ بِهِمُ الْاَعْدَاءُ  
 وَيَصْرِفُ عَنْ اَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ -

اہل شام میں ہوں گے اور وہ چالیس آدمی ہیں ان میں جب کبھی کوئی  
 ارتقا کر جاتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے آدمی کو مقرر فرما دیتا ہے، انہی  
 کے وسیلہ سے ان پر بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح و نصرت بھی انہی کے سبب  
 سے ہوتی ہے اور انہی کی وجہ سے ان سے عذاب ٹالا جاتا ہے“

دُستِ احمد جلد ۲ ص ۱۸۱ حدیث نمبر ۸۹۶، مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۷۸، مشکوٰۃ ص ۸۲  
 اس بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت ابو امامہؓ،  
 اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے کہ جناب

رسالت مآب علیہ افضل الشفاء والنجیات نے فرمایا ہے کہ:-

”بَيْنَمَا أَنَا نَأْكُلُ رَايْتُ الْكِتَابَ احْتَمَلَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِي فَظَنَنْتُ أَنَّهُ مِنْ هَوْبٍ بِهِ قَاتِبُهُ بِصْرَى فَمَدِدْهُ لِي الشَّامُ وَإِنِ الْإِيمَانَ حِينَ تَقَعُ الْفِتْنَةُ بِالشَّامِ - (الْبَيَّاتِ وَاتِّهَايَةِ جلد ۸ ص ۲) میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے سر کے نیچے سے کتاب اٹھالی گئی ہے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کو کسی جگہ لے جایا جا رہا ہے چنانچہ میری نگاہ نے اس کا تعاقب کیا، دیکھا کہ وہ شام کی طرف جا رہی ہے اور جب فتنہ پیا ہوگا تو ایمان ملک شام میں ہوگا“

شام کی فضیلت کے بارہ میں بخاری کتاب الفتن میں بھی ایک حدیث آتی ہے۔ یہ دونوں حضرات حق پر ہوں بھی کیسے نہ؟ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ داماد رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے اور سیدنا معاویہؓ آپؐ کی زوہد محترمہ سیدہ اُمّ حبیبہ سلام اللہ علیہا کے حقیقی بھائی اور اس لحاظ سے کل اُمت کے ماموں ہیں اور خود حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ہادی مہدی اور ہدایت کا ذریعہ بننے کی دُعا دی ہے۔ (ترمذی کتاب المناقب ص ۲۳۷، التاریخ الکبیر لبخاری جلد ۲ ص ۳۲۷) لہذا معلوم ہوا کہ دونوں اہل خیر میں سے تھے اور ان میں سے کسی کے متعلق بھی زبانِ طعن دراز کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا، اگر ان میں سے کسی نے زیادتی بھی کی تو ہم اس کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہیں۔

## ابن خلدون کا نظریہ

علامہ عبدالرحمن بن خلدون الحضرمی الآندلسیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المقدمہ“ میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کا تذکرہ فرمانے ہوئے لکھتے ہیں:-  
”دیکھ لیجئے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین عصبیت کی بنا پر جب

فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی تو اس میں بھی فریقین نے حق و اجتہاد کے دامن کو نہیں چھوڑا اور انہوں نے اپنی لڑائیوں میں کبھی دنیوی غرض باطل پرستی یا کینہ پروری کو پیش نظر نہ رکھا جیسا کہ بعض کو وہم ہو جاتا ہے اور ان کے خیالات بہک جاتے ہیں، دراصل یہ اختلاف ایک اجتہادی اختلاف تھا اور ہر ایک فریق اپنے اجتہاد کی روشنی میں دوسرے کو غلط کار ٹھہراتا تھا اسی بنا پر ہر دو فریق آپس میں ٹکرا گئے، مانا کہ سیدنا علیؑ حق بجانب تھے لیکن سیدنا معاویہؓ بھی کسی باطل ارادہ سے ان کے مقابلے میں نہیں آئے تھے ان کے پیش نظر بھی حق جوئی تھی، گویا انہوں نے حق کے پانے میں خطا کی اسی طرح کبھی مسلمان اپنے نقطہ نظر سے حق پرچے ہوئے تھے باطل طلبی ان میں بھی نہ تھی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

یہی ابن خلدونؒ ایک اور مقام پر ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”تیسرا امر یہ ہے کہ جو جنگیں ابتدائی دور اسلامی میں صحابہؓ یا تابعینؓ میں لڑی گئیں وہ کن اغراض و مقاصد کے پیش نظر تھیں؟ انہوں نے سمجھے کہ ان بزرگوں کے تمام تر اختلافات دینی امور میں تھے نہ کہ دنیوی امور میں تھے اور اذکرہ صحیحہ میں اجتہاد کرنے سے یہ اختلافات رونما ہوئے تھے اور مجتہدوں میں جناب اجتہادی اختلاف پیدا ہوا اور ہم یہ مانیں کہ اجتہادی مسائل میں حق بہر حال ایک طرف ہوگا، اب جس مجتہد کی رائے حق سے مل جائے وہ مصیب ہے اور جس کی نہ ملے وہ غلطی اور چونکہ حق کی ہمت متعین نہیں لہذا اصابت کا احتمال ہر مجتہد کی جانب ہو سکے گا اور کسی خاص مجتہد کو بالیقین غلطی قرار نہیں دیا جاسکے گا اور کوئی مجتہد بھی گتہ کار اور قابل گرفت نہ ہوگا۔ اجماع امت اسی پر ہے، اگر ہم یہ کہیں کہ اجتہادی اختلاف کے وقت سب مجتہدین حق پر ہوتے ہیں اور ہر مجتہد باصواب ہوتا ہے تو پھر تو گناہ اور خطا کی نسبت کسی کی

طرف بھی نہیں کی جاسکتی۔ اب صحابہؓ اور تابعینؓ کا اختلاف ظاہر ہے کہ اجتہادی اختلاف تھا اور مسائل دینیہ طیبہ میں وہ آپس میں مختلف الہام تھے لہذا مذکورہ حکم کے مطابق گناہ اور خطا کی نسبت کسی مجتہد کی طرف نہیں کی جاسکتی، اس قسم کے اجتہادی اختلافات پر اسلام میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ یہ تھیں: مثلاً سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدہ عائشہؓ اور سیدنا طلحہؓ کی لڑائیاں یا وہ جنگ جو سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان اور عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان ہوئی۔

ان میں سیدنا علیؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اُن کی تحقیقت محض اس قدر ہے کہ جس وقت سیدنا عثمانؓ نے جام شہادت نوش فرمایا زیادہ تر صحابہؓ حلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ سیدنا علیؓ کی بیعت کیلئے حاضر نہ ہوئے اور جو مدینہ طیبہ میں موجود تھے اُن میں بھی دو گروہ ہو گئے، ایک گروہ جس نے بیعت میں تو حلف کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ سب لوگ کسی امام پر مجتمع ہو جائیں اس گروہ میں یہ لوگ تھے: سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ، قدامہ بن مظعونؓ، ابوسعید الخدریؓ، کعب بن عجرہؓ، کعب بن مالکؓ، نعمان بن بشیرؓ، حسان بن ثابتؓ، مسلم بن مخلدؓ، فضالہ بن عبیدہؓ وغیرہم، اور جو صحابہ مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے انہوں نے بھی اس لیے بیعت سے ہاتھ کھینچا تھا کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کا قصاص لیا جائے اور پھر بیعت کا مسئلہ سامنے آئے، گویا ان لوگوں نے سیدنا عثمانؓ کے قصاص تک مسلمانوں کو بغیر امیر و خلیفہ کے چھوڑے رکھنا گوارا کیا تا آنکہ مسلمان باہمی مشورے سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں اُن کو یہ خیال بھی ہو گیا تھا کہ سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے میں سکوت کر رہے ہیں نہ کہ پناہ بخدا آپ قتل عثمانؓ کے محرک ہیں چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا علیؓ کو جب کھلم کھلا لازم دیا تو صرف یہ کہا کہ آپ

قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں سکوت برتتے ہیں نہ یہ کہ ان کے قتل میں آپ کا کوئی ہاتھ ہے۔

ادھر سیدنا علیؑ اس نقطہ خیال پر جمے ہوئے تھے کہ میری بیعت سب پر لازم ہو گئی ہے کیونکہ جب مدینہ کے باشندگان نے آپ کی بیعت پر اتفاق کر لیا ہے جو حضور علیہ السلام کی دعوت کا مرکز اور صحابہ کا مقام سکونت تھا تو ان لوگوں پر بھی آپ کی بیعت لازم ہو گئی جو مدینہ سے باہر ہیں، آپ کا خیال یہ تھا کہ جب تک لوگ مجتمع نہ ہوں اور حالات سکون پذیر نہ ہوں اُس وقت تک قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ عرضِ اتوا میں رکھا جائے۔ دوسرے صحابہؓ اس نظریہ پر قائم تھے کہ جو تک صحابہؓ میں اربابِ حل و عقد

مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور بہت کم مدینہ طیبہ میں موجود ہیں لہذا بیعت ابھی تک صحیح معنوں میں منعقد ہی نہیں ہوئی کیونکہ بیعت اُس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہل حل و عقد متفق و متحد ہو جائیں اور اگر چند لوگ مل کر کسی کو خلیفہ بنالیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، ان کا خیال یہ تھا کہ اس وقت لوگ بغیر امام و خلیفہ کے ہیں لہذا ضروری یہ ہے کہ پہلے سب قاتلانِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ کریں اور اس سے فراغت کے بعد اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امام یا امیر منتخب کر لیں چنانچہ سیدہ عائشہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمرو بن العاصؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا محمد بن طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ، سیدنا معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہم و دیگر حضرات اسی موقع کے قائل تھے اور مدینہ طیبہ کے وہ صحابہ جو ان کے پیچھے تھے وہ مدینہ طیبہ میں رہ کر بھی بیعت سے دست کش رہے۔۔۔۔۔ عصرِ ثانی میں اس تمیز کے باوجود اس پر بھی سب کا اتفاق تھا کہ چونکہ فریقین صاحبِ اجتہاد ہیں لہذا ہر دو فریق گناہ اور گرفت سے بری ہیں۔

چنانچہ ایک دفعہ سیدنا علیؑ سے دریافت کیا گیا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں جو لوگ قتل ہوئے اُن کی نسبت آپؐ کا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ناجی ہیں یا قابلِ گرفت؟ آپؐ نے فرمایا واللہ ان لڑائیوں میں جو بھی مرادہ جیتی ہے بشرطیکہ اس کا دل پاک ہو۔ اس سے قاتلانِ عثمان اس بشارت سے خارج ہو گئے کیونکہ وہ دلی کھوٹ کے ساتھ محض فتنہ و فساد کی خاطر ان لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ ”ظہن“ گویا آپؐ فریقین کے مقتولین کے بارے میں حکم نکاتے ہیں۔ طبری و دیگر مؤرخین نے یہی الفاظ نقل کیے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جن کے اقوال و افعال شریعت میں سند ہیں اور اہل السنۃ والجماعت کا ان کے عدالت پر فیصلہ ہے، مگر چند معترضین جو اس بارہ میں اختلاف کرتے ہیں، اہل حق نے ان کے قول کو کوئی وقعت نہیں دی، اگر آپؐ نظرِ انصاف ان حالات کا مطالعہ کریں تو آپؐ سیدنا عثمانؓ کے بارے میں اور ان کے بعد دیگر معاملات میں اختلاف کرنے والے سب صحابہ کو معذور جانیں گے اور کسی کو الزام نہیں دے سکیں گے اور یہ نتیجہ نکلنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ سب کچھ جھگڑا فساد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس سے اس امت کو جانچا اور پرکھا تھا، (المقدمہ بن خلدون المعصری ص ۲۲۵)

علامہ ابن خلدونؒ کے ”مقدمہ“ سے اتنے طویل اقتباسات ہم نے صرف اس وجہ سے نقل کیے ہیں تاکہ یہ معاملہ بالتفصیل قارئین کے سامنے آجائے کہ مناجراتِ صحابہؓ میں

---

۱۔ علامہ ابن خلدونؒ (۱۳۳۲-۱۴۰۶ء) بقول پروفیسر خلف جو عظیم تاریخ نگار ہیں ابن خلدون کے متعلق قریباً تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ:-

”ابن خلدون تاریخ نگاری میں جانبداری کا قائل نہیں اس کے نزدیک مؤرخ کو اپنے ذاتی اعتقادات سے الگ ہو کر تاریخ نگاری کرنی چاہیئے، وہ مؤرخوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ کسی روایت کو قبول کریں جب تک اسکی اچھی طرح تصدیق نہ کر لیں۔ (ابن خلدون از لفظ حسین ص ۶۳) ———

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہل سنت والجماعت کا کیا موقف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی موقف صحیح ترین موقف ہے اور جو لوگ سیدنا علیؑ کے مخالفین کو ضلالت اور گمراہی پر سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع میں زبان درازی کرتے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور سیدنا علیؑ کے مسک سے ہٹے ہوئے ہیں کیونکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ:-

”ہم ایمان باللہ اور اس کے رسول کی تصدیق میں معاویہؓ سے زیادہ نہیں اور

نہ ہی معاویہؓ ان چیزوں میں ہم سے زیادہ ہیں“ (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۸)

حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابی زرعہ رازیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میں معاویہؓ کو بُرا جانتا ہوں، آپ نے پوچھا کیوں؟ وہ بولا اس لیے کہ انہوں نے سیدنا علیؑ سے جنگ و قتال کیا تھا۔ امام ابی زرعہؒ نے اس سے فرمایا تیرا بُرا ہو، معاویہؓ کا رتبہ حیم اور معاویہؓ کا مد مقابل (سیدنا علیؑ) کریم، اور اے بد بخت! تیرا ان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا کیا مطلب؟ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳)

## سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کی ابتداء

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں علامہ ابن خلدون کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے متعلق طعن و تشنیع، زبان درازی اور سوداوی دوسری صدی

البقیہ ماثیاء وغیرہ گذشتہ (جس ابن خلدون کی تاریخ نگاری کے متعلق یہ نظریہ ہے اسی ابن خلدون نے تمام واقعات کی ذاتی اعتقادات سے بالاتر ہو کر چھان چھان کر کے بعد میں کچھ لکھا ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں کیا گیا ہے، اب بھی اگر کوئی سرچھل سیدنا معاویہؓ کے متعلق زبان طعن و درازی کرے تو وہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کے صحیح واقعات سے بھی جاہل اور

نا آشنا ہے۔ (م، و، ظ)

تک بالکل نہ تھی۔ (المقدمہ ص ۲۴۵)

ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں ہوئی۔ دوسری صدی میں عباسی دور خلافت میں ان کے محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کئے گئے اور ایسے غلط واقعات تاریخ میں بھر دیئے گئے جن سے سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر کئی مطاعن قائم کیے جاسکیں پھر آپ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور آپ کی کردار کشی کی پوری کوشش کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کاموں کو بدنامی شکل میں دکھایا گیا۔

بنو امیہ کا آخری فرمانروا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان تھا، اس سے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح نے خلافت چھینی تھی اور اس کو قتل کروا دیا تھا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ:-

”ابوالعباس السفاح کی افواج کا کمانڈر عبداللہ بن علی شہر دمشق میں شمشیر برہنہ کے ساتھ داخل ہوا، اُس نے شہر میں قتل و غارت کو تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا یعنی جس کو چاہو قتل کرو، شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے بھوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر تبدیل کر دیا، ایک استعمال میں رکھا۔“

دمشق کی جامع مسجد ”الجامع الاموی“ کو بطور اصطبل استعمال کرنا ذلت اور عداوت کی آخری حد ہے، وہ مسجد خدا کا گھر تھی بنو امیہ کا محل نہ تھی کہ وہ اس میں سکونت پذیر تھے، لیکن خدا کے اس گھر کو صرف اس وجہ سے ستر (ستر) دن تک بطور اصطبل استعمال کیا گیا کہ اس کے بنانے والے بنو امیہ تھے۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ لکھا ہے کہ عباسیوں نے بنو امیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنو امیہ سیدنا معاویہؓ و عبدالملک بن مروانؓ، ہشام بن عبدالملکؓ وغیرہم کی قبروں کو اکھیر ڈالا اور ان کی سخت بے حرمتی کی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے کہ:-

”عبداللہ بن علی مذکور نے خلفاء بنو امیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔“

یہ سب کچھ بنو عباس کے پہلے حکمران کے عہد میں اس کے کمانڈر عبداللہ بن علی کے



ہاتھوں ہٹوا، یہ سب کچھ ابوالعباس کے حکم سے ہٹوا، اسی وجہ سے مؤرخین نے اُسے ”اسفاح“ کے لقب سے اپنی کتابوں کے اوراق میں یاد کیا ہے، جس کا مطلب ہے ”بہت خون بہانے والا“ گویا کہ اس نے بنو امیہ اور اس کے حامیوں اور بے گناہ لوگوں کا نہایت بے دردی سے خون بہایا اور اس طریقہ سے بنو امیہ سے اپنی دلی دشمنی کا انتقام لیا۔ جب بنو عباس کے پہلے حکمران نے بنو امیہ کے ساتھ یہ کچھ کیا اور ان کے انتقال شدہ اکابر (جن میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل تھے) کی نعشوں کو قبروں سے نکال کر بے حرمت کیا تو دوسرے حکمرانوں کے زمانوں میں بھی دشمنی کا یہ جذبہ اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہوا ہو گا۔ بعض حکمرانوں نے بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اپنے اپنے زمانے میں خاموشی اختیار کی لیکن ان کے حواریوں اور اس زمانہ کے مؤرخین جنہوں نے تاریخ کو مرتب کیا، ان کی اس دشمنی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور وہ یہ کہ تاریخ کی کتابوں میں ایسی روایات بھردیں جن سے بنو امیہ اور سیدنا معاویہؓ پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کی فصل آج تک کاٹی جا رہی ہے بلکہ بعض خلفاء کے زمانہ میں یہ کام حکومتی سطح پر ہوا۔ چنانچہ مامون الرشید کے بارہ میں مافظہ ہوئی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ:-

”۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور برکاری طوطی پر یہ اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر سیدنا علیؓ ہیں۔ اور پورے ملک میں اس بات کا اعلان بھی کروایا کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیانؓ کے حق میں کلمہ خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں“ (ردل الاسلام ص ۹۷)

مشہور شیعہ مؤرخ مسعودی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ:-

”۲۱۲ھ میں مامون نے اعلان کروایا کہ جو شخص بھی معاویہؓ کو کلمہ خیر کے ساتھ یاد کرے گا یا ان کو کسی صحابی پر مقدم جانے کا اُس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے یعنی اس کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار نہیں ہے“

(مروج الذهب جلد ۴ ص ۷۷)

جب حکومت کاروتیہ یہ ہو کہ کوئی شخص سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کوئی کلمہ خیر نہیں کہہ سکتا تو عوام تو حکومت سے دو ہاتھ آگے ہوتے ہیں۔ تاریخ بھی چونکہ اسی زمانہ میں مرتب ہو رہی تھی اس وجہ سے ایسی روایات کو وضع کر کے تاریخ میں گھسیڑ دیا گیا جن سے سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کی اسلام دشمنی، اہلبیت دشمنی اور بنو ہاشم دشمنی کا اظہار ہوتا ہوتا کہ وقت کے حکمران خوش ہو کر انہیں زیادہ انعام و اکرام سے نوازیں۔ ان مؤرخین نے یہ سب کچھ تقیہ کی آڑ میں کیا یعنی یہ اندر سے بچے شیعوں تھے لیکن اوپر سے لوگوں کے سامنے اپنے کو اہلسنت والجماعت ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ایسے راویوں سے اہل سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخ کا ایک بہت بڑا راوی محمد بن عمرو الواقدی ہے تاریخ طبری اس کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے علماء نے اس کی کئی روایات کو قبول کیا ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اسے کذاب کہا ہے، امام شافعیؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ واقدی کی ساری کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، امام احمدؒ نے بھی فرمایا کہ یہ شخص جھوٹا ہونے کے ساتھ احادیث میں کئی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔

تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۶۲، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱

مختلف علماء نے الواقدی کو اپنی جرح سے بچلنے کو دیا ہے، ملاحظہ ہو:-  
 کتاب المجروحین لابن جبان، لسان المیزان لابن حجر، المغنی للذہبی، کتاب الضعفاء للعقيلي، الكامل لابن عدي، کتاب الضعفاء لابن نعیم، اصفہانی وغیرہم۔ لیکن یہ الواقدی تھا کون؟ ابن ندیم الشیعی نے لکھا ہے کہ:-

”محمد بن عمرو الواقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کا بادیہ اوڑھے ہوئے تھا، یہی وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی اور کئی باتیں اُس نے نقل کی ہیں۔“

(الفہرست لابن النديم ص ۵۱، تحت اخبار الواقدی)

ابن ندیم باوجود خود شیعہ ہونے کے واقدی کے بارہ میں ”حسن المذہب“ اور تقیہ کو لازم کرنا (یلزم التقیۃ) اس نے واقدی کی عمدہ صفات میں سے ذکر کیا ہے۔ اب اس الواقدی سے کوئی غیر کی توقع بنو امیہ کے لیے اور اہل سنت کے لیے کیسے کی جاسکتی ہے۔ شیعہ ہو، کذاب ہو اور تقیہ باز ہو اور اہل سنت کا بغیر خواہ ہو! یہ ناممکن ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی روایات سے احادیث و تواریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور بعض حضرات نے اس کی تعدیل بھی کی ہے۔

یہ شیعہ بزرگ الواقدی ہارون الرشید اور دوسرے عباسی خلفاء کے دور میں اپنے فن تاریخی روایات میں یگانہ روز گار تھا اور اس دور میں اس کو دس دس ہزار درہم انعام ملا ہے، یہ بغداد میں رہائش پذیر تھا اور سیاسی طور پر بنو امیہ کے سخت خلاف تھا۔ الاماموں نے جب اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا تو اس الواقدی کی قدر و منزلت دربار میں اور بھی بڑھ گئی، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ بنو امیہ کی مذمت اور بنو عباس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سیدنا معاویہؓ اور دوسرے خلفائے بنو امیہ کی مذمت میں خوب روایات وضع کیں اور خلفاء بنو عباس سے انعام و اکرام کی شکل میں خوب دولت کمائی۔

اسی طرح کے ایک اور بزرگ ابن شہاب الزہری تھے، ان کی روایات سے بھی نہ صرف تاریخ بلکہ حدیث کی کتابیں بھی بھری ہوئی ہیں، یہ بھی تقیہ باز بزرگ تھے۔ چنانچہ ان کے بارہ میں ہم نے مولانا پیر فرید الدین سیالویؒ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اس کے شیعہ ہونے کے بارہ میں لکھا ہے، پھر واقعاتی شہادتیں بھی پیر صاحب کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح کے اور کئی شیعہ مؤرخ تقیہ کی آڑ میں بنو امیہ اور خلفائے ثلاثہ کے خلاف روایات وضع کر کے کتابوں میں گھسیٹ دیتے تھے اور حکومت کی پوری پوری تائید انہیں حاصل ہوتی تھی، خلفائے بنو عباس کے علاوہ ان کے وزراء و برامکہ وغیرہ کی پوری پوری تائید ان لوگوں کو حاصل ہوتی تھی، چنانچہ الواقدی خالد بن یحییٰ برمکی کا خاص درباری تھا اور یہ برامکہ ایرانی النسل تھے اور اسلام اور اہل اسلام سے ان کے دلوں میں خاص کدورت تھی۔

مختصر یہ کہ عباسی دور میں سیدنا معاویہؓ کی مخالفت کی اینٹ رکھی گئی لیکن حکم کھلا ان کو طعن و تشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا جیسا کہ بعد کے ادوار میں ہوا۔

بنو عباس کے بعد آل بویہ نے سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کی دشمنی اور ان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کام شروع کیا، خصوصاً معز الدولہ دلمی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا، آل بویہ سارے کے سارے کٹر رافضی تھے اور سیدنا علیؓ کے خاندان سے وہ اپنی بے پناہ عقیدت کا اظہار کرتے تھے اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دشمنی۔ ان سب چیزوں کی ابتداء بعد میں اور اس میں خصوصی طور پر آل بویہ کا ہاتھ تھا جنہوں نے سرکاری طور پر صحابہؓ اور خصوصی طور پر بنو امیہ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے کام کو حکومتی سطح پر شروع کیا، خصوصاً معز الدولہ دلمی نے ذاتی دلچسپی کے تحت حکومت کی پوری مشینری کو اس کام کے لیے وقف کر دیا تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں حکومت کے سارے ذرائع کو استعمال کیا، آل بویہ سارے کٹر رافضی تھے اور خاندان علیؓ ان کو بے پناہ عقیدت تھی اور دوسرے تمام صحابہ سے بے پناہ بغض، خود معز الدولہ دلمی بھی رافضی

اے معز خاندان اور خصوصی طور پر اسماعیل مغوی نے بھی اپنے زمانہ حکومت (۱۵۰۰ء-۱۵۲۴ء) میں شیعہ مذہب کی نشر و اشاعت میں حکومت کے سارے ذرائع سے کام لیا اور پوسے جبر و تشدد کے ساتھ لوگوں کو مذہب شیعہ میں داخل کیا بلکہ اس تشدد کے باعث خود شیعہ مجتہدین کو بھی تشویش لاحق ہوئی، چنانچہ اسماعیل کی تخت نشینی سے ایک روز قبل رات کے وقت یہ لوگ اس کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تم قرآن مجاہل تبریز کی ۳۲ ہزار عیا کے چاروں طرف سب سنی ہیں اور شرف سے لے کر اب تک اس خطہ کو کسی نے نہیں پڑھا، اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر آپ کے اس تشدد کے باعث لوگوں نے اگر یہ کہہ دیا کہ ہم شیعہ بادشاہ کو نہیں چاہتے اور نعوذ باللہ اگر عیا برگشتہ ہو گئی تو اس کا کیا تدارک ہوگا؟ بادشاہ نے ان کی یہ درخواست مستکرم کیا۔

”خداے عالم باخبرات المصعومین ہمراہ مندومین ازیک کس باک ندازم، بتوفیق اللہ تعالیٰ اگر (باقی ماحشیہ اگلے صفحہ پر)

تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۴) اُس نے فضائل صحابہ بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۶۰)

اس حکم امتناعی کے علاوہ (۳۵) میں بغداد کی مساجد کے دروازوں پر صحابہ کرام پرست و شتم کے الفاظ لکھوا دیئے گئے، لیکن مسلمان رات کو ان الفاظ کو مٹا دیتے

رقیہ عاشیر از صفحہ گذشتہ) رحمت حرفے بگو بند شمشیر کی شتم و کس راز نہ نمی گذارم“

(تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر برائون جلد ۴ ص ۸۷۰)

”اللہ تعالیٰ ائمہ معصومین کے ہمراہ میرے ساتھ ہے اور مجھے کسی سے بھی خوف نہیں ہے اگر رحمت

ایک حرف بھی زبان سے نکالے گی تو میں تلوار کھینچ لوں گا اور ایک متنفذ کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

اوس اسی اسماعیل معوی نے صرف سیدنا علیؑ اولاد کی اولاد کی منقبت اور فضیلت کو منوانے پر ہی انکفاد نہ

کیا بلکہ دوسرے پہلے تین خلفاء سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ پر عام مجھوں میں تبرّ کیا جائے اور مغربی

جلسہ اے شکر بے آواز بلند ”بخش باد، کم مباد“ کہیں اور جو نہ کہے اُسے قتل کر دیا جائے۔ (تاریخ ادبیات ایران ص ۸۷)

جنگ میں نعرہ اوجا دیا ”اللہ اللہ دعلیٰ ولی اللہ“ (تاریخ ادبیات ایران ص ۸۷) تخت نشین ہوتے ہی اُس نے

پورا ارادہ کر لیا کہ شیعت کو نہ صرف سلطنت کا مذہب قرار دیا جائے بلکہ ہی ایک مذہب ایران میں باقی ہے۔ (الغیاث ص ۸۷) چنانچہ

اس تمام خطبوں کو حکم دیدیا کہ خاص شیعوں کو ائمہ ان علیاً ولی اللہ کو قرار دیا جائے باللسان کا اور حجتی علی خیدرالعل کو تکیہ کو جو دنیا

جائے (الغیاث ص ۸۷) بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفائے راشدین پر تبرّ ابائی حکم دیا اور عدل علمی کو قتل قرار دی دیا۔ (کافانہ کے

علیؑ کی اہلسنت والجماعت پر بہت مظالم کئے گئے ان میں اکثر تہنیہ کیے گئے اور ان کے اسلاف کے مقابلہ اور دوزخ بنائیں مسافر کر دی گئیں۔

کتنی بے انصافی اور ظلم ظریف کی بات ہے کہ ان سب مظالم کیلئے رحمۃ للعالمین (۹۹۹ھ مطابق ۳۴۲ھ) مادہ تاریخی نکالا گیا۔ (۹۹۹ھ)

سینوں کے حق میں وہ بہت ظالم تھا اس نے نہ تو فرید الدین احمد جیسے جلیل القدر عالم کو چھوڑا جو مشہور محقق عالم

سعد الدین تغننازانی کے پوتے تھے اور تیس سال تک ہر تہذیب و تمدن اسلامی کے منصب پر فائز رہے تھے اور نہ بتائی

جیسے ظریف اور بذلہ نسخ شاعر پر دم کیا۔ (ص ۱۰۱)

خاندان معویہ میں سے ہیرف ایک بادشاہ کے ظلم و تشدد کا اجمالی تذکرہ ہے ورنہ ان لوگوں کے ظلم و تشدد سے

تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور وہ مظالم اس قدر شدید ہیں کہ آدمی سن نہیں سکتا جو شیعوں کا مذہب کو پھیلنے کے لیے

سینوں پر کئے گئے، اسی مظالم کا نتیجہ ہے کہ آج ایران میں شیعہ مذہب نظر نہیں آتا۔ ع

ہم نے انقلاب چربخ گروں یوں بھی دیکھے ہیں

تھے۔ چنانچہ انحضری نے شیعہ ہونے کے باوجود لکھا ہے کہ:-

”فَقَدْ كَانَ أَهْلُ بَعْدِ ادْتِمَالِ الدَّوْلَةِ الْبَوِيهِيَّةِ عَلَى مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَيُفَضِّلُونَ الشَّيْخَيْنِ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ عَلَى سَائِرِهِمْ وَلَا يَقْدَحُونَ فِي مُعَاوِيَةَ وَلَا غَيْرِهِ مِنْ سَلَفِ الْمُسْلِمِينَ فَلَمَّا جَاءَتْ هَذِهِ الدَّوْلَةُ وَهِيَ مُشْتَبِعَةٌ غَالِيَةٌ نَمَّا مَذْهَبُ الشَّيْئَةِ بِبَعْدِ ادْتِمَالِهَا وَوَجَدَ لَهُ مِنْ قُوَّةِ الْحُكُومَةِ انْفِصَالًا

(محاضرات تالیخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ ص ۳۸۲)

اہل بعد ابوبہی حکومت سے پہلے اہلسنت والجماعت کے مذہب کے پیرو تھے اور شیخین یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کو سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے اور یہ معاویہؓ کی شان میں سودا دہی نہ کرتے تھے اور نہ سلف میں سے کسی مسلمان کے متعلق طعن و تشنیع کرتے تھے لیکن جب اس حکومت کا دور آیا اور یہ حکومت کثرتِ مقلد تھی تو بغداد میں شیعہ مذہب کو فروغ ہوا اور حکومت کے بل بوتے پر ان کے اعیان و انصار بنائے گئے۔“

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

”وَفِيهَا كُتِبَتِ الْعَمَامَةُ مِنَ الزَّوْاقِصِ عَلَى الْبَوَابِ الْمَسْجِدِ لَعْنَةُ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ رَفِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكُتِبُوا أَيْضًا وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ عَصَى قَاطِمَةً حَقِّهَا وَكَانُوا يُعْنُونَ أَبَا بَكْرٍ وَمَنْ أَخْرَجَ الْغُبَّاسَ مِنَ الشُّوَرَى يُعْنُونَ عُمَرَ وَمَنْ نَفَى أَبَا ذَرٍّ يُعْنُونَ عُثْمَانَ... وَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ جَمِيعُهُ مُعَزَّ الدَّوْلَةِ لَمْ يُبَكِّرْهُ وَكَمْ يُغَيِّرُهُ ثُمَّ بَلَغَ أَهْلُ السُّنَّةِ مَحْوُ ذَلِكَ - (ابن ابیہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۲۲۱،

محاضرات تالیخ الامم الاسلامیہ جلد ۳ ص ۳۸۲)

اور اسی سنہ یعنی ۳۵ھ میں رافضیوں کے عوام نے مسجدوں کے دروازوں پر لکھ دیا کہ لعنت ہو معاویہ بن ابی سفیانؓ پر اور اسی طرح یہ بھی لکھ دیا کہ لعنت

ہو اس پر جس نے فاطمہؓ کا حق غضب کیا مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے عباسؓ کو شوریٰ سے نکالا اور مراد اس سے سیدنا عمرؓ تھے اور جس نے ابوذرؓ کو شہر بدر کیا اور مراد اس سے سیدنا عثمانؓ تھے..... ان سب باتوں کی اطلاع جب معز الدولہ کو ہوئی تو اس نے نہ تو ان باتوں سے منع کیا اور نہ ان کو تبدیل کیا، پھر جب اہل سنت کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اسے مٹا دیا۔“

یہ ساری حرکات رافضی عوام نے معز الدولہ کے حکم سے کی تھیں اور جب ان فقرات کو مسجد کے دروازوں سے اہل السنۃ نے مٹا دیا تو معز الدولہ نے اس کو پھر لکھا چاہا لیکن اس کے وزیر ابو محمد بلخی نے مشورہ دیا کہ مٹائی ہوئی عبارت کو دوبارہ نہ لکھا جائے بلکہ اس کے بجائے صرف یہ لکھ دیا جائے :-

”لَعْنَةُ اللَّهِ الظَّالِمِينَ لِأَلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَا يُذَكَّرُ أَحَدٌ فِي اللَّعْنِ إِلَّا مُعَادِيَةً۔ (مخاضرات ج ۳ ص ۳۸۲)  
اللہ تعالیٰ آل رسول پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے اور سوائے معاویہؓ کے  
کسی اور رافضی (اصحاب ثلاثہ) پر نام لے کر لعنت نہ کی جائے۔“

تاریخ اسلام میں بنی کویہ کا دور ایک تاریک ترین دور ہے جس میں اسلام کے ان محسنوں پر سب و شتم کا گند اچھا لایا گیا جنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں تک اسلام کی راہ میں نثار کر دیں، نیز اسلام میں فتنوں کا دروازہ کھولنے کے لیے نئی بدعات ایجاد کی گئیں جو آج تک پوری ملت اسلامیہ کے لیے وبالِ جان بنی ہوئی ہیں۔

۱۰۔ اعرام الحرام کا بازار بند رکھ کر مٹی جلوس نکالنا، اپنے بالی پر لٹھہ کرنا، ان میں راکھ ڈالنا اور سیدنا زین العابدینؓ پر ماتم کرنا اس قسم کی ساری بدعات اسی بد باطن معز الدولہ الدیلمی کے زمانہ عروج کی یادگار ہیں اور یہی پہلا شخص ہے جس نے مذہب شیعہ میں ان چیزوں کو رواج دیا، چنانچہ موجودہ صدی کا شیعہ مورخ سید امیر علی لکھتا ہے :-

Mulz-ul-dawlad though apatlon of

آلِ بُویہ نے اپنے دورِ حکومت میں صحابہ کے بارہ میں جو زہرافشانی کی اس کی اجمالی تصویر آپ کے سامنے بیان کی جا چکی ہے لیکن بایں ہمہ ظلم و تشدد کے علمائے اہل سنت نے اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود بھی ملتِ اسلامیہ کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی محبت کے اس چراغ کو مدہم نہ ہونے دیا جس کو جناب رسالت مآب علیہ افضل الشنا والتحیات نے اپنے ۲۳ سالہ تبلیغی دور میں

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

Arts and Literature was cruel by nature. He was a shiah and it was he who established the 10th day of Muharram as the day of Mourning commemoration of the massacre of Karbla (History of Saracens page 303)

(ترجمہ) معزاللہ اگرچہ ظلم و ادب اور فنونِ کامری اور سرپرست تھا لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت ظالم تھا وہ شیعوں کا اور اسی نے سانحہ کربلا کی یادیں دسویں عزم کو قائم کا دن منانا شروع کیا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۳۳۲، تاریخ ادبیات ایران از دکتر ابراروفن جلد ۴ ص ۵۵-۵۶، ہسٹری آف دی عربز از پروفیسر ہٹی (انگریزی) ص ۱۷۴، مجاہد اعظم از شاکر حسین نقوی شیعی ص ۳۳۲)

بلکہ شاکر حسین نقوی نے تو باوجود شیعوں ہونے کے ان بدعات پر ان الفاظ میں اظہارِ افسوس کیا ہے :-  
 ”فاطمی حکومت کی مصر میں بنیاد پڑی یا دہلی خاندانِ دہلی بُویہ کو بغداد میں عروج ہوا اُس وقت سے شیعوں نے بطور انتقام یہ طریقہ اختیار کیا پھر شیعوں میں اس کا عواج ایسا عام ہوا کہ جو آج تک کم و بیش جاری ہے حالانکہ یہ ان کے پیشوایانِ دین کی تعلیمات بالکل خلاف ہے۔ (مجاہد اعظم ص ۳۱۴)  
 پھر لکھا ہے: ”اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں پر کہنے کی اجازت نہیں دیتی مذہبی احکام کی قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو ہمارے بھی کوئی ضمیر دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا“ (مجاہد اعظم ص ۳۲۲)



مسلمانوں کے دلوں میں روشن کیا تھا۔ چنانچہ جس زمانہ میں معز الدولہ الدیلمی نے فضاہل صحابہؓ کو بیان کرنے کے متعلق حکم اتناجی صادر کیا تھا اس وقت بھی علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ الشافعیؒ نے اپنا وطیرہ بنالیا تھا کہ ایک روز بغداد کی جامع مسجد المنصور میں اور دوسرے روز مسجد باب الشام میں اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر علی الاعلان فضاہل صحابہؓ بیان فرماتے اور معز الدولہ کی اس قدر سختی بھی ان کو اپنے اس کام سے نہ روک سکی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۳۶۱)

اسی طرح ایک اور زناہد شب زندہ دار اور عابد متراض بزرگ ابوعبداللہ محمد بن حسین الحسینی نے جو ابی الدعائی کہلاتے تھے معز الدولہ کے اس فعل خبیث کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور بلادِ دہلیم میں ہر جگہ لوگوں کو اس تحریک میں شرکت کی تحریج و دعوت بھی دی اور کافی لوگوں نے اُن کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۲۶۱)

آل بویہ کی صحابہؓ کے متعلق اس گمراہ کن پالیسی نے اہل سنت کے دلوں کو پھیلانی کر دیا تھا لیکن وہ ان کی حکومت کے جبر و استبداد کے پنجہ میں سوائے کر رہنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب ان کے جبر و استبداد کا جو ان کی گردنوں سے اُتر آ تو صحابہؓ کے متعلق مسلمانوں نے پھر اپنے انہی جذبات کا اظہار کیا جس کا ذکر علامہ ابن خلدون نے ”مقدمہ ۲۲۵“ میں کیا ہے کہ بغداد کی سب مسجدوں میں اصحاب ثلاثہؓ اور سیدنا معاویہؓ پر لعنت کے بجائے اب یہ لکھا گیا ہے۔

”خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِيٌّ ثُمَّ مُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ ط (العوام من القوام ص ۲۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے بہتر ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ،

پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر معاویہؓ جو کہ تمام مومنوں کے ماموں ہیں“

لکھوانے والے بنو عباس تھے اور انہوں نے لکھوا یا بھی کسی اور جگہ نہ تھا بلکہ اپنی حکومت کے دار الخلافہ بغداد مدینۃ السلام میں حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ بنو عباس اور بنو امیہ کے درمیان کس قدر اختلاف تھا۔



## سیدنا معاویہؓ کا مصر پر قبضہ

مصر سیدنا عمر الفاروقؓ کے زمانہ میں اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا اور سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو فتح کیا، اسی روز سے سیدنا عمرؓ نے ان کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا لیکن ۲۶ھ میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو مصر کی گورنری سے معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا گورنر مقرر فرمادیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے چند روز قبل جب مصر کے سبائی عبداللہ بن سبأ، محمد بن ابی بکر اور دوسرے سرغنوں کی قیادت میں حج کے بہانہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپؐ دربار خلافت میں اطلاع کر دی، اس کے کچھ دن بعد آپؐ بعض انتظامی امور کے سلسلے میں امیر المؤمنینؓ سے چند ایک ضروری مشورے کرنے کی خاطر مدینہ طیبہ تشریف لارہے تھے کہ راستہ ہی میں آپؐ کو امیر المؤمنینؓ کی شہادت کی خبر مل گئی چنانچہ آپؐ راستہ ہی میں رُک گئے اور مدینہ طیبہ نہ آئے (طبری جلد ۵، البدایہ جلد ۲) آپؐ کی عدم موجودگی میں محمد بن ابی حذیفہ نے جو کہ سبائیوں کا سرغنہ بن چکا تھا مصر پر بدعتی قبضہ کر لیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) چند ہی روز بعد سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر میں نہیں ہیں تو انہوں نے ایک مقتدر صحابی سیدنا قیس بن سعد کو وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا کیونکہ محمد بن ابی حذیفہ پر آپؐ کو اعتماد نہیں تھا۔ سیدنا قیس نے مصر پہنچ کر بڑی حکمت عملی سے محمد بن ابی حذیفہ سے گورنری کا چارج لیا، آپؐ نہایت مدبر اور مصلحت شناس آدمی تھے لہذا بڑے تدبیر اور حکمت سے انہوں نے مصر کے لوگوں سے سیدنا علیؓ کی خلافت کی بیعت لی، لیکن مصر کے ایک علاقہ جو بیت کے لوگوں نے سیدنا علیؓ کی بیعت سے انکار کر دیا کیونکہ یہ لوگ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے اور انہوں نے مصر کے لوگوں کا سیدنا علیؓ کی بیعت نہ کرنا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کن بن ابی سرح اور دوسرے قاتلان عثمان مصر میں دندناتے پھر رہے ہیں اور کوئی ان سے مواخذہ نہیں کرتا بلکہ قاتلوں میں سے اکثر علوی خلافت کی کلیدی آسامیوں پر قائم ہیں ایسے اُن کے خیالات علوی خلافت کے حق میں نہیں تھے۔



سیدنا علیؑ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا۔

”یہ لوگ مصر کے چہرہ منہ وہ ہیں اور یہاں کے اہل عز و شرف سے تعلق رکھتے ہیں میں نے یہ جانتے ہوئے کہ اندر سے ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں لیکن ظاہر میں وہ غیر جانبدار ہیں، خود ہی روزینے اور عیٹے جاری کیے ہوئے ہیں، آپ مجھ ان سے جنگ کا حکم دے رہے ہیں جبکہ ان میں بسربین ارطاة، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے لوگ موجود ہیں اگر ان کو ذرا بھی چھیڑا گیا تو یہ آپ کے خلاف اور دشمن کے ساتھ ہو جائیں گے جس سے بہت نقصان ہوگا، میں نے ان کا مناسب انتظام کر دیا ہے لہذا آپ میرا مشورہ قبول فرمائیے اور ان سے فی الحال تعرض نہ کیجئے“

(طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸)

لیکن چونکہ محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر طیار دونوں کی رائے سیدنا علیؑ کی رائے پر غالب آچکی تھی لہذا آپ نے سیدنا قیسؓ کے مشورے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اسی اشارہ میں محمد بن جعفر طیار نے امیر المؤمنین کو مجبور کر کے قیس بن سعد کو معزول کروادیا اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی گورنری کا پروانہ دلو اگر مصر بھجوا دیا، سیدنا قیسؓ کو اگرچہ طبعی طور پر یہ بہت ناگوار گذر لیکن وہ بغیر کوئی مزاحمت کیے گورنری کا چارج دے کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ (طبری جلد ۵ صفحہ ۲۳۱، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۹، ابدایہ والنہایہ جلد ۷، صفحہ ۲۵۲)

سیدنا قیسؓ اگرچہ محمد بن ابی بکر کی تقرری سے بد دل ہو گئے تھے لیکن پھر بھی امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کا احترام اور ان کی خیر خواہی ان کے دل میں موجود تھی لہذا انہوں نے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکر کو تمام نشیب و فراز اور داخلہ پالیسیاں سمجھادیں اور ضروری ہدایات گوشہ گزار کر دیں۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۳)

محمد بن ابی بکر بالکل نوجوان، نا تجربہ کار اور حکمت علی سے نا آشنا تھا، علاوہ ازیں سبائیوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے اس کا ذہن پہلے ہی قیس بن سعد کی پالیسی کے خلاف تھا مزید یہ کہ کنازہ بن بشر جیسا فتنہ باز اور قاتل عثمان سبائی اس کو اپنا شیر مل گیا لہذا اس نے گورنری سے ہی

اہل خربتہ کو نوٹس دے دیا کہ ہاتھ دے سیدنا علیؑ کی بیعت کریں یا ملک چھوڑ دیں ورنہ ان کے خلاف جارحانہ کارروائی کی جائے گی۔ (راہن الاثیر جلد ۳ ص ۱۴)

یہ لوگ بڑے نڈر اور بہادر تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم بالکل امن سے ہیں اور سابق گورنر مصر سیدنا قیس بن سعد سے اپنی اسی پسندی کا وعدہ کر چکے ہیں لہذا آپ بھی ہمیں چھڑیں اور ہمیں ہمارے حال پر رہنے دیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو کوئی اطمینان بخش جواب دیا جاتا لیکن کنان بن بشر کے اگسانے سے محمد بن ابی بکر نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا جس سے محمد بن ابی بکر ٹوکست فاش ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

اس سے سیدنا علیؑ کی خلافتی پالیسی کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ محمد بن ابی بکر کے مابقت اندیش طرز عمل نے مصر کے اور لوگوں کو بھی سیدنا علیؑ کا مخالف بنادیا اور مصر کی فضا سیدنا علیؑ کے اس قدر خلاف ہو گئی کہ معاویہ بن خدیج کندیؓ نے اعلانیہ قاتلانہ عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ محمد بن ابی بکر نے متعدد بار اہل خربتہ پر حملہ کیا لیکن ہر دفعہ اس ٹوکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا اسی دوران مسعودی وغیرہ مؤرخین کے مطابق سیدنا علیؑ نے اشتہار بھی لکھ کر محمد بن ابی بکر کی ملحد کے لیے بھیجا لیکن وہ وہاں تک نہ پہنچ سکا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اسی اثناء میں سیدنا معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر کو سرکاری طور پر لکھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے بائنا جائے لیکن وہ باز نہ آیا تنگ آ کر آپ نے معاویہ بن خدیج کندیؓ اور سلمہ بن ملکہ انصاریؓ سے مصر پر فوج کشی کے بارے میں خط و کتابت کی، انہوں نے فوراً فوج کشی کا مشورہ دیا اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ سیدنا معاویہؓ نے فوراً چھ ہزار کا لشکر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں مصر روانہ کر دیا، جب یہ لشکر مصر کی سرحد پر پہنچا تو وہ لوگ جن کی ہمدردیاں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھیں فوراً اس لشکر کے ساتھ مل گئے۔ ان لوگوں نے بھی محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمہارے ساتھ بالکل تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور اگر جنگ کی نوبت پہنچی تو تمہیں ہمارے حوالے کر دیں گے۔ اور خود سیدنا

عمر بن العاصؓ نے ذاتی طور پر بھی محمد بن ابی بکر کو ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ :-  
 ”میرا خیرواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم راستہ سے ہٹ جاؤ کیونکہ اس ٹھہر کے لوگوں نے  
 تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ سے ہمیں کسی قسم کی  
 تکلیف پہنچے“ (طبری جلد ۶ ص ۵۸/۵۹، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹)

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان کے اس خط کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی بلکہ چار ہزار فوج  
 کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لیے میدان میں آگیا، مقدمتہً بحیش کی کمان کسانہ بن بشر قاتل  
 عثمان کو رہا تھا، کسانہ نے شروع شروع میں بڑے جوش اور بہادری کے جوہر دکھانے کی  
 کوشش کی لیکن تھوڑی ہی دیر میں معاویہ بن خدیجؓ نے عمرو بن العاصؓ کے اشارہ سے کسانہ کو  
 گھیر لیا اور جلد ہی اگلی دنیا میں پہنچا دیا، محمد بن ابی بکر نے بھاگ کر ویرانہ میں پناہ لی، سیدنا  
 عمرو بن العاصؓ قسطنطین مصر کے (دار الحکومت) پہنچ گئے اور معاویہ بن خدیجؓ نے محمد بن ابی بکر  
 کی تلاش میں نکلے اور اس ویرانہ سے اُسے نکالا، وہ مارے پیاس کے جاں بلب تھا، محمد بن  
 ابی بکر نے ان سے پانی کی درخواست کی، معاویہ بن خدیجؓ نے کہا کہ اگر میں تجھے پانی کا ایک  
 قطرہ بھی پلاؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے پانی کبھی نہ پلائے تم نے ہی حضرت عثمانؓ کو پانی پینے سے  
 روک دیا تھا یہاں تک کہ ان کو روزہ کی حالت میں شہید کر دیا۔

”فَعَدَدَ ذَلِكَ غَضَبَ مُعَاوِيَةَ بْنِ خَدِيجٍ فَقَدْ مَلَهُ قَتْلُهُ ثُمَّ جَعَلَهُ

فِي جَيْفَةٍ حِمَارٍ فَأَحْرَقَهُ بِالنَّارِ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۳۱۲)

اس پر معاویہ بن خدیجؓ غضب ناک ہو گئے اور آگے بڑھ کر محمد بن ابی بکر کو  
 قتل کر دیا پھر اس کی نعش کو گدھے کی لاش میں ڈال کر آگ سے جلا دیا۔

رملاتطو طبری جلد ۶ ص ۵۹، مروج الذهب، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۲

۱۔ علامہ خیر الدین زرکلیؒ محمد بن ابی بکر کی لاش کے جلانے کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لعمریق وقد قنت جثتہ مع رأسہ فی مسجد یعرف بمسجد زمام خارج مدینۃ  
 الفسطاط، قال ابن سعید وقد زرت قبرہ فی الفسطاط۔ (الاعلام جلد ۷ ص ۷۹)  
 محمد بن ابی بکر کو جلایا نہیں گیا بلکہ اس کے جسم کو ایک مسجد میں جس کو مسجد ماکتہ ہیں اور جو فسطاط شہر سے  
 باہر کے پاس دفن کر دیا گیا، چنانچہ ابن سعید لکھتے ہیں کہ میں نے اس کی قبر کو فسطاط میں دیکھا ہے۔

مصر کا یہ علاقہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے دور خلافت میں فتح کیا تھا اور آپؓ نے انہیں کو یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا تھا اس عہدہ پر آپؓ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی کئی سال تک رہے لیکن بعد میں سیدنا عثمانؓ نے ان کو معزول فرما کر سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا جا چکا ہے اب دوبارہ بھی مصر کے اس قصبہ نامرقیہ کو آپؓ نے ہی فرو کیا اسیلئے یہ معاویہؓ نے اب پھر ان کو ہی یہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

شہادتِ عثمانؓ کے بعد مصر سابیوں کا مرکز بن گیا تھا، کنا بن بشر اور محمد بن ابی حذیفہ کی ساری پالیسیاں یہیں مرتب ہوتی تھیں، سیدنا عمرو بن العاصؓ چونکہ پہلے ہی اس تحریک سے بخوبی آشنا تھے لہذا آپؓ نے جلد ہی ان کی ساری تحریکی کاروائیوں کا سد باب کر دیا اور مصر کا سارا علاقہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔ محمد بن ابی بکرؓ کی غیر دانشمندانہ پالیسی اور جلد بازی سے یہ علاقہ سیدنا علیؓ کے مقبوضات سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں داخل ہو گیا جس سے امیر المؤمنینؓ کی خلافت کو بہت بڑا دھچکا لگا۔

## محمد بن ابی حذیفہ کا انجام

محمد بن ابی حذیفہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ابو حذیفہؓ کے بیٹے تھے سیدنا ابو حذیفہؓ سرزمینِ جنتہ کی دونوں ہجرتوں میں شریک تھے ان کی اہلیہ سہلہ بنت سہیلؓ بھی رفیقِ سفر تھیں چنانچہ محمد بن ابی حذیفہؓ ہمیشہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۱۷۱) حضرت ابو حذیفہؓ کی وفات کے بعد آپؓ کے بیٹے محمدؓ کی پرورش سیدنا عثمانؓ نے کی جب سیدنا عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو محمد بن ابی حذیفہؓ نے آپؓ کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کی درخواست کی، چونکہ اس سے قبل اس پشیراب نوشی کی حد لگ چکی تھی لہذا درخواست مسترد ہو گئی۔ (تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۱ ص ۱۲۵، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۳۵) بلکہ ابن الاثیرؒ کی روایت کے مطابق سیدنا عثمانؓ نے فرمایا :-

”كَوْنْتُ أَهْلًا لِدَوْلِكَ لَوْلَيْتُكَ - (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۳۵)

اگر تم اس کے اہل ہوتے تو ضرور تمہیں گورنر بنا دیتا“

محمد سیدنا عثمانؓ کی طرف سے یہ جواب ملنے پر امیر المؤمنینؓ سے ناراض ہو گیا اور سیاستوں کے ساتھ مل کر آپ کی شدت سے مخالفت شروع کر دی امیر المؤمنینؓ کی شہادت کے وقت سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی عدم موجودگی میں مصر کی گورنری پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ کے حکم سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر پر چڑھائی کی تاکہ محمد بن ابی حذیفہ کو ہاں سے نکالا جائے، ویسے قدرت بھی اب اس کو سزا دینا چاہتی تھی۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى قَتْلِ عُمَانَ مَعَ أَنَّهُ قَدَرَبَاةٌ وَكَفَلَهُ

وَإَحْسَنَ إِلَيْهِ - (البداية والنهاية ج ۷، ص ۲۵)

کیونکہ قتل عثمان کا وہ سب سے بڑا معاون تھا حالانکہ سیدنا عثمانؓ نے اس کی

کفالت اور پرورش کی اور اس کے ساتھ بہت احسان کئے تھے۔“

سیدنا عمرو بن العاصؓ کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت محمد بن ابی حذیفہ ایک ہزار فوج کے ساتھ عیش کی طرف نکلا لیکن مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے ایک مخفیاتی (ایک توپ جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھروں کو قلعہ وغیرہ توڑنے کے لیے چلایا جاتا تھا) نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی، محمد نے یہ حال دیکھ کر باہر نکلتا چاہا چنانچہ اپنے تئیں آدمیوں کی معیت میں باہر نکلا لیکن عمرو بن العاصؓ نے اُن سب کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

(البداية والنهاية جلد ۷، ص ۲۵)

ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی حذیفہ محمد بن ابی بکر کے قتل کے بعد پکڑا گیا، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ سیدنا معاویہؓ کا ماموں زاد بھائی تھا، سیدنا معاویہؓ نے اس کو فلسطین میں ایک قید خانہ میں قید کر دیا لیکن کچھ دنوں کے بعد قید خانہ سے بھاگ نکلا، ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن غلام نے اس کا تعاقب کیا، محمد بن ابی حذیفہ ایک غار میں چھپ گیا، کچھ جنگلی گدھے اس غار میں پناہ لینے کے لیے آئے لیکن محمد بن ابی حذیفہ کو غار میں دیکھ کر چھپے بھاگ



گئے، جب کسانوں کی ایک جماعت نے ان گدھوں کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو وہ بہت متعجب ہوئے لہذا وہ اس غار کے پاس آئے دیکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ اس میں چھپا ہوا ہے انہوں نے اسے پکڑ لیا اور عبداللہ بن عمرو بن ظلام کے حوالے کر دیا، عبداللہ نے اس خیال سے کہ اگر اسے معاویہ کے پاس لوٹا دیا گیا تو شاید وہ کہیں اسے معاف نہ کر دیں خود ہی اس کی گردن مار دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۱۵)

## نقد و نظر

مصر کا یہ ہنگامہ کب پیش آیا؟ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے، کچھ لوگ اس کو فیصلہ حکیم سے پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں اور کچھ فیصلہ حکیم کے بعد کا۔ لیکن جہاں تک میر خیال ہے اہل خربت پر معاہدہ حکیم کے وقت محمد بن ابی بکر نے یہ سب سختیاں شروع کر دی تھیں اور فیصلہ حکیم کے اعلان کے بعد عمرو بن العاص نے باقاعدہ حملہ کر کے مصر کو فتح کر لیا کیونکہ اہل خربت نے سیدنا معاویہ کے پاس محمد بن ابی بکر کے تشدد کی متعدد شکایتیں کی تھیں۔

یہ ہنگامہ بھی دراصل سبائیوں کا بپا کردہ تھا، سیدنا قیس بن سعد بڑے اچھے طریقے سے وہاں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے کہ کنانہ بن بشر نے خواہ مخواہ محمد بن ابی بکر کی معرفت امیر المومنین سیدنا علیؑ کے کان بھرے اور آپ نے محمد بن ابی بکر جیسے نا تجربہ کار اور جذباتی آدمی کو وہاں کا گورنر بنا دیا جس کی سختی اور نا عاقبت اندیشانہ پالیسی نے مصر کے موافقین کو بھی مخالفین کی فہرست میں داخل کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے امیر المومنین کے ہاتھ سے نکل گیا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل خربت اپنی حملہ محمد بن ابی بکر نے امیر المومنین کے مشورہ سے کیا تھا، یہ چیز بالکل غلط ہے، امیر المومنین نے ان کو صرف وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے جو پالیسی وہاں وضع کی وہ کنانہ بن بشر کے ذہن کی پیداوار تھی کیونکہ وہاں کے سبائیوں کی زمام کار اس کے ہاتھ میں تھی اور محمد بن ابی بکر کو اس پر بہت اعتماد تھا اور یہ سب

جیسا عالی دماغ، عاقبت اندیش اور موقع کی نزاکت کو سمجھنے والا انسان اپنی بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کا بھی حکم نہیں دے سکتا کیونکہ اگر آپ صرف غیر مبایعین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو سب سے پہلے اہل مدینہ کے اُن اصحاب سے سر پر کیا ہوتے جنہوں نے ابھی تک آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔

دوسرے اگر آپ محمد بن ابی بکر کو اہل خربتہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیتے تو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے کچھ کمک بھی بھیجتے۔ لیکن تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کسی آدمی کو بھی فوج دے کر محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے نہیں بھیجا۔ مالک الاثر نغنی کے متعلق جو بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے ان کو محمد بن ابی بکر کی امداد کے لیے ولایت کا پروانہ دے کر بھیجا تھا، چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں ولایت کے پروانے کا مضمون بھی نقل کیا ہے۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۴، مروج الذهب جلد ۲ ص ۳۹) لیکن اگر تاریخ کا تحقیقی نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واقعہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ اول اس لیے کہ جو پروانہ امیر المؤمنین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اشتر نغنی کو لکھ کر دیا تھا وہ بالکل جعلی ہے اور امیر المؤمنین کی طرف اس کی نسبت غلط ہے، چنانچہ انحضری جیسا مؤرخ بھی اس کو جعلی اور زمانہ مابعد کا لکھا ہوا بتاتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

”وَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا الْعَهْدَ قَدْ كُتِبَ بَعْدَ ذَلِكَ بِأَرْبَعِ مِائَةٍ -

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۷۷)

یہ نئے صاف ظاہر ہے کہ تقرری کی یہ سند بعد کے زمانوں کی لکھی ہوئی ہے۔  
دوسرے اگر اشتر کو آپ بھیجتے تو کچھ فوج بھی ساتھ بھیج دیتے، لیکن تاریخ کی ورق گردانی سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے اس کے ساتھ فوج بھی بھیجی، حالانکہ محمد بن ابی بکر نے سیدنا علیؑ کو لکھا بھی تھا کہ یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں اور شہر کے سب لوگ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ہو گئے ہیں لہذا اگر آپ کو مصر کی ضرورت ہے تو فوج اور دیگر مال و متاع سے جلد میری مدد فرمائیے۔ (طبری جلد ۶ ص ۵۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کا یہ قضیہ وہاں کا مقامی قضیہ تھا اور سیدنا علیؑ نے

معادہ تحکیم کا احترام کرتے ہوئے وہاں مطلق کوئی فوج نہ بھیجی اور مالک الاشرع بھی وہاں اپنی مرضی سے گیا تھا سیدنا علیؑ نے اس کو نہیں بھیجا تھا، کیونکہ اتنے بڑے معاہدے کا احترام اگر سیدنا علیؑ جیسا انسان نہ کرتا تو اور کون کرتا؟ آپ کی ذات ان تمام نقائص سے بالاتر تھی جو آپ کے دوست و دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ باقی معصوم سوائے انبیاء علیہم السلام کی ذات کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ آپ سے کچھ سیاسی فروگزاشتیں اور اجتہادی خطائیں بھی ہوئیں، لیکن کسی کو یہ حتیٰ حاصل نہیں کہ وہ ان کی یا دوسرے صحابہ پر ان کی اجتہادی غلطیوں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرے۔

مصر پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وساطت سے ہتھیار کیا تھا وہ جنگِ صفین کے بعد کا واقعہ ہے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۵)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مصر کی گورنری کا لالچ دے کر سیدنا معاویہؓ نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا، یہ دشمنانِ صحابہ کی طرف سے آپ کے اخلاقِ فاضلہ پر ایک ناجائز حملہ ہے، صحابہ ایسے رذائل اور طبعِ ولالچ سے یک قلم بری تھے، رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ کی سندِ رذائل میں منہمک ہونے والوں کو نہیں ملتی۔




---

۱۔ ابنِ جریر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے کہ فتحِ مصر ۳۱ھ میں ہوئی اور اَزْدُوح کا فرسِ شعبان ۳۸ھ میں ہوئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۶۷، البدایہ و النہایہ جلد ۳ ص ۳۱) واقدی کا یہ قول صحیح نہیں ہے اس لیے کہ محمد بن ابی بکر اور مالک الاشرع فیصلہ تحکیم کے وقت زندہ تھے لیکن واقدی کے بیان کے مطابق ان کو مارا ہوا ہونا چاہیے تھا۔

# فیصلہ تحکیم کے بعد

## خوارج کی سرکشی

اُدھر مصر کی فتح کے بعد سیدنا معاویہؓ کے زیرِ تسلط شام کے ساتھ مصر کا علاقہ بھی آگیا جس سے ان کی سلطنت میں وسعت پیدا ہو گئی، اُدھر فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا علیؓ کی ممدو معاون سبائی پارٹی کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا کیونکہ سیدنا علیؓ نے معاہدہ تحکیم پر دستخط کر کے اپنے کو شورشی کے سپرد کر دیا تھا، اس وجہ سے ان کی فوج میں خلفائے اوراقِ فراق پیدا ہو گیا اور آپ کی فوج کے دو آدمیوں خرقوں بن زہیر سعدی اور زہرِ عربین برجِ الطائی کی قیادت میں بہت سے لوگ صرف اس بنا پر آپ کے لشکر سے الگ ہو گئے کہ آپ نے خدا کے علاوہ انسان کو اپنا حاکم بنایا ہے۔ راخبار الطوال ص ۲۰۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۶۹) اس معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ وہ گروہ جنگ کیلئے میدان میں اُتر آیا، آپ نے ہر طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کی اور اللہ کا خوف دلا کر دعوتِ اتحاد و اتفاق دی، نیز اپنے پیچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو بھی ان کو سمجھانے کے لیے بھیجا لیکن یہ سب باتیں بے سود ثابت ہوئیں آخر آپ کو بھی چار و ناچار میدان میں اُترنا پڑا، دونوں طرف سے لڑائی ہوئی، خارجی اس بھادری سے لڑے کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے تھے لیکن پھر بھی وہ لڑتے تھے، چنانچہ خارجی فوج کے سپاہی شریک بن ابی اوفی کا پاؤں کٹ گیا اور وہ پاؤں کٹنے کے باوجود بھی لڑتا رہا۔ راخبار الطوال ص ۱۷۱، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۱) آخر ایک خوزیرِ جنگ کے بعد خارجیوں کو شکست فاش ہوئی۔

اس لڑائی سے بھی آپ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اب کسی صورت بھی کسی جنگ میں شمولیت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے کنازہ بن بشر، محمد بن ابی بکر، مالک الاشتر اور دوسرے کئی سردارِ صفین اور مصر کے معرکوں میں کام آچکے تھے، تیسرے آپ کی فوج کی اکثریت جو کہ سبائیوں پر مشتمل تھی اور فیصلہ تحکیم کے بعد اگرچہ آپ کی فوج سے خارجیوں کی طرح الگ نہیں ہوئی مگر قلبی طور پر وہ اب آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہیں تھے، چنانچہ اب ہر مقام اور ہر موڑ پر انہوں نے

امیر المؤمنین سیدنا علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ آپ کی فوج کے ایک بہت بڑے سردار اشعث بن قیس کندی نے غاریہوں سے جنگ کے فوراً بعد امیر المؤمنین سے یہ کہنا شروع کر دیا:-  
 ”ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی اتیاں خراب ہو گئی ہیں لہذا آپ ہمیں اب گھر جانے کی اجازت دیجئے“  
 رابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۷، اخبار الطوال ص ۲۱۱

یہ سب غدر رنگ تھے، اصل بات یہ تھی کہ وہ آپؐ سے تعاون کرنے میں اب گریز کر رہے تھے، آپ ان لوگوں کی اندرونی کیفیت سے بخوبی آشنا تھے لیکن آپ ان کے ہاتھوں مجبور تھے کہ بھی کیا سکتے تھے، ایک روز جب ان لوگوں نے بہت پریشان کیا تو آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:-  
 ”بخدا سو گند! مجھے مینظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھائے پھر فرمایا اخلوا زناؤں جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں میں ان سے طول ہوں، خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھ میں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں“ (جلال العیون باب ۲۷ فصل ۲ ص ۲۲۹)  
 پھر لکھا ہے کہ:-

”اور میں ان سے تنگدل ہوا ہوں اور یہ مجھ سے تنگدل ہوئے ہیں، میں ان کا دشمن ہوں اور یہ میرے دشمن ہیں“ (جلال العیون از ملایا قرطبی باب ۳ فصل ۳ ص ۲۳۶)  
 ایک اور موقع پر آپ اپنی فوج اور اپنے شیعوں کی بزدلی کی شکایت انی انفاذ میں کرتے ہیں:-  
 ”اگر گرم موسم میں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو بڑی گرمی ہے ہم کو جہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے، جب تم گرمی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے زیادہ بھاگ گئے، اے لوگو! جو بڑوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور

۱۔ تاریخ روضۃ الصفاد کے مؤلف لکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کی یہ دعا آخر قبول ہو کر رہی اور اسی رات حجاج بن یوسف پیدا ہوا۔ ۲۔ وازو کو فیال رسید! پانچ رسید“ (روضۃ الصفاد ص ۵۲۲) اور حجاج بن یوسف کے ہاتھوں کوئیوں پر جو ظلم و ستم گزرے ہیں تاریخ سے آشنا حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ (م، د، ط)

تم کو پہچانتا، میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو تم نے غصہ سے بھر دیا ہے  
اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے اور میری دائے کو تم نے ضائع کر دیا۔“

(حلیۃ المتقین باب ۱۲ فصل ۳۶۲ مکتوٰۃ)

ابو حنیفہ الدینوریؒ اور ابن الاثیرؒ نے بھی کچھ اسی طرح کے الفاظ نقل کیے ہیں۔  
راہن الاثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۲  
قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں:-

”و حاصل کلام آنکہ آنحضرت مادر آں ایام نام خلافت پیش نہ بودہ ہموار و فتد  
تکلیف و تقاعد انصار و تحاذل اعمان شکایت می نمودند (مجالس المؤمنین مجلس اول ص ۲۲ ایران)  
ان دنوں سیدنا علیؑ کی خلافت برائے نام ہی تھی بعینہ اپنی کمزوری اور اپنے ایمان و  
انصار کی دول بہتی اور دوستوں کی پہلو تہی کی شکایت فرماتے رہتے تھے۔“  
پھر لکھا ہے کہ جب قاضیوں نے آپ سے پوچھا کہ فتویٰ اور فیصلے کس طرح کیا کریں؟  
تو آپ نے مایوسانہ طور پر فرمایا:-

”اَقْضُوا بِمَا لَكُمْ قُضِيَ حَتَّى يَكُونَ النَّاسُ جَمَاعَةً أَوْ أُمُوتَ كَمَا مَاتَ

أَصْحَابِي - (مجالس المؤمنین مجلس اول ص ۲۲)

جس طرح فیصلے دیئے جاتے ہو دیتے جاؤ یہاں تک کہ لوگ میری خلافت پر اتفاق  
کریں یا میں بھی مرجاؤں اسی طرح جس طرح میرے اصحاب مر گئے۔“  
ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:-

”لوگ تو اپنے حاکموں سے ڈرتے ہیں لیکن میں اپنی رعیت (شکر) کے ظلم سے  
ڈرتا ہوں۔“ (نہج البلاغہ ص ۳۵۲)

نہج البلاغہ ہی میں جس کو سیدنا علیؑ کے خطبات کی کتاب بتایا جاتا ہے، لکھا ہے:-  
”فَنَظَرْتُ فَإِذَا أَيْسَرُ لِي مُعِينٌ إِلَّا أَهْلُ بَيْتِي فَضَنْتُ بِهِمْ  
عَنِ الْمَوْتِ (نہج البلاغہ ص ۴۷)

پس میں نے دیکھا کہ میرا کوئی مددگار اور معین نہیں ہے سوائے میرے گھر والوں کے

سوئیں نے انہیں موت سے بچالیا“

پھر آپ انہیں شکریوں کو بدعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-  
 ”قَاتِلُوا اللَّهَ لَعَدَّ مَلَأَ قُلُوبِي قِيَامًا وَسَخَنُ صَدْرِي غِيظًا“ (فتح البلاء)  
 اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے  
 سینہ کو غصہ سے“

عبد الملک بن عمیر، عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں  
 نے سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا۔

”مَا لَيْتِي أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ مَا لَقِيتُ تَحَرُّبًا“ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۱۲۶)  
 لوگوں میں سے کسی کو بھی وہ مصیبت پیش نہ آئی جو مجھے (تم لوگوں سے) آئی،  
 یہ فرما کر آپ رونے لگے“

ایک روز بڑے پزیرہ خاطر تھے اور اپنے ان شکریوں اور شیعوں کا جنہوں پہلے تو  
 آپ کو جنگِ جمل اور صفین میں اپنوں سے لڑایا لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی سازشوں  
 کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، لڑکھرتے ہوئے فرمایا:-

”وَقَدْ عَزَمْتُ قُرَيْشًا أَنْ يَنْزِلُوا فِي طَالِبٍ شُجَاعٌ وَلَكِنْ لَا عِلْمَ لَهُ  
 بِالْحُرُوبِ، تَرَبَّتْ أَيْدِيهِمْ وَهَلْ فِيهِمْ أَشَدُّ مَرَأَسًا لَهَا مَتْنِي  
 لَعَدَّ نَهَضْتُ فِيهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِينَ وَهَذَا أَتَا أَقْدَارُ بَيْتٍ  
 عَلَى يَنْفٍ وَسَيْتَيْنِ وَلَكِنْ لَا رَأْيَ لِمَنْ لَا يُطَاعَ“

مروج الذهب جلد ۲، حلیۃ التقین باب فصل ۱۲ ص ۳۶۲، اخبار الطوال، کتاب اللغات جلد ۵ ص ۲۳

قریش سمجھتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی فنون سے نا آشنا ہے  
 خاک آلود ہوں ان کے ہاتھ کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟ تین جنگوں  
 میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر ابھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور اب میں  
 زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ کرے  
 اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے“

بات دراصل یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کے لشکر کی خلوص نیت کے ساتھ آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے لیکن سیدنا علیؓ کے ساتھی اور رفیعہ ایک خاص سازش کے ماتحت صرف قتال بالمسلمین کے لیے آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے لہذا وہ آپؐ کے ہر مکتوب اور آپؐ کے ہر خط کو انہی نگاہوں سے دیکھتے، اسی انداز سے وہ آپؐ کی سیاست پر چھلے ہوئے تھے، حالات بتا کر جو چاہتے آپؐ سے کروا لیتے، کبھی سیدنا قیس بن سعدؓ جیسے نیک طینت اور تجربہ کار گورنر کو ہوا کر اس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ جیسے نا تجربہ کار نو جوان کو گورنر لگا دیتے، چاہتے تو زبیرؓ و طلحہؓ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ جیسی بزرگ ہستیوں سے سیدنا علیؓ جیسے بزرگ انسان کو "وادیتے۔ اسی لیے تو مشہور شیعہ محقق ملا عبد الرزاق لاہجی کو کہنا پڑا کہ:-

”خلافتے او بعد از ثلاثہ خلافتے نہ بود کہ در آن خلافت عمل یہ مقتضائے علم او خواہد کرد“ (گوہر مراد ص ۱۲۵)

اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد ان کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔

اگر سیدنا علیؓ کو کہیں سے کوئی خط آتا تو اس بات کی گواہی میں رہتے کہ آپؐ اس کا کیا جواب دیتے ہیں، کیا کوئی ایسا جواب تو نہیں دیتے جو ہماری مرضی کے خلاف ہو، اگر جواب کا پتہ نہ چلتا تو اسٹیک سے کوئی اچھا سا جواب سوچ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیتے۔ چنانچہ الحنفی جیسے شیعہ مزاج مؤرخ کو اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑا کہ:-

”سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو قاصد کے آنے جانے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا، شام کا کوئی شخص اس بارہ میں کچھ دریافت نہ کرتا، لیکن جب سیدنا علیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ سیدنا ابن عباسؓ (جو حضرت علیؓ کے معتمد تھے) کے پاس جاتے اور دریافت کرتے کہ امیر المومنین علیؓ نے آپؐ کی طرف کیا لکھا ہے، اگر آپؐ اس سے خط کے مضمون کو چھپاتے تو پھر خود ہی اسٹیک پیچھوڑا یا کرتے کہ ہماری رائے میں



امیر المؤمنین نے فلاں فلاں بات لکھی ہوگی، اس پر سیدنا ابن عباسؓ ان سے فرمایا کرتے تھیں کبھی عقل بھی آئے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاویہؓ کا قاصداً یہ ہے تو کوئی خبر نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیا لے گیا، نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی شور و غوغا سنا دیتا ہے، مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اٹکل بچھو مارا کرتے ہو۔“ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۶۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص ۱۷۱، اخبار الطوال ص ۱۹۷، ایام العرب فی الاسلام ص ۳۷۵)

ان کی یہ باتیں جب حضرت علیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ ان کو ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر ابن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ بسر بن ارطاة اب یمن پہنچ گئے ہیں، واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور تم پر صرف اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے امام کے تابع ہوں اور فرمانبردار ہیں، تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ امین ہیں، تم زمین میں فساد پکارتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں۔“

”میں نے فلاں کو گور بنا کر بھیجا اُس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا، فلاں کو بھیجا اُس نے بھی خیانت کی اور عذر کر کے مال و دولت معاویہؓ کو بھیج دیا، میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پہلے پرامین بناؤں تو وہ اسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔“

پھر بڑے دلگیر انداز میں اپنے حواریوں اور شیعوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:-  
 ”اللّٰهُمَّ سَتِّمْهُمْ وَتَسْتَمُوْنِیْ وَکْرِهْهُمْ وَکْرِهْهُوَْنِیْ اَللّٰهُمَّ فَارِجْهُمْ مِنْ حَتِّیْ وَارْحَمْهُمْ۔“ (البیہ و النہایہ جلد ۲ ص ۲۲۵، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۷۱)

اے اللہ! ان سے تنگ ہوں اور یہ مجھ سے تنگ ہیں اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے بچا۔“

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں اور شیعوں کی انہی غداریوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی

آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو پکٹتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے :-

”وَاللّٰهُ اِنَّ مَعَاوِيَةَ صَارَ فِتْنِيْ بِكُمْ صَرَفَ الدِّينَارِ بِالدِّهْمِ فَآخَذَ مِنِّيْ عَشْرًا مِّنْكُمْ وَاَعْطَانِيْ رَجُلًا مِّنْهُمْ۔ (نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۵۴)

بخدا میری آرزو ہے کہ کاش معاویہ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار راشرافیاں (درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیے جاتے ہیں مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دے دیں۔“

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”وَصَحَّاحٌ عَلِيًّا عَاجِزًا عَنْ قَهْرِ الظُّلْمَةِ مِنَ الْعُسْكَرِيِّنَ وَلَمْ يَكُنْ اَعْوَاكُهُ يُوَافِقُوْنَهُ عَلٰى مَا يَأْمُرُ بِهِ وَاَعْوَاوُ مَعَاوِيَةَ يُوَافِقُوْنَهُ۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۲)

سیدنا علیؑ اپنے ظالم سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز و مجبور تھے اور ان کے ساتھی ان کے حکموں کو نہیں مانتے تھے اور اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھی آپ کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔“

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر سیدنا علیؑ نے نہایت حسرت و یاس کے انداز میں فرمایا کہ :-

”وَاَعَجِبًا اَعْطٰى وَبَطَاغٌ مَّعَاوِيَةَ۔“

(تاریخ الاسلام ذہبیؒ ج ۲ ص ۱۶۹)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ساتھی میری نافرمانی کرتے ہیں اور معاویہؓ کے ساتھی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں۔“

یہ تھا ان لوگوں کا کیر کیڑا جو اپنے کو کُجبان علی کہتے تھے اور سیدنا عثمانؓ کو شہید کر کے آپ کے معاون و مددگار بنے ہوئے تھے ۔



## سبائیوں کی مختلف علاقوں میں شورش پسندی

فیصلہ حکیم کے بعد جہاں انہوں نے سیدنا علیؑ کے ساتھ غداری کی اور ان کے احکام کی نافرمانی اور بے حرمتی کرنا شروع کی وہاں ان کے مقبوضہ علاقوں میں بھی عوام کو تاخت و تاراج کر کے ان کے مالوں کو لوٹنا کرنا شروع کر دیا۔ ان علاقوں کے لوگ جب دیکھتے کہ شام کے لوگ نہایت امن و امان سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور مہر کی شورش کے بعد اب وہاں بھی سیدنا معاویہؓ کے گورنر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی وجہ سے لوگوں کی زندگی بڑے اچھے طریقے سے گزر رہی ہے اور ان کو اب کسی فتنہ و فساد کا خوف نہیں تو وہ بھی خفیہ طریقے سے سیدنا معاویہؓ سے خط و کتابت شروع کر دیتے اور ان سے درخواست کرتے کہ خدا ہمارے علاقے بھی اپنے زیر تصرف لے کر ہمیں ان سبائیوں کی آئے روز کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مصون فرمائیے، ادھر سیدنا علیؑ بھی ان سے تنگ آئے ہوئے تھے اور خلافت کی اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا چاہتے تھے۔

## سیدنا معاویہؓ کا بعض علاقوں پر قبضہ

شروع شروع میں تو سیدنا معاویہؓ نے ان لوگوں کی عرضداشتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا لیکن جب اصرار زیادہ ہوا تو آپؓ نے فیصلہ حکیم سے اگلے برس یعنی ۳۹ھ میں نعمان بن بشیرؓ، سفیان بن عوفؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ضحاک بن قیسؓ وغیرہ کو تھوڑی فوج کے ساتھ ان علاقوں کے عوام کی جنہوں نے آپؓ کی خدمت میں عرضداشتیں بھیجی تھیں تحقیق حال کے لیے بھیجا چنانچہ جس جس علاقے میں یہ لوگ گئے وہاں کے عوام کو پہلے ہی سے منتظر پایا، ان بزرگوں کا پہنچنا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے علوی گورنروں کو اپنے اپنے علاقوں سے نکال دیا، سیدنا علیؑ نے بھی اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا جس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ایک سال کی قلیل مدت میں عین التمر، انبار، مدائن و تیما اور عجم کے دوسرے علاقے سیدنا علیؑ کے قبضہ سے نکل کر سیدنا معاویہؓ کے قبضہ میں آ گئے۔

سنہ ۳۴ھ میں آپ نے بسربین اوطاع کو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ حجاز و یمن کی طرف بھیجا، آپ سیدھے مدینہ طیبہ پہنچے، وہاں سیدنا ابوالیوب انصاریؓ میزبانِ رسول سیدنا علیؑ کی طرف سے گورز تھے، آپ بُسر کے مدینہ پہنچے پر مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر کوفہ تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ سیدنا معاویہؓ کے زیرِ تصرف آ گیا، پھر بُسر مکہ گئے وہاں کے لوگوں نے بھی بخوشی سیدنا معاویہؓ کے مقبوضات میں آنا قبول کر لیا۔ پھر آپ یمن گئے وہاں کے گورز سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کو خبر ہوئی تو وہ عبید اللہ بن عبد اللہ ان کو اپنا قائم مقام بنا کر خود کوفہ چلے گئے وہاں کے لوگ بھی چشمِ براہ تھے انہوں نے بھی فوراً اطاعت قبول کر لی غرض کہ ایک سال کی قلیل مدت میں علوی مقبوضات کا کافی علاقہ سیدنا معاویہؓ کے زیرِ تصرف آ گیا۔

لے فیصلہ حکیم کے بعد جو علاقہ سیدنا معاویہؓ کے قبضہ میں آئے ان کے متعلق المسعودی، الخضری، ابن جریر طبری اور ابن الاثیر وغیرہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں بڑی بے سرو پا باتیں لکھ دی ہیں لیکن مکران و ایلات کی متبع کی جلتے تو وہ سب روایات مبانیوں کی وضع کی ہوئی ثابت ہوتی ہیں، نقل طور پر انہیں صحیح کہا جاسکتا ہے مادہ حقی طور پر انہیں صحیح کہا جاسکتا ہے پھر بُسرین اوطاع کے ظلم و ستم کی بھی فرضی داستانیں وضع کی گئی ہیں اور کھجے کہ انہوں نے یمن میں عبید اللہ بن عباسؓ کے دو حصوں بچوں کو موت گھاٹ اتار دیا تھا، محققین کے نزدیک ان داستانوں کا کوئی مقام نہیں چنانچہ مصر کے مشہور مؤرخ اور محقق اور جامعہ اہل کربلا کی پی۔ ایچ۔ ڈی (درجہ تخصص) کے استاذ شیخ عبد الوہاب النجار فرماتے ہیں :-

”قال الحافظ ابن کثیر فی البدایہ والنہایۃ ویقال ان بُسرَ قتل حلقاً من شیعۃ علی فی میسرد  
ہذا والخبر مشہور عند اصحاب المغازی والسیرو فی صحیحہ عندی نظی۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹۳ تعلیقہ)  
حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بُسر نے شیعہ علیؑ کی ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا مادہ بات مؤرخین کے نزدیک بہت مشہور بھی ہے لیکن ان واقعات اور دلائل کی صحت میرے نزدیک درست نہیں۔“  
یہ فرضی داستانیں جن سے ان مؤرخوں نے تاریخ کے اوراق کو سیاہ کیا ہے اور شاید اپنے نامہ اعمال کو بھی داغدار بنا دیا ہے، اگر تاریخ کے اوراق سے نکال دی جائیں اور صحیح روایات پر تاریخ کو مدون کیا جائے تو ہمارے  
بہت سے اختلافات دور ہو سکتے ہیں۔ (م، و، ظ)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؑ اپنے اعمان و انصار سے تنگ آ چکے تھے لہذا آپ پر یہ عقدہ کھل چکا تھا کہ جبل و صفین کا قتل و خونِ محض انہیں لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جنہوں نے میری بیعت کی تھی، پھر ان کی غداریاں بھی آپ کے سامنے تھیں کہ جب تک انہوں نے اپنی سازش کو کامیاب ہوتے دیکھا میرا ساتھ دیا اور اب جبکہ میں ان کی حقیقت سے آشنا ہو چکا ہوں اور ان کو اپنا مطلب حل ہونا نظر نہیں آتا انہوں نے میرا حکم بھی ماننا چھوڑ دیا ہے اور میری ہر بات کا خلاف بھی کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مل کر اوشیوں کی وفاداری اور اطاعت کیشی ان کے لیے باعثِ رشک اور باعثِ حسرت تھی۔ (منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۵۲) لہذا ان مسلسل خانہ جنگیوں سے گھبرا کر شکم میں سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی۔ اس صلح کی رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ سیدنا علیؑ کے پاس رہا، مصر اور مغرب کا پورا علاقہ سیدنا معاویہؓ کے حصہ میں آیا اور شرط یہ قرار پائی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ میں دست اندازی نہیں کرے گا۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹۳، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۲۲)

## سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا

### بصرہ کی گورنری سے استعفاء

شک ۴۴ میں ابو الاسود دؤلی نے سیدنا علیؑ کے پاس سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے بیت المال سے کچھ روپیہ خود برد کیا ہے۔ سیدنا علیؑ نے اس بارہ میں گورنر بصرہ سیدنا ابن عباسؓ کو لکھا، آپ نے جواب دیا:-

”میرے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غلط ہے اور جو کچھ میرے پاس بیت المال کا روپیہ وغیرہ ہے میں اُس کی بہت اچھے طریقے سے حفاظت کر رہا ہوں، ان جھوٹی باتوں پر ہرگز کان نہ دھرے گا۔“

سیدنا علیؑ نے اس خط پر یقین کرنے کی بجائے اپنے جوابی خط میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے تفصیل طلب فرمائی اور لکھا:-

”فَاعْلَمْتَنِي مَا اخَذْتَ مِنَ الْجَزِيَةِ وَمِنْ اَيْنَ اخَذْتَ  
وَفِيْمَا وَضَعْتَ - (ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۴)

مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیرہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں سے یہ ہے  
اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے؟

سیدنا علیؑ کے اس خط سے سیدنا عبد اللہ ابن عباسؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ  
نے سیدنا علیؑ کو لکھا،

”فَاِلْعَثُ اِلَى عَمَلِكَ مَبْرُ اجَبْتُ فَاِنِّي طَاعِعٌ عَنْهُ -  
(ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۴)

اپنے جس گور کو آپ چاہیں یہاں بھیج دیجئے کیونکہ میں اس کو چھوڑنے  
والا ہوں۔“

یہ خط لکھ کر سیدنا ابن عباسؓ بصرہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔

(ابن الاثير جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲) اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ  
سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے ترجمان القرآن، فقیہ الامت اور بہترین  
خیر خواہ سے محروم ہو گئے۔



# تاریخ کانیا دھارا

## شہادت امیر المؤمنینؑ

جنگ نہروان میں غاریوں نے اگرچہ بڑی شجاعت اور پامردی سے سیدنا علیؑ کی فوج کا مقابلہ کیا اور باوجود اس کے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر انگ ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ لڑتے رہتے اور میدان نہ چھوڑتے۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۷۱، اخبار الطوال ص ۲۱)

آپ کی فوج بھی مقابلہ پر ڈٹی رہی اور کشتوں کے پستے لگا دیئے، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو شکست فاش ہوئی اور ان کے کافی سے زیادہ آدمی مارے گئے۔

خوارج کو ایک تو اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا تھا دوسرے اپنی دانت میں وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ ان تینوں نے ملتِ اسلامیہ کے امن کو پارہ پارہ کر دیا ہے، اور ملتِ مسلمہ کی خیر خواہی کی خاطر اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ ان تینوں اشخاص کے بوجھ سے زمین کو ہلکا کر دیا جائے، علاوہ ازیں وہ نہ تو سیدنا علیؑ کو حکومت کا اہل سمجھتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کو۔ چنانچہ خوارج کی مجلس میں اتفاق رائے سے یہ پاس ہوا کہ ان تینوں آدمیوں کو شہید کر دیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ اس ”نیک“ کام کو رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں نماز کی حالت میں انجام دیا جائے، چنانچہ خوارج میں سے تین آدمیوں نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ عبدالرحمن بن ملجم نے سیدنا علیؑ کو، برک بن عبداللہ نے جس کا اصلی نام حجاج بن عبداللہ تھا سیدنا امیر معاویہؓ کو اور

---

لے طبری اور سعدی وغیرہم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمن ابن ملجم کا ایک عود تک معاشقہ تھا اس کا بھائی اور باپ جنگ نہروان میں سیدنا علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اس لیے اس کے دل میں سیدنا علیؑ کے خلاف سخت عناد تھا ابن ملجم نے اس عودت (باقی حاشیہ ص ۳۸۸ پر)

عمر بن بکر نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا، ابن ملجم نے اپنے ساتھ ایک اور شخص شبیب بن بجرہ شعبی کو بھی شریک کر لیا۔

فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں کو ایک ہی روز فجر کی نماز کے وقت شہید کیا جائے تاکہ سازش کا انکشاف نہ ہو۔ اس پروگرام کے تحت تینوں اپنی اپنی مہم کو چل دیئے، ۷ ارمضان ۳۷ھ کو فجر کی نماز میں تینوں پر زہر آلود خجروں سے حملہ کیا گیا۔ اتفاق سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی طبیعت ناساز تھی اس لئے اس روز انہوں نے اپنی جگہ فارح بن مذہفہ کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا، چنانچہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے بجائے عمرو بن بکر فارحی نے اندھیرے میں فارحہ بن مذہفہ پر وار کر دیا اور وہ شہید ہو گئے، سیدنا معاویہؓ پر اوجھا وار پڑا اس وجہ سے زخم خفیف آیا، طبیب خاص کو بلوا کر زخم دکھایا گیا، اس نے کہا کہ خنجر زہر آلود ہے اس لئے زخم کو داغنے سے فائدہ ہوگا اور اگر داغ نہ جائے گا تو پھر ایسی دوا استعمال کرنا ہوگی جس سے تناسل کی قوت بالکل ختم ہو جائے گی۔ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ میں داغنے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا دوا ہی استعمال کروں گا، اب مجھے لڑکوں کی ضرورت نہیں، عبداللہ اور یزید بھی کافی ہیں، چنانچہ انہوں نے چند روز دوا پی اور شفا یاب ہو گئے۔

عبدالرحمن بن ملجم اور شبیب بن بجرہ شعبی دونوں سیدنا علیؓ کی راہ گزر چھپ گئے جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لیے مسجد کی طرف تشریف لائے، ابن ملجم نے اور ایک روایت کے مطابق دونوں نے آپ پر حملہ کر دیا، زہر آلود خنجر آپ کی پیشانی پر لگا اور ایک کاری زخم ہو گیا۔ (دہسٹری آف دی عربز، طبری جلد ۸، مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۷) مسجد قریب تھی آپ نے آواز دی، لوگ دوڑتے ہوئے آئے، شبیب تو بھاگ گیا لیکن عبدالرحمن بن ملجم پڑا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)۔ سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے تین ہزار سو بیہ، ایک غلام، ایک گائے والی لونڈی اور

سیدنا علیؓ کو اس حق میں ممانعت نہ کی۔ (طبری جلد ۶ ص ۴۷، مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۷، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹۵)

(حاشیہ صفحہ ۳۸۴) ابن کثیرؒ نے ایک تیسرے شخص ”دردان“ کا نام بھی لکھا ہے کہ وہ بھی ابن ملجم اور شبیب کے ساتھ

قتل علیؓ میں شریک تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۶)



گیا آپ کو مسجد میں لایا گیا، امامت کے فرائض آپ کے بھانجے جعفر بن ہبیر نے ادا کیے اور آپ نے اس کی اقتداء میں نماز فجر ادا کی، نماز کے بعد ابن طلحہ کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اس سے چند سوال کئے، پھر فرمایا کہ اس کو آرام سے کہیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دی جائے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹۶، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۳۲۶، ۳۲۷) اس کے بعد آپ نے لوگوں کو وصیت کی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ انتقال کر جاؤں تو اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق اسے قصاص میں قتل کر دینا لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس کے معاملہ پر خود غور کروں گا، اس کے بعد سیدنا حسنؑ سے فرمایا کہ:-

”قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ہی ضرب لگنا کیونکہ اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے اور اس کا منسلک زناک، کان اور منہ وغیرہ کاٹنا، نہ کرنا کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔“  
(طبری جلد ۲ ص ۹۲، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹۶، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۳)

## نصیحتیں

زخم کاری لگاتھا پھر خنجر بھی زہر آلود تھا لہذا معالجہ کے باوجود زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا، جندب بن عبد اللہ اور دوسرے کئی ایک حضرات نے پوچھا کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر فرما جائیے، بعض حضرات نے تو سیدنا حسنؑ کا نام لے کر کہا کہ آپ کے بعد کیا ہم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ابن جریر طبریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے جو ابا اور اشراف فرمایا کہ:-

”وَمَا أُمْرُكُمْ وَلَا إِلَهُكُمْ أَنْتُمْ أَبْصُرْ۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹۶)،  
طبری جلد ۲ ص ۸۵، مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۲۱  
نہ میں تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں تم اس بارہ میں زیادہ سمجھتے ہو۔“

لیکن محققین نے لکھا ہے کہ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:-  
 ”لَا وَلَیْکُنْ اَنْتُمْ کُمْ کَمَا تَرْکُکُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ یُرِدِ اللّٰهُ بِکُمْ  
 خَیْرًا یَّجْمَعْکُمْ عَلٰی خَیْرِکُمْ کَمَا جَمَعْکُمْ عَلٰی خَیْرِکُمْ لَعَدَّ رَسُوْلُ  
 اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، جلد ۳ ص ۳۲۳)  
 السنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۴۱، مروج الذهب جلد ۲ ص ۴۳

نہیں! بلکہ میں تمہیں اُس طرح چھوڑے جا رہا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں چھوڑ گئے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری بھلائی منظور ہوگی تو تمہیں ایک بہترین آدمی پر جمع کر دے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہیں ایک بہترین آدمی (سیدنا ابوبکر صدیقؓ) پر جمع کر دیا تھا؛  
 اپنی بصیرت اور لوگوں کے اطوار سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ میرے بعد سیدنا حسنؓ کو خلیفہ بنایا جائے گا، اس وجہ سے آپ نے خلوت میں ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں کیونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ میری وفات کے بعد تاریخ ایک نیا موڑ مڑنے والی ہے، سیدنا معاویہؓ کی انتظامی، فکری، نظری اور عملی صلاحیتیں بھی آپ کے پیش نظر تھیں، عالم اسلامی میں حضرت معاویہؓ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو بھی آپ بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، اپنے شیعوں اور ساتھیوں کی بے وفائی اور غداري اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں کا اخلاص اور ان کی اطاعت کیشی بھی آپ کے سامنے تھی، اسی وجہ سے آپ نے سیدنا حسنؓ کو چند ضروری وصیتیں فرمائیں، آپ نے فرمایا:-

(۱) بیٹا! میرے بعد امت کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے اُمت میں تشدد و انتشار پیدا ہو کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: دَاعَتْصَمُوْا یَعْبُدِ اللّٰہَ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا- یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور پس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۷، طبری جلد ۶ ص ۸۵)

(۲) پھر فرمایا بیٹا! میری وفات کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا اور ان کے خلیفہ المسلمین ہونے سے کہ امت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا تو پھر امت

میں ایسا اختلاف و انتشار واقع ہو گا جس کے تلخ ترین نتائج تمہیں بھی بھگتنے پڑیں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۶، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳)

بعض تواریخ میں ہے کہ یہ نصیحت عام مسلمانوں کو فرمائی۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مصنفین سے واپس لوٹ کر حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرماتے ہوئے کہا۔

”أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَكْرَهُوا أَمَانَةَ مُعَاوِيَةَ فَإِنَّكُمْ لَوْ فَقَدْتُمُوكُمْ لَأَيُّكُمْ الزُّمُومَ تَتَلَدَّرُونَ كَوَاهِلَهُمَا كَأَنَّهَا الْخِظْلُ“۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۲، تاریخ الاسلام للذہبی ج ۲ ص ۲۶۷، ص ۳۲۲)

اے لوگو! معاویہؓ کی امارت سے کراہت نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ شانوں پر سے سرخظل کی طرح کٹ کٹ کر گرے گی۔ اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں۔

زہر لحمہ بلحمہ اپنے زہریلے اثرات دکھا رہا تھا، ۷ رمضان المبارک ۳۸ھ کو آپؐ پر حملہ ہوا تھا اور تین روز کی موت و حیات کی کشمکش کے بعد ۲۰ رمضان المبارک ۳۸ھ کو آپؐ کی رات کو آپ اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کی طرف انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

انتقال کے وقت آپؐ کی عمر ۵۸ سال تھی اور مدت خلافت ۲۷ سال ۹ ماہ۔ سیدنا حسنینؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا محمد بن الحنفیہؓ، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ حضرات نے غسل دیا، سیدنا حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور چار کعبیریں پڑھیں، پھر آپؐ کو دارالامارت میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس سانحہ عظیمہ کی خبر پورے عرب اور دوسرے اسلامی شہروں میں اُٹا ناٹا پھیل گئی اور ہر آدمی کا دل خون کے آنسو رونے لگا، آپؐ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی کہ جس کو

---

۱۔ طبری ابن الاثیر اور ابن کثیر وغیرہ نے ۹ ہجرات نقل کی ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۹)

لیکن ابن کثیر نے ایک اور روایت میں چار کعبیریں نقل کی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱)

فراموش کر دیا جاتا، ہر موافق و مخالف کو اللہ کے اس ولی کی شہادت کا اس قدر افسوس ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

آپ کے سیاسی فکر سے خواہ کتنا ہی کسی کو اختلاف کیوں نہ ہو لیکن آپ کا تقویٰ، آپ کا فضل و کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت ہر ایک کے نزدیک مسلم تھی، عام نگاہوں میں بظاہر آپ کے سب سے زیادہ مخالف سید نامعاویہؓ ہی تھے لیکن جب ان کو آپ کی شہادت کی جانکاہ خبر پہنچی تو آپ اس وقت اپنی اہلیہ سیدہ فاختہ بنت قریظہ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے، خبر سنتے ہی آپ فوراً اٹھ بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اس کے بعد رونا شروع کر دیا۔ آپ کی اہلیہ سیدہ فاختہ نے کہا کہ تو آپ ان کے مخالف تھے اور آج آنسو ہار رہے ہیں؟ فرمایا میں تو اسلئے روتا ہوں کہ ہم نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و حلم اور عمل و فضل میں فقید المثال تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۵۸) بعد میں بھی آپ اصرار کا ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدفی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا، اُس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؓ کی یاد آگئی، فرمایا ضرار! سیدنا علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو نمناک کریں، لیکن سید نامعاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا لہذا آپ نے اصرار فرمایا، آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو کہ شنیدنی ہے، اس نے کہا:-

”حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے، نبیؐ کی بات کہتے تھے، علانہ

فیصلہ کرتے تھے، ہر اہل علم بلکہ ہر سمت سے علم کا چشمہ بھوٹا ہوا تھا، حکمت کا دریا موجزن تھا، دنیا اور اس کی دل فریبیوں سے ایک گونہ متفر تھا، رات کھیر گئی اور وحشت سے انتہائی انس تھا، آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے، لباس کی سادگی دیدنی تھی، کھانا تکلفات سے کیسر خالی سادہ اور موٹا جھوٹا، ہم ہی کی طرح رہتے تھے کچھ امتیاز نہیں تھا

جب ہم کچھ بوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے باوجودیکہ وہ ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے قریب رہتے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب و داب اور آپ کی ہیبت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح ستولی تھی کہ ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے، مُتدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب میں تھی اور غربا کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور ناحق میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہو سکتا تھا، اکثر مواقع پر میں نے خود دیکھا ہے کہ کاروانِ شب رختِ سفر باندھنے کو ہے، چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے اپنی منزلِ مقصود کی جانب رنگتا ہوا جا رہا ہے، جھللاتے تارے چراغِ سحری کی طرح اپنے آخری سانسوں پر ہیں اور زاہدانِ شب زندہ دار دعائے نیم شبی کے لیے اپنے نرم و نازک بسترِ دل پر کھڑکیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر مار گزریہ اور عاشقِ خواب نادیدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دُنیا کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ اے دُنیا! اے قریب دینے والی دُنیا! یہ قریب کسی اور کو دے، اُو مجھ سے اپنی چاہت اور اُنسیت کا اظہار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق سے میری جانب لپک رہی ہے حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں اور تجھے بھیتشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے میں کبھی بھی تیری طرف آنے کا نہیں تیری عمر قلیل اور تیرا مقصد ذلیل لیکن راستہ اور سفر طویل اور زادراہ بالکل حقیر و قصیر ہے“

سیدنا معاذؓ کا یہ سننا تھا کہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں رواں ہیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ ہیں:-  
 ”اللہ تعالیٰ ایا حسن (سیدنا علیؓ کی کنیت تھی) پر رحم فرمائے، واللہ“

ایسے ہی تھے، وہ ایسے ہی تھے، (روسۃ النظرہ جلد ۲ ص ۲۱۲)

## نیا دھارا

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نے تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا کیونکہ آپ کی شخصیت ایک جامع الصفات شخصیت تھی، آپ کے بلند مقام کی وجہ سے اچھے اچھے لوگوں کو آپ سے عقیدت اور وابستگی تھی، آپ کے علم و فضل اور آپ کی جلالت و منزلت کے پایہ کا اس زمانہ میں کوئی اور نہ تھا، لیکن آپ کی شہادت کے بعد پس ماندگان میں سے اس مرتبت اور عظمت کا کوئی انسان نہیں تھا جو کوئی تھے اُن میں سے کچھ تو مقابل پارٹی میں تھے اور کچھ غیر جانب دار تھے لہذا ضروری تھا کہ خلافت کا مرکز اب بجائے کوفہ کے دمشق بنے اور لوگوں کی عقیدت کے رشتے اب سیدنا معاویہ سے وابستہ ہوں کیونکہ اب اسلام میں اس پایہ اور اس فکری، نظری اور عملی قوتوں کا شاید ہی کوئی بطل جلیل ہو اور اگر کسی میں یہ اوصاف تھے بھی تو اس کی تجرباتی اور انتظامی زندگی صفر کے برابر تھی، لیکن آپ کے بیس سالہ گوندی کے دور نے آپ کی انتظامی اور فکری صلاحیتوں کا برکتہ ہر موافق و مخالف کے دل پر بٹھا دیا تھا اور مستقبل کے ۲۰ سالہ دورِ خلافت نے اس کی پوری پوری تصدیق کر دی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔



# خلافت

## سیدنا حسنؑ اور سیدنا معاویہؓ

سیدنا علیؑ نے بستر مرگ پر لوگوں کے کہنے کے باوجود بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمایا تھا بلکہ اس عظیم کام کی ذمہ داری شوریٰ کے سپرد کر دی کہ میرے بعد امت کا اجماع جس کو خلیفہ مقرر کرے وہی خلیفہ ہو گا یہ چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد تمام وابستگان دامن مرقنوی نے

لے سیدنا علیؑ کے اس عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ شوریٰ والی خلافت بالکل صحیح ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ صحیح نہ ہوتی تو سیدنا علیؑ کبھی بھی سیدنا حسنؑ کی خلافت کا مسئلہ لوگوں کے انتخاب پر نہ بھجور دیتے، خود آپ کی زندگی بھی اس بات پر شاہد الق ہے سیدنا معاویہؓ نے جب آپ کی بیعت نہ کی تھی تو آپ نے ان کو ایک خط لکھا تھا جس میں اپنی خلافت صحیح ہونے کی دلیل ہی یہ دی تھی کہ میں ہاجرین و انصار کی طرف سے منتخب خلیفہ ہوں، خط کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

من کلام له عليه السلام الى معاوية انه يا يعنى القوم الذين باليعوا ابايكم  
وعمر وعثمان علي ما ياعوهم عليه ولهم يكن للشاهد ان يختاروا ولا لغائب  
ان يردد انما الشورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل و  
سموه ائما ما كان ذلك لله رضى فان خرج عن امرهم خارج بطعن  
او بدعة ردة الى ما خرج منه فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل  
للمؤمنين وكلاهما لله ما تولى ۛ (فتح البلاء جلد ۲ ص ۱۵۸ اخبار الطوال ص ۱۵۸)

سیدنا علیؑ کے ان خطوط میں سے جو انہوں نے معاویہؓ کو لکھے یہ بھی تھا کہ میری بیعت اس قوم نے انہیں شرائط پر کی ہے جن شرائط پر انہوں نے ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی اب کسی حاضر یا غائب کو کوئی اختیار نہیں کہ اس بیعت کو رد کرے اور شوریٰ صرف ہاجرین و انصار کا حق ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کریں اور اس کو امام بنالیں تو اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہو گا یہ پھر شخص اس متفق علیہ خلیفہ کی اطاعت (باقی ماشیہ الگ صفحہ پر)

متفقہ طور پر سیدنا حسنؑ کو مستند خلافت پر متمکن کر دیا لیکن آپؑ نے عہدہ خلافت کو قبول فرمانے سے پہلے یہ شرط لگا دی کہ مجھے ہر معاملہ میں کھلی اختیار ہوگا کہ جس سے چاہوں صلح کروں جس سے چاہوں جنگ کروں، آپؑ کی یہ شرط قبول کر لی گئی۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۳، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۷۱، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۳۶)

سب سے پہلے سیدنا قیس بن سعد انصاریؓ نے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر تمام اہل کوفہ نے آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ آپؑ رمضان المبارک ۳۰ھ کو باقاعدہ طور پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخ الامم والموک للطبری جلد ۶ ص ۹۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۷۱، ۱۶۱)

سیدنا حسنؑ کو پہلے ہی آپؑ کے والد ماجد سیدنا علیؑ پر وصیت فرما چکے تھے کہ میرے بعد

بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ (کسی طعن یا بہت کی وجہ سے انحراف کرے تو اہل شوریٰ کا حق ہے کہ اسے اس

خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے بڑی ہے۔“

ایک اور مقام پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :-

”اے لوگو! خلافت کا اقتدار اب نے زیادہ وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اس پر قابو رکھنے والا ہو اور اللہ کے حکم کو اس کے متعلق جانتا ہو پھر اگر جھگڑنے والا جھگڑا کرے تو اس کو سمجھایا جائے نہ سمجھے تو اس سے قتال کیا جائے، اور قسم ہے مجھے اپنی جان کے مالک کی اگر امامت بغیر اس کے منعقد نہ ہو کہ تمام لوگ بیعت کریں تو اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ جو اس کام کے اہل ہیں وہ غائبین پر بھی حکم لگا دیں گے پھر نہ مافر کو اختیار ہے کہ اس سے جو رکے اور نہ غائب کو اختیار ہے کہ کسی اور کو منتخب کرے۔“ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۲۴۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا علیؑ خلافت کو مخصوص میں اللہ نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو ارباب حل وعقد اور

اصحاب مشورہ کے سپرد کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؑ نے فرمایا کہ میں عنقریب اس دنیا سے انتقال کر جاؤں گا تو آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر فرما دیجئے، آپؑ نے فرمایا نہیں! بلکہ میں تم کو کسی طرح چھوڑ جاؤں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا، تو انہوں نے کہا کہ آپؑ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟ فرمایا میں اپنے اللہ سے کہوں گا اے اللہ! جب تک تو نے چاہا مجھے ان میں رکھا جب تو نے مجھے موت دی

(باقی حاشیہ لکھے صفحہ پر)



سیدنا معاویہؓ کی امارت تسلیم کرنے میں ذرا بھی ناگواری محسوس نہ کرنا ورنہ سر مومنوں سے خنظل کی طرح گریں گے۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۲۸۳، ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۳۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۲) یہ آپؐ نے ایک تو اس لیے فرمایا تھا کہ میرے شیعوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارا ساتھ بھی نہیں دیں گے۔ دوسرے آپؐ بخوبی جانتے تھے کہ اس وقت امت کی کشتی منجھدار میں ہچکولے کھا رہی ہے اور موجودہ لوگوں میں سوائے سیدنا معاویہؓ کے اور کسی میں اتنی فکری صلاحیت اور عملی قابلیت نہیں ہے کہ وہ امت کی اس ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچا سکے، لہذا آپؐ نے بیعت کے بعد ایک مجمع عام میں بیعت کرنے والوں کو مخاطب کر کے صاف الفاظ میں اپنے ابا جان کی اس نصیحت کا ان الفاظ میں اعلان فرمایا کہ میرے ابا جان فرمایا کرتے تھے:-

”کلا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکھروا رقتموہ لرا یتیم الروس تتدملہ“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب تو ان میں ہے اب جیسے چاہے ان سے معاملہ کر خواہ ان میں صلح و آشتی پیدا فرما اور خواہ ان میں فتنہ فساد برپا فرما دے۔ (مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳، ص ۱۵۶)

فیض بن سلمہ تابعی فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ سے پوچھا گیا کیا آپؓ ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر نہ فرمائیں گے؟ تو آپؓ نے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تو میں کیسے مقرر کروں؟ اگر اللہ تعالیٰ تم سے بھلائی کا ارادہ فرمائیں گے تو میرے بعد تمہیں کسی بہترین آدمی پر مجتمع فرما دیں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو ایک بہترین آدمی سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر مجتمع فرما دیا تھا، یہ حدیث جلیلہ اسناد ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۵۱، ۲۵۲) تفصیل البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا علیؓ کے ان اقوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ معاملہ امت کے اربابِ حل و عقد پر چھوڑ دیا تھا اور اہل حل و عقد نے متفقہ رائے سے اپنے میں سے بہترین شخص سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ (والتفصیل فی ازالۃ الخفاء عن خلافة الخلفاء و قرة العینین فی تفضیل المشیخین کلاهما من تصانیف حکیم الامت الدہلویؒ)

عن کو اہلہما کا الحفظ۔ (ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳، ازاتہ الخفاء جلد ۲، ۲۸۳)  
تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۶۶)

معاویہؓ کی بیعت سے ناگواری محسوس نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے ان کو بھی کھودیا تو تم دیکھو گے کہ امت میں اس قدر بد نظمی ہو جائے گی (لوگوں کے سرخشل کی طرح شانوں سے کٹ کٹ کر گریں گے)۔

## شیعان حسنؓ کی مخالفت

اس بات کا اعلان کرنا ہی تھا کہ تمام شیعان علیؓ ماہی ہے اب کی طرح تلملائے کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کے خلاف جس سازش کا انہوں نے آغاز کیا تھا سیدنا حسنؓ کی اس تدبیر سے اس کا ایک قلم خاتمہ ہو جائے گا انہوں نے سمجھا کہ سیدنا علیؓ نے شاید یہ نصیحت ہمارے عدم تعاون کی وجہ سے فرمائی ہوگی، لہذا انہوں نے سیدنا حسنؓ سے تعاون کا وعدہ فرمایا اور چند ہی روز میں کئی ہزار فوج آپ کے گرد جمع ہو گئی اور آپ کو سیدنا معاویہؓ کے ساتھ لڑائی کے لیے بادلِ نخواستہ آمادہ کر لیا۔

جنگ صفین کے اختتام کے بعد سیدنا معاویہؓ مستقل طور پر دمشق ہی میں سکونت پذیر تھے اور یہاں سے آپ کسی بھی جنگ وغیرہ کے لیے باہر نہ نکلے تھے لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ شیعان علیؓ نے اب پھر سیدنا علیؓ کی طرح سیدنا حسنؓ کے گرد ہالہ بنا لیا ہے اور ان کو جنگ کے لیے اکسارہے ہیں تو آپ نے بھی مدافعت طوع پر اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور عراقیوں پر عرب ڈالنے کے لیے دمشق سے باہر نکل کر عین التمر اور مدائن کی جانب بڑھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ لڑنے کے لیے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا نکلنا صرف مدافعت تھا کیونکہ آپ شروع ہی سے جارحانہ پالیسی کے مراسر خلاف تھے اور اب بھی آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔

سیدنا علیؓ کی شہادت سے قبل چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر سیدنا علیؓ کی

بیعت کی ہوئی تھی، جب سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے تو آپ کی نیت میں بالکل کسی سے  
رہا نہیں تھا بلکہ

قیس بن سعدؓ نے جو آذربائیجان کے گورنر تھے، امر کیا کہ اہل شام سے لڑائی بھر چھڑی  
جائے، آپ نے یہ سنتے ہی قیسؓ کو معزول کر کے عبید اللہ بن عباسؓ کو ان کے بجائے آذربائیجان  
کا گورنر بنادیا لیکن آپ کے لشکر ہی آپ کی رائے پر غالب آگئے اور آپ کو جنگ کی  
تیاری کے لیے مجبور کر لیا، بادلِ نخواستہ آپ نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا، قیس  
بن سعد بن عبادہؓ کی زیر قیادت ۱۲ ہزار لشکریوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ  
کیا اور خود اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔

جب آپ ملائین پہنچے تو آپ کی فوج میں کسی نے مشہور کر دیا کہ سیدنا قیسؓ قتل کر  
دیئے گئے ہیں، بس اس خبر کا اڑنا تھا کہ آپ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگوں نے  
سیدنا حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا اور حسنؓ پر آپ تشریف فرما تھے اُسے  
چھین لیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۱۲۱،  
تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۸۸)

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ قیس بن سعد کے جانے کے بعد آپ کے لشکر میں تفرقہ  
پیدا ہو گیا اور کوئی آدمی بھی جنگ میں شریک ہونے کو تیار نہ تھا، آپ نے ان کو بہتری  
و عطا و نصیحت کی اور ہر قسم کی ترغیب دی لیکن وہ اُس سے مس نہ ہوئے، آخری عدی  
بن حاتم نے اُنھ کو ڈانٹا، اُن کے ڈانٹنے پر کچھ لوگ تیار ہوئے لیکن دوسرے ہی  
روز جب لشکر کے چلنے کا وقت آیا تو ان میں سے اکثر بھاگ گئے، یہ دیکھ کر سیدنا حسنؓ

اے اگرچہ بعد میں آپ کی فوج کی اکثریت سفاک سے یونانی کی بھر چکی تھی چالیس ہزار نفوس آپ کے لیے مرنے والے  
پر تیار تھے، لیکن آپ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے کام آئے بغیر کسی فرق کا غلبہ پانا  
مشکل ہے لہذا آپ چند شرائط پر سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ (تہذیب الاسلام جلد ۱ ص ۱۵۹)  
جس کا تفصیل تذکرہ آئندہ طور میں آ رہا ہے۔

نے فرمایا :-

”مجھے فریب دیا جس طرح تم نے اپنے پہلے امام کو فریب دیا اور نہیں معلوم کہ میرے بعد تم کس امام سے مقابلہ کرو گے ؟ (جلاء العیون باب فضل ۵ ص ۳۱۲)  
آپ نے اپنی فوج کا جب یہ رنگ دیکھا تو فوراً باپ کی نصیحت یاد آگئی اور آپ سیدنا معاویہ سے صلح کرنے پر تیار ہو گئے۔

## سیدنا حسنؓ کے ساتھیوں کی منافقت

اگرچہ آپ کو پہلے ہی سے اپنے شیعوں کی بے وفائی کا یقین تھا لیکن آپ بھی کبھی ان کے یقین دلانے پر بلکہ اتمام حجت کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقابلے میں آگئے مگر اچھی مقابلہ کی نوبت بھی نہیں پہنچی تھی اور آپس میں دونوں فوجوں کا آمناسامنا بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کے شیعوں اور ساتھیوں نے آپ کے ساتھ بے وفائی کرنی شروع کر دی بلکہ یہاں تک کرنا شروع کر دیا کہ دن میں آپ کے لشکر میں ہوتے اور رات سیدنا معاویہؓ کے لشکر میں گزارتے۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا ارادہ ہرگز جنگ کرنے کا نہیں تھا، اور اگرچہ جنگ مصیفین ہو بھی چکی تھی پھر بھی آپ کے قلب میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ اور خاندان رسالتؑ کے دوسرے افراد کا بھی اسی طرح احترام تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا، آپ ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ اسلام میں فتنہ پھیلانے والے اور باہر سے تحریک علیؓ اور اندر سے بغض علیؓ کا مظاہرہ کر نیوالے لوگ خاندان رسالت کو اس طرح ذلیل و خوار کریں کہ ان کا کوئی پُرساں حال تک نہ ہو۔

چنانچہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کی خیر خواہی اور اطلاع کے لیے سیدنا حسنؓ کو خط لکھا کہ حضرت! یہ لوگ جو آپ کے سامنے تواپ کی محبت اور خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی جان تک آپ پر بچھاؤ رکھنے کو تیار ہوتے ہیں یہ رات میرے لشکر میں گزارتے ہیں اور

میرے سپاہیوں کو آپ کے خلاف اُکاتے ہیں گویا کہ یہ لوگ آپ کے لیے مارا ستین ہیں آپ ان سے بچ کر رہیے اور ان کے دام فریب میں نہ آئیے، یہ بات آپ نے اٹکل بچو ہی سے نہیں کی تھی بلکہ ایسے منافقین کے ناموں کی مکمل فہرست بھی آپ کے پاس بھیج دی، چنانچہ شیعہ مؤرخ ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ:-

”معاویہؓ نے دوسرا خط امام حسنؓ کے پاس بھیجا اور فہرست اسماء منافقین اصحاب آنحضرتؐ (سیدنا حسنؓ) جنہوں نے اسے (سیدنا معاویہؓ کو) لکھا تھا اور اظہار اطاعت و انقیاد کیا تھا اور اپنے نامہ میں مٹوف کر کے حضرت حسنؓ کے پاس بھیج دی اور لکھا کہ تمہارے اصحاب نے تمہارے باپ سے موافقت اور تعاون نہ کیا اور تم سے بھی موافقت و تعاون نہ کریں گے“ (جلد العیون باب فصل ۵ ص ۳۱۲)

## سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ سے صلح پر آمادگی

اپنے شیعوں اور شکریوں کی نامساعدت اور عدم تعاون کو دیکھ کر آپ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا، لہذا آپ نے اپنے لشکریوں اور اصحاب کو جمع کیا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

”لوگو! مخلوق خدا پر اللہ کے فضل سے میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں اور کسی مسلمان کی طرف سے میرے قلب میں کوئی کینہ نہیں اور نہ ہی کسی طرف سے میرے دل میں کوئی ارادہ بد ہے میں تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں امید ہے کہ تم اسے تردید نہیں کرو گے جس اتحاد و یکجہتی کو تم لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرق سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ

جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہو لہذا میں تمہاری مرضی کے برعکس تمہیں مجبور نہیں کرتا چاہتا تھا (جلال العیون باب فصل ۳۱۳، اخبار الطوال ص ۲۱۷) چنانچہ آپ کا یہ کہنا تھا کہ مجلس میں ایک پھل مچ گئی، سبائی ایک دوسرے کا منہ بکنے لگے اور سیدنا سبط کے خلاف بلوہ کر دیا۔ شیعی مجتہد ملا باقر مجلسی کی زبانی ہی اس واقعہ کو سنیتے :-  
 محب منافقین نے یہ کلام حضرت سے سنا تو ایک دوسرے پر نظر کی اور کہا اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہ سے صلح منظور ہے اور چلتے ہیں کہ منصب خلافت معاویہ کو دیدیں پس سب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاویہ شخص اپنے باپ (سیدنا علیؑ) کی طرح کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور آپ کا سب اسباب ٹوٹ گیا، یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور چادر دوش مبارک سے اتار لی، پس امام حسنؑ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہوئے اور اہل بیت آنحضرت نے تھوڑے سے شیعوں کے

لحمہ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح کو آپ نے اپنے لشکر کے سامنے پہلے بعد تجویز فرمایا کیونکہ آپ اس کا رد عمل دیکھنا چاہتے تھے، اس سے قبل کے حالات آپ کے سامنے تھے کہ یہ لوگ معمولات پر رقتش بہ پام ہوجاتے تھے، سیدنا علیؑ کے زمانہ میں ان کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے تھے بلکہ کچھ عرصہ چلاتے تھے۔ اب اگرچہ مالک الاشتر، حکیم بن حبیلہ، ہمام بن بشیر اور سبائی ترکیب کے دوسرے بڑے قائدین کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سبائیوں کا زور کافی حد تک ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ نے پھر بھی حکمتِ علیؑ سے کام لیتے ہوئے پہلے بطور تجویز اس صلح کو پیش کیا، اس پر بھی لشکر میں ایک تمہید رد عمل ہوا لیکن بہر حال اس پر قابو پایا گیا اور سیدنا حسنؑ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گئے۔ (۲، ۵، ظم)

لحمہ خطبہ کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمت میں قسمت و انزاق کی پالیسی ساری کی ساری انہیں لوگوں کی وضع کردہ تھی جو سیدنا عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد سیدنا علیؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے ان لوگوں نے سیدنا علیؑ کی موافقت صرف اس لیے کی تھی تاکہ اُمت دو گروہوں میں بٹی رہے، سیدنا حسنؑ کو اس بات کا احساس تھا چنانچہ آپ اپنے ابا کی زندگی میں بھی کئی بار ان کو اس بارہ میں بڑے مفید مشورے دے چکے تھے۔ (۲، ۵، ظم)

ہمراہ حضرت کو درمیان میں لے لیا اور جب سباب سے مدائن پہنچے تو علاج بن  
سنان اسدی شقی نے آپ کے گھوڑے کی نکام پکڑ لی اور خنجران مبارک  
پر مارا کہ ہڈی تک شگاف ہو گیا اور بروایت دیگر پہلو پر خنجر مارا اور کہا  
(معاذ اللہ) تم مثل اپنے باپ کے کافر ہو گئے ہو!

(جلد العیون باب فصل ۵ م ۳۱۳، اخبار الطوال م ۲۱۴)

اگرچہ آپ پر خنجر سے وار کیے گئے اور آپ کا مال و متاع سب لوٹ لیا گیا لیکن آپ  
بھی اپنے عزم کے پکے تھے کیونکہ ایک تو آپ کے آبا جان آپ کو وصیت کر گئے تھے کہ  
میرے بعد معاویہؓ سے صلح کر لینا۔ (البیہ والنہایہ جلد ۸ م ۱۲، الاصابہ جلد ۶ م ۱۱۳،  
شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ م ۳) دوسرے اپنی صلح جو یا نہ اور امن پسندانہ طبیعت کے  
پیش نظر آپ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی جمعیت پراگندگی سے بہتر ہے!  
(جلد العیون باب فصل ۵ م ۳۱۳)

لے سیدنا معاویہؓ کو کافر کہنے والے نہ اپنے سابقین کا سبکدوش نہ ملاحظہ فرمائیں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے بھی ان کی  
مرضی کے خلاف کوئی بات کی وہی ان کے نزدیک کافر اور گردن زدنی ہو جاتا ہے خواہ وہ معاویہؓ ہوں یا حسنؓ؛  
لے جلد العیون کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے بڑے اختلاف کے باوجود سیدنا حسنؓ پھر بھی سیدنا  
معاویہؓ اعدان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی سمجھتے تھے اور ان کو آجکل کے مجانب علیؓ کی طرح دائرہ اسلام سے  
خارج نہ سمجھتے تھے۔ یہی حال سیدنا علیؓ کا تھا وہ بھی سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ: ”نہ ہم  
ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالت میں معاویہؓ سے زیادہ ہیں اور نہ معاویہؓ ہم سے!“ (تبیح البلاغ جلد ۲ م ۱۱۸)  
اور یہ دونوں حضرات سیدنا معاویہؓ کو مسلمان کیوں نہ سمجھتے جبکہ ان کے اور ہمارے آقا و مولا سیدنا و سیدنا  
صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے متعلق مومن کا لفظ استعمال فرما چکے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے :-

ان ابی ہذا اسید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین  
فتین عظیمین من المسلمین -  
میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے  
دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

(بخاری جلد ۳ م ۳۴۳، ترمذی جلد ۲ م ۲۴۱، البیہ والنہایہ جلد ۸ م ۳۶، ابن عساکر جلد ۱ م ۲۱۴، ۲۱۵،  
مستدرک حاکم جلد ۳ م ۵۸)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کی گذشتہ پانچ سالہ تاریخ آپ کے سامنے تھی کہ جبل و صفین میں کس طرح مسلمانوں کے خون کی ازرانی ہوئی، ملتِ اسلامیہ کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہوئی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں مستقبل میں بھی مسلمانوں کے خون سے دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی حنا بندی نہ ہو۔ آپ یہ بھی سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کا کیا مقام ہے اور اس وقت ملتِ اسلامیہ کو ان کی خدمات کی کس قدر ضرورت ہے لہذا آپ نے امت کی خیر خواہی کے لیے منصبِ خلافت سے دستبرداری کا مصمم ارادہ فرمایا۔

ابلیحاً علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ جن دو گروہوں کے مابین سیدنا حسنؓ مصالحت کر لیں گے وہ دونوں مسلمان ہوں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی سیدنا حسنؓ ہی کی خلافت میں پوری ہوئی جبکہ آپ نے سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صلح فرما کر مسلمانوں کو آپس میں کئی سال کی خانہ جنگیوں سے نجات دلائی اور ان لوگوں کو خواب و خامرہ کر دیا جو سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں:-

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا  
فَاَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَاِنْ يُغْتَابُ احَدُهُمَا  
عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلَا اِلٰى تَبْعِي حَتٰى  
قُبِعَتْ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ قَاتَلْتُمَا فَاصْلَحُوا  
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ  
يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ه  
(سورة الحجرات آیت ۹)

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کر گئیں  
تو ان کے درمیان اصلاح کر دو پھر اگر ان میں کا ایک  
گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس پر جو زیادتی  
کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر  
تو ان کے درمیان اصلاح کر دو عدل کے ساتھ اور  
انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف  
کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس کی ناچاقی خواہ قتل و غزیرہ تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے ان کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

اوپر والی بیان کردہ حدیث کی تشریح میں علامہ الطیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

دل الحدیث علی ان کلا الغرضین کا نا عاقبت  
یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دونوں فریق باوجود ایک  
باقی ماثبہ الگے صفحہ پر



# احباب سے مشورہ

چند روز بعد آپ نے اپنے تایا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار سے اس ارادہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا :-

”بھیا! میں نے ایک رائے قائم کی ہے اس بارہ میں میں تم سے مشورہ لیتا ہوں امید ہے کہ تم ضرور میری تائید کرو گے۔ دیکھو ملک میں فتنہ و فساد کی آگ برابر بڑھ رہی ہے، کشتی ملت منجھار میں بچکولے کھا رہی ہے، محل و مقین کے میدان مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن چکے ہیں، آپس کے تعلقات کا کوئی پاس نہیں رہا، راستوں میں سے امن و امان اٹھتا جا رہا ہے، سرحدیں بیکار ہو گئی ہیں لہذا میں مسند خلافت کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلا جانا چاہتا ہوں۔“

(ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۱۲، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۹)

ان کے علاوہ اور حضرات سے بھی آپ نے مشورہ کیا ہر ایک نے یہی کہا کہ، امیر المؤمنین! آپ ہم سے اس معاملہ میں بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ آپ کی طبیعت سے ہر ایک واقف ہے اور آپ کی اس روش سے بھی آشنا ہے جو سیدنا معاویہؓ کے متعلق سیدنا علیؓ کے زمانہ میں آپ کی تھی، آپ اُس وقت بھی جنگ و قتال کے سخت خلاف تھے، آپ کی اُس وقت بھی

(لغیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

ملة الاسلام مع كون احد هما مصيبة	اجتہاد دی طور پر راہ صواب پر تھا اور دوسرا راہ خطا پر
والاخرى مخطیئة و صلح الحسن مع	ملت اسلام پر ہی تھے اور سیدنا حسنؓ کی سیدنا معاویہؓ
معاویة واستقرار دوا مہ علیٰ ذلک دلیل	کے ساتھ صلح اور اس پر آپ کا استقرار دوا مہ اس بات
علی صحۃ امارتہ۔ (اشعۃ)	کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح تھی۔

ایسا ہی آپ نے مشکوٰۃ کی تشریح فارسی اشعۃ المصابیہ جلد ۱ ص ۶۸۵ پر لکھا ہے۔ اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی ”منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۳۲“ پر اس کی تائید فرمائی ہے۔

یہی پالیسی تھی کہ اختلافات کا فیصلہ جنگ و قتال کے بجائے مشورہ و مصلحت سے کیا جائے، اپنے اہل کے زلمے میں آپ نے ان کو بھی ہمیشہ جنگ و قتال سے روکا لیکن اس زمانے میں سبائی پیڈروں مالک الاشر، کنانہ بن بشر اور حکیم بن جبلة وغیرہ کی وجہ سے آپ کے مشورے و خود اعتناء نہیں سمجھے جاتے تھے، آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیدنا علیؑ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے جنگ کرنے کے لیے باہر نکلیں یا مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنائیں، اب جبکہ اقتدار کی کلید آپ کے اپنے ہاتھ میں آئی ہے اور صلح و جنگ کے کئی اختیارات آپ کو تفویض ہوئے ہیں تو آپ اپنے ان ارادوں کو جامہ عمل پہنا نا چاہتے ہیں جو مالک الاشر، کنانہ بن بشر، عبداللہ بن سبا، حکیم بن جبلة وغیرہ الحرضین علی القتال کی وجہ سے سیدنا علیؑ کے زمانے میں صرف تجاویز اور مشوروں کی حد تک ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”وَكذلك الحسن دائماً يشير على ابيه واخيه بترك القتال ولما صارا لاموالیه ترك القتال واصلح الله بين الطائفتين المقتتلين وعلى باقي اخرا لا مرتبين له ان المصلحة في ترك القتال اعظم منها في فعله“ (منهاج السنة ج ۲ ص ۲۴۳)

اور اسی طرح سیدنا حسنؑ اپنے آبا اور بھائی کو ہمیشہ یہی مشورہ دیتے تھے کہ جنگ و قتال چھوڑ دیا جائے لیکن ان کی بات نہیں مانی جاتی تھی، جب نہام حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے جنگ بند کر دی اور اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے آپس میں جنگ و جدل کرنے والے دو گروہوں کے درمیان ان کے ذریعے صلح کرا دی اور خود سیدنا علیؑ کو بھی آخر الامر اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جنگ بند کرنے میں (امت کیلئے) زیادہ بہتری ہے بجائے جنگ کرنے کے،

## سیدنا حسینؑ سے مشورہ

آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؑ سے بھی اس بارے میں مشورہ فرمایا کہ میں معاویہؓ

سے صلح کرنا چاہتا ہوں، آپ کو یہ بابت بہت شاق گذری اور اپنے بھائی کا یہ لادہ آپ کو درست نظر نہ آیا، آپ نے سیدنا حسنؓ پر زور دیا کہ وہ سیدنا معاویہؓ اور اہل شام سے جنگ و قتال کریں، لیکن سیدنا حسنؓ اپنے بھائی کی جذباتی طبیعت سے بخوبی آشنا تھے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رائے ان کی اپنی نہیں بلکہ اور لوگوں کی ہے مگر نکل ان کے منہ سے رہی ہے، لہذا آپ نے اپنے بھائی سیدنا حسینؓ سے فرمایا :-

”والله لقد هممت ان اسجنك في بيت واطبق عليك بابي حتى  
افرح من هذا الشأن ثم اخرجك فلما رأى الحسين ذلك سكت

وسلم۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۱، ابن الاثیر ج ۳ ص ۳۳)

مخدا را گرتم نے میرے اس الادبے کی مخالفت کی تو میں تم کو گھر میں قید کر

دوں گا اور گھر کا دروازہ اس وقت تک تم پر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اس کام

و معاویہؓ سے صلح سے فارغ نہ ہو جاؤں پھر تمہیں باہر نکالوں گا، حسینؓ نے جب

بھائی کا یہ عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے اور بھائی کی رائے کو تسلیم کر لیا۔

ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۸ پر بھی سیدنا حسینؓ کی مخالفت کا

ذکر کیا ہے جو انہوں نے معاویہؓ سے صلح کرنے پر کی۔ ایسے ہی طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن الاثیر

جلد ۳ ص ۲۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۶۱ پر بھی مرقوم ہے۔

غرض کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حالات کا پورا جائزہ لیا اور اپنے گروہ مخالفین کے

پہاڑ دیکھے، خود اپنے بھائی کو بھی اپنا مخالف پایا لیکن آپ اپنے عزم کو بہر صورت

پورا کرنا چاہتے تھے اور سازشوں اور بُرے منصوبوں کی اُس باز کو توڑنا چاہتے

تھے جو دشمنان اسلام نے دو مسلمان گروہوں کے ارد گرد گار کھی تھی، چنانچہ

آپ نے نہایت سوچ و فکر کے بعد چند شرائط کے ساتھ سیدنا معاویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مسند خلافت سے دستبرداری کا اعلان

فرما دیا۔

## سیدنا معاویہ کی طرف سے صلح کی پیشکش

بخاری اور تواریخ کی کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی صلح کے متعلق پہلے سیدنا معاویہ ہی نے پیشکش فرمائی تھی۔ اس سے قبل بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ صفین کے موقع پر آپ کی بالکل خواہش نہیں تھی کہ جنگ کی جائے، آپ میدان صفین میں صرف دفاع کے لیے آئے تھے۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

”ولم یکن معاویۃ ممن یختار الحرب ابتداءً بل کان من اشد الناس حرصاً علی ان لا یكون قتالٌ وکان غیرہ احدی علی القتال منه۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰)  
سیدنا معاویہ جنگ کی ابتدا کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ جنگ نہ ہو اور دوسری پارٹی جنگ کی خواہاں تھی“

اس چیز کا ثبوت سیدنا معاویہ نے ایک تو جنگ صفین کے موقع پر دیا جب آپ نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی خاطر قرآن پاک کو سیزوں پر اٹھاتے ہوئے فرمایا تھا :-

”هَذَا حُكْمُ كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ لِنُغْزِيَ الشَّامَ بَعْدَ أَهْلِهِ وَمَنْ لِنُغْزِيَ الْعِرَاقَ بَعْدَ أَهْلِهِ؟ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۱۶۱)  
یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے مابین ثالث ہے اہل شام کے رہنے کے بعد شام کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا اور اہل عراق کے ختم ہو جانے کے بعد عراق کی سرحدات کی حفاظت کون کرے گا؟  
مسعودی نے اتنے الفاظ اور نقل کیے ہیں :-

”وَمِنْ لُجْهَاتِ الرُّومِ وَمِنْ لِلتُّرُكِ وَمِنْ لِلْكَفَّارِ (مروج الذهب جلد ۳ ص ۱۶۱)  
رُومیوں سے جہاد کون کرے گا اور تُرکوں اور اہل کفر سے کون پرہیز کیا ہوگا؟  
اُس وقت آپ کی اپیل پر جنگ بند ہو گئی اور اس معاملہ کو صلح و امن سے پنٹنے

کی کوششیں شروع ہو گئیں جو بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

اس سے قبل بھی آپ نے بہت کوشش کی تھی کہ بغیر خون بہے معاملہ کا تصفیہ ہو جائے لیکن آپ مصالحت کی جو بات بھی کرتے سبائی لیڈر ممالک الاشرار کنا بن بن بشر جیسے لوگ سیدنا علیؑ کو اپنے سیاسی زور کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کی کوئی بات سننے نہیں دیتے تھے اور اگر آپؑ سن لیتے تو اس کی اس طرح تاویل کر کے آپ کو بتاتے کہ آپ اس کو معاویہؓ کے اخلاص پر مبنی نہ سمجھتے تھے لیکن اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا، سیدنا حسنؑ کے مسند ازلے خلافت ہونے سے پہلے ہی تمام سبائی گھاگ اگلی دنیا میں پہنچ چکے تھے، اب معاویہؓ کے مشوروں کی قبولیت کے راستے میں روٹے اٹکانے والا کوئی موجود نہیں تھا لہذا اب ہر مشورہ بغیر کسی تاویل کے امیر المؤمنین سیدنا حسنؑ کے کانوں تک پہنچتا۔

جنگ صفین میں جبکہ رٹائی کی آگ بھڑک چکی تھی، سیدنا معاویہؓ نے اپنے نذرانہ حکمتِ علیؑ سے اس کو ٹھنڈا کیا لیکن اب جب پھر جنگ کے انگاروں کو سُکاتے دیکھا تو آپؑ نے ان کو اپنی حکمتِ علیؑ سے اس طرح ٹھنڈا کیا کہ پھر یہ آگ بھڑکنی تو درکنار سُک بھی نہ سکی۔ چنانچہ امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام حسنؑ بصریؒ نے فرمایا :-

”استقبل والله الحسن بن علي معاوية بكتائب امثال الجبال فقال عمرو بن العاص اني لاراي كتائب لا تقولي حتى تقتل اقوانها فقال له معاوية..... ان اقتل هؤلا هؤلا وهؤلا هؤلا من لي بامور الناس من لي بنسائهم من لي بضيعتهم فبعث اليه رجلين من قریش من بني عبد شمس عبد الرحمن بن سمرة وعبد الله بن عامر فقال ادھيا الى هذا الرجل فاعرض عليه وقولا له واطلبا اليه فأتياه فدخلا عليه فتكلما وقالاه وطلبا اليه فقال لهما الحسن بن علي انا بنو عبد المطلب قد اصبنا من هذا المال وان هذه الامة قد عانت في دمائها قالافاته يعرض عليك كذا وكذا

و یطلب البیت ویستلک قال فمن لی بهذا قال نحن لک بہ  
فما سألہما شیئاً الا قال نحن لک بہ فصالحہ قال الحسن  
ولقد سمعت ابا بکرؓ یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
علی المنبر والحسن بن علیؓ الی جنبہ وهو یقیل علی الناس  
مرۃً وعلیہ اُخری ویقول ان ابنی ہذا سیدٌ ولعل اللہ  
ان یصلح بہ بین فئتن عظیمتین من المسلمین ۔

(بخاری شریف ج ۳، ۲، ۳، ج ۲ ص ۱۵۳)

خدا کی قسم سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں پہاڑوں کی طرح  
فوجیں لے کر آئے تھے، سیدنا عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں یہ فوجیں ایسی دیکھ  
رہا ہوں جو اپنے برابر والوں کو جب تک نہ مار لیں گی پیٹھ نہ پھیریں گی،  
سیدنا معاویہؓ نے ان سے کہا اگر انہوں نے ان کو ماریا یا انہوں نے ان کو  
تو ان کے امور کا کون ذمہ دار ہوگا اور ان کی عورتوں کی کون خبر گیری کرے گا  
اور ساز و سامان کا کون ذمہ دار ہوگا؟ پس انہوں نے قریش کے دو آدمی  
جو بنی عبد شمس میں سے تھے عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو سینا حسنؓ  
کے پاس بھیجا اور کہا کہ ان کے پاس جا کر صلح کی پیشکش کرو اور ان سے گفتگو کرو  
اور جو کہیں وہ مان لو، پس یہ دونوں ان کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کر کے  
صلح کر طلبگار ہوئے، سیدنا حسنؓ نے فرمایا ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہمیں  
مال خرچنے کی عادت ہو گئی ہے اور ہمارے ساتھ جو یہ لوگ ہیں یہ بھون خرابہ  
کرنے میں طاق ہیں (یعنی بغیر روپیہ دیشے ماننے والے نہیں) انہوں نے کہا  
کہ معاویہؓ آپ کو اتنا روپیہ ضرور دیں گے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں  
جو آپ چاہیں وہ منظور کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اس کی ذمہ داری کون  
لیتا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم ذمہ دار ہیں، آپ نے جو کہا انہوں نے  
یہی کہا کہ ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں، پس آپ نے معاویہؓ سے صلح کر لی۔

حسن بصریؒ نے کہا کہ میں نے ابوبکرؓ (صحابی) سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا اس حال میں کہ حسن بن علیؓ آپ کے پہلو میں تھے، آپ کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے اور کبھی سیدنا حسنؓ کی طرف اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ صفین کی طرح اب بھی صلح کی پیشکش میں پہل سیدنا معاویہؓ کی طرف سے ہوئی اور آپ ہی نے فوجوں کے ٹھٹ دیکھ کر صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کے تحفظ کے لیے صلح پر آمادگی کا اظہار کیا اور اپنے دو سفیروں کو سیدنا حسنؓ کی خدمت میں بھیجا، چنانچہ خاتمۃ الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطلال کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:-

”هذا يدل على ان معاوية كان هو الراغب في الصلح وانما عرض على الحسن المال ورغبه فيه وحثه على رفع السيف وذكره ما وعداه به جده صلى الله عليه وسلم من سيادته في الاصلاح۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۴)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معاویہؓ ہی پہلے صلح پر راغب تھے اور انہوں نے حسنؓ پر مال کی پیشکش کی اور اس کے قبول کرنے کی آپ کو ترغیب دی اور تلوار کے روکنے کو کہا اور آپ کو آپ کے ناتان کی وہ شیشگوئی یاد دلائی جس میں ان کی سیادت میں اصلاح کے متعلق فرمایا گیا تھا۔“

بہر حال آپ نے مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے لیے صلح کی پیشکش فرمائی اور سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی اس کے خواہاں تھے لہذا پیشکش فوراً قبول ہوئی اور ربیع الاول ۴۱ھ کو مندرجہ ذیل شرائط پر ایک تحریری معاہدہ مرتب ہوا:-

## صلح کی شرائط

جیسا کہ بخاری کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے عبدالرحمن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامر بن کریرہؓ کو کئی اختیارات دے کر سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا تھا ان دونوں حضرات نے آپؐ سے گفتگو کی اور سیدنا حسنؓ صلح پر راضی ہو گئے لیکن شرائط کی منظوری کا ضامن مانگا، ان دونوں نے ضمانت دی، چنانچہ سیدنا حسنؓ نے یہ شرائط ایک کاغذ پر لکھ کر ان دونوں کے ہاتھ سیدنا معاویہؓ کے بھیج دیں جو سیدنا معاویہؓ نے فوراً قبول کر لیں، وہ شرائط حسب ذیل تھیں:-

(۱) سیدنا معاویہؓ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے صالحینؓ

لے سیرت خلفائے صالحینؓ کے الفاظ صرف شیعی مؤرخ ملاح باقر مجلسی نے نقل کیے ہیں اور اسی مؤرخ نے اپنی فاری تصنیف "عماد الایمان" میں اس کا ترجمہ نیز خلفائے راشدہ کے الفاظ میں کیا ہے۔ فتح الباری میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے الفاظ ابن ہمال کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں شیعی مؤرخ کے "سیرت خلفائے صالحین" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ، سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافتوں کو بالکل صحیح سمجھتے تھے اور ان کو خلفائے صالحین میں شمار کرتے تھے اور ان کی سیرت کے مطابق امور خلافت کے چلانے کو عین سعادت تصور کرتے تھے، تبھی تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ ان کی سیرت پر چلنے کی شرط بھی آپؐ نے سیدنا معاویہؓ سے لکھوائی۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خلفائے صالحین سے مراد اصحاب ثلاثہ نہیں ہیں، اگر اس سے مراد یہ حضرات نہیں ہیں تو بتایا جائے کہ وہ کون ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "خلفائے صالحین" کہلائے؟ اور اگر کہا جائے کہ اس سے مراد سیدنا علیؓ ہیں تو وہ تو ایک تھے اور یہاں "خلفائے" جمع کا لفظ ہے جو کم سے کم تین پر دلالت کرتا ہے، لہذا اصح یہی ہے کہ اس سے مراد خلفائے راشدین سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ ہیں۔ اور جو اصحاب ثلاثہ "خلفائے صالحین" کے زمرہ سے منسلک ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ سیدنا حسنؓ نے یہ شرط اپنے جدِ امجد جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی (باقی حاشیہ لگے صفحہ پر)



کے مطابق خلافت کے امور کو سرانجام دیں گے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴ طبع ایران،  
جلد ۳۱۵ بیون ص ۳۱۵ کلاہما من تصانیف ملا باقر مجلسی اشعری، فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۳ ص ۵۴۵)  
بحار الانوار کے الفاظ یہ ہیں۔

”صلحہ علی ان یسلم علیہ ولایۃ اموال مسلمین علی ان ینزل فیہم بکتاب  
اللہ وسنة رسول اللہ وسیدۃ الخلفاء الصالحین۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴، ایران)  
سیدنا حسنؑ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کرتے ہوئے اس شرط پر خلافت  
ان کے سپرد کی کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے صالحین  
کی سیرت کے مطابق امور خلافت کو چلائیں گے۔“

(۲) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیا جائے۔ (طبری جلد ۷ ص ۱۴، فتح الباری جلد ۲  
ص ۲۰۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴، ص ۴)

(۳) دارا بجز واکل خراج آپ کو دیا جائے۔ (ایضاً)  
ابن الاثیر، طبری وغیرہ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ: ”سیدنا علیؑ پر برسر عام سب و  
شتم نہ کیا جائے۔“

یہ شرط مراسر غلط ہے نہ تو سیدنا معاویہؓ کے ہاں سیدنا علیؑ پر سب و شتم ہوتا تھا اور  
نہ سیدنا حسنؑ نے اس فعل کو برسر عام کرنے کی ممانعت کی شرط لکھوائی تھی، سیدنا حسنؑ اگر یہ شرط

واقعیہ معیار مقرر گذشتہ کرتے ہوئے لکھوائی تھی کیونکہ آپ نے پوری امت کو ان کی سیرت اور سنت کی تالہ داری کا  
حکم فرمایا تھا۔ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ اِذَا لَاقَیْتُمُ الْمُحَدِّثِیْنَ (ترمذی جلد ۲ ص ۹۲)  
ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۴۹، ابن ماجہ جلد ۵ ص ۱۴۹، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵)

(حاشیہ صفحہ ۱۷۵) لے تو تاریخ میں آتا ہے کہ دارا بجز واکل کے لوگوں نے سیدنا حسنؑ کی خلافت سے دستبردار  
ہونے کے بعد خراج دینا بند کر دیا، لیکن سیدنا معاویہؓ نے چونکہ شرائط میں یہ لکھ کر دے چکے تھے اس لیے  
آپ اپنی شرط کے ایفاد میں اس کے عوض میں اپنے پاس سے ساٹھ لاکھ درہم اور اس کے علاوہ دوسرے تحائف  
اور ہدیے ادا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴)

لکھواتے تو ایسے نہ لکھواتے کہ برسرِ عام سب و شتم نہ کیا جائے، بلکہ یہ لکھواتے کہ مطلقاً سب و شتم نہ کیا جائے۔ شرط میں ”برسرِ عام“ کی قید صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ شرط بعد کے ذہنوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اُن وقت سیدنا معاویہؓ آپ کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھے اور سیدنا معاویہؓ کے دونوں بغیروں نے اس بارہ میں آپ کو یقین بھی دلایا تھا۔ ان حالات میں اگر واقعی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے تھے تو سیدنا حسنؓ کو یہ شرط رکھنی چاہیے تھی کہ سیدنا علیؓ پر مطلق سب و شتم نہ کیا جائے لیکن تواریخ میں ایسا نہیں ہے، اور طبری نے جو اسے نقل کیا ہے وہ صرف اپنے میلانِ تشیع کی وجہ سے نہ کہ حقیقت کی بناء پر، اور دوسرے مؤرخین نے صرف طبری کی متابعت میں اسے نقل کر دیا ہے۔

اس کے برعکس تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سب و شتم کا یہ سلسلہ خود سیدنا علیؓ کے لشکر میں جاری تھا، آپ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فوراً ایک گشتی مُراسلہ (CIRCULAR) جاری فرمایا جس میں سیدنا معاویہؓ کی فضیلت اور اسلام میں ان کا مقام بتلا کر اپنے لشکریوں کو اس قبیح فعل سے منع فرمایا۔  
ہنج البلاغہ کے خطبوں میں آپ کا ایک مُراسلہ اسی سے متعلق ہے جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ:-

”ہمارا معاملہ اس طرح شروع ہوا کہ ہم میں اور اہل شام میں مقابلہ ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور اُن کا رب ایک، ہمارا اور اُن کا رسول ایک اور ہماری اور اُن کی اسلام کے متعلق دعوت ایک ہے، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم اُن سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس معاملہ ایک ہی ہے مگر یہ کہ ہم میں اور اُن میں صرف عثمانؓ کے خون کی بابت اختلاف ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔“

(ہنج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۸)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ

سیدنا عمرو بن العاصؓ اور ان کے دیگر رفقاء پر سب و شتم اور لعن و طعن کرنے لگے بلکہ نمازوں میں بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ طبری نے نقل کیا ہے کہ حکیم کے فیصلہ کے بعد ابن عباسؓ اور شمر بن ہانیؓ سیدنا علیؓ کے پاس چلے گئے، اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ فجر کی نماز میں معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوالاعور اسلمیؓ، حبیبؓ، عبدالرحمن بن خالد بن ولیدؓ، ضحاک بن قیسؓ اور ولیدؓ پر لعنتیں بھیجتے۔ جب سیدنا معاویہؓ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی علیؓ، ابن عباسؓ، مالک الاشترؓ، حسنؓ اور حسینؓ پر سب و شتم شروع کر دیا۔  
(طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۸، ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۸)

طبری، ہی نے ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا معاویہؓ کو الفاجر بن الفاجر اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو الفاجر بن الکافر کہا۔  
(طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

مصنف عبدالزقاق اور تاریخ ابن عساکر وغیرہ میں ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک شخص نے کہا :-

”اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما“

سیدنا علیؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ شام والوں کو سب و شتم نہ کرو، کیونکہ :-

”فاق بہا الابدال، فاق بہا الابدال، فاق بہا الابدال“

اہل شام میں ابدال ہیں، اہل شام میں ابدال ہیں، اہل شام میں ابدال ہیں“

(المصنف لعبدالزقاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۹، تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۳۲۳)

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲)

ملاوہ انہی اور بھی کئی کتابوں میں مرقوم ہے کہ سیدنا علیؓ کے ساتھی یعنی سبائی

اصحاب رسولؐ اور خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو سب و شتم کرنے

تھے اور سیدنا علیؓ انہیں بار بار روکتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،

الامالی للشیخ طوسی جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، طبری، ابن الاثیر، البدایہ والنہایہ وغیرہم)

تو اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا علیؓ کو یہ اطلاع ملی کہ مجروح بن عدی اور

عمر بنی الحقیق، سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرنے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس بات پر اگستے ہیں تاکہ وہ بھی اہل شام پر لعنتیں بھیجیں اور سب و شتم کریں، آپ نے ان دونوں کو ایک آدمی کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ ان باتوں سے اپنی زبان کو روکیں۔ سیدنا علیؓ کا یہ پیغام سنکر وہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! یہ بالکل درست ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ ہمیں انہیں نکالیاں دینے سے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم نکالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ، بلکہ ایسا کہا کرو کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان فوری بند فرما اور ہمارے مابین الفت و محبت پیدا فرما اور ان کو راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرما یہاں تک کہ وہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔

(راخبار الطوال ص ۱۶۵، بیچ ابلاغہ جلد ۱ ص ۷۲)

طبری کی سی روایات اگرچہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ان پر اعتبار کر کے صحابہ کے اخلاق کے بارہ میں اپنے ذہن کے گوشوں میں بدظنی کے جراثیم پالیں اور پھر صحابہ کے متعلق بدزبانی اور توہین و تنقیص آمیز کلمات سے کام لیں حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علیؓ سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کے بارہ میں کسی قسم کی گستاخی سے کام لیتے تھے بلکہ یہ گالیوں کا مشن سیدنا علیؓ کے اُن لوگوں کا تھا جو سبائی تحریک کے رکن تھے اور جنہوں نے خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا، اور وہ بھی سیدنا معاویہؓ کو نکالیاں سیدنا علیؓ رضی اللہ عنہ کی محبت کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ اس وجہ سے دیتے تھے کہ قاتلان عثمانؓ سے سیدنا معاویہؓ قصاص لینا چاہتے تھے اور وہ خود قاتلان عثمانؓ تھے یا اُن لوگوں سے اُن کا تعلق تھا جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے۔

بعض کتابوں میں ایک شرط یہ بھی لکھی ہوئی ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے بعد سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ یہ شرط بھی بعد کے ذہنوں کی وضع کردہ ہے۔ یعقوبی، طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر، مسعودی، ابن خلدون وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں اس کا بالکل تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ

ملا باقر مجلسی نے اس کے خلاف لکھا ہے اور آپ کے شکریوں کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی؟ (جلال العلون ص ۳۲۵) البتہ ابن عبد البر نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حسن صرف معاویہ کی زندگی ہی تک کے لیے ان کے حق میں دستبردار ہوئے تھے۔ (الاستیعاب تذکرہ حسن) لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ میں نہیں ملتا اس کو علماء کا متفقہ بیان کیسے کہا جاسکتا ہے؟ طبری، مسعودی، یعقوبی وغیرہ مؤرخین جو اپنی تواریخ میں ہر قسم کی رطب و یاس و لیاقت نقل کر دیتے ہیں وہ بھی اس شرط کا کہیں تذکرہ نہیں کرتے، یہ چیز اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

دوسری دلیل اس شرط کے صحیح نہ ہونے کی یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے جب سیدنا معاویہ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شروع میں بعض حضرات نے اس کی مخالفت کی اور مخالفت کے حق میں اور سیدنا معاویہ کے خلاف دلائل بھی دیئے، اگر شرط ہوتی تو یہ حضرات دوسرے دلائل کے ساتھ اس کو بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالفت میں پیش کرتے اور نہیں تو سیدنا معاویہ کی وفات کے بعد جب سیدنا حسین یزید کے مقابل میں کھڑے ہوئے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں بہت سے دلائل دیئے اور یزید کی مخالفت کے لیے بہت سے بیان کیے تو آپ نے اس شرط کو بطور دلیل کبھی پیش نہیں کیا کہ چونکہ میرے بھائی سیدنا حسن سیدنا معاویہ کی زندگی میں وفات پا چکے تھے، اس لیے اہل قورنہ کی رو سے اُن کی جائیشی کا حق مجھے یا اُن کی اولاد کو پہنچتا ہے، حالانکہ یہ دلیل یزید کی حکومت کے خلاف ایک بہت بڑی دلیل تھی۔

ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے اور یہ روایت صرف مخالفین معاویہ نے سیدنا حسن کی وفات میں سیدنا معاویہ کا ہاتھ ثابت کرنے کے لیے وضع کی ہے، وہ اس طرح کہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سیدنا حسن صرف سیدنا معاویہ کی زندگی تک کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور سیدنا معاویہ اپنے خاندان میں حکومت چاہتے تھے تو پھر ان دونوں مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ نکل آتا ہے کہ سیدنا حسن

کو سیدنا معاویہؓ ہی نے زہر دلو کر شہید کروایا تھا اور یہ الزام ایسا مکر وہ ہے کہ جس سے سیدنا معاویہؓ ہمیشہ کے لیے طعن و تشنیع کا ہدف بن جاتے ہیں اور ان کے کیر کٹیر پر ایک ایسا بدنامہ لگ جاتا ہے جس سے اُن کی اخلاقی تصویر نہایت بھیا تک اور اک ورڈ (AWKWARD) ہو جاتی ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؓ نے جو شرائط سیدنا معاویہؓ کو لکھ کر بھیجی تھیں اُن کے دمشق پہنچنے سے قبل سیدنا معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی فہرنگا کر آپ کے پاس کوفہ بھیج دیا اور لکھا کہ جو شرائط آپ لکھنا چاہیں اس کاغذ پر لکھ دیں وہ سب قبول کی جائیں گی۔ چنانچہ آپ نے اس سے دگنی شرائط اس پر لکھ کر بھیج دیں جو قبول ہو گئیں۔

لے یہاں پر یہ بات ذہن میں رہے کہ ان شرطوں کی رقم کے علاوہ سیدنا معاویہؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر مدارات کرتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱) چنانچہ سیدنا معاویہؓ دس دس لاکھ درہم دونوں بھائیوں کو دیتے اور ان کے بیٹے یزیدؓ میں لاکھ درہم دیتے رہے اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو دی جاتی۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲) ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہڈے بھی سیدنا حسینؓ کو بھیجے جاتے۔ (مقتل ابی غنفث شیعہ) سیدنا حسینؓ کبھی لکھیا اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ ان کی بہت عزت افزائی کرتے اور بہت سے عطیات تحائف ان کو دیتے اور سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے وہ ان کو بہت سے عطیات وغیرہ دیتے اور ان کی بہت عزت افزائی کرتے (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ سیدنا حسنؓ کو چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرماتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) اور ایک روایت میں ہے کہ کبھی کبھی چار لاکھ دیتے اور ایک لاکھ درہم تو بطور وظیفہ ہر سال دیتے تھے۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ اہلبیت نبویؐ کو آئے دن مختلف قسم کے عطیات اور تحائف سے نوازتے اور ان کے اخراجات اور ضروریات زندگی کے لیے بڑی بڑی رقومات ہدیہ کے طور پر پیش کرتے۔

ان روایات کی روشنی میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ کی دگنی شرائط قبول نہ فرمائیں ؟

(باقی ماحشیہ اگلے صفحہ پر)

اور بقول بعض مؤرخین قبول نہ ہوئیں کیونکہ آپ اس سے قبل بھی ایک کاغذ پر اپنی شرائط لکھ کر بیچ چکے تھے، سیدنا معاویہؓ نے کہا کہ چونکہ آپ نے پہلے اور شرائط لکھ کر بھی بیچیں جو قبول کر لی گئی تھیں لہذا آپ کی بعد کی شرائط قبول نہیں ہوں گی۔

## سیدنا حسنؓ کا خلافت سے

### دستبرداری کا اعلان

مصاحمت کے تمام مراحل طے ہونے کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے کہا کہ اب آپ دراز بانی بھی اس مصاحمت کے متعلق بیان فرمادیں تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ اپنی خوشی سے مسند خلافت سے دستبردار ہوئے ہیں نہ کہ کسی جبر واکراہ سے، آپ کو اس میں اعتراض بھی کیا تھا، چنانچہ آپ فداً اٹھے اور حمد و ثناء کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک اعلان فرمایا :-

”أما بعد ا فان اکیس التقی وان اعجز العجز الفجور اکاوان هذا الامر الذی اختلفت فیہ انا و معاویة حق لا مری کان احق پہ منی او حق لی تو کنته لارادة اصلاح المسلمین وحقن دما تهم وان ادمی

ولقیہ حاشیہ مؤلف گذشتہ پھر جب کہ خود ہی سید کاغذ پڑھ کر مچھا ہو، مہر لگانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو کچھ اس کاغذ پر لکھا جائے گا وہ قبول ہے۔ اس صورت میں قبولیت پہلے تھی اور شرائط بعد میں۔ لہذا مؤرخین کا ایک دوسرے کی اتباع میں یہ لکھنا کہ سیدنا معاویہؓ نے وہ شرائط قبول نہ کیں بالکل عقل کے خلاف بات ہے اور سیدنا معاویہؓ کی پوزیشن کو مخدوش کرنے کی ایک گہری سازش ہے۔

ہمارے خیال میں تو مؤرخین کا یہ لکھنا بھی عقل و نقل اور خانوادہ رسول اور خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ کے خلاف ایک گہری سازش ہے کہ سیدنا حسنؓ نے پہلے کچھ شرائط لکھیں اور دوسرے کاغذ پر اسے دگنی لکھ دیں حالانکہ مومن جب ایک بات کرتا ہے تو اس پر قائم رہتا ہے اور جو انانیت جنت کے سردار کا مقام تو اس سے بہت اونچا ہے۔ کمالا یغنی علی من له ادنی من الفہم۔

لعلہ فتنۃ لکم و متاعٌ الی حین۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۵۳، اسد الغابہ لابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۴۲ تذکرہ حسنی، مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۱۹)  
 ابابعدہ لوگو! دانیوں میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ ہے اور عجز میں سب سے بڑا عجز بد اعمالیاں اور فسق و فجور ہے، خلافت کا معاملہ جس میں مجھ میں اور معاویہ میں اختلاف ہے یہ حق صرف ایک ہی آدمی کا ہے یا تو معاویہ مجھ سے زیادہ  
 حقدار حق ہے یا میں زیادہ حقدار تھا، لیکن میں نے عام مسلمانوں کی بہتری اور انہیں  
 خونریزی سے بچانے کے ارادہ سے اس خلافت کو چھوڑ دیا ہے اور میرا خیال  
 ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ سرمایہ ہے۔“

مشہور شیعہ مؤرخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ سیدنا حسنین نے نہ صرف خلافت سے  
 دستبرداری کا اعلان فرمایا بلکہ ایک مجمع عام کے سامنے اُن کی بیعت بھی فرمائی، چنانچہ  
 وہ سیدنا جعفر صادقؑ کے حوالے سے لکھتا ہے کہ سیدنا حسنؑ، سیدنا حسینؑ اور سیدنا قیس  
 بن سعید بن عبادہ انصاریؑ جب شام تشریف لائے تو:-

”فَاذِنْ لَهُمْ مَعَادِيَةَ وَاعْدْ لَهُمُ الْخَطِيَاةَ فَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايَعِ  
 فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ قُمْ فَبَايَعِ فَقَامَ فَبَايَعَ..... الخ  
 (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴، ایران)

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت فرمائی اور ان کی عزت افزائی میں  
 خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسنؑ سے کہا کہ اُٹھئے اور بیعت فرمائیے، سیدنا  
 حسنؑ کھڑے ہوئے اور مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر بیعت کی پھر سیدنا  
 حسینؑ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے  
 ہو کر سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی۔“

سیدنا معاویہؓ کے ساتھ آپ کی یہ صلح جہاں آپ کے اصلاح بین المسلمین کے جذبہ  
 کی توثیق کرتی ہے وہاں اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ سیدنا معاویہؓ مسلمانوں کیلئے  
 بڑے شفیق اور رعیت کے لیے بڑے نرم دل تھے، اس کے علاوہ ملک کے انتظامی اور



ترقیاتی معاملات میں بھی آپ بڑے دقیق النظر اور معاملات کے عواقب و انجام پر نگاہ رکھنے والے تھے تبھی تو نواسہ رسولؐ سیدنا حسنؑ نے پوری ملت اسلامیہ کی زمام کار آپ کے ہاتھ میں دے دی، اگر (معاذ اللہ) آپ ایسے تھے جیسے دشمنانِ صحابہ کہتے ہیں تو پھر نواسہ رسولؐ پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے ایک غلط کار آدمی کے ہاتھ چند روپوں کے عوض پوری ملت اسلامیہ کے اختیارات کیوں دے دیئے چنانچہ سیدنا حسنؑ کی اس صلح کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

”فيه فضيلة لا صلاح بين الناس ولا سيما في حق  
دماء المسلمين ودلالة على رافة معاوية بالرعية  
وشفقتة على المسلمين وقوة نظره في تدبير  
الملك ونظرة في العواقب :-

(فتح الباری ج ۳ ص ۵۶)

اس بات (صلح) سے اصلاح بین الناس اور خصوصی طور پر مسلمانوں کی خوریزی روکنے کی فضیلت ہے (اور سیدنا حسنؑ کا یہ فعل) اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ معاویہؓ اپنی رعیت پر بڑے نرم دل اور مسلمانوں پر بڑے شفیق تھے اور تدبیر سلطنت پر گہری نگاہ کے مالک تھے، نیز معاملات کے عواقب پر ان کی نگاہ پہنچتی تھی۔“

ابونعیم اصفہانیؒ اور امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ صلح ۴۱ھ ماہ ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں نجسہ کے مقام پر ہوئی اور اس موقع پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

”تركته لمعاوية اداة اصلاح المسلمين وحقق  
دمائهم۔“

میں نے یہ خلافت اہل اسلام کی بہتری اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے ترک کی ہے۔“ (حلیۃ الاولیاء جلد ۲، السنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۷۷)

ماکم نیشاپوری نے مستدرک میں، ابن عبد البر نے الاستیعاب میں، ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں اور ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے سیدنا حسنؓ نے صلح کر لی اور امر خلافت ان کے سپرد کر دیا اور معاہدے اور شرائط پیش کر کے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔

خلافت کی سپردگی کے لیے جو شرائط دونوں بزرگوں کے مابین طے ہوئی تھیں سیدنا معاویہؓ پوری زندگی ان پر کاربند رہے۔ حتیٰ کہ شیعہ مؤرخ ابو حنیفہ الدینوری کو یہ لکھنا پڑا کہ:-

”سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ نے پوری زندگی سیدنا معاویہؓ سے کوئی بُری بات نہ دیکھی اور سیدنا معاویہؓ نے ان حضرات سے طے شدہ شرائط میں سے کسی شرط کو نہ توڑا اور نہ ہی کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل کیا“  
(الانبار الطوال ص ۲۲۵)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت معاویہؓ ہی غلط تھے اور نہ سیدنا علیؓ نے غلطی کی، بلکہ معاملہ سب غلط فہمی پر مبنی تھا اور اس آگ کے بھڑکانے میں سبائی عناصر کی گہری سازش تھی جس سے جمل وصفین کے میدان لالہ زار بنے، ورنہ نیت اور ایمان کے لحاظ سے علیؓ اور معاویہؓ میں کوئی فرق نہیں تھا۔



## مخالفت کا طوفان

سیدنا امام حسنؑ نے ابھی اس صلح کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ آپ کے لشکریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان برپا کر دیا، آپ پر قاتلانہ حملے کیے گئے اور آپ کے خیمے کو کوٹ لیا گیا۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲) آپ کی ران پر بخربار آگیا جس سے ہڈی تک شکاف ہو گیا۔ (اخبار الطوال ص ۲۱، جلاء العیون ص ۳۱) لیکن جب آپ نے مجمع عام میں سیدنا معاویہؓ سے اپنی صلح کا اعلان فرمایا اور آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت فرمائی تو فوراً ہی آپ کے خلاف مخالفت کا ایک شدید طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے لشکری اور شیعہ آپ سے سخت ناراض ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے خلاف مختلف قسم کے آوازے کئے گئے اور آپ کے اس فعل کو مسلمانوں کے لیے شرم و ذلت کا باعث قرار دینے لگے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ :-

”فكان اصحاب الحسن يقولون له يا عمار المؤمنین -

(فتح الباری جلد ۱۳، البیاری والنہایہ جلد ۸، تاریخ الخلفاء ص ۱۱۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۰۸)

سیدنا حسنؑ کے ساتھی آپ سے کہتے تھے کہ اے مومنوں کے لیے شرم و ذلت کے باعث“

لیکن آپ جواب میں فرماتے :- (ایضاً)

”العامر خیر من الناصر۔ (ایضاً)

یہ عامر میرے لیے جہنم کی آگ سے بہتر ہے“

ابن الاثیرؒ اور علامہ ابو بکر بن العربیؒ نے مَسْوَدٌ وَجُودٌ السُّوءِ مَنِتٌ

(مومنوں کا منہ سیاہ کرنے والے) کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۰۸)

العوام من القواصم ص ۱۹

شیعی مؤرخ ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ :-

”شیخ کشتی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؑ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ایک سوار آیا اسے سفیان بن یسلیٰ کہتے تھے، اُس نے کہا:-

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ یَا مَیْذَنَ الْمُؤْمِنِیْنَ - (جلد اربعون، اخبار الطوال ص ۲۲۱، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۱، الامامة والسیاسة جلد اول ص ۱۷۱)

مجلسی نے اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں، ایک روایت کتاب احتجاج سے نقل کی ہے کہ:-

”جب امام حسنؑ نے معاویہؓ سے صلح کی تو لوگ حضرت کی خدمت میں آئے اور بعضوں نے معاویہؓ سے بیعت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کی، حضرت نے فرمایا تم پر وائے ہو تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کام کیا ہے بخدا سو گند! جو کچھ میں نے کیا ہے میرے شیعوں کے لیے اس سے بہتر ہے کہ آفتاب جس پر طالع ہوتا ہے!“ (جلد اربعون ص ۲۲۲)

اسی مجلسی نے اپنی دوسری کتاب ”بحار الانوار“ میں امام محمد باقرؑ کا ایک اسی طرح کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:-

”وَالَّذِیْ صَنَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ کَانَ خَیْرًا لِّهَذِهِ الْاُمَّةِ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ - (بحار الانوار ج ۱ ص ۱۶۲)

سیدنا حسنؑ نے جو کچھ کیا وہ اس اُمت کے لیے بہتر ہے ہر اُس شے سے جس پر سورج طلوع ہوا!“

ایک شخص جسے ابو سعید کہتے تھے امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ آپ نے کیوں سستی کر کے معاویہؓ سے صلح کی حالانکہ معلوم تھا کہ حق آپ کا ہے اور وہ ظالم و باغی - (جلد اربعون ص ۲۲۲)

ملا باقر مجلسی بحوالہ احتجاج طبری لکھتے ہیں کہ:-

”ایک شخص امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اور کہا ہمارے گروہوں کو آپ نے ذلیل کیا

اور ہم شیعوں کو آپ نے غلامان بنی امیہ بنایا، حضرت نے فرمایا: کونکو؟ اُس نے کہا: اس وجہ سے کہ خلافت آپ نے معاویہؓ کو دے دی، حضرت نے فرمایا: بخدا سوگند! میں نے کوئی یا ورنہ پایا، اگر میں یا ورنہ پاتا تو رات دن معاویہؓ سے جنگ کرتا۔ یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان حکم کرتا لیکن میں نے اہل کوفہ کو پہچانا اور امتحان کیا اور جان لیا کہ یہ لوگ میرے کام نہیں آئیں گے اُن کی زبانیں میرے ساتھ اور دل بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔“

(جلال العیون ص ۳۲۶)

پھر بروایت سبیر تفتی علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ :-

”جب امام حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی تو شیعوں آپس میں اظہارِ تاسف و حسرت کرتے تھے اور آرزوئے قتل رکھتے تھے، جب صلح کے بعد دو سال گزے تو حضرت کی خدمت میں آئے اور سلیمان بن صرد فرماعی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارا تعجب معاویہؓ سے صلح کرنے سے بڑھ کر نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردان کا رزار اہل کوفہ آپ کے ہمراہ تھے کہ وہ آپ سے تنخواہ لیتے تھے اور اپنے گھروں میں تھے اور اسی قدر اُن کے فرزندان و اتباع آپ کے ساتھ تھے۔ یہ بغیر اُن لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے، باوجود اس کے آپ نے معاویہؓ سے پیمانِ حکم صلح نامہ میں نہ لیا اور بہرہ کامل عطا میں

لے لیا معاویہؓ پر ایک لڑائی بھی لگایا جاتے کہ وہ اپنی فوج کو درہم و دینار کے لالچ میں اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اس لیے وہ ان کے لیے بے جگہی سے لڑتی تھی۔ یہ چیز معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ سیدنا علیؓ کی فوج آپ سے باقاعدہ تنخواہ لیتی تھی لیکن ان کے لیے لڑنے کی بالکل توجہ نہیں تھی جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی حوالہ جات اس بارہ میں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

لے ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے تھے لیکن وقت پر بالکل ساتھ چھوڑ دیتے تھے کہ بلا کا میدان اس کی شہادت دیتا ہے۔

نہ لکھوایا، اگر بوقت محالہ اہل مشرق و مغرب کو آپ گواہ نہ کرتے اور نوشتہ اس سے لیتے کہ بعد اس کے خلافت آپ میں ہوتی لے ہمارا کام آسان تھا لیکن ان کے اور آپ کے درمیان چند ایسے عہد ہوئے کہ لوگ ان پر مطلع نہ ہوئے؛ (جلد العیون ص ۳۲۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۴۲۱) حجر بن عدی نے بھی آپ کو اس صلح پر عار دلانے کی کوشش کرتے ہوئے آپ سے کہا:-

”اے رسول اللہ کے نواسے! کاش کہ میں اس دن سے پہلے ہی مر گیا ہوتا، آپ نے ہمیں عدل و انصاف سے نکال کر ظلم و جور میں پھنسا دیا ہے اور اس وقت ہم نے حق کو چھوڑ کر باطل کو جس سے کہ ہم بھاگتے تھے اختیار کر لیا اور ہمیں نصرت و دناوت کا سامنا کرنا پڑا، آپ نے فرمایا کہ: ”میں لوگوں کے درمیان اس خانہ جنگی کو ناپسند کرتا تھا اور میں نے اپنے ساتھیوں کی بہتری اسی میں دیکھی“

اس کے بعد وہ سیدنا حسینؑ کی خدمت میں گئے اور انہیں بھی اسی طرح بیعت معاویہؓ سے عار دلانی شروع کی، آپ نے جواب میں فرمایا:-

”انا قد بايعتاه وعاھدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا-

(اخبار الطوال ص ۲۲)

ہم نے معاویہؓ کی بیعت اور اس سے وفاء کا عہد کر لیا ہے لہذا نقض عہد کی راہ نہیں۔“

اے علامہ مجلسی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ نے جن شرائط کے تحت مسند خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تھی اس میں یہ شرط ہرگز نہیں تھی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت پھر سیدنا حسنؑ کی طرف لوٹ آئے گی اگر یہ شرط ہوتی تو سلیمان بن مردخزاعی اور آپ کے دیگر شکری آپ پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ آپ نے یہ شرط کیوں نہ رکھی۔

## اعتراضات کا جواب

جب آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی اور ہر جانب سے آپ کے ساتھیوں اور شیعوں نے طعن و تشنیع شروع کر دی تو آپ نے معتزین کے جواب میں مختلف خطبات ارشاد فرمائے، ایک مقام پر فرمایا:-

”بخدا سوگند! اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا، میرا مال لوٹ لیا، بخدا سوگند! اگر معاویہ سے عہدوں اور خون بھفظ کراؤں اور اپنے اہل و عیال میں امن ہو ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہل و عیال اور عزیز واقارب ضائع ہو جائیں“

”بخدا سوگند! اگر میں معاویہ سے جنگ کروں تو یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ کو دے دیں، بخدا سوگند! اگر معاویہ سے صلح کروں اور عزیز رہوں یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں آجاؤں اور وہ مجھے بخواری قتل کرے یا مجھ پر احسان کر کے چھوڑ دے اور تار و ز قیامت بنی ہاشم میں یہ عار باقی رہے اور ہمیشہ فرزند ان معاویہ ہمارے فرزندوں اور ہمارے سروں اور زندوں پر احسان کریں، راوی نے کہا یا ابن رسول اللہ! اپنے شیعوں کو مثل ان گوسفندوں کے آپ چھوڑ دیتے ہیں جن کا کوئی محافظ نہ ہو، حضرت نے فرمایا کیا کروں، میں اس کام کو بہتر جانتا ہوں جو ثقاہت اور سچوں کے لیے بہتر ہے“ (جلاد العیون ص ۲۲۳)

اس خطبہ میں آپ نے صلح کرنے کی مصلحت صرف اپنی اور اپنے اہل و عیال کے ننگ و ناموس کی حفاظت ظاہر فرمائی لیکن دوسرے مقام پر یوں مرقوم ہے:-

”معاویہ نے اس امر میں جو مجھ سے مخصوص اور جس کا میں سزاوار تھا منازعہ کیا

اور جب میں نے کوئی یا ورنہ پایا تو بخیاں اصلاح و حفظ خون ہائے امت  
خود دستبردار ہوا۔ (جلال الدین ص ۳۱۶)

ایک اور جگہ پر بروایت کلینی بسند معتبر امام محمد باقرؑ لکھا ہے۔  
”امام حسنؑ کا معاویہؓ سے صلح کرنا اس امت سے دنیا و مافیہا سے بہتر تھا۔“  
(جلال الدین ص ۳۲۵)

## سیدنا حسینؑ کا آپ کی مخالفت کرنا

اس بارہ میں آپ کی مخالفت نہ صرف آپ کے شیعوں نے کی بلکہ سیدنا حسینؑ بھی  
بعض فتنہ پردازوں کی ایگخت پر آپ کے مخالف ہو گئے، چنانچہ جب آپ کو پتہ چلا کہ  
سیدنا حسنؑ سیدنا معاویہؓ سے صلح کرنے والے ہیں تو آپ نے سیدنا حسنؑ سے کہا کہ کیا آپ قبر  
میں اپنے باپ علیؑ کی تکذیب کرنا چاہتے ہیں اور معاویہؓ کی تصدیق! سیدنا حسنؑ نے فرمایا:-  
”بخدا جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی، بخلا میں

تہیں اُس وقت تک گھر ہی میں نظر بند رکھوں گا جب تک کہ میں اپنے  
ارادے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا دوں“ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی جلد ۲  
ص ۲۹۹، علیؑ و بیہودہ از طہ حسین ص ۲۰۳، تاریخ ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۲۲)  
طبری اور ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سیدنا حسینؑ کی یہ بات سنکر سیدنا حسنؑ نے فرمایا:-

”اسکت فانا اعلمہ یا کافر منک۔ (طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۳۰)

چُپ رہو! میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔“  
جب سیدنا حسینؑ نے اپنے بھائی کی ان غصیب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو  
فوراً عرض کی:-

”انت اکبر ولد علی وانت خلیفۃ وامرنا لامرک تبع فافعل ما

بدأ لک۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۰۳، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۲۲)



آپ سیدنا علیؑ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ان کے خلیفہ ہیں ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے؛ چنانچہ صلح کے بعد جب سیدنا حسنؑ نے سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سیدنا حسینؑ نے بھی بے چون و چرا سیدنا معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۲، جلالیون ص ۳۶۹، تاریخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۶ ص ۱۷۱، مجمع الانزان ص ۱۲۸)

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے یہ صلح کی تو آپ کے ساتھیوں نے مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا جس کو آپ نے اپنی حکمت عملی اور فراست ایمانی سے دبا دیا؛ یہ آپ ہی کا عزم تھا جس سے اس ساری مخالفت کا مقابلہ کیا اور آخر غالب آئے لیے

۱۔ شیخہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ معصوم ہیں بلکہ سب انبیاء سے افضل ہیں۔ (حقائق القیام) اور اللہ کا دروازہ اس کی بان اس کا منہ، اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ ہیں۔ (اصول کافی ص ۸۵) ان کو رسول جیسی فیضیت حاصل ہے، جوری لہ من فضل ما جلد رسول اللہ۔ (اصول کافی ص ۱۸) بلکہ بعض علماء سے رسول سے بھی افضل ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۲) پھر موت و حیات ان کے اختیار میں ہے۔ (اصول کافی ص ۱۵۸) اودھا کائنات فہا لیکون کے غیب کے جاننے والے ہیں (اصول کافی ص ۱۵۹) ایسے معصوم اماں کبھی بھی غلطی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ان سے سرزد ہوتا ہے وہ صحیح اور حق ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ جس امام معصوم صلح کرے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰، جلالیون ص ۳۲۳) بلکہ سیدنا حسینؑ امام معصوم بھی بیعت فرمائیں۔ (بحار الانوار جلد ۱۰، جلالیون ص ۳۶۹، مجمع الانزان ص ۱۷۱) اس شخص سے بغض و عناد رکھنا اور اس پر لعنتیں بھیجنا کیا ائمہ معصومین کی تکذیب کرنا اور ان کے احکام سے روگردانی کرنا نہیں ہے؟ اب دو ہی باتیں ہیں :-

(۱) یا تو ائمہ معصوم نہیں تھے اور سیدنا حسینؑ اور سیدنا حسنؑ نے غیر معصوم ہونے کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ سے بیعت کر کے ایک غلط کام کیا۔

(۲) یا پھر ائمہ نے جو کچھ بھی کیا وہ صحیح تھا اور سیدنا معاویہؓ ایک نہایت متقی اور علی و علیؑ کی نفرت اور نظری دینی اور سیاسی قابلیتوں کے حامل تھے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ائمہ معصومین ایک غلط کار اور ظالم و جابر انسان کو خلافت جیسا مقدس منصب سپرد کر کے خود اس سے دستبردار ہو کر گوشہء خلوت میں بیٹھ جائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ نے جو کچھ بھی کیا درست کیا اور ان کی نگاہ میں اُس زمانہ میں کشتیِ امت کو (باقی ماضیہ اگلے صفحہ پر)

مسند خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا حسنؑ نے ہمیشہ کے لیے کوفہ کو خیر باد کہہ دیا اور مدینہ النبیؐ  
تشریف لے آئے اور یقینہ زندگی اپنے جدِ امجد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں بسر فرمائی۔  
(ابلیہ والنہایہ جلد ۱۹) کوفہ کو اپنے مرفا سے چھوڑا کہ وہ بائی تحریک کا مرکز تھا، وہاں آپ کو اپنی جان کے  
خطرہ کے ساتھ ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ یہ سبائی لوگ پھر کہیں کوئی فتنہ برپا نہ کر دیں۔  
تایخ کے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب سیدنا حسنؑ نے اپنے اہل و عیال اور خاندان کے دیگر  
افراد کے ساتھ سرزمین کوفہ کو چھوڑا تو کوفہ کے لوگ زار و قطار رو رہے تھے، کسی پوچھنے والے  
نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا۔  
”بس نے دُنیا کو ناپسند کیا اور کوفہ والوں کو ایک ایسی قوم پایا جس پر کبھی بھی کوئی شخص  
اقتما نہیں کر سکتا اور اکثر ان میں سے ایک کی رٹے دوسرے سے موافقت نہیں کرتی،  
یہ بڑائی کے بجائے نیکی میں سست ہیں، میرا کوان سے بڑی بڑی اذیتیں پہنچی ہیں  
اور میرے بعد یہ کس سے اچھے سلوک سے پیش آئیں گے؟ اس وجہ سے یہ شہر بہت جلد  
تباہ و برباد ہونے والا ہے۔“ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۴)

(یقینہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ساحل مراد تک پہنچانے والا سیدنا معاویہؓ کے سوا اور کوئی نہیں تھا لہذا آپ نے اُمت کی بہتری اور  
خیر خواہی کے پیش نظر مسند خلافت سیدنا معاویہؓ کو تفویض فرمادی۔

شیعہ حضرات کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صلح کی وجہ سے وہ سیدنا حسنؑ سے ناخوش ہیں اسی ناخوشی کا نتیجہ  
ہے کہ سیدنا حسنؑ کی زندگی میں ہی ان کو بہت ذلیل کلمات کہے گئے۔ (مجلد ابیون ص ۳۲) اور انہیں طرح طرح کی ایذاؤں دی گئیں  
اور ان کے بعد ان کا تذکرہ بھی بہت کم ہوا اور بہت کم ہوتا ہے ان کی اولاد ایک قلم امامت سے محروم کر دی گئی بلکہ باغی اور  
جہنی قرار دی گئی حتیٰ کہ امام مہدیؑ بھی ان کی اولاد سے نہیں قرار دیئے گئے، جلد جلنے کا وقتی مصالح درپیش تھے ورنہ  
یہ لوگ تو سیدنا حسنؑ کو بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال ڈالتے اور جس طرح دوسرے امام زادوں میں سے کسی کو کذاب اور کسی کو تہنی  
کہا، جیسا کہ احتجاج طبری میں صاف لکھ دیا کہ ”ہم شیعوں کو ان امام زادوں سے نفرت ہے ہم ان پر تبرا بھیجتے ہیں۔“ یہی تبراؤں  
امام حسنؑ کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

ان حضرات کی کتابوں میں فضائلِ معویہ کی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سیدنا حسنؑ کا مقام سیدنا حسینؑ  
(باقی حاشیہ لگے صفحہ پر)

# وفات

آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں مسند خلافت سے دستبردار ہوئے۔ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۱  
ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۰۲ اور رمضان المبارک ۴۲ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس لحاظ سے  
آپ ساڑھے پانچ ماہ مسند خلافت پر متمکن رہے۔ دست برداری کے سات سال بعد یعنی ۴۸ھ  
میں مدینہ الرسول میں چالیس روز تک صاحب فرائض رہ کر ہمیشہ کے لیے اس دار فانی سے ولعت  
فرما گئے۔ (تاریخ انجیس جلد ۶ ص ۲۲۶، صفحہ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۳۲) المیری نے  
بیماری کی مدت ۲ ماہ لکھی ہے۔ (حیوۃ النبیون جلد ۱ ص ۶۱)  
بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے آپ کو زہر دلویا تھا جس سے آپ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲۸ پر لکھا ہے، چنانچہ ان حضرات کی ایک حدیث میں آتا ہے:-

”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تمتع مئة درجة کدرجة الحسن ومن تمتع مئتين  
درجة کدرجة الحسين ومن تمتع ثلاث مئتين درجة کدرجة علي ومن تمتع اربع مئتين  
درجة کدرجة جبرئیل۔ (منہج الصادقین ص ۲۵۶ بحوالہ آفتاب ہدایت ص ۱۸۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متہ کرے وہ سیدنا حسن کا درجہ پائے اور جو  
دو دفعہ متہ کرے وہ سیدنا حسین کا درجہ پائے اور جو تین دفعہ متہ کرے وہ سیدنا علی کا درجہ پائے اور  
جو چار دفعہ متہ کرے وہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ پائے۔

ایک دفعہ متہ کرنے والے کو سیدنا حسن کا درجہ اور دو دفعہ متہ کرنے والے کو سیدنا حسین کا درجہ دینا اس بات پر  
دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سیدنا حسن کا مقام سیدنا حسینؓ کے برابر ہے، یہ فرض بھی ہے کہ انہوں نے ان حضرات کی مرضی  
کے خلاف سیدنا معاویہؓ سے بیعت فرمائی تھی ورنہ اسلام میں سیدنا حسنؓ کا درجہ سیدنا حسینؓ سے زیادہ ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۴۲۸) اختلاف کبریات آپ کی خلافت کی مدت ۶۵ ماہ یا ۶۶ ماہ سے کچھ زائد یا سات ماہ سے کچھ کمتر تھی۔  
آپ کی بیعت خلافت کے تاریخ تو متعین ہے لیکن دست برداری کی تاریخ میں بہت اختلاف ہے۔ بعض ربیع الاول ۴۸ھ،  
بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۰۲، ابیدایہ و انہایہ جلد ۸ ص ۱۸۸) بعض روایات میں  
۴۹ھ سے دست برداری بتائی گئی ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۲۴)

موت واقع ہوئی، لیکن یہ بات سراسر غلط ہے نہ اس پر کوئی شرعی شہادت ہے اور نہ کوئی معتبر اقرار! بلکہ علامہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:-

”وما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع زوجته جعدة بنت الاشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۲)

یہ جو منقول ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ان کی اہلیہ جعدہ بنت الاشعث سے مل کر ان کو زہر دلوایا، شیعیہ حضرات کی وضع کردہ روایت ہے اور معاویہؓ کی ذات اس سے بتر ہے۔

اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں جلد ثانی میں اس پر قدرے روشنی ڈالی جائے گی۔  
ویسے تفصیل کے لیے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ”منہاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۵“ اور الذہبیؒ کی ”الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۲۵“ کا مطالعہ ضروری ہے۔

تیسرے موضوع میں نے زہر خوردنی کو اشارہ بھی ذکر نہیں کیا، جن لوگوں نے زہر خوردنی کا ذکر کیا ہے ان میں اثر نے زہر دینے والے بہ نام نہیں کہا اور جن لوگوں نے نام لکھا ہے انہوں نے ”قیل وايقال“ وغیرہ تصریح کے بغیر سے ذکر کیا ہے جو ضعیف روایت برداشت کرتے ہیں ملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶، مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۲۴، الاستیعاب جلد ۲ ص ۱۲۴، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۲۴، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲، ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۳،

سیوطی نے زہر کا الزام یزید بن معاویہ پر لگایا ہے کہ اس نے آپؐ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث کی معرفت آپؐ کو زہر دلوایا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱)

آپؐ کی وفات پر ہر آنکھ اشکبار تھی سیدنا ابوہریرہؓ کو دیکھا گیا کہ اس روز مسجد نبویؐ کے صحن میں بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب فوت ہو گیا ہے لہذا خوب روؤ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۸، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

جنانہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ بقیع میں تل دھرنے کو ٹیکہ نہ تھی، غازیہ جازہ کو زہر دینہ طیبہ سیدنا سعید بن العاصؓ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں اپنی والدہ سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۸، الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۲۴، البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۹۳)



# معاویہ

## ایک خلیفہ کی حیثیت سے

۱۸ھ میں سیدنا زید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کی گورنری پر متعین فرما دیا تھا، ۱۸ھ سے ۲۰ھ تک آپ دمشق اور اس کے مملکت کے گورنر رہے، ۱۸ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے امیر المومنین اور خلیفہ المسلمین مقرر ہو گئے۔ امت مسلمہ کے کئی اصحاب جیسے سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، محمد بن مسلمہؓ اور سعید بن زیدؓ وغیرہم جو اب تک غیر جانبداری کی زندگی بسر کر رہے تھے، فیصلہ تحکیم کے بعد ان کی نظریں اس بات پر لگی ہوئی تھیں کہ اُن لوگوں کی شوریٰ کیا فیصلہ کرتی ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت ہوتے وقت راضی تھے۔ چنانچہ جب ربیع الاول ۱۸ھ میں نہر ”جلیل“ کے کنارے واقع شدہ موضع ”مسکن“ میں سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا اور ان کی باقاعدہ بیعت فرمائی۔ (ابوابہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱) تو ان حضرات نے بھی سیدنا معاویہؓ کو امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے ان کی بیعت کر لی، کیونکہ اب پوری امت نے مستفقہ طور پر ان کو خلیفہ المسلمین تسلیم کر لیا تھا اور عراقی اور شامی سارے کے سارے اُن کے حلقہ بیعت میں آچکے تھے لہذا انہوں نے بھی اب اپنے لیے شرعی طور پر ناگزیر سمجھا کہ سیدنا معاویہؓ کی بیعت کر لیں۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳)

سیدنا علیؓ کی بیعت خلافت ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ اہل حل و عقد آپ کی بیعت پر مجتمع نہیں ہوئے تھے، چنانچہ حکیم الامت دہلویؒ فرماتے ہیں :-

”خلافت برائے مرتضیٰ قائم نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین  
بیعت نہ کردہ“ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹)

سیدنا علیؑ کی خلافت قائم نہ ہوئی تھی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد اور  
مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیجان سے بیعت نہیں کی تھی“  
ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیارے از احادیث متواترہ مرویہ بطرق متعددہ بیان  
فرمودند کہ اُمت بر حضرت مرتضیٰ جمع نشود۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث متواترہ  
میں بیان فرمایا ہے کہ اُمت سیدنا علیؑ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی“

ایسے ہی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ”منہلج السنۃ جلد ۲ ص ۲۷۴ پر تصریح نقل کیا  
ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اب جبکہ سیدنا حسنؑ کے بیعت کرنے سے پوری اُمت سیدنا معاویہؓ کی خلافت  
پر مجتمع ہو گئی تو ان حضرات نے پوری اُمت سے الگ رہنا اپنے لیے شرعی طور پر جائز نہ سمجھا  
و تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۱۲ ص ۴۵، ص ۴۵ ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا معاویہؓ ۲۳ سال کی گورنری کے بعد ۳۵ھ میں ایلیا دیروشم کے مقام پر  
خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے۔ (طبری جلد ۳ ص ۹۲، مروج الذهب جلد ۳ ص ۵۳، البدیع والنهاہیہ  
جلد ۸ ص ۱۱۶) اور حبی لوگوں نے فیصلہ تحکیم سے قبل یا فیصلہ تحکیم کے بعد ان کا امیر المؤمنین  
ہونا کھلے وہ سراسر غلط ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے متعلق یہ غلط فہمی سنیوں  
سے اچھے اچھے ذہنوں میں چلی آ رہی ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب سیدنا علیؑ کے مقابلہ میں  
کھڑے ہوئے تھے اُسی وقت سے وہ خلافت کے مدعی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ فیصلہ تحکیم  
کے بعد سیدنا عمرو بن العاصؓ کے اعلان کے مطابق انہوں نے اپنی خلافت کا دعویٰ کیا  
تھا، یہ دونوں باتیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ سیدنا معاویہؓ شروع سے نہ کہ سیدنا  
حسنؑ کے بیعت فرمانے تک اپنے آپ کو سیدنا عثمانؓ کا گورنر سمجھتے ہوئے ان کے قاتلوں

سے صرف قصاص کے دعویدار تھے، اس سے زیادہ نہ انہوں نے خود اپنی حیثیت جانی اور نہ ان کے ساتھیوں نے انہیں اس سے زیادہ کبھی کوئی حیثیت دی، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ انہوں نے خلافت کا اعلان سیدنا حسنؑ کی دستبرداری اور ان کے بیعت فرمانے کے بعد کیا۔ یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور یہی صحیح ہے۔

## اجتماعِ اُمت

اس سال کو "عام الحِجَاجت" کہتے ہیں کیونکہ طہتِ اسلامیہ نے ۵۷ سال کے تفرقہ اور تشقت کے بعد اس سال ایک خلیفہ پر اجماع کیا تھا۔ رنج الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، طبری جلد ۶ ص ۱۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۹۴) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد خارجی جنگوں اور اسلام کی تشرواشاعت میں جو تعطل واقع ہو گیا تھا اس سے پوری امت کو چھٹکارا مل گیا، آپس میں جو دی منافر پیدا ہو چکی تھی وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح جمع ہو گئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ اسی لیے تو غیر مسلم مؤرخین تک نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ دولتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسس کبیر ہیں، آپ نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک بلند پایہ حقیقی اسلامی سلطنت قائم کر دی۔ سیدنا عمر الفاروقؓ کی سلطنت کی طرح صوفیانہ بھی تھی اور سیاسیانہ بھی۔ یہ نوجوان جس نے اپنے مشہور تاجر باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس کی قوتِ نظمِ مملکت پر یہ واضح دلیل ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کے قیام اور عراق کے خلفشار کو دور کرنے، پوری، قتل اور آگ لگانے کی روک تھام میں جو مشکلات عمرؓ و عثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت خوبی کے ساتھ ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ ان چیزوں کے عادی تھے۔

پوری امت مجتمع ہو گئی، اختلاف بالکل ختم ہو گیا اور سیدنا معاویہؓ متفقہ طور پر پوری

ملتِ اسلامیہ کے امیر المومنین مقرر ہو گئے، مسلمانوں کی وہ قوت جو آپس میں جنگ و جدال میں ختم ہو رہی تھی اب اُن دشمنوں کے خلاف صرف ہونے لگی جو اسلام کے خلاف تھے۔

خاندانِ بنو ہاشم نے بھی نہایت خوشدلی کے ساتھ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے ساتھ عملی تعاون شروع کر دیا۔ چنانچہ سیدنا حسینؓ کے رضائی بھائی اور سیدنا علیؓ کے حقیقی چچا زاد بھائی سیدنا قاسم بن عباسؓ سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں جہاد میں شرکت کے لیے خراسان تشریف لے گئے، پھر غزوہ سمرقند میں سعید بن عثمانؓ بن عھان کی ماتحتی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۱۱، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۹۷، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۲۹۲، شرح منبع البلاغ لابن سلیم البحرانی جلد ۵ ص ۷۲)

خود سیدنا حسینؓ نے یزید بن معاویہ کی زیر قیادت معرکہ قسطنطنیہ میں شرکت فرمائی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱، تہذیب تاریخ ابن عساکر جلد ۲) جس طرح خاندانِ بنی ہاشم نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت سے تعاون کیا آپ کی حکومت نے بھی خاندانِ بنو ہاشم کے افراد سے نہایت اچھا سلوک کیا، مدینہ طیبہ میں ایک قاضی کی ضرورت تھی، سیدنا مروان بن الحکمؓ نے ایک ہاشمی بزرگ سیدنا عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا جو کہ بعض حضرات کے بقول مدینہ کے سب سے پہلے قاضی تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۹۹)

مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اپنی کم ہمتی اور کارِ خلافت کی دشواری کو واضح فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا:-

”اے لوگو! میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم میں سے کئی ایسے ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں جیسے عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہما جو کہ علم و فضل کے ستون ہیں لیکن شاید میں سلطنت اور حکومت کے معاملات میں تمہارے لیے مفید ہو سکوں اور تمہارے دشمن کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی اعتبار سے تمہارے لیے زیادہ سودمند ہوں گا“ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۳، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۳۲۲)

بلاذریؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:-



”اے لوگو! بخدا سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے ہلانا نہایت آسان ہے لیکن میں تمہارے لیے ایسا طرز عمل اور طریقہ اختیار کروں گا جو میرے سے پہلے خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا لیکن میرے بعد آنے والے اس کو نہیں پاسکیں گے“  
(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۱۲)

## اوصاف

گورنری کے ۲۳ سالہ دور میں ہر تنفس آپ سے مطمئن تھا اور خلافت کے ۲۰ سالہ دور میں بھی کسی کو آپ کے خلاف شکایت کا کوئی موقع نہیں ملا۔ ہر ایک کا دل آپ سے مطمئن تھا حقیقت یہ ہے کہ اپنے دور خلافت میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ امت کی پوری تاریخ میں آپ کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جیسے لوگ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

مَا رَأَيْتُ سَجَلًا اَخْلَقَ بِالْمَلِكِ مِنْ مَعَاوِيَةَ -

راہداریۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ ص ۲۲، طبری جلد ۳ ص ۳۳۴، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۳

میر نے معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت کے لائق اور کسی کو نہیں دیکھا۔

ایسا ہی عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:-

مَا رَأَيْتُ احَدًا بَدَرَ سَوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسود من معاوية  
فَقِيلَ لَهُ: ابوبكر وعمر وعثمان وعلى فقال كانوا والله خيرا ممن

معاوية واقضل ومعاوية اسود - (اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۸۶)

میر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہؓ سے زیادہ امور مملکت میں ماہر کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ سے کہا گیا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور علیؓ کو بھی، آپ نے فرمایا وہ سب معاویہؓ سے افضل اور بہتر تھے لیکن معاویہؓ

طریق جہاں بانی میں ان سے قابل تھے“ (البدایۃ والنہایت جلد ۸ ص ۱۳۵)  
ایسا ہی ایک قول سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے۔

(البدایۃ والنہایت جلد ۸ ص ۱۳۵)

امور مملکت کے بارہ میں آپ نہایت صاحب بصیرت اور نظر ثاقب کے مالک تھے اسی لیے فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ نے جو خطابت، قدرت کلام اور فکر و نظر کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی شان کے حامل تھے سیدنا معاویہؓ کے متعلق فرمایا:۔  
میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جان سکوں کہ آپ بزدل ہیں یا بہادر، کیونکہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قاتل کا ارادہ کر لیا ہے اور پھر جب آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر لیا ہے۔  
آپ نے سن کر فرمایا:۔

بخدا میں تو اقدام ہی اسی وقت کرتا ہوں جب کہ دیکھتا ہوں کہ یہ اقدام کا وقت ہے اور اسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ یہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔ (مروج المذہب جلد ۲ ص ۷۷)

یہ سب چیزیں آپ کے سیاسی ذہن اور نظر ثاقب پر دلالت کرتی ہیں اور یہ ثمرات ہیں تقویٰ اور ایمان کے، اسی لیے حدیث نبوی میں مومن کی تعریف یہ آئی ہے کہ:۔  
المؤمن لا یخدع ولا یخدع۔ (مشکوٰۃ ص ۷۷)

کامل مومن (تقویٰ اور پاکیزگی میں) اس قدر بلند مقام کا حامل ہوتا ہے کہ کسی کو دھوکا دیتا نہیں اور (فرست ایمانی اور بصیرت میں) اس قدر ماہر ہوتا ہے کہ کسی سے دھوکہ کھاتا نہیں۔

بلکہ وہ تمام معاملات کے عواقب کو فرست ایمانی اور اللہ رب العزت کے ودیعت کردہ نور سے دیکھ لیتا ہے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۷۷، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۵۵)  
اور اگر کسی سے ایک مرتبہ دھوکہ کھا بھی لے اور کسی سوراخ سے ایک دفعہ دسا بھی جائے تو دوسری مرتبہ اس سوراخ میں سے کبھی دسا نہیں جاتا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۹۰۵)

غرض کہ آپ کے دور خلافت میں سب لوگ شیر و شکر ہو گئے کسی کے قلب میں کوئی کبیدگی اور رنجش نہ رہی، آپس میں وہی محبت، وہی باہمی تعظیم و تحکیم اور ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ اور جذبات کی وہی پاسداری پیدا ہو گئی جو سیدنا صدیق اکبرؓ سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمانؓ کے مبارک زمانوں میں تھی، جن لوگوں نے آپ کے خلاف سیدنا علیؓ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی آپ نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی اور نہ ہی کسی سے کوئی انتقام لیا اور نہ ہی کسی کے متعلق دل میں کوئی میل رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام صحابہؓ اور اہل بیت اور دیگر حضرات کی محبت اور عقیدت کامرکز صرف اور صرف آپ ہو گئے۔

## خارج کی شورش اور اس کا قلع قمع

اگرچہ آپ کے خلیفۃ المسلمین ہوتے ہی ہر طرف امن و سلامتی کا دور دورہ شروع ہو گیا اور مسلمانوں کی سالوں کی باہمی چپقلش محبت و مودت میں تبدیل ہو گئی، اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے سے سبائی تحریک بھی ظاہری طور پر نیم جان ہو گئی لیکن معاہدہ تحکیم کے وقت انہی لوگوں میں سے کچھ لوگ علیحدہ ہو گئے تھے جو خارجی کہلاتے گئے، ان لوگوں نے ملک میں کافی شورش برپا کر رکھی تھی، فیصلہ تحکیم کے بعد ان کا زور بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک خاص سازش کے تحت ان لوگوں نے سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عروین العاصؓ کو شہید کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں سیدنا علیؓ شہید ہو گئے لیکن دوسرے دو حضرات بالکل مامون و محفوظ رہے۔

صحیحین کی حدیث کے مطابق یہ ایسے لوگ تھے جو قرآن تو پڑھتے تھے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا تھا، آپ نے فرمایا:

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مَرُوقَ السُّلْهُمِ مِنَ الرَّمِيَةِ يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ  
وَيَدْعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ لِنُحْدِمْكَهُمْ لَا قَتْلَهُمْ قَتْلَ عَادَ - (بخاری ص ۷۷۷)  
وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر، اہل اسلام کو تو

قتل کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں نے انہیں پالیا تو انہیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد کو قتل اور فنا کیا گیا تھا ۷

## خارجیوں کی سرکوبی

باوجودیکہ وہ اسلام سے نکلے ہوئے تھے اور ملت اسلامیہ سے انہوں نے اپنے آپ کو الگ کیا ہوا تھا، قریش کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت تھی اور جمہور صحابہ پر لعن طعن کرتے تھے لیکن پھر بھی قرآن پڑھتے تھے یہاں تک کہ ان کا نام ہی ”قتلِ اہل“ پڑ گیا، نمازیں بہت طویل اور خشوع و خضوع سے پڑھتے تھے ۷

سیدنا علیؓ نے جنگ نہروان میں ان لوگوں کو خوب قتل کیا تھا اور قتل کے بعد ان کی لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا اور ان لوگوں کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھی لیکن چونکہ ان لوگوں کو اسلام دشمنی درشت میں ملی تھی کیونکہ یہ لوگ بھی اصل میں توسیاتی ہی تھے اس لیے سیدنا علیؓ کی خلافت کے بعد بھی انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو بدستور قائم رکھا، یہ لوگ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کو گمراہ سمجھتے تھے اور ان کے حامیوں کو مباح المال والدم منقول کرتے تھے۔ سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں ان لوگوں نے بڑے زور و شور سے سر اٹھایا

اور اہل نہروان میں ایک خارجی فرد بن نوفل نے کوفہ کے قریب علم بغاوت بلند کیا۔ آپؐ نے اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں لیکن انہیں شکست ہوئی، سیدنا معاویہؓ یہ سمجھتے تھے کہ اس بغاوت میں کوفہ والوں کا بھی ہاتھ ہے لہذا انہوں نے کوفہ والوں کو دھمکی دی، اس دھمکی پر اہل کوفہ نے فرد بن نوفل خارجی کو گرفتار کر لیا لیکن اس کے گرفتار ہوتے ہی خارجیوں نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو اپنا سردار بنالیا، اہل کوفہ نے اسے بھی قتل کر دیا، اس کے بعد حوثہ ابن وداع بن مسعود الاسدی سردار سی کے عہدہ پر متمکن ہو گیا، ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۵، ۲۰۶) غرض کہ سرداروں کے مرنے سے ان کی جانیازی میں کوئی فرق نہ پڑتا ایک سردار مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا

اور اس طرح ان کی شورش اور بغاوت کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، سیدنا معاویہؓ ان کے اس سلسلے سے ذرا پریشان ہوئے، آپ نے ان کی اس طاقت و قوت کو توڑنے کے لیے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جیسے بہترین مدبر کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا، آپ کی گورنری میں شیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ اور بانی یثلی وغیرہ نے سر اٹھایا لیکن آپ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ان کے زور کو توڑ دیا، پھر ۳۳ھ میں مستور بن علقمہ خارجی نے خفیفہ سازش کی کہ عید الفطر کے موقع پر لوگ نماز کے لیے جایں تو ان پر دفعتہ حملہ کر دیا جائے سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو اس کا علم ہو گیا آپ نے فوراً اس کا تدارک فرمایا اور جس گھر میں یہ سازش ہو رہی تھی اس گھر کا محاصرہ کر لیا، مستور بذات خود نکل گیا لیکن سازش میں دوسرے شریک آدمی گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے۔ سیدنا معاویہؓ کی طرح سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا بھی یہ خیال تھا کہ خارجیوں کی اس شورش میں اہل کوفہ کا ہاتھ ہے، اس لیے انہوں نے مناسب سمجھا کہ پہلے اہل کوفہ کا علاج کیا جائے، آپ کی حکمت عملی میں تلوار سب سے آخری شے تھی لہذا آپ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک مختصر سی تقریر فرمائی اور فرمایا لوگو! میں ہمیشہ تمہارے لیے امن و عاقبت چاہتا ہوں اور مصائب کے لیے تمہارے راستے میں روکاٹ نہیں بننا چاہتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے اس طرز عمل سے کم عقل لوگ بد آموز نہ ہو جائیں اللہ جلیم اور اہل عقل سے اس چیز کی امید نہیں ہے، بخدا مجھے اندیشہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ اور ناکردہ گناہ لوگوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں قبل اس کے کہ تم پر کوئی مصیبت آئے تم اپنے کم عقل آدمیوں کو روک لو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ منافقت اور مخالفت کا بیج بویہ ہیں واللہ اوہ لوگ عرب کے جس قبیلے سے بھی متعلق ہوں گے میں ان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دوں گا اور ان کو ان کے بعد آئیوا لوں کے لیے عذاب کا نمونہ بنا دوں گا۔

در الکامل لابن الاثیر الخیردی جلد ۳ ص ۲۱۲، طبری جلد ۲ ص ۱۰۶۔

اس تقریر کا بہت اثر ہوا تقریر کے فوراً بعد ہی ایک کوئی سردار متعل بن قیس نے اٹھ

کہ کہا کہ آپ ایسے کم عقل لوگوں کا ہمیں پتہ بتائیں ہم خود ان کا علاج کریں گے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوں گے تو ہم ان کے قبائل کو حکم دیں گے کہ وہ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کو پکڑ کر آپ کے حوالہ کر دیں، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جواب دیا کہ میں ایسے لوگوں کے ناموں سے آشنا نہیں ہوں اس پر معقل بن قیسؓ نے کہا کہ پھر ہر قبیلہ کا ذمہ دار آدمی اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے اور سب سے پہلے میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں اس معقول جوئے کو سب نے قبول کیا، لہذا تمام قبائل کے سرداروں کو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے قبیلوں کے ذمہ دار ہواؤ اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو اس کا تمبیارہ تم کو جھگڑتا پڑے گا اس دھکی پر تمام سرداران قبائل نے اپنے اپنے قبیلہ کے ان ناعاقبت اندیش لوگوں کی روک تھام شروع کر دی، مستورد نے جب یہ حالات دیکھے تو وہ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا، سیدنا مغیرہؓ نے معقل بن قیسؓ کی ماتحتی میں اس کے مقابلہ کے لیے فوجیں بھیجیں دونوں میں کافی معرکے ہوئے لیکن میدان مستورد اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ ہی رہا، آخر میں مستورد اور معقل بن قیسؓ دونوں نے ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷)

ان معرکوں میں خارجیوں کی کافی تعداد کام آئی اور جو پنج گئے وہ بھی منتشر ہو گئے جس سے مستورد اور اس کے ساتھیوں کا کافی حد تک زور ٹوٹ گیا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوا بن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷، ۲۱۸)

## بصرہ کی شورش

عراق کا پورا علاقہ سیدنا علیؓ کے ماتحت تھا اور سبائی تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا سیدنا حسنؓ نے جب امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی تو سبائیل کو اس سے بہت دھکا لگا وہ ظاہری طور پر تو اب کچھ کہہ نہیں سکتے تھے البتہ اندرونی طور پر انہوں نے مختلف قسم کی شرارتیں اور سازشیں کرنا شروع کر دیں، کوفہ کی اس شورش کو تو مدبر اسلام سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنی حکمت علی سے ختم کر دیا لیکن بصرہ کی حالت نہایت خراب تھی یہاں کے گورنر

عبداللہ بن عامرؓ کچھ غیر معمولی حلیم الطبع اور نرم خور واقع ہوئے تھے وہ فسادوں اور فتنے پر رازوں پر بھی سختی کو روا نہیں سمجھتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔

زیاد بن ابی سفیان نے جو سیدنا معاویہؓ کے سوتیلے بھائی تھے بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو سختی کرنے کی ہدایت کی لیکن انہوں نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا، یہاں کے حالات کی روز بروز بد سے بدتر ہو رہے تھے، اس لیے یہاں کی پبلک نے سیدنا معاویہؓ سے حالات کی درستگی کی اپیل کی سیدنا معاویہؓ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ گورنر کی نرمی کی وجہ سے ہو رہا ہے اس لیے انہوں نے عبداللہ بن عامر کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن عبداللہ ثردی کو گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ بھی بصرہ کے حالات کو روبہ اصلاح نہ کر سکے آخر ۴۴ ماہ کے بعد شکستہ میں زیاد بن ابی سفیان کو دھماکا لگا گورنر مقرر کیا گیا اور سچی بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کیلئے یہ نہایت موزوں آدمی تھا یہ نہایت قادر الکلام مقرر اور شعلہ بیان خطیب تھے انہوں نے آتے ہی ایک ایسی تقریر کی جو زور بیان اور الفاظ کے شکوہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی اس تقریر کے آخر میں آپ نے فرمایا :-

میرے اور قوم کے درمیان جو کینہ اور عداوت تھی وہ میں نے آج اپنے پاؤں تلے روند دی ہے میں کسی سے محض دشمنی کی وجہ سے مواخذہ نہیں کروں گا اور نہ کسی کے عیوب کی پردہ دری کروں گا مگر یہ کہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے

→ بے نقاب ہونے کے بعد بھی میں یہی کوشش کروں گا کہ اس سے چشم پوشی کروں تم میں اگر کوئی محسن ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے احسان میں زیادتی ہی کرے، اور اگر کوئی بُرا ہے تو اسے اپنی برائیوں سے یک قلم باز آ جانا چاہیے، تم لوگ اطاعت و فرمانبرداری سے میرے ساتھ تعاون کرو حق تعالیٰ تم پر رحم فرمائے

گیا اخبار الطوال ص ۲۱۹، ۲۲۰ ابن الاثیر نے الکامل میں یہ خطبہ کا نقل کیا ہے جو کہ فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار بھی ہے۔ (جلد ۲ ص ۳۲۳)

یہ تو تھی زبانی فہمائش، لیکن یہ لوگ زبانی فہمائش سے سمجھنے والے نہیں تھے لہذا آپ نے ساتھ ہی بصرہ میں رات کا کر فیو لگا دیا، پولیس کی بھاری جمیعت راتوں کو گشت کرتی اور

وقت مقرر کے بعد جو شخص باہر نظر آتا اسے گرفتار کر لیا جاتا اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ کی حالت بہت جلد درست ہو گئی اور مملکت اسلامیہ میں کافی حد تک فتنہ پردازوں کا خاتمہ ہو گیا۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے کوفہ کے حالات کو درست فرما دیا تھا لیکن سنہ ۳۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا سیدنا معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں پھر فتنہ پرداز اپنی خفیہ سازشوں کو بروئے کار نہ لائیں، لہذا ضروری تھا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جیسا مدبر ہی کوفہ کا گورنر بنایا جائے۔

زیادہ کے تدبیر اور حکمت عملی کو سیدنا عمر الفاروقؓ نے مانا ہوا تھا۔ ابن عساکر جلد ۸ ص ۲۹

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۹) اور خود سیدنا علیؓ نے اس کے تدبیر امدان کی عدل گستری کی وجہ سے ۳۹ھ میں ان کو فارس کا گورنر مقرر فرمایا تھا۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۲) اس لیے سیدنا معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی ان پر فرمادی اس لحاظ سے زیادہ سب سے

۱۔ زیادہ بن ابی سفیانؓ کے بارہ میں بھی لوگوں کے ذہنوں میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کی گئی ہیں، بتایا یہ جاتا ہے کہ وہ بہت ظالم تھے حالانکہ یہ غلط ہے، بصرہ اور کوفہ جو پچھلے سبائی مرکز تھے اور سبائی یہاں آئے روز خلافت اسلامیہ کے خلاف شورش برپا کرتے رہتے تھے ان کی شورش کو انہوں نے اپنی منتظمانہ قابلیت سے فرو کیا جس میں ہمیشہ کچھ سختی بھی کرتا پڑتی ہے لہذا انہی لوگوں نے ان کو درشت مزاج، سنگدل اور جلاذم کے الفاظ سے یاد کیا، حالانکہ تاریخ کے ادلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت شیکدل اور زاہد شب زندہ دار شخص تھے، چنانچہ حافظ ابن عساکر فرماتے ہیں:

کان یعد فی الزہاد۔

وہ زاہدوں میں سے شمار ہوتے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۸ ص ۴۶)

جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے۔

کان زیاد من اعتزل يوم الجمل ولم يشهد المعركة وقعت فی بیت رافع

بن الحارث۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۸ ص ۴۸)

زیادہ ان لوگوں میں ہیں جو جنگ جمل میں غیر جانبدار رہے تھے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے اور

رافع بن الحارث کے گھر میں بیٹھ رہے۔



پہلے آدمی ہیں جو بیک وقت کوفہ اور بصرہ دونوں صوبوں کے گورنر تھے، آپ چھ مہینے کوفہ میں رہتے اور چھ مہینے بصرہ میں راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۳۲، کتاب الوسیطہ احمد الاسکندری ص ۱۱۰۔

کوفہ کے لوگ چونکہ ان کے مزاج سے واقف نہیں تھے لہذا ان کے گورنر ہوتے ہی انہوں نے معمولی سی شورش برپا کی زیادہ انی سفیان نے سختی سے ان کی شورش کو بالکل دبا دیا۔

## بغاوتیں

ان اندرونی شورشوں کے علاوہ متعدد مفتوحہ علاقوں میں معمولی بغاوتیں بھی ہوئیں لیکن آپ نے ان بغاوتوں پر جلد ہی قابو پالیا، آپ کے امیر المومنین ہونے کے ساتھ ہی ائمہ میں ہرات، بلخ، باوندیس اور بلوشیخ وغیرہ علاقوں کے باشندوں نے بغاوت کی، مشرقی ممالک کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے قیس بن مثنیم کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا، گورنر مقرر ہونے کے بعد قیس خراسان سے بلخ پہنچے اور یہاں کے باشندوں کی بغاوت کو فرو کیا اور بلخ کے مشہور آتش کدہ نو بہا کو ہمار کیا، جس سے باغیوں کے قلوب پر بہت رعب پڑا، عبداللہ بن خازم نے ہرات اور دوسرے علاقوں کی بغاوتوں کو فرو کر کے انہیں زیر کیا۔ (راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۰۸)

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اہل اسلام نے کابل اور اس کے ملحقہ علاقوں کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔ لیکن بعد میں مسلمانوں کی آپس کی چپقلش نے ان لوگوں کو پھر سر اٹھانے کا موقع دے دیا، چنانچہ ۴۳ھ میں یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی، سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے عبدالرحمن بن سمرہ کو سجستان کا وال بنا کر بھیجا اور کابل اور اس کے ملحقات کی بغاوت فرو کرنے کی خاص ہدایات دیں۔ آپ نے آتے ہی کابل کا محاصرہ کر لیا اور منجیقوں کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر کی فصیل کی دیواروں کو شق کر دیا، عباد بن حصین ساری رات ان شگافوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کہیں دشمن ان کو پورہ کر دیں، شہر والوں نے جب کوئی چارہ رہائی نہ سمجھا تو شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کی

وقت کی تاب نہ لا کر شکست فاش کھائی راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷) یعقوبی نے لکھا ہے کہ شہر پناہ کے دربان نے شہر کا پھاٹک کھول دیا تھا یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۸)

کابل کی فتح کے بعد اسلامی لشکر نے بست کا رخ کیا اور وہاں بھی وہ حالات کو جلد اپنے قابو میں لے آئے، یہاں کے حالات پر قابو پانے کے بعد لشکر اسلام نے زران کا رخ کیا یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کے سپرد ال دی اور خون کا ایک قطرہ یہاں سے بغیر ہی شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد طخارستان کو زیر کیا گیا اور پھر رنج پر قبضہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر غزنہ پہنچا اہل غزنہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست فاش کھائی، اس طرح پورے باغی علاقے پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور سبستان سے لے کر غزنہ تک کا پورا علاقہ جو بغادت کی وجہ سے مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا پھر مسلمانوں کی ماتحتی میں آ گیا۔

(راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۱۷)

۳۷۰ھ میں غوریوں نے بغادت کی لیکن حکم بن عمرو غفاری نے اسے جلد ہی فرو کر دیا راہن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۶) سرخس کہ جہاں بھی فتنہ و بغادت کے آثار نظر آئے فوراً اس کا تدارک کیا گیا اور پھر پانچ سال کے عرصہ ہی میں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے ملک میں فساد اور بغادت کی جو ہوائیں اٹھی تھیں درشتی اور نرمی سے ان کے رخ کو پھیر دیا گیا اور حالات یہاں تک خوشگوار ہو گئے کہ سیدنا ابو بکر رضہ، سیدنا عمر رضہ اور سیدنا عثمان رضہ کے زمانوں کی یادیں مسلمانوں کے ذہنوں اور نظروں کے سامنے پھر سے پھرنے لگیں۔



# اصلاحات

سیدنا علیؑ کے زمانہ میں بیرونی فتوحات کا زمانہ ایک قلم منقطع ہو چکا تھا کیونکہ مسلمانوں کو اپنی ان خانہ جنگیوں ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی جو دشمنان اسلام نے ان کے درمیان پیدا کر دی ہوئی تھیں، اسی کا نتیجہ تھا کہ بیرونی دشمن ایک دوسرے کو کساتے اور اسلام کی اس خلافت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی بنیاد سیدنا صدیق اکبرؑ کے وجود باوجود سے پڑی تھی، چنانچہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جن دونوں جنگ صفینؓ پر لڑی تھی انہی دونوں قبضہ روم نے اسلامی سرحدوں پر اپنی فوج کو مجتمع کرنا شروع کر دیا تاکہ مسلمانوں کے اس خلفشار سے نائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر اچانک حملہ کر دے سیدنا معاویہؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسے لکھا:

یا لعین واللہ! لن نلحقک ولا نخرجک من بلادک ولا نصلحک انا  
 وابن عمی علیک ولا نخرجک من جمیع بلادک ولا ضیقن علیک الامر  
 بما رحبت۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۱۹)

اے لعین! بخدا! اگر تو اس کام سے باز نہ آیا اور اپنے لشکروں کے ساتھ  
 اپنے شہروں میں واپس نہ چلا گیا تو میں اور میرا چچا زاد بھائی (علیؑ)، آپس میں  
 تیرے خلاف صلح کر لیں گے اور تجھے تیرے تمام شہروں سے نکال دیں گے  
 اور زمین کو باوجود اس کی وسعت کے تجھ پر تنگ کر دیں گے۔

سیدنا معاویہؓ کے اس جواب سے قیصر روم بہت خوف زدہ ہو گیا اور واپس چلا  
 گیا بلکہ صلح کے لیے ایک وفد سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں بھیجا:

قصر دم کو یہ جرأت صرف اس لیے ہوئی تھی کہ مسلمان باہمی خانہ جنگی کا شکار تھے اور بیرونی فتوحات کا سلسلہ بالکل معطل ہو چکا تھا آخر پانچ چھ سال کے بعد جب زمام خلافت سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ آئی تو آپ نے پھر وہی سلسلہ قائم کر دیا جو خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں تھا، چنانچہ علامہ ابن کثیر جن کا قول اور نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں کہ:-

الجهاد في بلاد عدو وقاشر وكلمة الله حالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه في ملحقه وعدل وصبغ وعقوب-

(سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دور خلافت میں عدل و انصاف اور راحت آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۹)

گویا ہر جانب مرفہ حالی کا دور دورہ تھا، سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب اضافہ ہو رہا تھا۔ بحری بیڑہ تو سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ہی آپ نے تیار کر لیا تھا اب اس کو اچھی خاصی ترقی دی گئی جس کے باعث سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھر یہ الہر انے لگا، رعیت کی گردیدگی آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے دل کو موہ لیا تھا اسی لیے تو ابن تیمیہؒ کو کہنا پڑا:-

كانت سيوة معاوية مع رعيتهم من خيار امير المولاة وكان رعيتهم محبوبه وقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال خيار امثلكم الذين تحبونهم ويعتوبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار امثلكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم ويغضونكم وتبغضونهم ويلعنونكم۔ (محتاج السنة ج ۳ ص ۱۸۹)

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت

کر داور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔“  
تاریخ کے اوراق اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے جہاں بیرونی فتوحات کیں وہاں اندرون ملک بھی پبلک اور رعایا کی بہتری کے لیے مختلف اصلاحات نافذ کیں، چنانچہ شیعی مؤرخ امیر علی کو متعجب ہونے کے باوجود یہ لکھنا پڑا:-

On the whole Muawiyah's rule was prosperous and peaceful at home and successful abroad.  
(History of Saracens, P. 82)

”مجموعی طور پر سیدنا معاویہؓ کی حکومت اندرون ملک بڑی خوشحال اور پرامن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بڑی کامیاب تھی۔“  
آپ نے ملک کے غیر منظم معاملات کو بچھرتے منظم کیا، ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے کو خود کفیل بنایا، ہر صوبہ کی سالانہ آمدن کو اسی صوبہ کی ترقی پر خرچ کرنے کی ہدایات دیں سوائے ایک مختصر سی رقم کے جو ہر سال مرکز کو بھیجی جاتی تھی، ہر صوبے کی زکوٰۃ بھی مقامی بیت المال میں جمع ہوتی اور پھر وہیں صرف ہوتی، اس سے یہ ہوا کہ ہر صوبے میں ترقی اور خوشحالی کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بیت المال کے لیے رقم دیتے لیکن اس معاملہ میں آپ نے زیادہ تر فاروقی اصولوں کو اپنایا۔

## رفاہ عام کے کام

آپ نے لوگوں کی بہتری کے بہت سے کام کیے لیکن اس معاملہ میں وہ بھی زیادہ تر فاروقی اور عثمانی اصولوں پر عمل کرتے رہے۔ رعایا کے بچوں کی پرورش کیلئے

وظائف سب سے پہلے سیدنا عمرؓ نے مقرر فرمائے تھے خلافت عثمانی میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا مگر وقتاً فوقتاً اس میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آپ نے بھی اپنے زمانہ میں اس چیز کو قائم رکھا البتہ اس میں یہ تبدیلی اور ترمیم فرمائی کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں بچہ پیدا ہوتے ہی وظیفہ شروع ہو جاتا لیکن آپ نے دودھ چھڑانے کے بعد اس کا وظیفہ جاری فرمایا۔ (فتوح البلدان ۴۶۴) علاوہ ازیں آپ نے متعدد سرکاری کارکن مقرر فرمائے جو روزانہ قریہ بقریہ اور شہر بہ شہر پھر کر اس بات کا پتہ چلاتے کہ کس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، وہ سرکاری ملازمین نہ صرف بچوں کی پیدائش کا پتہ چلاتے بلکہ یہاں تک خیر رکھتے کہ کسی کے ہاں کون جہان آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ اور ان سب حالات سے حکومت کو روزانہ باخبر رکھتے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۴)

## مساجد کی تعمیر

آپ نے اپنے عہد خلافت میں کثرت سے نئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو از سر نو تعمیر کروایا، چنانچہ زیاد بن ابی سفیانؓ نے بصرہ کی جامع مسجد کو جو کہ بہت پرانی بھی تھی اور بھوئی بھی، مسمار کروا کر از سر نو اینٹ اور پتھر سے نہایت وسیع اور خوب صورت شکل میں بنوایا اور اس کی چھت ساکھو کی بنوائی۔

(فتوح البلدان بلاذریؒ، معجم البلدان لیاقوت الحموی جلد ۴ ص ۳۲۳، ۳۲۴)

عبد الرحمن بن عمروؓ نے بصرہ میں کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی بصرہ کی مساجد میں میناروں کا بالکل رواج نہ تھا، سیدنا مسلمہ بن مخلدؓ نے تمام مساجد کے مینار تعمیر کرائے۔

(الاصحاب لابن حجر جلد ۴ ص ۲۱۹ تذکرہ مسلمہ بن مخلد)

قبرص میں جس کو خلافت عثمانی میں سیدنا معاویہؓ ہی نے فتح کیا تھا، بہت سی مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ (فتوح البلدان ۱۶) سیدنا عقیب بن نافعؓ نے تیروان کی آبادی میں ایک بہت بڑی جامع مسجد تعمیر کروائی۔ (فتوح البلدان ۱۶ معجم البلدان ذکر قیروان)

مصر میں مسجدوں کے میناروں کا رد اجماع بھی سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا۔  
(مقریزی جلد ۲ ص ۲۲۸) اور عراق کی بصرہ مسجد میں بھی زیاد بن ابی سفیان نے سب  
سے پہلے پتھر کے مینار بنوائے۔ (فتوح البلدان ص ۳۵۶)

## غلاف کعبہ

سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے زمانوں میں بیت اللہ پر معمولی قسم کا غلاف چڑھایا  
جاتا تھا۔ سیدنا عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں قیمتی غلافوں کا چڑھانا شروع کیا، لیکن آپ  
نے ایک تو خانہ کعبہ کی خدمت کے لیے متعدد غلام مقرر کیے دوسرے دیبا اور حریر کا بہترین  
غلاف بیت اللہ پر چڑھایا۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۳)

## غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ

مسلمان تو مسلمان آپ نے غیر مسلموں کے حقوق کی بھی حفاظت پوری طرح فرمائی،  
ان کے معاہدات اور جذبات کا پورا پورا احترام کیا اور ان کے جان و مال کی اچھے  
طریقے سے حفاظت فرمائی، چنانچہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں یوحنا کے گرجے کے پاس  
ایک مسجد بنائی گئی تھی سیدنا معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں مسجد کو وسیع کر کے خیال سے  
گرجا کو بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا لیکن عیسائی گرجا کی زمین دینے پر راضی نہ ہوئے، لہذا  
آپ نے مسجد کی وسعت کا ارادہ ترک فرمادیا اور زبردستی گرجا کو مسجد میں شامل نہ کیا تاکہ  
ان کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ (فتوح البلدان ص ۳۳۱)

آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت ہو اور ان کے  
گورنروں اور حکام کے ہاتھوں کسی غیر مسلم کی جان اور مال کو کسی قسم کا کوئی نقصان  
نہ پہنچے۔ چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ عقبہ بن عامر صحابی رسول کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا وہ مصر کے  
ایک گاؤں میں اپنا رہائشی مکان بنوانا چاہتے تھے، اس غرض کے لیے سیدنا معاویہؓ نے

انہیں ایک ہزار جریب زمین دی، انہوں نے ایک غیر آباد زمین اس مقصد کے لیے منتخب فرمائی، آپ کے خادم نے کہا حضرت! یہ جگہ غیر آباد ہے مکان کی تعمیر کے لیے یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے اس لیے آپ کوئی عمدہ قطو زمین منتخب فرمائیے سیدنا عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کسی ذکی کی زمین اس کے قبضہ سے نکال کر اپنا مکان تعمیر کراؤں۔ (مقریزی جلد ۲۸)

## زراعت اور اس کے وسائل کی ترقی

آپ نے زراعت اور اس کے وسائل کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی، چنانچہ آپ نے زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوائیں جن سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی جس سے ملک کی زراعت میں بہت ترقی ہوئی، چنانچہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہر نظامہ، نہر اذرق اور نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ (وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ ص ۱۱، خلاصۃ الوفاء ص ۱۳۶) زیاد بن ابی سفیان نے نہر معقل کو جو کہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں سیدنا معقلؓ نے کھدوائی تھی دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔ (فتوح البلدان ص ۳۶۶) بخارا کے کوہستان سے عبید اللہ بن زیادؓ نے بھی ایک نہر کھدوائی۔ (طبری جلد ۶ ص ۱۶۱) نہروں کی کھدائی کے علاوہ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر بڑے بڑے تالاب بنوائے گئے جن میں موسم برسات میں پانی جمع ہوتا اور ضرورت کے وقت آبپاشی اور دیگر کاموں میں لایا جاتا۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۳۲۱)

پانی کی اس فروانی سے ملک کی زرعی حالت میں کافی حد تک ترقی ہوئی، چنانچہ صرف مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہروں سے ڈیڑھ لاکھ وستی کھجوریں اور ایک لاکھ وستی گندم پیدا ہوتی تھی۔ (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۲۳۷)



# زراعت کیلئے پانی کی فراہمی

زراعت کے لیے پانی اشد ضروری ہے، زمینوں کو پانی وافر ملے تو وہ بہت جلد زرخیز ہو جاتی ہیں بلکہ سونا اگلنے لگتی ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں زراعت کے لیے اور لوگوں کے پینے کے لیے وافر پانی فراہم کیا، آپ نے مختلف علاقوں میں نہریں کھدوائیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے لیے تالاب بنوائے اور عراق کے علاقہ میں ایک نہر بنوائی۔ روایات میں ہے کہ آپ نے زیاد بن ابی سفیان کو نہر کی کھدوائی کا حکم دیا، اور بعض روایات کے مطابق یہ کام عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کے ذریعہ سرانجام دیا، جب نہر کی کھدائی مکمل ہو گئی تو پانی کے اجراء کے لیے زیادؓ نے صحابی رسول سیدنا معقل بن یسارؓ کو اس کے افتتاح کے لیے زحمت دی، چنانچہ انہوں نے اگر اس نہر کا افتتاح فرمایا، اس نہر کا نام نہر معقل رکھا گیا۔

(فتوح البلدان ص ۲۶۶)

مدینہ طیبہ میں بھی اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر کھودی گئی، جب اس نہر کی کھدائی میدان احد میں سے ہوئی (کیونکہ اس نے یہاں سے گزر کر جانا تھا) تو حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقرباء یہاں مدفون ہیں وہ انہیں کہیں دوسری جگہ منتقل کر لیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے اپنے اعزاء و اقرباء کے مزارات کو کھولا تو دیکھا کہ ان شہداء کے جسم بالکل اسی طرح ترقازہ ہیں حالانکہ انہیں وہاں دفن ہونے چالیس سال سے زائد عرصہ گزر چکا تھا۔ سیدنا حمزہؓ کے قدم مبارک پر کوئی چیز لگنے سے خون جاری ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۴۴، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۳ ص ۲۹۱، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۳۹۴، ص ۴۰۶، المصنف لعبد الرزاق جلد ۳ ص ۵۵، کتاب التمسید لابن عبد البر جلد ۱ ص ۱۲۶)

مدینہ طیبہ سے قریباً بیس میل دور چوپالوں اور مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے

آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک تالاب بنوایا جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا، یہ ایک نشیبی علاقے میں تھا، لوگ اس سے اپنے مویشیوں کو پانی پلاتے، لوگ اسے "سیدہ معاویہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ (بلاد العرب ص ۱۲۸ کتابہما ص ۱۲۸)

## نئے شہروں کی تعمیر

بیدادار کی زیادتی سے کلی آبادی میں بھی اضافہ ہوا جس سے اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں کیونکہ زمین کے حرموں کو سونے سے رہائشی زمین کم ہو گئی۔ چنانچہ مسلمانوں میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی قائم کی گئی۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۸) رومس اور کئی دوسرے جزیروں میں بھی جہاں غیر مسلم آباد تھے اہل اسلام کو بسایا گیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۲۸) علاوہ ازیں کئی دیران شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا گیا، جیسے شام کا دیران شدہ شہر دمشق، اسی کے علاوہ کئی نئے شہر بھی آباد کیے گئے جیسے افریقہ میں ایک نیا شہر قیروانو بسایا گیا، اس شہر کی تعمیر کی وجہ تاریخ کے اوراق میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا معاویہ کی طرف سے سیدنا عقبہ بن نافعؓ افریقہ کے گورنر تھے، اس سے قبل سیدنا معاویہ بن خدیجؓ نے افریقہ کے ان علاقوں کو فتح کیا تھا اور یہاں کی بربر قوم کو مطیع و منقاد بنایا تھا، اہل اسلام کی بربر دستی کو دیکھ کر بربر زیر دست تو ہو گئے اور وقتی طور پر انہوں نے اسلام کا علاقہ بھی اپنی گردن میں ڈال لیا لیکن جو نبی مسلمانوں کا شکر وہاں سے جتا وہ سارے لوگ جو مسلمان ہوئے تھے مرتد ہو گئے اور اسلامی لشکر کے رہے ہے مسلمانوں کو تاحوت و تاراج کرنا شروع کر دیا، معاویہ بن خدیجؓ کے بعد عقبہ بن نافعؓ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، انہوں نے بربروں کی اس آئے دی کی عادت گہری سے اہل اسلام کو بچانے کے لیے وہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن جس جگہ شہر اور فوجی چھاؤنی بنانا مقصود تھا وہاں سیلوں میں گھنا جنگل تھا اور اس میں نہایت موذی قسم کے سانپ اور جنگلی وحش رہتے تھے اور انسانی فکریں یہ ممکن نہیں تھا کہ ان سانپوں اور درندوں سے اس گھنے جنگل

کو خالی کر کر وہاں شہر آباد کیا جائے گا، بربر لوگ مسلمانوں کے اس منصوبے کو حیرت و  
استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی تکمیل کو بالکل ناممکن خیال کرتے تھے،  
ایک روز سیدنا عقبہ بن نافعؓ گورز افریقہ نے جنگل کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر ان  
جنگلی جانوروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اٰیہا الحیات والسباع غنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ارحلوا عنا فاننا نازلون، ومن وجدناہ بعد ذلک قتلناک۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۳)

اے سانپو اور درندو! ہم رسول اللہ کے صحابی ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ  
ہم اس جنگل کو اپنا ٹھکانا بنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد ہم جس جانور کو اس  
جنگل میں دیکھ لیں گے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

اس روز ایک نہیں ہزاروں لوگوں نے دیکھا کہ جنگل کے وہ سانپ اور درندے  
اور دوسرے موذی جانور اپنے بچوں کو چٹائے اس جنگل کو چھوڑ رہے تھے اور اسی  
روز وہ جنگل ان موذی جانوروں سے یکسُلم خالی ہو گیا، یہ دیکھ کر بربروں کی ایک کثیر تعداد  
خلوص دل سے مسلمان ہو گئی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۳۳، معجم البلدان جلد ۷ ص ۱۹۴،  
البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۵، ہسٹری آف دی سیرینز ص ۷۹)

جنگل خالی ہونے کے بعد وہاں قیروان نامی ایک شہر آباد کیا گیا اور ایک جامع مسجد  
تعمیر کی گئی، لوگوں نے بھی اپنے مکانات تعمیر کیے اور اپنے محلوں میں مساجد بنائیں جس سے  
ان کو پانچ وقتی نماز میں سہولت ہو گئی۔ شہر کی وضع اس طرز کی تھی کہ شہر کے وسط میں  
دارالامارت تھا اور اس کے ارد گرد چاروں طرف مسلمانوں کے محلے بنائے گئے، اس شہر  
کی تکمیل ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ یہ شہر صرف ایسے بسایا گیا تھا تاکہ افریقی بربروں کو مطیع و متعاور رکھا  
جاسکے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم تھے کہ جب تک ان کے سروں پر فوجی طاقت مسلط نہ  
رہتی وہ بغاوت سے باز نہ آتے تھے، یہاں ایک فوجی چٹاؤنی بھی قائم کی گئی۔

اس شہر نے بعد کے زمانہ میں اس قدر ترقی کی کہ برہمائی افریقہ کا ایک بہت بڑا  
شہر بن گیا۔

## نقل و حمل کا انتظام

آپ کے زمانہ میں نقل و حمل (Communication) کا بھی خاطر خواہ انتظام تھا اور خصوصی طور پر ڈاک کے لیے ”البعید“ کے نام سے ایک مستقل محکمہ بنایا گیا کیونکہ اس سے قبل ڈاک اور خبر رسانی کیلئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہیں تھا۔ (النظم الاسلامیہ ص ۲۵۲) اس کا نظام یہ تھا کہ بارہ بار میل کے فاصلہ پر چوکیاں قائم کی گئیں جہاں تیز رفتار گھوڑے ہرقت موجود رہتے تھے، علامت کے طور پر ان گھوڑوں کی دمیں کو تھوڑا سا کاٹ دیا گیا تھا تاکہ گھوڑے کو دیکھتے ہی لوگ سمجھیں کہ ڈاک جا رہی ہے، گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتی تھیں تاکہ جو کی پر پہنچنے سے قبل ہی چوکی کے ہرکارے کو پتہ چل جائے کہ ڈاک آرہی ہے اس طرح سے سرکاری ہرکارے منزل بمنزل ڈاک اور خبروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے۔ (الفتری ص ۹)

## رعایا سے سلوک

بیت المال کا منہ رعایا اور اس کے آرام و آسائش کے لیے کھول دیا گیا تھا اور ہر ماہ جمند وہاں سے اپنی حاجت کے مطابق لے سکتا تھا، خصوصی طور پر اہلبیت نبوت پر تو ہر وقت داد و دہش ہوتی رہتی تھی، چنانچہ دس دس لاکھ درہم سالانہ سیدنا حسنؑ، سیدنا حسینؑ، سیدنا عبداللہ بن عباسؑ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؑ کو دیا جاتا تھا۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۸ ص ۸۲)۔ اس کے علاوہ ان بزرگوں کو عطیات اور ہدیوں کی شکل میں بھی بہت کچھ دیا جاتا تھا۔ (مقتل ابی مخنف، ابدا یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۵۱) بلکہ ایک دفعہ تو سیدنا حسنؑ کو چالیس لاکھ درہم دیئے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو بیس بیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۷) بیت المال

کے سابق معارف کو اسی طرح قائم رکھا، اکابر صحابہ کے جو وظائف جاری تھے ان کو بھی برابر جاری رکھا بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا۔

جس طرح دوسرے تمام خلفائے راشدین اُجہات المؤمنین کی خدمت کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے، سیدنا امیر معاویہؓ بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ کی رقم سیدنا عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا اور دوسری اُجہات المؤمنینؓ کو پیش کر کے دستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۲۵) اگرچہ آل ابی طالب اور دوسرے کئی اعیان و اشرف آپ کے خلاف رہے تھے لیکن آپ کی غیاضی کا ابر ہمیشہ ان پر برقرار رہا۔ (الفخری ص ۵۵) ایک دفعہ سیدنا عقیلؓ کو جو کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ کے بڑے بھائی تھے، چالیس ہزار دینہوں کی ضرورت تھی وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے فوراً ان کی مطلوبہ رقم ان کو دے دی۔ (اسد الغابہ لابی الاثیر تذکرہ عقیلؓ) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ جو کسی زمانہ میں سیدنا علی المرتضیٰؓ کے ساتھیوں میں سے ہونے کی وجہ سے آپ کے مخالف تھے ہمیشہ آپ کی تعریف کے گن گایا کرتے تھے کہ: ”لوگ معاویہؓ سے محزبِ کراں کی طرح متفیض ہوتے ہیں۔“ (طبری جلد ۸ ص ۸۸) اس کے علاوہ بیت المال کی آمدن کو ملک کے دفاعی، زرعی اور رفاهی کاموں میں صرف کیا جاتا۔ مثلاً بحریہ کو ترقی دی گئی، فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا، قلعے تعمیر کرائے گئے، البرید (دواک) کا حکمہ قائم کیا گیا، نہریں کھدوائی گئیں، مساجد تعمیر کروائی گئیں اور اسلامی نوآبادیات قائم کی گئیں جس سے ملک مستحکم اور رعایا خوشحال ہو گئی۔

لے بعض لوگوں نے بیت المال کے سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ پر بہت سے الزامات لگائے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ بیت المال کی اکثر آمدنی اپنی ذات پر صرف کرتے تھے۔ یہ بات عقلی اور نقلی دونوں (باقی مانشیہ اگلے صفحہ پر)

## قضا و عدالت

آپ کے دورِ حکومت میں نہ صرف ظاہری رفاہی کام کیے گئے بلکہ معنوی طور پر بھی رعایا اور پبلک کو آرام و آسائش بہم پہنچائی گئی، یعنی ظلم و جور میں رعایا کی دادرسی کی گئی، عدل و انصاف کو ہر ممکن طریق سے قائم کیا گیا۔ آپ کو انصاف اور عدل کا اتنا اہتمام تھا کہ مسعودی جیسا شیعی ذہن رکھنے والا مؤرخ بھی لکھتا ہے کہ آپ دربار میں جانے سے قبل روزانہ مسجد میں جا کر کمزور، ناتواں اور نادار اور لاوارث بچوں تک

رہیقہ حاشیہ از گذشتہ صفحہ) لحاظ سے بالکل غلط ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ کی زندگی بالکل ہی سادہ تھی اور آپ منبر پر بھی بھٹی ہوئی قمیض سے خطبہ ارشاد فرماتے۔ کتاب الزہد للامام احمد بن حنبل (جلد ۱ ص ۱۷۲) بلکہ دمشق کے بازاروں میں بھی پھٹے ہوئے لباس سے جاتے۔ رالبدیۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۲) آپ کا یہی پشٹا ہوا لباس لوگ تبرک کے طور پر لے جاتے پھر حجب وہ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر لوگ مدینہ طیبہ میں آتے تو یہاں کے لوگ بڑی بڑی قمیض لے کر ان کپڑوں کو خرید لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابی رسول سیدنا ضحاک بن قیس ایک نہایت بوسیدہ چادر اوڑھے ہوئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، آپ روضہ اقدس اور منبر نبوی کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوالحسن البراد نے آپ پر اوڑھی ہوئی چادر کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ سیدنا معاویہ کی چادر ہے، ابوالحسن نے ان کو ایک عام آدمی سمجھنے ہوئے ان سے وہ چادر خرید لی، چاہی اور تین سو دینار تک ان کو دینے چاہے مگر سیدنا ضحاک نے نہ لیا، اس کے بعد سیدنا ضحاک بن قیس نے اپنے دوست عویطب بن عبد اللہ غزالی کے گھر جا کر دوسری چادر لوٹ لہ لی اور یہ چادر لاکر ابوالحسن کو تحفہ ہی دیدی اور فرمایا: ”بدترین ہے وہ آدمی جو تبرک میں ملی ہوئی شے کو فروخت کرے، تو تم اسے پہن لو“ (ابن عساکر جلد ۷ ص ۱۷۲)

آپ کی سادگی اور لباس کی یہ بوسیدگی صاف صاف بتا رہی ہے کہ آپ بیت المال کی آمدنی اپنی ذات پر مطلقاً صرف نہیں فرماتے تھے اگر ایسا کرتے تو کم از کم اپنا لباس تو اچھا بنواتے۔

کی شکایتیں سننے اور ان کا تدارک کرتے، بلکہ اشرف و اعیان تک کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جو لوگ کسی وجہ سے میرے پاس نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھ سے بیان کیا کریں۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۱۷۱) سید امیر علی نے عوام کی شکایات سننے کے لیے مسجد میں جانا ظہر کا وقت لکھا ہے۔ (اسٹری آؤدی سیرنر ص ۸۲)

اس کا اثر یہ ہوا کہ مفلس اور توکر، کمزور اور طاقتور اور چھوٹے بڑے سب کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہو گئیں اور آپ کو نہ کسی اندرونی خطرے کا اندیشہ رہا اور نہ بیرونی کا، اور ملک کا نظام گزشتہ ۵ سالہ سیاسی بحران کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔

عدلیہ کو بالکل آزاد رکھا گیا تھا یہاں تک کہ ایک قاضی امیر المؤمنین کو بھی عدالت میں طلب کر سکتا تھا، قاضی محقرات کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتے تھے۔ اس دور کے قاضی ہر قسم کے غلط لوازمات سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں بڑے سے بڑے افسر سے بھی مرعوب نہیں ہوتے تھے، منصب قضا عموماً صحابہ کرام کے سپرد تھا۔ (النظم الاسلامیہ ص ۲۳۲)

سید نامعاویہ نے پہلے فضالہ بن عبید اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابو الدیس النولانی کو محکمہ قضا کا انچارج مقرر فرمایا تھا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲)



# عسکری نظام

آپ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاہی امور کی طرف توجہ دی بلکہ ایک بہترین عسکری نظام بھی قائم فرما کر ملک کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط ترین بنادیا، جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ سپہ سالاری کا عہدہ کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلا آ رہا تھا، خود آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ ساری عمر فوج کے سپہ سالار رہے اور آپ نے بھی کئی مواقع پر فوج کی سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے اس وجہ سے آپ کے زمانہ میں فوج کے صیغہ میں خاصی ترقی ہوئی۔

**افواج** | بری فوج کا انتظام سیدنا عمر الفاروقؓ ہی کے زمانہ سے براستحکم تھا لیکن آپ نے پھر بھی اس میں بہت سے اضافے کیے، فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کر دی گئیں اور ان کی ادائیگی میں خاص تاریخ کا تعین کر دیا گیا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۱۵۸) فوج دو حصوں میں تقسیم تھی، تنخواہ دار فوج اور رضا کار۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۱۵۸) لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج میں منتقل کر دیا۔ آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد ۲ لاکھ بیس ہزار تھی جو کہ حسب ذیل چھاؤنیوں میں رہتی تھی:-

کوفہ کی چھاؤنی میں	۶۰ ہزار
بصرہ " "	۸۰ ہزار
مصر " "	۴۰ ہزار
شام " "	۶۰ ہزار

والتمدن الاسلامی از جرجی زیدان جلد ۱۲، ص ۱۲۸

موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے فوج کے دو حصے کر دیئے گئے تاکہ فوجی جہوں میں کوئی مزاحمت پیش نہ آئے۔



(۱) شتائیم \_\_\_\_\_ (سرمائی فوج)

(۲) صائفہ \_\_\_\_\_ (گرمائی فوج)

علاوہ ازیں ایک ریزرو (Reserve) فوج کی تشکیل کی گئی، اس فوج کے سپہ سالار سیدنا معاویہؓ کے خصوصی فوجی مشیر تھے، ریزرو فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

(۱) بری (زمینی فوج)

(۲) بحری (سمندری فوج)

فوج میں زیادہ تر دو قبیلوں کے لوگ تھے۔ (۱) یعنی اور (۲) قیسی  
 یمینوں کو بحری ریزرو فورس میں اور قیسیوں کو بری ریزرو فورس میں شامل کیا گیا  
 بعد ازاں ان دونوں کو یکجا کر دیا گیا۔ (التعمد الاسلامی جرجی ریلن جلد ۱ ص ۱۲۶)  
 فوج کے اسلحہ میں بھی اضافہ کیا گیا اور منجنیق (ایک توپ جس میں پتھر استعمال ہوتا  
 تھا) کا استعمال تو سب سے پہلے آپ ہی کی فوج نے کیا، چنانچہ کابل کے محاصرہ میں  
 اسی منجنیق کے ذریعہ سنگ باری کر کے شہر پناہ کو مسمار کیا گیا۔ (ابی الاثیر جلد ۲ ص ۲۱۷،  
 یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۵)

**اسلامی بحریہ** بحری فوج کی اگرچہ خلافت عثمانی میں آپ ہی نے تشکیل کی تھی لیکن  
 اپنے دور خلافت میں آپ نے اس میں بہت اضافہ کیا، سیدنا  
 عثمانؓ کے دور ہی میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا گیا تھا  
 لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑا اس قدر طاقتور ہو چکا تھا کہ بازنطینی بیڑا بھی جو  
 دنیا کا سب سے بڑا بیڑا سمجھا جاتا تھا اس کے سامنے بالکل گرد تھا، چنانچہ روڈس  
 اور اردوٹو وغیرہ جزائر کی مہمات پر اسلامی بحریہ ۷۰۰ جنگی جہازوں پر مشتمل تھی۔

(الاسلام والمفسرة العربیہ جلد ۱ ص ۱۵۸)

مسلمانوں نے بحریہ کا مرکز بحیرہ روم کو ٹھہرایا۔ بحری فوج میں شامی، افریقی اور  
 انڈی مسلمان شریک ہوئے، اسلامی بحری کشتیاں بازنطینی کشتیوں سے ضخیم ہوا کرتیں

لیکن رفتار میں ان سے کم تھیں، ہر جنگی جہاز کا ایک قائد ہوتا تھا جسے ”مقدم“ کہا جاتا تھا۔ (المنظم الاسلامیہ صفحہ ۲۴۹، ۲۵۲)

**جہاز سازی کے کارخانے** | اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیش نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے، پہلا کارخانہ ۱۸۵۳ء میں مصر میں قائم ہوا۔  
(حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۹)

علامہ بلاذری رقمطراز ہیں کہ :-  
”پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۱۸۵۳ء میں مصر میں قائم ہوا، بعد ازاں اردن میں عسکا کے مقام پر ایک عظیم الشان کارخانہ قائم ہوا، ملک کے تمام برصغریٰ اور کاریگر جمع کر کے ان کو تمام ساحلی مقامات پر بسایا گیا تاکہ ان کارخانوں کے لیے لیسر کی کوئی دقت نہ رہے۔“  
(فتوح البلدان صفحہ ۱۲۴)

عبداللہ بن قیس الحارثی اور خنادہ بن اُمیہ امیر البحر ہونے کے علاوہ ان کا خانوں کے نگران بھی تھے۔

**قلعوں کی تعمیر** | دفاع کو اور زیادہ مضبوط بنانے کے لیے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے، شام کے علاقہ کو جس پر بازنطینی حکومت کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا قلعوں سے مضبوط کیا گیا، چنانچہ وہاں کئی نئے قلعے تعمیر کیے گئے اور کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سر نو آباد کیا گیا، رومیوں کے پرانے قلعے ”جبلہ“ کو جو فتح شام کے وقت لوٹ گیا تھا دوبارہ تعمیر کیا گیا، روڈس میں ایک قلعہ بنوایا گیا جو تقریباً سات سال تک فوجی

لے مقریزی کا بیان ہے کہ سب سے پہلا جہاز سازی کا کارخانہ ۱۸۵۳ء میں جزیرہ رومہ میں قائم ہوا۔ (المخطوط جلد ۱ صفحہ ۲۵۰، المنظم الاسلامیہ صفحہ ۲۵۰)

مرکز رہا۔ (فتوح البلدان ص ۲۲۲)  
 مدینہ طیبہ میں ”قصرِ خُل“ کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کرایا گیا۔ (فتوح البلدان ص ۱۶۰)  
 نیز اضطرطوس، مرقیہ اور ملتیارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کرائے گئے۔  
 (فتوح البلدان ص ۱۶۰)

**کمانڈر انچیف کا عہدہ** | بحریہ میں اس سے قبل امیر البحر  
 کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا، خلافت  
 عثمانی میں بحری اور بری فوج کا سپہ سالار ایک ہی فرد ہوا کرتا تھا لیکن سیدنا  
 امیر معاویہؓ نے اسلامی بحریہ کی ترقی کے پیش نظر بحریہ کے لیے امیر البحر  
 کا الگ عہدہ قائم کیا، سب سے پہلے امیر البحر سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ  
 مقرر ہوئے، آپ نے کم و بیش پچاس بحری لڑائیوں میں حصہ لیا تھا اور خوبی یہ ہے  
 کہ ان میں ایک بھی مسلمان شہید نہیں ہوا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن قیس الحارثیؓ کے بعد سیدنا جنادہ بن ابی امیہؓ کو  
 امیر البحر مقرر کیا گیا، یہ خلافت عثمانی سے دوریزید تک برابر بحری لڑائیوں  
 میں مصروف و مشغول رہے۔

سیدنا امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت بحری لڑائیوں کے عروج کا  
 زمانہ تھا، اس زمانہ میں جس قدر بحری لڑائیاں لڑی گئیں اُن کی نظیر تاریخ کے  
 اوراق میں بہت کم ملتی ہے۔



# نظمِ مملکت

نظمِ مملکت کے بارہ میں آپ نے سیدنا عمر الفاروقؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی بلکہ کافی حد تک چلے بھی۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۲۷) چنانچہ اینٹوں کو نہیں بیگانوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہؓ نے ایک بار پھر اسلامی مملکت کا نظم و نسق فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث درہم برہم ہو چکا تھا۔ (تاریخ اقوامِ مسلمہ برائے مملکت ص ۳) سیادت و امارت میں آپ نے ان اصولوں کی پیروی کی جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وضع کیے تھے، آپ نے مصلحتِ امت اور ضرورتِ تامہ کے سوا کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف نہیں فرمایا۔

(الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۲۷)

آپ امورِ مملکت میں ہمیشہ نرمی اور بُرد باری کے وسائل سے کام لیتے، جب نرمی کے تمام وسائل ناکام ہو جاتے تو پھر طاقت کا استعمال فرماتے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

”لا اضع سيفي حيث يكفيني سوطي ولا اضع سوطي حيث يكفيني لسانِي ولوان يئني وبين الناس شعر ما انقطعت قيل وكيف يا امير المؤمنين قال كانوا اذا امدوها خليتها واذا اخلوها امدوها۔“

(الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۱۵۸، يعقوبي ج ۲ ص ۲۳۸)

جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں اپنا کوڑا کام میں نہیں لاتا اگر میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال برابر رشتہ بھی قائم ہو تو میں دہرے طریق سے اس کو بھی نہیں توڑتا، پوچھا گیا امیر المؤمنین! یہ کس طرح؟ آپ نے

فرمایا اس طرح کہ جب وہ اس کو کہینچے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں  
اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“  
ایک اور موقع پر ایسے ہی فرمایا :-

”اَفْلاَ اَحُولَ بَيْنَ النَّاسِ وَالسَّنَنَ لَہُمْ مَا لَہُمْ یَحُولُوا بَیْنَنَا وَبَیْنَہُمْ  
مَلٰکَآ۔ (ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳ ، طبری ج ۵ ص ۳۳۶)۔

میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا  
جب تک وہ ہمارے اور ہماری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“  
ملکی نظم و نسق کی بہتری کے لیے ہی آپ نے باہمی مشورے کیلئے ایک پارلیمنٹ  
بنائی اور صوبجات میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشورہ کی بنیادوں پر چلانے  
کی ہر ممکن کوشش کی۔ (قوافل العربیہ و مواکیبہ ص ۵۳)

## محکمہ جات

آپ نے ملک کو مختلف محکمہ جات میں تقسیم کیا تھا اور ہر محکمہ کا ایک سیکرٹری  
مقرر تھا۔ سر جون رومی چیف سیکرٹری تھے، سر جون کا والد شام کی فتح سے قبل ہرقل کا  
وزیر مال تھا اُس نے فتح شام کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بہت مدد کی تھی۔ (المختار العربیہ  
جلد ۲ ص ۵۵) چنانچہ اس خاندان نے اسلام میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا اور  
سر جون بن منصور ارومی کی خداداد قابلیت کے پیش نظر آپ نے اُس کو چیف سیکرٹری  
مقرر کر دیا۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۶۲)

دوسرے محکموں کی تفصیل حسب ذیل تھی :-

(ا) محکمہ مال کے سیکرٹری ، عبید اللہ بن اوس غسانی

(ب) محکمہ خاتم کے سیکرٹری : عبید اللہ بن محمد حمیری

ان کے علاوہ عبید اللہ بن وراج ، حمیر بن حنی ، مرداس سلیمان بن سعید جانٹ

سیکرٹری تھے۔ (کتاب الوزراء، الجہتیار ص ۲۵۰، ۲۶۰)

**صیغہ پولیس** ملک میں پولیس کا انتظام نہایت اسن طریق سے مقرر تھا، یہ عدلیہ کے ماتحت تھا اور اس کا کام قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جام پہنانا تھا، جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومت کے احکام کے نفاذ میں تعاون اور حدود الہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔

(التمدن الاسلامی جرجی زیدان جلد ۱ ص ۱۹۱)

چونکہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے اور حکومت کا نظم و نسق چلانے اور حدود الہیہ کے قیام کے لیے پولیس کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس لیے آپ نے اس صیغہ کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں پہلے قیس بن حمزہ کو پھرزمل بن عمرو کو انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا گیا۔ (ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۶۲، الہدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱)

**طیف نس و لزل** | خواج اور سبائی عناصر کی اگرچہ ظاہری طور پر سرکوبی ہو چکی تھی لیکن یہ دونوں تحریکیں اندرون ملک مخفی طور پر برابر چل رہی تھیں، ان میں سے اکثر افراد ہشت گردی کو بھی پسند کرتے تھے۔

چنانچہ امن وامان کے قیام کے لیے تمام مشتبہ افراد کے نام تھانوں میں درج کیے گئے اور ان کی نگرانی کے لیے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کیے گئے، چنانچہ سیدنا ابوالدزداء کو صوبہ شام کا نگران مقرر کیا گیا، اسی سلسلہ میں زیاد نے بعد بن قیس تھبی کو عراق میں اس محکمہ کا ڈائریکٹر مقرر کیا۔ (الادب المفرد ص ۲۳۳)

**صیغہ عدالت** | اُس دور میں صیغہ عدالت حکام کے رعب و اثر سے بالکل آزاد تھا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اپنا کام کرتا تھا، اس دور کے قاضی لوازمات سے پاک، متقی، عالم اور مجتہد تھے اور حدود اللہ میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ (النظم الاسلامیہ ص ۲۳۲) چنانچہ آپ نے فضالہ بن عبید اللہ الانصاری کو اور ان کے بعد ابوالدیس الخولانی کو محکمہ قضاء کا انچارج مقرر فرمایا۔ (الہدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۱)

**ٹکسال** | زیاد بن ابی سفیان کی تحریک پر دار الفرب (ٹکسال) کا قیام عمل میں آیا جہاں دینار، درہم اور قلوں بنائے جاتے تھے۔ دینار سونے کا، درہم

پابندی کا اور فلوس تانے کے ہوتے جن پر کسال کے نام اور تاریخ کے علاوہ قرآنی الفاظ بھی کندہ ہوتے۔ (خلافت از ولیم مورٹن) صوبوں کی کسال صرف درہم بنانے کی مجاز تھیں۔

**تحریر و تقریر کی آزادی** | آپ کے زمانہ میں تحریر و تقریر کی پوری پوری آزادی تھی اور تعمیری مکتبہ چینی کو ہر لمحہ خوش آمدید کہا جاتا تھا، چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

”انی لا حول بین الناس والستھم مالہم یحولوا سیننا و بیت

سلطاننا۔ (الکامل لابن الاثیر ج ۳، الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۴۶۳)

یعنی میں لوگوں کے اور ان کی زبان کے درمیان اُس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں۔“

اظہارِ حق میں ایک گورنر تک اس قدر بیباک تھا کہ وہ خلیفہ وقت کے حکم کو ٹھکرانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا جبکہ اُسے اس کے خلاف حق ہونے کا یقین ہو جاتا۔ چنانچہ جب آپ نے گورنر مصر کو لکھا کہ قریطی پر جزیہ میں ایک قیراط اضافہ کر دیا جائے تو گورنر نے جواباً تحریر کیا کہ میں اُن کے جزیہ میں اضافہ کا مجاز نہیں ہوں جبکہ معاہدہ میں عدم اضافہ کی شق موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گورنر اپنے صوبہ کی اصلاح میں آزاد تھا اور نہایت دیانتداری اور بیباکی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

(الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۵۱)

اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیر نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا مسور بن مخرمہؓ کسی ضرورت سے سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے، سیدنا معاویہؓ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ: ”اے مسور! آپ حکومت کے محکام اور عمال پر تنقید اور طعن کیا کرتے تھے، مجھے فرمائیے کہ اب وہ کس طرح ہیں؟“ سیدنا مسورؓ نے کہا: ”امیر المؤمنین! اس بات کو رہنے دیجئے، میں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اس کے بارے میں مجھے بتائیے“ سیدنا معاویہؓ نے کہا: ”نہیں! بلکہ آپ جو

طعن اور تنقید فرمایا کرتے تھے اور خود میری ذات پر جو عیب لگاتے تھے ان کے بارہ میں مجھے ضرور بتائیں۔“

سیدنا مسورؓ کہتے ہیں کہ میں اُن پر جو عیب لگایا کرتا تھا وہ میں نے اُن کے سامنے بیان کر دیا، اس پر سیدنا معاویہؓ نے فرمایا: ”میں گناہوں سے برکت کا دعویدار نہیں ہوں۔“ پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا مسورؓ سے کہا: ”کیا تمہارے بھی کچھ ایسے گناہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اگر معاف نہ فرمائیں تو تم ہلاکت کا خوف رکھتے ہو؟“ سیدنا مسورؓ نے کہا: ”ہاں! میرے بھی کئی گناہ ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہ کیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔“

سیدنا معاویہؓ نے پوچھا: ”کس بنا پر تم مجھ سے حق تعالیٰ کی مغفرت کے زیادہ حق دار ہو؟ جب کہ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامتِ حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی اور ملی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ (فواللہ الامالی من اصلاح الرعا یا واقامة الحدود والاصلاح بین الناس والجهاد فی سبیل اللہ والامور العظام التي لا یحصیہا الا اللہ) یہ سب چیزیں اُن عیوب و ذنوب سے جو تم ذکر کر رہے ہو کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ جل شانہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نیکوں کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ واللہ! اس بارہ میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف اختیار دیا گیا ہے، تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا ہر شے کو ترک کر دیتا ہوں۔“

سیدنا مسورؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سُنکر میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ معاویہؓ نے مجھے موردِ الزام ٹھہرایا ہے اور مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا مسورؓ جب کبھی بھی سیدنا امیر معاویہؓ کا ذکر فرماتے



تھے تو ان کے حق میں دُعا اور خیر کے کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۳، سیر اعلام النبلا تحت ترجمہ معاویہؓ،

الاستیعاب تحت ترجمہ معاویہؓ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ناقد کو بھی اظہارِ رائے کے لیے پوری آزادی دیتے تھے اور اعترافِ حق میں انہیں کوئی خوف نہ تھا لیکن تعمیری تنقید کی آپ بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

**پارلیمنٹ** خلافت کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی اساس سنت نبویؐ پر استوار ہو اور پیچیدہ مسائلِ مملکت کو حل کرنے کے لیے اربابِ حل و عقد پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ کا وجود ہو جس کے مصلحت آمیز مشغول پر عمل کیا جائے۔ (ریوم الاسلام ص ۶۶)۔

چنانچہ آپؐ نے دمشق میں ایک پارلیمنٹ (مجلسِ مشاورت) قائم کی اور مملکت اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں بھی اسمبلیوں کا انتظام کیا اور حکومت کو مشاورتی بنیادوں پر چلانے کی پوری کوشش کی۔ (قوافل العربیہ و مو اکبہا ص ۵۲)

## مالیات

ایک اسلامی حکومت کی آمدنی کی جو مذاات ہوتی ہیں آپ کی حکومت کی بھی یہی مذاات تھیں، چنانچہ آپ کی حکومت کی آمدنی کی حسب ذیل مذاات تھیں۔

**۱۔ خراج** شریعت کی اصطلاح میں خراج اس کو کہتے ہیں کہ جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور غلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین ہی کے قبضہ میں باقی رہنے دیں اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت کے ذمہ اور عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے تو ان کی زمین ”خراجی“ کہلاتی ہے اور غلیفہ

ان زمینوں پر جو مالگذاری مقرر کرتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کو خراج کہا جاتا ہے۔ (کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص ۶۹، رد المختار جلد ۳ ص ۳۵۲)

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

فاما الفی یا امیر المؤمنین فہو الخراج عندنا۔ (کتاب الخراج ص ۲۳)

اے امیر المؤمنین! (یعنی ہارون الرشید) اور "فے" ہمارے نزدیک "خراج" ہی ہے۔

**۲- جزیرہ** | اہل کتاب اور مشرکین عجم اگر مغلوب و مقہور ہو کر اسلامی اقتدار کو تسلیم کر لیں اور سالانہ تھوڑا سا ٹیکس ادا کر کے اس شرط پر اسلامی حکومت کے زیر اقتدار آجائیں کہ حکومت ان کے جان و مال اور آبرو کی محافظ رہے تو ایسے ٹیکس کو شریعت کی اصطلاح میں جزیرہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر جزیرہ ادا کرنے والوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد اس سے جزیرہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے زکوٰۃ عائد ہو جاتی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں جزیرہ کی مقدار حسب ذیل تھی :-

(ا) متوکل طبقہ ۱۲ روپے سالانہ

(ب) متوسط طبقہ ۶ " "

(ج) ادنیٰ طبقہ ۳ " "

جزیرہ عاقل و بالغ اور آزاد مردوں پر عائد ہوتا ہے۔ عورتیں، بچے، اباہج، شیخ، فانی، غریب اور راہب وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (کتاب الخراج ص ۱۲۲، ۱۲۳)

انظم الاسلامیہ ۲۶۵، ص ۲۸۵ ملخصاً

**۳- زکوٰۃ** | ساڑھے باون (۵۲) تولہ چاندی اور ساڑھے سات دوہلا (۷) تولہ سونا، مال تجارت اور مکاتوں کے تجارتی کاروبار (اموال نامیہ) پر اگر ایک سال پورا گزر جائے تو اس مال میں سے چالیسواں حصہ راہ خدا میں دینا شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ ایک اسلامی حکومت کے لیے یہ مذہب بہت آمدنی کیسے اور

صرف مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے، ذمیوں پر زکوٰۃ فرض نہیں، اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر قرآن و حدیث میں بہت وعیدیں آئی ہیں۔ مواشی پر بھی زکوٰۃ ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

**۴۔ صدقات** زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت سے صدقات کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور بعض حالات میں ان کو واجب قرار دیا ہے اور بعض میں مستحب و مستحسن، زکوٰۃ کا تو بیت المال میں جمع کرنا ضروری ہے لیکن صدقات کے ادا کی دو صورتیں ہیں، ایک انفرادی دوسری اجتماعی۔ انفرادی یہ کہ ہر خیرات کرنے والا اپنے ہاتھ سے صدقہ کرے، اور اجتماعی یہ کہ صدقہ کے مال کو خلیفہ یا نائب خلیفہ کے سپرد کرے اور وہ بیت المال میں جمع کروا کر مستحقین پر صرف کرے۔

**۵۔ خمس** مال غنیمت اور ”رکاز“ دنیہ سے نکلے ہوئے سونے چاندی وغیرہ سے پانچواں حصہ سرکاری خزانہ میں جمع کروانا نہایت ضروری ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ انفال میں اور مختلف احادیث صحیحہ میں اس کا ذکر آتا ہے، اس سے بھی اسلامی حکومت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوتا ہے۔

**۶۔ ضرائب** جنگ کے زمانہ اور قحط سالی میں رفاہ عام اور عوام کی بیزگاری دور کرنے کے لیے زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ جو ٹیکس اہل ثروت حضرات پر حکومت کی جانب سے لگائے جاتے ہیں شریعت میں ان کو ضرائب کہتے ہیں۔ یہ بھی بعض دفعہ اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ جبر کے ساتھ یہ ٹیکس وصول کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں :-

”اگر بیت المال اور مال فقیہ، فقراء اور اہل حاجت کی معاشی حاجتوں کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفۃ المسلمین اہل ثروت اور اغنیاء پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہل ثروت اور اہل دولت

اس کے مانع ہوں تو ان سے بڑھ بھی وصول کیا جاسکتا ہے۔ ویدیرہم  
 السلطان علی ذلک۔“ (محلی جلد ۲ ص ۱۵۸)  
 اس سلسلہ میں علامہ ابن حزمؒ نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا ایک قول بھی نقل فرمایا  
 ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:۔

”فی مالک حق سوی الزکوۃ۔“ (محلی ابن حزم ج ۲ ص ۱۵۸)  
 تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔“

**۷۔ محصول** | محصول یا کسٹم ڈیوٹی کو فقہ کی اصطلاح میں ”عشور“ کہتے ہیں۔ یہ  
 وہ محصول ہے جو دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان تجارتی  
 کاروبار جاری رکھنے والوں سے لیا جاتا ہے خواہ وہ تاجر مسلمان ہو یا ذمی یا کافر حربی  
 اس محصول میں مسلمان اور کافر حربی کے درمیان مقدار میں فرق ہے۔ یہ محصول مسلمان کے  
 مال تجارت میں سے چالیسواں حصہ، ذمی کے مال سے بیسواں حصہ اور حربی کے مال تجارت

لے لیکن اگر مسلمان نے زکوۃ ادا کر دی ہو تو پھر اس پر کوئی عشور نہیں۔ بعض حضرات نے اس سے اختلاف  
 کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ عشور تو دنیا سامان درآمد و برآمد کرنے پر بغیر سال گزرے وصول کیا جاتا ہے  
 جبکہ زکوۃ سال گزرنے پر لی جاتی ہے۔

آمدنی کی یہ مدد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی یہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے  
 زمانہ میں رائج ہوئی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ گورنر عراق نے سیدنا فاروق اعظمؓ کو لکھا کہ مسلمان تاجر  
 جب دارالحرب میں تجارت کی غرض کے لیے جاتے ہیں تو دارالحرب کی حکومت ان سے ۱۰ اٹیکس وصول کرتی  
 ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی دارالحرب کے کافروں سے اسی قسم کا ٹیکس وصول کیا کریں آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد  
 ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تم بھی دارالحرب کے کافروں سے ۱۰ اٹیکس لے لیا کرو اور اہل ذمہ کے مال تجارت سے  
 ۲۰ حصہ اور مسلمانوں کے مال تجارت سے ۱۰ حصہ ٹیکس لے لیا کرو۔ دینا یہ شرح ہدایہ جلد ۱ ص ۱۲۲)

ابن شہاب زہری کا قول ہے کہ لوگوں سے جاہلیت کے زمانہ میں عشور لیا جاتا تھا اسی دستور کو  
 سیدنا عمرؓ نے بحال رکھا۔ (کتاب الاموال لابن عبیدہ ص ۵۳۵)

سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ (کتاب الاموال ص ۵۳۲، کتاب الخراج لابن یوسف ص ۱۳۲)  
 یہ محصول سال میں صرف ایک مرتبہ واجب الاداء ہوتا تھا۔ اس کی ابتداء سیدنا عمرؓ  
 کے زمانہ سے ہوئی لیکن بعد ازاں اس کی مقدار میں اضافہ ہو گیا اور زمینوں اور مسلمانوں  
 سے بھی پانچ اور اڑھائی فیصد کے حساب سے عشور وصول کیا جانے لگا۔

**۸۔ فے** اگر مسلمانوں کے لشکر سے کفار مغلوب و مرعوب ہو کر بغیر جنگ کیے  
 مال چھوڑ کر بھاگ جائیں یا جنگ کے بعد ان کی زمینوں کو مقررہ ٹیکس پر  
 ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا جائے یا ان پر خراج اور جزیہ مقرر کیا جائے تو ان سب  
 صورتوں میں اس حاصل شدہ مال کو ”مال فے“ کہا جاتا ہے، یہ مال غنائم اور مجاہدین  
 کے درمیان تقسیم نہیں ہوتا بلکہ اسے بیت المال کا حق بتایا گیا ہے۔

(کتاب الخراج ص ۲۳۲، ۲۳۳)

**۹۔ عشر** اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زراعتی زمین، عرب کی زمین،  
 مجاہدین کے حصہ میں آئی ہوئی زمین، وہ افتادہ زمین جو کسی مسلمان نے  
 آباد کی ہو اور لاوارث ذمی کی موت پر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہوئی زمین ”عشری زمین“  
 کہلاتی ہے اور عشر اس مقررہ حصہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب  
 ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں سے لیا جاتا ہے، اس کی مقدار چاہی زمین سے بیسواں  
 حصہ اور نہری زمین اور بالائی زمین سے دسواں حصہ ہے۔ (رد المحتار جلد ۲ ص ۶۶، ۶۷،  
 کتاب الخراج ص ۶۹) تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

**۱۰۔ کراء الارض** خلیفۃ المسلمین حکومت کی جن زمینوں کو سالانہ  
 لگان مقرر کر کے کاشت کے لیے دے  
 دیتا ہے اس سے وصول شدہ محاصل کا نام ”کراء الارض“ کہلاتا ہے۔  
 (رد المحتار جلد ۳ ص ۲۵۳)



# صوبوں کی آمدنی

آمدنی کی متذکرۃ الصدمدات سے سیدنا معاویہؓ کو مملکت کے مختلف صوبوں سے مندرجہ ذیل آمدنی تھی۔

۶۵۵ ملین درہم	(۱) عراق اور اس کے ملحقات
" " ۱۳۰	(۲) سواد اور اس کے ملحقات
" " ۷۰	(۳) صوبہ فارس
" " ۲۰	(۴) ابوزاور اس کے ملحقات
" " ۱۵	(۵) یمامہ اور بحرین
" " ۱۰	(۶) کوردجلہ
" " ۲۰	(۷) تہاوئذ، دیور اور ہمدان
" " ۳۰	(۸) رے اور اس کے ملحقات
" " ۳۰	(۹) حلوان
" " ۲۵	(۱۰) موصل اور اس کے ملحقات
" " ۳۰	(۱۱) آذربائیجان
" " ۳	(۱۲) مصر
۲۵۰ ہزار دینار	(۱۳) فلسطین
" " ۱۸۰	(۱۴) اردن
" " ۲۵۰	(۱۵) دمشق
" " ۳۵۰	(۱۶) حمص
" " ۲۵۰	(۱۷) قنسرين اور اس کے ملحقات

۵۵ ملین درہم  
۱۷ ملین دولاکھ دینار (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۷۷، ۲۷۸)

(۱۸) الجزیرہ  
(۱۹) یمن

# فَتْوحَات

سیدنا معاویہؓ چونکہ خود بہت تجربہ کار آدمی تھے اور کئی سالوں سے اسلامی لشکروں کی قیادت کر چکے تھے اور نہ صرف آپؐ بلکہ آپؐ کا پورا خاندان اسی میدان کا شہسوار تھا لہذا آپؐ کے تجربہ، ہمت اور فکری و عملی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے اسلامی حکومت کی پہنائیوں میں ہر جانب کافی سے زیادہ اضافہ ہوا اور اسلامی پرچم سمندروں کے سینوں کو چیرتے ہوئے جہازوں کی مدد سے دشت و صحرا میں بھی لہرانے لگا۔

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ ہی میں افریقہ اور خصوصی طور پر شمالی افریقہ کا کافی حصہ اسلامی حکومت میں شامل ہو چکا تھا۔ سیدنا علیؓ کا زمانہ چونکہ باہمی خانہ جنگیوں کا زمانہ تھا جس کے نتیجے میں بیرونی فتوحات یک قلم رک گئی تھیں اور اسلامی حکومت کی حدود سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں جہاں تک تھیں وہیں تک رک گئیں بلکہ بعض نئے مفتوحہ علاقے بغاوت کی وجہ سے ہاتھ سے نکل گئے۔ اسی لیے تو حکیم الامتہ دہلویؒ نے فرمایا ہے :-

”مقاتلات وے رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بود نہ بجمہت اسلام۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۷۷)

سیدنا علیؓ کی رٹائیاں اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں“

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابداۃ و انتہایہ جلد ۸ ص ۱۱۹)

لیکن سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں پھر سے اُسی طرح فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جس طرح حضرت فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانے میں تھا اور

اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں میں پھر سے اہل اسلام کا رعب اور  
دبدبہ بیٹھ گیا اور افریقہ اور دوسرے دور دراز کے علاقوں میں اسلامی پھر پرا اپنی  
پوری آب و تاب سے لہرانے لگا۔

## شمالی افریقہ پر شکرشی

آپ کے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافعؓ نے ۱۴ھ میں شمالی افریقہ کی طرف  
شکرشی کی اور لواتہ اور زاتہ کے علاقوں کو فتح کر لیا، پھر ۱۵ھ میں غدامس پر قبضہ  
کیا اور ۱۶ھ میں سوڈان کے بعض علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔  
(ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۰۹)

اسی زمانہ میں معاویہ بن خدیجؓ نے افریقہ کے ایک ساحلی شہر نبرات کو فتح کر  
لیا۔ پھر ۱۵ھ میں آپ نے دوبارہ بڑے اہتمام سے شکرشی کی، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ،  
سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور سیدنا عبدالملک وغیرہ صحابہؓ اور اکابر قریش اس لشکر کے  
ہمراہ تھے، عبداللہ بن زبیرؓ نے سوسہ اور عبدالملکؓ نے جلولا فتح کیا۔ (المونس ص ۲۵)  
افریقہ کے باشندے جو کہ برابر کہلاتے تھے بڑے سرکش اور باغی تھے، وہ آگے  
روز بغاوت کرتے رہتے تھے، جب کوئی سخت گورز آتا تو امن پسند اور مسلمان ہو جاتے

اے سیدنا عقبہ بن نافعؓ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے خالہ زاد بھائی تھے، یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی  
تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمرو بن العاصؓ کی طرح بے شمار صلاحیتوں سے نوازا تھا، نہایت  
قابل اور تجربہ کار جرنیل تھے، صرف دس ہزار مجاہدین کے کربلا افریقہ میں گئے اور ایک وسیع علاقہ  
فتح کیا جس میں سوڈان، برقہ اور بربروں کا علاقہ بھی شامل ہے۔ ایک خالہ ناد بھائی سیدنا عمرو  
بن العاصؓ فاتح مصر تھے اور دوسرے بھائی عقبہ بن نافعؓ انہری فاتح بلاد افریقہ تھے۔ ذیلک  
فَضَّلَ اللَّهُ يَتِيْبَهُ مِنْ يَشَاءُ



لیکن جو نہی وہ واپس جانا تو پھر فتنہ پردازی شروع کر دیتے اور مرتد ہو جاتے۔ سیدنا معاویہؓ نے شہر میں عقبہ بن نافع کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا، آپ مختلف باغی علاقوں میں گھس گئے اور جہاں جہاں بغاوت کے آثار نظر آئے اس کا قلع قمع کیا اور آئندہ کے انسداد کے لیے قیروان نامی ایک شہر بسایا۔ (فتوح البلدان ۲۳۶، ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۳) تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے وہاں کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ تھے، یہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ سے یہاں کے گورنر چلے آ رہے تھے، آپ نہایت زیرک اور ذہین آدمی تھے، اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ ان کے دور میں عبدالرحمن ابن سمہ کی ولایت میں سبستان کے علاوہ کئی اور مقامات اسلامی قسرو میں شامل ہوئے جن میں زرکا، ذریخ، اہواز اور کابل وغیرہ کے علاقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۱۰-۲۰۹)

شہد ۵۱۱ھ میں سیدنا معاویہؓ نے حارث بن عبداللہ الازدی کو بصرہ کا گورنر مقرر فرمایا لیکن یہ صرف چار ماہ وہاں کے گورنر رہے، ان کے بعد زیاد بن ابی سفیانؓ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا، زیاد نہایت قابل آدمی تھے، اس سے قبل سیدنا علیؓ کی جانب سے فارس وغیرہ کے گورنر رہ کر اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے تھے، انہوں نے جمادی الاولیٰ ۵۱۲ھ کو بصرہ کا چارج سنبھالا اور فوراً ہی صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ سیدنا عمران بن حصینؓ کو بصرہ میں قاضی مقرر کیا اور الحکم بن عمرو الغفاریؓ کو خراسان کے علاقہ میں نائب بنایا اور غزوہ کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، انہوں نے وہاں جبل الاسل میں جہاد شروع کیا اور کئی علاقے فتح کیے، ان کے اس جہاد کی وجہ سے بہت سامانی غنیمت ہاتھ لگا جس سے اہل اسلام کو بہت سامانی نفع حاصل ہوا۔ سیدنا سمہ بن جندبؓ، سیدنا عبدالرحمن بن سمہؓ اور سیدنا انس بن مالکؓ بھی زیاد کی نیابت میں یہاں

اسلامی حکومت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۴۶ھ میں ترکوں نے سبستان کے علاقے میں بغاوت کی لیکن الرزیع بن زیاد الحارثی نے جو اس سبستان کے والی تھے کابل، ذابلستان وغیرہ کے علاقوں میں ان کی سرکوبی کی۔ بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق سیدنا الرزیع بن زیاد الحارثی نے بلخ کو صلح کر کے فتح کیا جبکہ کورستان کے علاقہ کو دشمن سے لڑ کر اسلامی سلطنت میں شامل کیا، قریب ہی ترک آباد تھے، انہوں نے معارضہ کیا لیکن سولے ترک طرخان کے باقی سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ترک طرخان کو بعد میں قتیبہ بن مسلم نے قتل کیا۔

(فتوح البلدان ص ۴۰، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹۲، ۱۹۳)  
حکم بن عمرو نے ماوراءالنہر کے علاقہ میں دشمن سے جہاد کیا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے تمام علاقے کو اپنے زیر نگیں کیا۔

۵۳ھ میں زیاد کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ نے ان کی جگہ ان کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا، عبید اللہ بن زیاد نے بخارا اور اس کے ارد گرد تمام علاقوں کو فتح کیا، اُس دور میں یہ علاقہ ترکوں کے زیر نگیں تھا، ابن زیاد نے دو سال تک خراسان میں قیام کیا اور یہاں کے تمام انتظامی امور کو درست کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۴۷)

عبید اللہ بن زیاد کی جگہ سیدنا معاویہؓ نے سیدنا سعید بن عثمان بن عفان کو گورنر اور والی مقرر فرمایا، انہوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کر کے پیش قدمی کی اور تمام علاقوں میں سلسلہ جہاد کو شروع کیا، انہوں نے بخارا اور سمرقند کے تمام علاقے فتح کیے، بخارا کی حکمران قتیق نامی ایک خاتون تھی اُس نے سعید بن عثمانؓ سے صلح کی پیشکش کی لیکن اس کی پبلک اس صلح پر رضامند نہ ہوئی، چنانچہ سوا لاکھ آدمی اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نکلے، قتیق جو پہلے صلح پر راضی تھی یہ نقشہ دیکھ کر وہ بھی اپنی صلح سے مُخرف ہو گئی اور اپنی فوج سے مل کر مقابلہ کے لیے نکلے، چنانچہ دونوں

فوجوں کا مقابلہ ہوا لیکن مقابلہ سے قبل ہی قبیق کی فوج میں چھوٹ پڑ گئی، فوج کا یہ انتشار دیکھ کر قبیق نے دوبارہ صلح کر لی اور اب کی دفعہ اس کی فوج بھی صلح پر رضامند ہو گئی، اس طریقہ سے لڑائی کے بغیر بخارا کا پورا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ قبیق کے تعاون ہی سے مسلمانوں نے پھر سمرقند پر حملہ کیا، اہل شہر نے شہر بند ہو کر تیرہ روز سے مقابلہ کیا جس میں سیدنا سعید بن عثمانؓ اور سیدنا مہلب بن ابی صفرةؓ جیسے بہادر جرنیلوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہو گئی لیکن مسلمان عزم کے ساتھ جھے رہے، کافی روز کے بعد اہل شہر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ مسلمان بغیر فتح کیے واپس نہیں جائیں گے، چنانچہ انہوں نے سات لاکھ درہم سالانہ پر صلح کر لی اور شرط یہ پٹھرائی کہ مسلمان شہر کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں۔

اس کے بعد مسلمانوں نے ترمذ پر حملہ کیا، وہاں کے لوگوں نے بغیر لڑائی ہی کے صلح کر لی۔ (فتوح البلدان ص ۴۱۸، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۲۱۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباسؓ کے ایک صاحبزادے قثم بن عباسؓ تھے، یہ سیدنا حسین بن علیؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ صحابی رسولؐ، نہایت متقی، پرہیزگار اور عالم و فاضل شخص تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے وقت جو لوگ آپؐ کی قبر مبارک میں اترے اُن میں ایک یہ بھی تھے۔ انہی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے یہ سیدنا علیؓ کی جانب سے اُن کے پورے دورِ خلافت میں مکہ مکرمہ کے گورنر رہے، خراسان کی اُن تمام جنگوں میں جو سیدنا معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں لڑی گئیں، یہ اسلامی لشکر کے ساتھ رہے اور سعید بن عثمانؓ بن عفان کی زیر قیادت لڑتے رہے، آخر کار سمرقند کی جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۱۱، سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۲۹۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۹۷، شرح نہج البلاغہ لابن میثم جلد ۵ ص ۵۲، تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۷)

دوسری طرف سیدنا سعید بن العاصؓ اور مصقلہ بن میسرہؓ کی زیر قیادت و نیا بت طبرستان اور اس کے تمام نواحی علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔

# سندھ کی فتح

سندھ کی فتح کے لیے اگرچہ سیدنا عثمانؓ کے آخری دور ہی میں پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس کی ابتدا بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کی تھی، پھر سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے کابل فتح کیا اور دشمن کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنالیا جن میں بعض بعد میں بہت مشہور ہوئے جیسے مکول، سالم بن عجلان اور نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹، ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۱، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱)

۳۴ھ میں سیدنا مہلب بن ابی صفرؓ نے ارض ہند کی طرف پیش قدمی کی اور خیبر کے راستہ کابل کی سرحدات کو عبور کر کے سرزمین ہند میں اسلامی علم گارٹا اور پھر ملتان تک پہنچے، جن لوگوں نے اسلامی لشکر کی مزاحمت کی ان کا قلع قمع کیا، بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔

پھر دونوں کے بعد سیدنا عبداللہ بن عامرؓ نے عبداللہ بن سوار العبیدیؓ کو اس علاقے کی طرف بھیجا۔ انہوں نے قیقان کے علاقے کو فتح کیا۔ یہاں بھی بہت مال غنیمت کے ساتھ خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی ہاتھ لگے جو سیدنا معاویہؓ کی خدمت میں جہاد کے لیے پیش کیے گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد یہاں کے ترک باغی ہو گئے اور ان کے ساتھ مقابلہ میں سیدنا عبداللہ بن سوار العبیدیؓ شہید ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۸، تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱، تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۹)

جب عبداللہ بن عامرؓ کے بعد زبیر بن ابی سفیانؓ بصرہ کے گورنر بنائے گئے تو انہوں نے بھی سندھ کی مہم کو جاری رکھا، چنانچہ انہوں نے ایک باصلاحیت جس بنیل سان بن سلمہ الہندیؓ کو سندھ کے علاقوں پر حاکم مقرر کیا، انہوں نے ملکان اور اس کے

ملحقات کو فتح کر کے وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کے نظم و نسق کو بہتر بنایا۔  
 کچھ دنوں کے بعد زبیر بن ابی سفیان نے المنذر بن جارد کو یہاں کا حاکم بنایا انہوں  
 نے اُن علاقوں کو جہاں کچھ لوگوں نے بغاوت کر دی تھی دوبارہ فتح کیا اور کچھ مزید علاقے  
 بھی اسلامی قلمرو میں شامل کیے۔ (فتوح البلدان ص ۲۴)

## قسطنطیہ پر شکر کشی

سیدہ ام حرامؓ زوجہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے گھر میں حجۃ الوداع کے  
 بعد ایک روز جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کھانا تناول فرما کر  
 لیٹ گئے، سیدہ ام حرامؓ نے آپؐ کا سر دیکھنا شروع کیا، آپؐ کو نیند آگئی تھوڑی دیر  
 کے بعد ام حرامؓ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے  
 ہیں، ام حرامؓ نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ:-  
 ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جنگ و  
 جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں کہ جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر  
 بیٹھے ہوتے ہیں۔“

سیدہ ام حرامؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) دعا فرمائیے کہ میں  
 بھی اُن میں شامل ہوں، آپؐ نے دعا فرمائی، اور پھر آرام فرماتے کے لیے لیٹ گئے  
 کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور اسی خواب کا اعادہ فرمایا، سیدہ ام حرامؓ نے  
 پھر اپنی شرکت کیلئے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

ذرقانی جلد ۶۶، ۱۵۱، جلد ۸ ص ۲۲۲، ۲۲۳، بخاری جلد ۳۹، ص ۳۳، ۳۴، ۳۵،

۳۶، ۳۷، ۳۸، جلد ۲ ص ۹۳۰، ۹۳۱، صیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۲۔

بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

أَوَّلَ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَفْعَلُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَدَجَبُوا. (صحیح بخاری ص ۱۰۹)

میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہوگئی۔  
 قَدْ أَذْجَبُوا كَامِعْنِي ابْنِ حَجْرٍ عَسْكَرَانِيْ وَأَوْرَ عَلَامَةِ عَيْنِيْ نِيْ يَكْعَابِيْ كَمْ، اُنْ پَر جَنَّتْ وَاجِب  
 ہوگئی۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۵۸، عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۹۸)

اس تاریخ کے اوراق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے  
 ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چھیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص پر اسلامی کلمہ بلند کیا وہ  
 سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۶۵، ۱۹۸)  
 اس لشکر میں سیدہ ام حرامؓ، سیدنا ابوذر غفاریؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا  
 عبادہ بن صامتؓ جیسے اکابر امت تھے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر البحرؒ فرماتے ہیں:-  
 ”وَكَانَ امِيرُ ذَلِكَ الْجَيْشِ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ فِي خِلَافَةِ عُمَانَ وَ  
 مَعَهُ أَبُو ذَرٍّ وَابُو الدَّرْدَاءُ وَغَيْرُهُمَا مِنَ الصَّحَابَةِ۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷)  
 خلافت عثمانی میں (جب یہ حملہ ہوا تو) اس لشکر کے امیر معاویہ بن ابی سفیان  
 تھے اور ان کے ساتھ ابوذرؓ اور ابوالدرداءؓ جیسے اکابر صحابہ) اور کئی دوسرے  
 صحابہ تھے۔“

وایسی پر سیدنا ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں  
 اور انتقال فرمائیں۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰)  
 عمدۃ القاری جلد ۱۲ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)  
 چنانچہ ہشام بن الغزالی کہتے ہیں:-

”قَبْرُ امِّ حُرَامٍ بَنَتْ مِلْحَانَ بِقَبْرِصَ وَهِيَ يَقُولُونَ هَذَا قَبْرِ  
 الْمَرْأَةِ الصَّالِحَةِ - مَصْفُوعَةُ الصَّفُوعَةِ ج ۲ ص ۲۸، اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۷)  
 ام حرام بنت ملحان کی قبر قبرص میں ہے اور وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ  
 ایک نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے۔“

قبرص کی یہ فتح ۲۸ھ میں سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی، اس طرائف میں سیدنا معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”قَدْ اَوْجِبُوا جَنَّتِ اَنْ پْر وَاَجِبْ ہو گئی“ کے تحت اہل جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمولی فضیلت نہیں بلکہ جس طرح عشرہ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری مل گئی تھی اسی طرح اُن صحابہؓ کو بھی دُنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی جنہوں نے قبرص کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی۔

صنوبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دورِ امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ کے دورِ خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تاریخ کے اوراق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بحری طرائف تو درکنار اسلام میں بحریہ کا وجود ہی سیدنا معاویہؓ نے قائم فرمایا تھا۔ سیدنا فاروقِ اعظمؓ کے زمانہ میں آپ نے بحریہ کی تشکیل کے لیے بہت کوشش فرمائی لیکن سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بعض وجوہات کی بنا پر بحری طرائف کا نیا محاذ کھولنے کی اجازت نہ دی، سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ نے پھر اجازت چاہی آپ نے چند شرائط کے تحت اجازت مرحمت فرمادی۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۶۷) اجازت ملنے پر آپ نے ایک بہت بڑا اسلامی بیڑا تیار کر کے اپنی قیادت میں قبرص پر حملہ کر دیا اور اس کو فتح کر لیا۔ (فتوح البلدان فتح قبرص) جس کی تفصیل کتاب کے گذشتہ اوراق میں آچکی ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد زمانہ اختیار سیدنا علیؓ کے ہاتھ میں آئی لیکن آپ کے زمانہ میں مسلمان چونکہ باہمی خانہ جنگی میں مصروف رہے اس لیے بیرونی فتوحات کا سلسلہ یک قلم بند رہا لیکن ربیع الاول ۳۱ھ میں جب بارِ خلافت سیدنا معاویہؓ کے کندھوں پر ڈالا گیا تو آپ نے اسلامی بحریہ کو بہت زیادہ ترقی دی ملک کے ساحلی علاقوں میں جا بجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ (احسن المحاضرات جلد ۲ ص ۱۹۹، فتوح البلدان ص ۱۴۲) اسی ترقی یافتہ بحریہ کی مدد سے آپ نے بحرِ روم کو مسلمانوں کا بازی گاہ بنا دیا۔

بازنطینی حکومت اسلامی سرحدات پر آئے روز حملے کرتی رہتی تھی اسلئے آپ نے

اٹا دیا کہ جیسے سیدنا فاروق الاعظمؓ نے کسریٰ کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا میں قیصر کی سلطنت کا خاتمہ کر دوں، دوسرے آپ کے ذہن میں جناب ختمی مرتبتؑ کا وہ خواب بھی تھا جو سیدہ ام حرامؓ کے گھر میں حجۃ الوداع کے بعد آپ کو دکھایا گیا تھا جس میں آپ نے اُن لوگوں کو مغفرت اور جنت کی بشارت دی تھی جو سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کریں گے، آپ کی خواہش تھی کہ جس طرح ۲۸ھ میں حدیث کے حصّہ اول کی بشارت کا مستحقّ میں ہوا ہوں اسی طرح اللہ ربّ العزت نے اب مجھے موقع دیا ہے کہ حدیث کے دوسرے حصّہ کی بشارت کا بھی میں ہی سزاوار ہوں، تیسرے یہ کہ قسطنطنیہ مشرقی یورپ کا قلب تھا اس کی فتح سے مسلمانوں کے لیے یورپ کی فتوحات کا دروازہ کھلنا تھا، ان سب وجوہات کے پیش نظر آپ نے امیر یربید کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک لشکر تیار فرمایا۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا جس کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے کہ:-

”اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مقصور لسم (بخاری ج ۱ ص ۲۸۱)  
میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کے لیے  
دربار الہی سے مغفرت (کا پروا نہ) ہے“

مدینہ قیصر کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-  
”یعنی القسطنطنیة۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۸)

اس سے مراد قسطنطنیہ ہے“

اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:-

”لان المراد بها القسطنطنیة۔ (عینی ج ۱۲ ص ۱۹۸)

اس سے مراد قسطنطنیہ ہے“

بخاری کی یہ روایت محدثین کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ امام بغویؒ نے  
بخاری کی اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے:-

”وهذا حديث صحيح۔ (شرح السنة ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳)

اور یہ حدیث صحیح ہے۔“



ایسے ہی دوسرے محدثین کرام نے اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ان سب کے نزدیک بالکل صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو ابوابہ والنہای جلد ۲ ص ۲۹، منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴۵)

بعض حضرات نے اس روایت کے ایک راوی عمیر بن الاسود العنسی (یا بقول بعض عمرو بن الاسود العنسی) کا خود ساختہ قول کہا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں مانتا۔ لیکن یہ بات بھی اہل علم کے نزدیک غلط ہے کیونکہ راوی مذکور ثقہ اور تابعی ہے اور علمائے رجال اور اصحاب جرح و تعدیل نے اس پر کوئی تنقید یا جرح نہیں کی۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس حدیث کے بارہ میں اعتراض کے طور پر کہا جا رہا ہے وہ نہ صرف یزید بن معاویہ کی وجہ سے ہے کیونکہ ہمارے بعض حضرات اس کو مغفور نہیں دیکھنا چاہتے اور اللہ کی رحمت ان کے ہاں بے پایاں نہیں بلکہ محدو د ہے، یہ لوگ اللہ کے دستِ مغفرت کو کشادہ نہیں دیکھنا چاہتے۔

اس بشارتِ نبویہ کا مورد ہونے کے لیے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ، سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ اور میزبانِ نبویؐ سیدنا ابوالیوب انصاریؓ وغیرہم نے اس لشکر میں شرکت فرمائی۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب نہار پوریؒ نے بخاری کے حاشیہ میں قسطلانی کے حوالے سے لکھا ہے:-

”قال قسطلانی کان اول من غزا مدینۃ قیس یزید بن معاویۃ ومعہ جماعة من سادات الصحابة کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر و ابن ابیہ انصاری وتوفی بہا ستۃ اثنتین وخمسين من الهجرة۔۔۔ الخ (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲، حاشیہ ارشاد الساری ج ۵ ص ۱۰۲) وہ لکھتا

فی الکامل لابن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۷

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ مدینہِ قبیۃ پر سب سے پہلے یزید بن معاویہ نے حملہ کیا تھا اور اس کے ساتھ اکابر صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابوالیوب انصاریؓ وغیرہم، اور وہیں شہر میں سیدنا

ابوایوب انصاریؓ کا انتقال ہوا۔۔۔ الخ  
علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں :-

”ان یزید بن معاویہ غزا بلاد الروم حتی بلغ قُسْطَنْطِیْنَةَ وَمَعَهُ  
جَمَاعَةٌ مِنْ سَادَاتِ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَ  
ابْنُ الزُّبَیْرِ وَابُوایوب الانصاریؓ وَكَانَتْ وَفَاةُ ابُوایوب  
الانصاریؓ هُنَاكَ قَرِیْبًا مِنْ سُوْرِ الْقُسْطَنْطِیْنَةِ وَقَبْرُهُ هُنَاكَ -  
(عمدة القاری ج ۲ ص ۱۹۹ ، فتح الباری ج ۶ ص ۷۷)

یزید بن معاویہ رومیوں کے شہروں میں ان سے دسات سال تک ہڑتے  
رہے حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ اکابر صحابہ ابن عمرؓ  
ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ اور ابوایوب الانصاریؓ وغیرہم تھے، چنانچہ  
ابوایوب الانصاریؓ کا انتقال بھی قسطنطنیہ کی فسیل کے پاس ہی ہوا تھا اور  
وہیں ان کی قبر بھی ہے۔  
حافظ ابن کثیرؒ بھی لکھتے ہیں :-

”فسارمعة خلق كثير من كبراء الصحابة -  
(البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۲۷، ۱۳۲)

بڑے بڑے صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی۔  
علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں :-

”وفي سنة خمسین غزا یزید ارض الروم ومعه ابوایوب  
الانصاریؓ - (تاریخ الاسلام جلد ۳ ص ۹۱)

اور شہدائے میں یزید بن معاویہ نے ارض روم پر حملہ کیا اور سیدنا ابوایوب انصاریؓ  
بھی ان کے ساتھ تھے۔“

اس مبارک شکر میں دیگر اکابر صحابہؓ کے ساتھ سیدنا حسین بن علیؓ بھی تھے،  
جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں :-

”كان الحسين يغدا الى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه وكان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد -

البدایة والنهاية ج ۸ م ۱۵۸

حسینؑ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور معاویہؓ ان کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے اور حسینؑ اُس لشکر میں بھی شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر یزید بن معاویہ کی معیت میں حملہ کیا تھا۔

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں ابن عساکر کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

”قال ابن عساکر وقد الحسین علی معاوية وغزوا القسطنطينية مع يزيد - (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۱۱۱)

حافظ ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ حسینؑ معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے اور انہوں نے قسطنطنیہ کی جنگ میں بھی یزید بن معاویہ کی معیت میں شرکت فرمائی۔

اس لشکر میں سیدنا حسینؑ کی شمولیت کو ان کثیر کے علاوہ شیعہ محدث امیر علی نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

He (Hussain) had served with honour against the Christians in the siege of Constantinople.

(History of Saracens, P. 84)

سیدنا حسینؑ نے قسطنطنیہ کے محاصرہ میں عیسائیوں کے خلاف بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں۔

ایسا ہی گین نے ”تاریخ عروج و زوال رومہ الکبریٰ ص ۲۸۶“ میں لکھا ہے کہ:-  
”ایسے عظیم الشان لشکر کی گمان جس میں اکابر صحابہؓ کے علاوہ خود نواسہ رسولؐ سیدنا حسین بن علیؑ بھی شریک تھے یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں تھی ،

اس پر قریباً تمام مؤرخین اور محدثین کا اتفاق ہے :-  
چنانچہ شارحین بخاری لکھتے ہیں :-

”والاھم ان یزید بن معاویۃ غزا القسطنطینیۃ فی سنۃ اثنتین وخمسمین - (عمدة القاری ج ۴ ص ۱۹۵، فتح الباری ج ۴ ص ۷۷) صحیح ترین بات یہ ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ یزید بن معاویہ نے ۵۲ھ میں کیا تھا“

علامہ ذہبیؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ :-

”وفیہا (فی سنۃ خمسین) غزوۃ القسطنطینیۃ کان امیر الجیش الیہا یزید بن معاویۃ وکان معہ وجوہ الناس ومن کان معہ ابوالیوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ - (تاریخ الاسلام ج ۱ ص ۱۹۵) اور ۵۲ھ میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی اور اس شکر کے امیر یزید بن معاویہؓ اور ان کے ساتھ بڑے بڑے جلیل القدر لوگ تھے جن میں سے ایک سیدنا ابوالیوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں“  
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”والجیش غزاھا کان امیرھم یزید والجیش عدد معین لامطلق وشمول المغفرۃ لاحادھذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما غزا القسطنطینیۃ لاجل هذا الحدیث - (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲) سب سے پہلا شکر جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس کے امیر یزید بن معاویہؓ تھے اور جیش ایک عدد معین ہے عدد مطلق نہیں اور مغفرت اس کے ہر فرد کو شامل ہے، یہی قوی ترین بات ہے اور کہا جاتا ہے کہ مغفرت کس اس حدیث کی وجہ ہی سے یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا“

ایسا ہی البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۵۹، تاریخ الامم والملوک جلد ۱۲، العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳، الاستیعاب جلد ۵، نسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۶۶ پر بھی مرقوم ہے۔

مسلمان تو مسلمان غیر مسلم مؤرخ پر وفیسر ہٹی نے بھی تاریخ میں اس بات کا ان الفاظ میں اقرار کیا ہے :-

The first was in A.H. 49 (669) under the leadership the crown prince Yazid.  
(History of the Arabs, P. 201)

(قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۴۹ھ مطابق ۶۶۹ء میں ولی عہد یزید بن معاویہ

کی زیر قیادت ہوا)

۴۹ھ میں اور بقول بعض ۴۹ھ (ابتداء و انتہایہ جلد ۸، ہسٹری آف دی عربز ص ۱۲۱) اور بقول علامہ ذہبی ۵۰ھ (ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۱۹) میں امیر یزید کی قیادت میں مسلمانوں کا یہ بحری بیڑہ بحیرہ روم کی موجوں سے کھیلتا ہوا باسفورس میں داخل ہوا، مصر و شام وغیرہ ممالک اسلامی بھی الگ الگ دستے آئے ہوئے تھے، مصری فوج کے سرسکر گورنر مصر عقبہ بن عامر جنہی تھے ایک دستہ حضرت فضالہ بن عبید کی ماتحتی میں تھا اور ایک دستہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی زیر قیادت اس لشکر میں شریک ہونے کے لیے پہنچا تھا۔

قسطنطنیہ کا شہر مشرقی کلیسا کا مرکز ہونے کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا اس لیے رومیوں نے پوری قوت سے اور طاقت سے اس کی مدافعت کی اور اپنی بہادری کے بڑے جوہر دکھائے، مسلمان بھی چونکہ ہوشیہا اور مغفرت و جنت کے شوق میں سر پر کفن باندھ کٹے تھے لہذا انہوں نے بھی بڑی گر مخوشی سے مقابلہ کیا، خصوصی طور پر امیر یزید نے بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کو فقی العرب و عرب کا بہادر، کالقب حاصل ہو گیا۔ (ہسٹری آف دی عربز ص ۱۲۱) کئی روز تک دونوں

۱۔ اپنے رومیوں کو پسپا کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور خود آپ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہاتھیں لپکے لپکے لیے شہر کے دروازے پر زور زور سے مارتے یہاں تک کہ وہ کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ (کتاب الافغانی جلد ۱ ص ۱۲۱)

فوجوں میں خوزیر معمر کے ہوتے رہے، قسطنطنیہ کی فصیل بہت اونچی تھی اور پتھروں کی بنی ہوئی تھی، رومی اس کے اوپر سے آگ کے گولے برسا رہے تھے، مسلمان نشیب میں تھے اس وجہ سے کافی جانی نقصان اٹھاتا پڑتا، لیکن اس قدر نقصان اٹھانے کے باوجود بھی انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر جا بدشوقی شہادت میں آگے بڑھ رہا تھا، ایک مجاہد عبدالعزیز بن زرارہ کبھی شہادت کی تمنا میں بار بار دشمن کی طرف بڑھتے، آخر ایک مرتبہ تو بالکل فصیل کے قریب پہنچ گئے، رومیوں نے فوراً ہی یزیدوں سے انہیں شہید کر دیا، جب ان کی شہادت کی خبر سیدنا معاویہؓ کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کے والد کو بلا کر فرمایا :-

وَاللّٰهِ هَلَكَ فِتْنَى الْعَرَبِ -

بخدا فتنی العرب (عرب کا بہادر) ہلاک ہو گیا۔

عیدالعزيز بن زرارہ کبھی کے والد المحترم نے جواب دیا ”میرا بیٹا یا آپ کا بیٹا؟“ سیدنا معاویہؓ نے فرمایا ”تمہارا بیٹا“ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۷) میرزا بن رسول سیدنا ابوالیوب انصاریؓ اپنی عمر کی انتہی سے زائد عمر میں طے کر چکے تھے اسی جنگ کے دوران آپ ہمیش کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے مرض شدت اختیار کر گیا یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو گیا کہ اب میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوں تو آپ نے امیر یزید کو بلا کر وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک بجا سکو لے جا کر دفن کرنا، نیز فرمایا کہ ساتھ ہی مسلمانوں کو میرا سلام کہہ کر یہ حدیث نبویؐ سننا جو میں نے آقاؐ سے دو جہاں ہادیؑ سبل سرورؑ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے کہ :-

مَنْ مَاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا جَعَلَهُ اللّٰهُ فِي الْجَنَّةِ  
 جو شخص اس حالت میں مرا کہ اُس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں  
 ٹھہرایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۹)

چنانچہ وصیت کے مطابق امیر یزید نے سیدنا ابوالیوب انصاریؓ کی نماز جنازہ خود

پڑھائی، جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:-

وكان في جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذي صلى عليه - (البدایة والنہایة ج ۸ ص ۵۸)

وہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے اور اسی کو آپ نے وصیت فرمائی اور اس نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

نماز جنازہ سے فراغت کے بعد آپ کے جنازہ کو اٹھا کر دشمن پر یکبارگی حملہ کر دیا گیا اور قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ کر فصیل کے بالکل نیچے آپ کو دفن کر دیا گیا۔  
 رعمۃ القاری جلد ۱۴ ص ۱۹۹، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۹،  
 ابن الاثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، حاضر العالم الاسلامی ص ۲۱۵، نسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۶ ص ۶۶  
 قیصر نے جب شہر کی فصیل سے دیکھا کہ مسلمان کوئی چیز دفن کر رہے ہیں تو اس نے  
 قاصد کی معرفت اس بارہ میں معلوم کیا، امیر یزید نے جواب دیا کہ یہ ہمارے رسول صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے صحابی کا جنازہ ہے، انہوں نے تمہارے ملک کے اندر لے جا کر دفن کرنے کی  
 خواہش کی تھی، اب ہم اُن کی اس خواہش کی تکمیل کر رہے ہیں اگرچہ ہمیں اپنی جانیں  
 ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳) یہ سن کر قیصر نے کہا کہ تمہارے  
 جانے کے بعد ہم اس کی لاش کو نکال کر گتوں کے آگے ڈال دیں گے، قیصر کی  
 یہ بات سن کر امیر یزید کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اسی غصے میں رومیوں کو  
 مخاطب کر کے کہا:-

”یا اهل القسطنطنية هذا رجل من اکابر اصحاب محمد بنينا وقد

دفن حيث ترون واللہ لئن تعرضتم له لاهد من کل کنیسة فی ارض

الاسلام ولا یضرہ نا قوس بارض العرب ابدًا (نسخ التواریخ جلد ۲

کتاب ۶ ص ۶۶، الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۳۸، العقد الفرید جلد ۳ ص ۱۳۳)

اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ صاحب ہمارے نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے انہیں جہاں دفن کیا ہے اللہ کی

قسم! اگر تم نے ان کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو ارضِ اسلام کے ہر کوسہ کو منہدم کر دوں گا اور پھر عرب کی سرزمین میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔“

قیصہ نے جب امیر شکر یزید بن معاویہ کے منہ سے یہ ہدیہ آمیز کلمات سُنے تو مبہوت ہو گیا اور اس کو جرأت نہ پڑی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی کی نقش مبارک کی توہین کر سکے بلکہ اس نے ان کی قبر پر ایک قبر بنوا دیا۔ (العقد الفرید جلد ۳) اور رومی ان کی قبر مبارک پر جا کر عہد کرتے اور قحط کے زمانے میں ان کی قبر کے وسیلے سے دُعائیں مانگتے۔ رعمۃ القاری جلد ۴، ۱۹۹، طبقات ابن سعد جلد ۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸، ابن الاثیر جلد ۳، ۲۲۸، حاضری العالم الاسلامی ص ۲۱۵)

امام محمد بن احمد السرخسی نے لکھ ہے کہ سیدنا ابوالیوب انصاریؓ کو تہرات کو دفن کیا گیا تو:-

فصعد نور من قبرہ الى السماء ورأى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع من المشركين -

ان کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور قریب رہنے والے مشرکین نے بھی اس نور کو دیکھا۔  
جب صبح ہوئی تو ان کا قاصد امیر شکر کے پاس آیا اور کہا کہ جس شخص کو تم لوگوں نے رات کو دفن کیا ہے وہ کون تھے؟  
مسلمانوں نے کہا:-

صاحب لبنینا (وہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے) میزبانِ رسول سیدنا ابوالیوب انصاریؓ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے لوگ حلقہٴ نبوتِ اسلام ہو گئے۔ (شرح السیر البکیر جلد ۱ ص ۱۵)  
اگرچہ قسطنطنیہ کا شہر فتح نہ ہو سکا لیکن اس کام کی ابتداء کا سہرا امیر یزید ہی کے سر ہے اور اس حدیث نبوی کے حقیقی مورد بھی آپ ہی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ بخاری کی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-



”قال المهلب في هذا الحديث متقبلة لمعاوية لانه اقل من  
غزا البحر ومنقبلة لولده يزيد لانه اقل من غزاه مدينة  
قيصر۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۹)

وحدث) مہلب فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سیدنا معاویہ کی منقبت  
بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور  
اس میں ان کے فرزند زید کی منقبت بھی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے  
پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

بعد میں سلطان محمد فاتحؒ نے اس شہر کو فتح کیا تھا، فتح کے تڑکان عثمانی  
نے سیدنا ابوالیوب انصاری رحمی اللہ عنہ کے مزار پر ایک مقبرہ اور اس کے ساتھ مسجد  
بنوادی جو آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے، تعلقائے دولت عثمانیہ کی رسم  
تاجپوشی بھی اسی مسجد میں ہوتی تھی۔

## روڈس کی فتح

بحری لڑائیوں میں صرف قسطنطنیہ ہی کا حملہ آپ کی بحریہ کا شاندار کارنامہ نہیں  
بلکہ آپ نے روڈس، ارواڈ اور بعض دوسرے یونانی جزایروں کو بھی فتح کیا، چنانچہ  
علامہ غیر الدین زکریٰ اپنی مشہور کتاب ”الاعلام“ میں لکھتے ہیں:-

”ھو اول مسلح ماكب البحر للغزو وفي ايامہ فتح كثير من  
جزائرو يونان والدر دنیل۔ (الاصلام ج ۸ ص ۱۴۳)

وہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحر روم کو جنگ کے لیے اپنے  
بہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بیشتر جزیرے  
اور در دنیل (درہ دانیال) وغیرہ علاقے فتح ہوئے۔  
صاحب ”فتوحات اسلامیہ“ لکھتے ہیں:-

جزیرہ قبرص، روڈس اور بعض جزائر لوان کی فتح امیر معاویہؓ کے اہم کارنامے ہیں (الفتوحات اسلامیہ جلد ۲ ص ۱۰۳۹ ملخصاً)

۳۵ھ میں آپ کے مشہور جرنیل جنادہ بن امیہ نے روڈس پر حملہ کیا، روڈس بحر روم میں اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں ایک نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے جس میں زیتون، انگور وغیرہ اور قسم قسم کے عمدہ پھل اور میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں، اس جزیرہ کا رقبہ ساٹھ میل تھا، جنادہ بن امیہ نے ۳۵ھ میں اس کو فتح کیا اور سیدنا معاویہؓ نے یہاں بہت سے مسلمان آباد کر کے اس کو ایک اسلامی نوآبادی بنا دیا۔

رمحجم البلدان ذکر روڈس، فتوح البلدان ص ۲۲۲، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۲۲، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۱، معاویہ بن ابی سفیان لابی النصر ص ۶۹)

## ارواڈ کی فتح

روڈس کی فتح کے اگلے سال یعنی ۳۵ھ میں جنادہ بن ابی امیہ اور مجاہد دونوں نے مل کر ارواڈ کے جزیرہ پر حملہ کیا جو قسطنطنیہ کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، سیدنا معاویہؓ نے یہاں مسلمانوں کی نوآبادی قائم فرمائی، اس جزیرہ کو اسلامی اقتدار کے زیر اثر لانے کے بعد آپ نے بحری حملوں کے لیے اس کو صدر مقام قرار دیا۔ (رمحجم البلدان ذکر ارواڈ، فتوح البلدان ص ۲۲۲، معاویہ بن ابی سفیان لابی النصر ص ۶۹)

اسی زمانہ میں آپ کے لشکر نے صقلیہ پر بھی حملہ کیا لیکن وہ فتح نہ ہو سکا، بعد میں عباسیوں نے یہاں فتح کا پھر پرانصیب کیا۔



# بنو ہاشم سے تعلقات اور سلوک

سیدنا معاویہؓ ۱۸ھ سے ۱۶ھ تک دمشق اور اس کے تعلقات کے گورنر رہے پھر ۲۱ھ میں سیدنا حسنؓ کے بیعت فرمانے کے بعد آپ باقاعدہ طور پر پوری مملکت اسلامیہ کے خلیفۃ المسلمین مقرر ہو گئے اور رجب ۳۵ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اس حساب سے آپ کا عہد خلافت ۲۰ سال پر محیط ہے، آپ اس عرصہ میں فرائض خلافت بطریق احسن سرانجام دیتے رہے اور اندرون ملک اور بیرون ملک آپ کی حکمت عملی بہت کامیاب رہی، یہاں تک کہ متعصب شیعی مؤرخ سید امیر علی کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ:-

”مجموعی طور پر معاویہؓ کی حکومت اندرون طور پر بڑی خوشحال اور پرامن تھی اور خارجہ پالیسی کے لحاظ سے بہت کامیاب تھی“

(History of Saracens, P. 82)

اس بیس سالہ دور خلافت میں جہاں اور لوگوں سے آپ کے تعلقات اور رویہ بڑا اچھا رہا وہاں اہل بیت نبوت اور بنو ہاشم سے بھی آپ بڑی ملاحظت اور نیک دلی سے پیش آتے رہے اور سب کو عطلے جزیل سے نوازتے رہے چنانچہ ان کے پورے زمانہ خلافت میں بنو ہاشم کے کسی فرد نے کبھی ان کے بارہ میں کوئی شکایت نہ کی بلکہ سیدنا عقیلؓ بن ابی طالب جو سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی تھے، اپنے بھائی سے اختلاف کر کے سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے آئے۔

دعمۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (۳)

لیکن بعض نام نہاد محبان اہلبیت اور ان سے متاثر ہو کر بعض نام نہاد سنیوں نے بھی آپ کی شخصیت کا ایسا گھناؤنا نقشہ پیش کیا ہے کہ جیسے یہ ہر وقت بنو ہاشم کے ساتھ برسرِ بیکار رہتے تھے، حالانکہ معاملہ اس کے بالکل عکس ہے۔ اہلبیت

اور تمام بنو ہاشم ان کے وظیفہ خوار اور مداح خوان تھے اور آپس میں یہ سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ آپ چونکہ اموی تھے اور بنو اُمیہ کے بارہ میں بعض شیعہ مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ اُن کے اور بنو ہاشم کے مابین شروع ہی سے عداوت چلی آرہی تھی اور جنگ صفین اور جنگ کربلا اسی پرانی عداوت کا نتیجہ ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنو ہاشم اگر حلقہ بگوشی اسلام ہوئے تو ان سے زیادہ تعداد میں بنو اُمیہ کے لوگوں نے اسلام کو قبول کیا لیکن بنو ہاشم نے قومی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر آپ کی زیادہ حمایت کی تھی۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۴۲)

تاریخ اسلام کے اوراق میں آپ کو بنو اُمیہ کے ایسے افراد بکثرت ملیں گے جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا وطن، مال اولاد، گھر بار اور عزیز واقارب چھوڑ دیئے، چنانچہ ہجرت حبشہ میں بنو ہاشم سے زیادہ بنو اُمیہ کے لوگ اور ان کے حلیف تھے جبکہ بنو ہاشم میں سے صرف سیدنا جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔ ملاحظہ ہو: انساب الاشراف جلد ۱۹، ابن ہشام جلد ۱ ص ۲ اور بنو اُمیہ اور اُن کے حلفاء میں سے جن حضرات نے ہجرت کی اُن کی تعداد کیا رہے۔ جن کی تفصیل جو گزشتہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اسلام کی مالی خدمت جتنی بنو اُمیہ نے کی ہے بنو ہاشم نے اس کی بھی اتنی نہیں کی۔ سیدنا عثمانؓ کی داد و دہش اور بیئر رومہ کی خریداری، پھر جنگ تبوک کے مجاہدین کے لیے ساز و سامان کا مہیا کرنا آج بھی ہر آدمی کے زبان پر ہے۔

یہ درست ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ جنہوں نے سوائے بدر کے قریباً ہر جنگ میں قریش کے لشکر کی قیادت کی لیکن یہ اُن کا ایک قومی فریضہ تھا کیونکہ قریش کی طرف سے سپہ سالاری کا عہدہ انہیں تفویض ہوا تھا، لیکن تاریخ کے صفحات اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ یہی ابوسفیان جب

حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو پھر اسلام کے لیے پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفر سے لڑے، چنانچہ طائف کے محاصرہ میں انہوں نے اپنی ایک آنکھ اللہ کے راستہ میں قربان کی۔ (الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۳۲) اور دوسری آنکھ کی قربانی سیدنا صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں جنگ یرموک میں دی۔ (اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۱)

اگر بنو امیہ بنو ہاشم کے ساتھ شروع ہی سے بغض و عناد رکھتے ہوتے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو امیہ کے جلالہ میں نہ دیتے اور چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ جو بنو ہاشم کے فرد سیدنا علیؓ کے نکاح میں دی تو وہ بھی سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے کہنے پر سیدنا علیؓ نے اس کی بارگاہِ نبوت میں خواستگاری کی۔ (جلال الاعیون ص ۱۲) پھر سیدہ فاطمہؓ کے جمیز اور شادی کے لیے رسولِ محمدؐ بنو امیہ ہی کے ایک شخص سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سیدنا علیؓ کو دیا جو کہ چار سو درہم تھا۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد ۱ ص ۳۵۹) سیدنا عثمانؓ کے اس کارِ خیر پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بہت دعائیں دیں۔ (ملاحظہ) کشف الغمہ جلد ۱ ص ۳۵۹، زرقانی علی الموابہب جلد ۲ ص ۱۰۱ اپنی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ تو آپؐ نے سیدنا ابوالاعباس امویؓ کے نکاح میں دی لیکن ان سے چھوٹی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کے بعد بیکر آپؐ نے سیدنا عثمان بن عفانؓ اموی کے جلالہ عقد میں دیں۔

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۳، فتح البلاء جلد ۲ ص ۳۲۲)

دوسری طرف بنو امیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؓ کی صاحبزادی سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا سے نکاح کر کے آپؐ نے بنو امیہ سے اپنی قربت داری کا اظہار فرمایا۔ (صفۃ الصفوة جلد ۲ ص ۲۳) ابوسفیانؓ اس وقت اگرچہ حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے لیکن آپؐ نے اس شادی کی تحسین فرمائی۔ اس کے مقابلہ میں نزولِ وحی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چچا ابوطالب کو جس کے

بیٹے سیدنا علیؑ کو حضور اکرمؐ نے اپنی کفالت میں لیا ہوا تھا، اس کی بیٹی ہند جس کی کثیت بعد میں اُم ہانی ہوئی، سے نکاح کا پیغام دیا تھا، آپؐ کے پیغام کے ساتھ، ہیرہ بن ابودہب الخزومی نے بھی ابوطالب کو پیغام دیا۔ ابوطالب نے بنو خزوم کے ہیرہ بن ابودہب کو اپنی بیٹی بیاہ دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا اپنے بارے میں یہ روایت دیکھ کر فرمایا :-

”یا عجم! انزجت ہبیرۃ وترکتی؟“

چچا جان! آپ نے ہیرہ کو تو بیٹی بیاہ دی اور مجھے تو نہی چھوڑ دیا؟“

یہ سنکر ابوطالب نے کہا :-

”بھتیجے! ان لوگوں کے تو ہم سے رشتے نلے ہوتے چلے آئے ہیں ہعزہ“

لوگوں کے ہم کفو معزز اور ذی حیثیت لوگ ہی ہوتے ہیں۔“

والا احابہ جلد ۲ ص ۵۰۳، کتاب الحجر ص ۹۸، طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۵۲

اس بات کو قریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام شادی کو رد کر کے بنو خزوم کے ہیرہ بن ابی وہب کے ساتھ اپنی بیٹی اُم ہانی کا نکاح کر دیا۔

حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا کے اس جواب سے اتنا رنج اور صدمہ ہوا کہ آپؐ نے اس پر خفگی کا اظہار فرمایا۔

(الاحابہ جلد ۲ ص ۵۰۳)

ابوطالب نے جو کہ بنی ہاشم کے سردار تھے، اپنے سگے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہیرہ بن ابی وہب الخزومی سے اپنی بیٹی کیوں بیاہ دی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنو خزوم کا قبیلہ اُس وقت قریش میں دولت و ثروت، اثر و رسوخ اور عددی قوت کے لحاظ سے

اس قبیلہ کے پاس منصب العدل بھی تھا، تمول اور دریا دلی، ایاق و صلاحیت وغیرہیں بھی یکساں سمجھا جاتا تھا۔ (کتاب نسب قریش ص ۳)

اب مقابلہ کیجئے ایک اموی سردار کا اور ایک ہاشمی سردار کا۔ ہاشمی سکا چچا بھی ہے لیکن پھر بھی اس نے اپنی رڑ کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں نہیں دی، پھر یہ کہنا کہ بنو امیہ خاندان بنو ہاشم کے دشمن تھے میں سمجھتا ہوں جہالت پر مبنی ہے۔

بنو امیہ کی انہی باتوں کی وجہ سے فتح مکہ کے روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان سردار بنی امیہ کے گھر کو ایک عظیم درجہ دے دیا۔

”من دخل دار ابی سفیان فہو امن“

جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔ (مسلم جلد ۲، ۱، مسند احمد حدیث ۷۹۰۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۱۲، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۴۱۱)

ان سب واقعات کے پیشِ نظر یہ کہنا کہ بنو امیہ بنو ہاشم کے دشمن تھے، خائفِ کائنات چڑانے کے مترادف ہے، یہ دونوں قبیلے آپس میں باہم شیعہ و شکر تھے، ان کے آپس میں رشتہ دارِ باہمی بھی ہوتی تھیں اور دونوں بھائیوں کی طرح آپس میں بستے تھے کیونکہ یہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں تھیں۔ لیکن اسلام لانے کے بعد تو ان کے حالات ہی کچھ اور ہو گئی۔

سیدنا معاویہؓ کی والدہ ہند بنت عقیہ جب مسلمان ہو رہی تھیں تو حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے بت کو اٹھا کر توڑنے لگیں اور اس سے کہا کہ ایک مدت سے ہم تیری وجہ سے فریبِ خود رہے۔ پھر خود کہتی ہیں کہ میرے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئی اور آپ کی بیعت کی۔

تاریخ ابن عساکر جلد ۱ تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنت عقیہ

ایک موقع پر خود فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے کفری دھوپ

سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آگئی ہوں۔

تاریخ ابن عساکر جلد ۱ تراجم النساء تحت ترجمہ ہند بنت عقبہ  
بنو امیہ نے کبھی بھی بنو ہاشم کی عظمت و شرافت کا انکار نہیں کیا، خود سیدنا  
معاویہؓ نے بھی ایک موقع پر کھلے لفظوں میں بنو ہاشم کی سیادت و عظمت کا اقرار کیا۔  
علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ سے پوچھا گیا کہ تم بنو امیہ  
عزت و شرافت میں زیادہ ہو یا بنو ہاشم؟ سیدنا معاویہؓ نے اس اہم سوال کے  
وضاحت یوں فرماتے ہوئے جواب دیا:-

”ہم دونوں قبائل صاحب عظمت و شرافت تھے لیکن بنو عبد مناف میں ہاشم  
جیسا کوئی شخص نہیں، جب ہاشم انتقال کر گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ  
تھا تو ہم بنی امیہ عدد و شرف میں اکثر تھے۔ (صدا اکثر عددًا و اکثر  
اشرافًا) لیکن عبد المطلب جیسا ہم میں کوئی شخص نہیں تھا، جب عبد المطلب  
فوت ہوئے تو پھر ہم عدد و شرف میں اکثر تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ  
بنو ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں، پس ایسے نبی تشریف  
لائے کہ اولین و آخرین نے ان جیسا نہیں سنا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
ہیں۔ قالوا متابعی فجاء نبی لہ یسمع الاقلون والاخرون  
مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم پس اس شرف اور فضیلت کو  
کو کون حاصل کر سکتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۸)

سیدنا معاویہؓ نے اپنے اس بیان میں بنو ہاشم کی فضیلت اور تفوق کا صاف  
لفظوں میں اقرار کیا ہے اور سیدنا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور شخصیت کے بارے  
میں صحیح رہا کس دیشے ہیں۔ اب پھر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ بنو امیہ بنو ہاشم کے تفوق کو  
نہیں مانتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے آخر تک ان کا مقابلہ کیا، اس شخص کو اپنے  
دماغ اور سوچ کی اصلاح کرانی چاہیے۔



بنو ہاشم اور بنو امیر کی باہمی محبت و الفت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں ان کی آپس میں رشتہ داریاں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اس بات کا اعتراف ایک موقع پر خود سیدنا علیؑ نے بھی کیا، انہوں نے سیدنا معاویہؓ کو ایک خط میں لکھا:-

”لعمیننا قدیم عَزَّنا ولا عادی طولنا علی قومک ات  
خلطنا کھ بانفسنا فتکحنا وانکحنا فعل الاکفاء۔“

(نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۲)

دائے معاویہؓ! آپ کی قوم پر ہماری دیرینہ عزت نے ہمیں اس بات سے منع نہیں کیا کہ ہم آپ لوگوں کو اپنے میں ملائیں، پس ہم نے تمہاری عورتوں کے ساتھ نکاح کیے اور تم نے ہماری عورتوں سے نکاح کیے جیسا کہ ہم کفو لوگ آپس میں رشتے ناٹے دیتے لیتے ہیں۔“

سیدنا علی المرتضیٰؑ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں شروع ہی سے باہمی رشتہ داری کے تعلقات قائم تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہم کفو سمجھ کر رشتے دیتے لیتے تھے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا خواجہ عبدالمطلب سردار بنو ہاشم نے اپنی بیٹی اُمّ حکیم البیضاء کا نکاح کریم بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف اموی سے کیا تھا، اور اُمّ حکیم البیضاء سیدنا عثمانؓ کی سگی نانی تھیں۔

زمانہ اسلام میں یہ دونوں خاندان پہلے سے بھی زیادہ آپس میں محبت سے رہنے لگے، کیونکہ اسلام نے ہر قبیلے کی گزشتہ تمام رنجشوں کو ختم کر دیا جیسے اوس اور خزرج، انصار کے یہ دونوں خاندان کتنی مدت تک آپس برسرِ بیکار رہے لیکن جو نہی دونوں دولت ایمان سے سرفراز ہوئے تو سبکے بھائیوں سے زیادہ محبت و پیار سے رہنے لگے۔ اور اسلام تو ہے ہی صلح و آشتی کا دین، اس نے تو ہمارے درمیان جو مواخات قائم کی تھی اُس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی حالانکہ

ان میں نہ کوئی وطنی تعلق تھا اور نہ برادری اور قبیلہ کا، لیکن جب لسان نبوت نے ان سے فرمادیا کہ تم آپس میں بھائی بھائی ہو تو انہوں نے اس بھائی چارے کو ایسا نبھایا کہ سگے بھائیوں کو بھی اس پر رشک آنے لگا۔

اگر ان دونوں خاندانوں کے مابین کوئی رنجش یا عداوت ہوتی جس کو بعض لوگ صرف اپنی روٹی کمانے کے لیے اپنے غظلوں میں اور اپنی تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں، تو پھر ان دونوں خاندانوں کے اہم افراد میں اس طرح کی باہمی رشتہ داری قائم ہوتی؟ یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چار میں سے تین صاحبزادیاں بنو اُمیہ کے افراد کے جالہ عقد میں دیں۔ سیدنا علیؑ نے اپنی دو صاحبزادیاں سیدنا مروانؑ کے بیٹوں معاویہ بن مروانؑ اور عبدالملک بن مروانؑ کے نکاح میں دیں۔ (جہزۃ انساب العرب ص ۸۷، ابدا یہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۶۹) خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اُمیہ کے سردار سیدنا ابوسفیانؑ کی صاحبزادی سیدہ رملہؑ کو جو ام حبیبہ کی کنیت سے مشہور تھیں، اپنے جالہ عقد میں لاکر ام المومنین کا مرتبہ عطا فرمایا۔ یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ہاشمی عورت سے شادی نہیں کی۔

ایک رشتہ داری یہ تھی کہ سیدنا عثمانؓ کا پوتا عبداللہ بن عمرو بن عثمانؓ بن عفان سیدنا حسین بن علیؑ بن ابی طالب کی بیٹی فاطمہ سے بیاہا ہوا تھا، دوسرے نفظوں میں سیدنا عثمانؓ کا پوتا سیدنا حسینؓ کا داماد تھا۔ (مقاتل الطاہرین ص ۲۰۲) اسی طرح سیدنا عثمانؓ کا ایک اور پوتا زید بن عمرو بن عثمانؓ بھی سیدنا حسینؓ کا داماد تھا اور سیدنا حسینؓ کی صاحبزادی سکینہ بنت اُحسینؓ ان کے نکاح میں تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸، ۴۷) نسب قریش جلد ۴ ص ۱۰۲، کتاب المعارف لابن قتیبہ ص ۱۸۷، جہزۃ انساب العرب جلد ۸ ص ۶۸ پھر ایک اور رشتہ یہ قائم ہوا کہ سیدنا حسین بن علیؑ بن ابی طالب کی پوتی سیدہ ام القاسمؑ کی شادی سیدنا عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمانؓ سے ہوئی تھی۔ سیدنا علیؑ کے بڑے بھائی سیدنا جعفرؑ کی پوتی ام کلثوم بنت عبداللہ بن جعفرؑ کی

شادی سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا ابانؓ سے ہوئی۔

(المعارف لابن قتیبه ج ۱، ص ۹)

سیدنا عثمانؓ کی ایک صاحبزادی سیدہ عائشہؓ تھیں، اس سیدہ عائشہؓ سے پہلے سیدنا حسنؓ کا نکاح ہوا اُن کے انتقال کے بعد پھر سیدنا حسینؓ نے ان سے شادی کی۔ (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۳۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائیوں کی اولاد میں سے عمارت بن نوفل بن عمارت بن عبدالمطلب کے جہالہ عقد میں سیدنا معاویہؓ کی ہمشیرہ ہند بنت ابوسفیان تھیں۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۵۸، طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۴)

سیدنا معاویہؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ لیلیٰؓ سیدنا حسینؓ کی زویہ محترمہ تھیں اور سیدنا حسینؓ کے بڑے صاحبزادے سیدنا علی اکبرؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، یہ علی اکبرؓ میدان کربلا میں شہید ہوئے، گویا علی اکبرؓ یزید بن معاویہؓ کی سگی بھو بھی زاد بھنے کے بیٹے تھے۔ (منتہی الآمال جلد ۱ ص ۵۴، مقاتل الطالبین جلد ۱ ص ۵۴)

ان دونوں خاندانوں کا ایک اہم رشتہ یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کے بھتیجے سیدنا عبد اللہ بن جعفر طیارؓ کی بیٹی اُمّ محمد یزید بن معاویہؓ کے نکاح میں تھیں، اس لحاظ سے سیدنا حسینؓ یزید کی اہلیہ اُمّ محمد کے ماموں تھے اور دوسری طرف یزید علی اکبرؓ کے ماموں تھے۔

یہ تو اہم نے صرف چند رشتوں کا ذکر کیا ہے وگرنہ جنگ صفین اور معرکہ کربلا کے بعد بھی ان دونوں خاندانوں میں بڑی اہم رشتے داریوں نے جنم لیا اور یہ دونوں خاندان آپس میں بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہے، اس زمانے میں کسی کو بھی اپنی پرانی رنجش اور عداوت کا پتہ نہیں تھا لیکن ان کے کئی سو سال بعد لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ جنگ صفین اور معرکہ کربلا ان دونوں خاندانوں کی پرانی رنجش کا نتیجہ تھے۔ (العیاذ باللہ)

سیدنا معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں بنو ہاشم کے ساتھ اپنے اس ششہ مؤدتہ

محبت کو قائم رکھا، چنانچہ سیدنا حسنؑ سے تو آپ کو خصوصی محبت تھی، فرمایا کرتے تھے کہ:-

”میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے سیدنا حسنؑ بن علیؑ ہیں، ہماری خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔“

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:-

”میں نے سیدنا حسنؑ سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا، اور وہ فحش کلمہ کیا تھا؟ وہ یہ کہ ایک مرتبہ سیدنا حسنؑ اور سیدنا عثمانؑ کے صاحبزادے عمروؑ کے درمیان ایک قطعہ لافضی کے بارہ میں تنازعہ ہو گیا، رفع نزاع کے لیے سیدنا حسنؑ نے ایک تجویز پیش کی جس سے سیدنا عمرو بن عثمانؑ نے اتفاق نہ کیا، اُس وقت سیدنا حسنؑ نے اظہارِ ناراضگی کے طور پر فرمایا: ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی تاک خاک آلود ہو، بس یہی فحش کلمہ تھا جو ہم نے پوری زندگی میں ان کی زبان سے سنا۔“

(تاریخ یعقوبی شیعہ جلد ۲، ص ۲۲۴)

سیدنا حسنؑ جب تک زندہ رہے سیدنا معاویہؓ نے انہیں مختلف اوقات میں گرانقدر عطیات دیئے تاکہ اُن کی جود و سخا میں کوئی فرق نہ پڑے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب سیدنا حسنؑ نے خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو اُس وقت کوفہ کے خزانہ میں ایک روایت کے مطابق پچاس لاکھ اور دوسری روایت کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے، آپ نے یہ سارا مال سیدنا حسنؑ کو دے دیا۔ اسی طرح ”دارِ حجر“ کے علاقہ کی ساری آمدنی سیدنا حسنؑ کے کھاتے میں جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر سال لاکھوں درہم ہدیہ اور عطیہ کے طور پر سیدنا حسنؑ کی خدمت میں پیش کرتے اور سیدنا حسنؑ بغیر کسی تردد کے ان کو قبول کرتے۔ (ابدا یہ والنہایہ جلد ۸، ص ۸)

ایک دفعہ سیدنا حسنؑ ایک لاکھ درہم کے مقروض ہو گئے، سیدنا معاویہؓ کو

پتہ چلا تو اُسی وقت تین لاکھ درہم عطا فرمائے، اور کہا کہ ان تین لاکھ میں ایک لاکھ آپ کے قرض کی ادائیگی کے لیے، ایک لاکھ آپ کے اعزاء و اقرباء کے لیے اور ایک لاکھ آپ کی خاص ذات کے لیے ہے، چنانچہ آپ نے اس رقم کو قبول اور وصول کیا۔ (انساب الاشراف ص ۸۷ تذکرہ سیدنا معاویہؓ)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؓ کو مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک گاؤں مرحمت فرمایا جو بعد میں انہوں نے زینب بنت عبد اللہ بن جعفرؓ کے حق مہر میں دے دیا۔  
(ناسخ التواریخ جلد ۵ ص ۲۸)

یہی اُلفت و محبت آپ کی سیدنا حسینؓ سے بھی ہوتی تھی، سیدنا حسینؓ مزاج کے لحاظ سے اپنے بڑے بھائی سیدنا حسنؓ سے بہت مختلف تھے لیکن پھر بھی سیدنا معاویہؓ کے اُن سے روابط بہت اچھے تھے اور آپ انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سیدنا حسنؓ نے جب خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کی تو ابتداء میں سیدنا حسینؓ نے بھائی کی اس تجویز سے ذرا سا اختلاف کیا لیکن سیدنا حسنؓ نے فرمایا:۔  
”أُسکت فانا اعلم بالامر منك۔“

خاموش رہو میں اس معاملہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔“

(طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۳)

سیدنا حسینؓ نے جب بھائی کی ان غصیب آلود نگاہوں کو دیکھا تو فوراً عرض کیا کہ:۔

”آپ سیدنا علیؓ کے سب سے بڑے ہما جزاء ہیں اور ان کے جانشین بھی، ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳، تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۲۲)

چنانچہ آپ نے بھی سیدنا حسنؓ کے ساتھ سیدنا معاویہؓ کی بیعت فرمائی لیکن

کوفہ کے شیعوں کو فریقین کی یہ صلح ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، لہذا اندر ہی اندر انہوں نے کوشش کرنی شروع کر دی کہ سیدنا حسینؑ سیدنا معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں لیکن سیدنا حسنؑ کی زندگی میں تو یہ ممکن نہ تھا سیدنا حسنؑ کے انتقال کے بعد اہل کوفہ نے بیعت توڑنے کی تحریک تیز کر دی، چنانچہ اب کثرت سے اہل عراق کے خطوط سیدنا حسینؑ کے نام آنے لگے کہ آپ معاویہؓ کی بیعت توڑ دیں، لیکن آپ نے فرمایا:-

”معاویہؓ اور میرے مابین صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے لہذا میں اس عہد کے توڑنے کو جائز نہیں سمجھتا یہاں تک کہ اس کی مدت ختم ہو جائے“ (الارشاد، شیخ مفید ص ۱۸۲)

ایک اور شیعہ مؤرخ ابو خلیفہ الدینوری نے بھی لکھا کہ سیدنا حسینؑ نے اہل کوفہ سے یہی کہا کہ:-

”ہم سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں، اب نقص بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا“

(الاخبار الطوال ص ۲۲۰)

سیدنا معاویہؓ نہایت زبرد اور مدبر حکمران تھے، ان کے علم میں تھا کہ اہل کوفہ سیدنا حسینؑ کو خط لکھ کر حکومت کے خلاف خروج پر اکسارہے ہیں لیکن آپ بالکل خاموش رہے۔ گورنر مدینہ بھی کو فیول کی کاروائیوں سے واقف تھے، چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے امیر المؤمنین کو لکھا کہ بعض لوگ سیدنا حسینؑ کو حکومت کے خلاف اقدام کرنے پر اکسارہے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں وائی مدینہ کو لکھا کہ:-

”آپ حسینؑ کے بارہ میں کچھ فکر نہ کریں اور نہ اُن سے کوئی تعرض کریں انہوں نے میری بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو ہرگز نہیں توڑیں گے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم کریں گے“ (الاخبار الطوال ص ۲۲۲)

یہ جواب تو آپ نے گورنر مدینہ منورہ کو دیا لیکن اس کے ساتھ ایک خط میں سیدنا حسینؑ کو لکھا کہ:-

”آپ کے باوجود میں کچھ ایسی اطلاعات مجھے پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں، اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کیا تو یہ بات ایفا کرنے کے لائق ہے، آپ پر حق تعالیٰ شانہ کی رحمت ہو، خیال رکھئے کہ آپ کو حقیقت العقول لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں کہیں مضطرب اور پریشان نہ کر دیں“ والسلام  
(الانخبار الطوال ص ۲۲۴)

سیدنا حسینؑ کو جب امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کا یہ مکتوب موصول ہوا تو آپ نے اس کے جواب میں ان کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ:-  
”وما اريد حرياك ولا الخلاف عليك“

(امیر المومنین!) نہ تو میرا آپ سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی کوئی خواہش“ (الانخبار الطوال ص ۲۲۵)

یہاں ایک بات قابل غور ہے وہ یہ کہ اہل عراق کا کبھی کوئی خط سیدنا حسنؑ کو نہیں آیا تھا، حالانکہ سیدنا حسنؑ عراق میں خلیفہ المسلمین رہے تھے، اہل عراق سیدنا حسینؑ کو کیوں خط لکھتے تھے؟ اس کی دو وجوہات ہیں:-

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ سیدنا حسنؑ ان عراقیوں کی فطرت سے اچھی طرح آشنا تھے اور ان کو معلوم تھا کہ انہیں اسلام اور اہل بیت نبوت سے تو کوئی ہمدردی نہیں بلکہ یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا کی پلاننگ کرتے ہیں، اس وجہ سے انہیں کبھی جرأت نہیں ہوئی کہ وہ سیدنا حسنؑ کو کوئی خط لکھ سکیں۔

(۲) دوسرے سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ دونوں بھائیوں کی طبیعت اور مزاج میں بہت فرق تھا، سیدنا حسنؑ نہایت ٹھنڈے دماغ کے انسانی تھے، نہایت دورانیہ اور مستقبل کے پردوں میں جھانکنے والے، دوست اور دشمن کو پہچاننے والے مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر تھے۔ اسی دوراندیشی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے آپ نے سیدنا علیؑ کو بھی اُن کے دورِ خلافت میں کئی مفید مشورے دیے لیکن سیدنا علیؑ نے ان کو نہ غور و اعتنا

نہ سمجھا لیکن بعد میں ان مشوروں پر عمل نہ کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا۔

اس کے برعکس سیدنا حسینؑ تھوڑے سے جلالی مزاج کے آدمی تھے، خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں خطبہ کے دوران میں نے آپ سے کہہ دیا کہ ”میرے نالک کے منبر سے اتر جائیے اور اپنے آبا کے منبر پر چلے جائیے“ سیدنا فاروق اعظمؓ نے یہ سنکر نہایت تحمل اور بردباری سے جواب دیا کہ ”میرے آبا کا تو کوئی منبر نہیں ہے“ پھر انہوں نے کپڑ کر مجھے اپنے پاس منبر پر بٹھالیا، خطبہ کے اختتام پر مجھ اپنے ساتھ گھر لے گئے اور فرمانے لگے ”میرے بیٹے! یہ تو بتاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھائی تھی؟“ میں نے کہا کہ یہ بات مجھے کسی نے نہیں سکھائی تھی۔“

(الامامہ جلد ۲، تاریخ الاسلام و طبقات الشاہیر والاعلام جلد ۹)  
اسی طرح ایک مرتبہ میں سے ایک قافلہ بہت سال و اسباب سیدنا معاویہؓ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے وہ سال و اسباب جھین لیا اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔

(ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۱)

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؓ کو جواباً لکھا کہ :-

”میرے بھتیجے! میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہہ جاتے ہو، میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا معاملہ درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا واسطہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو ایسے معاملات میں تمہارا بالکل لحاظ نہ کرے“ (ناسخ التواریخ کتاب ۸ ص ۸۲)

یہ تو معمولی واقعات تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسینؓ کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عراق کے سبائیوں نے سیدنا حسینؓ کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا کیونکہ وہ سیدنا حسینؓ کے مزاج کی اس کمزوری سے بخوبی واقف تھے۔ ملاحظہ فرمائیے مجلسی کا بیان ہے کہ مروانؓ نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، امیر معاویہؓ کو



اس بات کی مکمل رپورٹ دی کہ۔

”ایک گروہ عراقی و جازری امام حسینؑ کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اور ان کو طمع خلافت دلاتے ہیں، مجھے خوف ہے کہ کہیں فتنہ برپا نہ ہو جائے، اب مجھے جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں۔“

(جلد العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

اس رپورٹ کے جواب میں امیر المؤمنینؑ نے سیدنا مروانؑ کو لکھا کہ۔  
”تمہارا خط میرے پاس آیا، جو کچھ اس میں لکھا تھا معلوم ہوا۔ تم ہرگز حسینؑ سے تعرض نہ کرنا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت سے وفا کریں گے میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔“ (جلد العیون باب ۵ فصل ۵ ص ۳۶۹)

ناسخ التواریخ میں اس خط کے مضمون میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا ہے کہ۔  
”مادر ایچ امرے معترض حسینؑ نیستیم مادام کہ معترض سلطنت مانیست پس پوشیدہ دار خاطر خود چنداں کہ آشکارا نہ کردہ است مخاطرات خود را از برائے تو۔“

— ہم کو کسی امر میں حسینؑ سے تعرض نہیں جب تک کہ وہ ہمارے حکومت کے ساتھ تعرض نہ کریں، پس تم بھی خاموش رہو جب تک کہ وہ اپنے خیالات کو تمہارے سامنے ظاہر نہ کریں۔“

(ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۱ ص ۶۷)

اس کے علاوہ امیر المؤمنینؑ سیدنا معاویہؓ نے ایک خط براہ راست سیدنا حسینؑ کو لکھا کہ۔

”آپ کے متعلق کئی امور کا مجھے پتہ چلا، اگر وہ سچے ہیں تو لازم ہے کہ انہیں ترک کیجئے، اس لیے کہ جس نے خدا سے عہد و پیمان کیا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عہد پر وفا کرے، اور جو کچھ میں نے سنا ہے

اگر غلط ہے تو اس تہمت سے اپنے کو بری الذمہ جانیے۔“

(بروایت ناسخ التواریخ ص ۷۷)

ایک اور خط میں آپ نے سیدنا حسینؑ کو یہ لکھا کہ۔  
 ”اور جب آپ عہد شکنی کریں گے میں بھی عہد شکنی کروں گا، اور آپ اگر  
 بمقام غدیر آئیں گے تو میں بھی آپ سے غدیر کروں گا، پس آپ اس  
 اُمت کی جمیعت کو پر اگندہ نہ کیجئے گا اور فتنہ کا باعث نہ بنیئے گا کیونکہ  
 آپ پہلے لوگوں کو پہچانتے ہیں اور ان کا امتحان کر چکے ہیں (اور کسی نے  
 بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا) پس آپ اپنے اوپر اور اپنے دین اور اپنے  
 نانا کی اُمت پر رحم کیجئے اور بے عقل اور احمقوں سے دھوکا نہ کھائیے۔“

(جلد العیون ص ۳۶۹، ناسخ التواریخ ص ۷۷)

اندازہ فرمائیے کہ سیدنا معاویہؓ کس قدر دل سوزی اور قلب کی اتھاہ گہرائیوں  
 سے سیدنا حسینؑ کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اہل عراق ان کو  
 حکومتِ اسلامیہ سے محکمہ اگر ملک میں تشقت و انتشار کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے۔  
 بہر حال سیدنا حسینؑ نے امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں سبائیوں  
 کے اُگسانے کے باوجود بالکل کوئی تعرض نہ کیا اور ہر معاملہ میں برابر امیر المؤمنینؑ  
 کے ساتھ تعاون کرتے رہے، یہاں تک کہ ۴۰ھ میں امیر المؤمنینؑ کے فرزند  
 امیرینہ کی قیادت میں جہادِ قسطنطنیہ میں شرکت بھی فرمائی، لیکن سبائی برابر آپ  
 کے پاس آتے جاتے اور ترغیب و تحریر سے آپ کو امیر المؤمنینؑ کی مخالفت پر  
 اُگساتے رہتے، چنانچہ ایک دفعہ ان سبائیوں نے آپ کو لکھا کہ:-

”ہم معاویہؓ کو خلافت سے معزول کر کے آپ سے بیعت کرتے ہیں،  
 امام حسینؑ نے اس وقت موافقت ان کی اصلاح وقت نہ جانی اور حکم  
 نہ صبر فرمایا۔“ (جلد العیون ص ۴۳۲)

لیکن ان سب باتوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ باقاعدہ ہدایا اور

عطیات کے ذریعہ سے ان کی مالی امداد فرماتے رہے کسی وقت بھی ان کو انہوں نے مالی مشکلات میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ :-

”جب سیدنا حسنؒ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسینؒ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس آتے اور سیدنا معاویہؓ ان کا اکرام و اعزاز فرماتے اور عطیات پیش کرتے“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۷)

”کبھی ان دونوں بھائیوں کو دس لاکھ، کبھی بیس لاکھ اور کبھی چالیس لاکھ درہم تک عطا فرماتے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۷، ابن ابی الحدید جلد ۸ صفحہ ۸۳۸)

سیدنا حسینؒ اور سیدنا حسنؒ کے علاوہ ان کے اور بھتیجے بھی متعلقین تھے سیدنا معاویہؓ نے ان کی بھی بھرپور مدد کی، چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ :-

”معاویہؓ زمین میں سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے دس دس لاکھ درہم لوگوں کو بطور عطیہ دیئے، آپ سیدنا حسنؒ اور سیدنا حسینؒ ہر ایک کو ہر سال دس دس لاکھ درہم عطا فرماتے، اور اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی اتنی ہی رقم دیتے“ (ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۷۷)

مصنف ابن ابی شیبہؒ کی ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ سیدنا حسنؒ کو چالیس لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (جلد ۱۱ صفحہ ۹۱۲)

سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ تو سیدنا امیر معاویہؓ کو دل و جان سے چاہتے تھے، چنانچہ وہ اپنے بھائی سیدنا علی المرتضیٰؓ کو چھوڑ کر سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق چلے گئے اور جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کے لشکر کے بجلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ (عمدة الطالب ص ۳۱)

سیدنا امیر معاویہؓ نے انہیں بھی مختلف مواقع پر گرانقدر عطیات و ہدایا عطا فرمائے بلکہ ایک موقع پر تو انہیں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۳۳)

غرض یہ کہ جس جس شخص کا بھی خاندان نبوت سے تعلق تھا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اپنے عہد خلافت میں اُس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق قدر کی، چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کے بارہ میں انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا:-

”ان من الناس من لا یرد علیہ امر و ان عائشۃ منہم۔“

بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا اور سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ان میں سے ایک ہیں۔ (التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۳ ص ۲۲)

سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی کئی کئی لاکھ درہم عطیہ اور ہدیہ کے طور پر دیئے۔

(ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۹۹، جلد ۲ ص ۹، المستدرک حاکم

جلد ۱ ص ۱۳، البدایہ و النہایہ جلد ۱ ص ۱۳۶)

گویا خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اس بحر بیکراں سے فیضیاب ہوا۔



## آثارِ حرم و آثارِ نبوی کا تحفظ

ایک مسلمان کے لیے دنیا میں سب سے محترم شے اللہ اور اس کا رسول ہے ان کے بعد ہر وہ شے ہمارے لیے باعثِ صدا احترام ہو جاتی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے۔ سیدنا معاویہؓ کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے عالمِ حرمین کا تحفظ کیا۔

مکہ مکرمہ میں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کا ایک گھر تھا جس میں آپ سیدہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتی تھیں، اس گھر کو ”دارِ خرمیہ“ کہا جاتا تھا، اسی مکان میں آپ کی ساری اولاد پیدا ہوئی اور یہی وہ مکان تھا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سجدوں کے نشان بیہوش تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ نے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، اس گھر پر قبضہ کر لیا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر اس پر ایک مسجد تعمیر کروادی اور لوگ اس میں نمازیں پڑھنے لگے، بعد میں اس کو ”مولدِ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا“ کے نام سے یاد کیا جانے لگا کیونکہ سیدہ فاطمہؓ اسی مکان میں پیدا ہوئی تھیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مواضع میں سے مسجد الحرام کے بعد یہ افضل ترین جگہ ہے۔ (دھوا فضل موضع بمکہ بعد المسجد الحرام) تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۱

مکہ مکرمہ کے مکانات کے لیے اس سے پہلے کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اہل عراق، اہل شام اور دوسرے غیر مقامی لوگ اپنے اپنے علاقوں سے جب مکہ مکرمہ آتے تو ان مکانات میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے، لہذا ضرورت تھی کہ ان کو دروازے لگائے جائیں، سیدنا معاویہؓ نے ان مکانات

کو دروازے لگانے کا انتظام کیا۔

والہدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹، المصنف لعبد الرزاق جلد ۵ صفحہ ۱۴۰  
ان کے علاوہ آپ نے گوزر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ کو لکھا کہ اگر معافی رسول  
سیدنا کزب بن علقمہؓ زندہ ہوں تو ان کی نشاندہی پر ان آثار کو صیح کر کے مکمل کریں  
تاکہ اہل اسلام ان سے برکت حاصل کر سکیں۔ (فتوح البلدان ص ۳۷۵، طبقات ابن  
سعد جلد ۵ ص ۳۲۸، الاصابہ جلد ۳ ص ۲۷۵)

مکہ مکرمہ میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک جگہ تھی جس کا  
نام دارالاندوہ تھا، اس میں بیٹھ کر قریش آپس میں اہم امور کے بارے میں مشورے کیا  
کرتے تھے، یہ جگہ شروع سے قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلی آ رہی تھی، پھر اسے  
خاندان کے ایک فرد نے اس دارالاندوہ کو سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا،  
سیدنا معاویہؓ نے اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے اس کا نام ”دارالامارۃ“ رکھ دیا، اس  
دارالامارۃ میں محکام اور گوزر حضرات اقامت پذیر ہوتے اور مختلف امور پر مشورہ  
وغیرہ کرتے۔ (فتوح البلدان ص ۵۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ دارالاندوہ سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت  
کرنے والے سیدنا حکیم بن حزامؓ تھے جو کہ سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بھائی  
کے بیٹے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

”سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں سیدنا حکیم بن حزامؓ نے دارالاندوہ کو  
ایک بہت بڑی رقم ایک لاکھ درہم اور ایک دوسری روایت کے مطابق  
چالیس ہزار دینار کے عوض سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، سیدنا  
عبداللہ بن زبیرؓ نے سیدنا حکیم بن حزامؓ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت و  
شوکت کو فروخت کر دیا، جواب میں سیدنا حکیمؓ نے فرمایا کہ اے میرے  
بیٹے اس ابلہ مکام کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں، اب تو عزت و شرف  
صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے، یہ دارالاندوہ قریش کا دالالہل

تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۶۹، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۴۱)  
 اسی طرح حویطب بن عبد العزیٰ کی مکہ مکرمہ میں ایک حویلی تھی، سیدنا معاویہؓ  
 نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی، لوگوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا  
 کہ اس حویلی کی قیمت بہت زیادہ ہے، آپ نے فرمایا کہ حویطب کا کتبہ بائع افراد  
 پر مشتمل ہے، لہذا ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸)

اسی طرح کی اور کئی چیزیں آپ نے خرید کر آثارِ حرم کو محفوظ فرمایا۔  
 مکہ مکرمہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی آپ نے آثارِ نبویؐ کا تحفظ کیا۔ چنانچہ  
 گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے سیدنا معاویہؓ کے حکم سے کوشش  
 کی کہ ان مقامات متبرکہ کے بارہ میں آشنائی حاصل کی جائے، لہذا سیدنا مروانؓ  
 نے ابو قتادہ انصاریؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ مجھے سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے مواقع بتلائیں۔ (الاصابہ جلد ۴ ص ۱۵۸)

سیدنا عمر فاروقؓ جب اس دنیا سے انتقال فرما رہے تھے تو انہوں نے  
 اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ اور اپنی صاحبزادی ام المؤمنین سیدہ خنصہ سلام اللہ علیہا  
 سے فرمایا تھا کہ میری فلاں جگہ فروخت کر کے میرا تمام قرض ادا کیا جائے، چنانچہ اس  
 جگہ کو آپ کے انتقال کے بعد فروخت کر دیا گیا جسے سیدنا معاویہؓ نے اُس  
 دور کی وقتی ضروریات کے لیے خرید لیا، پھر اس کو ایک مسجد میں منتقل کر دیا، اس  
 جگہ کا نام ”دارالاقضاء“ تھا۔ (وفاد الوفاہ للمسہودی جلد ۲ ص ۶۹۸)

سیدنا عمرؓ جب اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو انہوں نے  
 خلافت کے لیے چھ شخص نامزد فرمائے کہ یہ چھ آپس میں سے کسی ایک کو خلیفہ  
 منتخب کر لیں، چنانچہ تین شب و روز اس میں بیٹھ کر خلافت کے لیے مشورہ  
 ہوتا رہا، یہ مکان سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کا تھا جو ان چھ میں سے ایک تھے،  
 چنانچہ سیدنا عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کا آخری فیصلہ بھی اسی مکان میں ہوا۔ سیدنا

عبدالرحمن بن عوفؓ کے انتقال کے بعد آپ کی اولاد نے اسے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا، یہ مکان چونکہ تاریخی حیثیت کا حامل تھا سیدنا معاویہؓ نے اس مکان کا تحفظ اس طرح کیا کہ اس میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کر دیا۔ (تاریخ مدینہ المنورہ لابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۲۳۳)

مدینہ منورہ کے لوگوں کے بے مختلف قسم کے قلعے تعمیر کروائے جن میں ”قصر ختل“ زیادہ مشہور ہے، یہ محل یا قلعہ چونکہ راستہ پر واقع تھا اس لیے اس کا نام ”قصر ختل“ رکھا گیا۔ یہ قصر گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکمؓ نے مشہور صحابی رسول سیدنا نعمان بن بشیرؓ کے تعاون سے مکمل کروایا۔

ایک اور قصر بنوایا گیا جس کا نام ”قصر الدارین“ تھا، یہ قصر جس زمین پر بنایا گیا وہ جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی سیدنا صفوان بن المعطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمائی تھی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید کر لوگوں کے لیے ”قصر“ کی شکل میں تعمیر کروایا۔

چاروں خلفاء کے زمانے میں مسجد نبوی کے ارد گرد کا علاقہ بالکل کچھا تھا، بارش کے دنوں میں وہاں کچھ دبھیل جاتا تھا۔ سیدنا امیر معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس کو پتھروں سے پختہ کروایا۔ آپ نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے گرد و نواح میں تختی بھی لگائیں ہیں ان کو پتھروں کے فرش سے پختہ کیا جائے، چنانچہ گورنر مدینہ نے آپ کے اس حکم کی تعمیل کی۔

اسی طرح آپ نے ام المؤمنین سیدہ صفیہ بنت حبیبہ سلام اللہ علیہا کا حجرہ مبارک خرید کیا جو سیدہ سلام اللہ علیہا نے اپنی ضرورت کے تحت



سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا،  
سیدنا معاویہؓ نے ان کے مرتبہ و مقام کی رعایت فرماتے ہوئے انہیں ایک کثیر  
رقم پیش کر دی۔ (وفاء الوفاء للسمیعی جلد ۲ ص ۲۶۱)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا نے بھی اپنا ایک  
مکان امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کیا جو آپؓ نے  
ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں خریدا۔

شاعر دربار نبوت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بکھوروں  
کا ایک نہایت عمدہ باغ تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں  
مرحمت فرمایا تھا، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ  
سیدنا حسان بن ثابتؓ نے وہ باغ سیدنا امیر معاویہؓ کے ہاتھ مالِ کثیر کے  
عوض فروخت کر دیا۔

ان تباہی کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہؓ نے  
اپنے دورِ خلافت میں حریمِ شریفین کی بہت خدمت کی اور ان کے بہت  
سے آثار کو محفوظ فرمایا۔

ایسے سعادت بزورِ بازو نیست  
تا نہ بخشد خداے بخشنده



# علمی سرگرمیاں

سیدنا معاویہؓ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جو قریش کا سردار اور علمی لحاظ سے ایک نہایت اچھا گھرانہ تھا، آپ کے والد ماجد سیدنا ابوسفیانؓ نے شروع ہی سے علمی لحاظ سے آپ کی نہایت اچھی تربیت کی۔ چنانچہ ظہور اسلام کے وقت احمدیہ کے بقول ۷، ۸ آدمی (فخر الاسلامؓ) اور علامہ زکی مبارک کے بیان کے مطابق ۲۰ افراد تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں ایک سیدنا معاویہؓ بھی تھے گویا کہ شروع ہی سے علمی مذاق میں آپ کی تربیت کی گئی تھی۔ چنانچہ آپ کی خلافت میں جہاں اور شعبہ ہائے زندگی میں ترقی ہوئی وہاں علمی سرگرمیوں میں بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی۔

**شاعری** | شاعری اور خطابت تو عربوں کا فطری ملکہ اور فن تھا، خصوصی طور پر شاعری تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس فن میں دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری اور برابری نہیں کر سکتی تھی۔ شیخیؓ کے زمانہ میں اس کا رنگ قدسے پھیکا پڑ گیا لیکن اموی دور میں پھر اس مذاق میں چاشنی آگئی، سیدنا معاویہؓ خود سخن سنج تھے اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی ان کو اچھا خاصہ مذاق ودلیعت کیا گیا تھا، ایسے اس زمانہ میں اس فن میں کافی ترقی ہوئی۔ جریر، فرزدق، اخطل وغیرہ عربوں نے اسلامی شاعری کو چارچاند لگائے، اسی زمانہ کی پیداوار ہیں۔ سیاسی حالات کے اس نشیب و فراز سے شاعری کو اور بھی ترقی ملی کیونکہ شیعہ اور خارجی جماعتوں کے پرانے کاواحد ذریعہ شاعری تھا اور شعراء کی زبان شمشیر برتاؤ کے کسی قدر کم نہیں ہوتی، لہذا مقابلہ میں بھی اس فن کو خود بخود ترقی کے مواقع فراہم ہوئے۔

عراق و شام کے تمدن اور ان کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں نے عربی شاعری کا رنگ ہی بدل دیا، اب شاعری میں عربوں کے سادہ اور بدویانہ جذبات کے بجائے تنوع اور رنگینی آگئی، اس شاعری نے ایک طرف تو جاہلی شاعری کو اپنے دامن نہ بھٹکا

اور دوسری طرف تنوع اور گنجینی، تشبیب و تفضل میں جدت آفرینی کی وجہ جاہلی شاعری کو بھی ماند کر دیا اور جاہلی اور جدید فکر کی آمیزش سے ایک نئی قسم وجود میں آئی۔ ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا معاویہؓ نے شعر کو یہودگی اور قبائلی بھوکے بجانیک کاموں کی رغبت دلانے کا ذریعہ بنایا۔ (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۲ ص ۱۶) چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ:-

”انسان پر اپنی اولاد کی تہذیب و تادیب لازم ہے اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے، لوگوں کو چاہیئے کہ شعر کو بلند ترین نصب العین ٹھہرائیں اور اس کی عادت ڈالیں“ (العمدہ جلد ۱ ص ۱۵)

شاعری میں آپ کا مذاق نہایت عمدہ اور سلجھا ہوا تھا، آپ کے والد اور والدہ بھی شاعر تھے، چنانچہ آپ نے نظم و نثر کی طرف خاص توجہ فرمائی اور شاعری کی تطہیر کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبدالرحمن بن الحکم بن ابی العاص کو نصیحت فرمائی کہ شاعری کو ایسی تشبیب کا ذریعہ مت بناؤ کہ جو شریف عورتوں کو عریاں کر دے اور بھوسے کی شریف آدمی کی پگڑی اچھالتے یا ذلیل کو مدح کے ذریعے بلند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ (معاویہؓ، نصولی ص ۹۳، ۹۴)

ابن رشیق القیروانی نے اپنی کتاب ”العہد“ میں آپ کے حسب ذیل اشعار نقل کیے ہیں:-

ان تناقش کن نقلا شک یام	ب عذابا لا طوق لی بالعذاب
او تجا ورفانت رب رؤف	بمن مسمیٰ ذنوبہ کالتراب
اذا الہاجد بالعلم متی علیکم	فمن الذی یعدی یا ثل للعلم
خذیہا منیہا واذکری فعل ماجد	جہاک علی حرب العداۃ بالسلم

(العمدۃ جلد ۱ ص ۲۲)

اسی طرح صاحب معجم الشعراء نے بھی اپنی کتاب کے ص ۲۹۳ پر آپ کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں۔ اس زمانہ کی جماعت ہندی کے باعث خطابت کو بھی خاطر خواہ ترقی حاصل ہوئی، اس سے زیادہ تر سیاسی معرکوں اور رٹائیوں میں کام لیا جاتا تھا۔

**خطابت**

زیاد، عتبہ اور امیر معاویہ کا شمار اس زمانہ کے چوٹی کے خطباء میں ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو امیر میں عتبہ بن ابی سفیان سے بڑھ کر کوئی خطیب نہیں ہوا۔ (الاسلام والمصنعة العربیہ جلد ۲ ص ۵۲) خود سیدنا معاویہ کا شمار اپنے دور کے پانچ مشہور خطباء قریش میں ہوتا تھا۔  
 رانسیکو پیلیا آف اسلام حصہ ۲ جلد ۳ ص ۶۱۹، ابن طقطقی نے لکھا ہے :-

وكان حكيماً فصيحا بليفاً (الفخری) معاویہ ایک حکیم اور فصیح و بلیغ آدمی تھے۔

**تفسیر و حدیث** | آپ کے دور میں بڑے بڑے ائمہ تفسیر پیدا ہوئے جن کی بدولت تفسیری ذخیرہ میں معتد بہ اضافہ ہوا ترجمان القرآن سید عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا علیؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ نے تفسیریں لکھیں۔  
 اکثر بڑے بڑے علماء و بزرگ وقت مفسر بھی ہوتے تھے اور محدث و فقیہ بھی، عموماً جو محدث تھے وہ فقیہ بھی تھے، اُس دور میں حدیث و فقہ کی خاصی ترقی ہوئی۔

**سیرت و مغازی** | سیدنا معاویہ کے عہد میں تدوین تاریخ و حدیث کا آغاز ہوا۔ سیدنا عروہ بن زبیرؓ، سیدنا عکرمہؓ، وہب بن منبہؓ اور عبید بن شریہ اس دور کے قابل قدر سیرت نگار اور مؤرخ ہوئے ہیں، تدوین تاریخ پر آپ نے خاص توجہ فرمائی اور صنعائے یمن سے عبید بن شریہ نامی ایک مؤرخ کو بلا کر تدوین تاریخ پر مامور کیا، اس کے اہتمام میں دو کتابیں مدون ہوئیں ایک شرکی "کتاب الامثال" کے نام سے اور ایک تاریخ کی "انبار الملوک و اخبار الامینین" کے نام سے۔ (رفح الاسلام ص ۱۶۷)

**دارالترجمہ** | سیدنا معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں ایک دارالترجمہ بھی قائم فرمایا، اس کی نگرانی پر ابن اثال طیب کو مامور کر کے طیب یونانی کی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا لیکن افسوس کہ اُس زمانہ کی دست برد سے بچ کر کوئی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔ (معاویہ بن ابی سفیان ابوالنضر ص ۱۵۸)



## یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو کہ اصحاب رسولؐ میں نہایت بلند مقام کے حامل تھے، یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنینؓ اپنی اس جیاتِ مستعار ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں۔ کیونکہ حالات کی کڑوٹیں بتا رہی ہیں کہ آسمانی خلافت پر بڑے گہرے بادل چھانے والے ہیں، چنانچہ ولی عہد کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ”امیر المومنینؓ اشہادتِ عثمانؓ کے بعد کی نور یزیدی آپ کے سلسلے ہے ایسٹے میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد اہل اسلام کے پاس ایک بہارا موجود ہو اور اُمت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی پسیٹ میں نہ آجائے۔“

سیدنا معاویہؓ کا تب وحی اور محبوب رسولؐ ہونے کے ساتھ ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے والے تھے، وہ سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے اس لیے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے مسلمان متفق نہ ہوں، آپ یہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات ایسے ہی ہیں کہ اُمت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے پر تیار نہیں لیکن وہ یہ سب کچھ دَاخِرُہُمْ شَوْہَرِیٰ بَیْتِہُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام اولادوں کے نمائندے اور اربابِ حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیدنا مغیرہؓ یہ سن کر لوہیں گوفہ تشریف لے گئے۔ یہ بیان اکثر مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے معز ولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اس روایت پر غور کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین کی یہ روایت اندھا دھند تقلید کا نتیجہ ہے کیونکہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی وفات تو ۱۵ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولیعہدی کا معاملہ ۱۵ھ میں پیش آیا، وہ اپنی وفات کے پانچ سال بعد یعنی ۱۸ھ میں اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کرنے کے لیے کیے تشریف لے آئے؟ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ۱۵ھ کے واقعات میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے، نیز آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

”فلہ یزل امیرہا حیح مات فی ہذا السنۃ علی المشہور  
قال محمد بن سعد وغیرہ وقال الخطیب اجمع الناس علی ذلک۔  
یعنی آپ کو قبہ کے آخر وقت تک امیر رہے تھے کہ اس سنہ یعنی ۱۵ھ  
میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہو گئی، محمد بن سعد وغیرہ کا یہی  
قول ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر اجماع ہے۔“

(لہذا فی کتاب المعارف لابن قتیبہ ۲۹۵)

پھر سیدنا معاویہؓ کا سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا استعفا نامنطور کرنا اس چیز کا ثبوت ہے کہ سیدنا مغیرہؓ قبل از وفات ہی گورنری کے بار دوش سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ انہیں استعفا واپس لینے پر مجبور کرتے رہے۔ چنانچہ قریباً تاریخ کی تمام مشہور کتابوں میں سیدنا مغیرہؓ کے استعفا کا ذکر ہے جس کا متن حسب ذیل ہے:-

”اما بعد! فانی قد کبرت سنی وحق عظمیٰ وشنئت لی قریش

فان مرایت ان تعزلنی فاعزلنی۔ (طبری ج ۵ ص ۳۳۱)

میری عمر بڑی ہو چکی ہے، ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں، قریش مجھ سے بغض رکھنے لگے ہیں، اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجئے۔“

اس سے تاریخ کی اس روایت کا غلط ہونا صاف ظاہر ہو جاتا ہے جس میں لکھا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے یہ تجویز پیش کی تھی۔ گویا کہ یہ روایت

دولتانہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ سیدنا مغیرہؓ کی وفات ۱۵ھ میں پہلی مئی اور یزید کی ولی عہدی کا معاملہ ۱۵ھ میں ہوا، دوسرے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید کی ولی عہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے تو پھر بھی یہ روایت غلط ہے کیونکہ انہوں نے خود استعفاء پیش کیا تھا لیکن سیدنا معاویہؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

بہر حال کسی اور نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز سیدنا معاویہؓ کو بتائی یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی، آپ ماضی میں اُمت کی باہمی خاندان جنگی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ ان کے اپنے انتقال سے قبل ہی وہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جل و صفین کی طرح اُمت کی تلواریں پھر بے نیا نہ ہوں، گویا یہ آپ کی اُمت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے اس معاملہ کو اُمت کے ارباب حل و عقد کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا کیونکہ ارباب حل و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب تک مدینہ طیبہ خلافت کا مرکز رہا خلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حل و عقد کے ذمہ تھے، سیدنا علیؓ کے زمانہ میں جب مدینہ کے بجائے کوفہ کو مرکز خلافت ہونے کا شرف حاصل ہوا تو نصب امام کی ذمہ داری اہل کوفہ پر تھی، چنانچہ سیدنا حسنؓ کو کوفہ کے ارباب حل و عقد نے ہی خلیفہ مقرر کیا، اسی طرح جب سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں دمشق مرکز خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے لوگوں کی رائے سے ولی عہد کا تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ کہا کہ جب تک تمام صوبوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اس وقت تک میں اس کو نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفود مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو کہ سبائی تحریک کا مرکز تھا وہاں سے بھی احف بن قیس کی زیر قیادت ایک وفد

دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ (مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۶) عراقیوں ہی نے یزید بن معاویہ کا نام ولی عہدی کے لیے تجویز کیا تھا، مخالفت اور موافق سب قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالفت اور موافق دلائل پیش کئے لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المؤمنین کے کان میں کہیں سے جھنک پڑی تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالفت میں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ کے باشندے بھی متفق نہ ہوں میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا، چنانچہ اس کے لیے آپ نے گود زر مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ:-

”اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے اُتر کے سفر پر چلا جاؤں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد اُمت پھر اختلاف اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے، لہذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو ارباب حل و عقد کے مشورے سے اپنا جانشین مقرر کر جاؤں، اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے، اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حل و عقد پر پیش کرو، باہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھو“

مروان نے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا، پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کوئی تجویز نہ کی، جس سے مروان کو غصہ آگیا اور سیدنا عبدالرحمنؓ

لے بخاری نے تو درجہ کتاب اللہ کے بعد سب صحیح ترین کتاب پڑی اُمت میں سمجھی جاتی ہے، سیدنا عبدالرحمنؓ نے اپنی بات کی وہ بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی لیکن خضریٰ مسعودی اور طبری وغیرہ نے لکھ لے کہ مروان کی یہ بات مستحکم عبدالرحمنؓ نے کہا تھا کہ ”یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ دنیا میں حاکم کرنا چاہتے ہیں“ لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کہ اس اجتماع میں کوئی مولیٰ قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ عبدالرحمنؓ وہاں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۱۵) باقی حضری، مسعودی طبری اور ابن کثیر نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سرتاپا اختلاف عقل اور روایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا، لہذا آپؐ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذات خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے، چنانچہ مدینہ میں پھر آپؐ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو سارے مالہ و مال علیہ کے ساتھ پیش فرمایا، تمام اجتماع نے اس بات کا غیر مقدم کیا اور حالات حاضرہ اور مصالح امت کے تحت اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرض کہ اس طرح شورائی نظام کے تحت یزید بن معاویہؓ کی ولیعہدی کیلئے نامزدگی ہوئی اور پوری امت اور سب ارباب حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو سیدنا معاویہؓ نے ان کے سامنے پیش کی تھی۔ اور اس معاملہ میں یزید کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)  
سعید بن زید، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین موجود تھے۔ اگر معاویہؓ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تو سب حضرت عبدالرحمنؓ کی تائید کرتے لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے اجتماع میں سوائے سیدنا عبدالرحمنؓ کے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ کا یزید کی ولیعہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور اگر تھی تو بھی عشرہ مبشرہ اور اصحاب بد اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی؟ بلکہ ائمہ یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولیعہدی کیلئے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور حجت ہوئی بات کہی تھی جس سے مردان کو غصہ آگیا۔

(حاشیہ صفحہ ۱) اے طبری، ابن اثیر اور مسعودی وغیرہ نے یہاں بڑی بڑی بے سرو پا باتیں لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی ولیعہدی سے اختلاف کیا، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سیدنا معاویہؓ جب خود مدینہ طیبہ شریف لائے تو یہ پانچ حضرات مکہ کو تشریف لے گئے، امیر المومنینؓ وہاں ان کے پیچھے پہنچے اور پہلے تو ان سب کو حسن ظن اور غلط فہمیاں سے مائل کرنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جیسا استصواب رائے اس کی خلافت پر ہوا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔

یہ اجتماعات جو بزمِ ید کی وسیعہ کی سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب ان اجتماعات میں کیڑے نکالے جاتے ہیں کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی ہی سے لوگوں کو ساتھ لگانا تھا تو اجتماع کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جاسکتا تھا، پھر یہ اجتماعات کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا مطلب؟ پھر وہ لوگ جن کو اُمت صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھکی سے کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آکر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدو و احمکے مجاہد اور احباب و ختمین کے شاہسوار وہ عشرہ مبشرہ کے سردیافتہ کیا معاذ اللہ معاویہؓ کی صرف ایک ہی دھکی سے ڈر جانے والے تھے؟ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)  
کی کوشش کی، جب یہ کوشش ناکام ہوئی نظر آئی تو قرابت اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا، جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھکی دی کہ اگر تم نے مخالفت کی تو تمہارے کام لیا جائے گا، چنانچہ یہ ایک ہی دھکی سے خاموش ہو گئے۔ اندر تو ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر آکر اعلان کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے بزمِ ید کی بیعت کر لی ہے، لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منظر تھے یہ سنتے ہی سب نے بزمِ ید کی بیعت کر لی، بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی۔ (ابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۱، ۲۵۲)

اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کیے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کٹر ہی پر عمل نہیں کیا بلکہ ان پانچوں بزرگوں کا سارا سانا با نا بھی امت کے سامنے بکھیر دیا ہے کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ نہ تو یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ سیدنا معاویہؓ ایسے پست اخلاق، اصل میں یہ سارے واقعات دشمنانِ صحابہؓ نے وضع کر کے مسلمانوں کے دلوں سے ان کی محبت اور عقیدت کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آج بعض نادان اور خود ساختہ مجتہد انہیں روایات کو پیش کر کے خلافت و طو کیت پر تکیہ میں لکھ مارتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵۱) لے مافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جس اہتمام سے بزمِ ید کی بیعت لوگوں نے غیر کسی اختلاف کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کیا یہ اتنے بزدل ہو چکے تھے کہ امیر معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر یہ کہہ دیں کہ یہ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ  
یہ عبداللہ بن عباسؓ، یہ عبداللہ بن عمرؓ، یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر زیدؓ  
کی ولیعہدی کے حق میں ہیں اور یہ سب موت کے در سے دم بخود بیٹھے رہیں اور اتنی  
بات بھی منہ سے نہ کہہ سکیں کہ ہم اس بات سے متفق نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات اُن لوگوں کی وضع کی ہوئی ہیں جن کے دلوں  
میں اسلام اور صحابہؓ رسولؐ کی ذرہ برابر بھی محبت نہیں تھی اور صرف اسلام دشمنی کیلئے  
ان روایتوں کو گھڑا گیا تھا وگرنہ ایک طرف تو صحابہؓ رسولؐ کو عادل قرار دینا اور دوسری  
طرف ان کے کیر پیر میں کیرے نکالنا تضاد بیانی نہیں تو اور کیلئے؟ قرآن و حدیث  
کی نصوص کی تاریخ کی غلط اور واہی تباہی روایات سے تسلیخ کرنا ہے جو کسی صورت بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)  
کی اس اہتمام سے کسی ماقبل تالیف کی بیعت آج تک نہیں ہوئی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں کہ:-

”فانست البیعة لیزید فی سائر البلاد و وفدت الوفود من سائر

الاقالیم الی الیزید۔۔۔ الخ (البدایة والنہایة ج ۸ ص ۸)

حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے گوشے

گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس وفود آئے۔۔۔ الخ۔“

یہ صرف اس لیے تھا کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو خلوں میں تیت مسلمانوں کی خیر خواہی اس کی اہلیت  
اور حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا ولی عہد بنایا تھا، صرف محبت پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں  
کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اُس دُعا سے ملتا ہے کہ جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے  
خاتمہ پر مانگی تھی، آپ نے کہا تھا کہ:-

”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس دینیدم کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولیعہد

بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا لیکن اگر میں نے صرف محبت (پدری)

کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچاؤ۔“

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۶۷

جائز نہیں کیونکہ قرآن اور حدیث صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرماتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ وَرَضُوا عَنْہُ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی کے لیے کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے تھے صحابہ کے دامنِ محنت و رضا کو داغدار کرنا ہے، اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و حدیث کی ان نصوص سے ٹکرائے گی ناقابل اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔

پھر دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کی ہر بات دین میں موجبِ نجات اور نجات ہے، اسی لیے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔  
 اَصْحَابِي كَالنَّبْعِومِ يَأْتِيهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (مشکوٰۃ)  
 کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء اور پیروی کرو گے نجات پا جاؤ گے۔

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفاء گزرے تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان ذوالنورینؓ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن بن علیؓ، ان پانچوں کا خلیفہ کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا تقرر پہلی حالت میں ہوا۔ ثقیفہ بنی ساعدی میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا، قریش کہہ رہے تھے کہ سنا امیر و منکم امیر۔ (بخاری جلد ۱، الامامہ والسیاستہ جلد ۱، المعجم من القوام من تہذیب) اسی ہنگامے میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، یہ سننا تھا کہ پورے مجمع نے اس کو قبول کر لیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا، چنانچہ آپ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا:۔  
 ”اِنِّي اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ“ (الامامہ والسیاستہ جلد ۱، المعجم من القوام من تہذیب)

سیدنا عمر فاروقؓ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرمادیں جس طرح کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ

نامزدگی اسلام میں جائز نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اگر آج ابو عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں ان کو تمہارے اوپر خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر امت کا ایک امین ہے اور میری امت کا امین ابو عبیدہ ہے۔ اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ نامزد کر جاتا کیونکہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ معاذ قیامت کے روز علماء کے آگے آگے ہوں گے۔ اور اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کر جاتا کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ لیکن چونکہ وہ لوگ آج زندہ نہیں ہیں لہذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کر جاتا ہوں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے شریعت لے جاتے وقت راضی تھے، اور وہ چھ آدمی یہ ہیں:-

۱۔ علی بن ابی طالبؓ ۲۔ عثمان بن عفانؓ ۳۔ طلحہ بن عبید اللہؓ ۴۔ زبیر بن العواؓ

۵۔ سعد بن ابی وقاصؓ ۶۔ عبد الرحمن بن عوفؓ — اور فرمادیا کہ خلیفہ ان

چھ میں سے ہو۔ (الامامة والسياسة جلد ۲ ص ۲۱، منهاج السنة جلد ۲ ص ۱۶۷/۱۶۸)

العواصم من القواصم ص ۱۹)

چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کمیٹی نے خلیفہ مقرر کیا جس کمیٹی کو سیدنا عمرؓ مقرر کر گئے تھے، دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی دراصل سیدنا عمرؓ ہی کے نامزد کردہ خلیفہ تھے، پھر شہادت عثمانؓ کے تین روز بعد باہمی شوریہ سے سیدنا علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (الامامة والسياسة جلد ۱ ص ۱) سیدنا علیؓ کے بعد بھی شوری کے ذریعہ سیدنا حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۵۸، جلد ۶ ص ۳۷۳، جلد ۸ ص ۱۳۱، بہتقی جلد ۸ ص ۱۲۹) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنانا۔ (کافی کتب التواریخ) اب زمانہ خلافت سیدنا حسنؓ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؓ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے اور شیعہ حضرات کے نزدیک تو وہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطا سے مبرا ہوتا ہے، اب سیدنا حسنؓ

نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرمادیا، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے، حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں نے اس کی مخالفت کی، خود آپ کے بھائی سیدنا حسنینؓ نے بھی بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے، آپ نے کسی کی نہ سستی اور خود خلافت سے دستبردار ہو کر سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرمادیا۔

ان پانچ خلفاء کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے، ایک تو اہل الحل والعقد کی باہمی مشاورت سے اور دوسرے خلیفہ کی نامزدگی سے، اور دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے، یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ کے منتخب کردہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابوبکرؓ کے سیدنا عمرؓ کو خلیفہ نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں اور سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو نامزد کرنے سے پوری امت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کے یزید کو نامزد کرتے سے یزید کی خلافت کو صحیح نہیں مانا جاتا؟ بلکہ سیدنا معاویہؓ کو بھی اعتراضات واہمہ کا ہدف بتایا جاتا ہے، لیکن اسلام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے اپنی مرضی سے یزید کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں کے ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو، حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی، لیکن اگر سیدنا علیؓ اہل الحل والعقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں (انزالہ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کرنے پر یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے؟

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے، معاویہؓ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا تو یہ اعتراض بھی غلط ہے، آخر اہلیت ہے کیا شے؟ اہلیت نام ہے بیعت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے

اے اگر انہوں نے خود نامزد کیا ہو! لیکن انہوں نے تو استصواب رائے سے اُسے ولی عہد مقرر کیا تھا۔

درمیان عدل و انصاف اور ان کی مصلح پر نگاہ رکھنے کا، ان کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی اور جماعتی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں، بہادری میں ”فتی العرب“ زعرب کا بہادر، کالقب ماحصل کیا ہوا تھا۔ رہسرمص آف دی عزیزانہی ص ۲۰، علم و فضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا جو یزید کی ذات میں ہو، نیوکاری اتنی کہ خود ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

”ان ابنہ یزید لمن صالح اہلہ۔“

رمعونیہ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔  
 کتاب الانساب والاشراف ص۔ ، بلاذری المجرد الرابع قسم ثانی ص ۲،  
 الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۲۱۳

علم و فضل میں یہ مقام تھا کہ ایک دفعہ ترجمان القرآن سیدنا ابن عباسؓ، سیدنا حسن ابن علیؓ کی وفات کے بعد معاویہؓ کے پاس گئے اور اُس مجلس میں یزیدؓ کی معاف بھی آکر بیٹھ گئے، جب یزیدؓ اٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

”اذ ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس۔“

بنو حرب جب اٹھ گئے تو لوگوں کے صاحب علم لوگ اٹھ جائیں گے۔

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۸

صاحب الامامۃ والسیاستہ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک اور قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سنکر حسب ذیل الفاظ میں اظہارِ افسوس فرمایا :-

”جعل تزعم ثر مال بكل کلمہ اما واللہ ما کان کمین کان قبلہ و

لما کان بعدہ مثله واللہ ان ابنہ لخبیر اہلہ۔“ الامامۃ والسیاستہ ص ۲۱۳

وہ ایک بہادر تھا جو ہر اچھے سینے کے بل آ رہا، کیا واقعی ایسا نہیں ہے

کہ وہ اپنے پہلوں جیسے نہ تھے اور اب تک اُن کے بعد اُن جیسا بھی کوئی نہیں ہوا، واللہ اُن کا بیٹا اُن کے گھرنے میں بہتر ہے۔“  
 اتباع سنت، نیکی کی لگن اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؑ کے بھائی سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کی گواہی کافی ہے جب عبد اللہ بن زبیرؓ کے داعی عبد اللہ ابن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہ کی خدمت میں آئے اور ان کو یزید کی بیعت توڑنے کے لیے کہا تو محمد بن الحنفیہ نے صاف انکار کر دیا، اس پر ابن مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کو کیوں نہیں توڑتے؟ حالانکہ یزیدؓ برا پیتا ہے اور نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ ان کے جواب میں سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے فرمایا:-

”ما رأیت منه ماتذکرون وقد حضرته واقمت عنده فرائیته“

مواظباً علی الصلوٰۃ، متعزياً للخیر، یسأل عن الفقه، ملازماً للسنة۔ (البدایة والنہایة ج ۸ ص ۲۳۳، تاریخ الاسلام مہجی ج ۳ ص ۹۳)

جو کچھ تم کہتے ہو میں تو وہ باتیں یزید میں نہیں دیکھتا، میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں رکشی روز تک، قیام بھی کیا ہے میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، مسائل فقہ پر گفتگو کرنے والا

اور رسول کی سنت پر پابندی سے عمل کرنے والا دیکھا ہے۔“  
 عبد اللہ ابن مطیع اور اس کے ساتھی کہنے لگے: ”حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے کے لیے کرتا ہوگا؟“ آپ نے فرمایا اُسے مجھ سے خوف اور کس قسم کا لالچ تھا جو وہ میرے سامنے اس طرح خشوع و خضوع کا اظہار کرتا، تم جو شراب کی بات کرتے ہو تو کیا اس نے تمہیں دکھا کر پی تھی؟ اگر وہ دکھا کر پی تو ہم بھی برابر اس گناہ میں اس کے ساتھ شریک ہو، اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تو جس شے کا ہمیں علم نہیں اس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں! وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات بے چچی مآپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دینے والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا



إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (ہاں جو گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ دیں،  
 والزخرف آیت ۸۶) اور میں تمہاری کسی بات میں شریک نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ  
 شاید آپ اس بات کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آئیے ہم آپ کے  
 ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز نہیں  
 سمجھتا نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ مقبوع ہو کر۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ شریک جنگ نہیں  
 ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرمائیے کہ وہ ہمارے  
 ساتھ مل کر جنگ کریں۔ فرمایا اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔  
 انہوں نے کہا تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ ہی کیجئے، آپ نے  
 فرمایا سبحان اللہ! کیا لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ تو میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی  
 پسند کرتا ہوں، اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہو گا۔ وہ لو  
 ہم آپ کو مجبور کریں گے، آپ نے فرمایا پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور  
 کہوں گا کہ لوگو! اللہ کو ناراض کر کے اس کی مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا، پھر آپ  
 مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲، صفحہ ۲۱۸، انساب النضراف باری جلد ۱،  
 انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن —)

محمد بن الحنفیہ خاندانِ اہلبیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت بزرگ کی زندگی کے  
 تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں بھی درج ہے کہ ہر  
 قابلِ تعریف خصلتِ یزید میں پائی جاتی تھی۔ شجاعت و بہادری، حسنِ العاشرت اور مملکت  
 کے انتظامی امور میں نہایت صائب الرائے اور علم و عمل کی ہر خوبی آپ میں پائی جاتی تھی۔  
 اگر یہ سب صفات و فضائل ہونے کے باوجود بھی یزید اہلبیت سے محروم تھے تو پھر میں کہوں

اے محمد بن الحنفیہ وہ ہیں کہ جو فرماتے ہیں: الحسن والحسین افضل متی وانا اعلم متہما۔  
 لا اعلام لوزکی ج ۱، صفحہ ۱۸۲) حتیٰ اور حسین مجھ سے افضل ہیں لیکن میں علم میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔  
 (ہكذا في عمدة المطالب في انساب آل أبي طالب طبع اول ۳۴۰)

گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہیں تھی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو  
 جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت ہو، ایسے کہ اُس وقت صحابہ یا  
 ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے اُن میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاؤ بار  
 حکومت میں اُسنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق متواتر  
 سات سال تک بازنطینی حکومت کے خلاف بحری اور بری جنگوں میں آپ نے کابلے نمایاں  
 انجام دیئے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی غویوں کے حامل تھے،  
 غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جتنی خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب آپ  
 میں موجود تھیں۔ خاندانی نجابت، ذہنی اور عملی شرافت آپ کی خاص صفات میں سے تھیں،  
 ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چچہ لے کر پیدا ہوئے، آنکھ کھولی ہی تھی کہ باپ کو شام  
 جیسے سرحدی صوبے کا والی اور گوزر پایا، خود باپ میں سیادت اور سرداری کی صفات سیدنا  
 عمر فاروقؓ سے زیادہ تھیں۔ (ابدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵) باپ نے سنی تربیت سے  
 وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں، لیکن اور صحابہ یا اُن کے صاحبزادے جو اُس زمانہ  
 میں موجود تھے اُن میں اس قدر خوبیاں جمع نہیں تھیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کہنے بزرگ صحابی  
 ہیں، "سنت نبوی کی اتباع میں اپنی مثال آپ تھے، علم و فضل کے لحاظ سے صحابہ میں  
 "شیخ الصحابہ" کے لقب سے مشہور تھے، لیکن قدرت نے انتظامی معاملات میں وہ  
 ملکہ عطا نہیں فرمایا تھا جو کہ یزید میں تھا۔ یہی حال دوسرے صحابہ کا تھا۔ حکومت کیلئے  
 زاہد تھی کی اتنی ضرورت نہیں را اگرچہ خلیفہ وقت میں نہد و اتقاء کا پایا جانا ضروری بھی  
 ہے، جتنی انتظامی امور کی صلاحیت اور عزم و شجاعت کی اہلیت کی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ  
 اُمت میں سیدنا عمر فاروقؓ سے زیادہ زاہد، شب زندہ دار، صالح، الدہر اور سنت نبوی  
 کے قانع موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں ان میں  
 ودیعت کی تھیں وہ نہ ابوذر غفاریؓ جیسے شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمرؓ جیسے  
 قانع سنت میں، نہ ابن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن میں، اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں  
 پڑھنے والے ابی ابی کعبؓ میں، نہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے امین الامت میں تھیں اور نہ

خالد بن ولیدؓ جیسے سَيِّدٌ مِّنْ سَيِّدَاتِ اللّٰهِ میں۔ کاروبار حکومت چلانے میں اَشَدُّ مُجْمٌ  
فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ کی ضرورت تھی۔ خود سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں آپؓ زیادہ فضل  
صحابی موجود تھے لیکن کاروبار حکومت چلانے کیلئے جن صفات کی ضرورت تھی وہ کسی اور  
میں نہیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا حسنؓ نے کاروبار حکومت اُن کو سونپ دیا تو  
تمام صحابہؓ نے جن میں عشرہ مبشرہ کے لوگ بھی تھے اور بیعت عقبہ و شجرہ کے سید یافتہ بھی  
بے چون و چرا ان کی بیعت فرمائی اور کسی نے اُن پر ایک معمولی سا اعتراض بھی نہیں کیا،  
خود سیدنا معاویہؓ نے اپنی اس کمزوری کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ آپؓ نے خلیفہ  
کی صفات ضروریہ کا اظہار بھی فرمادیا، فرمایا:-

”ما انا بخيركم وان منكم لمن هو خير مني عبد الله بن عمر وعبد الله بن عمرو  
وغیرهما من الافاضل ولكن عسى ان اكون الفاعل ولايته وانما كره في  
عدوكم وادركم حلياء (الباية والنهاية ج ۸، تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۳۲۲)  
اے لوگو! میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبد اللہ بن عمرؓ اور  
عبد اللہ بن عمروؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں لیکن امید ہے کہ میں  
حکومت کے اعتبار سے ان سے زیادہ سودمند ثابت ہوں گا اور آپ کے  
و دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے بھی زیادہ نفع بخش ثابت  
ہوں گا“

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات ہیں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب  
تقویٰ بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذرؓ کا زہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام  
ہے کہ خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت میں ابوذرؓ میں عیسیٰ  
ابن مریمؑ جیسا زہد ہے۔ (اسلامیابہ جلد ۵ ص ۱۸، استیعاب تذکرہ ابوذر غفاریؓ)  
اور یہ نہ کہ کوئی چند روز نہیں رہا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصابہ جلد ۱)  
علم کا یہ حال ہے کہ حضرت علیؓ جیسے علم و فضل کے مجمع البحرین آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے  
کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے اور اس

ہتھیلی کو اس طرح بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہو۔ (الاستیعاب جلد ۲، تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذر غفاریؓ)۔ سیدنا عمرؓ جیسے اشدُّہم (فی أمر اللہ) آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ابوذرؓ کا علم عبد اللہ ابن مسعودؓ کے برابر ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ذہبیؒ جلد ۱۸) اور وہ خود اپنے متعلق فرماتے تھے کہ: ”میں ہر شے کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کنگری کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۱۶۳) لیکن یہی ابوذرؓ ایک دفعہ امارت کی خواہش کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے رسوائی اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۷۱) ایک روایت میں یہ آتا ہے آپ نے فرمایا کہ :-

”یا ابا ذر! انا اداک ضعیفا و انا اُحیت لک ما احب لنفسی لا تا مرن علی اثنتین ولا تو لّین مال یتیم۔ (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۲ ص ۱۱۱)

اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تو بہت کمزور ہے اور میں تیرے لیے بھی وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اسے قبول نہ کرنا اور کسی یتیم کے مال کا متولی نہ بننا،

اس سے ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ یزید اگرچہ زہد و اتقا میں سیدنا عبد اللہ ابن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، سیدنا حسین ابن علیؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھے لیکن حکمرانی اور جہاد بانی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے کیونکہ بچپن ہی میں امارت کے سائے میں تربیت حاصل کی تھی اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں سرگرم عمل رہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اس کو قبول کر لیا۔ اور صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد نے جو حجاز و شام اہل

لہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ اور اجماع اتفاق کے مقابلہ میں تنازع و اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴۱)

اور کوفہ میں تھی نہ از خود آپ کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؑ کے ساتھ مل کر جنگ کی حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوت کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت کی تھی لیکن سیدنا حسینؑ کا کسی نے ساتھ نہ دیا، نہ عبد اللہ ابن عباسؑ نے اور نہ ہی محمد بن الحنفیہؑ نے اور نہ ہی عمر ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ نے۔ چنانچہ ”آقام اوفانی بڑا خلفاء“ میں لکھتے ہیں کہ:-

”وقد كان في ذلك العصر كثير من الصعابة بالحجاز والشام والبصرة والكوفة ومصر وكلهم لم يخرج علي يزيد ولا وحده ولا مع الحسينؑ۔ (مسلم)

اس زمانہ میں کثیر التعداد صحابہ شام، حجاز، بصرہ، کوفہ اور مصر میں موجود تھے اُن میں سے کسی نے بھی یزید ابن معاویہ کے خلاف آواز نہ اٹھائی، نہ تو از خود اور نہ حسینؑ کی معیت میں۔“

ہاں اُس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو ہانباتی کے اصولوں سے بخوبی آشنا تھے، وہ تھے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، لیکن وہ اُن دنوں اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔

ایک اور سوال پیدا کیا جاسکتا ہے کہ اول تو اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو بیٹے کو مقرر کرنا جائز نہیں۔ اس سوال کے پہلے حصے کہ ”اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں“ کا جواب علامہ ابن خلدونؒ نے اپنے ”مقدمہ“ میں دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے، وہ یہ کہ:-

لے عبد اللہ ابن عمرؓ اور عبد اللہ ابن عباسؑ کی الگ الگ بیعت کا ذکر تو بخاری وغیرہ کتابوں میں بھی آتا ہے۔ بخاری جلد ۲ ص ۱۵۱، الامامة والياسة جلد ۱ ص ۹۱، الانساب الاشراف جز ۴ قسم دوم ص ۱۴۱

”امام ولی امت ہوتا ہے اور اس کا امین بھی، جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور فہم داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہوتے ہیں ان کا انتظام بھی حسب طاقت اپنی زندگی ہی میں کر جاتا ہے، وہ یہ کہ مثلاً اُمت کی غور و پرداخت کے لیے ایک ایسا اپنا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر امت کو ایسا ہی اعتماد و بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اس پر تھا، اور شریعت میں اجماع اُمت سے اس عمل دہلی عہد مقرر کرنے کا جواز ثابت ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرم کے اجتماع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہؓ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و بیروی اپنے اوپر لازم قرار دی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے بقیہ چھ صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر لیں۔۔۔۔۔ اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اُس میں وہ سب صحابہ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے اُن میں سے کسی نے اس مسئلہ ولی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی سے جانتے تھے، (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲)

اس اقتباس سے معلوم ہو گا کہ یہ کہنا کہ ”اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں“ اسلام سے جہالت کی دلیل ہے۔

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ: ”بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟“ اس کا جواب بھی مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون اُنڈلسی ہی سے منسوخ فرماتے ہیں:-

”ابا گرامام اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرے تو ہم

اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو متہم نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے کیا ہوں ان میں بھی ہم کہ اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگاتا چاہیے، یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کا اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جلتے ہیں، اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے، خصوصاً جبکہ کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کیا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر بنی امیہ کے ارباب حمل و عقد کا اتفاق ان کے لیے کافی جُخت تھا، اور پھر ان کو یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا اُمت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو امیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اہل و عقد عموماً بنی امیہ میں سے تھے اور بنو امیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش اور عام مسلمانوں کی عصیت اپنی کشت پناہی میں رکھتے تھے خود بھی ہاشوکت تھے اور دوسروں پر بھی با اثر، انہیں نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے اور بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضول کو مسند حکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا

---

امہ مفضول کی امامت کے جواز میں تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے، صرف جاحظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے لیکن جاحظ کا یہ اختلاف کچھ غلط نہیں ہے۔ (احکام السلطانہ از قاضی ابوالحسن لاوردیؒ) — جمہور فقہاء اور راجی حاشیہ الگے صغیر پر

باہمی اتفاق و اتحاد اور ان کی رائے میں یکجہتی کہیں ہاتھ سے نہ جاتی رہے جس کے بقا کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی اہمیت دی ہے قطع نظر اس کے سیدنا حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ آپ کی صحابیت اور صحابیت کا مسلمہ لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے، مزید برآں آپ کے اس فعل کے وقت اکابر صحابہؓ کی موجودگی اور ان کا اس بارہ میں مکمل سکوت اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر قسم کی بدگمانی سے مبرا ہیں اور ان کی نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے اور کسی قسم کی چشم پوشی اور نرمی کے روادار ہوسکتے اور نہ ہی حضرت معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو قبول کرنے سے باز رہتے، ان بزرگوں کی عدالت اور شان ایسی کمزوریوں سے بہت بلند تھی۔۔۔۔۔ یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں شاذ و نادر اختلاف کو ظاہر ہے کہ کوئی وقعت حاصل نہیں ہوتی۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۱، ۲۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرمادیتے تو مسلمانوں کا بچاؤ سالہ قہر خلافت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضل کی امامت بالکل جائز ہے اور اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضل کی امامت کے مانع نہیں ہے بشرطیکہ مفضل میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزمؒ کی کتاب "الامامۃ المفصلۃ" جو کہ اس کی کتاب "الفصل فی الملل والنحل" کے چوتھے جز میں درج ہے (ص ۱۶۳، ۱۶۴) بطبع مصر نیز علامہ ابو بکر الباقلائیؒ کی "التمہید ص ۲۳۱" کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔



یک قلم منہدم ہو جاتا۔ اس کے لیے ایک دفعہ پھر ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:-

”اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کہتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی کیونکہ معاویہؓ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے، اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو معاویہؓ خود ان پر پلٹ پڑتے گویا ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسن ظن نہ ہوتا اور ان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا وگرنہ اس کے برعکس سیدنا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرنا عدل و انصاف کا خون کرتا ہے“ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۵)

درا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:-

”لہذا اگر معاویہؓ عصبیت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مندر خلافت پر لاتے تو اس کی خلافت کو کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا شکار ہوتی وہ بھی ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں“ (ص ۲۴۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد انصاریؒ اس بارہ میں فرماتے ہیں:-

”یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنی امیہ میں محدود کر دینا اصلاح امت کے لیے ناگزیر تھا تا کہ امت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے کیونکہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے اتنے ہی امیدوار بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جہاں امیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف رونما ہونا لازمی امر ہے“ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۵۲)

خلاصہ یہ کہ سیدنا معاویہؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست کیا اور مصلحت وقت کا تقاضا بھی یہی تھا اسی وجہ سے تمام اہلسنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست

مانا ہے۔ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاریؒ ۸۲، مہدج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴، جہرۃ الانساب) اور یزید فرستے و فحور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب بیہیزیں کچھ تو سبائی تحریک کے درکروں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ ابن زبیر کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں نے یزیدی پوزیشن اور وقار کو ہلکا کرنے کے لیے پھیلائیں، یہ صرف اتہامات تھے اور حقیقت میں یہ سب باتیں سراسر غلط تھیں جیسا کہ سیدنا علیؑ کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر بعد کے راویوں نے منہلے پر ڈھٹے کا کام کیا اور لسی غلط باتیں بیان کیں کہ الامان والخیظہ ولاحظہ ہو کتاب الاغانی جلد ۱۲) لیکن کسی نے بھی اُن کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں کسی شاہد سے بیان نہیں کیا بلکہ ”ایسا سنا گیا ہے“ کے الفاظ کہنے جسے ان سبائی راویوں نے بیان کیا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ امیر یزید کو شراب پینے سے متہم کیا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم پر نہیں سنی سنائی باتوں سے۔ (لاحظہ ہو انساب الاشراف بلاذری جلد ۲ ص ۲۱)

یزید کے نیک سیرت ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثلاً عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ، عقبہ بن نافعؓ، عمرو بن ابی سلمہؓ، ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ، ام المؤمنین ام سلمہؓ کے صاحبزادے عقبہ بن عمرؓ، سلمہ بن الاکوعؓ، کعب بن عمرو والنصرانیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمروؓ، نعمان بن بشیرؓ اور مالک بن الحویرثؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) وغیرہم نے اس کی بیعت کی تھی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار وہی ہوتا ہے جو تاریخ کے سبائی راویوں کی روایات سے ظاہر ہے جو خود فسق و فجور اور کذب و افتراء کی زندگی گزار رہے تھے تو اتنے جلیل القدر صحابہ بھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور کبھی بھی ان کو قرون مشہور و باقیہ میں خلیفۃ المسلمین نہ ہونے دیتے اور سینا ابن عباسؓ اور محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کبھی بھی اس کو نیک لوگوں اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (کتاب الانساب والاشراف الجزء الرابع ص ۸، الامامۃ والیاست، البدایہ و اتہام جلد ۸ ص ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵)

حضرت حسینؑ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؑ کے بڑے بھائی جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی امّ محمد کانکاح کبھی بھی یزید بن معاویہ کے ساتھ نہ کرتے۔

وجہۃ الانساب ص ۱۱۱ (ابن حزم) اور خود سیدنا حسینؑ ان کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شہید تھے یہ عبداللہ بن جعفر طیارؓ حضرت حسینؑ کے بہنوئی تھے اور یہ سید زینب بنت فاطمہؓ کے شوہر تھے۔

نہ فرماتے۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸، مہٹری آف دی سیر ستر ۴۸، تاریخ نوال رودہ الکبریٰ (۲۸۶)  
اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کے بہت سے اقوال  
سنداً پیش کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا۔

”اذا مرض احدکم مرضاً فیشقی ثقتماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ

فلیلزمہ ولینظر الی اسوہ عمل عندہ فلیدعہ۔ (العوام من القوام ص ۲۳۳)

جب کوئی تم میں سے بیمار پڑ جائے اور پھر حقیاب ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس نے کونسا  
اچھا عمل کیا ہے پس چاہیے کہ وہ اس کو لازم جانے اور یہ بھی دیکھے کہ اُس نے کون سا  
بُرا عمل کیا تھا پس اس کو چھوڑ دے۔“

امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ۔

”یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یزید کی بہت قدر و منزلت

تھی، یہاں تک کہ انہوں نے اس کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے

جن کے اقوال کی تابعداری اور اقتداء کی جاتی ہے اور ان کے نصائح اور مواعظ

ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرے پہلے ہی

صحابہ کے زمرہ میں ان کو شامل فرمایا۔ ہے۔“

اس کے بعد قاضی ابن العربی لکھتے ہیں۔

”فاین هذا من ذکر المورخون له فی الخمر و انواع الفجور الا تستعین؟“

پس کہاں ہیں اس کے سامنے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں

کیا ان لوگوں کو ایسی غلط باتیں کہتے شرم نہیں آتی؟ (العوام من القوام ص ۲۳۳)

نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا اور حکومت کا نشہ

بھی ان کو اس راستہ سے نہ ہٹا سکتا تھا۔ سیدنا فاروق الاعظم کی حکومت کے حالات اور

خدمتِ خلق کا جذبہ آپ نے اپنے معاصرین سے سنا ہوا تھا اور دل میں خواہش تھی کہ اگر

کبھی زمامِ خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی آئیدیل کی عادرانہ اور صلح حکومت چلاؤں گا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا بیٹھے ہوئے تھے تو سیدنا معاویہؓ نے

بیٹے سے پوچھا بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال صرف بیٹے کی قلبی گہرائیوں میں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع کا جذبہ ہے یا البوکیرہ و عمرؓ کی پیروی کا، بیٹے نے فوراً جواب دیا کہ:-

”کنتُ واللہ یا ایت عاملاً فیہم عمل عمر بن الخطابؓ، فقال معاویۃ سبحان اللہ یا یحییٰ واللہ لقد جہدت علی سیدۃ عثمان بن عفانؓ فما اطقہا فلیک بلک وسیدۃ عمرؓ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۹)

آبا جان! بخدا میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمرؓ بن الخطابؓ نے اُمت کے ساتھ کیا تھا، سیدنا معاویہؓ نے کہا بیٹے سبحان اللہ! بخدا میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پھر کہاں تم اور کہاں سیرتِ عمرؓ کی اتباع؟

یہ جواب امیرِ یزیدؓ کی صفائیِ قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کے پُر زور تردید کرتا ہے جو آپؐ پر شراب پینے اور فسق و فجور کے اتہامات لگاتے ہیں۔ یہاں پر علامہ ابن تیمیہؒ کی وہ رائے نقل کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جہاں ہوں نے یزید بن معاویہ کے بارہ میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:-

”یزید نہ کافر تھا نہ زندقہ اور نہ ہی کبار کا مرتکب تھا بلکہ صاحبِ شجاعت و ولایت اور اصولی جہان بینی و حکمرانی اور تدبیر و سیاست کا علم رکھتا تھا، سیدنا معاویہؓ تدبیر ملک و سلطنت میں اس کا مشورہ قبول کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ جو اس کے خلاف کوئی الزام ہو سکتا ہے تو وہ یہ کہ یزید آرام پسند تھا اور شکاری کتے پالتا تھا، اگر یزید کے زمانہ میں واقعہ کربلا پیش نہ آتا تو وہ لوگوں کی نظروں میں اتنا نہ گرتا۔“



# وفات

سیدنا معاویہؓ اٹھ ہتر کے قریب منزلیں طے کر چکے تھے اور طبیعت میں کافی ضعف آچکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب آپ مقام ابواذر پر پہنچے تو آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا لیکن مرض کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ اُسی حالت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مرض کا حملہ شدید تھا لہذا کچھ روز آرام فرمایا اور جب طبیعت ذرا سنبھلی تو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یاد آخرت کا ذکر تھا، حمد و نعت کے بعد فرمایا :-

”لوگو! انسانوں پر مصائب آتے ہیں اور وہ آزمائشوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں تاکہ انہیں ممبر پر اجر عطا ہو، بعض پر کسی گناہ اور معصیت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آقا و مالک کو راضی کر سکے۔

— میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں اور مجھ سے قبل بھی صالحین اور اچھے لوگ مرض میں مبتلا ہوئے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں گا، اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے پہلے بھی لوگوں کو معاف کر دیا گیا اور میں معافی یافتہ لوگوں میں سے ہونے سے ناامید نہیں ہوں“

رانساب الاشراف جلد ۴ ص ۲۷۷، تطہیر الجنان ص ۲۷۷

کچھ روز مکہ مکرمہ میں قیام کرتے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لے گئے اور حکومت کی مصروفیات میں لگ گئے، لیکن طبیعت میں اضطراب روز بروز بڑھ رہا تھا چنانچہ ایک روز پھر دنیا کی بے ثباتی اور امور خلافت کے بار میں خطبہ ارشاد فرمایا :-

”لوگو! ہماری مثال ایک کھیتی کی ہے جو بوٹی گئی اور پھر پکنے پر ٹکاٹ لی گئی، میں تم پر ایک مدت تک حاکم اور والی رہا ہوں، مجھ سے پہلے والے امرا اور

خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور مجھ سے بعد بہتر عالم آنے کی امید نہیں کیونکہ زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں (پھر فرمایا) اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما! (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۳۱)

طبیعت دن بدن کمزور اور مضطرب ہو رہی تھی اور آپ سمجھ رہے تھے کہ اب موت کا بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اسی روز کے لیے آپ نے کچھ تبرکات رکھے ہوئے تھے، ان میں کچھ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جو آپ نے تبرک کے طور پر رکھے ہوئے تھے، یہ شاید ان میں سے تھے جو آپ نے ایک دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفق کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۳۳)

کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک رکھے ہوئے تھے۔ (انساب الاشراف جلد ۱ ص ۱۳۱)

آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناخن مبارک کے تراشوں اور آپ کے موئے مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی جلد ۲ ص ۱۰۲، تاریخ الاسلام ذیہی جلد ۲ ص ۳۲۳)

ایک مرتبہ آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کراتے کی سعادت آپ نے حاصل کی، خود فرماتے ہیں کہ سرکارِ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اذراہ شققت و محبت ارشاد فرمایا:-

”معاویہ! میں تمہیں ایک قمیض نہ پہناؤں؟“ فرماتے ہیں میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قداہوں ضرور عنایت فرمائیں چنانچہ آپ نے مجھے اپنی قمیض مبارک اتار کر پہنائی، میں نے وہ قمیض کچھ دیر پہنی اور پھر اس کو اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔“

(انساب الاشراف جلد ۲ ص ۱۳۱، تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۳۲۳)

یہ تمیض آپ نے اس روز کے لیے ہی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی لہذا وصیت فرمائی کہ یہ تمیض جو میرے پاس محفوظ ہے اس کو میرے کفن کے اندر رکھا جائے اور یہ میرے جسم کے ساتھ لگی ہوئی ہو، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔

یہاں خور کرنے کا مقام ہے کہ جس شخص کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کھے ان چیزوں سے اتنی محبت ہے کہ ان کو اپنی بخشش کا ذریعہ سمجھ رہا ہو تو کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے متعلقین سے محبت نہ ہوگی؟ یقیناً ہوگی اور تھی بھی، لیکن ایک خاص گروہ نے صدیوں سے ان کے خلاف اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ حقیقت خرافات میں کھو گئی، بلکہ اب تو بعض نام نہاد سنی بھی اس گروہ کے ہتوا ہو گئے ہیں۔

اسے کے بعد حکومت کے بارہ میں کچھ وصیتیں فرمائیں، خصوصی طور پر رومیوں کے بارہ میں فرمایا۔

”شدوا خناق الروم فانکم تضبطون بذا لك غيرهم“

من الاہم۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۲۲)

رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھنا اور ان پر خوب کنٹرول رکھنا، کیونکہ اس سے دوسری اقوام پر نظم و ضبط قائم رکھا جاسکے گا۔

سیدنا معاویہؓ نے اپنی ساری زندگی اسلام کی ترقی اور احیاء کے لیے صرف کی تھی اور ایک وسیع علاقے میں اسلامی حکومت قائم کی تھی جو بقول شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک پھیلی ہوئی تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۱۸۶) اس کو بغیر وصیت کے کیسے چھوڑ سکتے تھے، پھر اپنے ولی عہد یزید کو وصیت فرمائی۔

بیماری کے دوران بعض اوقات غنودگی طاری ہو جاتی، پھر کچھ افاقم ہوا تو اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا

اللہ تعالیٰ اس کو بڑے بڑے حادثات سے بچا لیتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو گیا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۲)

ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ سیدنا عمر فاروقؓ نے آخری وقت میں اپنا مال تقسیم کر دیا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۱، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۶، انساب الاشراف جلد ۴ ص ۲۲) تمام وصایا اور ہدایات دینے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی طبیعت کچھ زیادہ ہی مضطرب اور کمزور ہو رہی ہے، لمحہ بہ لمحہ کمزوری اور تنہا ہست بڑھ رہی ہے موت ہر ایک کو آتی ہے اور اس کا ایک وقت مقرر ہے، چنانچہ سیدنا معاویہؓ کا وقت مقررہ بھی آپہنچا اور کوہ استقامت اور عزم و ہمت کا سیکر حاضرین کی موجودگی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ

صحابی رسول سیدنا ضحاک بن قیس القہریؓ آپ کے معتمدین میں سے تھے آپ کفن ہاتھ میں لیے باہر نکلے اور لوگوں کو بتایا کہ:-

”امیر المؤمنینؓ کا انتقال ہو گیا ہے، آپ تمام عرب کے لیے شہرِ پناہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ مسلمانوں کی باہمی خاتہ جیگی کو ختم کیا اور بہت سے ممالک اُن کی زیر قیادت و سیادت فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں داخل ہوئے اب ہم اُن کو اس کفن میں دفن کریں گے“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۲، طبری جلد ۶ ص ۱۸۲)

یہ سننا تھا کہ لوگوں پر ایک بجلی سی کوند گئی، ہر آنکھ اٹکیار اور ہر دل غمزہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ سیدنا ضحاکؓ نے اُسی وقت ایک قاصد کے ذریعہ امیرِ یزید کو اطلاع بھجوائی اور جلدی دار الخلافت پہنچنے کے لیے کہا، کیونکہ سیدنا معاویہؓ نے اس کے لیے بھی وصیت فرمائی تھی جو کہ تحریری تھی۔ کیونکہ یزید اس وقت دار الخلافت سے باہر حواریں میں تھا، اور آپ نے سیدنا ضحاک بن قیس القہریؓ اور سلم بن عقبہ المری کو فرمایا تھا کہ یہ وصیت اس (یزید) کو پہنچا دی جائے۔



وصیت کے مطابق آپ کی تجہیز و تکفین کی گئی اور تمام تبرکات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک، ناخن مبارک کے تراشنے اور آپ کی قمیض مبارک (کفن میں شامل کئے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد سیدنا ضحاک بن قیس الغہرگی نے نمازِ ظہر کے بعد دمشق کی جامع مسجد میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے دارالامارۃ میں اور بقول ذہبیؒ باب الجابیہ اور باب صغیر کے درمیان دفن کیا گیا۔ لیکن جمہور مؤرخین کے نزدیک آپ کو باب الصغیر کے قریب قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۳)

تاریخ وفات میں مؤرخین کے نزدیک اختلاف ہے، زیادہ مشہور ۲۲ رجب ۶۷۰ء ہے۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۳۱۵)

وفات کے وقت عمر مبارک اٹھتر سال تھی۔ گورنری کی مدت ۲۴ سال اور مدتِ خلافت ۹ سال ۴ ماہ اور بقول یعقوبی ۹ سال ۸ ماہ تھی۔

(تاریخ الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۳۸)

خلیفہ بن خیاط نے مدتِ خلافت ۹ سال ۳ ماہ اور ۲۰ دن بیان کی ہے۔ (جلد اول ص ۳۱۶)

## ازواج و اولاد

سیدنا معاویہؓ نے متعدد شادایاں کیں لیکن اولاد صرف دو بیویوں سے ہوئی ایک میسون بنت بحدل جس سے بزرگ ایک روایت کے مطابق ۲۲۰ء میں (البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۵)، ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۹ اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵۰ء میں پیدا ہوا۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۱۵۱) ابن الاثیر جلد ۲ ص ۱۲۴) سید میسون بنت بحدل سے آپ کی دو اولادیں اور بھی ہوئیں اور وہ دونوں بڑیاں تھیں، ایک کا نام امۃ المشرق تھا جو یحییٰ بن یسویہ کی بیوی تھی اور دوسری کا نام رملہ تھا۔ رملہ کا نکاح سیدنا عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے

عمرو بن عثمان بن عثمان سے ہوا، جن سے ایک لڑکا زید پیدا ہوا جس کا نکاح سیدنا  
سیدنا حسین ابن علیؑ کی صاحبزادی سیدہ سکینہ بنت الحسین سے ہوا، دوسرے  
لقلوں میں سیدہ سکینہ بنت الحسینؑ سیدہ رملہ بنت معاویہ کی بہوتھیں۔  
(کتاب المعارف و ابن قتیہ، ج ۱ ص ۹۲)

سیدہ میمون بنت بحدل کے علاوہ آپ کی دوسری بیوی کا نام فاختہ بنت  
قرظہ تھا، ان کے بطن سے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبدالرحمن پیدا ہوئے، عبدالرحمن تو

لہ میمون بنت بحدل عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تھیں، یہ بنو کلب کے سردار بحدل بنت ایتف  
الکلبی کی صاحبزادی تھیں، حسن و جمال اور عقل و دانش میں نہایت ممتاز تھیں، دینداری رگ وریشہ  
میں سرایت کیے ہوئے تھی، غرضیکہ عقل و شکل اور دین کی تمام صفات سے حق تعالیٰ نے نوازنا  
تھا۔ (الہدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۵)

شام کی گورنری کے ایام میں زینہ اولاد کی خاطر سیدنا معاویہؓ نے ان سے نکاح کیا تھا  
کیونکہ آپ کی خواہش تھی کہ کسی ایسی عرب و شیرزم سے نکاح کیا جائے جو تمام نسوانی صفات سے  
متمتع ہونے کے ساتھ ساتھ نجیب بھی ہو تاکہ اس سے نجیب الطرفین اولاد ہو۔ اسی کے بطن سے  
یزید پیدا ہوا، سیدنا معاویہؓ نے اپنے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیانؓ کے نام پر (جنہوں نے  
شام کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اور دمشق کی گورنری تک سیدنا فاروق اعظمؓ سے  
حاصل کی تھی) اس لڑکے کا نام یزید رکھا۔

علامہ ابن کثیرؒ نے الہدایہ والنہایہ میں بعض مؤرخین کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزید کی والدہ  
جب حمل سے تھیں تو انہیں خواب آیا کہ ان کی کوکھ سے ایک چاندی بڑا مد ہوا ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ  
کی گئی کہ ان کے ہاں ذکی، تیز فہم اور عظیم المرتبت لڑکا پیدا ہوگا۔ (جلد ۸ ص ۲۲۷)

آپ نہایت دیندار خاتون تھیں اور آپ کی دینداری کے قصے کتابوں میں درج ہیں بعض متشرقین  
مثلاً بی، نکلسن وغیرہ نے ان کے متعلق بڑی غلط قسم کی روایات درج کی ہیں مثلاً یہ کہ وہ عیسائی قبیلہ سے  
تعلق رکھتی تھیں اور معاویہؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ (علامہ ابو ہریرہؓ آف دی عرب ص ۱۹۵، الطبری ہریری آف دی عرب ص ۱۹۵)  
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)



فریضہ انجام دینے لگا، اس لحاظ سے آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سلطنتِ اسلامیہ کے دوسرے مؤسس کبیر ہیں۔

انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ مخلوقِ خدا کی خدمت کا جذبہ بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ رعایا کو خوشحال دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:-

”سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ہر قبیلہ کے لیے ایک ایک آدمی مقرر کیا ہوا تھا جو مختلف مجلسوں میں جا کر یہ معلوم کرتا کہ اس قبیلہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ کیا اس رات کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے یا نہیں؟ کیا کوئی ہجان قبیلہ میں فروکش ہوا ہے یا نہیں؟ وہ یہ اور اس قسم کی دوسرے معلومات اکٹھی کر کے اپنے دفتر میں پہنچاتا اور ان کے نام رجسٹر میں درج کرتا تاکہ حکومت کی طرف سے ان کا انتظام کیا جاسکے۔“

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲)

## حلم

حلم اور بردباری کے لحاظ سے سیدنا معاویہؓ دوسرے صحابہؓ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس بارہ میں آپ کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ اس باب میں حافظ ابن ابی الدنیاء اور ابوبکر بن عاصمؒ وغیرہ نے مستقل تصانیف لکھی ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۳۲۲)

الفخری ص ۱۲۵، العقد الفریہ جلد ۲ ص ۳۸۴ اور المسعودی جلد ۵ ص ۲۱ پر بھی آپ کی اس صفت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

”معاویۃ احلم امتی واجودھا۔

معاویہ میری امت میں سب سے زیادہ صاحبِ حلم، بردبار اور بخود سزا کا حامل ہے۔“ (حماۃ الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۵)

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ لوگوں میں بہت حلیم ہیں، لوگوں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمن! کیا سیدنا ابوبکرؓ سے بھی زیادہ؟ فرمایا سیدنا ابوبکرؓ معاویہؓ سے بہتر اور افضل تھے لیکن معاویہؓ بہت حلیم ہیں۔  
(ابن عساکر جلد ۱ ص ۴۲۲)

سیدنا قمیصہ بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں سیدنا معاویہؓ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ حلیم بہت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار اور کسی کو نہیں دیکھا“

زما رخ الاسلام ذی ہی جلد ۲ ص ۳۲۳، الاما بہ جلد ۳ ص ۲۵۶

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی سیدنا امیر معاویہؓ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”سیدنا معاویہؓ نہایت عمدہ سیرت کے حامل، بہترین بردبار اور درگزر کرنے والے اور لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر پردہ پوشی کرنے والے تھے۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۶)

علامہ بلاذریؒ نے آپؓ کی اس صفت کے بارہ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:-

”ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے ایک انصاری بزرگ کو پانچ سو دینار عطا کیے، اس بزرگ نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قسم دی کہ اس رقم کو لے جا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دے۔ صاحبزادے اپنے والد کی ہدایت کے مطابق سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا امیر المؤمنین! میرے والد نے غصہ کی حدت اور شدت سے مجھے قسم دے کر یہ رقم آپ کے منہ پر مارنے

کے لیے کہا ہے، سیدنا معاویہؓ بالکل غصے میں نہیں آئے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر رکھ کر اُس انصاری رُکے سے کہا کہ اپنے باپ کی قسم پوری کر لے لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا، چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، بعد میں سیدنا معاویہؓ نے شفقت فرماتے ہوئے یہ رقم دگنی کر دی یعنی ایک ہزار دینار دے دیا،

ناساب الاشراف جلد ۱۔ القسم الاول من جزء الرابع (۶۱)  
اسی قسم کا ایک اور واقعہ آماوردی نے اپنی کتاب ”الدیوالدین“ ۲۲۹ پر نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک چادر جو کہ مالِ غنیمت تھی، اُس کے حصہ میں آئی تھی اور اس کو وہ پسند نہ آئی، وہ سیدنا معاویہؓ کے سر پر دے ماری اور آپ خاموشی سے دیکھتے رہے۔ آپ فرمایا کتنے تھے۔

”لا علم الا لتجارب۔ صفتِ علم تجربات ہی سے حاصل ہوتی ہے“

المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ (۹۱)  
ایک مرتبہ احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ ”بُرد بار کون ہے؟ آپ یا معاویہؓ؟“  
آپ نے فرمایا:-

”بخدا میں نے تم سے بڑا جاہل کوئی نہیں دیکھا، معاویہؓ قدرت رکھتے ہوئے بھی علم و بُرد باری سے کام لیتے، میں اور میں قدرت نہ رکھتے ہوئے بُرد باری کرتا ہوں، لہذا میں اُن سے کیسے بڑھ سکتا ہوں یا اُن کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں؟“ (العقد الفرید جلد ۱ ص ۱۶۵، طبری جلد ۶ ص ۱۸۷)

اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی مجرم میرے غصے سے بڑا نہ ہو اور کوئی اکھر طین میری بُرد باری سے زیادہ نہ ہو اور کوئی عیب ایسا نہ ہو جس کی میں پردہ پوشی نہ کر سکوں یا کوئی برائی ایسی نہ ہو جو میرے احسان سے زیادہ ہو۔“  
چنانچہ طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

”اِنَّ لَّامْرِءٍ مِّنْ نَّفْسِيْ مِنْ اَنْ يُكُوْلَ ذَنْبَ اَعْظَمَ مِنْ عَمُوِيْ وَ  
جَهْلٍ“ اَكْثَرُ مِنْ عَلَمِيْ اَوْ عَوْرَةٍ لَا اُوَارِيْهَا اَوْ اَسَاءَةٌ اَكْثَرُ مِنْ  
اِحْسَانِيْ“ (طبری جلد ۶ ص ۳۳۵)

ایک اور موقع پر فرمایا:-

”مَا مِنْ شَيْءٍ اَلَدَّ عِنْدِيْ مِنْ غَيْظٍ اَتَجَرَّعُهُ“ - (ایضاً)

میرے نزدیک غصہ پی جانے سے زیادہ لذیذ کوئی چیز نہیں۔

آپ کے علم کے بارہ میں بہت سی حکایات تاریخ کی کتابوں میں مروی ہیں جن سے  
معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت وسیع القلب تھے، آپ نے اُن ہاشمیوں کو بھی معاف  
کر دیا تھا جنہوں نے ایک مرتبہ ان الفاظ میں آپ کو خطاب کیا تھا:-

”وَاللّٰهُ دِهْلُجْنِ سَہْمِ اَبِیْكَ سَہْمٌ مَّعَ لَیْطِیْطِیْ رَکْطَیْطِیْ“

اور وہ تلواریں جن کے خریدو ہم آپ سے لڑے ہمارے کانڈھوں پر ہیں، اگر آپ

غذاری سے ایک بالشت بڑھیں گے تو ہم شرکے ساتھ تیری طرف گزبھر رہیں

گے اگرچہ گلا کاٹ دیا جائے اور میں جان سے مار دیا جائے۔ یہ باتیں سنکر

سیدنا معاویہؓ نے بجائے غصہ کرنے کے نہایت وقار سے فرمایا: یہ سچی

باتیں ہیں انہیں لکھ لو“ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۴)

آپ ہر معاملہ کو پہلے نرمی اور بر دباری سے سلجھانے کی کوشش کرتے اور اُس وقت

تک سختی نہ کرتے جب تک آپ سختی کے لیے مجبور نہ ہو جاتے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:-

”لَا اَضَعُ سِیْفِيْ حِيْثُ يَكْفِيْنِيْ سَوْطِيْ وَلَا اَضَعُ سَوْطِيْ حِيْنَ يَكْفِيْنِيْ لِسَانِيْ وَلَا اَنْ

يَبْنِيْ وَبَيْنَ النَّاسِ شَعْرَةً مَا اَنْقَطَعَتْ“

جہاں میرے کوڑے سے کام نکلتا ہے وہاں میں تلوار کام میں نہیں لاتا اور جہاں

میری زبان کام دیتی ہے وہاں میں کوڑا کام میں نہیں لاتا، اگر میرا اور لوگوں

کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم ہو تو میں اس کو نہیں توڑتا“

جبے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا:-

”كنت اذا مدوها خليتها واذا خلوها مدتها۔

جب لوگ اس کو کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دے دیتا ہوں اور جب ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں۔“ (الاسلام والحضارة العربيه جلد ۲ ص ۱۲۴، یعقوبی جلد ۲ ص ۲۸۳)

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے بہت زیادہ سخت کلامی کی، لوگوں نے اذراو تعجب کہا کہ حضرت! آپ ایسی باتوں میں بھی بردباری سے کام لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:-

”إِنِّي لَا أَحُولُ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَ السُّنَنِ مَا لَمْ يَحُولُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سُلْطَانِنَا۔ (ملکنا)  
رطبوی ج ۵ ص ۲۳، ابن الاثیر ج ۳ ص ۲۶۳، الاسلام والحضارة العربيه ج ۲ ص ۱۲۴)

میں اُس وقت تک لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان مائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان مائل نہ ہوں۔“  
بڑے لوگوں کی باتوں کو تو سب برداشت کرتے ہیں لیکن غریبوں اور ناداروں کی ملالت اور سختی کو برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سیدنا معاویہؓ کو کسی راہ چلتے آدمی یا کسی بوڑھی عورت نے بھی اگر کوئی سخت سُست لفظ کہہ دیا تو آپ نے نہایت بردباری سے اسے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک روز ارولی بنت حارث آئیں اور کہا کہ معاویہؓ! تو نے کفرانِ نعمت کیا، اپنے چچا زاد بھائی سے اچھا سلوک نہ کیا اور ایسا لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہ تھا۔“ آپ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ مجھے گناہوں کو بخشتا ہے، اپنی ضروریات کا اظہار کیجئے۔“ وہ بولیں ”مجھے دو ہزار دینار کی ضرورت ہے کہ ایک زرخیز زمین میں ایک جاری حیثیت خرید سکوں تاکہ وہ فقرائے بنی حارث بن عبدالمطلب کے کام آئے، دو ہزار دینا اور چھائیں تاکہ بنو حارث کے فقراء کی شادی کر سکوں، اور دو ہزار اور مطلوب ہیں کہ خود زمانے کے مصائب سے بچ سکوں۔“ آپ نے اُسی وقت چھ ہزار دینار دینے کا



فرمایا اور وہ بے کر چلی گئیں۔ (ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۹۵)  
 ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو ایک شخص نے آکر کہا کہ:-  
 ”واللہ لتستقیمن یا معاویۃ اولتقومتک۔“  
 اے معاویہؓ! بخدا خود بخود درست ہو جاؤ ورنہ ہم آپ کو درست کر  
 دیں گے۔“

آپؓ نے فرمایا کہ کس کے ساتھ درست کرو گے؟  
 جواب میں اس شخص نے کہا ”لا اٹھی کے ساتھ۔“  
 یہ سنکر سیدنا معاویہؓ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا:-  
 ”اذاً لتستقیم۔ تب ہم درست اور ٹھیک ہو جائیں گے۔“  
 کتاب المحبتہ ص ۴۱، تاریخ الاسلام ذی ہجری جلد ۳ ص ۳۲۲،  
 سیر اعلام النبلاء ذی ہجری جلد ۳ ص ۱۰۲)

ایسے ہی ایک دفعہ سیدنا حضرت ابوامامہ الباہلیؓ آپ کے پاس تشریف لے  
 گئے اور کہا امیر المؤمنینؓ:-

”انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضنا کدر العیون  
 وان کدرت لم ینفعنا صفونا، واعلم انه لا یقوم  
 فسطاط الا بعمد۔“

آپ ہمارے چشموں کے اصل ہیں، اگر آپ صاف رہیں گے تو چشموں  
 کا گدلا پن ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور اگر آپ میں تکرر آگیا تو  
 ہمارا صاف رہنا ہمیں کوئی فائدہ نہ دے سکے گا، یہ بھی ذہن میں  
 رکھئے کہ کوئی خیمہ ستونوں کے بغیر کھڑا نہیں ہو سکتا۔“

کتاب المحبتہ ص ۲۹ دکن

آپ کے علم اور بردباری پر یہ واقعہ بھی شہادت کے لیے کافی ہے کہ ایک  
 مرتبہ جمعہ کے روز خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:-

”بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور مالِ فتنے بھی ہمارا ہے، جس شخص سے چاہیں ہم مال کو روک لیں۔“

آپؐ کی اس بات کا کسی نے کوئی جواب نہ دیا، دوسرے جمعہ کو بھی آپؐ نے اسی طرح فرمایا، پھر بھی کوئی شخص جواب دینے کے لیے نہ اٹھا لیکن جب تیسرے جمعہ کو سیدنا معاویہؓ نے وہی بات دہرائی تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا امیر المؤمنین! بات اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فتنے کا مال بھی ہم سب کا ہے اور جو شخص اس بارہ میں ہمارے درمیان حائل ہو گا ہم اپنی تلواروں سے اس شخص کا فیصلہ کریں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا دیں گے۔

امیر المؤمنینؓ نے نہایت علم و بردباری سے اس کا جواب سنا، غصہ ختم ہونے کے بعد آپؐ قہر خلافت پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو بیٹھایا، لوگوں نے خیال کیا کہ اس کی گوشمالی ہوگی لیکن جب اور لوگ قہر خلافت پہنچے تو دیکھا کہ وہ شخص امیر المؤمنین کے ساتھ بڑے باعزت طریقے سے بیٹھا ہوا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے گویا مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو حیاتِ دانا از دانی فرماتے۔ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:-

”محقرب میرے بعد مراد ہوں گے جو کچھ وہ کہیں گے اس کا کوئی رد نہیں کر سکے گا وہ جہنم میں گریں گے۔“

میں نے گزشتہ جمعہ کو ایک بات کہی کسی نے اس کا رد نہ کیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جن کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پھر دوسرے جمعہ بھی مجھے کسی نے نہ ٹوکا تو مجھے خیال ہوا کہ شاید میں اُن میں سے ہوں گا لیکن جب تیسرے جمعہ کو میں نے پھر وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہو کر ٹوکا اور صحیح بات میرے سامنے کہہ دی تو گویا اس نے مجھے زندہ کر دیا، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ سلامت رکھے۔ (تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲۲ ص ۳۲۲)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذریؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی، اس پر ان کا ایک وکیل جس کا نام ”انصیر“ تھا متعین تھا۔ اس زمین کے ساتھ ہی سیدنا عمرؓ کے بھتیجے عبدالرحمن بن زید بن الخطابؓ کی زمین تھی، سیدنا معاویہؓ کے وکیل اور عبدالرحمن بن زیدؓ کے مابین اس زمین کے بارہ میں کچھ تنازعہ ہو گیا، وکیل کا موقف یہ تھا کہ یہ قطعہ اراقی سیدنا معاویہؓ کا ہے جبکہ سیدنا عبدالرحمن بن زیدؓ اس کو اپنا حق بتاتے تھے، جب یہ تنازعہ طول اختیار کر گیا تو سیدنا عبدالرحمنؓ اس کو بیٹانے کے لیے خود شام سیدنا معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور وہاں اس تنازعہ کی تفصیلات ذکر کیں، سیدنا معاویہؓ نے یہ ساری تفصیلات سُن کر فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید الانصاریؒ اس بارہ میں جو فیصلہ دیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ دونوں حضرات کے بیانات قاضی عبیدؓ کے پاس ہوئے اور ہر ایک نے تفصیل سے اپنا اپنا موقف بیان کیا، بیانات سُن کر قاضی صاحب نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف اور سیدنا عبدالرحمنؓ کے حق میں فیصلہ دیا، سیدنا معاویہؓ نے نہایت خوشدلی سے قاضی صاحب کا فیصلہ سُن کر فرمایا: ”ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔“  
تقبل ما قلت - (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۱۱)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بلاذریؒ ہی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کے گورنر سیدنا مروان بن الحکمؓ نے سیدنا صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے سیدنا عثمانؓ کے بارہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا، جب اس معاملہ کی اطلاع امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کو پہنچی تو انہوں نے سیدنا مروانؓ کو ایک خط لکھا جس کے ایک ایک لفظ سے حُبِ نبویؐ ٹپکتی ہے، فرمایا:-

”مروان! تم نے صہیبؓ کے صاحبزادے کے بارہ میں اس کے باپ کی بات عثمانؓ کے بارہ میں یاد رکھی لیکن تم نے اس کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ سے تعلق اور مصیبتِ یکستم فراموش کر دی، پس صہیبؓ کے صاحبزادے کا وظیفہ فی الفور جاری کیا جائے اور اس کی عزت و تحکیم اور اس سے

اچھا سلوک کیا جائے“ و انساب الاشراف قسم اول (۹)  
مشہود تابعی سیدنا عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے گورنر مدینہ سیدنا مروان بن الحکم  
کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے تمہارے  
وظائف و عطیات پورے پورے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی کہاہے کہ ان میں  
کوئی کمی نہ کی جائے، لیکن سیدنا معاویہؓ نے تمہاری خاطر اس سلسلہ میں پوری کوشش  
کی ہے لیکن موجودہ مال چونکہ تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے  
اور اس میں ایک لاکھ کی رقم کم ہے، لہذا امیر المؤمنین نے لکھاہے کہ میت سے  
اموال صدقات آنے پر یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

یہ سننا تھا کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے، سیدنا عروہؓ فرماتے ہیں  
کہ میں نے لوگوں کی طرف دیکھا تو وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے  
ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق لیں؟ بین کے صدقات تو بتائے  
اور مساکن کا حق ہیں اور ہمارے وظائف و عطیات جو یہ کے مال سے ادا کیے  
جاتے ہیں، آپ امیر المؤمنینؓ کو لکھیں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال  
فرمائیں، چنانچہ سیدنا مروانؓ نے یہ بات امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو لکھی تو سیدنا  
معاویہؓ نے وظائف و عطیات کے بقایا جات اپنے ہاں سے روانہ کر دیئے۔

(کتاب الاموال لابن عبید القاسم ص ۲۵۹)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص آپ کے زمانہ میں اپنے مافی الضمیر  
کے اظہار میں آزاد تھا کسی پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ہر شخص کے حقوق کی رعایت  
رکھی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ  
ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، سیدنا معاویہؓ نے پوچھا کوئی ضرورت اور  
 حاجت ہو تو فرمائیے۔ سیدنا ابن عمرؓ نے کہا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف  
اور عطیات جاری کئے جائیں اور ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

فرمان سنایا کہ :-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ کے پاس اموال آتے تو آپ آزاد شدہ لوگوں کو پہلے دیتے تھے“  
(کتاب التثقی لابن جارود نیشاپوری ص ۲۷۷)

اس طرح کے اور بے شمار واقعات محدثین اور مؤرخین کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہر شخص اپنی بات کہنے میں آزاد تھا اور کسی شخص کی تقریر و تحریر پر کوئی پابندی نہ تھی۔ علاوہ ازیں لوگوں کے حقوق کی رعایت بھی فرماتے تھے۔

۵۹ھ میں جب سیدنا ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ منورہ کے گورنر سیدنا ولید بن عتبہؓ نے امیر المؤمنینؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے تحریر فرمایا :-

”ابو ہریرہؓ کے ورثاء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، ان پر دس ہزار درہم خرچ کئے جائیں، ان کی امان اور ذمہ داری کو بطریق احسن ملحوظ رکھا جائے اور ان کے ساتھ نہایت اچھا معاملہ کیا جائے“  
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۵)

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :-

”افضل الناس من اذا اعطى شکروا اذا ابتلى صبروا اذا غضب کظموا اذا قدر غفروا اذا وعد انجزوا اذا ساء استغفروا۔“  
(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۱)

بہترین شخص وہ ہے جسے جب ملے تو شکر کرے اور جب مصیبت میں مبتلا ہو تو صبر کرے، جب غصہ آئے تو پی جائے اور جب قدرت ہو تو معاف کرے، جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب کسی سے برائی کرے تو معافی مانگ لے“

اسی وجہ سے سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:-

”وہ اپنے پوشیدہ اسرار سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اس نے غلبہ پایا“  
اظہار کے ذریعہ اسیرانک پہنچا اور اسے پایا، اس کا علم اس کے غضب  
پر غالب ہے اور سخاوت بخل پر غالب ہے، صلہ رحمی کرتا ہے قطع رحم نہیں  
کرتا، ملاتا ہے جدا نہیں کرتا، لہذا اس کے سب معاملات درست رہے  
اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا“ (العقد الفرید جلد ۲ ص ۲۳۵)

عرب کا مشہور شاعر اخطل آپ کے متعلق کہتا ہے:-  
وطدت لنا دیت التبی محمداً  
بعلمک انما هرت سفاهاً کلابها

یعنی آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپنی بُردباری اور علم سے آسان  
کر دیا جبکہ بیوقوفی سے بھونکتے رہے“ (العقد الفرید جلد ۱ ص ۸)  
اموی فلیفہ عبدالملک بن مروان آپ کے علم و بُردباری کی باتوں پر تعجب کیا کرتے  
تھے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں جبکہ وہ  
آپ کی قبر کے پاس سے گزر رہے تھے کسی نے پوچھا کہ کیس کی قبر ہے؟ آپ نے فرمایا:-  
”قبر رجل کان واللہ ینطق عن علم ویسکت عن حلم کان  
إذا اعطی اغنی وإذا حارب افنی۔“

”یہ قبر اُس شخص کی ہے کہ غلجا جب وہ بات کرتا تو علمیت سے بات  
کرتا اور علم سے خاموش رہتا، جب دیتا تو غنی اور مال دار کر دیتا،  
اور جب روتا تو نیست و نابود کر دیتا“ (اتاریخ الاسلامی والفتاۃ العربیہ  
طبع مصر جلد ۲ ص ۳۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۵، المغزی لابن طباطبایہ ص ۹۵،  
معاویہ انیس زکریا تصولی ص ۶۵)

آپ کے علم و بُردباری کی یہ صفت قریناً سب اموی خلفاء نے اپنے اندر پیدا کرنے

کی کوشش کی اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے، چنانچہ عرب کا مشہور شاعر  
قیس بن رقیات بنو امیہ کے بارہ میں کہتا ہے ۔

وَمَا لَقَمُوا مِنْ بَنِي أُمَيَّةٍ إِلَّا  
إِنَّهُمْ يَخْلَعُونَ إِنْ غَضَبُوا

یعنی لوگ بنو امیہ سے صرف اس وجہ سے بغض رکھتے ہیں کہ وہ غضب  
کے وقت بُرد بار اور حلیم ہوتے ہیں۔

## تدبیر و سیاست

تدبیر و سیاست کی استعداد آپ میں فطری تھی، سپہ سالاری کا عہد مدتوں  
سے آپ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا، سیدنا ابوسفیانؓ اور سیدنا یزید بن سفیانؓ کی  
زیر تربیت آپ نے سیاست کی گتھیوں کو سلجھانا سیکھا۔ علاوہ علمی اور فنی کمالات  
نے اس کو اور بھی چمکایا، آپ کی اسی تدبیر مملکت اور سیاست سلطنت کا نتیجہ  
تھا کہ اہل شام آپ پر جان چھڑکتے تھے اور آپ کے حکم کی دل و جان سے  
تعمیل کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے لشکریوں سے  
مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا :-

”کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ معاویہؓ اکھڑ جا ہوں کو بلاتا ہے تو وہ بغیر عطیہ  
اور داد و بخش کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور سال میں دو تین بار چہرہ چلے  
اُدھر لے جاتا ہے اور میں نہیں بلاتا ہوں حالانکہ تم لوگ عقل مند ہو اور  
عطیات پاتے رہتے ہو مگر تم میری نافرمانی کرتے ہو، میرے خلاف کھڑے  
ہو جلتے ہو اور میری مخالفت کرتے رہتے ہو“

طبری جلد ۵ ص ۱۴۸، معاویہؓ از انیس زکریا نقوی ص ۴۲

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک افسر قیس بن ہیشم نے ایک مرتبہ

اہل عراق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-

”میں نے اہل شام کو دیکھا کہ وہ سردار شام (سیدنا معاویہؓ) کی بات خوشی خوشی مانتے ہیں اور ہم لوگ موسم گرما کے غزوات میں ہوتے ہیں اور ایک کے پاس ہزار اونٹ ہوتے ہیں مگر شایموں کے سردار کے پاس صرف ایک گھوڑا ہوتا ہے اور وہ اس پر بھی ایک اور آدمی کو بیٹھے بٹھا لیتا ہے۔“ (ایضاً)

شکر کی فرمانبرداری اور ملک میں امن و امان کی کیفیت آپ کے تدبیر و سیاست میں ماہر ہونے کی بین شہادتیں ہیں اور یہ بھی آپ کے مدبر ہونے کی واضح دلیل تھی کہ حکومت اسلامیہ کے قائم کرنے، عراق کے خلفشار کو دور کرنے اور دیگر جرائم کی روک تھام میں جو مشکلات حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو پیش آئیں آپ نے نہایت احسن طریق سے ان پر کنٹرول کیا حالانکہ اہل بصرہ و کوفہ ان پیر و دل کے عادی تھے۔ تدبیر و سیاست کے بارہ میں ایک امتیازی شان آپ میں یہ تھی کہ جب تک آپ کسی بات کو اچھی طرح اپنے دل میں نہ جتے نہیں کر لیتے تھے کسی کو اس بارہ میں حکم نہیں فرماتے تھے ہمتی کے موقع پر سختی کرنے اور نرمی کے موقع پر نہایت نرمی سے کام لیتے، چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے آپ سے کہا:-

”میں عاجز آ گیا ہوں کہ یہ جانوں کہ آپ جُز دل ہیں یا بہادر اکیونکہ جب آپ اقدام کرتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے قتل و قتال کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور پھر آپ پیچھے ہٹتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ آپ نے فرار کا ارادہ کر ہی لیا ہے۔“

سیدنا معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا:-

”بھلا میں تو اُسی وقت اقدام کرتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ اقدام کا موقع ہے اور اُسی وقت پیچھے ہٹتا ہوں جبکہ دیکھتا ہوں کہ پیچھے ہٹنے کا مقام ہے۔“ آپ کی حسن سیاست کی گواہی سیدنا فاروقِ اعظمؓ نے بھی دی، چنانچہ ایک مرتبہ



آپ نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

”تذکرون کسریٰ وقصرو دھارہما وعندکم معاویۃ -

تم کسریٰ وقصر کی سیاست و تدبیر کو یاد کرتے ہو حالانکہ تم میں معاویہ موجود ہیں“

(طبری جلد ۵ صفحہ ۳۳، اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۳)

آپ کا وزرہ کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبار عرب، ایام عرب و عجم، ملوک عجم اور ان کی سیاست، بادشاہان عالم کی لڑائیوں، مکاریوں اور گزشتہ امتوں کے حالات وغیرہ کا مطالعہ فرماتے رہتے۔

آپ کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جایا کرتی تھیں جن میں بادشاہوں کے سوانح اور ان کی عادات و حالات ہوتے، اس خدمت پر کچھ لوگ متعین تھے وہ پڑھتے اور آپ سنتے۔ اس طرح ہر رات سیر اور آثار و سیاست سے آپ کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ (السعودی جلد ۲ صفحہ ۵۲۵)

اس بات کو تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آپ کا شمار عرب کے پانچ مشہور زیرکوں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۸) لیکن آپ زیرک اور سیاست میں ان سب سے زیادہ تھے کیونکہ آپ ان سب پر غالب تھے۔

## شجاعت و بسالت

ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ شجاعت و بہادری میں بھی ممتاز تھے، چنانچہ میلہ کذاب کو جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آپ ہی نے قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱) علاوہ انہیں عہد فائق میں خود امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا آپ کو قیساریہ کی مہم پر متعین فرمانا اور آپ کا اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہونا آپ کی شجاعت و بسالت کی تین دلیل ہے۔ قیساریہ کی مہم اس قدر سخت تھی کہ اس میں لشکر اسلام اسی ہزار رومیوں کو خاک و خون

ترباکر کامیاب ہوا تھا اور رومیوں نے سروہڑ کی بازی لگادی تھی، اس مہم کبھی  
اہمیت کے پیش نظر امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے خود ان کا تقرر فرمایا،  
آپ نے معاویہؓ کو لکھا۔

”اما بعد فاتنی قد ولینک قیساریۃ فسرالیہا واستنصر اللہ و  
اکثر من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ (خط الشام ج ۱ ص ۱۲۳)  
اما بعد! میں نہیں قیساریہ کی مہم کا انچارج مقرر کرتا ہوں آپ اس مہم پر  
چلے جائیے اور اللہ تعالیٰ سے نصرت طلب کریں اور لا حول ولا قوۃ  
الا باللہ ط کو شرت سے پڑھا کریں“  
بلاذریؒ کی روایت کے مطابق سقاہم میں جب سیدنا فاروق اعظمؓ نے  
قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو اہل اسلام نے اس شہرہ جائقزینہ کو بکیر  
بلند کیا۔

”وکانت حوصرت سبع سنین وفتحها معاویۃؓ  
قیساریہ کا محاصرہ سات سال تک رہا اور آخر کار حضرت امیر معاویہؓ نے  
اُسے فتح کیا“ (فتوح البلدان ص ۱۲۴)  
نیز بیروت، عرقہ اور صیدا کی مہمات کی فتوحات بھی آپ ہی کی شجاعت و  
بہادری کی مرہون منت ہیں۔ (فتوح البلدان ص ۱۳۳)  
”کان رمعاویۃ مدکا مہیبا شجاعا جوادا حلیمًا۔  
معاویہؓ ایک باسعیت، عزم و استقلال، شجاعت و لبالت، صاحبِ فہم  
اور حلم و بردباری کا مجسمہ تھے“ (دول اسلام جلد ۱ ص ۴)

## سپہ گری

سیدنا معاویہؓ نے جنم ہی ایک ایسے خاندان میں لیا جو مدتوں سے سپہ گری میں

مشہور چلا آ رہا تھا، چنانچہ آپ نے عسکری ماحول میں اور ایک سپہ سالار باپ اور سپہ سالار بھائی کی زیر تربیت پرورش پائی، اس لیے سپہ گری اور عسکریت آپ کی گھٹی میں بھری ہوئی تھی۔ قیساریہ، قبرص اور قسطنطنیہ کی جنگیں آپ کی عسکری ذہنیت کی غمازی کرتی ہیں۔ قیساریہ کے علاوہ آپ غزوہ حنین و طائف وغیرہ میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں شریک ہوئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عسکری خدمات سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ حنین کے مال غنیمت سے انہیں تنخواہ و نوادہ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۷، ص ۱۲۸)

علاوہ ازیں آپ کے زمانہ کی فتوحات کی کثرت اور افریقہ اور ملک کے دوسرے حصوں میں مناسب مقامات پر فوجی چھاؤنیوں کا قیام بھی آپ کی سپہ گری اور عسکری سپرٹ کی بہین دلیل ہے۔

## خطابیت

سب سے بڑی بات جو سیدنا معاویہؓ میں دلوں کو موہ لینے والی، دشمنوں کو دود بنانے والی اور نفرت کرنے والوں کو اپنا بنانے والی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ایک اچھے خطیب تھے، اس بات کی شہادت اسلامی تاریخ کے اکثر مؤرخین دیتے ہیں، بنا بریں آپ اپنے اسرار کسی پر کھلنے نہ دیتے تھے۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ اور نہایت اچھی دلیل سے بات کرتے تھے، میدان سیاست میں اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے جو آپ نے اپنے متعلق خود بیان فرمائی ہے کہ:-

”میں نے جو اچھے نتائج حاصل کئے وہ اپنی قوت بیان کی بدولت حاصل کیے ہیں۔ اس زمانہ میں پانچ بہترین اور چوٹی کے خطباء تھے آپ ان میں ایک تھے“

(Encyclopeadia of Islam, Vol. 3, P. 619)

آپ کی خطابیت اور فصاحت و بلاغت کے متعلق مشہور ضمیر مؤرخ ابن طلقی

لکھتا ہے کہ :-

”كَانَ رَمْعًاوِيَّةً (حَكِيمًا فَصِيحًا بَلِيغًا) (الفغري ۱۷۳)  
معاویہؓ بڑے صاحبِ حکمت اور فصیح و بلیغ انسان تھے“

## فضل و کمال

سیدنا معاویہؓ علمی اعتبار سے بھی نہایت اونچے مقام کے آدمی تھے، ابتداء ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت پورے عرب میں صرف سرورِ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، سیدنا معاویہؓ ان میں سے ایک تھے۔ (غیر الاسلام ملا احمد امین) آپ کی اسی علمی برتری کی بناء پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا کاتب و جی مقرر فرمایا تھا جس کا اقرار شیعی مؤرخ ابن ابی الحدید نے ان الفاظ میں کیا ہے :-

”كان (معاوية) احد كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم-

معاویہؓ جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاتبوں میں سے ایک تھے“

(ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۳۳۸)

آپ صرف کاتب و جی ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ علم و اُفتا صحابہ میں بھی شمار ہوتے تھے۔ (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۷۳) اور تفقہ فی الدین اور قرآن و حدیث کی تفسیر و تاویل میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا، ۱۷۴ احادیث نبویہ آپ سے مروی ہیں جن کو بعد میں عبداللہ ابن عمرؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ وغیرہ صحابہ اور حمید بن عبدالرحمنؓ وغیرہ تابعین نے روایت کیا ہے۔ چار احادیث متفقہ طور پر صحیحین میں موجود ہیں، امیر المؤمنینؓ فی الحدیث امام بخاریؒ کا یہ قہر و حدیث میں آپ کی ثقاہت کیلئے ایک کھلی ہوئی شہادت ہے۔

”كان لا يهتم في الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم-

التاريخ الكبير للبخاري جلد ۲ ص ۳۲۸)

شعر و ادب بھی آپ خاص مذاق رکھتے تھے، چونکہ آپ کے والدین بھی شاعر تھے لہذا آپ شیریں الفاظ کے بہت شائق تھے اور عرب کی فصاحت و بلاغت کے بہت گرویدہ تھے، آپ اشعار کو تہذیب و اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ (کتاب العہدہ ص ۶) چنانچہ ایک روز آپ نے عبدالرحمن بن الحکم بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-  
 "وای میرے بھتیجے! تو شعر گوئی کا بڑا شوقین ہے لہذا غوروں کے ساتھ تیشب سے بچنا تا کہ شریف عورت کو عار نہ لگے اور بھوسے پھینک کر کسی شریف کی بدنامی نہ ہو اور کوئی کینہ تیرے پیچھے نہ پڑ جائے اور مدح سے بچنا کیونکہ بے حیائی کی روئی ہے، ہاں اپنی قوم کے مفاخر پر فخر کرنا اور ایسی باتیں کہنا جس سے تیرا نفس تہذب ہو اور دوسرے بھی ادب پکڑیں۔" (معاویہ ملک)

آپ کی اسی علمی لگن کا نتیجہ تھا کہ آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایک مؤرخ عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین و حکم کے حالات، زبانوں کی ابتداء اور ان کی نشرو اشاعت کی تاریخ لکھواٹی۔ جو کہ تاریخ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ (الفہرست لابن الندیم ص ۱۲۲)

سیدنا معاویہ کی کتاب فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کئے (لوہے کا ایک آلہ ہوتا تھا جس سے سر کے بال کاٹے جاتے تھے، گویا کہ آج کل کی اصطلاح میں سر کے بال کلٹنے والی مشین) چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ نے فرمایا کہ میں نے سر کا ردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال مشقص کے ساتھ کاٹے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۲۳۳، مسلم جلد ۱ ص ۱۶۸، مسند احمد جلد ۲ ص ۹۶)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ کا سر کا ردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت قربی تعلق تھا کیونکہ ایسی خدمت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی خاص تعلق ہو۔

## ظرافت

سیدنا معاویہؓ ایک ظریف الطبع انسان تھے، ہر وقت خندہ پیشانی سے لوگوں کو ملتے اسی وجہ سے ہر آدمی بغیر کسی خوف و ہراس کے آپ کو ملتا بلکہ مل کر خوشی محسوس کرتا اور آپ بھی نہایت تپاک کے ساتھ ہر ایک کا خیر مقدم کرتے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے ایک مکان تعمیر کرنا ہے جس کے لیے مجھے بارہ ہزار درخت دیئے جائیں، آپ نے اس سے اس کے مکان کی وسعت پوچھی، اُس نے کہا کہ دو فرسخ لبائی اور دو فرسخ چوڑائی، آپ نے پوچھا کہ ایسا مکان ہے کہاں؟ اُس نے کہا بصرہ میں، آپ نے ظرافتاً کہا کہ۔

”لَا تَقْلُ دَارِي بِالْبَصْرَةِ وَلَكِنْ قُلِ الْبَصْرَةُ فِي دَارِي“

یہ نہ کہو کہ میرا مکان بصرہ میں ہے بلکہ یہ کہو کہ بصرہ میرے مکان میں واقع ہے۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴)

ایسے ہی ایک مرتبہ سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ آپ کے پاس تشریف لائے، سیدنا عقیلؓ کی بینائی جاتی رہی تھی، سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عقیلؓ کو ظرافتاً کہا۔

”ہاشمیوں کی بصارتیں کیوں جاتی رہتی ہیں؟“

سیدنا عقیلؓ نے بھی ظرافتاً اسی طرح جواب دیا۔

”امویوں کی بصیرتیں کیوں جاتی رہتی ہیں؟“ (العقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۳۱۵)

## جود و سخا

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ آپ نہایت سخی اور صاحبِ جود و سخا تھے، خود سانسِ نبوت نے بھی اس بارہ میں فرمایا تھا۔

”معاویۃ أحلم أمتی وأجودها۔ (رحمۃ الاسلام ج ۱ صفحہ ۱۶۵)

معاویہؓ میری امت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحبِ جود و سخا ہیں۔“

چنانچہ آپ کی فیاضی کا لاکر کرم صحابہ کرام، اکابر قریش اور آل ابی طالب پر برابر رستا رہتا تھا اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا حمیدؓ، سیدنا حسنؓ اور سیدنا عقیلؓ اکثر آپ کے پاس جلتے اور کافی بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے، جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے) اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے: ”لوگ معاویہؓ کے بخود و کم سے بھر بیسکراں کی طرح مستفید ہوتے ہیں!“  
(طبری جلد ۶ ص ۱۸۸)

ایک اور موقع پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا:۔  
”جو لوگ معاویہؓ کے پاس جاتے ہیں وہ ایک وسیع وادی میں اترتے ہیں“ (طبری جلد ۶ ص ۱۵۶)  
علامہ ذہبیؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

”معاویہؓ ایک دانشمند، سخی اور بہادر خلیفہ تھے“  
(ردول الاسلام جلد ۱ ص ۲۲)

آپ کی اس خوبی کا اعتراف مشہور شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے بھی کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

”كَانَ مُعَاوِيَةَ جَوَادًا بِالْمَالِ وَالصَّلَاتِ۔ (ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۲۲)  
معاویہؓ مال اور صلے دینے میں بہت سخی تھے“

## سادگی

مخالفین کے پروپیگنڈے کے باعث عموماً آپ کو بیاہ پسند خلیفہ کہا جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، آپ کی طبیعت میں بہت تواضع تھی اور آپ جاہ پسندی، نخوت اور تکبر کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کسی مجمع میں تشریف لے گئے آپ کے جلنے پر لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے، آپ نے اس فعل کو خلاف سنت خیال کرتے ہوئے

لوگوں کو سختی سے اس بات سے منع کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ:-

”من احب ان یمثل له الرجال قیامًا فلیتبنوا مقعدًا من النار۔“  
جو آدمی پسند کرتا ہے کہ لوگ تعظیمًا اس کے لیے کھڑے ہوا کریں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۶)  
لباس کی سادگی کے متعلق تو گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ آپ کے لباس کو کئی کئی بیوند لگے ہوتے اور آپ وہی لباس پہنے دمشق کے بازاروں میں پھرتے رہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۴، ۱۳۵)

## قیام عدل

قیام عدل جو کہ اسلامی حکومت کا خاصہ ہے کے لیے بھی آپ نے نہایت اہتمام فرمایا، دربار خلافت میں جانے سے قبل آپ روزانہ مسجد میں تشریف لے جا کر رعایا کی شکایتیں سننے کے لیے بیٹھتے اور آپ کے پاس کمزور ناتواں، عورتیں اور بچے غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ آتے اور اپنی اپنی شکایتیں بیان کرتے، آپ اُسی وقت اُن کی شکایات کے تدارک کا حکم دیتے۔ دربار تشریف لے جا کر آپ اشرف سے کہتے کہ جو لوگ اپنی بعض وجوہات کی بنا پر مجھ تک نہیں پہنچ سکتے اُن کی ضروریات مجھ سے بیان کرو۔ (مروج الذهب جلد ۴ ص ۱۲۳)

آپ کے طرز حکومت پر نظر ڈالنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ اتنی دُور دُور کے صوبوں پر اسی قیام عدل اور رعایا کی دادرسی کی بدولت ہی کنٹرول کرتے تھے۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ جب کُرسی عدالت پر بیٹھتے تو کمزور ناتواں، بُدو، بچے، بوڑھے، عورتیں اور لاوارث لوگ آتے اور کہتے کہ مجھ پر ظلم کیا گیا ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی عزت کرو، کوئی کہتا کہ مجھ پر دست درازی کی گئی ہے تو آپ فرماتے کہ اس کی مدد کے لیے بھیجو، اور اگر کوئی کہتا کہ مجھ پر زیادتی ہوئی ہے تو آپ فرماتے



کہ اس کے معاملہ پر غور کرو۔

جب سردارانِ قبائل اور اشراف کے ساتھ آپ بیٹھے اور معاملات پیش کیے جاتے تو بس اسی قسم کے جملے فرماتے کہ فلاں کو دے دو، ان سے معاہدہ کرو، انہیں دو، ان کی ضروریات پوری کرو، ان کی خدمت کرو وغیرہ وغیرہ، اس لیے کسی نے آپ کا بُرا نہیں چاہا۔ (المسعودی جلد ۲ ص ۵۲۰)

آپ کے عدل و انصاف پر علامہ ذہبیؒ کے یہی ریکارڈ کافی ہیں کہ:-  
 ”وفضائل معاویۃ فی حسن السیوۃ والعدل والاحسان کثیرۃ۔“  
 معاویہؓ کے حسن سیرت اور عدل و احسان کے بارہ میں فضائل بہت زیادہ  
 ہیں۔ (المنشیٰ ذہبیؒ ص ۳۸۸)

## اتباع سنت

ایک مومن کے لیے سنت کا اتباع زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے اور صحابہ کرامؓ کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کے طریقہ کی جستجو کر کے اس کی اتباع کرتے تھے، سیدنا معاویہؓ کی بھی یہی کوشش ہوتی کہ دینی معاملات سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کے مطابق انجام دیئے جائیں۔

دین میں سب سے اہم چیز نماز ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔ سیدنا معاویہؓ کی پوری کوشش ہوتی کہ نماز کو اسی طرح قائم کیا جائے جس طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم قائم فرماتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ:-

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارے اس امیر (سیدنا معاویہؓ) سے زیادہ کسی اور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ نماز پڑھنے

والا نہیں دیکھا، (مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۳۵۷) رواد الطیرانی در جالہ الصبح

اسی سلسلہ میں یہ حدیث بھی آپ کے اتباع سنت کے جذبہ کی غمازی کرتی ہے جو عبداللہ بن الحارث بن نوفل البہثمی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ نے عصر کی غار پڑھی، نماز کے اختتام پر کچھ لوگ کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے، سیدنا معاویہؓ کو ان کی یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوئی۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کر وہ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے، تھوڑی دیر کے بعد سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ان کے پاس آئے، عبداللہ بن الحارثؓ کہتے ہیں کہ میں بھی سیدنا ابن عباسؓ کے ساتھ تھا سیدنا معاویہؓ نے سیدنا ابن عباسؓ کو اپنے پاس چار پانی پر بٹھالیا، پھر ان سے پوچھا کہ نماز عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے، یہ نماز ہم نے سرکارِ دو عالمؐ کو کبھی ادا کرتے نہیں دیکھا اور نہ ہی حضورؐ نے کبھی اس نماز کا حکم فرمایا ہے، سیدنا ابن عباسؓ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو اس نماز کا جو از فراہم کیا ہے۔

اب سیدنا معاویہؓ کی جستجو اور بڑھی اور انہوں نے تحقیق مسئلہ کے لیے سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو بلو کر دریافت کیا، سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے ایسا فرمایا تھا، پھر سیدنا معاویہؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے یہ مسئلہ دریافت کرایا، انہوں نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز عصر کے بعد ہمارے گھر میں پڑھی تھی اور میں نے آپؐ سے اس نماز کے بارہ میں پوچھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ دو رکعت ادا کی ہیں جو نماز ظہر کے بعد مجھ سے ضروری کام کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۲ ص ۳۵۷)

سیدنا معاویہؓ کی اس نماز کے بارہ میں یہ ساری جستجو اور تحقیق سنت نبویؐ کی اتباع کے لیے تھی تاکہ کہیں مجھ سے حضورؐ کی یہ سنت رہ نہ جائے۔

نوٹ { یہ مسئلہ اختلافی ہے، اس میں سیدنا معاویہؓ کا موقف صحیح ہے کیونکہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں، احادیث نبویہ سے یہی ثابت ہے اور احناف کا مسلک بھی یہی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ کتابوں میں مرقوم ہے کہ اسائب بن اخت نمر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ادا کی، جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر نوافل اور سنن ادا کرنے لگا۔

نماز سے فارغ ہو کر سیدنا معاویہؓ اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے اور ایک آدمی بھیج کر مجھے بلوایا، میں جب پہنچا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جیسا تم نے آج کیلئے آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا، پھر فرمایا۔

”جب تم جمعہ کی نماز ادا کرو تو پھر اُس وقت تک کوئی نماز نہ پڑھو جب تک یا تو تم کوئی کلام نہ کرو یا پھر اپنی جگہ سے ہٹ نہ جاؤ کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم فرض نماز کے بعد والی نماز سے ملا کر نہ پڑھا کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا وہ جگہ تبدیل کر لیں۔“

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ میں اتباع سنت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھل ہوا تھا اور اگر وہ کوئی کام خلاف سنت دیکھتے تو اس پر تنبیہ فرماتے۔

ایسا ہی ایک اور واقعہ بلاذریؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے، جب آپ حرم میں داخل ہوئے تو آدمی بھیج کر سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کو بلوایا، جب سیدنا عبداللہ بن عمرؓ آئے تو آپ نے اُن سے پوچھا کہ بیت اللہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس جگہ نماز ادا فرمائی تھی، سیدنا عبداللہؓ نے ”ساریۃ الیسری“ کے پاس آپ کا نماز ادا کرنا بتلایا۔ (انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۳) بیت اللہ کے اندر اُس مقام کے بارہ میں جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی تھی دریافت کرنے سے مقصد آپ کا یہ تھا کہ میں بھی اُسی جگہ نماز ادا کروں اور سنت کے اتباع کا اجر و ثواب بھی حاصل کروں۔

سیدنا معاویہؓ نے پوری زندگی اس بات کی کوشش کی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کریں اور جہاں کسی شخص کو آپ نے خلاف سنت کام کرتے دیکھا تو اسے فوراً ٹوکا اور تنبیہ فرمائی۔ چنانچہ ایک دفعہ سیدنا معاویہؓ ایک مکان میں داخل ہوئے، وہاں پہلے سے سیدنا عبداللہ بن عامرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ تشریف فرما تھے، سیدنا معاویہؓ کے آنے پر عبداللہ بن عامرؓ تو احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیرؓ برابر بیٹھے رہے، سیدنا معاویہؓ نے عبداللہ بن عامرؓ سے فرمایا:۔  
 ”بیٹھ جائیے کیونکہ میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کے سامنے کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۲۹۵، مسند احمد جلد ۹، ص ۹۳، متا، ترمذی جلد ۲، متا)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے، آپ نے دیکھا کہ یہاں کی بعض خواتین میں کچھ ناجائز اور بُری رسمیں پیدا ہو گئی ہیں، اُن میں سے ایک ناجائز رسم یہ تھی کہ آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ عورتیں اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں کچھ دوسرے بالوں کھم ملاوٹ کر لیتی ہیں۔ دیکھ کر آجکل کی بعض عورتیں لمبے بالوں کی وگین لگا لیتی ہیں، یہ یہودی عورتوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کی ایک مشابہت تھی۔

سیدنا معاویہؓ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں لوگوں کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دی، فرمایا:۔

”اے اہل مدینہ! کہاں گئے تمہارے علماء؟ کہ ان منکرات اور خلافِ اسلام باتوں سے تمہیں منع کرتے (پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا نکالا اور لوگوں کے سامنے کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنائی تھی اور اسی وجہ سے وہ قوم ہلاک ہو گئی۔“ پھر فرمایا:۔

”میں نے اس بارہ میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے

اس طرح بالوں کی ساخت سے سختی سے منع فرمایا، لہذا یہ بُری رسم مسلمان عورتیں میں نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں اُن عورتوں پر جو اپنے جسم پر سوئی سے نشانات بنواتی ہیں یعنی جسم گدواتی ہیں اور اُن عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو ابو رو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا بناتی ہیں، اور ان عورتوں پر بھی جو دانتوں کو باریک بناتی ہیں یا بنواتی ہیں؛ والسنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۲۹، مسند احمد جلد ۴ ص ۱۹، مؤلف، ترمذی جلد ۱ ص ۱۹۱

ملاحظہ فرمائیے کہ آپ نے جب کچھ مسلمان عورتوں میں خلاف شرع بات دیکھی تو کیسے تڑپ اُٹھے، آپ کے خطبہ کا ایک ایک لفظ آپ کے اندرونی اضطراب کی غمازی کرتا ہے۔

آپ کبھی کبھی لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے مختلف مواقع پر خطبات ارشاد فرماتے اور لوگوں کو امور آخرت کی طرف متوجہ فرماتے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک خطبہ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے جو آپ نے جمعہ کے روز دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر ارشاد فرمایا، آپ نے اس میں فرمایا:-

”اے لوگو! میری بات غور و فکر سے سنو اور خوب سمجھو کہ میں آخرت اور دنیا کے امور کے بارہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ نماز میں اپنے رُخ کو درست رکھو اور صفوں کو بھی درست اور ٹھیک رکھو ورنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تمہارے دلوں میں کجی اور ٹیڑھ ڈال دیں، اپنے میں سے کم عقل اور کم دانش لوگوں کی حرکتوں پر کنٹرول رکھو ورنہ اندیشہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ تم پر تمہارے دشمنوں کو مسلط کر دیں اور تمہیں نہایت بڑے عذاب میں مبتلا فرمادیں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقے سے افضل اور بہتر ہے۔ پاکدامن عورتوں پر تمہیں لگانے سے

پرہیز کرو اور اس سے بھی پرہیز کرو کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی پاکستان عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت ہے کہ اگر کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہوگی تو اُس سے بھی قیامت کے دن سوال ہوگا۔“

(البیہ والنبیہ جلد ۸ ص ۱۳۷)

سیدنا معاویہؓ کا سنت کی ابتداء کا یہ جذبہ ہی تھا کہ جب کسی کام کے بارہ میں انہیں پتہ چلتا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارہ میں یہ ارشاد ہے تو آپ کی جبینِ نیاز فوراً اس حکم کے سامنے جھک جاتی۔ اس بارہ میں کئی واقعات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ اور رومیوں کے مابین ایک معینِ عرصہ تک جنگ بندی کا معاہدہ ہوا، رومیوں کی بعضی شرارتوں اور اشتعال انگیزوں کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ اُن کے خلاف اقدام کرنے لگے تاکہ مدتِ معاہدہ ختم ہوتے ہی اُن پر حملے کا آغاز کر دیا جائے، سیدنا معاویہؓ کی اس پلاننگ کا ایک بزرگ کو پتہ چلا تو وہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اُس جگہ پہنچے جہاں سے رومیوں پر حملہ کیا جانا تھا اور دُور ہی سے آواز دی ”وفا ولا غدس“ (یعنی وفا کی جائے بغیر غدس نہ کی جائے) لوگوں نے دُور سے اس آواز کو سُن کر حیرت کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی سیدنا عمرو بن عبد اللہؓ تھے، سیدنا معاویہؓ نے اُن سے اس معاملہ کی نوعیت دریافت کی، انہوں نے جواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائی جس میں اس سارے معاملہ کا جواب تھا، انہوں نے فرمایا کہ:-

”میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص اور قوم کے مابین کوئی عہدِ بیعت ہو تو اس کی مدت کے ختم ہونے سے پہلے معاہدے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیئے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت ختم ہو جائے یا اُن کی طرف سے اس عہد کو واپس کر دیا جائے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سیدنا عمرو بن عبد اللہؓ کے منہ سے سُکر

سیدنا معاویہؓ نے اپنا سارا پلان ختم کر دیا اور اپنی افواج کو لے کر واپس چلے آئے۔  
 (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۳، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۲ ص ۲۵۶، صحیح ابن حبان جلد ۸ ص ۱۸۲)

## کرامات

سیدنا معاویہؓ نہایت خدا ترس اور فکر آخرت رکھنے والے انسان تھے خشیت الہی سے ان کی آنکھیں فی الفور آنسوؤں سے بھر جاتیں، بعض دفعہ تو زار و قطار دوتے، آخرت کے موافقہ کی فکر ہر وقت ان کے ذہن پر متولی رہتی۔ اُن کے فکر آخرت اور خشیت الہی کے بے شمار واقعات تاریخ کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں جن میں سے چند ایک یہاں درج کئے جاتے ہیں:-

ایک مرتبہ ایک صحابی سیدنا ابومریم الاندلیؓ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سید دو عالم صلی علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپؐ نے فرمایا: ”جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اور اس کی حاجت روائی نہ کی تو حق تعالیٰ شانہ، اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرما دیں گے۔“

سیدنا ابومریم الاندلیؓ کے منہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سننا تھا کہ سیدنا معاویہؓ اوندھے منہ گر کر رونے لگا، پھر اپنے حاجب سعد کو بلایا اور ابومریمؓ سے کہا کہ یہ فرمان رسول دوبارہ اسے سنائیے، انہوں نے مذکورہ فرمان دوبارہ انہیں سنایا۔ اس کے بعد سیدنا معاویہؓ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے، اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے تو فوری طور پر اُسے میرے ہاں آنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اُس کے حق میں میری زبان سے جو فیصلہ چاہیں گے کرائیں گے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۵۶، جامع الاصول لابن کثیر جلد ۴ ص ۲۲۵)

جب انسان کے ذہن میں آخرت کی فکر پیدا ہو جائے اور دل میں اللہ کا خوف جم جائے تو قرآن حکیم کے مطابق اس کے لیے پھر مغفرت الہی اور بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔ (لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ) ایسا شخص پھر مستجاب الدعوات بھی ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ کی ہر شے اُس کی ہو جاتی ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور پیچ

کہ گردن نہ پیچید ز حکم تو پیچ

چنانچہ تاریخ کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ بھی بڑے مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات صحابی تھے، آپ کی کئی کرامتیں تاریخ کی کئی کتابوں میں بکھری پڑی ہیں، مثلاً :-

(۱) آپ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ بارش نہ ہوئی اور خشک سالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہو گئے، سیدنا معاویہؓ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ طلب باران کے لیے ایک مقام ”الدم“ کی طرف نکلے اور حق تعالیٰ شانہ کے حضور بارش کی دعا کی، دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ بارش شروع ہو گئی اور وادیاں پانی سے بہنے لگیں۔ (ابن عساکر جلد ۲ ص ۱۰۵، ص ۱۰۹)

(۲) ایسے ہی ایک اور واقعہ ہے جس میں آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا یزید بن الاسود الجریفیؓ کے وسیلہ سے طلب باران کی دعا فرمائی طبقات ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ دعا مانگ رہے تھے تو مغرب کی طرف سے ڈھال کی شکل کا بادل نمودار ہوا اور ساتھ ہی ہوا چلنے لگی، لوگ اپنے گھروں تک نہ پہنچے پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱، ص ۱۵۵، الاصابہ جلد ۳ ص ۶۳)

جب ملک کا حاکم نیک، خدا ترس اور لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و مروت سے پیش آنے والا ہو تو پھر ملک میں نہ صرف فراوانی اور امن و امان کا دور دورہ ہوتا ہے، لوگوں میں خدا خوفی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ہر طرف



نیک جہنم لیتی ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں نیک کے فروغ کے لیے نیک لوگوں کو زمام اختیار دی ہوئی تھی۔ ملک کے گورنر، فوج کے جرنیل، سرکاری کارکن سب خشیت الہی کے حامل تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانے میں آپ کے ہر جرنیل پر نصرت خداوندی کی فراوانی رہی۔

سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا واقعہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا کہ قیروان کا شہر آباد کرنے کے لیے گھنے جنگل سے اُن کی ایک ہی آواز سے تمام مٹھی جانور اور درندے وہاں سے نکل گئے اور ایک دو روز میں وہ تمام جنگل خالی ہو گیا جس کو پھر کاٹ کر وہاں ”قیروان“ نامی شہر آباد کیا گیا۔



رضی اللہ عنہ

# سیدنا معاویہ

## مُستشرقین کے نظر میں

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ایسی ہے کہ جس کی تعریف نہ صرف اپنوں نے کی ہے بلکہ بیگانے بھی اُن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا ابوالدرداء، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور مختلف تابعین کے اقوال آپ کی جلالتِ قدر اور عالی مقام کے بارہ میں اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ مشہور مشہور مُستشرقین کے چند اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں تاکہ آپ کے بارہ میں غیر مسلم مؤرخین کی رائے سے بھی قارئین آگاہ ہو سکیں۔

### ① انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نویس آپ کے بارہ میں لکھتا ہے :-  
آپ ایک پیدائشی حکمران تھے، اسی لیے شام انتظامی نقطہ نظر سے تمام اسلامی مملکت میں ایک مثالی صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا، آپ شامیوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، آپ نے طاقت سے نہیں بلکہ نرمی، بردباری اور خدا داد ذہانت سے فرمانروائی کی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۴ ص ۶۱۰

## ② انسائیکلو پیڈیا اسلام

انسائیکلو پیڈیا اسلام کا مقالہ نویس آپ کے متعلق لکھتا ہے:-

..... بحیثیت سیکرٹری آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہترین خدمات سرانجام دیں، یہ ہیں آپ نے اسلام کی نئی حکومت میں کام کرنا سیکھا، فتح شام میں آپ کو بھی یزید بن ابی سفیان کے ساتھ بحیثیت نائب سالار بھیجا گیا جہاں آپ نے اپنی حیرت انگیز سرگرمیوں اور کارکردگیوں کا مظاہرہ کیا اور قیسا یہ وغیرہ کی فتح سے اپنے آپ کو ممتاز بنالیا۔ (جلد ۲ صفحہ ۶۱۷)

..... لیکن ایک صحابی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سیکرٹری اور ام المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سلام اللہ علیہا کا بھائی ہوتا بھی آپ کو شیعوں حضرات کی طعن و تشنیع سے نہ بچا سکا، علم کی جتنی خوبیاں ہیں وہ امیر معاویہ میں موجود تھیں، آپ کا علم فرب اشل تھا، مغرور ترین دشمن کو بھی مسکراہٹ سے غیر مسلح کر دیتے تھے۔ (ایضاً)

..... امیر معاویہ میں علم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی سیاست، زیرکی، قوتِ فیصلہ اور فصیح اللسان خطابت وغیرہ کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں، آپ کا شمار اپنے وقت کے پانچ بہترین مقررین میں ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے تے زبان سے زیادہ کی تلوار کی بہ نسبت زیادہ مطلب برآری کی ہے۔  
(جلد ۳ حصہ ۲ صفحہ ۶۱۹)

## ③ کولمبیا انسائیکلو پیڈیا

امیر معاویہؓ جو دولتِ امیہ کے بانی ہیں، اسلام کے عظیم ترین مکتبوں میں سے تھے، پیغمبر اسلام کے سیکرٹری (کاتب) تھے، حضرت ابوبکرؓ کے دور میں ایک نمایاں جرنیل بن گئے، معاویہؓ کی پالیسی ہمیشہ بردبارانہ رہی اور روشن جماعتی سے امورِ مملکت

مرانجام دیتے رہے، آپ نے اسلامی مملکت کو بچھڑایاں طور پر یک جہتی بخشی۔  
(کولمبیا انسائیکلو پیڈیا ۱۲۱۹)

## ④ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز

..... امیر معاویہؓ ایک اعلیٰ قسم کے فوجی منتظم تھے، آپ کے جرنیلوں نے مملکت اسلامیہ کو وسعت عظمیٰ سے ہمکنار کیا، آپ کا شمار عرب کے مشہور چار زیرکوں میں ہوتا ہے۔ (جلد ۱۱)

## ⑤ بروکلین

..... یزید بن ابی سفیان، اور اس کے بھائی معاویہؓ نے صدیقی اور فاروقی دور میں اپنے زیریں کارناموں کی بدولت ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔

(ہسٹری آف دی اسلامک پیپلز ص ۶۳)

..... امیر معاویہؓ نے اسلامی مملکت اور نظام حکومت کو ایک بار پھر فاروقی بنیادوں پر استوار کیا جو خانہ جنگیوں سے درہم برہم ہو چکا تھا۔ (ص ۶۳)

## ⑥ سائیکس

مشہور متبشرق سائیکس لکھتا ہے کہ:-

..... امیر معاویہؓ قابل ترین اور مضبوط سیاست کے مالک اور عرب سربراہوں میں سے تھے، آپ نے ابتدائی تہمت ہی میں امتیاز حاصل کر لیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے آپ کو ملک شام کا گورنر بنا دیا۔

(ہسٹری آف پریشیا ص ۵۲۲)

چند صفحات کے بعد مصنف پھر لکھتا ہے:-

..... امیر معاویہؓ کا شمار صفِ اول کے اسلامی خلفاء میں ہوتا ہے۔ (ص ۵۲۶)

## ④ نکلسن

نکلسن جو کہ تاریخ اسلام کا ماہر سمجھا جاتا ہے آپ کے متعلق لکھتا ہے :-  
..... امیر معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سیاست دان اور زمانہ شناس تھے، زشلو کی  
کی طرح انسانی طبائع شناس تھے جس کی وجہ سے تمام اعتدال پسند مخالفین کو اپنے ساتھ  
ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ (لٹری ہسٹری آف دی عربز ۱۹۵۰ء)

## ⑤ سر ولیم میور

سر ولیم میور جس نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ تک کو اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے  
سیدنا معاویہؓ کے متعلق لکھتا ہے کہ :-

..... معاویہؓ ایک اعلیٰ درجہ کے سپہ سالار تھے، شامی مہم میں یزید بن ابی سفیانؓ  
کی فوج کے علمبردار تھے۔ (خلافت ۶۳ء)

نیف لکھا ہے کہ :-

..... یزیدؓ نے اپنے بھائی معاویہؓ سے مل کر صیدا، بصرہ، حبیل اور بیروت فتح  
کئے۔ (ص ۱۳)

## ⑥ مٹھی

پروفیسر مٹھی موجودہ عرب دنیا کا سب سے بڑا مؤرخ تصور کیا جاتا ہے اس کی  
اسلام دشمنی کو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود سیدنا  
معاویہؓ کے کمالات و فضائل کا اُسے بھی اقرار کرنا پڑا، وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب میں  
لکھتا ہے کہ :-

..... معاویہؓ میں سیاسی جسٹ اپنے سے قبل تمام خلفاء سے قریباً زیادہ ہی تھی، عرب  
مؤرخین کے نزدیک اُن کی سب سے بڑی خوبی ”علم و بردباری“ تھی یعنی وہ غیر معمولی قابلیت

جس سے کہ طاقت کا استعمال اُسی وقت کیا جاتا جب وہ انتہائی ضروری ہوتا ورنہ ہر موقع پر نرمی اور بردباری سے کام لیا جاتا، وہ اپنی نرمی اور ملائمت سے دشمن کو غیر مسلح کر دیتے تھے، اُن کا دیر سے غصہ میں آنا، اور اپنے آپ پر مکمل ضبط اُہنیس ہر موقع پر کامیابی کا مران بنا دیتا تھا چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں اُس جگہ اپنی تلوار استعمال نہیں کرتا جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے، اور جہاں میری زبان سے کام نیتا ہے، وہاں میں اپنا کوڑا استعمال نہیں کرتا اور جہاں میرے اور لوگوں کے درمیان ایک بال کے برابر بھی رشتہ قائم ہو میں اُسے نہیں توڑتا کیونکہ حیب وہ اسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل کر دیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل کر تے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں یہی مستشرق ہی آگے لکھتا ہے کہ :-

..... ان سب خوبیوں کے باوجود معاویہؓ کئی مورخین کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہیں، وہ انہیں اسلام میں پہلا ملک (بادشاہ) سمجھتے ہیں حالانکہ عرب مؤرخین کے نزدیک یہ لقب ناپسندیدہ ہے، مورخین کے خیالات پر ان تنگ نظر لوگوں کا عکس ہے جو انہیں خلافتِ نبوت کو تبدیل کرنے والا سمجھتے ہیں، اسلامی تاریخ نے جو کہ زیادہ تر عباسی عہدِ خلافت میں شیعہ اثرات کے تحت مرتب کیا گیا ہے اُن کے دینی کمالات کو قابلِ اعتراض اور مشکوک بنا دیا ہے، ابنِ عساکرؒ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک بہترین مسلمان تھے، آپ نے اپنے بعد کے آنے والے اموی خلفاء کے لیے حلم و بردباری، شجاعت و لبالت، دانائی و زیر کی اور تدبیر و سیاست کے بہت سے اصول چھوڑے، جن پر کچھ خلفاء نے عمل بھی کیا وہ فرماں رواؤں

میں سے بہترین فرمانروا تھے۔ ہسٹری آف دی عزیز ص ۱۹۷، ۱۹۸  
 یہ تھی نالغہ اسلام امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ کے متعلق مستشرقین کی رائے جس کو نہایت اختصار سے ہم نے گزشتہ  
 سطور میں بیان کیا گیا ہے

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کے کئی پہلو ابھی رہ گئے جن کو بعض  
 حضرات نے اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے، اور بعض حضرات نے اس تنقید کو  
 تنقیص کے رنگ میں پیش کیا ہے، لہذا ان کی ذات پر مختلف حضرات کی طرف  
 سے جو اعتراضات کیے گئے ہیں آئندہ صفحات میں ان کے مفصل جوابات  
 دیے جا رہے ہیں۔

یہ بات اہل قلم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ  
 دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مظلوم ترین صحابی ہیں جن کے بہترین  
 اعمال پر تعصب اور ناہنجی کے پردے نہ صرف بیگانوں نے بلکہ اپنوں نے  
 بھی ڈال رکھے ہیں اور ان کی بے مثال فراست، انتظامی، صلاحیت اور  
 ان کے بے نظیر علم اور بردباری اور فیاضی کو کورپشن سے یک قلم  
 نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ دنیا کے اسلام کے بہترین مدبر اور  
 نہایت اعلیٰ منتظم تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور  
 اُس کی جھلکیاں آئندہ صفحات میں بھی آپ کو ملیں گی۔

اعتراضات

اور ان کے

جوابات



گذشتہ صفحات میں ہم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور درجنوں کتابوں کے سیکڑوں حوالجات سے دلائل سامعہ

اور براہین قاطعہ سے سیدنا معاویہؓ کی شخصیت کے طول و عرض کو واضح کیا ہے جس سے وہ شکوک و شبہات اذہان سے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں جن کو مدتوں کے پراسیگنڈے سے ذہنوں میں پیوست کیا گیا ہے اور سیدنا معاویہؓ کا کردار نکھر کر سامنے آ جاتا ہے اور تپ چلتا ہے کہ اس صحابیؓ رسول، مدبر اسلام اور نابغہ روزگار نے اسلام اور اہل اسلام کی وہ وہ قدرت جلیلہ سرانجام دیں کہ امت آج تک اُن کی زیر بار احسان ہے۔

آپ کی فتوحات، عسکری نظام، نظم، مملکت، معاشی اور اقتصادی اصلاحات تدبیر و سیاست، شجاعت و بہالت، جود و سخاوت، ظرافت و خطابت اور نظام عدل نے امت مسلمہ کو وہ وقت و ہمت بخشی کہ اُس کے بازو قوی، حوصلے بلند اور ارادے مضبوط ہو گئے۔ اُس میں سمندروں ایسا تہوج، طوفانوں ایسی شدت، پہاڑوں ایسی رنگینی، پھولوں ایسی حمک اور شبنم ایسی نمی پیدا ہو گئی۔ وہ جدھر بڑھ ہی فتح و کامرانی نے اُس کے قدم چومے تخت و تاج اُس سے پٹنے کیلئے دیوانہ وار دوڑے۔ وہ وقت کی معلم بنی اُس نے زمین کی لٹاؤں کو کھینچا اور اپنے حوصلوں اور بلند ارادوں کی کمند لے کر زمین کی وسعتوں کو سمیٹتی ہوئی ایک طرف قسطنطنیہ یعنی یورپ کے دروازوں تک جا پہنچی اور دوسری طرف براعظم افریقہ کو پھلانگی ہوئی اُس ساحل تک جا پہنچی جو بحیرہ روم جیسے بڑے سمندر سے وابستہ ہے۔ اُس نے دنیا کے صحراؤں کے سینے چیرے، اُس کے دریاؤں کا منہ موڑا وادیوں کو اپنے گھوڑوں کے پاؤں تلے روندنا، میدانوں پر چھائی اور وہاں کی کھوکھلی تہذیب

کے کھنڈروں کو مسمار کر کے اپنی زریں تہذیب کے جھنڈے گاڑے۔

آپ کی شخصیت اور کردار پر جو وہ سو سال کے معاندانہ پراسپیگنڈے کی وجہ سے شکوک و شبہات کی بود بیز تھیں دماغوں پر جمادی گئیں اُن کو آسانی سے کھرچا نہیں جا سکتا۔ جب تک کہ ایک ایک اعتراض اور شبہ پر تحقیق اور ریسرچ کا عمل جراحی نہ کیا جائے۔

پچنانچہ آئندہ صفحات میں آپ پر وارد شدہ اعتراضات و رد کہ مخالفین کے غلط پراسپیگنڈے سے بعض موافقین کے ذہنوں میں بھی گھر کٹے ہوئے ہیں کے نمبر وارجوایات دیئے گئے ہیں جس کے مطالعہ سے قارئین کرام کے ذہنوں سے وہ سارے اعتراضات اور شکوک و شبہات (انشاء اللہ تعالیٰ) اس طرح دھل جائیں گے جس طرح ایک چکنے پتھر سے موسلا دھار بارش کی وجہ سے گرد و غبار دھل جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کئی مقامات پر تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی

شخصیت اور کردار پر بحث کرنے سے پیشتر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخصیت کے کردار کو وہ زیر بحث لارہے ہیں وہ کوئی آبِ کل کے بادشاہوں کی طرح کی شخصیت نہیں بلکہ وہ ایک فقیہ صحابیؓ رسولؐ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱) ایک ہادی اور ہدایت یافتہ اور لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت کی شخصیت ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) ایک ایسے خلیفہ راشد کے بارہ میں وہ بحث کرتے ہیں جو کاتب وحی (ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۳۸) اور امین حق (البدایۃ النہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۷۰) جن کا علم تمام امت میں مشہور تھا (تطہیر الحقان صفحہ ۵۵) خلافت صدیقی، خلافت فاروقی اور خلافت عثمانی میں جنہیں با اعتماد سمجھ کر اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا یہاں تک کہ دمشق کا دالی اور گورنر بنا دیا گیا فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۸۲ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ البدایۃ النہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۷۷، ہسٹری آف عربز جلد ۱ صفحہ ۱۵۲ وہ ایک خلیفہ راشد تھے (شرح العقیدۃ الطحاویۃ صفحہ ۵۵۳) لہذا اُن پر اعتراضات کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ ہر خلیفہ پر بحث کی جاسکتی ہے اور اُن کی حکومتی کاروائیوں کو ہدف تنقید بنایا جاسکتا ہے لیکن خلیفہ راشد کسی قسم کی تنقید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ حدیث صحیح میں اُن کی سنت اور ان کے طریقے کی اتباع اور اطاعت کی خاص تاکید فرمائی گئی

ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، ابن ماجہ صفحہ ۱۵، ابوداؤد صفحہ ۲۷۹، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۹۵) مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۷، لیکن اس کے باوجود بھی قرآن و سنت اور تاریخ کی صحیح روایات کی روشنی میں ہم نے اُن سب اعتراضات کا جو اس صحابی جلیل کی شخصیت کو داغ دار بنانے کے لیے کئے جاتے ہیں، کافی دوقایع روایات دیئے ہیں اور موجودہ زمانے کے اُن نام نہاد مفکرین اور ادیبوں کے دلائل کے کھنڈرات کو بھی مسمار کیا ہے۔ جنہوں نے فتنہ مسابیت تجدید کے لیے نہ صرف سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر گند اُچھا لایا ہے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا عمرو ابن العاصؓ، سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور سیدنا مروانؓ کے متعلق بھی اپنے خبیث باطن کا اظہار کیا ہے۔ ان لوگوں کے دلائل دراصل مستقل دلائل نہیں بلکہ وہی چبائے ہوئے تھے ہیں جو آج سے ۱۲-۱۳ سو سال قبل عبداللہ بن سبا، یہودی اور اس کے ساتھیوں نے باہر پھینکے تھے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اب اُن کو جدید تکنیک اور نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ذوات مقدسہ کو طرح طرح کے اعتراضات سے مجروح کر نیا والے لوگ اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ قرآن و سنت کے اولین راویوں کو مجروح کر کے قرآن و سنت کے قطعی الثبوت اور متواتر ہونے سے انکار کر دانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو زرہ رازیؒ نے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی۔

اِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ احَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْه وَسَلَّمَ فَانْهَ ذُنْدِيقَ وَذَلِكَ اِنْ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَالْه وَسَلَّمَ عِنْدَنَا حَقٌّ وَالْقُرْآنُ حَقٌّ وَانَّمَا اَدَى اِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنُ وَالسَّنَنُ اَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَالْه وَسَلَّمَ وَاتِّمَائِرِ يَدِوْنَ اِنْ يَجْرَحُوا شَهُودَنَا يَبْطُلُوا الْكِتَابُ وَالسَّنَةُ وَالْجَرْحُ يَهْمُ اَوَّلِيَّ وَهَمْ زَنَا دَقَهُ -

جب تم کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی تہقیر کرنے دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے نزدیک برحق ہیں، قرآن حکیم حق ہے اور یہ قرآن حکیم اور سنت ہم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ ہی نے پہنچائی ہے (جو لوگ صحابہ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ خود اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر جرح کی جائے۔ اور وہ زندیق ہیں۔ (کفایہ ص ۴۹)

یہی وجہ ہے کہ محدثین صحابہؓ کے بارہ میں کسی ایسی روایت کو قبول نہیں کرتے جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو۔ اس بارہ میں جس قدر روایات حدیث یا تاریخ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کے سلسلہ اسناد میں کوئی نہ کوئی رافضی اور سبائی ضرور ہوگا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ایسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں۔

”جو روایات صحابہ کرامؓ کے عیوب و مثالب کے متعلق مروی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جو سراپا کذب اور تحریف شدہ ہیں جن میں ایسی کمی بیشی ہوگئی ہے جن سے مذمت اور طعن کا پہلو نکلتا ہے۔ اکثر وہ روایات جن میں صحابہ کرامؓ کے بارہ میں صریح مطاعن کا ذکر ہے، اسی قبیل سے ہیں جنہیں ایسے کذاب راوی بیان کرتے ہیں جن کی کذب بیانی مشہور ہے جیسے ابو مخنف، لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب، الکلبی اور ان جیسے اور کئی کذاب راوی۔ اسی لیے اس رافضی نے ایسی روایتوں سے استشہاد کیا ہے جیسے ہشام کلبی نے جمع کیا ہے جب کہ دروغ گوئی اور کذب بیانی میں وہ سب سے بڑھ کر ہے اس کے علاوہ شیعہ ہے۔ نیز وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور اس کا باپ ابو مخنف سے بیان کرتا ہے اور یہ دونوں کذاب اور متروک ہیں۔ امام احمد اس کلبی کے بارہ میں فرماتے ہیں میں یہ

سوج بھی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اس سے روایت کرے گا کیونکہ وہ تو ایک نساب اور قصہ گو ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ ہشام بکلی پر قصہ گوئی غالب ہے۔ ابن اس کی کوئی مسند روایت نہیں جانتا اور اس کا یاب بھی کذاب اور دروغ گو ہے۔ زائدہ، لیث اور یلمان تبی کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔ امام یحییٰ فرماتے ہیں ”کوئی شی نہیں، کذاب اور پایہ اعتبار سے گرا ہوا ہے۔“ امام ابن حبان فرماتے ہیں ”اس کا کذب اس قدر نمایاں ہے کہ اس کے اوصاف معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔“ (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۹)

شیخ الاسلام اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر روایات کی صحت اور ضعف کے بارہ میں بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

الولعیر نے اپنی کتاب ”الحلیۃ“ میں ابو یکرہ، عمر بن عثمان اور علیؓ کے مناقب فضائل پر کئی احادیث ذکر کی ہیں جن میں بعض صحیح، بعض ضعیف بلکہ منکر ہیں۔ اگرچہ نعیم خود علم حدیث میں ہمارے تامل رکھتا ہے لیکن اس کا اور ان جیسے کئی اور مصنفین کی تالیفات کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ایک عنوان پر ہر قسم کی روایات جمع کر دیتے ہیں جیسے ایک مفسر تفسیر میں، ایک فقیہ فقہ میں اور ایک مصنف اور مؤلف اپنی تصنیف اور تالیف میں تمام آراء، اقوال اور دلائل نقل کر دیتے ہیں تاکہ قارئین پر تمام پہلو واضح اور منکشف ہو جائیں اگرچہ یہ لوگ اپنی مذکورہ چیزوں میں سے بیشتر چیزوں کی صحت کا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ اس کے ضعف کے معترف ہوتے ہیں، کیونکہ وہ کہتے ہیں ہمالیہ کا نام تو صرف روایات نقل کرنا ہے۔ اس کے غلط اور صحیح کی تمام تر ذمہ داری قائل پر ہے نہ کہ ناقل پر یہی حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے عبادات کے فضائل کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جو بہت سی ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کے موضوع اور جعلی ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اسی طرح وہ لوگ

جنہوں نے تاریخ کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جیسے ابن عساکر وغیرہ  
 اُن کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ جب وہ خلفائے اربعہ، دوسرے خلفاء کے  
 حالات قلم بند کرتے ہیں تو ہر طرح کی روایات نقل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح  
 جب وہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں تو ایسی  
 ایسی روایات کو بھی نقل کر دیتے ہیں جن کا جھوٹا اور غلط ہونا اہل علم پر  
 ظاہر ہوتا ہے۔

”پس جو شخص ذرا بھی عدل و انصاف سے کام لے گا وہ سمجھ لے گا کہ  
 روایات میں صدق و کذب ہر طرح کا مواد پایا جاتا ہے اور لوگوں نے  
 مثالب و مناقب اور محاسن و نقائص میں دروغ گوئی اور کذب بیانی  
 سے کام لیا ہے اور حمایت و مخالفت اور حب و بغض میں کوئی اجتناب نہیں  
 کیا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے  
 فضائل و مناقب میں ایسی ہی کذب بیانیاں کی ہیں جیسے سیدنا علیؑ کے فضائل  
 و مناقب میں جھوٹ تراشے ہیں چنانچہ بنیادی شی ہر طرح کی روایات کے  
 نقل کرنے میں یہ ہے کہ ناقل (روایت کے نقل کرنے والے) علماء کی طرف  
 رجوع کیا جائے اور روایت کے صحیح اور ضعیف ہونے کا پتہ لگایا جائے  
 کسی شخص کا صرف یہ دعویٰ کہ دنیا کی اس روایت کو فلاں (محدث اور ثوریخ)  
 نے نقل کیا ہے نہ ہی اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حجت ہے  
 اور نہ ہی شیعہ کے نزدیک۔ اہل اسلام میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو  
 ہر مصنف کی نقل کردہ ہر روایت کو قابل حجت سمجھ لے۔ اس کے لیے ہر  
 وہ روایت جس سے کوئی شخص احتجاج کرے، سب سے پہلے ہم اُس سے  
 اس کی صحت کا مطالبہ کریں گے۔ محض کسی روایت کا اس کے ناقل کی طرف  
 منسوب کر کے یہ کہہ دینا کہ یہ ثعلبی وغیرہ کی روایت ہے تمام اہل علم کے نزدیک  
 بالاتفاق روایت کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔“ منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱۲۱

صحابہ کرامؓ کے بارہ میں روایات کا صحیح اور غلط ہونا کسی کے نقل کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اُن کے راویوں پر موقوف ہے۔ اگر راوی ثقہ ہیں اور روایت اُصول درایت کے مطابق ہے تو قابل احتجاج ہے خواہ کوئی مؤلف اُسے اپنی کتاب میں درج کر دے لیکن اگر کسی روایت کے راوی غیر ثقہ بلکہ کذاب اور دروغ گو ہیں یا وہ روایت اُصول درایت کے خلاف ہے تو وہ حجت نہیں خواہ اُس کو کتنے ہی بڑے محدث، مفسر اور مؤرخ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہو چنانچہ علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والواجب ایضاً علی کل من سمع شیئاً من ذلك ان یشیت فیہ ولا ینسب الی احد منهم بسجود رؤیتہ فی کتاب او سماعہ من شخص بل لا بد ان یمیث عنہ حتی یصح عندہ نسبة الی احدہم فحینئذ الواجب ان یلمس لہم احسن التاویلات واصوب المغارج اذہم اہل لذلك کما ہو شہور ہم فی مناقبہم ومعدود فی ماثرہم۔

جو شخص صحابہ کرامؓ کے بارہ میں کوئی بات سُنے اُس پر واجب ہے کہ وہ پہلے اُس کی تحقیق وجستجو کرے وہ صرف کسی کتاب میں اُس روایت کو دیکھ لینے یا کسی شخص سے سُن لینے پر ہی اُس کی نسبت اُس کی طرف نہ کر دے بلکہ اُس پر ضروری ہے کہ وہ اُس کے بارہ میں پوری تحقیق وجستجو کرے تاکہ اس کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو۔ اُس وقت اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اُس کی اچھی سی تاویل کرے اور اس کا کوئی اچھا سا محل اور مخرج تلاش کرے کیونکہ صحابہ کرامؓ اپنے مناقب و ماثر کی وجہ سے اس چیز کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (الصواعق المحرقة صفحہ ۱۰۷)

وجہ اس کی صاف ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مناقب و ماثر اور فضائل و محاسن قرآن مجید سے تو ان کے ساتھ منقول ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات کی ایک کثیر تعداد اور بے شمار احادیث نبویہ صحابہ کرامؓ کی من حیث الطبقة تقدیس بیان کرتی ہیں اور اُن کو بارگاہ

خداوندی سے رضا کا مترغیٹ ملا ہوا ہے۔ اس لیے اُن کے خلاف اگر خبر واحد سے اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، کوئی چیز ثابت ہو تو وہ قابل قبول نہ ہوگی بلکہ قابل رد یا قابل تاویل ہوگی چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

قال العلماء الأحادیث الواثقة التي في ظاهرها دخل على صحابي يجب تأويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات إلا ما يمكنه تأويله۔

علامہ کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اُس کی تاویل واجب اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔

(نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸)

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ محدثین اور مؤرخین نے ان کتاب اور دروغ گو راویوں کی ایسی غلط اور غیر صحیح روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیوں کر دیا؟ یہ اعتراض اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔ ان کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہماری کتابیں اُن لوگوں کے ہتھے چڑھیں گی جو صحیح ضعیف اور موضوع کے درمیان کوئی فرق نہیں کریں گے اور ضعیف روایات سے بجائے استشہاد کرنے کے اُن پر اعتماد کر کے متواترات کی تردید کرنی شروع کر دیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل جا معین تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر قسم کی روایات جمع کر دیں اور اُن کی اسناد بھی ذکر کر کے معاملہ قارئین پر چھوڑ دیا تاکہ وہ صحیح، ضعیف اور موضوع روایات کے درمیان فرق کر سکیں۔ اور ضعیف روایات اگر صحیح روایات کی تائید کرتی ہوں تو اُن سے استشہاد کریں تاکہ صحیح روایات کی صحت اور پختہ اور مضبوط ہو۔ وہ لوگ روایات کو مع سند نقل کر کے اُس کی ذمہ داری سے بھر دے برآہو گئے (ملاحظہ ہو لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۷۵) ہاں جن لوگوں نے روایات کے ساتھ سند کو ذکر نہیں کیا محققین نے ان پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ بغیر سند کے روایت کے



صحیح اور غلط ہونے کا پتہ نہیں لگایا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں:-

پہلے محدثین کی طرح جن لوگوں نے روایات کو سند کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اُن کا عذر معقول ہے، کیونکہ انہوں نے سند بیان کر کے روایت کیے نقد و تحقیق کے لیے سہولت فراہم کر دی ہے۔ اگرچہ بہتر صورت یہ تھی کہ اُن روایتوں پر وہ خود تنقید کرتے اور ان کے بارہ میں سکوت اختیار کرتے لیکن جن حضرات نے سند کا اہتمام نہیں کیا اور سند کے ہی صیغہ جزم کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اُنہوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔“ (تدریب الراوی صفحہ ۱۸۹)

بات دراصل یہ ہے محدثین، مؤرخین اور جلیل القدر آئمہ نے کتاب، دروغ گو

۱۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔  
استاد بھی دین کا ایک حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا۔  
(مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲)

یہ اسناد کا معاملہ فتنے کے بعد اور زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ کیونکہ وقوع فتنہ سے قبل روایات کے معاملہ میں کذب بیانی سے کام نہیں لیتے تھے، لیکن بعد میں بعض لوگ صرف اسی کام میں لگ گئے کہ اپنے اپنے سیاسی مسلک کی تائید میں مختلف احادیث اور روایات وضع کرنے لگے۔ چنانچہ امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں۔

لعلیکونوا یسألون عن الاسناد حتی وقعت الفتنۃ نظر وامن کات  
من اهل السنة اخذ واحد یشہ وامن کان من اهل البیع ترکوا حدیثہ۔

فتنہ سے قبل لوگ روایات کی اسناد کے بارہ میں نہیں پوچھا کرتے تھے، لیکن جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو لوگوں نے ہر روایت میں غور و خوض کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہل سنت کو روایات کو لے لیا جاتا۔ اور اہل بدعت کی روایات کو چھوڑ دیا جاتا۔ (لسان المیزان لابن حجر جلد ۱ صفحہ ۷)

مہتمم، متروک، ضعیف اور راویوں کی روایت کو، جو ذرا بھی قابل احتجاج نہیں اپنی کتابوں میں کیوں ذکر کیا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً! محدثین اور مؤرخین نے ایسے لوگوں کی روایات کو اپنی کتابوں میں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ ان کا ضعیف اور کمزور ہونا عیاں ہو جائے اور ان محدثین پر اور دوسرے لوگوں پر ان کے بارہ میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے کیونکہ اگر ان کے بارہ میں صرف اسماء الرجال کی کتابوں ہی میں لکھ دیا جاتا کہ فلاں راوی متروک ہے یا فلاں راوی کذاب ہے تو شاید کوئی اعتبار نہ کرتا لہذا انہوں نے ان کی روایات کو بھی بطور شہادت کتابوں میں نقل کر دیا اور بتا دیا کہ یہ لوگ اس قدر دیدہ دلبری سے جھوٹ بولنے والے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ذوات مقتدرہ کے بارہ میں بھی کذب بیانی سے نہ شرمائے۔

ثانیاً! دوسری وجہ ان ضعیف روایات کے ذکر کی یہ ہے کہ ان سے صحیح روایات کے بارہ میں استشہاد کیا جائے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً! متروک اور مہتمم راویوں کی صحیح اور غلط روایات کو کتابوں میں نقل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل علم حضرات خود ان روایات کے درمیان تمیز (Differentiate) کر سکیں کیونکہ اس سے علم میں پختگی اور تحقیق و تبصّر کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

رابعاً! محدثین کرام ضعیف اور مہتمم راویوں کی روایات بعض فضائل اعمال قصص اور ترغیب و ترہیب کے مسائل میں لے آتے ہیں لیکن عقائد

---

لے یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ صحابہ کرامؓ کی عدالت، ثقاہت اور کبارت سے اجتہاد کا مسئلہ تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ خاص عقائد کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت سے ان کی عدالت اور حق تعالیٰ سے ان کے راضی ہونے اور کبارت سے اجتہاد اور دین اسلام سے ان کی دلالت، محبت، کفر، فسوق اور عصیان

حلال و حرام اور دیگر احکامی مسائل میں وہ روایات بالکل قابل احتجاج نہیں ہوتیں۔ (مختصاً صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۱)

وہ کچھ بھی جو صحیح روایت صحیح ہی ہے خواہ کسی کتاب میں ہو اور غلط بہر صورت غلط ہے خواہ بڑے سے بڑا محدث اور مؤرخ اُسے اپنی کتاب میں نقل کر دے۔ لہذا دشمنان صحابہؓ اور جاہل مفکرین اسلام کا یہ مقالہ (Fallacy) کہ ان روایتوں کو فلاں فلاں جلیل القدر ائمہ نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم ان ائمہ کی نقل کردہ روایات کو ان اصولوں پر پرکھیں گے جن کو محدثین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اُس کا ایک اجمالی خاکہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۳-۲۴ پر بیان کیا ہے۔ حدیث ہو یا تاریخ اس کی روایات وہی قابل قبول ہوں گی جو اس معیار پر پوری آئیں گی، لیکن احادیث میں ایسی روایات کی کثرت ہے جو صحیح ہیں، کیونکہ حدیث میں عقائد، حلال و حرام کے مسائل اور دین کے احکام بیان ہوئے ہیں، لیکن تاریخ میں انفرادی

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے ان کی نفرت کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک عقیدہ بن گیا، لہذا جب احکام شریعت کا استنباط مجروح روایات سے نہیں ہو سکتا تو عقائد کے مسائل کیلئے صحیح خبر واحد بھی نہیں، بلکہ ان کے لیے خبر مستفیض یا متواتر کی ضرورت ہے۔ لہذا تاریخ کی ان مجروح روایات کو مندرجہ بالا صحابہ کرامؓ کے خلاف غلط اسطر اعتراضات کرنا شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔ جس روایات سے کسی صحابیؓ رسولؐ کے متعلق گناہ کبیرہ کا الزام ثابت ہوتا ہے یا اس کی عدالت مجروح ہوتی ہے، ہم پہلے اُس روایت کے راویوں کی شخصیت اور عقائد پر عمل جراح کریں گے کہ وہ کیسے تھے؟ کون تھے؟ اور کن حالات میں انہوں نے ایسی روایت کی؟ صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں محدث یا مؤرخ نے اس آیت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اس روایت کے صحیح یا اُس کے راویوں کی ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ ہمارے ہاں اردو میں کتابیں لکھنے والے مؤرخین نے ان اصولوں کا کوئی اہتمام نہیں کیا اس وجہ سے صحابہؓ کے بارہ میں ایسی روایات نقل در نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

بیشتر ضعیف موضوع، منکر اور باطل روایات ہیں، کیونکہ وہ فضائل اور قصص پر مبنی ہیں اور ان کے بارہ میں محدثین اور مؤرخین نے تساہل سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام احمدؒ فرماتے ہیں:-

اذا روينا في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا -

جب ہم حلال و حرام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل و مناقب اور ان جیسے دوسرے امور کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی اور تساہل سے کام لیتے ہیں۔ (کفایہ صفحہ ۱۳۴)

امام بیہقی نے ”المدخل“ میں اس بارہ میں ابن ہمدی کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:-  
اذا روينا عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم في الحلال والحرام والاحكام شددنا في الاسانيد وانتقدنا في الرجال واذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب تساهلنا في الاسانيد وتسامحنا في الرجال -

جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حلال و حرام اور دین کے احکام کے بارہ میں روایت کرتے ہیں فی حدیث کی سند میں تشدد کرتے ہیں اور روایان حدیث کے بارہ میں نقد و جرح کرتے ہیں۔ اور جب فضائل اور ثواب و عقاب کے بارہ میں روایت کرتے ہیں تو سند میں تساہل برتتے ہیں اور راویوں کے بارہ میں تسامح (یعنی ان کے بہت سے نقائص سے صرف نظر کرتے ہیں) سے کام لیتے ہیں۔ (المدخل صفحہ ۱۲۵)

اسی وجہ سے مودودی صاحب تاریخ کی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:-  
”تاریخ کے معاملہ میں اگر کوئی شخص روایات کے ثبوت کے لیے وہ شرائط لگائے جو احکام شرعی کے معاملہ میں محدثین نے لگائے ہیں تو اسلامی تاریخ ۹۰ فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حصہ دریا برد کر دینا ہوگا۔“

(خلافت و ملوکیت صفحہ ۷۰-۷۱ حاشیہ)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات غلط اور سراسر جھوٹ ہیں جن کو بعض دشمنان صحابہؓ بنیاد بنا کر اپنا خبیث باطن اُگلے رہتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی ذوات کو ہدف تنقید بناتے اور اُن پر گند اُچھالتے رہتے ہیں، لیکن تاریخ میں صحیح روایات بھی ہیں جو قرآن و سنت کی متواتر اور صحیح روایات کے عین مطابق ہیں۔

جب تاریخ میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم اُن روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو اُن (صحابہؓ) کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اُس کی ضد نظر آتی ہیں۔ (علاقات و ملوکیت صفحہ ۳۴۷-۳۴۸)

جب تاریخ میں صحیح اور پاکیزہ روایات بھی ہیں تو موجودہ زمانے کے نام نہاد مفکر اور مؤرخ صرف ایسے مواد کو جمع کرنے کی کاوش کیوں کرتے ہیں جن سے جلیل القدر صحابہؓ کی تنقید ہو۔ آخر یہ مطالعہ تاریخ کا کون سا انداز ہے کہ غلاطی پسند مٹھی کی طرح صرف انہیں گندے چھینٹوں پر آدمی کی نظر پڑے جو کسی مفتری نے ہمارے پاکیزہ فضائل اسلاف کے دامن پر اڑائے ہیں۔ ایسی روایات اس قابل ہی نہیں کہ آدمی ان کی طرف توجہ کر سکے۔ اس بارہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بعض مؤلفین کی تالیفات پر بحث فرماتے ہوئے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی ہے :-

”ان حضرات کی نقل کردہ روایات تاریخ و سیر کی روایات کی قبیل سے ہیں جن میں مُرسل، مقطوع، صحیح اور ضعیف و سقیم ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو صحابہ کرامؓ کے مناقب فضائل جو کتاب اللہ سنت رسول اللہؐ اور نقل متواتر سے ثابت ہیں، اُن کا رد ایسی روایات سے کسی صورت نہیں ہو سکتا جن میں بعض منقطع، بعض تحریف شدہ اور بعض ایسی ہیں جن سے یقینی اور قطعی چیزوں پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہو سکتا اور یہاں یقین ان چیزوں پر ہے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع امت سے ثابت ہیں

علاوہ ازیں منقولات متواترہ کی تائید دلائل عقلیہ سے  
اس طرح بھی ہوتی ہے کہ صحابہؓ انبیاء علیہم السلام کے  
بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں لہذا مشکوک روایات سے  
اُن کی ذواتِ مقدّسہ کو مجروح نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ  
اُن روایات سے اُن کی ذات پر جرح و قدح کی جائے  
جن کا باطل ہونا صریح اور واضح ہے۔

منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۳۰۷

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں ۔  
”کسی شخص کے لیے معمولی اور فروعی مسائل میں بھی کسی حدیث  
سے استدلال اس وقت نہ صحیح ہے اور نہ جائز جب تک  
کہ وہ اُس حدیث کو پہلے صحیح ثابت نہ کرے لہذا یہ  
کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ اُن اصولی اور بنیادی  
مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور اللہ  
کے اولیاء و مقربین کے سردار (صحابہ کرامؓ) کی ذوات پر حرف  
اور الزام آتا ہو ایسی روایات کو حجت کے طور پر پیش  
کرنا درست ہو جن کا صحیح ہونا معلوم ہی نہ ہو (یا وہ  
کذاب متہم اور منکر راویوں سے مروی ہوں)۔

(منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۸)

بہر حال ہم نے اس کتاب میں قرآن و سنت اور روایات متواترہ اور  
آثارِ صحیحہ سے بحث کی ہے (اور اگر کہیں کوئی ضعیف روایت پیش کی ہے تو

استشہاد کے طور پر کی ہے نہ کہ اعتماد اور استدلال کے طور پر، اور اُن تمام معترضین کے اعتراضات کے عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ایسے جوابات دیتے ہیں جن سے کسی صحابی رسول کا دامن داغدار نظر نہیں آتا، بلکہ قارئین کرام کے اذہان و قلوب میں ان ذواتِ جلیلہ کی عزت اور احترام پیدا ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ یہ لوگ بہر حال واجب الاحترام ہیں کیونکہ صحابی رسول ہونا ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اور ان کے بعد آنے والے لوگ اس اعزاز کو کسی صورت حاصل نہیں کر سکتے۔

سیدنا معاویہؓ پر جن معترضین نے اعتراضات کیے ہیں اُن کے ترتیب وار جوابات دیے جاتے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر اعتراضات ایک ایسے شخص نے کیئے ہیں جن کو ان کی جماعت "مفکر اسلام" کے نام سے یاد کرتی ہے لیکن اُن کے اعتراضات کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فکر تولید اور پراگندہ ہے اور وہ صحابی رسول کے صحیح مقام سے نا آشنا ہیں۔ اور وہی پرلئے اعتراضات دہرائے ہیں جو پرانے زمانے سے ان کے مخالفین نے، ان پر کرتے چلے آ رہے ہیں۔

①

## گورنروں کی بالادستی

سید نامہ معاویہؓ کے متعلق ان کے معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

اس سلسلہ میں سید نامہ معاویہؓ کے مخالفین مختلف کتابوں سے چند روایات پیش کرتے ہیں جن سے اکثر و بیشتر ابوحنیفہؒ، لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی اور سیف بن عمرو دشمنانِ صحابہؓ سے مروی ہیں جن کی ساری زندگی کا مشن ہی یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف غلط اور خلاف واقعات روایات وضع کر کے اُمت میں اُن کے خلاف بدعتِ بداعتقاد کے جذبات پیدا کئے جائیں اور جب قرآن و سنت کے ان اولین راویوں کے خلاف بداعتقاد پیدا ہو جائے گی تو پھر قرآن و سنت کی حیثیت بھی اتنی قطعی اور یقینی نہ رہے گی جس قدر کہ ہوتی چلیے۔ یہ فتنہ اور یہ سازش ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کی گئی جس کی تفصیل ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں بیان کر دی ہے۔

سید نامہ معاویہؓ عام دنیا دار بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہ تھے بلکہ وہ ایک خلیفہ راشد تھے علوم نبوت کے حامل تھے، کاتبِ وحی تھے اور سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کے با اعتماد ساتھی تھے۔ عہدِ رسالت اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں ایک اہم مقام کے حامل تھے، جناب رسالت مآب نے انہیں امین، محمدی اور مادی وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۰-۱۲۱) اور آپ کے متعلق ”واہدہ“ ذریعہ ہدایت بنلے کی دُعا بھی فرمائی تھی (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)



ایک حدیث میں آپ کی یہ دعا بھی ان کے متعلق منقول ہے۔

اللَّهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶، اصابع جلد ۴ صفحہ ۳۸۱، کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۸۷، البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۴ صفحہ ۳۷۸، علامہ ابن کثیرؒ نے یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے ۷۔

اللهم علمه الكتاب ومكن له في البلاد وقه العذاب۔

اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب کا علم سکھا اور اس کو شہروں میں حکومت عطا

فرما، اور اس کو عذاب سے محفوظ فرما۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۳۵۶،

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۱، النجوم الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۳۴)

ایک روایت میں جس کو علامہ ذہبیؒ نے نقل فرمایا ہے یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہوئے اور سیدنا معاویہؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، تھوڑی دیر کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:-

اے معاویہؓ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ لگ رہا ہے

اتہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا پیٹ آپ کے جسم اطہر کے ساتھ لگا

ہوا ہے میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

اللَّهُمَّ امْلأه علماً۔

اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۱۹)

انہیں نبویوں کی وجہ سے آپ کو یار گاہ رسالت سے کتابت وحی کا منصب

جلیلہ عطا ہوا تھا۔ صحیح مسلم مصری جلد ۲ صفحہ ۲۶۴، مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۶۰-۶۱، تفسیر

ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۵، دول الاسلام جلد ۱ صفحہ ۲۰، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۴،

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۱۸، تقریب التہذیب صفحہ ۲۵۷، ابن ابی الحدید جلد ۱ صفحہ ۳۳۸  
بلکہ بقول ابن حرم اندلسی :-

»نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین وحی میں سب سے زیادہ سیدنا زید بن  
ثابتؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ  
سیدنا معاویہؓ کا تھا۔ یہ دونوں بزرگ رات دن آپ کے ساتھ لگے رہتے  
اور اس کے سوا کوئی اور کام نہ کرتے تھے۔

(جوامع السیرۃ صفحہ ۲۷، تاریخ التشریح الاسلامی صفحہ ۱۲)  
پھر صرف آپ وحی کی کتابت فرماتے بلکہ آپ کے دربار سے جو فرامین اور خطوط  
وغیرہ جاری ہوتے، انہیں بھی آپ کا قلم حقیقت رقم تحریر کرتا۔

(الاستیعاب صفحہ ۳۲۵، النجۃ الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵)  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکرؓ نے آپ کی فراست  
دیانت، ذہانت، ذکاوت اور تدبیر پر مکمل اعتماد کیا اور آپ کو شام بھیجے جانیوالے لشکر  
کے ہر اہل دستے کا علم بردار مقرر فرمایا جب کہ اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار آپ کے  
برادر بزرگ سیدنا زید بن ابی سفیانؓ تھے۔ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۱۴۷)  
فتوح البلدان صفحہ ۴۸، تاریخ الخلفاء جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، حیوۃ الجوان جلد ۱ صفحہ ۱۷،  
العواصم من العواصم صفحہ ۸۱، ہسٹری آف عربز ہٹی صفحہ ۴۸۸) خلافت فاروقی میں بھی  
آپ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ۸۰ھ میں عمواس کے طاعون میں آپ کے بھائی  
زیدؓ کے انتقال کے بعد سیدنا عمرؓ نے آپ کو دمشق کا گورنر مقرر فرما دیا (البلدین والبلدان  
جلد ۸ صفحہ ۱۲، ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹، الاستیعاب جلد ۱  
صفحہ ۲۱۶) اس زمانہ میں آپ نے مختلف جہات بھی سرکیں، چنانچہ بعض روایات  
میں ہے کہ قیساریہ کے معرکے پر سیدنا عمرؓ نے انہیں مقرر فرمایا تھا اور ان کو لکھا۔

انی قد ولیتک قیساریہ فسر الیہا واستغفر واللہ واكثر  
من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ -

میں تمہیں قیساریہ کی مہم پر امیر مقرر کرتا ہوں۔ تم وہاں جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھا کرو۔

(خط الشام جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

سیدنا عمر القاروقیؓ جو اپنے گورنروں سے معمولی معمولی باتوں پر بھی احتساب فرماتے تھے اور ان کے احتساب سے نہ تو فاتح ایران سعد بن ابی وقاصؓ بچے اور نہ فاتح مصر عمرو بن العاصؓ اور نہ ہی گورنر مصر سیدنا عیاض بن غنمؓ اور نہ ہی سیدنا ابی بن کعبؓ محفوظ رہے لیکن سیدنا معاویہؓ سے آپ نے کبھی بھی مواخذہ نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے ہمیشہ ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائص جلیلہ کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ محمد حنین بیگل نے ایک روایت نقل کی ہے کہ شام سے واپسی پر جابیہ کے مقام پر سیدنا عمرؓ نے سیدنا شمر جلیل بن حسنہؓ کو معزول فرما کر ان کی جگہ سیدنا معاویہؓ کو گورنر مقرر فرمایا جب امیر المومنینؓ سے سیدنا شمر جلیل بن حسنہؓ کی وجہ معزولی دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

”میں نے کسی ناراضگی کی وجہ سے انہیں معزول نہیں کیا بلکہ اس لیے معزول کیا ہے کہ یہاں ایک مضبوط سیاسی گورنر کی ضرورت تھی“ (الفاروق جلد ۱ ص ۲۹۸)

آپ نے ان کی تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۶۲)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سیدنا معاویہؓ کی قابلیت، ذہانت اور علمی اور فکری خوبیوں سے کس قدر متاثر تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

”جب معاویہؓ جیسا عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کی زیر کی کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے“

(طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۴، ابن اثیر ص ۲۶۳)

ایک مرتبہ آپ کے سامنے سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں کچھ تاریبا الفاظ کہے گئے آپ نے فرمایا۔

دعونا عن ذم فتی قریش من یضحک فی الغضب ولا یتال ما عندہ علی الرضی ولا یؤخذ ما فوق راسہ من تحت قدھیہ۔

قریش کے اس نوجوان کی بُرائی سے ہیں معاف رکھو۔ یہ نوجوان ایسا ہے جو غصہ میں بھی ہنستا ہے اور سوائے اس کی رضا کے اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے سر پہ ہو وہ صرف اس کے قدموں کے نیچے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۷۵، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴) اسی طرح ایک سیاسی گفتگو کے دوران فاروق اعظمؓ نے ایک شخص سے سیدنا معاویہؓ کی اصابتِ رائے کی تعریف فرمائی اور لوگوں کو تفرقہ و انتشار سے منع فرمایا۔

(الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۴، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲۴)

سیدنا معاویہؓ صرف ذہانت و طنائت اور تفکر و تدبیر ہی میں نابالغہ روزگار نہ تھے بلکہ تقویٰ و طہارت، اتباعِ سنت اور علم و عرفان میں بھی ایک نہایت بلند مقام رکھتے تھے وہ صرف خود ہی سنتِ نبویؐ کے عاشق و شیدائے تھے بلکہ اس معاملہ میں دوسروں کے لیے بھی روشنی کا مینار تھے۔ اسی لیے سیدنا ابوالدرداءؓ اہل شام سے فرمایا کرتے تھے:-

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا شَبِهَ صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا مَكَّمْ هَذَا يَعْنِي مُعَاوِيَةَ -

میں نے تمہارے اس امام یعنی معاویہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز سے زیادہ متشابہ ہو۔

(منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵)

سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو فقہی بھی فرمایا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳، حجة الاسلام جلد ۱ ص ۱۶۵)

بخاری ہی کی ایک اور حدیث میں سیدنا ابن عباسؓ سے ایک فقہی مسئلہ (ایک

رکعت و زپر پڑھنے کے جواب میں) یہ جواب منقول ہے:-

إِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ -

معاویہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے۔ یعنی وہ آپ

کے صحابی ہیں۔

اس لیے تمہارا اعراض اُن پر نہیں ہو سکتا، گویا حضور کی صحابیت ایک بہت بڑا شرف ہے۔

پھر سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں تو آپ کے وہ مخفی جو سر کھلے جو قدرت نے ان میں دو بیت فرمائے تھے، اس دور میں آپ نے طرابلس الشام کو فتح کیا، عموریہ پر فوج کشی کی، ملیطہ پر قبضہ کیا، ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب دورونی قلعے فتح کئے پھر سترہ مہینے قبرص (Cyprus) پر فوج کشی کر کے اُس کو اسلامی مملکت کے نمائندہ محروسہ میں شامل کر لیا۔ (ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۷) اسلامی بحریہ کی تشکیل کی اور ایک بہت بڑا بحری بیڑا قائم کیا جس کی وجہ سے بحرِ روم مسلمانوں کا باریگاہ بن گیا (فتوح البلدان صفحہ ۱۶۸) اور مسلمانوں کے لیے افریقہ اور اسپین وغیرہ کی بحری جہموں کا راستہ کھل گیا۔

اس ساری تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جس کے دل میں اسلام کی اس قدر محبت اور عظمت ہو جو اپنی جان تک اسلام کی راہ میں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو جو ہر وقت احلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرتا ہو جس کے باپ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنی دونوں آنکھیں قربان کر دی ہوں (الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۷۱) کیا کوئی دماغ یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھائے یا شریعت اسلامیہ کی حدود و ثغور کو پامال کرے یا اسلام کے ان ضابطوں کو توڑے جن کی پابندی اسلام نے ضروری قرار دی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ دشمنانِ صحابہؓ نے ان کے خلاف پراپیگنڈے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس پراپیگنڈے سے ان کا مقصد نہ صرف سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنا ہے بلکہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو بھی اپنے اعتراضات کا ہدف بنانا ہے جنہوں نے ان کو ایسی ذمہ دار جگہوں پر متعین فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا زبیر بن نافع فرمایا کرتے تھے۔

معاویۃ ستر کلا صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف  
الرجل الستلا جتر اعلی وداکا۔

سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کا ایک پردہ ہیں، جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر لوگوں کی جڑ تہیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی جلد ۱ ص ۲۰۹)

مطلب یہ ہے کہ حیب کوئی ان کی ذات میں کیڑے نکالتے شروع کر دے گا تو پھر اس شخص کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی صحابیؓ یہاں تک کہ خلفائے اربعہؓ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کہ وہ آج سیدنا معاویہؓ پر زبان طعن دراز کرتا ہے اُس کی زبان سے ابو بکرؓ، صدیق، عمر فاروقؓ، عثمانؓ دو انورینؓ اور علی المرتضیٰؓ بھی نہیں بچتے، اوروہ اُن پر بھی اُسی دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراضات کی بوچھاڑ کرتا ہے جس سے دیدہ دلیری سے وہ سیدنا معاویہؓ کو ہدف طعن بناتا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین اور دیگر علمائے امت نے بڑی تحقیق و جستجو کے بعد یہ لکھا ہے کہ :-

ومن ذلک احادیث فی ذم معاویہ وعمر بن العاص وذم بنی اُمیہ ومدح المنصور والسفاح وکذا اذم یزید والولید و مروان بن الحکم۔

اور انہی موضوعات میں سے وہ احادیث بھی ہیں جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو اُمیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں مروی ہیں (الموضوعات الکبیر ص ۶۱۶-۶۱۷)

نہ صرف سیدنا معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ ہی کی مذمت والی احادیث موضوع ہیں بلکہ وہ سب روایات بھی سراپا کذب ہیں جن میں صحابہ کرامؓ کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

”اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی مذمت اور برائیاں معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے کچھ تو سراپا جھوٹ ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن میں کمی بیشی کر دی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے صحابہؓ کے پاکیزہ دامن کو داغدار کیا جائے (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۹)

سیدنا معاویہؓ اسی علوم و تربیت اور عظمت شان کی وجہ سے متقدمین اہل سنت کا عقیدہ یہ تھا کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے حق پر اور سیدنا معاویہؓ کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے وہ مشرک ہے۔ جیسا کہ حاکم ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-  
 فالشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان  
 وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطی مع تقدیم  
 الشیخین و تفضیلہما۔

متقدمین کے عرف میں سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کی فضیلت اور سیدنا  
 جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق و صواب پر ہونے اور آپ کے مخالف سیدنا  
 معاویہؓ و دیگر صحابہؓ کے خطا کار ہونے کا اعتقاد "شیع" کہلاتا تھا باوجود اس  
 کے وہ حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو مقدم اور افضل سمجھے)  
 (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۹۹، انھا السنن مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ص ۵۹)  
 یہ درست ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ہم معصوم نہیں سمجھتے، لیکن وہ ایسے بھی نہیں تھے کہ عام  
 لوگوں کی طرح گناہوں میں غلطان رہیں اور شریعت اسلامیہ جس کی اشاعت و ترویج میں  
 انہوں نے اپنی جانیں کھپا دیں اور جزیرہ عرب، ایران، روم اور افریقہ کے پتے سوتے محروم  
 میں اللہ کے راستے میں اسلام کی سر بلندی کی خاطر جہاد کیا اور اپنی راتوں کی نیندیں اور دن  
 کا آرام تیاگ دیا، اسی شریعت کو وہ اپنی ذاتی اغراض اور دنیوی منافع کے لیے پامال کر  
 دیں بلکہ ان کا ایمان اس قدر پختہ اور غیر متزلزل تھا کہ حق تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے  
 ایمان کو بطور نمونہ اور مثال پیش کیا ہے چنانچہ اللہ رب العزت کفار کو مخاطب کیے کے فرماتے ہیں  
 "امْشُوا كَمَا امْسَى النَّاسُ" - (۱۳: ۲)

اس طرح ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لائے۔  
 ایک اور مقام پر فرمایا :-

فَإِنْ امْسُوا بِمِثْلِ مَا امْسَى بِهِ فَقَدْ هْتَدُوا۔ (۱۳: ۲)  
 تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بے شک یہ بھی راہ ہدایت  
 پا گئے۔

کیونکہ صحابہؓ کا ایمان ایک مثالی ایمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نمونہ کے طور پر دنیا کے دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لہذا اگر وہ خود ہی دنیاوی اغراض کے لیے اپنے ایمانی اصولوں کو توڑ دیتے تھے تو ایسا ایمان تو اس قابل نہیں کہ اس کو بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ جو صحابہ کرامؓ کے ایمان اور عمل میں نقص نکالتا ہے۔ وہ خواہ کتنا ہی بڑا مفکر اور عالم اپنے آپ کو ظاہر کرے وہ دراصل زندیق اور منحرف ہے اور صحابہؓ کو مجروح کر کے وہ قرآن و سنت کو مجروح کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے امام المحدثین ابو زرہؒ فرمایا کرتے تھے۔

اِذَا دَايَتِ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَاعْلَمَنَّ اَنَّهُ زَنْدِيقٌ وَذَلِكَ اِنْ الرَّسُولَ حَقَّ وَالْقُرْآنَ حَقَّ وَمَا جَاءَ حَقَّ وَاتَّمَا دَىٰ اِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ وَالسَّنَنَ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانَّمَا يَرِيدُونَ اَنْ يَجْرَحُوا شَهْدَنَا لِيَبْطُلُوا الْكِتَابَ وَالسَّنَّةَ وَالْجَرَحَ بِهِمْ اَوَّلَىٰ وَهُمْ زَنْادِقَةٌ۔

جب کسی کو کسی صحابی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہیں، قرآن حق ہے اور جو اس کے ذریعہ پہنچا وہ بھی حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں صحابہؓ ہی نے پہنچایا ہے۔ (جو لوگ صحابہ کرامؓ پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کر دیں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنت کو مجروح کر سکیں۔ ایسے لوگ خود قابل جرح ہیں اور وہ زندیق ہیں۔

(کتاب صفحہ ۴۹، احباب مقدمہ الفصل الثالث ص—)

یہ تو جملہ معترضین تھے، مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک جلیل القدر صحابی رسول ہیں، اسلام میں ان کی خدمات کا سلسلہ بہت طویل ہے اور انہوں نے اپنی زندگی میں ساری توانائیاں اسلام ہی کے لیے وقف کی ہوئی تھیں۔ ان کے بارہ میں اگر کوئی ایسی روایت



تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی حدود و ثغور کو پامال کیا ہے یا شریعت اسلامیہ کے صریح خلاف کوئی کام کیا ہے تو ایسی روایت ناقابل یقین بلکہ سراپا کذب ہے اور اگر آپ اس روایت کے راویوں کو کرید کر دیکھیں گے تو ضرور ان میں سے کوئی نہ کوئی راوی شیعہ، زندیق یا کذاب نظر آئے گا اور ان راویوں کی زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو برا بھلا سمجھنے کریں اور اس طریقے سے قرآن و سنت کو خجروں میں ڈالیں۔ یہ درست ہے کہ بعض صحابہؓ سے کچھ غلطیاں ہوئیں۔ سیدنا علیؓ سے بھی کچھ غلطیاں ہوئیں اور سیدنا معاویہؓ سے بھی، لیکن یہ تو جان بوجھ کر انہوں نے وہ غلطیاں کیں اور یہی سیاسی اغراض کی خاطر احکام شریعت کو پامال کیا یا پس پشت ڈالا بلکہ انہوں نے موقع اور محل کے مطابق اپنے اجتہاد اور تفقہ سے جس چیز کو درست اور حق جانا اس پر عمل کیا اور اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنے اس اجتہاد کی وجہ سے انہوں نے بعض معاملات میں مرجوح بات کو اپنایا ہو لیکن اس میں وہ قابل مواخذہ نہیں بلکہ معتد بہ ہیں اور گنہ گار نہیں بلکہ ماجور ہیں۔ (رکمانی الحدیث)

اس اصولی بحث کی روشنی میں اب اگر ہم ان سب روایات کا تجزیہ کریں جو ان کے گورنروں کی زیادتوں کے بارہ میں مشہور کی جاتی ہیں اور جن کے ذریعہ سے یہ یاد کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا تھا، تو صاف پتہ چلے گا کہ یہ تو وہ روایات ایسے کذاب راویوں سے مروی ہیں جو کذاب کے ساتھ ساتھ صحابہ دشمنی کو بھی اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے یا پھر ان روایات میں یہ واضح ہے کہ اصل معاویہ سیدنا معاویہؓ کے گوش گذار نہ کیا گیا بلکہ حقیقت کو چھپا دیا گیا، مثال کے طور پر عبد اللہ بن عمرو بن عیلان کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے خطبہ کے دوران ان کو لنگر مار دیا، اس پر عبد اللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور جس ہاتھ سے اُس نے لنگر مارا تھا وہ کٹوا دیا۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، لیکن جب اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کروں گا مگر میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ (البدایہ جلد ۸ ص ۸۱)

اولاً تو یہ روایت قابل قبول نہیں، اس وجہ سے ہی ابن کثیر اور ابن اثیر نے اس کو بغیر کسی سند کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً اگر اس کو صحیح اور درست بھی مان لیا جائے تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ اس اعتراض سے بری الذمہ ہیں جو دشمنان صحابہؓ ان پر لگاتے ہیں، اس وجہ سے کہ روایت میں صاف آتا ہے استغاثہ کرنے والوں نے سیدنا معاویہؓ سے استغاثہ میں کہا کہ :-  
ان نائیک قطع ید صاحبنا فی شبنہ فاقداً منہ۔

آپ کے نائب نے ہمارے ایک ساتھی کا ہاتھ شبنہ کی بنا پر کاٹ دیا ہے  
ہمیں اس سے قصاص دلوائیے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۷۷، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۰۱)  
طبری نے اگرچہ یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ استغاثہ کرنے والوں نے امیر المومنینؓ سے کہا :-  
انہ قطع صاحبنا ظلماً وھذا کتابہ الیک۔  
ہمارے ساتھی کا ہاتھ ظلم سے کاٹا گیا ہے اور یہ اس کا خط آپ کی طرف ہے۔  
(طبری جلد ۳ ص ۲۲۳)

لیکن طبری کی اسی روایت میں ہے کہ خط میں یہی لکھا تھا کہ ہاتھ شبنہ سے کاٹا گیا ہے۔  
اب جو ہاتھ شبنہ میں کاٹا جائے وہ اگرچہ زیادتی اور ظلم ہے لیکن پھر شبنہ کی بنا پر  
گورنر کا ہاتھ کاٹنا اسی ظلم اور زیادتی کا اعادہ کرتا ہے جو اس سے پہلے گورنر سے ہو چکی  
تھی۔ اس استغاثہ کے جواب میں آپ نے گورنر کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا بلکہ گورنر کو  
سزا دی کہ اس کو گورنری کے منصب جلیلہ سے معزول کر دیا اور استغاثہ کرنے والوں کو  
بیت المال سے ضمان دلوا دی۔ چنانچہ اسی روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ :-  
فاعطاھما لدیۃ وھزل ابن غیلان۔

انہوں نے ان کو دیت دیدی اور ابن غیلان کو (سزا کے طور پر) معزول کر دیا۔  
روایت تو یہ بتا رہی ہے کہ آپ نے اپنے گورنر کو سزا دی یعنی اس کو اس کے عہدے  
یک قلم معزول کر دیا اور معترضین بس یہی کہے چلے جا رہے ہیں کہ انہوں نے تو اپنے

گورزوں کو قانون سے بالا رکھا ہوا تھا۔

تالثا گورز نے انہیں جو سزا دی تھی وہ ہمارے خیال میں نہایت نرم سزا تھی، کیونکہ گورز ابن عیلام جب منبر پر خطبہ دے رہے تھے تو ان پر ٹکری پھینکنا اور اس طرح توہین کرنا کوئی معمولی جرم نہیں تھا بلکہ ایک قسم کی بغاوت اور فتنہ انگیزی تھی جس کی سزا قرآن و حدیث کی رو سے قتل یا سولی یا مخالف طرفوں سے ہاتھ پاؤں کا ٹٹنا شہرہ بدر کرنا ہے چنانچہ قرآن میں ہے :-

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا ویصلبوا او تقطع ایدیہم واما جملہہم من خلاف او ینفوا من الارض ۔

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں (اپنی شرارتوں سے) فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہی تو ہے کہ انہیں قتل کیا یا سولی دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاء وطن کر دیا جائے ۔

شاید کوئی معترض یہ کہہ دے کہ اس آیت میں رہزنی اور ڈکیتی کی سزا مذکور ہے لیکن محققین کے نزدیک اس سزا کو ڈکیتی اور رہزنی میں حصہ کر دینا صحیح نہیں، چنانچہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں :-

اکثر مفسرین نے اس جگہ ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی ایسی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے ”اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بد امنی پھیلانا“ یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی ناحق قتل و نہب ہجرانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈہ سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنا بالان سزائوں میں سے جو آگے مذکور

ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

(فوائد عثمانی ص ۱۹۸، تفسیر انگریزی عبداللہ یوسف علی ص ۲۵۲)

اس آیت کی روشنی میں سوچئے کہ جس شخص نے سیدنا معاویہؓ کے گورنر کو برسر عام کنکری ماری اُس نے نہ صرف اس گورنر کی بلکہ پوری حکومت کی توہین اور بے حرمتی کی جو کہ بغاوت یا مجرمانہ سازش اور مغویانہ پروپیگنڈہ کے تحت آتا ہے اور یہ کام اکیلا آدمی کر بھی نہیں سکتا جب تک کہ اُس کے پیچھے کوئی سازشی ہاتھ نہ ہو۔ لہذا ایک اسلامی حکومت کے خلاف سازش کرنے والے ہاتھ کو اگر کاٹ دیا جائے تو یہ زیادتی نہیں بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ ہے کیونکہ یہ جرم تو قتل کا مقتضی ہے اور ہاتھ کا کاٹنا تو اس کی کم سے کم سزا ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

گورنر کی معزولی صرف اس وجہ سے ہوتی کہ سیدنا معاویہؓ کو جو رپورٹ سچی تھی اُس میں یہ درج تھا کہ اس کا ہاتھ شبہ میں کاٹا گیا ہے۔ اور اگر سیدنا معاویہؓ کو ان تمام حالات کا پتہ چل جاتا جس کے تحت اُس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا تھا تو آپؐ کبھی بھی اس گورنر کو معزولی فرما نہیں کرتے یہ کہتے ہیں ابن عیلام نے جو خط میں یہ لکھا تھا کہ شبہ کی بنا پر اس شخص کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ یہ جھوٹ تھا اور گورنر کو جھوٹ لکھتے خدا کا خوف نہ آیا۔

یہ اعتراض بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے۔ روایات میں یہ آتا ہے کہ گورنر ابن عیلام جب خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے جو بنی ضبہ سے تھا اس نے گورنر پر پتھر اڑا دیا اور گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس پر اس شخص کی قوم گورنر ابن عیلام کے پاس آئی اور یہ عذر پیش کیا کہ جب امیر المومنینؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملے گی کہ ہمارے قبیلہ کے فلاں شخص نے اس طرح پتھر اڑا کیا ہے تو شاید ہمارا بھی وہ حال نہ ہو جو حجاج بن عبد کاہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس آدمی کو سمجھایا ہو کہ تم حکومت کے خلاف بغاوت اور فتنہ پر دازی سے باز آ جاؤ اور اُس نے یہ کہا ہو کہ میرا کسی سازش سے کوئی تعلق نہیں یہ فعل ایسے ہی سہواً مجھ سے ہو گیا اور اس سلسلہ میں کچھ معذرت بھی کی ہو اس وجہ سے گورنر نے امیر المومنینؓ کے نام انہیں یہ خط دیدیا ہو کہ بغاوت کی وجہ سے میں نے اس کا

ہاتھ کاٹنا تھا لیکن معلوم ہوا کہ یہ باغی اور فتنہ پرداز نہیں تھا۔ لہذا اس کا ہاتھ کاٹنا شبہ کی وجہ سے ہے۔ اب اگر سیدنا معاویہؓ اس گورنر کو کوئی سزا بھی نہ دیتے تو آپ حق بجانب تھے لیکن آپ نے پھر بھی اُس گورنر کو معزول فرما دیا۔ حالانکہ اس کے مقابلہ میں جب خالد بن ولیدؓ نے مالک بن نویرہ کے اظہار اسلام کو قبول نہ فرماتے ہوئے اُسے قتل کر دیا اور سیدنا عمر فاروقؓ نے سیدنا صدیق اکبرؓ سے اس بات پر اصرار بھی کیا کہ خالدؓ سے قصاص لیا جائے، مگر سیدنا صدیق اکبرؓ نے خالدؓ سے بالکل قصاص نہ لیا اور مقتول کی دیت ادا کر دی۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر قتال حکومت یا کسی دوسرے کارکن سے کوئی ایسی خطا ہو جائے جو اس نے نیک نیتی کے ساتھ اپنے اجتہاد کی وجہ سے کی ہو تو اس غلطی پر اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا یہ فعل اس پر ایک بین دلیل ہے۔

اسناد کے لحاظ سے بھی یہ روایت منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے گویا کہ دو تین راوی سند میں سے غائب ہیں۔ وہ حضرات کون تھے؟ ان کا علی حدود الراجحہ کیا ہے؟ کچھ یہ نہیں۔

یہ روایت دراصل طبری کی ہے۔ طبری بذاتِ خود شیعہ تھا۔ دوسرے ولید بن ہشام اور علی بن محمد ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور ۲۱۵ھ میں وفات ہوئی۔ اور دوسرا راوی ولید بن ہشام بھی اسی زمانہ میں ہوا ہے جس زمانہ میں علی بن محمد تھا۔ یہ واقعہ ۵۵ھ کا ہے جیسا کہ طبری نے اسے نقل کیا ہے۔ اب وہ دو آدمی جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے ہیں وہ اس واقعہ کو کیسے نقل کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ درمیان میں اور دو تین راوی تھے جن کا انقطاع ہو گیا ہے۔ وہ کس قسم کے لوگ تھے؟ ان کے عقائد و نظریات کیا تھے؟ کچھ معلوم نہیں لہذا اسناد کے اعتبار سے بھی یہ روایت منقطع ہے۔

یہ تو طبری کی سند کا حال ہے۔ دوسرے مورخین نے طبری ہی سے ایک واقعہ کو نقل کیا۔ اسی طرح کا ایک اور اعتراض آپ کے دوسرے گورنر امیر زیاد پر کیا جاتا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے تو کچھ لوگوں نے ان پر ٹکڑے پھینکے۔ انہوں نے فوراً مسجد کے دروازے بند کر دیے اور ٹکڑے پھینکنے والے

تمام لوگوں کو جن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے گرفتار کرکے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے لیکن سیدنا معاویہؓ نے اُس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

اس واقعہ میں راوی کو شبہ ہو گیا ہے یہ دراصل ابن حجر بن عدی کا واقعہ ہے جس کو ہم تفصیل سے بیان آگے کریں گے کیونکہ امیر زیاد نے کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر جو سب سے پہلا خطبہ دیا تھا۔ اس میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے امیر زیاد پر تہراؤ کیا تھا۔ وہ لوگ باغی تھے اور حکومت کے خلاف سازشیں اور فتنہ پردازیاں کر رہے تھے۔ کیونکہ کوفہ سیدنا علیؓ کا دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے سبائوں کا مرکز تھا اور یہاں ان لوگوں نے انہیں محصور کیا ہوا تھا۔ سیدنا علیؓ کی شہادت کے بعد ان لوگوں نے امت میں تفرقہ برپا کرنے کے لیے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ اگر ان لوگوں کی سازشوں اور فتنہ انگیزوں کو اس سختی سے نہ روکا جاتا تو شدید خطرہ تھا کہ امت پھر کہیں تشتت و افتراق میں مبتلا نہ ہو جائے اور مسلمانوں کی باہم خانہ جنگی نہ ہو جائے۔

کوفہ کے بعد ان سبائوں کا دوسرا مرکز بصرہ تھا۔ اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے بصرہ اور کوفہ میں سیاسی طور پر سخت اور مضبوط گورنر رکھے تاکہ ان فتنہ پردازوں کو پھینکے کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن ان ریشیوں نے جب اپنی ظاہری فتنہ پردازوں کو ناکام ہوتے دیکھا تو زیر زمین سازشوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جو ۶۵ھ میں شہادت سیدنا حسینؓ پر منتج ہوا۔ لیکن مگر یہ حجر بن عدی کے واقعہ کے علاوہ کوئی دوسرا واقعہ ہے تو امیر زیاد کا یہ فعل کہ انہوں نے فتنہ پردازوں کے ہاتھ کاٹ دیے۔ قرآن کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ گذشتہ طور میں سورہ مائدہ (۵: ۳۴) کی آیت میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

اور اگر کوئی معترض یہ ثابت کرنے پر تیار ہو اے کہ امیر زیاد نے اُن لوگوں کے ہاتھ کاٹ

طے افسوس کہ جب ان سبائوں اور فتنہ پردازوں کا دائرہ امیر زید چلا تو انہوں نے بنی ہاشم کے حقیقہ و چراغ سیدنا حسینؓ کو اپنی محبت کا دھوکہ دیکر کوفہ بلایا اور پھر اُن کا ساتھ چھوڑ کر خود ہی امیں شہید کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل")

کہ ظلم کیا تھا اور سیدنا معاویہؓ نے اپنے گورنر کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا تھا۔ تو ہم ان دونوں چیزوں کو مانتے ہوئے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے امیر زیاد کی اس ساری کارروائی کا سیدنا معاویہؓ کو ظلم ہو گیا تھا؟ اگر ظلم نہیں ہوا اور انہوں نے اپنے گورنر کو مرز نش نہیں کی تو اس صورت میں اُن پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر ظلم ہوا اور پھر انہوں نے امیر زیاد کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی تو یہ شی تواریخ سے ثابت نہیں کی جاسکتی۔ لہذا کسی صورت میں سیدنا معاویہؓ پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سلسلہ میں ایک روایت حضرت بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے یمن میں سیدنا علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو بچوں کو قتل کر دیا اور ہمدان میں بعض مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنالیا۔

اولاً اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ بسر بن ارطاةؓ کے بارہ میں اس قسم کی خبریں اور روایات سبائی ذہن کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :-

وله اخبار شهيدة في الفتن لا ينبغي التنازل بها -

بسر بن ارطاةؓ کے متعلق ان فتنوں کے بارہ میں بہت سی روایات زبان زد عام

ہیں ان میں مشغول و منہمک نہیں ہونا چاہیئے۔ (الاصابہ جلد ۱ ص ۱۵۳)

علامہ ابن کثیرؒ اس واقعہ سمیت تمام تفصیلات مشکوک اور مُشتَبہ قرار دیا

ہے، فرماتے ہیں :-

هَذَا وَهَذَا الْخَبَرُ مَشْهُورٌ عِنْدَ أَصْحَابِ الْمَغَازِي وَالسِّيَرِ

وَفِي صَحِيحِهِ عِنْدِي لَطْوٌ -

یہ خبریں اصحاب مغازی اور سیر کے ہاں مشہور ہیں لیکن میرے نزدیک ان

کی صحت مشکوک ہے۔

اگر ان روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ خلاف عقل واقعات ان روایات

کے سراپا کذب ہونے پر شاہد ناظر ہیں۔ حضرت بسر بن ارطاةؓ آخر انسان ہی تھے کوئی دلیلو

تو نہیں تھے۔ دوسرے ان کے ساتھ صرف تین ہزار فوج تھی۔ لیکن روایات بتاتی ہیں کہ میں  
 میں ان کی آمد کی خبر سن کر سیدنا علیؑ کے گورنر بن سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ اپنے اہل و عیال  
 کو بلے یار و مددگار چھوڑ کر فوراً کوفہ میں سیدنا علیؑ کے پاس بھاگ گئے۔ چنانچہ ابن جریر طبری  
 اس روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فلما بلغ مسیّدہ فتوح الی الکوفۃ حتی اقی علیاً۔  
 جب انہیں (عبید اللہ بن عباسؓ) لبریزن ارطاة کے زمین) پہنچنے کی  
 اطلاع ملی تو وہ سیدنا علیؑ کے پاس کوفہ بھاگ گئے۔ (طبری جلد ۸ ص ۸۱)  
 یہ خون ہاشمی کی کس قدر توہین ہے کہ دشمن کی آمد کی خبر سن کر اُس کا مقابلہ نہیں کیا  
 بلکہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ چھاڑ کر کوفہ بھاگ گئے؟ کیا سیدنا علیؑ نے انہیں بھاگنے کے  
 لیے گورنر مقرر کیا ہوا تھا یا دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے؟

پھر اگر واقعی لبریزن ارطاة نے سیدنا عبید اللہ کے بچوں کو قتل کیا ہوتا تو کسی نہ کسی  
 موقع پر سیدنا معاویہؓ سے کوئی نہ کوئی ہاشمی اُن بچوں کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا۔ اگر  
 ہاشمیوں کو اس خون کے مطالبہ کا کوئی موقع نہیں ملا تھا تو کم از کم اُس وقت ہی اس قصاص کا  
 مطالبہ کرتے جب عبدالرحمن بن سمرہ اور عبید اللہ بن عامر سیدنا معاویہؓ کی طرف سے صلح کی  
 پیش کش لے کر آئے تھے اور جو شرط سیدنا حسنؓ پیش کرنے تھے اُن کو وہ سیدنا معاویہؓ کی طرف  
 سے قبول کرتے جاتے تھے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴، جلد ۳ صفحہ ۵۳)۔  
 لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے اُس وقت بھی اپنے مظلوم بھتیجوں کے خون کا قصاص لینے کا  
 مطالبہ نہیں کیا۔

ثانیاً اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی سیدنا معاویہؓ پر اس قتل و غارت کا  
 کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ یہ واقعہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ کا نہیں بلکہ سیدنا علیؑ کی  
 خلافت کے زمانہ کا ہے اور سیدنا علیؑ پر اس بات کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ ایسے آدمی  
 سے جنہوں نے گورنر بن کے دو بچوں کو ظالمانہ طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا قصاص لیتے۔  
 لیکن آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔



ثالثاً اگر اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ مورد الزام بنتے ہیں کہ سیدنا لبریزؓ ارطاةؓ اُن کے آدمی تھے اور ان کے ظلم و تشدد اور قتل و غارت کی ذمہ داری اُن پر عائد ہوتی ہے تو یہی اصول سیدنا علیؓ پر بھی وارد ہونا چاہیے اور اُن کو بھی اپنے سپہ سالاروں اور گورنروں کے ظالمانہ فعل کی وجہ سے مورد الزام بننا چاہیے۔ چنانچہ جہاں لبریزؓ ارطاةؓ کے ظلم و تشدد کے واقعات کا تذکرہ ہے وہاں سیدنا علیؓ کے کانڈر جاریہین قدامتہ کے ظلم و تشدد کا تذکرہ بھی آتا ہے جس کو سیدنا علیؓ نے دو ہزار کا لشکر دے کر بھیجا تھا تاکہ وہ لبریزؓ ارطاةؓ کا چھپا کر لیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ انہوں نے بحر ان سینج کو ٹوری بستی کو آگ لگا دی اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

فسار جاریہ حتی اقی فجوان فحرق بہا واخذ ناساً من  
شیعة عثمان فقتلہم۔

جاریہ نے بحر ان سینج اور اس کو جلا دیا اور سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

پھر سیدنا جاریہؓ مدینۃ الرسولؐ پہنچے۔ اُس وقت سیدنا ابو ہریرہؓ لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر نماز کے بیچ ہی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر جاریہ بن قدامتہؓ نے کہا :-

واللہ لو اخذت اباسنوس لضربت عنقه۔

خدا کی قسم اگر بتی والا (مراد سیدنا ابو ہریرہؓ) میرے ہتھے چڑھ جاتا تو میں اس کی گردن مار دیتا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۰۰، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۲۲)

ابھی جاریہؓ کو سیدنا علیؓ نے بھرہ بھی بھیجا وہاں انہوں نے سیدنا معاویہؓ کے بھیجے ہوئے آدمی عبداللہ بن الحضرمیؓ کا محاصرہ کر کے اُن کے سمیت گھر کو جلا دیا۔

الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۴۷

لہذا اگر لبریزؓ ارطاةؓ کی روایات کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو مطعون کیا جائے تو سیدنا علیؓ کے گورنروں کے مظالم بھی تو انہی کتابوں کی روایات سے ثابت ہیں، ان روایات کو صحیح مان

کر سیدنا علیؑ پر کیوں اعتراض نہیں کئے جاتے ؟  
صرف ایک گورز جاریہ بن قدامہؓ کے واقعات ہی کو ملاحظہ فرمائیں کہ اس نے لوگوں  
پر کس قدر ظلم کئے۔ طبری نے لکھا ہے کہ :-

”جب جاریہؓ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلاؤ والا اور سیدنا عثمانؓ کے  
بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ  
گئے، لیکن جاریہ بن قدامہؓ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا“

(طبری جلد ۴ ص ۸۰، ۸۱)

شیعہ مؤرخین نے بھی جاریہ کے ان مظالم کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-  
وقتل من اصحابه خلقاً واتبعهم بقتل واسد حتى بلغ مكّة -

اور جاریہؓ نے بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا اور  
انہیں قیدی بنایا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا یہاں تک کہ مکہ پہنچا۔  
(تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۹، مروج الذهب المسعودی شیعہ جلد ۳ ص ۳۱)

حافظ ذہبیؒ نے ان مظالم کو یوں بیان کیا ہے :-

”سیدنا علیؑ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہؓ کو روانہ کیا۔ جاریہ بن پہنچا۔  
جس شخص کو بھی وہ سیدنا علیؑ سے منحرف پاتا اسے موت کے گھاٹ  
”اتار دیتا اور آگ میں جلا دیتا اس وجہ سے لوگ جاریہ کو ”محرّق“ کہتے تھے

(یعنی جلانے والا) (تاریخ الاسلام جلد ۲ ص ۲۱۴)

یہاں تک لکھا ہے کہ جاریہ قتل و غارت کرنے مدینہ طیبہ پہنچا۔ اس زمانہ میں وہاں  
کے گورز سیدنا ابو ہریرہؓ تھے۔ وہ جاریہ کے قتل و غارت کی داستانیں سن چکے تھے۔  
چنانچہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب آپ کے فرار کی خبر ملی تو کہنے لگا اگر میں  
ابو سہد (جی دالے پر) قابو پا لیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

(طبری جلد ۴ ص ۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

اس کے علاوہ روایات میں یہ تو آتا ہے کہ قننہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد سیدنا

معاویہؓ کو پتہ چلا کہ حضرت بسر بن ارطاةؓ نے سیدنا علیؓ کے حامیوں پر کچھ زیادتیاں کیں ہیں تو آپؐ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے بسر بن ارطاةؓ کو گورنری کے منصب جلیلہ سے ایک قلم معزول کر دیا۔ (ابن خلدون جلد ۳ ص ۹۹) لیکن سیدنا علیؓ کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آتا ہے کہ انہوں نے بھی جاریہ بن قدامہؓ اور دوسرے گورنروں میں سے کسی کو ان کی زیادتیوں کی وجہ سے معزول کیا ہو۔

ابن ابی ربابہؓ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا بسر بن ارطاةؓ ظالم اور تشدد پسند آدمی نہ تھے اور نہ ہی فساد مچانے والے تھے۔ اس بارہ میں سیدنا علیؓ کی اپنی شہادت ایک بین دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ زہیر بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا علیؓ نے ایک جمعہ کو ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ پر اطلاع ملی ہے کہ بسر بن ارطاةؓ میں پہنچ گئے ہیں۔

وَأَفَى وَاللَّهِ لَا حِسْبَ إِلَّا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا الْقَوْمُ سَيُظْفَرُونَ عَلَيْكُمْ  
أَلَا بَعْضِيَا نَكُمْ أَمَا مَكُمُ وَطَاعَتُهُمْ أَمَا هُمْ وَخِيَانَتُكُمْ وَ  
أَمَا نَتَهُمْ وَافْسَادُكُمْ أَمَا ضَمُّكُمْ وَأَصْلَاحُهُمْ۔

بخدا میرا گمان ہے کہ یہ لوگ تم پر ضرور غالب آئیں گے۔ اور یہ صرف تم پر اس وجہ سے غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ تم لوگ خیانت کرتے ہو اور یہ لوگ امانت دہاں ہیں۔ تم زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہو اور یہ اصلاح کرتے ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۵)

اس روایت میں سیدنا علیؓ نے بسر بن ارطاةؓ کو زمین میں اصلاح کرنے والا فرمایا ہے ہیں اور اپنے شیعوں کو فساد مچانے اور خائن فرما رہے ہیں لیکن تیرہ سو سال کے بعد آج کل کے مفکر بسر بن ارطاةؓ کو فساد مچانے، تشدد پسند اور ظالم کہہ رہے ہیں۔

بعض دفعہ اپنے ساتھیوں کے فساد اور ظلم سے تنگ آکر آپؐ کی آنکھوں سے مسلا دھاڑ بارش کی طرح ہانسوٹیک پڑتے اور آپؐ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے۔  
وَاللَّهِ إِنْ مَعَاوِيَةَ صَادَقَنِي بِكُمْ صَرَفَ الدِّينَارَ بِالدِّينَارِ هَام

فاخذ متی عشرًا منکم واعطانی رجلاً منهم۔

بخدمت امیری آرزو ہے کہ کاش معاویہؓ مجھ سے اس طرح تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اثر خیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں سے ایک آدمی دیدیں۔

(سنج البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۵۴)

اب رہی یہ بات کہ کسبزن ارطاةؓ نے ہمدانی مسلمان عورتوں کو کنیز بنالیا یہ روایت بھی سراسر جھوٹ ہے اسی وجہ سے اس کو سوائے علامہ ابن عبد البر کے اور کسی مؤرخ نے نقل نہیں کیا اور ابن عبد البر نے بھی الاستیعاب میں اس کو ایک نہایت مخدوش سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس سند میں راوی موسیٰ بن عبیدہ ہے جس کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ اُس سے روایت کرنا جائزہ نہیں۔

پھر درایت کے لحاظ سے بھی یہ روایت نہایت مخدوش ہے۔ کیونکہ اس خبر القرون کے زمانہ میں سیدنا معاویہؓ کا ایک گورنر اگر اس قسم کا مجرمانہ فعل کرتا تو کس طرح ممکن تھا کہ سلطنت میں لوگ اس کے خلاف نہ کرتے۔ اور کس طرح اُن کو حکومت کے استحکام میں اُن کا ساتھ دیتے وہ وقت تو ایک بحرانی دور تھا۔ اُس میں ظلم و تشدد سے کوئی حکومت قائم نہیں ہو سکتی تھی بلکہ صلح و آشتی سے حکومت کا استحکام ہو سکتا تھا۔ ایسی باتیں تو کوئی احمق انسان ہی کر سکتا ہے سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور دُرِّین انسان اس بحرانی دور میں اپنے گورنروں کو اس طرح زیادتیاں کرنے کی اجازت کیسے دے سکتے تھے۔



## دیت کے معاملہ میں سنت کی تبدیلی

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض ان کے مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ دیت کے معاملہ میں انہوں نے سنت کو بدل دیا۔ سنت یہ تھی کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہؓ نے اُس کو نصف کر دیا اور باقی خود یعنی شروع کر دی۔

جہاں تک ہم جانتے ہیں یہ تو کسی مؤرخ نے نہیں لکھا کہ سیدنا معاویہؓ نے اس بارہ میں سنت کو بدل دیا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس میں صحابہؓ میں بھی اختلاف تھا اور صحابہؓ کے اختلاف کی وجہ سے ائمہ فقہاء میں بھی اختلاف چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ ابن رشد القربلیؒ فرماتے ہیں :-

فان للعلماء في ذلك ثلاثة اقوال: احدها ان ديتهم على النصف من دية المسلم، ذكر انهم على النصف من ذكر ان المسلمين ونساءهم على النصف من نساءهم وبه قال مالك وعمر بن عبد العزيز وعلى هذا تكون دية جراحهم على النصف من دية المسلمين - والقول الثاني ان ديتهم ثلث دية المسلم وبه قال الشافعي وهو مروى عن عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وقال به جماعة من التابعين -

---

لے سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے مختلف روایات مروی ہیں ایک روایت تنہا دیت کی بھی ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۱، صفحہ ۱۶۵، الجواہر النقی جلد ۲، ص ۳۱۶

والقول الثالث ان ديتهم مثل دية المسلمين وبه قال ابو حنيفة والثوري وجماعة وهو مروى عن ابن مسعود وقد روى عن عمرو عثمان وقال به جماعة من التابعين.

اہل ذمہ کی دیت کے بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔

- ۱۔ پہلا قول یہ ہے کہ ان کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ ان کے مردوں کی مسلمان مردوں کے نصف اور ان کی عورتوں کی مسلمان عورت کے نصف دیت ہے۔ یہ قول امام مالکؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے۔
- ۲۔ دوسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ان کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ یہ قول امام شافعیؒ کا ہے اور یہی سیدنا عمر بن الخطابؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ سے بھی مروی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔
- ۳۔ تیسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے یہ قول امام ابو حنیفہؒ امام ثوریؒ اور ایک جماعت کا ہے۔ اور یہی سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

ردیۃ المجتہد جلد ۲ ص ۱۴۷

اعتراف کرنے والے تو نصف دیت پر کرتے ہیں لیکن ابن رشد کی اس عبارت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک تہائی دیت کا ہے اور اس بارہ میں وہ اکیلے ہی نہیں بلکہ تابعین کی ایک اچھی خاصی جماعت ان کی ہم نوا ہے اور دو خطبہ راشد رسیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیت کا معاملہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں ائمہ اربعہ کے مابین بھی اختلاف ہے اور ہر فرقہ کے پاس دلیل ہے۔ ایسے مسائل میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ فریق مخالف نے سنت کو بدل دیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قتال مسئلہ میں یہ بات راجح ہے اور

..... یہ مرجوح ہے۔ مثال کے طور پر امام احمد بن حنبلؒ نماز میں رفع الیدین کے قائل ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب کوئی جاہل ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ چوں کہ رفع الیدین کے قائل ہیں لہذا انہوں نے سنت کو بدل دیا اور سنت رفع الیدین کا نہ کرنا ہے حالانکہ اختلاف کی حقیقت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رفع الیدین نہ کرنا رائج ہے اور نہ مرجوح اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک رفع الیدین کا قول رائج ہے اور نہ کرنے کا مرجوح کیونکہ احادیثی دلائل دونوں طرف ہیں۔ کوئی کسی کو یہ نہیں سکتا ہے کہ فلاں نے سنت کو بدل دیا۔ بالکل اسی طرح امام مالکؒ نصف دین کے قائل ہیں۔ یہی اختلاف صحابہؓ میں تھا اور یہی تابعین میں۔ اور ہر ایک کے پاس اپنے مسلک کی تائید میں قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں۔ دلائل میں صرف رائج اور مرجوح کا اختلاف ہے، سنت یا بدعت کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ابن رشدؒ ہی نے امام زہریؒ کا ایک واضح قول نقل فرمایا ہے کہ :-

وكانت دية علي عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و ابى بكر وعمر وعثمان وعلى حتى كان معاوية فجعل في بيت المال نصفها واعطى اهل المقتول نصفها ثم قضى عمر بن عبد العزيز بنصف الدية والى الذي جعله معاوية في بيت المال -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کے عہد خلافت میں دمی کی دیت مسلمان کے برابر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ سیدنا معاویہؓ خلیفہ ہوئے، انہوں نے نصف دیت بیت المال کے لیے مقرر کردی اور نصف مقتول کے وارثوں کو دی۔ جب عمر بن عبد العزیزؒ کا عہد خلافت آیا تو انہوں نے صرف نصف دیت کا فیصلہ کیا اور وہ نصف دیت جو سیدنا معاویہؓ نے بیت المال کے لیے مخصوص کی تھی، اساقط کردی۔ (ردایۃ المحتجہ جلد ۲ ص ۱۷۱)

قریباً انہی الفاظ سے امام زہریؒ کی اس روایت کو امام بیہقی نے بھی اپنی کتاب السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۲۱ پر نقل کیا ہے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کے زمانہ میں معاہدہ اور مسلمان کی دیت برابر تھی۔

۲۔ سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں بھی مسلمان اور معاہد کی دیت برابر تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں پوری کی پوری دیت مقتول کے وارثوں کو دیدی جاتی۔ لیکن سیدنا معاویہؓ دیت تو پوری دیتے لیکن آدھی بیت المال میں جمع فرماتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔

۳۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے قاتل اور اس کے وارثوں سے نصف دیت لینے شروع کر دی اور سیدنا معاویہؓ جو پوری دیت دیتے تھے اور آدھی بیت المال میں جمع کرتے اور آدھی مقتول کے وارثوں کو دیتے۔ آپ نے بیت المال کا حصہ ساقط کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ معترضین کا یہ اعتراض کہ سیدنا معاویہؓ نے معاہدہ اور مسلمان کی برابر دیت کو نصف کر دیا۔ سراسر غلط ہے اور یہ اعتراض اگر ہو سکتا ہے تو سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ پر نہ کہ سیدنا معاویہؓ پر کیونکہ وہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر لیتے تھے نہ کہ نصف۔ لیکن یہ معترضین کا نولہ اگر کرتا ہے تو سیدنا معاویہؓ پر نہ کہ عمر بن عبدالعزیزؓ پر اور میں سمجھتا ہوں کہ سیدنا معاویہؓ اسلامی تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت ہیں۔ اور ان کے مخالفین نے ان کی ذات کو مورد الزام بنانے میں کوئی دقیقہ فرگذاشت نہیں رکھا۔ افسوس ہے کہ ان مسائل میں بھی جن میں ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف ہے سیدنا معاویہؓ پر تبدیل سنت کا الزام لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں قسم کی روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ :-

دِیۃُ الْكَافِرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِیۃِ الْمُسْلِمِ

کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

واللّٰہ ص ۵۱، بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۱۴۲، تیل الاوطار جلد ۲، صفحہ ۶۶، ترمذی جلد ۱

ص ۱۶۹، منهاج المسلم ص ۴۳۱

۷۔ یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے (باقی اگلے صفحہ پر)



ایک اور روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے لکھا ہے کہ :-

**دِیۃ ذمی دِیۃ مسلم۔**

ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (السنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۱۰۲)

(بقیہ حاشیہ) اس کو "دیت عقل الکافر نصف عقل المؤمن" کے الفاظ سے نقل کیا ہے اور ذیل اداؤں میں "عقل الکافر نصف دِیۃ المسلم" کے الفاظ سے مرقوم ہے۔ العدة میں یہ الفاظ منقول ہیں :- "دیت العابد نصف دِیۃ المسلم" ماحب العدة نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضی ان عقل اهل الكتاب نصف عقل المسلمين۔ رواہ الامام احمد، ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اہل کتاب کی دیت مسلمانوں کی دیت سے نصف ہے اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ (العدة ص ۸۵)

امام شافعیؒ نے لکھا ہے :- کہ

فقضی عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی

دِیۃ الیہودی والنصرانی بثلث دِیۃ المسلم۔

سیدنا عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہودی اور نصرانی کی

دیت کے بارے میں مسلمان کی دیت سے تہائی کا فیصلہ دیا۔ (کتاب الاثم جلد ۸ ص ۱۰۲)

بلکہ جو کسی کی دیت ان دونوں حضرات کے نزدیک آٹھ سو درہم ہیں چنانچہ العدة میں مرقوم ہے :-

ودِیۃ المجوسی ثمان مائۃ درہم وهو قول اکثر اهل العلم

وهو قول عمر وعثمان وابن مسعود۔

اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ یہ قول اکثر اہل علم کا ہے اور عمر، عثمان اور ابن

مسعود کا بھی یہی قول ہے۔ (العدة ص ۸۵، ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۶)

چنانچہ پہلی حدیث امام مالکؒ اور سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ کی دلیل ہے کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہے اور دوسری حدیث امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے ان فقہاء کی دلیل ہے جن کے نزدیک معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ روایات کے اسی اختلاف کی بنا پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ:-

لا دلیل فیہ لان الدیۃ لفظ مجمل و ہد بیانہ  
من النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم مختلفاً  
ذکرنا من الاختلاف فی دیۃ الرجل والمرءۃ والحر  
والعبد فکذا جازا لاختلاف بین الدیۃ المسلم  
والکافر۔

اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ معاہدہ کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔  
لفظ دیت مجمل ہے اور اس کی تفسیر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم  
سے مختلف طور پر مروی ہے جس طرح مرد اور عورت اور آزاد اور غلام کی دیت  
میں اختلاف ہے اسی طرح کافر اور مسلمان کی دیت میں اختلاف جائز ہے رقاہی  
ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، (تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۹۳)  
علامہ رشید رضاؒ نے بھی دیت کے بارہ میں اتنی خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ (ملاحظہ  
ہو تفسیر المنار جلد ۵ ص ۳۳۷)

احادیث کے اسی اختلاف پر امام ترمذیؒ ان الفاظ میں تبصرو فرماتے ہیں:-  
حدیث عبد اللہ بن عمرؓ وفی ہذا الباب حدیث  
حسن واختلف اهل العلم فی دیۃ الیہودی والنصرانی  
فذهب بعض اهل العلم الی ما روی عن النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم وقال عمر بن عبد العزیز دیۃ  
الیہودی والنصرانی نصف دیۃ المسلم وبہذا  
یقول احمد بن حنبل وقال بعض اهل العلم دیۃ

اليهودى والنصراني مثل دية المسلم وهو قول  
سفيان الثوري واهل الكوفة۔

اس باب میں عبد اللہ بن عمر کی حدیث "حدیث حسن" ہے اور یہودی اور نصرانی  
کے بارہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا وہ مسلک ہے جو نبی اکرم صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے عمر بن عبد العزیز کا قول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی  
دیت مسلمان سے نصف ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور بعض اہل علم  
یہ کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کے برابر ہے۔ اور یہی قول سفيان  
ثوري اور اہل کوفہ کا ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۹)

حدیث دية المعاهد نصف دية الحر۔ پر تبصرہ فرماتے ہوئے  
علامہ بہاء الدین عبد الرحمن المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں۔

قال الخطابي: ليس في دية اهل الكتاب شئ ابيت  
من هذا ولا بأس باسنادہ وقد قال به الامام احمد۔  
خطابی فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی دیت کے بارہ میں اس سے زیادہ واضح اور  
کوئی چیز نہیں اور اس کی اسناد میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہی امام احمد بن حنبل کا  
قول ہے۔

مہر حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد روایات کے اختلاف پر ہے۔  
سیدنا معاویہؓ چونکہ قبیہ اور مجتہد بھی تھے (بخاری جلد ۱ ص ۵۳) لہذا انہوں نے نصف دیت  
اور پوری دیت کی روایات میں تطبیق دی۔ اور اُس کی صورت یہ اختیار کی کہ نصف دیت  
مقتول کے وارثوں کو دی جاتی اور نصف دیت بیت المال میں جمع ہوتی کیونکہ اُس ذمی کی موت  
سے سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ کتاووں میں لکھا ہے۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ ایک ذمی کے قتل سے اگر اس کے عزیز و اقارب کو  
نقصان پہنچتا ہے تو سرکاری خزانہ کو بھی نقصان پہنچتا ہے (یعنی اس کا جزیرہ بیت  
المال میں جانا بند ہو گیا) لہذا دیت کا نصف مقتول کے عزیز و اقارب کو دے دیا

جائے اور نصف سرکاری خزانہ کو۔ اس کے بعد ذمیوں میں سے ایک اور شخص قتل ہوا تو سیدنا معاویہؓ نے فرمایا کہ جو رقم سرکاری خزانہ میں داخل کر رہے ہیں اگر ہم اس پر غور و فکر کریں تو اس سے ایک طرف تو مسلمان کا بوجھ ہلکا ہوا اور دوسری طرف ان کے لیے اعانت دامداد بھی ہو گئی۔

(الحجبر النقی جلد ۸ ص ۱۰۲، ۱۰۳، مراسیل الوداؤ ص ۱۳)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سیدنا معاویہؓ پر ایک جاہلانہ اتہام ہے کہ انہوں نے سنت نبویؐ کو بدل دیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قبیحانہ ذہانت سے مختلف قسموں کی احادیث میں تطبیق دی ہے، لیکن کیا کیا جائے تعصب اور جہالت کا کہ جو ان کی خوبی اور کمال تھا اُس کو ان کے دشمنوں نے بُرائی اور نقص سمجھ لیا۔

یہ تو تھا جواب اس بات کا کہ سیدنا معاویہؓ ذمی کی نصف دیت اس کے ورثاء کو دیتے اور نصف بیت المال میں جمع کرتے کیونکہ ذمی کے مرنے سے اگر اس کے اہل و عیال اور ورثاء کو نقصان ہوا ہے تو حکومت اسلامیہ کے بیت المال کو بھی نقصان ہوا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں اخذ بنفسہ کہ آدمی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔ ایسے الفاظ اور تو کسی راوی نے بیان نہیں کئے یہ ابن شہاب الزہریؒ کی بیان کردہ روایات میں آئے ہیں جو کہ سیدنا معاویہؓ پر انہوں نے زیادتی کی ہے۔ سیدنا معاویہؓ کا کرکنان حکومت کو حکم فرما رہے ہیں کہ :-

فاجعلوا للبت المسلمین النصف ولاھلہ النصف خمس مائۃ دینار

آدمی دیت مسلمانوں کے بیت المال کے لیے رکھ لو اور دوسرے آدمی پانچ سو

دینار اس کے اہل و عیال کو دے دو۔ (مراسیل للبی داؤد ص ۲۹)

لیکن ابن شہاب الزہریؒ کے دل میں معلوم نہیں سیدنا معاویہؓ کے لیے کس قدر نقص بھرا ہوا ہے کہ وہ اپنی طرف سے روایت میں ادراہج کر کے کہہ دیتے ہیں واخذ لنفسہ؟ آدمی دیت وہ اپنی ذات کے لیے رکھ لیتے۔

یہ ابن شہاب الزہریؒ بھی معلوم نہیں کیا شے تھے۔ اہل السنۃ انہیں اپنا امام تصور

کرتے ہیں۔ احادیث کی کتابیں ان کی روایات سے بھری پڑی ہیں اور یہ اپنی بیان کردہ ہر حدیث میں وہ جملے اپنی طرف سے داخل کر دیتے ہیں جن سے شیعہ کی تائید اور صحابہ کرامؓ کی تنقیص ہوتی ہو۔ چنانچہ جن جن روایات میں ہے کہ فدک کے معاملہ میں سیدہ فاطمہؓ سیدنا ابوبکرؓ سے ناراض ہو گئیں اور پھر انتقال تک انہوں نے ابوبکرؓ سے کلام نہ کیا۔ یہ الفاظ ابن شہاب الزہری نے داخل کئے ہوئے ہیں۔ گویا ابن شہاب الزہری نے اہل سنت کی کتابوں میں شیعیت داخل کی ہوئی ہے۔

ایسے ہی جن روایات میں یہ منقول ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت چھ ماہ کے بعد کی۔ ان سب روایات میں بھی ابن شہاب الزہری گھسٹا ہوا ہے۔ ان روایات میں یہ الفاظ اس کا اوپر اٹھ میں جیسا کہ محدثین نے لکھا ہے۔ (الاعتقاد علی مذہب السلف، بیہقی ص ۸) حالانکہ روایات میں ہے کہ سیدنا علیؓ نے بھی سیدنا ابوبکرؓ کی بیعت اسی روز کی تھی جس روز دوسرے صحابہ کرامؓ نے کی تھی (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۹، جلد ۴ ص ۳۰۲، انساب الاشراف جلد ۵ ص ۵۸۵، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۶۶، السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ ص ۱۵۲، ۱۵۳، ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۵۴)

اسی طرح یہ روایت کہ سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے عبداللہ بن عثمان بن عفان چھ سال کی عمر میں مَرغ کی ٹھونگ لگنے سے انتقال فرما گئے اس کے راوی بھی ابن شہاب الزہری ہیں (تاریخ صغیر بلخاری ص ۳۲) اور عبداللہ بن عثمانؓ کو مَرغ کی ٹھونگ سے اس لیے انتقال کروایا تاکہ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کے مقابلہ میں کوئی تیسرا نواسہ رسول ثابت نہ ہو جائے حالانکہ مَرغ کی ٹھونگ مارنے کا قصہ ہی ابن شہاب الزہری کا اپنا بتایا ہوا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

یہ روایت کہ سیدنا علیؓ نے سیدہ فاطمہؓ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا اور خلیفہ مسلمان سیدنا ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع نہ دی اور خود سیدہ فاطمہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ روایت بھی ابن شہاب الزہری کی ہے جو کہ اس کا تفراد اور ادراج ہے، جبکہ دوسری روایات میں کہ سیدہ کی نماز جنازہ ابوبکرؓ نے پڑھائی تھی اور سیدنا علیؓ نے ان کو باقاعدہ اس بارہ میں اطلاع دی تھی۔

اسی طرح جن روایات میں سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ :-

وَأَقْلَ مِنْ وَرَثَةِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْكَافِرِ مَعَاوِيَةَ -

اور وہ پہلا شخص جس نے مسلمان کو کافر کا وارث بتایا، معاویہؓ تھا۔

یہ قول بھی ابن شہاب الزہری کا ہے اور اسی نے سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ بتان لگایا ہے۔

اسی طرح مسئلہ یمین مع الشاہد کے بارہ میں بھی سیدنا معاویہؓ پر یہ بتان کہ اول من

تَقَضَى بِهِ مَعَاوِيَةُ ابن شہاب الزہری کا ہے۔ حالانکہ اس بارہ میں مرفوع حدیث موجود ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بيمين

وشاهد -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۱ ص ۱۷۱، باب القضاء باليمين مع الشاهد)

اسی طرح اور بے شمار مسائل میں ان حضرات نے سنت کا لبادہ اوڑھ کر اہل سنت کی

بے شمار روایات میں شیعیت گھیسڑ دی ہوئی ہے۔ ان روایات میں صرف چند ایک ہم نے اوپر

بیان کیے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام ربیع بن عبد الرحمنؒ نے ابن شہاب الزہری کو نصیحت کرتے

ہوئے فرمایا تھا کہ :-

جب آپ لوگوں کو روایت بیان کریں تو اپنی رائے اور روایت میں فرق رکھا

کریں تاکہ لوگوں کو آپ کی رائے اور روایت میں فرق معلوم ہو سکے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۵ ص ۲۲۸)

تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن شہاب الزہری اندر سے افضی

تھا اور تقیہ کر کے اہل سنت کے محدثین میں شمار ہوتا تھا، لیکن حدیث اور تاریخ کی ہر وہ

روایت جس کا تعلق بتو اُمیہ اور بنو ہاشم سے ہے، ان حضرات نے اس میں اپنے رخص کے جوہر

دکھائے ہیں۔ چنانچہ مولانا پیر قمر الدین سیالوی نے ابن شہاب الزہری کے بارہ میں فدک

والی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”اب فدک والی روایت میں ایک شخص محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی

کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی شاہد نہیں

اور یہ ابن شہاب الزہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایتیں کرتا

نظر آتا ہے۔ اور اہل تشیع کی فروع کافی نے قواس کی روایتوں کے بل بوتے پر کئی

کی شکل اختیار کی ہے۔ تو بھائیو! اہل تشیع کے اس قدر مشہور اور معروف اور

کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنۃ پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین

کو جھٹلانا عجیب فکر و نظر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنۃ

کے لیے قابل توثیق ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کافی کیلئے اس میں کیا فرق تھا؟

(مذہب شیعہ مولانا پیر الدین سیالوی ص ۹۳، لاہور)

اب ایک ایسے راوی کے ادرائج اور تفرد کی وجہ سے جو اس نے سیدنا معاویہؓ کے بارے

میں روایت میں یہ الفاظ داخل کئے ہیں ”اخذ لنفسہ“ سیدنا معاویہؓ پر طعن نہیں کیا جاسکتا

سیدنا معاویہؓ کی ذات ایسے لوگوں کے اس قسم کے مطاعن سے بہت بلند و بالا ہے۔



## بیت المال کے اموال میں بے ضابطگی

بعض حضرات سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ وہ بیت المال کے اموال میں بڑی بے ضابطگیاں کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل اس روایت کو بناتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے گورنر بصرہ زیاد نے الحکم بن عمروؓ کو اپنا نائب بنا کر خراسان بھیجا۔ خراسان کے علاقہ میں ان کے ذریعہ بیت فوحات ہوئیں اور بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ الحکم بن عمروؓ نے غنیمت کے ان اموال کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا لیکن اسی دوران سیدنا معاویہؓ کی طرف سے گورنر بصرہ زیاد کو ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ علاقہ سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اور نفیس اموال ان کے لیے نکال لیے جائیں اور باقی مال کو شرعی قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا معاویہؓ کا تقسیم اموال کا یہ طریقہ بالکل غیر شرعی ہے اور کتاب و سنت کی صریح خلاف ورزی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور ایک منقطع روایت سے ایک صحابی کی شخصیت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ :-

”ہر وہ تاریخی روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور طعن کیا جاتا

ہے قابلِ رد ہے“ (الحکام القرآن عربی جلد ۴ ص ۲۷۷)

امام نوویؒ نے تو اس سے بھی زیادہ سخت بات فرمائی ہے کہ :-

”علماء فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے بظاہر کسی صحابیؓ پر اعتراض وارد

ہوتا ہو اس کی تاویل واجب ہے۔ اور علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح روایات

میں ایسی کوئی بات انہیں جس کی تاویل ممکن نہ ہو“

(نووی شرح مسلم جلد ۷ ص ۲۷۸)



شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں :-  
 صحابہ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں۔ وہ قطعی ہیں۔ جو احادیث صحیحین  
 کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ قطعی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ  
 تواریخ کی روایات ان کے سامنے بیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت  
 میں اور آیات و احادیث صحیحہ میں تعارض پیدا ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا  
 ضروری ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۲۲)

حضرت شیخ الاسلام ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :-  
 ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل  
 عقلیہ و نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود  
 اور ماؤل قرار دی جاتیں چہ جائیکہ روایات تاریخ۔ اب آپ اصول تنقید  
 کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجیے“ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۲۶)

ایسی ہی بات شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھی ہے۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنہ  
 جلد ۲ ص ۲۹۹) اب اس منقطع روایت کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ پر  
 کیسے طعن کیا جاسکتا ہے؟

اگر اس روایت کو کچھ اہمیت دے بھی دی جائے تو بھی سیدنا معاویہؓ کی ذات پر کچھ  
 طعن نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ وہ مال غنیمت میں سے جو کچھ بھی الحکم بن عمروؓ سے مانگ  
 رہے تھے وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے تھے۔  
 دوسرے لفظوں میں مرکزی حکومت کے لیے مانگ رہے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے  
 صاف لکھا ہے کہ جو حکم سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو مال جمع کرنے کے لیے تحریر فرمایا اس کے  
 الفاظ یہ ہیں کہ :-

يجمع كلٌّ من هذه الغنيمة لبیت المال۔

اس غنیمت سے بیت المال کے لیے مال لیا جائے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۹)

ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں :-

ان یصطفیٰ من الغنیمۃ لمعاویۃ ما فیہا من  
الذهب والفضۃ لبیت مالہ -

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۸)

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مال مرکزی حکومت کے بیت المال کے لیے مانگ رہے تھے نہ اپنی ذات کے لیے۔ سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی صحابی نہیں تھے۔ وہ فقہ الامت تھے (بخاری جلد ۵ ص ۵۳) بلکہ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-  
لیس احد منا اعلم من معاویۃ -

ہم میں معاویہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ (السنن الکبریٰ بیہقی جلد ۳ ص ۲۶)  
اس وجہ سے وہ تقسیم مال کے مسئلہ میں لوگوں کے ساتھ نہایت درست معاملہ رکھتے تھے اور غنائم اور دوسرے اموال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرماتے تھے۔ اگر وہ غنائم اور اموال حکومت کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم نہ فرماتے جیسا کہ معترضین خیال کرتے ہیں تو اس زمانہ میں جو اکابر صحابہؓ موجود تھے جیسے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا ابوالبرہؓ، سیدنا عقیل بن ابی طالبؓ، سیدنا میسر بن مخرمہؓ، سیدنا صہاک بن قیسؓ، سیدنا نعمان بن بشیرؓ اور سب سے بڑھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ اُم المؤمنین سلام اللہ علیہا ضرور اس معاملہ میں ان کی گرفت فرماتے اور اور انہیں اس معاملہ میں ضرور ٹوکتے لیکن تاریخ کی کتابوں میں ایک بھی ایسی روایت نہیں ہے کہ انہوں نے اس بارہ میں سیدنا معاویہؓ پر کوئی اعتراض کیا ہو حالانکہ وہ حضرات ایسے معاملات میں خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ سیدنا الحکم بن عمروؓ نے سیدنا معاویہؓ کے مال غنیمت کے بارہ میں مرکزی حکومت کو مال بھیجنے کے حکم کی تعمیل نہ کی اور ان کے حکم کے خلاف اموال غنائم میں سے خمس علیحدہ کر کے باقی مال مجاہدین میں وہیں تقسیم کر دیا۔ سیدنا معاویہؓ کو جب ان کے اس فعل کا پتہ چلا تو انہوں نے الحکم بن عمروؓ کے بارہ لوگوں سے رائے

پوچھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے کے مطابق مرکز کے احکام نہ ملنے پر ان کے لیے سزا تجویز کی۔ بلکہ بعض نے تو ہاتھ پاؤں کاٹنے تک کی سزا تجویز کی۔ لیکن آپ نے ان سب لوگوں کو جو جواب دیا اس نے نہ صرف ان لوگوں کو بلکہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو ششدر کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا :-

”میں اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیسے کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے خط پر ترجیح دی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے پر مقدم رکھا۔ اس شخص نے نہایت اچھا کردار ادا کیا اور صحیح و درست کارکردگی کی۔“

سیدنا معاویہؓ کے اس کردار سے اندازہ لگالیں کہ وہ سنت نبویؐ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے کیسے گردن جھکانے والے تھے اور معززین کو پھر بھی ان کی ذات میں عیب ہر عیب نظر آتے ہیں۔



## سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ قصاص

بعض حضرات سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ انہیں سیدنا عثمانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق سیدنا عثمانؓ کی اولاد اور ان کے وارثان کا تھا بلکہ شرعی طور پر اقرب اولاد کا تھا۔

معتزہ بن کایہ اعتراض کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی کئی وجوہات ہیں :-  
۱۔ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عثمانؓ آپس میں نہایت قریبی تعلق دار تھے اور تیسری پشت کے دونوں کے جدِ اعلیٰ ایک تھے۔ چنانچہ دونوں کا نسب نامہ حسب ذیل ہے :-  
سیدنا عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف  
سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف  
گویا امیہ دونوں حضرات کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں اموی تھے۔  
اس تعلق کی وجہ سے بھی آپ کو قصاص عثمانؓ کا حق حاصل تھا۔

۲۔ سیدنا عثمانؓ اور سیدنا معاویہؓ اس سے بھی اور قریبی تعلق یہ تھا کہ دونوں حضرات آپس میں ایک دوسرے کے سمدھی تھے۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ کی بیٹی رطلہ بنت معاویہؓ سیدنا عثمانؓ کے صاحبزادے سیدنا عمرو بن عثمانؓ کے حوالہ عقد میں تھیں۔

(تاریخ ابن عساکر تراجم النساء تحت رطلہ بنت معاویہؓ)

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ خاندان بنو امیہ میں اس وقت سیدنا معاویہؓ ہی عمار اور منصب و عہدہ کے لحاظ سے بزرگ ترین شخصیت تھے اس وجہ سے سیدنا عثمانؓ کی اولاد نے انہیں قصاص کا یہ معاملہ سپرد کیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا کہ جب ابو مسلم خولانیؓ آپ سے صلح کی گفتگو کرنے کے لیے آئے تو سیدنا معاویہؓ نے اس وقت ان سے

اپنے مطالبہ کی صداقت اور حقانیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ فرمایا :-  
انا ابن عتہ وانا اطلب بدمہ واموہ الیٰ-

میں سیدنا عثمانؓ کا چچا زاد بھائی ہوں اور میں اس لیے آپ کے خون کے قصاص  
کا مطالبہ کر رہا ہوں کہ آپ کے ورناء نے یہ معاملہ میرے سپرد کیا ہے۔  
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲۹)

اس سے صاف پتہ چلا کہ سیدنا معاویہؓ صرف اپنی طرف سے خون عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے  
تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ کی تمام اولاد اس مطالبہ میں ان کے ساتھ تھی بلکہ اصل مطالبہ تو ان کا تھا یہ  
چچا کے بیٹے ہونے اور خاندان بنو امیہ کے بزرگ ہونے کے ناطے ان کی طرف سے یہ مطالبہ  
کر رہے اور یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ سلیم بن قیس البہلالی  
شیعی نے لکھا ہے :-

ان معاویۃ یطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان  
حتی استمالوا اهل الشام واجتمعت کلمتھم۔

بے شک خون عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھ ابان  
بن عثمانؓ اور ان کے دوسرے صاحبزادے تھے یہاں تک کہ تمام اہل شام ان  
کے ساتھ ہو گئے۔ (کتاب سلیم بن قیس ص ۱۵۳)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا خون عثمانؓ کے مطالبہ قصاص کا  
اقدام بالکل درست اور صحیح تھا کیونکہ سیدنا عثمانؓ کے ورناء خصوصی طور پر ان کی اولاد نے اپنی  
تمام تر ذمہ داری سیدنا معاویہؓ کے کاندھوں پر ڈال دی تھی کیونکہ وہ بنو امیہ میں اس وقت ہر  
محاذ سے بڑے تھے۔ لہذا انہوں نے کسی شرعی قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔



## بسرین ارطاة کے مظالم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک جرنیل بسرین ارطاة نے مختلف لوگوں پر بہت مظالم کیے اور اس سلسلہ میں یہ واقعہ ان کی داستانِ ظلم کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

سیدنا علیؓ کی طرف سے حجاز و یمن کے علاقہ میں ان کے چچا زاد بھائی سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ گورنر تھے۔ فیصلہ تحکیم کے بعد سیدنا معاویہؓ نے بسرین ارطاة کو اسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجا۔ بسرین ارطاة جب اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے کئی لوگوں کو ناحق قتل کر دیا۔ سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ تو اس سے ڈر کر کوفہ چلے گئے لیکن بسرین ارطاة نے ان کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اس ظلم پر سیدنا معاویہؓ نے بسر کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ایجنشن لیا۔ گویا کہ وہ اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔

سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ یہ روایت کہ بسرین ارطاة نے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بیٹوں کو قتل کر دیا۔ اکابر مؤرخین نے ان کو بسر کے حالات میں ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اور تو بسر کے سارے حالات کا ذکر کیا۔ لیکن بچوں کے قتل کا ذکر نہیں کیا۔ اس کو سب سے پہلے طبریؒ نے ذکر کیا اور دوسرے تمام مؤرخین طبریؒ کی اتباع میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور طبریؒ کے بارہ ہیں ہم نے لکھا کہ وہ شیعہ تھا۔ شیعہ خواہ کتنا ہی نرم کیوں نہ ہو سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اس کے جذبات کبھی بھی نرم نہ ہوں گے۔

طبریؒ نے اس قتل کو سنہ ۳۸ھ کے واقعات کے تحت ذکر کیا ہے اور اس کی سند جو نقل کی ہے وہ عن زیاد بن عبد اللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویہ..... ہے۔ اس عوانہ صاحب کا انتقال بقول ابن حجر سنہ ۱۵۸ھ میں ہوا جبکہ یہ واقعہ سنہ ۳۸ھ میں

ظہور پذیر ہوا۔ عوانہ ۱۴۸ سال زندہ رہا یہ نامکن ہے۔ اور اگر اس کی عمر ۱۴۸ سال مان لی جائے تو اس وقت جب بسر نے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے بیٹوں عبدالرحمن اور تقم کو قتل کیا تھا عوانہ کی عمر صرف ایک سال تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ درمیان سے ایک دو راوی غائب ہیں۔ وہ راوی کون تھے؟ کیسے تھے؟ یہ معلوم نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ابن کثیرؒ جیسے عالم نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا کہ۔  
 هذا الخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسيرة وفي  
 صحته عندی نظر۔

(ان دو بچوں کا قتل) اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے ہاں بہت مشہور ہے  
 لیکن میرے نزدیک اس کی صحت محل نظر ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۳۲۲)

درایت کے لحاظ سے سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ کے دونوں بچوں (عبدالرحمن و تقم) کا قتل صحیح اور درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا علیؓ اور سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ نے کبھی بھی ان دو بچوں کے قصاص یا دیت کا سیدنا معاویہؓ سے مطالبہ نہیں کیا۔ پھر نہ وہ میں جب سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کی اور خلافت ان کے سپرد فرمادی اس موقع پر بھی انہوں نے ان صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر قصاص اور دیت طلب نہیں کی حالانکہ سیدنا معاویہؓ اس وقت سیدنا حسنؓ کی ہر شرط ماننے پر تیار تھے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس صلح میں سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ خود موجود تھے انہوں نے خود بھی اس وقت اس بارہ میں کوئی بات نہیں کی، حالانکہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۹۴)

صلح کے بعد بھی ان ہاشمی حضرات کے سیدنا معاویہؓ سے بڑے اچھے تعلقات رہے یہ سب حضرات ان کے پاس عطیات اور ہدیے وصول کرنے کے لیے جلتے۔ خود سیدنا عبید اللہ بھی کئی دفعہ گئے لیکن اس معاملہ کے بارہ میں سب کی زبانیں خاموش رہیں، بلکہ ایک مرتبہ سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ نے تو یوں فرمایا تھا۔

یہ ابن ہند (سیدنا معاویہؓ) کی خوبی اللہ کے لیے ہے۔ وہ بیس سال تک ہمارے

والی اور خلیفہ رہے۔ وہ خواہ منبر پر تھے یا فرش زمین پر انہوں نے ہمیں کسی قسم کی  
اقتیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انہوں نے ہمارے ساتھ اچھے طریقے سے صلہ رحمی  
قائم رکھی اور ہماری ضروریات زندگی کو پورا کرتے رہے۔

(انساب الاشراف جلد ۴ ص ۶۸)

ان سب دلائل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ کہ بسرن ارطاة نے سیدنا عبد اللہ  
بن عباسؓ کے دو کسمن بچوں (عبدالرحمن اور قثم) کو انہوں نے ناحق قتل کر دیا، صرف سیدنا معاویہؓ  
کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر اس واقعہ میں حقیقت  
کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوتا تو سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کبھی بھی اپنی صاحبزادی سیدہ لبابہ بنت  
عبد اللہ بن عباسؓ کو سیدنا معاویہؓ کے سگے بھتیجے سیدنا ولید بن عتبہ بن ابی سفیانؓ کے حوالہ  
عقد میں نہ دے دیتے۔ اس سے ان کا ایک لڑکا قاسم بن ولید بن عتبہ بھی پیدا ہوا۔ اگر کوئی  
شخص ہمارے بچوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے تو ہم تو ساری زندگی ان سے تعلقات نہ رکھیں  
اور خاندان نبوت کے لوگ (معاذ اللہ) اتنے ہی بے حمیت تھے کہ وہ ان کے ساتھ پھر نہ  
سرے سے دوستی کے رشتے استوار کریں۔ یہ خاندان نبوت کی بہت بڑی توبین ہے۔

بسرین ارطاة کا یہ واقعہ جس کے بارہ میں اکابر مؤرخین نے فی صحتہ عندی نظر  
کہہ کر اس کو مخدوش کر دیا ہے لیکن پھر بھی طبری اور دوسرے شیعہ مؤرخین نے اس کو خوب اچھا  
ہے اور سیدنا معاویہؓ کے مطاعن میں اسے بیان کیا ہے، لیکن جب اس سے بڑے بڑے  
مظالم سیدنا علیؓ کے گورنروں کے ہاتھوں سے ہوئے اور سیدنا علیؓ ان سے کوئی ٹوا خذہ  
اور گرفت نہ کی، ان واقعات کو اس قدر کیوں نہیں اچھا لاجاتا بلکہ سیدنا علیؓ کی طرف سے  
کیوں وکالت کے فرائض سرانجام دیے جاتے ہیں۔

تاریخ کے وہی رپورٹر جنہوں نے بسرن ارطاة کی داستان مظالم تاریخ کے صفحات  
پر ثبت کی ہے وہ اس سے زیادہ سیاہ حروف میں جاریہ بن قدامہ کے ظلم کی داستان  
جریدہ تاریخ پر رقم کرتے ہیں۔ یہ جاریہ بن قدامہ کون تھے؟ اور ان کو کس نے بھیجا تھا؟  
مؤرخین نے یوں بیان کیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا گورنر بسرن ارطاة جو کہ حجاز کا مولی تھا



جب یمن پہنچا تو اس کی عبید اللہ بن عباسؓ گورنر یمن سے منٹھ بھیڑ ہوئی۔ عبید اللہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر کوثر چلے گئے لیکن ان کے دو کمن بچے عبدالرحمنؓ اور قثمؓ پیچھے رہ گئے۔ بسر نے ان دونوں کو ناحق قتل کر دیا۔ بسر کو اس جرم کی سزا دینے کے لیے سیدنا علیؓ نے جاریہ بن قثمؓ کو بھیجا۔ جاریہ جو تہی نجران پہنچا۔ اس نے وہاں کے بے قصور لوگوں کو ناحق قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور نہ صرف قتل کیا بلکہ زندہ جلاڈالا۔ یہ ناحق قتل سیدنا عثمانؓ کے حامیوں کا کیا گیا۔ بسر لوہس کے ساتھی مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گئے (کیونکہ یہ بسر سے زیادہ ظالم مجاہد ہوئے) جاریہ نے مکہ مکرمہ تک ان کا تعاقب کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲، بڑی جلد ۶ ص ۸۰، ۸۱)

جاریہ بن قدامہ کے اس ظلم و استبداد اور اس کے قتل عام کو خود شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ یعقوبی شیعہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ :

”بسر کے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جاریہ نے قتل کیا اور ان کو قیدی بنایا یہاں تک کہ وہ مکہ مکرمہ تک پہنچ گیا“

(یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۹، مروج الذهب، مسعودی شیعہ جلد ۳ ص ۲۱)

حافظ ذہبی کا قلم بھی اس کے ظلم کی داستان کو ان الفاظ میں رقم کرتا ہے کہ :-  
سیدنا علیؓ نے اس موقع پر جاریہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ جب یمن پہنچا تو وہ ہر اس شخص کو قتل کر دیتا اور زندہ جلا دیتا جس کو سیدنا علیؓ نے مخرف پانا۔ اس بناء پر لوگ جاریہ بن قدامہ کو ”مخرق“ (جلا دینے والا) کہنے لگے۔

(تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۲۱۴)

جاریہ نے صرف اسی پریس نہیں کی بلکہ وہ قتل و غارت کرنا اور آگ کے شعلے برساتا ہوا مدینہ طیبہ تک چا پہنچا یہاں ان دنوں سیدنا ابوبکرؓ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت اور ظلم و استبداد کے بارہ میں وہ پہلے ہی سن چکے تھے، لہذا جب انہوں نے سنا کہ وہ مدینہ طیبہ بھی پہنچ گیا ہے تو وہ مدینہ سے بھاگ گئے۔ جاریہ کو جب پتہ چلا کہ ابوبکرؓ

بھاگ گئے ہیں تو وہ کئے لگا کر میں ابوستور ربتی والے کو پالیتا تو اس کی گردن ماردیتا۔

(طبری جلد ۶ ص ۸۱، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲۲)

یہ مختصر داستان ہے ان مظالم کی جو آپ کے صرف ایک گورنر جبار بن قدامہ سے سرزد ہوئے لیکن اگر مالک الاشرار اور دوسرے کئی ایک گورنروں کی داستان ظلم بیان کی جائے تو قلم کے قدم رک رک جاتے ہیں اور سیدنا قرطاس سے چٹخیں بلند ہونی شروع ہو جاتی ہیں لیکن تاریخ کے اوراق کو کھنگال لیجئے آپ کو یہی نظر آئے گا کہ سیدنا علیؑ نے ان گورنروں سے جتن پوتی ہی کی اور جبار بن قدامہ اور مالک الاشرار وغیرہ سے نہ کوئی باز پرس کی اور نہ انہیں کوئی سزا دی۔ لیکن معترضین کا نہ صرف اور صرف مظلوم معاویہؓ پر گرتا ہے اور سیدنا علیؑ کے بارہ میں ان کی زبانوں سے کچھ نہیں نکلتا۔ کیا ان معترضین کو جبار بن قدامہ اور مالک الاشرار کی چیرہ دستیال نظر نہیں آتیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کے گورنر بسرن ارطاة کے تجوزات پڑھ کر وہ اگر چیخ اٹھتے ہیں تو سیدنا علیؑ کے گورنروں جبار بن قدامہ اور مالک الاشرار کی چیرہ دستیوں سے بھی ان کے دل ہل جاتے ہیں۔

یہ تو ایک الزامی جواب تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ دشمنان صحابہؓ نے اس قسم کی داستانیں صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنے کے لیے تاریخ کے اوراق میں گھسیڑ دی ہوئی ہیں۔ ہمارا مسلک اور موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ رضوانہ اللہ علیہم اجمعین یا سیدنا معاویہؓ کا دامن ظلم کی ان استخوانوں سے پاک ہے۔ اور تاریخ کی ان منقطع اور تقیہ باز راویوں کی روایات سے صحابہ کرامؓ کا دامن داغدار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انہیں بارگاہ الوہیت سے رضی اللہ عنہ ورضوہ کی سند امتیاز مل چکی ہے۔ چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:-

”ہم وہ تاریخ روایت جس سے بعض صحابہ کرامؓ پر عیب اور ظن کیا جاتا ہے وہ قابل رد ہے بلکہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہے۔“

(احکام القرآن عربی جلد ۳ ص ۲۷۴)

اصل بات یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کی خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف یہ جھوٹا پراپیگنڈہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور باقاعدہ حکومتی سطح پر کیا گیا۔ اس بات کو صرف

ایک حوالے کے ایک واقعہ سے سمجھ جایئے۔ ۱۱۲ھ میں الامون عباسی اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا۔ ۱۱۲ھ میں اس نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علیؑ تمام مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔ اور اس بات کی بھی منادی کر دی کہ جو شخص معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ کے بارہ میں خیر کے کلمات کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (گو یا کہ بتایا یہ گیا کہ اس شخص کو سرکاری بد معاش اور بد قماش اگر موت کے گھاٹ اُتار دیں تو حکومت اس کی ذمہ دار نہ ہوگی) جب سیدنا معاویہؓ پر اس قسم کے مطاعن حکومتی سطح پر منظم طریقے سے بیان ہوں تو پھر آج اگر ہمارے ذہن مظلوم معاویہؓ کے اچھے کاموں کو بھی قبول نہ کریں تو ہم معذور ہیں۔ ”دما دم مست قلندر علی دایہلا نمبر“ امامون الرشید شیعہ کے حکومتی آرڈیننس کی صدائے باز گشت ہے۔



## مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

سیدنا معاویہؓ پر بعض نام نہاد عالموں کی طرف سے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کی سنت کو تبدیل کر کے ایک بدعت ایجاد کی وہ یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے اربعہؓ کے زمانہ میں نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا اور نہ مسلمان کافر کا۔

اس اعتراض کی اگر چھان پھٹک کی جائے تو اس کی نوعیت بھی نصف دیت والے اعتراض کی سی ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے اور نہ صرف سیدنا معاویہؓ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے، بلکہ اور بھی کئی صحابہؓ اس کے قائل ہیں۔ اگرچہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ نہ تو کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا۔ لیکن اس کے مخالف مسلک رکھنے والے کو بدعت کا مرتکب گردانتا تھا زیادتی بلکہ بددیانتی ہے۔ ائمہ اربعہؓ کے درمیان کئی مسائل ایسے ہیں کہ جمہور کا مسلک کچھ اور ہوتا ہے اور ایک امام کا قول کسی خاص دلیل کی بنا پر اُس جمہور کے مسلک کے خلاف ہوتا ہے لیکن آج تک کسی نے اُس پر بدعت کے مرتکب ہونے کا الزام نہیں لگایا۔ کیوں کہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ان اجتہادی مسائل میں اکثر اختلاف رائج اور مرجوح کا ہوتا ہے۔ سنت اور بدعت کا نہیں ہوتا۔

چنانچہ اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں۔

۱۔ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے؟

۲۔ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے؟

پہلی بات میں سیدنا معاویہؓ سمیت سب صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، لیکن بعض صحابہؓ اور تابعین کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد انقرطبیؒ فرماتے ہیں :-

واختلفوا فی میراث المسلم الکافر۔۔۔۔۔ فذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين وفقهاء الامصار الى انه لا يرث المسلم الکافر بهذا الاثر الثابت و ذهب معاذ بن جبل ومعاوية من الصحابة وسعيد بن المسيب ومسروق من التابعين وجماعة الى ان المسلم يرث الکافر۔

مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہؓ تابعین اور مختلف شہروں کے جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اس حدیث کی وجہ سے کہ (لا يرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم) لیکن صحابہؓ میں سے معاذ بن جبلؓ اور سیدنا معاویہؓ اور تابعین میں سے سعید بن المسيبؓ اور مسروقؓ اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۳۵۲، ۳۵۳)

علم وراثت کی مشہور کتاب شریفیہ شرح سراجی میں سید شریف البحر جانیؒ فرماتے ہیں :-  
فلا يرث الکافر من مسلم اجماعاً ولا المسلم من الکافر علی قول علي ويزيد وعامة الصحابة واليه ذهب علماءنا والمشافعي والقياس ان يرث المسلم من الکافر ولا يرث الکافر منه واليه ذهب معاذ بن جبل ومعاوية

بن ابی سفیان والحسن ومحمد بن الحنفیۃ ومحمد بن علی بن الحسین ومسروق رحمہم اللہ۔

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا یہ اجماعی مسئلہ ہے اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یہ مذہب علیؑ، زید بن ثابتؓ اور جمہور صحابہؓ کا ہے اور ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہو، معاذ بن جبلؓ، معاویہؓ، حسن بصریؒ، محمد بن حنفیہؒ، محمد باقرؒ اور مسروقؒ کا یہی مذہب ہے۔

(شریفیہ شرح سراجی ص ۴۷)

علامہ بدر الدین عینیؒ اس مسئلہ میں اختلاف کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-  
واما المسلم فهل يرث من الكافر أم لا، فقالت عامة الصعابة رضي الله تعالى عنهم لا يرث وبه اخذ علماءونا والشافعي وهذا استحسنه والقياس ان يرث وهو قول معاذ بن جبل ومعاوية بن سفيان وبه اخذ مسروق والحسن ومحمد بن الحنفية ومحمد ابن علي بن حسين -

اور یہ بات کہ کیا مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، پس عام صحابہؓ فرماتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا اور اسی شی کو ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے، لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو اور

۱۔ استحسان ایک فقہی اصطلاح ہے۔ استحسان کہتے ہیں کہ ”مجتہد ایک مسئلہ میں اس کے نظائر و امثال کے مطابق حکم نہ لگا سکے بلکہ ایک قوی تر دلیل کی جانب رجوع کرے جو اشیاء و نظائر سے عدول کا تقاضا کرتی ہو“ استحسان کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف چلا آ رہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ استحسان کے قائل تھے اور ان کے معاصر امام مالکؒ بھی یہ کہا کرتے تھے کہ ”استحسان تو ہے فی صد علم ہے“ امام شافعیؒ استحسان

یہی معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ بن ابی سفیان کا قول ہے اور اسی کو مسروقؓ، اور حسن بصریؓ، محمد بن حنفیہؓ اور محمد بن علی بن حسینؓ نے اختیار کیا ہے۔

(عمدة القاری فی شرح البخاری جلد ۲۳ ص ۲۶)

سیدنا معاذ بن جبلؓ اور سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کے ناموں کے ساتھ سیدنا عمر فاروقؓ کا نام بھی اس سلسلہ میں کتابوں میں ملتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے کہ مسلمان کا فر کا وارث ہو سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو المقتی جلد ۶ ص ۲۹۴)

ان حضرات کا یہ مسلک اس قیاس کا نتیجہ ہے جس کو ابن رشد القرطبیؒ نے نقل کیا۔

وَشِبْهُوْذٰلِكَ بِنْسَا۟ئِهِمْ فَقَالُوْا كَمَا يَجُوْزُ لَنَا  
اِنْ نَنْكَحْ نِسَا۟ئِهِمْ وَيَجُوْزُ لَنَا اِنْ نَنْكَحْهُمْ نِسَا۟ئَنَا  
كَذَا لَكَ الْاَمْرُث -

ان کو ان کی عورتوں سے شہبہ ہو گیا کہ جس طرح ہمارے لیے جائز ہے کہ ہم اہل کتاب (کافر) کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور اپنی عورتیں ان کے نکاح میں نہیں دے سکتے ہیں، اسی طرح وراثت کا معاملہ ہے کہ وہ ہمارے مالوں کے وارث نہیں ہو سکتے، البتہ ہم اُن کے مالوں کے وارث ہو سکتے ہیں) (ریداتہ المجتہد جلد ۲ ص ۳۵۳)

القبیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ کے تحت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے: جس نے امتحان سے کام لیا اُس نے دین کو خود گھڑ لیا، چنانچہ آپؐ نے اپنی کتاب الام میں ایک باب ہی امتحان کے ابطال پر قائم کیا ہے (کتاب الام جلد ۱ ص ۲۶۷)

جس میں آپؐ نے اپنے وہ تمام دلائل جمع فرما دیے ہیں جو امتحان کے بطلان پر آپؐ نے دیئے ہیں۔ آپؐ کے نزدیک فتویٰ یا تو اخذ بالنسب ہونا چاہیے یا حمل علی النسب، لیکن ان کے نزدیک امتحان میں نہ اخذ بالنسب ہوتا ہے اور نہ حمل علی النسب ہے۔ لہذا یہ باطل ہے۔ لیکن فقہاء احناف اور مالک نے ان سب دلائل کے جوابات اپنی اپنی کتابوں میں بڑی تفصیل سے دیئے ہیں ملاحظہ ہو۔

(المبسوط جلد ۱ ص ۱۲۵)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے اس بات کی تائید اور تعریف میں عبد اللہ بن معقلؒ کا ایک قول نقل کیا ہے کہ:-

اخرج ابن ابی شیبہ عن طریق عبد اللہ بن معقل قال ما رأيت قضاءً احسن من قضاء قطي به معاوية نوث اهل الكتاب ولا يرثونا كما يحل النكاح فيهم ولا يحل لهم وبه قال مسروق وسعيد بن المسيب وابراهيم النخعي واسحق.

ابن ابی شیبہ نے عبد اللہ بن معقلؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی فیصلہ سیدنا معاویہؓ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوتے ہیں اور وہ ہمارے وارث نہیں ہوتے جیسے کہ ان کی عورتوں سے ہمیں نکاح تو جائز ہے لیکن انہیں ہماری عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور ایسا ہی مسروقؒ، سعید بن المسيبؒ، ابراہیم النخعیؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔  
(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۵۸)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے کافر کے وارث ہونے میں صحابہؓ اور تابعینؓ کا اختلاف ہے اور سیدنا معاویہؓ اس میں منقرض نہیں بلکہ سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا معاذ بن جبلؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی ان کے ہم نوا ہیں۔ یہ الگ بات ہے ان حضرات کا یہ مسلک جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح مسلک ہے۔ اس لیے یہ ایک اجتہاد مشدہ ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی بدعت نہیں کہلا سکتا۔ سیدنا معاویہؓ ایک مجتہد اور فقیہ اور صاحب فتویٰ صحابیؓ رسولؐ تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، اعلام المتوفیین جلد ۱ ص ۹) اور مجتہد کی اجتہاد ہی خطا بھی اجر و ثواب کا موجب ہو ا کرتی ہے۔ اور اگر معترضین اس کو بدعت کہنے پر مصر ہیں تو اس بدعت کے ترکیب نہ صرف سیدنا معاویہؓ ہی تھے بلکہ صحابہؓ میں سے سیدنا عمر الفاروقؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ اور تابعینؓ میں سے سیدنا حسینؓ کے بھائی محمد بن حنفیہؓ اور سیدنا حسینؓ کے پوتے امام محمد باقرؓ اور دوسرے کئی ایک بزرگ تھے۔



یہ ساری بحث جو گذشتہ سطور میں ہم نے کی ہے اس صورت میں ہے جب کہ ہمیں یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعی سیدنا عمرؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا معاویہؓ اور دیگر تابعینؓ کا مذہب تھا، لیکن کتابوں کی ورق گردانی سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اس مسلک کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کے مخالفین نے یہ شی ان کی طرف منسوب کر دی ہو، آخر کیا کیا کچھ سیدنا معاویہؓ کی طرف منسوب نہیں ہوا؟ چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اجمع اهل العلم على ان الكافر لا يرث المسلم  
وقال جمهور اصحابه والفقهاء لا يرث المسلم  
الكافر وروى هذا عن ابى بكر وعمر وعثمان  
وعلى واسامة بن زيد وجابر رضى الله عنهم  
وبه قال عمر بن عثمان وعروة والزهرى و  
عطاء وطاؤس والحسن وعمر بن عبد العزيز  
وعمر بن دينار والثورى وابو حنيفة و  
اصحابه ومالك والشافعى وعامة الفقهاء و  
عليه العمل وروى عن عمرو ومعاذ ومعاوية رضى  
الله عنهم انهم ورثوا المسلم من الكافر ولم يرثوا  
الكافر من مسلم وحكى ذلك عن محمد بن الحنفية  
وعلى بن حسين وسعيد بن المسيب ومسروق  
وعبد الله بن معقل والشعبي والنخعي ويحيى  
بن يعمر واسحاق وليس بموثوق به عنهم فان  
احمد قال ليس بين الناس اختلاف في ان  
المسلم لا يرث الكافر۔

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، اور

جمہور صحابہؓ اور فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے کہ ایک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، یہ قول ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، اسامہ بن زیدؓ اور جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے اور عمر بن عثمانؓ، عروہؓ، زہریؓ، عطاءؓ، طاووسؓ، حسن بصریؓ، عمرو بن عبد العزیزؓ، عمرو بن دینارؓ، سفیان ثوریؓ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؓ کا لک شافعیؒ اور عام فقہاء کا بھی یہی قول ہے اور اسی پر عمل ہے۔ سیدنا عمرؓ، معاذ بن جبلؓ اور معاویہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا وہ کافر کو مسلمان کا وارث تسلیم نہیں کرتے۔ یہی بات محمد بن الحنفیہؒ کی (بمادر سیدنا حسینؓ) علی بن الحسینؓ (امام زین العابدینؓ) سعید بن المسیبؓ، مسروقؓ، عبد اللہ بن معقلؓ، شعبیؓ، تحفیؓ (رأستاد امام ابو حنیفہؒ) یحییٰ بن یعمرؓ اور اسحاق سے بھی ہے مروی ہے لیکن ان حضرات کی طرف اس قول کی نسبت معتبر نہیں کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

(المغنی جلد ۱، ص ۱۶۱)

مغنی ابن قدامہؒ کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت غلط ہے اور اگر مغنیؒ کی اس عبارت پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اس قول کی نسبت سیدنا معاویہؓ، معاذ بن جبلؓ اور سیدنا عمرؓ کی طرف صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے گذشتہ سطور میں نقل کیا ہے۔



## اہل بیت نبویؐ سے برتاؤ

ایک اعتراض سیدنا معاویہؓ پر یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اہل بیت نبویؐ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا۔ اگر اس اعتراض کی چھان پھٹک کی جائے تو حقیقت اس کے بالکل خلاف نظر آتی ہے اور تاریخ کی قوی اور ثقہ روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا بلکہ بعض دفعہ اگر انہوں نے کوئی ناقابل برداشت بات بھی کہہ دی تو آپؐ نے صرف اہل بیت نبویؐ کا احترام کرتے ہوئے اُس کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ ابن طقطقی لکھتا ہے :-

”اشراف قریش میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، ابان بن عثمانؓ اور ابی ابی طالب کے افراد معاویہؓ کے پاس اکثر دمشق جا یا کرتے تھے۔ وہ ان سب بزرگ حضرات کو نہایت اچھے طریقے سے رکھتے اور ان کی نہایت فیاضانہ طریقے سے ہمان نوازی کرتے۔ ان کی تمام ضروریات کو پورا کرتے۔ اس کے بدلے میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چین چین ہتے لیکن امیر معاویہؓ ان باتوں کو کبھی مذاق میں اڑا دیتے اور کبھی یوں ہی مال دیتے۔“

ابن طقطقی کے اس جملہ سے ہمیں اختلاف ہے کیونکہ تاریخ کی صحیح روایات میں آتا ہے کہ تمام بنو ہاشم اور خصوصی طور پر اہل بیت نبوت سیدنا معاویہؓ کا نہایت احترام کرتے اور سیدنا معاویہؓ ان سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔ جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں کئی مقامات پر ہم نے مختلف روایات سے واضح کیا ہے۔

اور اُس کے جواب میں بہت قیمتی تحائف اور بڑی رقوم دیتے۔ (الفخری ص ۹۴)  
یہی ابن طقطقی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

”اگرچہ اہل طالب اور دوسرے کئی اعیان و شرفاء آپ کے خلاف ہوتے تھے لیکن آپ کی فیاضی کا اثر ہمیشہ ان پر برستا رہتا۔ (الفخری ص ۹۵)

علاوہ انہیں اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے یزید کو جو صبیٹیں فرمائیں اُن میں اہل بیت نبوت خصوصی طور پر سیدنا حسین بن علیؑ کے متعلق ان الفاظ میں وصیت فرمائی۔

”عراق والے حسینؑ کو تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑیں گے لیکن جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تمہیں اُن پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا کیونکہ وہ قربت دار ہیں، اُن کا بڑا حق ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ہیں۔“ (الفخری ص ۱۰۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اپنی خلافت کے دوران سیدنا معاویہؓ سیدنا حسنؓ

اور سیدنا حسینؓ سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کو بیش قیمت عطیات سے نوازتے چنانچہ ایک روز اُن کو ۲۰ لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۰)

آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور اُن کے بیٹے یزیدؓ میں لاکھ درہم دینے سے اتنی بنی رقوم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ طیارؓ (جو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور آپ کے بہن سیدہ زینبؓ کے خاوند تھے) کو بھی دیتے تھے

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۳)

ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا امام حسینؓ کو

بھیجے جاتے جن کو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷)

سیدنا حسینؓ کبھی ایکے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف وغیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد بھی ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ اُن کو بہت عطیات وغیرہ دیتے اور بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۰، ۱۵۱)

ایک مرتبہ آپ نے سیدنا حسنؑ کو چار لاکھ درہم دیے اور ایک دفعہ دونوں بھائیوں کو دو دو لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۷)

ایک مرتبہ سیدنا عقیلؑ بن ابی طالب کو جو سیدنا علیؑ کے بڑے بھائی تھے ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت پڑی۔ آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اپنی ضرورت ظاہر کی۔ آپ نے فوراً ۵۰ ہزار درہم اُن کو دیدیے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۳)

اگرچہ سیدنا حسنؑ کے سیدنا معاویہؓ کی بیعت کرنے کے بعد حضرت حسینؑ نے بھی اُن کی بیعت کر لی تھی (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۲۳) لیکن دونوں بھائیوں کی طبیعتوں میں بہت اختلاف تھا۔ سیدنا حسنؑ بڑے سنجیدہ، مستقل مزاج اور صاحب فکر و نظر انسان تھے، انفرادی سے آپ کو ہمیشہ متفرق تھا، مگر اس کے مقابلہ میں سیدنا حسینؑ قدرے جذباتی تھے، اسی وجہ سے کوفہ کے سبائی قتلہ پر داذکپ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتے اور ان کو سیدنا معاویہؓ کے خلاف مشغول کرتے رہتے تھے، سیدنا معاویہؓ کو ان سب باتوں کا علم تھا لیکن آپ نے سیدنا حسینؑ سے کبھی بھی تعرض نہ کیا۔

ایک مرتبہ یمن سے ایک قافلہ بہت سا مال و اسباب سیدنا معاویہؓ کے پاس لے جا رہا تھا کہ سیدنا حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اُس کو چھین لیا اور اپنے اہل بیت پر تقسیم کر دیا اور سیدنا معاویہؓ کو خط لکھ دیا۔ (ابن ابی المحدث جلد ۲ ص ۲۸۱) سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسینؑ کو لکھا:-

”میرے پیچھے میرے خیال میں تمہارے دماغ میں جوش بھرا ہوا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہ جاتے ہو۔ میرے زمانے میں تو تمہارا ایسا معاملہ درگزر کیا جاسکتا ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے شخص سے نہ پڑ جائے جو تمہارا ایسے معاملات میں بالکل لحاظ نہ کرے۔“

(ناسخ التواریخ کتاب ۲ ص ۸۲-)

سیدنا معاویہؓ اہل بیت المؤمنین سلام اللہ علیہم کی خدمت بھی اپنے لیے باعث فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ انہوں نے کئی کئی لاکھ ک رقم سیدہ عائشہؓ

سلام اللہ علیہا اور دوسری اہبات المؤمنین کو بطور عطیہ پیش کی (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۷۵)  
 سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں ایک مرتبہ آپ نے ایک لاکھ درہم ارسال  
 کئے جن کو آپ نے اسی روز تقسیم کر دیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ پر ۸ ہزار دینار قرض ہو گیا۔ اس سارے کے سارے قرض کو  
 سیدنا معاویہؓ نے ادا کیا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں آپ نے ایک لاکھ درہم مالیتی گلابی درہم  
 کیا جس کو ام المؤمنینؓ نے بصد خوشی قبول فرمایا۔

ایک مرتبہ سیدنا حسنؓ بن علیؓ اور سیدنا عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے سیدنا معاویہؓ کے  
 پاس اپنا ایک آدمی بھیجا اور آپ سے کچھ مال طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ درہم  
 ارسال کر دیئے۔

ایک اور مرتبہ آپؓ نے سیدنا حسنؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور ایک لاکھ عبداللہ بن  
 جعفر طیارؓ کو، ایک لاکھ عبداللہ بن عمرؓ کو اور ایک لاکھ عبداللہ بن زبیرؓ کو بھیجے۔  
 سیدنا حسنؓ کی وفات پر سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تعزیت کے  
 لیے گئے اور سیدنا ابن عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

لَا يَسْئَلُكَ اللَّهُ وَلَا يَحْزَنُكَ فِي الْحَسَنِ -

اللہ تعالیٰ حسنؓ کے بارہ میں آپ کو کوئی تکلیف اور غم نہ دے۔

اس پر سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا۔

لَا يَحْزَنُنِي اللَّهُ وَلَا يَسْئَلُنِي مَا الْبَقِيَ اللَّهُ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ -

امیر المؤمنینؓ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، مجھے نہ تو کوئی غم ہے نہ تکلیف۔

سیدنا معاویہؓ امیر المؤمنینؓ نے آپ کو دس لاکھ درہم اور بہت سا بیش قیمت

سامان دیا اور کہا کہ آپ اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ فرمائیں۔

راہد اربعہ والتمایہ جلد ۸ ص ۱۳۶، ۱۳۸

یہ تو اہل بیت نبوت تھے۔ آپ کا دامن عفو و بخشش تو اپنی رعایا کے ہر فرد پر سایہ نیک

تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ :-

”میں اپنے نفس کو اس بات سے بچاتا ہوں کہ کوئی جرم ایسا ہو جو میرے عموں  
بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے، یا کوئی  
خطا ایسی ہو جسے میں چھپانہ سکوں، یا کوئی بڑی ایسی ہو جس کے مقابلہ میں میں  
احسان نہ کر سکوں“ (طبری جلد ۶ ص ۱۸۶، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۵، ابن اثیر  
جلد ۲ ص ۲۶۲)

حضرت ابو مسلم خولانیؒ ایک بہت بڑے تابعی تھے۔ سیدنا معاویہؓ ان کا بہت احترام  
فرماتے تھے اور یہ سیدنا معاویہؓ کو نرم و گرم نصیحتیں کرتے رہتے تھے، لیکن سیدنا معاویہؓ ان کی  
بات کا ہرگز برا نہ مانتے تھے بلکہ بڑی قدر سے ان کی نصیحتوں کو سنتے اور ان پر عمل بھی کرتے  
سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں ایک دفعہ ایسا ہو کہ سرکاری ملازمین کو دو تین ماہ کی تنخواہیں نہ  
ملیں۔ اسی دوران سیدنا معاویہؓ ایک روز خطبہ کے لیے منبر پر تشریف لائے جب  
خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو خطبہ کے دوران ابو مسلم خولانیؒ بیچ میں بول پڑے اور کہا :-  
”اے معاویہؓ! یہ مال نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا اور نہ تمہاری ماں کا۔“  
سیدنا معاویہؓ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا  
اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لا کر کہا :-

”لوگو! ابو مسلمؒ نے کہہ ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں  
کا۔ ابو مسلمؒ نے درست کہا اور میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور شیطان کو حق تعالیٰ  
نے آگ سے پیدا کیا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، اس لیے جب تم میں  
سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کر لے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی  
تنخواہیں وصول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔“

(حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۰)

آپ کے اسی علم، بردباری، اہل بیتِ نبوت اور رعایا سے حسن سلوک کی وجہ سے

سیدنا علیؑ کے دست راست اور خاندان بنو ہاشم کے چشم و چراغ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

”وہ اپنے پوشیدہ اسرار کی وجہ سے بلند ہوا اور اپنے اظہار سے اُس نے غلبہ حاصل کیا۔ اظہار کے ذریعہ اسرار تک پہنچا اور اُسے پایا۔ اُس کی بردباری اور حلم اُس کے غضب پر غالب ہے اور اُس کی سخاوت اور داد و بخش اُس کے بخل پر حاوی ہے۔ قطع رحمی سے پرہیز کرتا ہے اور صلہ رحمی کا حق گرہ ہے آپس میں ملاتا ہے، جدا نہیں کرتا، اس لیے اُس کے سب معاملات درست رہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔“ (العقد الفريد جلد ۲ صفحہ ۲۳۵)

سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں آپ کا ایک اور قول شیعہ مؤرخ ابن طقطقی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ما را دیت احداً الیق من اعطاف معاویة بالیاسة والملک۔  
میں نے معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور مملکت کے امور میں کسی کو زیادہ لائق نہیں دیکھا۔ (الفخری ص ۷۷)

تاریخ کی ان ثقہ شہادتوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ پر یہ الزام بھی جہالت اور تعصب پر مبنی ہے اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ اور صرف ان کی شخصیت کو بدنام کرنے کے لیے اس اعتراض کو تراشا گیا ہے۔ خاندان رسالت سے اُن کا برتاؤ ویسا ہی تھا جیسا دوسرے صحابہ کرامؓ کا تھا۔ وہ اُن کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور یہ اُن کا نہایت ادب و احترام کرتے تھے آپس میں کوئی بغض و عناد یا بغض و تعصب نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسرے کو ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ سمجھتے تھے اور ان میں نسبی اور ایمانی رشتہ ترک کر پائیاں نہایت مضبوط و مستحکم تھیں۔





## سیدنا حسنؑ کو زہر دلوانا

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدنا حسنؑ کو زہر دلوایا کہ شہید کر دیا تھا۔ یہ اعتراض جس قدر سنگین ہے اسی قدر کمزور اور ناقابل اعتبار بھی ہے کیونکہ تواریخ میں جو روایات اس بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ روایتاً اور درایتاً غلط ہیں۔ سیدنا حسنؑ کو زہر دینے سے سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؑ کے مابین خلافت کے بارہ میں جو مصالحت ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ تھی کہ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد حسنؑ خلیفہ ہوں گے۔ سیدنا معاویہؓ چونکہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اس لیے اس شرط سے انحراف کرنے کے لیے انہوں نے اپنی زندگی میں ساز باز کر کے سیدنا حسنؑ کو زہر دلوایا کہ شہید کر دیا، لیکن تاریخ کی کتابوں میں سیدنا معاویہؓ اور سیدنا حسنؑ کے مابین مصالحت میں اس شرط کا کوئی تذکرہ نہیں اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو سیدنا حسنؑ سے کیا پر خاش ہو سکتی تھی جس کی بناء پر وہ سیدنا حسنؑ کو زہر دلاتے، سیدنا معاویہؓ جیسا صاحب بصیرت اور صاحب زہد و تقویٰ شخص ایسا شرمناک فعل کبھی بھی نہیں کر سکتا۔

وہ مؤرخین جن کی روایات پر اعتماد کر کے سیدنا معاویہؓ پر اتنا گھناؤنا اور سنگین الزام لگایا جاتا ہے، وہ تو سیدنا حسنؑ کی تاریخ وفات کے بارہ میں بھی متفق نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ اُن کی وجہ وفات پر اُن کے قول کو معتبر مانا جائے۔

ابن جریر طبری شعبان ۴۰ھ لکھتے ہیں لیکن ابن اثیر ۴۹ھ یا ۵۰ھ ۵۱ھ اور علامہ سیوطی ۴۹ھ یا ربیع الاول ۵۰ھ لکھتے ہیں۔

لے ابن حجر عسقلانی نے ۴۹ھ ۵۰ھ ۵۱ھ ۵۲ھ ۵۳ھ ۵۴ھ اور ۵۹ھ نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۱)

تواریخ کی کتابوں میں اس بارہ میں کوئی معتبر روایت نقل نہیں کی گئی۔ قدیم مؤرخین نے تو زہر خورانی کی روایت کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور جن مؤرخین نے اس روایت کا تذکرہ کیا ہے، انہوں نے بھی بغیر کسی راوی کا نام لیے صرف ”ذکر“، ”قیل“ اور ”یقال“ وغیرہ تملیض کے صیغوں سے اس کا تذکرہ کیا ہے جو کہ ضعیف روایت پر دلالت کرتے ہیں۔

رملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶، مروج الذهب جلد ۲ ص ۵۵، الاستیعاب جلد ۱ ص ۱۴۲، اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۱۵، الاصابہ جلد ۲ ص ۱۳۱، تنذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۱، المبداء والنہایہ جلد ۸ ص ۴۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۲۸، ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۲، ابو الفداء جلد ۱ ص ۱۸۳ اور اتنے اہم واقعات کے لیے یہ تملیض کے صیغے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ طبقات ابن سعد، الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ وغیرہ میں جس قدر بھی روایات اس واقعہ کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری بے سند ہیں اور کسی میں بھی یقین کے ساتھ سیدنا معاویہ کا کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ ان روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا حسنؑ سے جب اس زہر دینے والے کا نام پوچھا گیا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کر دیا جیسا کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ میں ابن سعد کی روایت کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:-

فَاتَاهُ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فَسَأَلَهُ مَنْ سَقَاهُ فَإِنْ أَنْ يَنْبَغِيكَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى -  
 بعد ازیں سیدنا حسینؑ بن علیؑ اُن (سیدنا حسنؑ) کے پاس آئے اور پوچھا کہ  
 آپ کو یہ زہر کس نے دیا؟ آپ نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اُن پر رحم  
 فرمائے۔ (الاصابہ)

جب زہر پینے والے نے نہیں بتایا کہ کس نے زہر دیا ہے تو بعد والے  
 راویوں کو کیسے پتہ چل گیا کہ زہر دینے والے سیدنا معاویہؓ تھے۔  
 یعقوبی نے شیعہ ہونے کے باوجود زہر دینے والے کا نام نہیں بتایا۔

رملاحظہ ہو یعقوبی جلد ۲ ص ۲۶۶

مسعودی جس کو شیعہ حضرات اپنے شیوخ و اکابر میں سے شمار کرتے ہیں رملاحظہ ہو  
 العواصم من القواصم ص ۲۴۹ (تعلیقہ) نے بھی اس واقعہ کا ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے کہ:-

وذكر ان امرأته جعدة بنت الاشعث بن قيس الكندي  
سقتہ السقم وقد كانت معاوية دس اليها۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بیوی جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی نے  
معاویہؓ کے اشارے سے آپ کو زہر دیا تھا۔ (مروج الذهب جلد ۲ ص ۵۸)  
علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے زہر دینے کا الزام یزید بن معاویہؓ کے سر تھوپا ہے۔  
چنانچہ لکھا ہے :-

توفي الحسن بالمدينة مسموماً سمية زوجته جعدة بنت  
الاشعث بن قيس دس اليها يزيد بن معاوية ان استعمله -  
سیدنا حسنؓ کی وفات مدینہ طیبہ میں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ اُن کو ان کی  
بیوی جعدة بنت الاشعث بن قیس نے یزید بن معاویہؓ کے اشارے سے  
زہر دیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۹۱)

ابو الفداء نے یزید اور معاویہؓ دونوں کا نام لے کر معاملہ کو اور زیادہ اشتباہ میں ڈال  
دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

وتوفي الحسن من سقم سقتہ زوجته جعدة بنت الاشعث  
قيل فقلت ذلك بامر معاوية وقيل بامر يزيد -  
اور سیدنا حسنؓ کی وفات زہر سے ہوئی جو ان کی اہلیہ جعدة بنت الاشعث  
نے انہیں دیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اُس نے یہ معاویہؓ کے اشارے سے دیا تھا اور  
یہ بھی کہا گیا ہے کہ یزید کے حکم سے دیا تھا۔

علامہ ابن جوزیؒ نے سیدنا حسنؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کسی زہر وغیرہ کا تذکرہ  
نہیں کیا بلکہ ”مرض“ (بیماری) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

مرض الحسن بن علي اربعين يوماً -

سیدنا حسنؓ بن علیؓ چالیس روز تک بیماری میں مبتلا رہے۔

(مصنفه الصفوة جلد ۳۲ ص ۳۲۲، تاریخ الخلفاء جلد ۲ ص ۳۲۶)

الدیسری نے بیماری کی مدت دو ماہ لکھی ہے۔ (حیوة الجنان جلد ۱ ص ۶۶)  
متذکرۃ الصدر عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کی نسبت سیدنا معاویہؓ  
کی طرف صحیح نہیں کیونکہ اگر صحیح ہوتی تو اس بارہ میں کسی شخص کا نام لیا جاتا کہ فلاں شخص نے  
یہ کہا ہے یا فلاں نے سیدنا حسنؓ سے سنا کہ مجھے فلاں آدمی نے زہر دیا ہے۔ ”قیل“ یا ”ذکر“  
جیسے کمزور الفاظ سے اُس کو بیان کرنا اس واقعہ کے غلط ہونے کی بین دلیل ہے بلکہ این  
خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مؤرخ نے توصاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زہر خورانی کا واقعہ  
”شیدہ حضرات“ کا گھڑا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

ما ينقل ان معاوية دس اليه السم مع نرجته جعله  
بنت الاشعث فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية  
من ذلك۔

یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے اُن کی اہلیہ بنت الاشعث سے مل کر اُن کو  
زہر دلایا تھا۔ یہ سب شیعوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اور معاویہؓ کی ذات اس  
سے متبر ہے۔ (ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۸۶)

علامہ ذہبی اپنی تاریخ میں زہر خورانی کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-  
قلت لهذا شئ لا يصح فمن الذي اطلع عليه۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور کون شخص اس پر مطلع ہوا کیوں کہ  
سیدنا حسنؓ نے تو نام بتایا ہی نہیں، (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۲۱۹)  
موجودہ صدی کے نامور مؤرخ احمد شلبی زہر خورانی کی روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں :-

والكن ذلك الاتهام لم يثبت۔

لیکن یہ (سیدنا معاویہؓ پر) ایک اتہام ہے جو ثابت نہیں ہے۔

(التاریخ الاسلامی والحضارة الاسلامیہ جلد ۲ ص ۳۳۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اس واقعہ کو غلط قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں :-

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حسنؓ کو معاویہؓ نے زہر دیا تھا، کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے

ثابت نہیں اور نہ ہی کوئی قوی اور صحیح روایت اس کی شہادت دیتی ہے اور یہ واقعہ ان واقعات میں سے ہے جس کی گہرائی میں پہنچا جاسکتا ہے۔

(محتاج السنہ جلد ۲ ص ۲۲۵)

قریباً سی کچھ علامہ ذہبی نے المنقذی امن الاعتدال فی نقض کلام الرض والاخرال کے صفحہ ۲۲۶ پر بیان فرمایا ہے :-

ان دلائل قاطعہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا حسنؑ کو زہر نہیں دیا گیا تھا اور اگر بالفرض دیا گیا تھا تو اس میں سیدنا معاویہؓ کا بالکل کوئی ہاتھ نہیں تھا بلکہ یہ روایت شیعوں نے سیدنا معاویہؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ شیعہ مؤرخین نے اسے بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے اور اس پر خوب حاشیے چڑھائے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بحار الانوار، مآثر مجلسی جلد ۱ ص ۱۴۳ ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱، تاریخ طاہر مقدسی جلد ۶ ص ۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۵۵، روضۃ الصفاء جلد ۳ ص ۱، اعیان الشیعہ جلد ۱ ص ۱، سیرت علویہ شاہ محمد علی حیدر جلد ۱ ص ۳۶ وغیرہم)



## استلحاق زیاد

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض بعض صحابہ دشمن لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاسی اغراض کے تحت شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی اور امیر زیاد کا جو طائف کی ایک سمتیہ نامی لونڈی کے بطن سے تھے، نسی طور پر اپنے ساتھ الحاق کر لیا۔ ان کا یہ فعل قانونی حیثیت سے ایک مریخ ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔

زیاد بن ابی سفیان حارث بن کلدہ طیب کی لونڈی سمتیہ کے بیٹے تھے۔ جب سمتیہ ابھی حارث بن کلدہ ہی کے پاس تھی تو حضرت ابو بکرؓ اُس سے پیدا ہوئے۔ پھر اُس نے اُس لونڈی کی شادی اپنے ایک غلام سے کردی اور اس کے ہاں امیر زیاد پیدا ہوئے۔ امیر زیاد کی پیدائش کا قصہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا ابوسفیانؓ اپنے کسی کام سے طائف گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے جاہلیت کے مروجہ نکاح کی طرح سمتیہ سے نکاح کیا اور اُس سے مباشرت کی۔ اس مباشرت سے امیر زیاد پیدا ہوئے اور سمتیہ نے زیاد کو ابوسفیانؓ سے منسوب کیا، خود ابوسفیانؓ نے اس بات کا اقرار کیا مگر پوشیدہ اور خفیہ طور پر۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۲۷)

ابن خلدون کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زیاد ابوسفیانؓ کی زنا کی اولاد نہیں تھے بلکہ نکاح کی اولاد تھے، لیکن وہ نکاح جاہلیت کا تھا۔ اسلام نے جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو صحیح تسلیم کیا ہے، لیکن آپؐ کی شریعت نے اب اُن تمام نکاحوں کو منسوخ کر دیا ہے چنانچہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:-

جاہلیت میں چار قسم کے نکاح ہوا کرتے تھے۔

۱۔ ایک نکاح موجودہ طریقے کا جیسا آج کل ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا نکاح یہ کہ مرد اپنی عورت کو خود کسی دوسرے کے پاس بھیج دیتا تھا۔ اور خود اس کو ہاتھ تک نہ لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس دوسرے شخص کا حمل اس عورت میں ظاہر ہو جاتا۔ جب حمل عیاں ہو جاتا تو پھر وہ خائفہ اپنی بیوی سے مقاربت کرتا۔ اور یہ اس لیے کرتا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ بیٹا کس کا ہے۔ جاہلیت میں اس نکاح کو "نکاح الاستبصار" کہا کرتے تھے۔

۳۔ تیسری قسم کا نکاح وہ ہوتا تھا کہ دس سے کم آدمی ایک عورت سے صحبت کرتے اور جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ عورت ان تمام مردوں کو بلاتی اور جب وہ آجاتے تو وہ کسی ایک شخص سے کہہ دیتی کہ یہ تیرا بیٹا ہے تو وہ اُس شخص کا بیٹا ہو جاتا اور اُس شخص کو اس سے مجال انکار نہ ہوتی۔

۴۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ ایک عورت سے مباشرت کرتے۔ جب اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو سب اُس کے پاس جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا وہ غور و فکر کر کے اس بچے کو کسی سے ملحق کر دیتے اور وہ بچہ اُس شخص کا بیٹا کہلاتا تھا اور وہ شخص اس کا انکار نہ کر سکتا تھا۔

نکاح کی یہ چاروں قسمیں بیان کرنے کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔

ہدم نکاح الجاہلیۃ کلہ الا نکاح الناس المیوم۔

خدا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد جاہلیت

کے سب نکاح باطل ہو گئے سوائے موجودہ نکاح کے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۹)

ابن اثیر نے بھی استحقاق زیادہ کے واقعہ کے تحت جاہلیت کے نکاحوں کا ذکر کیا ہے

آپ فرماتے ہیں:-

ان النکحة الجاہلیۃ کانت انواعاً للاحاجة الی ذکر

جميعها وکان منها ان الجماعة یجامعون البغی فاذا

حملت وولدت المحقت الولد بمن شاءت منهم فیلحقه

فلما جاء الاسلام حرم هذا النكاح الا ان الله اقر كل ولد كان ينسب الى اب من اى نكاح كان من انكحتهم على نسب ولم يفرق بين شئ منها۔

جاہلیت میں نکاح کی بہت سی قسمیں تھیں، ان سب کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ان اقسام میں سے ایک قسم یہ تھی کہ کسی عورت سے بہت سے لوگ مقاربت کرتے۔ پھر جب وہ بچہ جنتی تو اُس بچے کو جس طرف چاہتی منسوب کر دیتی، پس وہ اُس کا بچہ قرار پاتا۔ جب اسلام آیا تو نکاح کی یہ قسم حرام ہو گئی لیکن جاہلیت کے نکاح کے جس طریقے سے بھی کوئی اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا، اسلام کے بعد بھی اُس کو اسی نسب پر برقرار رکھا گیا اور نکاح کے ثبوت کے معاملہ میں کوئی تفریق نہیں رکھی گئی۔ (ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۷۶)

معلوم ہوا کہ امیر زیاد البوسفیان کے نکاح کی اولاد تھی اور اس کے نسبى الحاق کا اعلان جو کائنات میں ہوا تھا وہ سیدنا معاویہ کی تحریک اور سیاسی اغراض کے تحت نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تحریک خود امیر زیاد نے کی تھی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ۔

ہذا جب کوفہ آئے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم میرا نسب معاویہ سے لائق کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر جھوٹی شہادت سے ہے تو نہیں۔ اس پر وہ بصرہ آئے وہاں ایک شخص نے اس بات کی شہادت دی۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا معاویہ کے سامنے سکھانہ میں دس ثقہ اور جید لوگوں نے گواہی دی کہ زیاد البوسفیان کا بیٹا ہے۔ ان گواہوں میں سیدنا مالک بن ربیعہ سلولیؓ اور سیدہ جویریہ بنت البوسفیانؓ بھی تھیں۔ باقی گواہوں کے نام یہ ہیں۔

زیاد بن اسماء الحرمازی، منذر بن زبیر، مشور بن قدامہ الباعلی، ابن ابی نصر الشقی، زبید بن نفیل الازدی، شعبہ بن العلقم المازنی۔ بنو عمر و بن شیدان کا ایک شخص۔ یزید بنو المصطلق کا ایک شخص ان گواہوں میں منذر بن زبیر نے یہ گواہی دی تھی کہ میں نے سیدنا علیؓ کو یہ کہتے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ البوسفیانؓ نے یہ بات کہی تھی کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ اسی طرح کی گواہی



دوسرے گواہوں نے بھی دی۔ ملاحظہ ہو اصابہ جلد ۱ ص ۵۶۳، اخبار الطوال ص ۲۱۹  
ابن حجر عسقلانی کے الفاظ ہیں کہ۔

شهدوا كلهم على الجب سفیان ان زیاداً ابنہ  
اکا المنذر فیشهد انه سمع علیاً یقول اشهد ان  
ابا سفیان قال ذلک۔

ان سب گواہوں نے اس بات کی شہادت دی کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے  
سوائے منذ بن زبیر کے انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا علیؑ کو یہ فرماتے سنا  
ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیانؑ نے یہ کہا تھا کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔

(اصابہ جلد ۱ ص ۵۶۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور زیاد کو اپنے ساتھ نسب میں ملحق کر لیا  
اس کے بعد امیر زیاد بولے :-

ان کان ما شهد الشهود به حقاً فالحمد لله وان یکن  
باطلاً فقد جعلتھم بینی و بین الله۔

اگر ان گواہوں نے جو گواہی دی ہے وہ صحیح ہے تو الحمد للہ اور اگر یہ باطل ہے تو  
میں نے ان لوگوں کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ذمہ دار بنا دیا ہے۔

یہ تھا وہ سارا واقعہ جس میں سیدنا معاویہؓ نے امیر زیاد کو اپنا بھائی قرار دیا اور اپنے نسب  
میں ان گواہوں کی شہادت پر جس میں جلیل القدر صحابی مالک بن ربیعہ السلولیؓ بھی تھے  
الحاق کیا۔ اصل واقعہ یہ تھا لیکن دشمنان صحابہؓ نے اس پر مختلف حاشیہ اراٹیاں کی ہیں۔  
اور زبیرؓ داستان کے لیے اس پر ایسے ایسے قمیمے لگائے ہیں کہ دیانت و شرافت سرگرم  
ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لیے ہے تاکہ سیدنا معاویہؓ کی ذات میں کبڑے نکالے  
جائیں اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ زیاد کو اپنا بھائی بنانے میں سیدنا معاویہؓ کو کیا فائدہ ہوا؟  
زیاد سیدنا معاویہؓ سے بڑی شخصیت کے حامل نہیں تھے اور نہ ہی اُس میں اُن جیسی زبیرؓ کی  
اور دانشمندی تھی۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا علیؑ کے زمانہ میں وہ فارس کے

گوزرتھے۔ بیت المال کی رقم خرید کر دے گا ان پر الزام تھا۔ جب سیدنا معاویہؓ خلیفہ بنے تو آپ نے اسے نہیں اہمیں لکھا کہ اگر اپنی صفائی پیش کرو اور بیت المال کی جو رقم تم نے لے رکھی تھی وہ فوراً ادا کرو۔ اس پر زیادہ لکھا۔

”میرے پاس اب کوئی رقم نہیں ہے، تھوڑی سی رقم میں نے اس غرض سے پس انداز کر رکھی ہے کہ مصیبت کے وقت لوگوں کے کام آئے۔ باقی تمام مال میں نے سابق امیر المؤمنینؓ (سیدنا علیؓ) کے لئے بھیج دیا تھا۔“

سیدنا معاویہؓ نے اُن کو پھر لکھا۔

”اچھا اگر یہ بات ہے تو تم ہمارے پاس آؤ ہم تمہارے معاملے پر غور و خوض کرتے ہیں۔ اگر تمہارا حساب کتاب درست ہو تو ٹھیک اور اگر درست نہ ہو تب بھی ہم تمہیں نہیں روکیں گے بلکہ واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔“

اس قدر یقین دہانی کے بعد بھی زیادہ سیدنا معاویہؓ کے پاس نہ آئے۔ سیدنا معاویہؓ نے بصرہ کے گورنر بسر بن ارطاةؓ کو اس تمام صورت حال سے آگاہ کیا بسرؓ نے زیادہ کے تینوں بچوں عبدالرحمنؓ، عید اللہؓ اور عباد کو گرفتار کر لیا اور زیادہ کو لکھا۔

لنقتل من امیر المؤمنین اولا قتل بقیہ۔

یا تو تم امیر المؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کے پاس حاضر ہو جاؤ ورنہ میں تمہارے بچوں کو قتل کر دوں گا۔“

لیکن زیادہ اس پر بھی امیر المؤمنینؓ معاویہؓ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ زیادہ کے بچوں کی گرفتاری کا سُن کر زیادہ کے بھائی حضرت ابو بکرؓ سیدنا معاویہؓ کے پاس آئے کیونکہ انہوں نے سُن لیا تھا کہ:-

فہم بقتلہم۔

بسر بن نے اُن کو قتل کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے امیر المؤمنینؓ سے زیادہ کے بچوں کی رہائی کی سفارش کی۔

امیر المؤمنینؓ نے اُن کی سفارش پر بسر بن ارطاةؓ کو لکھا کہ:-

و ان بچوں کے قتل سے رک جاؤ اور انہیں چھوڑ دو۔“

جس پر بُسر نے اُن کو چھوڑ دیا۔ (طبری جلد ۸ ص ۱۲۸، ۱۲۹، الکامل جلد ۲ ص ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶)

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲، ۲۳)

طبری ہی کی روایت میں ہے کہ سیدنا حسنؑ سے سیدنا معاویہؓ کی صلح کے بعد امیر المومنین معاویہؓ نے بُسر بن اساطہؓ کو جب ۴۱ھ میں بصرہ روانہ فرمایا تو وہ۔

زیاد متحصن بفارس۔

زیاد فارس میں قلعہ بند تھا۔ (ایضاً)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ۳۱ھ میں زمام خلافت سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ میں آئی تو زیاد اُس وقت ایک نہایت کس میسر کی حالت میں تھا بلکہ اُن پر غلبہ کا الزام تھا۔ پھر گورنر بصرہ بُسر بن اساطہؓ نے اُس کے بچوں کو گرفتار کر لیا ہوا تھا۔ اگر سیدنا معاویہؓ کسی سیاسی غرض سے اُس کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے تھے تو اُس سے زیادہ اور اچھا موقع انہیں کب مل سکتا تھا۔ وہ زیاد سے اُس وقت اپنی ہر سیاسی غرض پوری کر سکتے تھے کیونکہ وہ خود بھی اس وقت طرم تھا اور اُس کے بچے بھی گرفتار تھے اور گورنر بصرہ انہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے ایسے نازک موقع پر جب کہ زیاد کو اچھے طریقے سے بلیک میل (Black Mail) کیا جاسکتا تھا، کوئی سیاسی فائدہ اُس سے حاصل نہیں کیا تو اس کے بعد انہیں کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنے کے لیے اُس کا غلط نسبی الحاق اپنے ساتھ کرتے۔ بلکہ جہاں تک میری رائے ہے یہ سیدنا معاویہؓ کا دینی خلوص اور شریعت اسلام سے محبت و اُلفت کا نتیجہ تھا کہ جب ایک ایسے آدمی کے متعلق جس کے حسب و نسب سے صرف چند لوگ واقف تھے اور جس کے نسب کے متعلق عام لوگوں کی رائے اچھی نہیں تھی، اُس کا اپنے نسب میں الحاق کر کے دنیا میں اُس کو عزت والا بنا دیا۔ خدا را خود ہی غور سے سوچئے کہ اس سے سیدنا معاویہؓ نے کون سی سیاسی اغراض حاصل کیں۔

اگر کوئی سیاسی غرض حاصل کرنا مقصود ہوتا تو کم از کم اُس وقت اس کو اپنا بھائی

بتاتے جب اس نے میں اُن کی حکومت مستحکم ہو رہی تھی۔ حکومت کے مستحکم ہونے کے چار سال بعد یعنی سنہ ۴۲ھ میں اُن کا زیاد کو اپنا بھائی بنانے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جب دس ثقہ اور جید لوگ انہوں نے جن میں ایک اُن کی اپنی بہن سیدہ جویریہؓ بھی تھیں اس بات کی گواہی دی کہ زیاد ابوسفیانؓ کا بیٹا ہے تو انہوں نے باوجود عزت ملے خاندان کا چشم و چراغ ہونے کے شریعت کے قانون کے سامنے تسلیم خم کر دیا اور نہ صرف زیاد کو اپنا بھائی بنایا بلکہ اپنی صاحبزادی کا نکاح بھی زیاد کے بیٹے محمد سے کر دیا۔ وگرنہ کہاں سیدنا معاویہؓ اور کہاں زیاد۔ ایک ذرہ بے مقدار کو آفتاب عالم تاب سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ زیاد کی تو اُس دن سے عزت شروع ہوئی۔ جب آپ نے اس کا بیسی الحاق اپنے آپ سے کیا۔ اور عوام کو تپہ چلا کر اس کا باپ ابوسفیانؓ جیسا عال نسب انسان ہے، لیکن سیدنا معاویہؓ تو رز اول ہی سے نہایت عزت و وقار والی شخصیت کے حامل تھے بلکہ جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے بیان کیا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا بچہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب استلحاق زیاد کے بارہ من بعض لوگوں نے سیدنا معاویہؓ پر نکتہ چینی کی تو آپ نے اُس کا جواب دیا میرے خیال میں جو کہ آج اس مسئلہ پر اُن کی مخالفت کر رہے ہیں، اُس جواب سے اُن کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ آپ نے اُن نکتہ چینوں کو فسمایا۔

إما والله لقد علمت العرب انی کنت اعزها فی الجاهلیة  
وان الا سلام لعزذنی الا عزاً وانی لم اتمکثر بزیاد  
من قلة ولم اتعز به من ذلة ولكن عرفت حقاً  
له فوضعتہ موضعه۔

”خدا کی قسم! سارا عرب جانتا ہے کہ میں جاہلیت میں بھی سب عربوں سے زیادہ عزت والا تھا اور اسلام نے بھی میری عزت میں اضافہ ہی کیا۔ لہذا زیاد کا اپنے ساتھ نسب الحاق کرنے میں میری قلت کثرت میں تبدیل نہیں ہو گئی اور نہ میں کبھی ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے میری وہ ذلت عزت میں بدل گئی ہے۔“

بلکہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ جب اُس کا حق واضح ہو گیا تو میں نے زیادہ کو اُس کے واقعی مقام پر کھڑا کر دیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۶۳، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۲۲)

گویا سیدنا معاویہؓ حلفیہ طور پر یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب دُش ثقفہ اور حبیدہ گواہوں نے اس بات کی گواہی دے دی کہ زیادہ البسفیانؓ کا بیٹا ہے اور منذر بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے سیدنا علیؓ سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں گواہ ہوں کہ البسفیانؓ نے یہ کہا تھا کہ زیادہ میرا بیٹا ہے تو وہ شرعی طور پر مجبور ہو گئے کہ زیادہ کو اپنا بھائی سمجھیں۔ چنانچہ طبری ہی نے لکھا ہے کہ ابن عامر حبش نے اس استیلا کی سخت مخالفت کی تھی۔ سیدنا معاویہؓ کے دلائل سے اتنا متاثر ہوا کہ سیدنا معاویہؓ سے اپنی اُس مخالفت کی معذرت چاہی اور آپ نے اُسے معاف کر دیا۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۶۳) ایسے ہی دو اور شخص عبد الرحمن بن الحکم اور ابن مضر جنہوں نے اس مسئلہ میں سیدنا معاویہؓ کی سخت مخالفت کی تھی یہاں تک کہ آپ کے حق میں ہجویر اشعار بھی لکھے۔ جب اُن کو دلائل کے ساتھ اصل واقعہ کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے رجوع کیا اور اپنے ان ہجویر اشعار کو اشک ندامت سے دھویا۔ ان لوگوں کے علاوہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا جو شروع میں سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتی تھیں اور زیادہ کو ابن ابی سفیانؓ نہ ماننے پر تیار تھیں اور نہ لکھنے پر لیکن جب اُن کے سامنے بھی حقیقت حال واضح ہو گئی تو ابن عساکر نے لکھا ہے کہ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا نے خود اپنے ہاتھوں سے زیادہ کے نام ایک خط میں یوں لکھا کہ :-

من عائشة أم المؤمنين إلى زياد بن أبي سفيان -

عائشہؓ مومنوں کی ماں کی طرف سے البسفیانؓ کے بیٹے زیادہ کے نام یہ خط زیادہ کے پاس جب یہ خط پہنچا تو ابن عساکر لکھتے ہیں کہ انہوں نے خوشی و مسرت سے یہ خط جمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ (تہذیب ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۱)

یہی وجہ تھی کہ عباسی دور میں بھی زیادہ کو زیادہ بن ابی سفیانؓ ہی لکھا جاتا رہا۔ چنانچہ بلاذری نے اپنی کتاب میں البسفیانؓ کی اولاد کا جہاں تذکرہ کیا ہے وہاں زیادہ کا نام زیادہ بن ابی سفیانؓ ہی لکھا ہے۔ بلاذری تو صرف ایک مؤرخ ہے، ہو سکتا ہے کہ کوئی اُس کی بات

کو حجت تسلیم نہ کرے لیکن امام اہل مدینہ امام مالکؒ بن انسؒ نے اپنی کتاب موطا امام مالکؒ میں بھی زیاد کو "زیاد بن ابی سفیانؓ" لکھا ہے۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کے اس فعل کو خود اُن کی حقیقی بہن سیدہ ام حبیبہؓ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا نے خلافت شریعت جانا لہذا انہوں نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اُس سے پردہ فرمایا۔

اول تو تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس وجہ سے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا تھا چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے۔

وفي هذه السنة بعد موت أم حبيبة ادعى معاوية زياداً۔

اور اسی سال (۳۸ھ) سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد

سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی بنایا۔ (الاستیعاب)

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا استلحاق زیاد کی وقت بقید حیات تھیں اور انہوں نے واقعی زیاد کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کیا تھا تو پھر بھی سیدنا معاویہؓ یہ کوئی اعتراض نہیں آتا۔ اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ سیدہ ام حبیبہ کو یہ واقعہ تحریف کر کے سنایا گیا ہو اور انہوں نے اس کی مزید تحقیق کرنے کی کوشش کی ہو اور اس دوران اُن کی وفات ہو گئی۔ کیونکہ یہ تو مسلم بات ہے کہ سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کی وفات ۳۸ھ میں ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۸۰، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۱) اصابت ترجمہ ام المؤمنین ام حبیبہ وغیرہم) اور اس پر بھی سب تواریخ متفق ہیں کہ استلحاق زیاد کا واقعہ ۳۸ھ میں ہوا ہے۔ لہذا اس کا قوی یقین ہے کہ وہ اس کی تحقیق کے درپے ہوں گی اسی دوران میں اُن کی وفات ہو گئی ہوگی۔

تیسری بات اس ضمن میں یہ ہے کہ اُن دنوں گواہوں میں جن کی گواہی پر سیدنا معاویہؓ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کیا، ایک سیدہ ام حبیبہؓ کی بہن حضرت جویریہ بنت ابی سفیانؓ بھی تھیں۔ اُن کی گواہی کیوں قابل قبول نہیں ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ صرف دس آدمیوں نے اس بات پر گواہی کیوں دی، زیادہ کیوں نہیں دی؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ سیدنا ابوسفیانؓ نے اس بات کو صرف چند آدمیوں کو بتایا تھا۔ چنانچہ ابن خلدون نے صاف لکھا ہے کہ:-

وولد زیادًا ونسبته الى اب سفيان واقر لها به إلا  
اثنان كان بخفية۔

اور اُس (سمیہ) کے ماں زیاد پیدا ہوا اور اُس نے اُس کو ابوسفیانؓ کی طرف  
منسوب کیا اور ابوسفیانؓ نے بھی اس نسبت کا اقرار کر لیا مگر پوشیدہ طور پر  
(ابن خلدون جلد ۴ ص ۷۷)

اور ایک نسب کو ثابت کرنے کے لیے دس گواہوں کی گواہی کافی ہے۔ اس کے  
لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے لوگ ہی گواہی دیں۔

اس سلسلہ میں قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے بھی العوامم والعوامم ص ۲۳۵، ۲۳۴ پر نہایت  
عمدہ بحث کی ہے اہل علم اُس کو ملاحظہ فرمائیں۔



## حجر بن عدی کا قتل

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اُن کے زمانے میں ایک زاہد و عاقل صحابی حجر بن عدیؓ کو صرف اس گناہ پر قتل کر دیا گیا کہ انہوں نے امیر زیاد کو سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے ہوئے ٹوکا تھا۔

اگر اس اعتراض کا تجزیہ کیا جائے تو یہ چلتا ہے کہ اس سلسلہ میں سیدنا معاویہؓ کو خواہ مخواہ مورد الزام ٹھہرایا گیا ہے اور اس واقعہ کی اصل حقیقت کو ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات کے پردہ میں چھپا دیا گیا ہے۔ اور اگر صحیح حقیقت کا انکشاف کیا جائے تو سیدنا معاویہؓ اس الزام سے بری ثابت ہوتے ہیں لہذا ہم مستند روایات سے اصل واقعہ کے چہرے سے نقاب کشائی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن سب اعتراضات کے جوابات بھی آجائیں گے جن کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔

حجر بن عدیؓ سیدنا علیؓ کے ساتھیوں اور شیعوں میں سے تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ پابند صوم و صلوة، زاہد و عابد، متراض اور شب زندہ دار تھے لیکن اپنی طبیعت کی سادگی کی وجہ سے سبائیوں اور اُن فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آپسکے تھے جو قاتلان عثمانؓ کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصی طور پر عروبن الحنق جس نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کیا تھا وہ آپ کے خاص ساتھیوں میں سے تھا۔ یہ لوگ ان کے زہد، عبادت اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُن کو مختلف مواقع پر استعمال کرتے اور ان کی آڑ میں ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے اور خلیفہ وقت، سیدنا معاویہؓ پر سب و شتم اور الزام تراشی کرتے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

قد التقت علی حجر جماعات من شیعۃ علی یتولون امرہ



وَلِشَدُّونَ عَلٰی يَدِهِ وَيَسْبُحُونَ مَعَاوِيَةَ وَيَتَبَرَّوْنَ مِنْهُ -

اور شیعان علیؑ کی جماعتیں حجر سے پٹ گئی تھیں جو ان کے تمام اموال کی  
دیکھ بھال کرتی تھیں۔ وہ جماعتیں سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتی تھیں اور  
اُن سے اپنی برائت کا اظہار کرتی تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۸)

یہ حجر بن عدیؓ شیعان علیؓ نہیں سے ایک عالی قسم کے انسان تھے اور نفسیاتی طور  
پر نہایت جذباتی واقع ہوئے تھے۔ زہد و اتقا تو مسلم تھا لیکن جذباتی ہونے کی وجہ سے  
ذہنی توازن ایسا نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا علیؑ کی شہادت  
کے بعد سیدنا حسنؓ نے زمام خلافت سیدنا معاویہؓ کے سپرد کر دی۔ اس وقت بھی انہوں  
نے سیدنا حسنؓ کی سخت مخالفت کی اور اُن کو ہر ممکن طریقے سے اس نیک کام سے باز رکھنے  
کی کوشش کی۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سے مصالحت کے بعد سیدنا  
حسنؓ کی سب سے پہلے حجر بن عدیؓ سے ملاقات ہوئی۔

فندمہ علی ما صنع ودعاہ الی رد الحرب -

انہوں نے سیدنا حسنؓ کو اُن کے اس فعل پر ندامت دلائی اور اُن کو سیدنا  
معاویہؓ سے دوبارہ جنگ کرنے کی دعوت دی۔

اس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا جذباتی وعظ بھی پلایا کہ

اے فرزند رسول! کاش کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یہ دیکھنے  
سے پہلے میں موت کی آغوش میں چلا گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل و انصاف  
سے نکال کر ظلم و جور کے سپرد کر دیا ہے ہم نے اُس حق کو خیر باد کہہ دیا جس پر  
ہم قائم تھے اور جس باطل سے ہم گریزاں تھے اُس میں جا گھٹے ہم نے اس  
ذلت آمیز زندگی کو اپنے ہاتھوں قبول کیا اور اُس پستی کو اختیار کیا جو ہمارے  
لائق نہ تھی۔ (اختبار الطوال صفحہ ۲۲)

سیدنا حسنؓ ایک نہایت متقی انسان تھے اور انہوں نے معاملات کے تمام  
پہلوؤں پر غور و خوض کر کے ہی بہ اقدام کیا تھا۔ چنانچہ جس جس شخص نے بھی ان کے

فعل کی مخالفت کی آپ نے اُس کو ہر ممکن طریق سے سمجھایا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؑ نے بھی جب آپ کی اس بارہ میں مخالفت کی تو آپ نے انہیں بھی فرمایا :-

اسکت فانما اعلم باکامر منک -

چپ رہ، میں اس بات کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔

(طبری جلد ۶ ص ۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۰۳)

لیکن جب انہوں نے مخالفت کی تو آپ نے فرمایا :-

۱۔ واللہ! جب بھی میں نے کسی کام کا ارادہ کیا تو تم نے ہمیشہ مخالفت ہی کی۔ بخدا میں تمہیں اس وقت تک گھر میں بند رکھوں گا جب تک میں اپنے ارادے کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچاؤں۔“

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۹، علی ونبوہ لمحہ احسین ص ۲۰۳)

سیدنا حسینؑ نے جب اپنے بھائی کی ان غضب آلود نگاہوں کی طرف دیکھا تو فوراً اپنے موقف سے رجوع کر کے عرض کیا۔

انت اکبر ولد علی وانت خلیفۃ وامرنا کلامک تبع  
فافعل ما بدأ لک -

آپ سیدنا علیؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور اُن کے خلیفہ ہیں۔

ہماری بات آپ کی بات کے تابع ہے لہذا جو کچھ آپ صحیح سمجھتے ہیں وہ کیجئے۔

جس طرح سیدنا حسنؑ نے اپنے بھائی کو سمجھایا اسی طرح آپ نے حجر بن عدیؓ کے جواب میں بھی اپنے موقف کے صحیح ہونے کے دلائل بیان فرمائے۔ اور اُمت مسلمہ کی مصلحت سے اُن کو آگاہ کیا۔ لیکن حجر بن عدیؓ دلائل سے زیادہ جذبات سے کام لے رہے تھے۔ لہذا انہوں نے سیدنا حسنؑ کے دلائل کو کوئی وقعت نہ دی۔ اور سیدنا حسینؑ کو اپنے جذبات سے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا :-

اے ابو عبد اللہ! (سیدنا حسینؑ کی کنیت) آپ نے عزت کے عوض ذلت خریدی اور کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کیا۔ خدا را آج ہماری بات مان لیں خواہ پھر زندگی بھر نہ ماننا۔ سیدنا حسنؑ کو ان کی صلح پر چھوڑ دیں اور کوفہ اور دوسرے بلاد و امصار کے شیعوں کو اپنے پاس اکٹھے کریں اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دیں۔ ہند کے بیٹے (سیدنا معاویہؓ) کو اس وقت ہمارا پتہ چلے گا جب ہم تلواروں سے اُس کے خلاف برسرِ پیکار ہوں گے۔

(اخبار الطوال ص ۲۲)

سیدنا حسینؑ چونکہ اپنے موقف سے رجوع کر چکے تھے اور ان پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ سیدنا حسنؑ کا موقف صحیح ہے اور انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اسلام اور امت مسلمہ دونوں کے لیے فائدہ مند ہے لہذا انہوں نے حجر بن عدیؓ سے فرمایا:۔  
انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى لقص بيعتنا۔

ہم نے بیعت کر لی ہے اور ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے لہذا بیعت کو توڑنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ (ایضاً)

یہ واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حجر بن عدیؓ شروع ہی سے سیدنا معاویہؓ اور اُن کی حکومت کے از حد مخالف تھے اور یہ مخالفت محض جذباتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو شیعانِ علیؓ نہیں سے شمار کرتے تھے اور سیدنا علیؓ سے اس نسبت اور تعلق کی بنا پر ہر حالت میں یہ ضروری سمجھتے تھے کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو الٹا جائے۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے اُن کو کوفہ کے شیعیانِ علیؓ بلکہ قاتلانِ عثمانؓ کی اعانت میسر ہو گئی۔  
(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیدنا معاویہؓ جلد ۱ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

کوفہ چونکہ سیدنا علیؓ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا لہذا یہاں اُن کے شیعوں اور ساتھیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جو لوگ واقعی سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے انہوں نے اس وقت جب سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ نے سیدنا معاویہؓ سے صلح کر لی اور خلافت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں دے دی، سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اسلام اور

ملت اسلامیہ کی خدمت اُسی طرح سرانجام دینا شروع کر دی جس طرح وہ اس سے قبل سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن کوفہ میں اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جن کا تعلق قاتلانِ عثمانؓ سے تھا اور جن میں عمرو بن الحنق اور رفاعہ بن شداد جیسے لوگ بھی شامل تھے جن میں سے اول الذکر نے سیدنا عثمانؓ کو شہید کرتے وقت نیزے کے نوچرے لگائے تھے۔

اسنہ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کو ذکے گورز قتر رہوٹے۔ وہ اپنے خطبوں میں سیدنا عثمانؓ کے لیے دعاۓ رحمت کرتے اور قاتلانِ عثمانؓ پر جہنم نے انہیں نہایت مظلومی کی حالت میں مدینۃ الرسولؐ میں شہید کیا تھا، لعنت کرتے۔ اس کے جواب میں حجر بن عدیؓ کہتے۔  
**بل ایاکم فذم اللہ ولعن**۔

قاتلانِ عثمانؓ پر نہیں بلکہ ہم پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ (طبری جلد ۸ ص ۱۸۸)  
 ایک دو دفعہ نہیں بلکہ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کا معمول ہی ہو چکا تھا۔  
**انہم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالة الجور وینتقدون علی الامراء یسارعون فی الانکار علیہم ویبالغون فی ذلک ویقولون شیعۃ علی ویتشددون فی الدین**۔

یہ سیدنا عثمانؓ کی مذمت اور بدگوئی کرتے تھے اور ان کے بارہ میں ظالمانہ باتوں کا اظہار کرتے تھے اور امراء پر نکتہ چینی اور تنقید کے نشتر چلاتے اور ان کی ہر بات کی ترمذید کے رہے رہتے تھے اور اس معاملہ میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتے۔  
 شیعوں علیؓ کی حمایت کرتے اور دین میں نہایت تشدد کرتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۰)

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کی گورز کی بالکل آخری ایام میں ایک روز ایسا ہوا کہ انہوں نے دورانِ خطبہ یہ فرمایا۔

**اللہم ارحم عثمان بن عفان وتجاوہ عنہ واجزہ باحسن عملہ فانہ عمل بکتا بک واتبع سنتہ بنیلک صلی اللہ علیہ**

والله وسلم وجمع كلمتنا وحقن دماؤنا وقتل مظلوماً  
اللهم فارحم انصارنا واوليائنا ومحبيته والطالبين  
بدمه -

اے اللہ! عثمانؓ بن عفان پر اپنی رحمت نازل فرما، ان سے درگزر فرما  
انہیں ان کے حسن عمل پر جزائے خیر عطا فرما، کیونکہ انہوں نے تیری کتاب  
پر عمل کیا اور تیرے نبی کی سنت کی اتباع کی۔ انہوں نے تیرے مشن کو جمع رکھا  
اور ہمیں خونریزی سے بچایا اور مظلومی کی حالت میں قتل ہوئے۔ اے اللہ!  
پس تو ان کے مددگاروں، ساتھیوں اور ان سے محبت کرنے والوں اور ان  
کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۸۸)

یہ سننا تھا کہ حجر بن عدیؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس زور سے چیخے کہ :-  
سمعہا کل من کان فی المسجد وخارجاً منہ -  
اُن سب لوگوں نے سنا جو مسجد کے اندر تھے اور مسجد کے باہر تھے۔

اور کہا :-

اے مغیرہؓ! تجھے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں کہ تو کس سے اپنی محبت کا  
اظہار کر رہا ہے تو ہماری تنخواہوں اور عطیات کے دینے کا حکم جاری کر کیونکہ  
وہ تو نے ہم سے روک رکھی ہیں حالانکہ تجھے اس کا کوئی حق نہیں اور تجھ سے  
پیدے جتنے گورز آئے انہوں نے کبھی ایسی طبع نہیں کی تھی۔ تمہاری بڑی خواہش  
ہے کہ تم امیر المومنین (سیدنا علیؓ) کی مذمت کرو اور مجرموں (سیدنا عثمانؓ) کی  
تقریف اور مدح کرو۔ (طبری جلد ۴ ص ۱۸۸، ۱۸۹)

حجر بن عدیؓ نے جو یہی یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کئے اُس میں سے دو تہائی سے  
زیادہ لوگ حجر کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے حجر کے ساتھ مل کر سیدنا مغیرہؓ کے  
خلاف بہت باتیں کیں سیدنا مغیرہؓ جذبات کی رو میں بہنے والے انسان نہیں تھے، بلکہ

نہایت صاحب بصیرت، جہاں دیدہ اور زمانے کے گرم و سرد چشیدہ انسان تھے۔ انہوں نے عفو و درگزر سے کام لیا اور حجر کے اس فعل کا کوئی ٹوٹ نہ لیا اصحاب مشورہ نے سمجھایا اور کہا۔

على ما تترك هذا الرجل يقول هذه المقالة ويعتري عليك في سلطانك هذه الجرأة۔

آپ ایسے شخص کو کیوں چھوڑتے ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتا ہے اور آپ پر اور آپ کی حکومت پر اس طرح کے الزامات لگانے کی جرأت کرتا ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

لیکن سیدنا مغیرہؓ نے اُن کے مشورے کو رد کرتے ہوئے عفو و درگزر ہی سے کام لیا بلکہ اٹاپانچ ہزار روپیہ دے کر حجر کو راضی کیا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۷)

۱۸۷ھ میں سیدنا مغیرہؓ کا انتقال ہو گیا اُن کی وفات کے بعد کو فہمی امیر زیاد کی گورنری میں آگیا۔ زیاد نے آتے ہی دیکھا کہ سبائوں (جو اس وقت اپنے کوشیعیان علیؑ کہتے تھے) کی ٹولیوں کی گولیاں حجر بن عدیؓ کے پاس آتی ہیں جو سیدنا معاویہؓ سے بیزار ی کا اظہار کرتی ہیں اور اُن کو سب و شتم کرتی ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۷) چنانچہ جب کو فہ آتے ہی امیر زیاد نے اپنا پہلا خطبہ دیا تو حجر بن عدیؓ نے حسب معمول اٹھ کر وہی کچھ کرنا شروع کر دیا جو وہ سیدنا مغیرہؓ کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ مگر امیر زیاد نے کوئی تفرص نہ کیا۔ زیاد جب بصرہ جانے لگے تو انہوں نے حجر کو اپنے ساتھ بصرہ لے جانا چاہا لیکن بیماری کا سہانہ بنا کر کو فہ ہی میں رہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۱۸۷)

بعض روایات میں آتا ہے کہ حجر نے جب زیاد کے خطبہ میں گڑبڑ پیدا کی اور سیدنا معاویہؓ کی شان میں گستاخی کی تو زیاد نے غیر خواہی کی خاطر حجر بن عدیؓ کو تنہائی میں بلایا اور کہا۔

املك عليك لسانك ويسعك منزلك وهذا سريري  
فهموم جلسك وحوائجك مقضية لدى فاكفني نفسك  
فاني اعرف عجلتك فاشدك الله يا ابا عبد الرحمن

فی نفسك وایاک و هذه السفلة وهؤلاء السفهاء ان  
يستزلوك عن رأيك فانك لو هنت على او استخففت  
بحقك لم اخصك بهذه من نفسي۔

اپنی زبان پر کٹر و دل فرمائیے اور اپنے گھر کی تنہائی کو اپنے لیے کافی سمجھیے آپ  
کی نشست کے لیے میرا تخت حاضر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی  
ضروریات پوری کر دوں گا۔ لہذا آپ اپنے بارے میں مجھے مطمئن فرما دیجیے،  
اس لیے کہ آپ کی طبیعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی سے میں بخوبی  
آشنا ہوں۔ اے ابو عبد الرحمن! میں آپ کو حق تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ خدا را  
آپ ان ذلیل، کمینہ فطرت اور بے وقوف لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ فرمائیے  
یہ لوگ کہیں ایسا نہ ہو، کہ آپ کو آپ کی رائے اور فکر سے پھسلا دیں۔ لہذا  
اگر آپ کی قدر و قیمت میری نگاہ میں کم ہوئی یا میں نے آپ کے حقوق میں  
کسی قسم کی کوئی کوتاہی کی تو یہ آپ کی طرف سے ہوگی میری طرف سے ہرگز ہرگز  
نہ ہوگی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۸)۔

حجر بن عدیؓ نے امیر زیاد کی یہ نصیحت امیر یزیدؓ کو کہا میں سمجھ گیا "اور اپنے  
گھر تشریف لے آئے۔ لیکن یہاں جب سبائی آکر ان سے ملے تو انہوں نے اپنی کمال سادگی  
کی وجہ سے وہ ساری باتیں ان سے کہہ دیں جو امیر زیاد نے ان سے کی تھیں۔ سبائیوں  
نے ان کی یہ ساری باتیں سن کر کہا۔

”حضرت! اُس نے آپ کی خیر خواہی کی باتیں نہیں کیں“

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱)

امیر زیاد جب کوفہ سے جانے لگے تو انہوں نے کوفہ میں سیدنا عمرو بن حرثؓ کو قائم  
مقام گورنر مقرر کیا۔ سیدنا عمرو بن حرثؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ انہوں نے جب  
قاتلان عثمانؓ اور سبائیوں کی حجر بن عدیؓ کے پاس اس اکثریت سے آمد و رفت دیکھی تو  
ایک قاصد کے ذریعہ حجر بن عدیؓ کو یہ کہلا بھیجا۔

”اے ابو عبد الرحمن! آپ تو امیر زیاد سے اپنے متعلق یہ عند کر چکے ہیں پھر یہ

(قتنہ پرداز) جماعت آپ کے پیچھے سایہ کی طرح کیوں لگی رہتی ہے؟“

لیکن حجرؓ نے بغیر تسلی بخش جواب دیا۔ اس پر سیدنا عمرو بن حرثؓ نے امیر زیاد کو بصرہ میں

ان سب حالات کی اطلاع دے دی اور کہلا بھیجا کہ حجرؓ کی کارروائیاں حد سے بڑھتی جا رہی

ہیں لہذا اگر کوہ کو بچانا چاہتے ہو تو جلدی کوہ واپس آ جاؤ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۳)

ایک روز ایسا بھی ہوا کہ سیدنا عمرو بن الحرثؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے تو حجرؓ

نے خطبہ کے دوران اُن کو کنکریاں ماریں۔ امیر زیاد کو اس کی اطلاع بھی بصرہ میں مل گئی۔

چنانچہ طبری کا بیان ہے :-

فَبَلَغَهُ اَنْ حَجْرًا تَجْتَمِعُ اِلَيْهِ شَيْعَةٌ عَلٰى وَيَطْلُغُونَ لَعْنِ

مَعَاوِيَةَ وَالْبِدَاةُ مِنْهُ وَاَنْهُمْ حَصِبُوا عَمْرُو بْنَ حَرْثٍ -

ان کو خبر پہنچی کہ حجرؓ کے گرد شیعیان علیؓ جمع ہو رہے ہیں جو معاویہؓ پر لعن طعن

کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے عمرو بن حرثؓ پر سنگ بار

کی ہے۔ (طبری جلد ۱۹ ص ۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۳، ابن اثیر جلد ۳

ص ۲۳، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۷)

زیاد کو کوہ کے متعلق یہ سب خبریں سُن کر فوراً واپس کوہ پہنچے آتے ہی انہوں نے مشہور

صحابی سیدنا عدی بن حاتمؓ، سیدنا ہریر بن عبد اللہ البجلیؓ، سیدنا خالد بن عرفطہ الارذیؓ اور دیگر

شرفائے کوہ کو بلایا اور اُن سے کہا کہ حجرؓ کی یہ کارروائیاں ملک میں قتنہ و فساد برپا کرنے

کے مترادف ہیں لہذا آپ انہیں سمجھائیں کہ وہ ان قتنہ پردازوں سے اپنے آپ کو بچائیں

اور اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ یہ سب حضرات خیر خواہی اور نیک جذبہ کے تحت حجرؓ کے

پاس گئے اور اُن کو سمجھایا لیکن حجرؓ نے اُن کی سب باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی یہاں تک کہ اُن

کا ایک اونٹ ایک کونہ میں گھڑا تھا اُس کی طرف اشارہ کر کے اپنے خادم سے کہا ”لوٹ کے!

اونٹ کو چارہ کھلاؤ“ سیدنا عدی بن حاتمؓ نے یہ سُن کر ذرا جلالی انمازمیں فرمایا۔



أَمْجَنُونَ أَنْتَ، لِكَلِمِكَ وَأَنْتَ تَقُولُ، أَعْلَفْتَ الْبَكْرَ۔

”کیا تم پاگل ہو، میں تم سے مخاطب ہو کر بات کر رہا ہوں اور تم رہے تو بھٹی  
سے) کہتے ہو کہ لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ“

اس کے بعد سیدنا عدی بن حاتمؓ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :-  
مَا كُنْتُ أَظُنُّ هَذَا الْبَائِسَ بَلَّغَ بِهِ الضَّعْفَ كُلَّ مَا أُدْرِي۔

مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ ضعیف کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔

اپنے اس مشن میں ناکام ہو کر یہ سب حضرات واپس امیرزادہ کے پاس آگئے اور حجر  
بن عدیؓ کی کچھ باتیں امیرزادہ کو بتا دیں لیکن کچھ مصلحت کے تقاضے کے تحت پوشیدہ  
رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ حجر سے درگزر بھی کی جائے اور اس کے ساتھ سختی  
کی بجائے نرمی کا معاملہ کیا جائے۔

امیرزادہ کو حجر کی باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔

(البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۳، طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۹)

اس کے بعد زیاد نے ایک خطبہ جمعہ دیا۔ مسجد میں حجر اور اس کے ساتھی موجود تھے۔  
امیرزادہ نے اس میں ظلم و بیعت کے انجام سے متنبہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھے اپنے  
حق میں بے ضرر پایا تو جبری ہو گئے۔ اگر یہ سیدھے نہ ہوئے تو ان کا علاج اسی دواسے کروں  
گا جو ان کے لائق ہے نیز کہا :-

مَا أَنَا بِشَيْءٍ أَنْ لَمْ أَمْنَعْ بِأَحَدٍ الْكَوْفَةَ مِنْ حَجَرٍ  
وَأَدَعَاهُ نَكَالًا لِمَنْ بَعْدَهُ۔

اگر میں کوئی چیز نہ کر دوں اور اس کو آنے والوں کے لیے  
عبثت کا سامان نہ بنا دوں تو پھر میں بھی کوئی شے نہیں ہوں۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۹، البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۴، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۷)

اس کے بعد امیرزادہ نے کہا کہ امیر المؤمنین (سیدنا معاویہؓ) کا یہ حق ہے ”اس پر حجر نہ  
فاخذ حجر کفا حصباء فحصباء وقال کذب علیک لعنة الله۔

مٹھی بھر کر کنکریاں زیادہ کو ماریں اور کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم پر اللہ کی لعنت ہو۔  
 زیادہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ خطبہ ختم کر کے منبر سے اترے نماز پڑھاٹی اور گورنر ٹاؤن  
 چلے گئے اور حجر کو دہاں طلب کیا۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۱)  
 حسین بن عبداللہ الہمدانی اُسے بلانے گئے تو حجر کے ساتھیوں نے کہا :-  
 لا یتاہ ولا کلامۃ ۔

یہ اُن کے پاس نہیں جاہیں گے اور نہ ہی ہمارے نزدیک اُن کی کوئی عزت و  
 تکریم ہے ۔

”انہوں نے واپس آکر سپرنٹنڈنٹ پولیس شہزاد بن الہشیم العلالی کو اطلاع دی تو انہوں  
 نے ایک جماعت ساتھ کر دی۔ یہ سب حجر کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ امیر کے پاس چلے تو  
 انہوں نے

فسیونا و شتمونا ۔

انہوں نے ہمیں گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔

انہوں نے واپس آکر امیر زیاد کو خبر دی تو انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس شہزاد بن الہشیم  
 کو حجر کے لانے کے لیے بھیجا اور قبائلی سردار بھی بطور امداد ان کے ساتھ کر دیئے ۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۹۱)

کو تو الہشیم شہزاد بن الہشیم نے حجر بن عدی کو امیر کے پاس چلنے کے لیے کہا۔ حجر کیلئے  
 تہیں تھے بلکہ اُن کے ساتھ حامیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔  
 لا ولا فعمۃ عین ولا نجیبہ ۔

ہم پلک جھپکے تک بھی امیر کا حکم نہیں مانیں گے ۔

اس پر فریقین میں لڑائی ہوئی جس میں پتھروں اور لائٹھیوں کا آزادانہ استعمال ہوا ۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

فکان بینہم قتال بالحجارة والعصى فعجزوا عنه ۔  
 ان کے درمیان پتھروں اور لائٹھیوں سے لڑائی اور سرکاری فوج حجر کے مقابلہ

میں عاجز اور ناکام رہی البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱، طبری جلد ۸ ص ۱۹۱، ۱۹۲

طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۱۹

اس لڑائی میں حجر کا ایک ساتھی عمرو بن المحق قرار ہو گیا۔ حجر کے ایک ساتھی ابوالعمر طہ نے سرکاری فوج کے ایک فرد ین بن طرف کے سر پر تلوار سے حملہ کیا گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ :-

كان ذلك السيف اول سيف ضرب به في الكوفة  
ف اختلاف بين الناس -

یہ پہلی تلوار تھی جو کہ کوفہ میں اختلاف کے وقت چلی۔ (طبری جلد ۸ ص ۱۹۲)  
آخر حجر قرار ہو کر روپوش ہو گئے۔ زیاد نے محمد بن الاشعث کو ایک لشکر دے کر ان کی تلاش میں بھیجا جو برابر ان کی تلاش کرتے رہے۔ آخر کار حجر نے خود ہی اپنے آپ کو اس شرط پر گرفتاری کے لیے پیش کر دیا کہ :-

”مجھے امان دینی اور معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے“

امیر زیاد نے اس شرط کو منظور کر لیا۔ حجر جب زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو زیاد نے انہیں قید میں ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا :-

”اگر مجھے امانت کا خیال نہ ہوتا تو یہ شخص کبھی بھی اپنی جان بچا کر نہ جاسکتا“

زیاد نے حجر کو دس روز قید میں رکھا۔ حجر کے ساتھی جو ان سباہیوں کے سرغنہ تھے وہ تو بھاگ گئے تھے لہذا اب زیاد نے حجر کے ساتھیوں کی تلاش شروع کی۔ عمرو بن المحق اور رفاعہ بن شداد موصل بھاگ گئے۔ عمرو بن المحق کو گرفتار کر کے موصل کے حاکم کے پاس پیش کیا گیا۔ انہوں نے سیدنا معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ :-

”اس نے سیدنا عثمانؓ کو نیزے کے نوچرے دیئے تھے ہم اس پر کوئی زیادتی نہیں

کرنا چاہتے۔ اسے بھی نیزے کے نوچرے لگائیں جائیں“

چنانچہ اُسے نیزے کے نوچرے لگائے گئے۔ وہ پہلے یاد دوسرے چرے ہی سے راہی ملک عدم ہو گیا۔ (طبری جلد ۸ ص ۱۹۴)



ان چاروں رئیسوں نے بالاتفاق درج ذیل شہادت قلمبند کروائی :-  
 ”حجر نے اپنے گرد بہت سی جماعتیں جمع کر لی ہیں اور خلیفہ رسید نامعاویہؓ کو  
 کھلم کھلا گالیاں دیتا ہے اور امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے پر لوگوں کو  
 اکساتا ہے اُس کا خیال ہے کہ خلافت کا سوا اُسے آل ابی طالب کے اور کوئی  
 مستحق نہیں ہے اس کے ساتھی اس کے اصحاب کے سرغنہ ہیں اُن کی راستہ  
 اور عمل بھی حجر ہی کے طرح ہے“

رہقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرات کے فیضِ صحبت سے وہ مقام حاصل کیا کہ علامہ ذہبیؒ کو ان کے  
 بارہ میں یہ لکھنا پڑا۔

ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ الاثبات  
 (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۷)

اور ابن سعدؒ نے انہیں ”ثقہ کثیر الحدیث“ کے القاب سے نوازا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷، تہذیب الاسماء جلد ۲ ص ۱۷۹)

دامنِ علمی کی اسی وسعت کی وجہ سے قاضی شریح کے بعد کو فکی مسند قضا پر متمکن ہوئے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷، تذرات الذہب جلد ۱ ص ۱۲۶) ان کے بعد ان کے صاحبزائے  
 اس مسند پر ان کے جانشین بنے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۸۷)

اپنے والد ابو موسیٰ اشعریؒ، سیدنا علیؓ، سیدنا حذیفہ بن یمانؓ، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ، سیدنا  
 عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، عروہ بن زبیرؓ، سیدنا مغیرہؓ اور دوسرے کئی  
 جلیل القدر حضرات سے احادیث روایات لیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۷۷)

اخلاق و عمل میں یگانہ روزگار تھے، یزید بن مہلب جس وقت خراسان کا گورنر تھا، اُس  
 نے آپ کے اخلاق سے متاثر ہو کر آپ کو مملکت کا عہدہ پیش کیا، لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۷)

۱۸۷ھ میں اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔ (ابن سعد جلد ۵ ص ۱۸۷)

الوبردہ بن ابی موسیٰ اشعریؓ نے لکھا:-

ان حجر بن عدی خلع الطاعة وفارق الجماعة ولعن  
الخليفة ودعا الى الحرب والفتنة وجمع اليه الجموع  
يدعوهم الى تلك البيعة وخلع امير المؤمنين معاوية -

حجر بن عدی باغی ہو گیا ہے اور جماعت سے مفارقت اختیار کر لی ہے، خلیفہ پر  
لعنت کرتا ہے، لوگوں کو جنگ اور فتنہ کی دعوت دیتا ہے اور اس کے گرد مختلف قسم کے جتنے  
جمع ہو گئے ہیں جن کو وہ بیعت توڑنے کی دعوت دیتا ہے اور امیر المؤمنین معاویہؓ کو چھوڑ دینے  
کی تحریک کرتا ہے۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۸)

ان چاروں کے علاوہ وائل بن حجرؓ، کثیر بن شہابؓ، عامر بن مسعودؓ، محرز بن حارثہؓ

۱۔ وائل بن حجرؓ حضرت موت کے رئیس تھے اور ان کے والد حضرت موت کے سلاطین تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۸۱)

فتح مکہ کے بعد جب اسلام قبول کرنے کے لیے مختلف اطراف و اکناف سے لوگ وفود  
کی شکل میں مدینہ طیبہ آنے شروع ہوئے تو آپؐ بھی اپنے قبیلہ کے ساتھ وارد مدینہ ہوئے اور اسلام  
قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے آلے سے قبل صحابہؓ کو ان کی آمد کی خوشخبری سنائی  
کہ وائل بن حجرؓ جو سلاطین حضرت موت کی اولاد میں سے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے مایوس و فرمانبردار  
ہیں کہ اور دُور دراز کی مسافت طے کر کے آرہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت  
میں حاضر ہوئے تو۔

رحب به وادناه من نفسه وقرب مجلسه ولسطه له

رداء فاجلسه عليه مع نفسه۔

آپؐ نے انہیں خوش آمدید کہا اور اپنے قریب کیا اور قریب بلا کر اپنی چادر بچھائی۔ اور انہیں  
اپنے ساتھ اُس پر بٹھایا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

ابن حجر عسقلانیؒ نے الوعیم الاصبہانی کے حوالہ سے نقل کیا کہ:-

عبید اللہ بن مسلم الحنفی وغیرہ اصحاب رسولؐ نے بھی تجربہ بن عدی کے خلاف شہادت دی۔ ان کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے صاحبزادوں اور حبیل القدر تابعین نے بھی اسی قسم کی شہادت دی جن میں حضرت طلحہؓ کے تینوں صاحبزادے، موسیٰ بن طلحہؓ، اسحاق بن طلحہؓ اور اسماعیل بن طلحہؓ سیدنا زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت منذرؓ اور سیدنا ولید بن عقبہؓ کے بھائی سیدنا عمارہؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واصعدہ معہ علی المنبر۔

آپ نے اُن کو اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹)

پھر آپ نے اُن کے لیے اور اُن کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

قبول اسلام کے بعد جب وائلؓ واپس جانے لگے تو آپ نے انہیں حضروت میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی اور اُن کے لیے ایک خط ہاجرین امیر اور دوسرا حضروت کے سرداروں اور رئیسوں کے نام لکھ دیا۔

علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ جب آپ واپس جا رہے تھے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو کچھ دور تک مشایعت کے لیے ساتھ بھیجا۔ وائلؓ سوار تھے اور سیدنا معاویہؓ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا، اور ریت کی شدید تپش کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کے پاؤں جھلنے جا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ نے پاؤں جلنے کی شکایت کی۔ یہ چونکہ ابھی نئے نئے اسلام لائے تھے اور دماغ میں ریشیت کی رعوت کے کچھ اثرات باقی تھے لہذا سیدنا معاویہؓ سے فرمایا۔

خاموش! تم بادشاہوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں ہو۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۲۵)

لیکن ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ جب سیدنا معاویہؓ ان کی سواری کے ساتھ چل رہے تھے تو سیدنا وائلؓ نے خود پیش کش کی کہ آپ میرے پیچھے بیٹھ جائیے لیکن سیدنا معاویہؓ نے کہا۔

لست من ارداد الملوك -

میں بادشاہوں کے پیچھے بیٹھنے والا نہیں ہوں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام خاص طور پر قلیل ذکر ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ گواہوں پر شہادتیں حاصل کرنے کے لیے کسی بھی قسم کا کوئی جبر نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ امیر زیاد نے مختار بن ابی عبید اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ کے صاحبزادے عروہ کو بھی گواہی دینے کے لیے بلایا لیکن انہوں نے بعض وجوہات کی بناء پر گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کا نام گواہوں کی فہرست میں نہ لکھا گیا۔ اور نہ ہی ان پر کسی قسم کی کوئی سختی کی گئی۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۱)

کل ستر شخصات نے شہادت دی جو خاندانی نجابت اور دینی شرافت کے لحاظ سے کوفہ میں مشہور و معروف تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ زیاد نے شہادت دینے کے لیے یہ خاص شرط لگائی تھی کہ صرف انہی کی شہادت لی جائے جو دینی شرافت اور خاندانی نجابت کے اعتبار سے معروف ہوں۔ (طبری جلد ۲ ص ۲۱)

ان سب شہادتوں کے ساتھ امیر زیاد نے یحیثیت گورنر کوفہ و بصرہ درج ذیل پورٹر امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ کو پیش کی۔

اما بعد! فان الله قد احسن عند امير المؤمنين السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سیدنا معاویہؓ کے عہد خلافت میں آپ ان کے پاس گئے۔ سیدنا معاویہؓ نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور نہایت عزت و تکریم کی اور اپنا وہ واقعہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ۔ کیا اچھا ہوتا کہ میں اس دن انہیں اپنے آگے بٹھاتا۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹)

واپسی پر سیدنا معاویہؓ نے کچھ نقدی دینی چٹائی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ سیدنا معاویہؓ نے جاگیر پیش کی اُس کو قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں کسی اور حاجت مند کو دے دیتا۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۲۵)

سیدنا معاویہؓ ابن ابی سفیانؓ کے عہد خلافت ہی میں وفات پائی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۰۹، اصابہ جلد ۲ ص ۳۱۲)



فكادله عدوة وكفاه مؤنة من يعي عليه ان طواغيت من  
هذه الترابية السبائية رأسهم حجر بن عدى خالقوا  
امير المؤمنين وفارقوا جماعة المسلمين ونصبوا لنا  
الحرب فاطهرنا الله عليهم وامكننا منهم وقد دعوت  
خيار اهل المصر واشرافهم وذوى التئ والدين منهم  
فشهدوا عليهم بما رأوا وعملوا وقد بعثت بهم الى  
امير المؤمنين وكنت شهادة صلح اهل المصر و  
خيارهم في اسفل كتابي هذا -

بے شک امیر المؤمنین کے دشمنوں نے جو فتنہ ان کے خلاف اٹھایا حق تعالیٰ  
نے اس سے انہیں محفوظ فرمالیا اور جن لوگوں نے ان کے خلاف علم بغاوت  
بلند کیا تھا اللہ ان سے امن کے لیے کافی ہے۔ بے شک اس ذلیل سبائی پارتی  
کے اثر ارنے جن کا سر غنہ حجر بن عدی ہے امیر المؤمنین کی مخالفت کی ہے اور  
مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ و تشتت پیدا کیا ہے اور ہمارے خلاف  
جنگ و جدل کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ حق تعالیٰ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا  
فرمایا اور ان کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دیئے۔ میں نے کوفہ کے نیک اور  
شریف لوگوں اور عمر سیدہ اور دین دار حضرات کو دعوت دی انہوں نے  
جو کچھ دیکھا اُس کے مطابق اپنی شہادتیں قلمبند کروائی ہیں۔ میں ان کو امیر المؤمنین  
کے پاس بھیج رہا ہوں اور کوفہ کے نیک اور شریف لوگوں نے جو شہادتیں دی  
ہیں وہ میں اپنے اس خط کے نیچے لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۰۲)

امیرزبانے اپنی یہ رپورٹ بمبہ ستر شہادتوں اور حجر بن عدی اور ان کے ۱۲ ساتھیوں  
سمیت دو جلیل القدر صحابہ رسولؐ سیدنا و اہل بن حجر بن عدی اور سیدنا کثیر بن شہابؓ کے ہاتھ  
سیدنا امیر المؤمنین معاویہؓ کی خدمت میں دمشق بھیج دی۔

سیدنا معاویہؓ نے اس ساری رپورٹ کو ان سب شہادتوں سمیت بغور ملاحظہ فرمایا۔

ان لوگوں کی خلاف ملک و ملت کا رد و ایسوں سے وہ پہلے ہی واقف ہو چکے تھے۔ اب اس خط کے ساتھ جلیل القدر صحابیہؓ ابوعبیدہؓ اور صلحائے اُمت کی شہادتوں نے تمام قضیہ کو امیر المؤمنین کو واضح کر دیا لیکن اپنے قطری حکم کی وجہ سے امیر المؤمنین نے امیر زیاد گورنر کوفہ کو حسب ذیل خط لکھا :-

اما بعد! فقد فهمت ما اقتضت به من امر حجر و اصحابه و شهادة من قبلك عليهم فنظرت في ذلك فاحيانا ادى قتلهم افضل من تركهم و احيانا ادى العمو عنهم افضل من قتلهم - والسلام!

حجر اور اُن کے ساتھیوں کے بارہ میں جو کچھ واقعات تم نے لکھے ہیں اُن کو میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ تم نے جو شہادتیں بھیجی ہیں اُن سے بھی میں آشنا ہو گیا ہوں۔ میں اس معاملہ پر غور و خوض کر رہا ہوں کبھی سوچنا ہوں کہ ان کا قتل ان کے چھوڑنے سے افضل ہے اور کبھی سوچنا ہوں کہ عفو و درگزر کرنا قتل کی نسبت افضل ہے۔ والسلام

امیر زیاد نے سیدنا معاویہؓ کے خط کا درج ذیل جواب دیا :-  
”جو لوگ حجر اور اُن کے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اُن کی شہادتوں کے بعد مجھے انتہائی تعجب ہے کہ اُن کے بارہ میں آپ کی ددراہیں ہیں۔

فان كانت لك حاجة في هذا المصرف لا تدن حجرا و اصحابه الخ -  
اگر آپ کو اس شہرہ کوفہ کی ضرورت ہے تو حجر اور اُس کے ساتھیوں کو میری طرف واپس نہ بھیجیے۔  
(طبری جلد ۴ ص ۲۰۳)

اس پر سیدنا معاویہؓ نے حجر اور اُن کے ساتھیوں کے قتل کو حکم صادر فرمادیا۔ یہ لوگ رات بھر نماز پڑھتے رہے۔ صبح کو جب سیدنا معاویہؓ کے سپاہیوں اور اصحاب نے اُن سے پوچھا کہ تم رات لمبی نماز پڑھتے اور دعا کرتے رہے ہو۔

فاخبرونا ما قولكم في عثمان قالوا هو اقل من جارفي الحكم

و عمل بغیر الحق -

ہمیں بتاؤ کہ عثمانؓ کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے حکومت میں ظلم و جور کیا اور حق کے خلاف عمل کیا۔

(طبری جلد ۳ ص ۲۰۵)

سیدنا معاویہؓ کے اصحاب اُن کا یہ جواب سُن کر کہنے لگے۔

”پھر تو امیر المؤمنین معاویہؓ تمہیں بخوبی جانتے ہیں“

جب امیر زیاد نے حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کو پابجولاں سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق روانہ کیا، سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے عبدالرحمن بن الحارث کو سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حجر کو رہا کر دیں۔ ادھر سیدنا معاویہؓ نے معاملہ کی نوعیت اور شہادتوں کے مطالعہ کے بعد حکم صادر فرمایا کہ ان کو ”عذراء“ مضامات دمشق لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ جب سیدنا معاویہؓ کے پاس ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا حجر کی رہائی کے بارہ میں پیغام پہنچا تو انہوں نے فوراً ایک قاصد کو اُن کی رہائی کا حکم دے کر بھیجا لیکن اس قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر اور اُس کے چھ ساتھی قتل کئے جا چکے تھے تاہم باقیوں کو رہا کر دیا گیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۱۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۵۴)

طبری نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر سیدنا معاویہؓ اور سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ملاقات ہوئی۔ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔

”معاویہؓ! تم حجر اور اس کے ساتھیوں کے قتل کرنے کے بارہ میں اللہ سے نہ ڈرے“

آپ نے ام المؤمنین کو جواب میں کہا۔

لست انا قتلتهم، انما قتلهم من شهد علیہم۔  
میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں نے انہیں قتل کیا ہے جنہوں نے اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔

(طبری جلد ۴ ص ۲۰۹، استیعاب ترجمہ حجر بن عدی)

یہ تھی اصل حقیقت حال حجر بن عدی کے قتل کی جس کو سیدنا معاویہؓ کے مخالفین اُچھالتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ”سیدنا معاویہؓ نے ایک صحابی رسول کو قتل کر دیا“ حالانکہ حجر بن عدی کے بارہ میں محدثین کی صحیح رائے یہ ہے کہ وہ صحابی نہیں تھے۔ امام بخاریؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، ابو حاتمؒ، خلیفہ بن خیاطؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے امام ابو احمد عسکریؒ کا قول نقل فرمایا ہے:-  
اکثر المحدثین لا یصحون لہ ضابطہ۔  
اکثر محدثین ان کے صحابی ہونے کو صحیح نہیں سمجھتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۵، ص ۱۳۳)  
لیکن بالفرض انہیں صحابی مان بھی لیا جائے تو کیا صحابی اگر کوئی جرم کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا یحییٰؑ اور دوسرے کئی ایک صحابی پر حد جاری نہیں فرمائی تھی؟ لہذا اگر مایوسؑ کو زندان کے جرم میں سنگسار کیا جاسکتا ہے حالانکہ اُن کے صحابی رسول ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں تو حجر بن عدی کو بغاوت کے جرم میں قتل کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ کیونکہ وہ اپنی سادگی کی وجہ سے سپاہیوں کے ہتھے چڑھ کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ملک میں بد نظمی پیدا کر کے اطاعت امیر کے اسلامی جذبے کو فنا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اگر اس جرم میں حکومت نے انہیں سزا دی تو حکومت کو ملعون کرنے کی کون سی وجہ ہے؟ مزید یہ کہ سیدنا مغیرہؓ اور امیر زیادؓ ان کو اس سے قبل کئی بار زبانی فحاشی کر چکے تھے۔

دوسرے حجر کا یہ فعل اگر انفرادی حیثیت میں ہوتا تو شاید اُس کو برداشت کر لیا جاتا۔ لیکن وہ تو باقاعدہ سپاہیوں کے رئیس اور سرغنہ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور سیدنا معاویہؓ اور ان کی حکومت کے خلاف سازش کرتے تھے اور لوگوں کو اُن کے خلاف ابھارتے اور مشتعل کرتے تھے۔ (یعقوبی جلد ۲ ص ۲۴۷) پھر جب امیر زیادؓ نے اُن کو بلانے کے لیے سپاہیوں کو بھیجا تو انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ اُٹے سپاہیوں اور کوتوال شہر

شداد بن ابیہثم پر پتھروں اور ڈنڈوں سے حملہ کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱) جو ایک قسم کی بغاوت اور امور مملکت میں فتنہ پیرا کرنا تھا۔ اور قتلے کے متعلق خود قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وَأَلْفَيْتَهُ أَشَدَّ مِنَ الْقَتْلِ - (سورۃ آیت ۷۱)

اور قتلہ قتل سے بھی شدید تر ہے۔

کسے دے یہ بھی کہتے ہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اور گورنر کوفہ امیر زیاد سیدنا علیؓ کو منبر پر بست و شتم کیا کرتے تھے اور حجر اس فعل شنیع پر ان کو برسر عام ٹوکتے تھے۔ یہی زیاد کو پسند نہ آئی اور اُس نے اُن کو قتل کر دیا۔ اگر اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بھی بالکل حقیقت کے خلاف ہے۔ ایا، تو اس لیے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ ایک صحابی رسولؐ ہونے کی حیثیت سے معاذ اللہ اس قدر گھٹیا اور پست اخلاق کے مالک نہیں تھے کہ داماد رسولؐ اور محب رسولؐ کو مسجد میں منبر پر بیٹھ کر بست و شتم کریں اور نہ ہی امیر زیاد جن کی اخلاقی ترتیب سیدنا علیؓ جیسے معلم اخلاق کی آغوش میں ہوئی تھی، اس قسم کا زہریل فعل کر سکتے تھے۔ دوسرے جو گالیاں اُن کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اُن میں حضرت علیؓ کا نام تک نہیں اور نہ ہی وہ حقیقت میں گالیاں ہیں۔ مثال کے طور پر علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔

فلما کان اَوَّلَ خطبۃ خطبہا زیاد بالکوفۃ ذکرہا فی اخرہا فضل عثمانؓ وذم من قتلہ واداعان علی قتلہ فقام حجر۔

جب زیاد نے کوفہ میں اپنا پہلا خطبہ دیا تو اس کے آخر میں سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کی اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جنہوں نے عثمانؓ کو قتل کیا یا ان کے قتل پر اعانت کی۔ پس حجر کھڑے ہو گئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۱) طبری نے نقل کیا ہے :-

ذکر عثمان واصحابہ فقرظہم وذکر قتلہم ولعنہم فقال حجر۔

اُس نے سیدنا عثمانؓ اور اُن کے اصحاب کا ذکر کیا اور اُن کی تعریف کی اور ان

کے قاتلوں کا ذکر کیا اور اُن پر لعنت بھیجی تو حجر کھڑے ہو گئے۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۹۰)  
علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

و ترحم علی عثمان و لعن قاتلیہ و قال حجر۔

اُس نے عثمانؓ پر رحمت بھیجی اور اُن کے قاتلوں پر لعنت پس حجر نے کہا۔

(ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۳۳)

اسی طرح کے الفاظ ابن اثیرؒ نے اکمال میں اور مروّج الذهب میں مسعودی نے اور دیگر مؤرخین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ یہ مقام غور ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی فضیلت بیان کرنا اور ان کے قاتلوں کی مذمت کرنا اور ان لوگوں کی مذمت کرنا جنہوں نے اس معاملہ میں قاتلوں کی امداد کی۔ سب و شتم میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ گالیاں ہیں تو اس میں سیدنا علیؓ کو نام کہاں سے آگیا؟ کیا سیدنا علیؓ سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے؟ یا انہوں نے قتل عثمانؓ پر قاتلوں کی اعانت کی تھی یا اُن کے قتل میں اُن کا کوئی ہاتھ تھا؟ ہرگز نہیں اور اگر ایسی باتیں کرنا سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنا ہے تو پھر سیدنا علیؓ نے خود بھی اپنے آپ کو گالیاں دی ہیں۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۵ ص ۲۷۱، ابن عساکر جلد ۲ ص ۸۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب و شتم نہیں ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ کلمات سیدنا علیؓ کو گالیاں دینا ہے وہ ایک تو خود سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنے والا سمجھتا ہے، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے۔

دوسرے سیدنا علیؓ کو قاتلان عثمانؓ یا اُن کے ساتھیوں میں سے سمجھتا ہے اور سیدنا علیؓ اس سے بھی بری ہیں۔

تیسرے اگر کسی متحقّی لعنت پر لعنت کرنا سب و شتم کرنا ہے تو پھر معاذ اللہ اس سے ذاتِ نبوت پر بھی حرف آتا ہے بلکہ ذاتِ خداوندی بھی اس سے ملوث ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اور احادیثِ نبویہ میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ نے لعنت کے متحقّقین پر لعنت بھیجی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر اس چیز کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ

اور امیر زیاد اپنے خطبوں میں برسر منبر سیدنا علیؑ پر سب دشتم کرتے تھے تو اُن کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کا یہ کون سا اسلامی طریقہ ہے کہ مسجد میں کھڑے ہو کر ان کو ایسے نقطہ ستائی جائیں اور سب دشتم کیا جائے اور مزید برآں یہ کہ اُن پر کنکر مارے جائیں بلکہ اپنے حسنِ اخلاق اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ اُن کو اس فعلِ شیع سے روکا جاتا ہے۔

پانچویں چیز اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مؤرخین نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ حجر بن عدی اور اُن کے ساتھی سیدنا معاویہؓ کو سب دشتم کیا کرتے تھے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے نہ کہ سیدنا مغیرہؓ اور امیر زیاد سیدنا علیؑ پر سب دشتم کرتے تھے، چنانچہ ابن کثیرؒ حجر بن عدی اور اُن کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

دلیستون معاویة ویتبرؤن منه۔

وہ معاویہؓ کو سب دشتم کرتے اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵)

علامہ ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں:-

فلغہ ان حجراً یجتمع الیہ شیعة علی ویظہرون لعن معاویة

والبدایۃ منه وانہم حصبوا عمرو بن حریث۔

امیر زیاد کو پتہ چلا کہ حجر کے پاس شیعیان علیؑ جمع ہوتے ہیں اور سیدنا معاویہؓ پر کلمہ کھلا لعنت بھیجتے ہیں اور اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے

قائم مقام گورنر کو ذمہ داری عطا کر دی۔

قریباً ہی الفاظ ابن جریر طبری نے اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک جلد ۱۹ ص ۱۹ اور

علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب تاریخ الیکامل جلد ۳ ص ۱۸۰ پر اور ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵ پر نقل کئے ہیں:-

پھر کو تو ال شہر شد ابن التیم نے جب حسین بن عبد اللہ الحمدانی کو چند آدمیوں کے ساتھ حجر کو بلانے کے لیے بھیجا ہے تو طبری کے الفاظ ہیں کہ:-

فسبونا وشتموننا۔

حجر اور اُن کے ساتھیوں نے ہمیں سب و شتم کیا اور بُرا بھلا کہا۔  
چھٹی چیز اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر واقعی حجر بن عدیؓ مظلوم شہید کئے گئے تو اُن کے  
قتل کا الزام سیدنا معاویہؓ کو کیوں دیا جاتا ہے، الزام اگر دینا ہے تو امیر زیاد کو دیا جائے  
یا اُن شتر گواہوں کو دیا جائے جنہوں نے گواہی دی کہ حجر اور اُن کے ساتھی باغی ہیں۔ اب  
اگر گواہوں نے غلط گواہی دی تو اس کا گناہ گواہوں پر ہے یا غلط گواہ بھیجنے والے پر نہ کہ  
فیصلہ کرنے والے پر چنانچہ حجر بن عدیؓ کے قتل کے بعد سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے  
جب سیدنا معاویہؓ سے فرمایا۔

یا معاویۃ! ما خشیت اللہ فی قتل حجر و اصحابہ۔  
اے معاویہؓ! تمہیں حجر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرتے وقت خدا کا  
تو خوف نہ آیا۔

تو جواب میں سیدنا معاویہؓ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی خدمت  
میں عرض کیا۔

لست انا قتلہم انما قتلہم من شہد علیہم۔  
میں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ انہیں اُن لوگوں نے قتل کیا ہے جنہوں نے  
اُن کے خلاف شہادت دی ہے۔ (طبرن جلد ۴ ص ۲۰۸)  
سیدنا معاویہؓ نے تو شتر شاہدوں کی شہادت پر جو امیر زیاد نے قلمبند کر کے انہیں  
بھیجی تھی جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ، عالی مرتبت تابعینؓ اور عظیم الشان صلحاؓ  
اُمّت تھے، ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اب اگر گواہوں کی شہادتیں غلط اور خلاف حقیقت تھیں  
اس کا گناہ اُن پر ہے۔ سیدنا معاویہؓ تو اس سے بری الذمہ ہیں۔

ساتویں چیز یہ کہ اگر واقعی حجر بن عدیؓ مظلوم شہید ہوئے اور سیدنا معاویہؓ نے اُن کو  
مظلوم شہید کیا تو قاتل اور مقتول دونوں اب حق تعالیٰ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہاں  
حق و باطل اور ظالم و مظلوم کے درمیان امتیاز نہ ہو جائے گا۔ ہمیں ان امور میں الجھنے کی



کیا ضرورت ہے اور صحابہ کرام پر طعن و تشنیع کا کیا حق ہے؟ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ حجر بن عدی کے قتل کے بعد ایک دفعہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے سیدنا معاویہ سے پوچھا کہ:-

این ذهب عنك حليمك يا معاوية حين قتلت حجراً-

اے معاویہ! جب تم نے حجر کو قتل کیا تو اس وقت تمہارا علم اور تمہاری بردباری کہاں گئی تھی؟

آپ نے ام المؤمنین سلام اللہ علیہا کے جواب میں کہا:-

”اماں! آپ کے ساتھ میرے سلوک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟“

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا:-

انك بلباء-

میرے ساتھ تو تم بہت اچھا سلوک کرنا چاہتے ہو اور میری اطاعت کرنا چاہتے ہو۔ سیدنا معاویہ نے کہا:-

يكفيني هذا عند الله وغدا لي ولحجر موقف بين

يدي الله عز وجل -

مجھے اللہ کے ہاں یہی کافی ہے۔ کل مجھے اور حجر کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ایک اور روایت میں جواب کے الفاظ یوں مروی ہیں:-

فدعيني وحجراً حتى نلتقي عند ربنا-

آپ میرے اور حجر کے معاملہ کو رہنے دیں یہاں تک کہ ہم دونوں بارگاہِ

ایزدی میں ملیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۲، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۶)

علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا معاویہ کا یہ جواب بھی نقل فرمایا ہے۔

يا اۡم المؤمنین اتی رأیت فی قتلہم صلاحاً للامة و فی

مقامہم فساداً للامة -

اے اُم المؤمنین! میں نے اُس کے قتل میں اُمت محمدؐ کی بہتری اور اُس کے چھوڑنے میں اُمت کی خرابی دیکھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۵)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِينَ! اِنِّي وَجَدْتُ قَتْلَ رَجُلٍ فِي صَلَاحٍ لِلنَّاسِ خَيْرٌ مِنْ اسْتَحْيَاؤِهِ فِي فُسَادٍ هُمْ -

اُم المؤمنین! میں نے لوگوں کی بہتری اور خیر خواہی کے لیے ایک شخص کا قتل اُس کی زندگی سے بہتر سمجھا جس سے لوگوں میں فتنہ اور فساد برپا ہو۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۵)

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک شخص جب فتنہ و فساد برپا کرتا ہے تو پھر اُس کے فتنہ و فساد کی وجہ سے بعض دفعہ لاکھوں انسان قتل ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں بیان فرمایا:-  
وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ -

فتنہ و فساد قتل سے بھی شدید تر ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے قاصد سیدنا عبد الرحمن بن حارثؓ نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ کیا آپ نے حجر بن عدیؓ کو قتل کر دیا تو جواب میں آپ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-  
قَتَلْتُ احِبَّ اِلَى مَنْ اِن اَقَاتِلُ مَعَهُ مَا تَهْ اَلْف -

اُس کیلئے کہ قتل میرے نزدیک زیادہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ میں (بعد میں) اُس کی وجہ سے ایک لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۴۴)

گویا کہ حجر بن عدیؓ اور اُس کے چند ساتھیوں کو قتل کر کے سیدنا معاویہؓ نے اُمت کے کئی لاکھ انسانوں کو قتل سے بچا لیا۔ ورنہ حجر اور اُس کے چند ساتھیوں کی سازش اگر

کامیاب ہو جاتی تو نہیں معلوم جبل و صفین کی طرح پھر کتنی زبردست جنگوں میں اُمت کو مبتلا ہونا پڑتا اور اُس کے نتیجے میں کتنے لاکھ نفوس میدان جنگ میں کام آتے اور کتنے سالوں تک اُمت اطمینان کی حالت کو ترستی رہتی۔ ہم تو ابھی تک جبل اور صفین کی جنگوں کے پیدا کردہ فتنے کو فرو نہیں کر سکے اگر خدا نخواستہ پھر فتنہ کھڑا ہو جاتا تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُمت کا اس میں کس قدر جسمانی اور روحانی نقصان ہوتا۔ سیدنا معاویہؓ کا اُمت مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس طریقے سے اُمت کو فتنہ و فساد کی مہلک آگ سے بچا لیا۔

---

## سیدنا علیؑ پر سب و شتم

سیدنا معاویہؓ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں ایک نہایت مکروہ بدعت شروع کی کہ وہ خود اور اُن کے تمام گورنر اپنے خطبوں میں برسرِ عام سیدنا علیؑ پر سب و شتم کرتے یہاں تک کہ مسجد نبویؐ کے منبر پر بھی آپ پر سب و شتم کی بوجھار ہوئی۔ یہ اعتراض بھی ایسا ہے جو جعلی اور موضوع روایات پر مبنی ہے کیونکہ نبوۃ امیہ کے عمال اور سربراہان کے ایجنڈ (Image) کو خراب کرنے کے لیے دشمنانِ اسلام نے جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، اس قسم کی روایات وضع کی ہوئی ہیں، صحابہؓ جن کو حق تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا ہے اُن سے اس قسم کے اخلاق کا مظاہرہ محال و ناممکن ہے۔ پھر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا:-

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبُ الْإِيمَانِ وَرَبُّنَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرِهَ إِلَيْكُمْ  
الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضَلَا  
مِنَ اللَّهِ وَيَعْمَىٰ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الحجرات آیت ۸)  
اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان سے  
تمہارے دلوں کو متزین کر دیا اور کفر، فسوق اور عصیان کو تمہارے لیے  
مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ راشدین (راہِ راست یافتہ) ہیں اللہ  
تعالیٰ کے فضل اور اُس کے احسان سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور  
حکمت والا ہے۔

اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ:-

ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اُن تمام احکام کی محبت ہو یعنی فرائض اور

اور سنخبات دونوں کی محبت ہو، اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر کی ہو گی۔ اور بعض مرتبہ صرف فوق اور عصیان کی حد تک رہے گی۔ مومن کامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت کرے۔ (کتاب الایمان ص ۱۷۱۔)

سب و شتم ان معنوں میں جن معنوں میں دشمنان صحابہؓ مراد لیتے ہیں "فسق" ہے کیونکہ حدیث میں صاف الفاظ میں مرقوم ہے :-  
 سباب المسلم فسوق۔  
 مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (بخاری)

اب اگر سب و شتم اپنے حقیقی معنوں میں ہے تو وہ تو "فسق" ہے اور قرآن صاف الفاظ میں صحابہؓ سے "فوق" کی نفی کر رہا ہے۔ اب یا تو قرآن کو صحیح مان لیں یا ان روایات کو صحیح مان لیں جن کے راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ جیسے کٹر طشیعی اور ہشام بن المکی جیسے انصاری (لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۶۹، المنتقی ص ۲۱) ہیں اور جنہوں نے صحابہؓ کی جو قرآن و حدیث کے اولین راوی ہیں، پوزیشن کو داغدار کرنے کے لیے ہزاروں جعلی روایتیں گھڑ لی ہیں اور مؤرخین نے ان کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

سیدنا معاویہؓ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے، ہمدرد قریش سیدنا ابوسفیانؓ کے فرزند ارجمند اور یزید بن ابی سفیانؓ اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہ سلام اللہ علیہا کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے والد کے چشم و چراغ تھے جس کی سیادت سارے عرب میں مسلم تھی۔ اُس والدہ کے بیٹے تھے جس نے فتح مکہ کے روز جب حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی۔ اور زنانہ کرنے کے متعلق فرمایا تو ہند و والدہ سیدنا معاویہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا شریف عورت زنا کر سکتی ہے؟" اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر کہ کسی پریتبائ نہ لگانا، ہندہؓ نے عرض کیا:-

واللہ ان اتیان البہتان بقبیح وما تأمرنا الا بالرشد

## ومکارم الاخلاق -

خدا کی قسم کسی پر بہتان باندھنا نہایت ہی بُرا ہے اور آپ ہم کو سوائے رشد و اور ہدایت اور مکارم اخلاق کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتے۔

رزرقانی جلد ۲ ص ۳۱۶، کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۹۶

ایسی بلند ہمت اور اعلیٰ اخلاق کی مالکہ عورت کا ایک عظیم الشان بیبا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خاص دعاؤں سے توارا ہو۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۲۱، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۲، کنز العمال جلد ۷ ص ۸۷)

کیا داماد رسول پر سب و شتم کر سکتا ہے یا اپنے عمال کو سب و شتم کا حکم دے سکتا ہے؟ یہ صرف دشمنان صحابہؓ نے صحابہؓ کو بدنام کرنے کے لیے ایسی روایات گھڑی ہوئی ہیں حقیقت سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

بخاری میں ایک روایت ہے جس سے سب و شتم کا پتہ چلتا ہے جس کو بار لوگوں نے دے کے معنوں میں لیا ہے۔

ان رجلاً جاء انا سہل بن سہل بن فقال هذا فلان لا مہر  
المدينة يدعو علياً عند راسه فقال فيقول ما ذا قال  
يقول له البوتراب فضحك وقال والله ما سنا ه الا  
التبى صلى الله عليه واله وسلم وما كان له اسم  
رجب اليه منه -

ایک شخص سیدنا سہلؓ کے پاس آیا اور بولا کہ امیر مدینہ منیر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو سب کرتا ہے۔ حضرت سہلؓ نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا کہ وہ انہیں "البوتراب" کہتا ہے سیدنا سہلؓ ہنس پڑے اور فرمایا، خدا کی قسم اس نام سے تو انہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکارا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے زیادہ پیارا نام کوئی اور نہ تھا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۵۲)

دب

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا سہیل بن سعدؓ سے یہ کہا گیا کہ ۔  
ان امیدا لمدينة يديدان بيعت اليك تسبت عليا عند  
المنبر قال كيف اقول ، قال تقول ابو تراب ۔

امیر مدینہ آپ کے پاس ایک آدمی بھیج کر آپ سے سیدنا علیؓ پر برسر منبر سبت کو مانا  
چاہتا ہے ۔ آپ نے کہا کیا کہوں ؟ کہا کہ آپ انہیں ابو تراب کہیں ۔  
سیدنا سہیل بن سعدؓ نے یہ سن کر فرمایا ۔ بخدا یہ نام تو آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
و سلم نے رکھا ہوا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا اور کوئی نام ہی نہیں تھا ۔  
(الاستیعاب جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۵۷۵)

ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی سیدنا علیؓ کو ان کے اس لقب سے  
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کو بہت زیادہ محبوب تھا ، پکارتا تو سبائی جن کی ایک اچھی  
خاصی تعداد شہادت عثمانؓ کے بعد سیدنا علیؓ کے گرد جمع ہو گئی تھی اور بظاہر دوست باطن  
دشمن کے روپ میں ان کے خلاف بھی زہر پھیلا رہی تھی ، اس شخص کو مدنام کرنا شروع کر دیتے  
کہ دیکھو فلاں شخص سیدنا علیؓ کو سب و شتم کر رہا ہے ۔ اور سب و شتم کی حقیقت صرف  
اتنی تھی کہ ان کو اس لقب سے یاد کیا جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم کو بہت زیادہ  
محبوب تھا یعنی ”ابو تراب“ آپ تاریخ کی کتابوں کنگال جانیے آپ کو سب و شتم کی اس  
کے علاوہ اور کوئی حقیقت نظر نہیں آئے گی ۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ابن الکلبی اور ان  
کے متبعین یہ تو نقل کریں گے کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے گورنر سیدنا علیؓ پر سب و شتم کرتے  
لیکن جب ان سے سب و شتم کی حقیقت پوچھی جاتی ہے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ان کو خطبوں  
میں ”ابو تراب“ کہا جاتا ۔ اصل میں ”ابو تراب“ کہنے والا سیدنا علیؓ کو سب و شتم نہیں کر رہا بلکہ  
”ابو تراب“ کو سب و شتم سمجھنے والا دراصل سیدنا علیؓ کو سب و شتم کر رہا ہے ۔

بعض حضرات اپنے موقف کی تائید میں صحیح مسلم کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ  
عاصم بن سعد بن ابی وقاصؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ :-

امیر معاویہ بن ابی سفیان سعداً فقال ما نطق ان تسبت

ابا تراب، فقال اما ما ذكرت ثلاثاً قالهن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن استبه..... الخ

سیدنا معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا، پھر کتاب کو کس شی نے روکا ہے کہ آپ ابوتراب (سیدنا علیؓ) پر ”سب“ کریں انہوں نے جواباً کہا کہ جب میں ان تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا علیؓ کے متعلق فرماتے تھے تو میں ہرگز ان پر ”سب“ نہیں کر سکتا۔  
(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۹)

اس روایت کے محدثین نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۷) لیکن اس حدیث میں ”سب“ کا مطلب گالی نہیں بلکہ اختلاف رائے اور غلطی پر ٹوکنا ہے کیونکہ ”سب“ کے معنی ہر جگہ گالی دینا نہیں ہوتا۔ اگرچہ برا بھلا کہنے اور گالی دینے کو بھی عربی زبان میں ”سب“ کہتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے سفر میں صحابیہؓ کو یہ ہدایت فرمائی کہ کل جب تم بوک کے چشمہ پر پہنچو تو:-

فلا یس من ما سها شیئاً حتی اتی۔

میرے پیچھے سے پہلے اُس کے پانی کو کوئی نہ چھوٹے۔

اتفاقاً دور فقہاء قندس سے آگے نکل کر چشمہ پر پہلے پہنچ گئے اور انہوں نے پانی پی لیا۔

آپ کو ان کی اس حرکت کا پتہ چلا تو آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کیا تم نے اس چشمہ کے پانی کو استعمال کیا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔

فسبہما التی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو ”سب“ فرمایا:-

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۶)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ (معاذ اللہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو گالی لکڑج کیا یا ان پر سب و شتم کی بوچھاڑ کر دی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے



کہ آپ نے اُن دونوں کی غلطی پر اُن کو ٹوکا یا ان کے اس کام سے اختلاف فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”سب“ کا ہر جگہ معنی گالی ہی نہیں ہوتا بلکہ اختلاف رائے کرنا ”اود“ غلطی پر ٹوکنا بھی ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور دوسرے اکابر بنو امیہ کو بدنام کرنے کی خاطر ایسی روایتیں وضع کی گئیں وگرنہ سیدنا معاویہؓ نہ تو سیدنا علیؓ کے مخالف اور دشمن تھے کہ ان پر سب و تم کرتے اور نہ کم ظرف تھے کہ سیدنا علیؓ کے فضائل اور مناقب کا اعتراف نہ کرتے۔ آپ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام لوگوں کے سامنے سیدنا علیؓ کے اپنے سے افضل اور بہتر ہونے کا اعتراف فرمایا۔

لن یاتیکم من بعدی الا من انا خیر منه کما ان من  
قبلی کان خیر منی۔

میرے بعد تمہارے پاس جو (خلیفہ) بھی آئے گا میں اُس سے بہتر ہوں گا جس طرح مجھ سے پہلے جتنے خلفاء تھے۔ مجھ سے بہتر تھے۔ (ابن اثیر جلد ۴ ص ۲)۔  
روایات میں آتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ سیدنا علیؓ کا اکثر ذکر کر کے رویا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص ضرار صدائی آپ کے پاس آیا جو سیدنا علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں سے تھا۔ اس کو دیکھ کر آپ کو سیدنا علیؓ کی یاد آئی۔ فرمایا ضرار! سیدنا علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ اُس نے پہلے تو انکار کیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس محبوب و محترم کی یاد میں اپنے قلب کو غمناک کریں، لیکن سیدنا معاویہؓ کو اپنے بھائی اور ساتھی کا تذکرہ سننے کا اشتیاق تھا، لہذا آپ نے اصرار فرمایا۔ آپ کے اصرار سے متاثر ہو کر ضرار نے آپ کی شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچا جو شنیدنی ہے۔ کہا:-

”حضرت! وہ نہایت بلند حوصلہ اور قوی تھے۔ نپئی تلی بات کہتے تھے عادیانہ فیصلہ کرتے تھے میرا علم بلکہ میری سمیت سے علم کا چشمہ چھوٹا ہوا تھا۔ حکمت کا دریا موجزن تھا۔ دنیا اور اُس کی دلی فریبیوں سے ایک گونہ نتضر تھا۔ رات کی تیرگی اور وحشت سے انتہائی انس تھا۔ آخرت کے لیے بہت فکر مند بلکہ ہر

وقت اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ لباس کی سادگی دیدنی تھی۔ کھانا تکلفات سے  
 یک قلم خالی، سادہ اور موٹا جھوٹا ہم ہی کی طرح رہتے تھے۔ کچھ امتیاز نہیں  
 تھا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو اس کا جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ باوجودیکہ وہ  
 ہم سے محبت کرتے تھے اور ہم اُن سے، وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور  
 خود ہمارے قریب رہتے تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رعب داب  
 اور آپ کی معیت اور وجاہت ہمارے دلوں پر اس طرح مستولی تھی کہ  
 ہم آپ سے بات نہ کر سکتے تھے۔ متدین حضرات کی عظمت اُن کے قلب  
 میں تھی اور غرباء کو ہمیشہ اپنا مقرب بناتے تھے، اُن کے سامنے طاقتور ناحق  
 میں طمع نہیں کر سکتا تھا اور ضعیف و ناتواں عدل و انصاف سے کبھی مایوس  
 نہیں ہو سکتا تھا۔ اکثر مواقع پر میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کاروانِ شب  
 رخت سفر باندھنے کو ہے۔ چاند اپنے سفر کی منزلیں طے کر کے منزل مقصود کی  
 جانب رینگتا ہوا جا رہا ہے، جھلملاتے تارے چراغِ سحر کی طرح اپنے آخری  
 سانسوں پر ہیں اور زامہ دانِ شب زندہ دار دعاۓ نیم شبی کے لیے اپنے نرم و  
 نازک بستروں پر کوٹھیں لے رہے ہیں لیکن وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لیے مار گزیدہ  
 اور عاشقِ خواب ناویدہ کی طرح بے قرار اور اشکبار دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے  
 فرما رہے ہیں۔ اے دنیا! اے قریب دینے والی دنیا! یہ قریب کسی اور کو دے،  
 تو مجھ سے اپنی چاہت اور انسیت کا انکار کر رہی ہے اور بڑے اشتیاق  
 سے میری جانب لپک رہی ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے تین طلاقیں دی ہوئی ہیں  
 اور تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہوا ہے۔ میں کبھی بھی تیری طرف  
 آنے کا نہیں تیری عرقیل اور تبر امتقصد ذیل، لیکن راستہ اور سفر طویل اور زردرا  
 بالکل حقیر و قصیر ہے۔

یہ سننا تھا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سیدنا معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں  
 کی ندیاں رواں تھیں اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

رحمہ اللہ ابا الحسن، کان واللہ کذلک، کانت واللہ  
کذلک۔

اللہ تعالیٰ ابوالحسن (سیدنا علیؑ) پر رحم فرمائے۔ واللہ وہ ایسے ہی تھے وہ ایسے  
ہی تھے۔ (الاستیعاب جلد ۳ ص ۴۳۴، روضۃ النظرۃ جلد ۲ ص ۲۱۲)

سیدنا علیؑ کے سیاسی فکر سے اختلاف ہونے کے باوجود آپؑ اُن کے تقویٰ، فضل و  
کمال، عدل و مساوات، سلامتی طبع، امانت و دیانت اور علم و حکمت کے معترف تھے۔

چنانچہ جب آپؑ کو سیدنا علیؑ کی شہادت جالکاء کی خبر پہنچی تو آپؑ اس وقت اپنی اہلیہ محترمہ  
سیدہ فاختہ بنت قرقظہؑ کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ خبر سننے ہی آپؑ فوراً اٹھ بیٹھے  
اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اس کے بعد روناشروع کر دیا۔ آپؑ کی اہلیہ محترمہ نے کہا:۔  
اُتبیکیہ وقد قاتلتہ۔

آپؑ اُن پر آنسو بہا رہے ہیں حالانکہ آپؑ اُن سے لڑ چکے ہیں۔  
آپؑ نے فرمایا:۔

انک لا تدسین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم۔

تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگوں نے ایک ایسے آدمی کو کھو دیا جو علم و فضل اور فقہ  
میں فقیہ المثال تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳)

سیدنا علیؑ پر معاویہؓ کا سب و شتم کرنا اور اپنے گورنروں کو اس کی تلقین کرنا کیسے ممکن  
ہو سکتا ہے؟ جب کہ آپؑ کسی کے منہ سے سیدنا علیؑ کے خلاف کوئی بات بھی سننے کے لیے  
تیار نہ تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بسر بن ارطاةؓ نے سیدنا معاویہؓ اور  
سیدنا زبیر بن عمرؓ الخطابؓ کی موجودگی میں سیدنا علیؑ کے بارہ میں کوئی نازیبا کلمہ کہہ دیا۔ سیدنا  
معاویہؓ نے اس پر ابن ارطاةؓ کو زہر و تویخ کی اور فرمایا:۔  
لشتم علیاً وھو جدُّہ۔

تم علیؑ کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ وہ ان کے نانا ہیں۔

(ابن اثیر جلد ۴ ص ۵، طبری جلد ۴ ص ۲۴۸)

لے زبیر بن عمرؓ خطابؓ رضی اللہ عنہما سیدنا عمر امیر المومنینؓ کے صاحبزادے اور سیدنا علیؑ رضی اللہ

یہ روایت اس بات کی تین دلیل ہے کہ سیدنا معاویہؓ نہ تو خود اور نہ ہی ان کے گوردے سیدنا علیؓ کو اپنے خطبات میں سب وشم کرتے تھے، کیونکہ جب ایک خاص مجلس میں سیدنا

رقیبہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نو اسے تھے۔ کیونکہ سیدنا علیؓ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ جو سیدہ فاطمہؓ السلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں، سیدنا عمرؓ کے نکاح میں تھیں۔ اس لحاظ سے سیدنا عمرؓ سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ بعض جاہل حضرات اپنے گرد ہی منصب کی وجہ سے اس نکاح کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعہ شتی دونوں مذاہب کی معتبر کتابیں اس نکاح کی ناقابل تردید شہادت دیتی ہیں۔ اور کوئی صاحب علم اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ سیدنا عمرؓ کی سیدنا علیؓ سے اس رشتہ داری کا انکار کر سکے۔ چنانچہ متبعہ مذہب کی سب سے معتبر کتاب فروع کافی میں ہے کہ امام جعفر الصادقؓ سے کسی نے اس نکاح کے بارہ میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا :-

ان خالک فرج غصبناہ -

یہ ایک رشتہ تھا جو ہم سے چھین لیا گیا۔ (فروع کافی جلد ۲ ص ۱۴۱)

۲۔ اسی کافی میں ایک اور مقام پر آتا ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؓ سے پوچھا گیا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اپنی عدت کے ایام اپنے گھر میں گزارے یا جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ آپؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے۔ اس لیے کہ جب سیدنا عمرؓ فوت ہوئے تو سیدنا علیؓ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گئے۔

(فروع کافی جلد ۲ ص ۱۴۱، تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۲۳۸، الاستبصار جلد ۳ ص ۱۸۶)

۳۔ سیدنا جعفر صادقؓ اپنے آبا سیدنا محمد باقرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ام کلثومؓ بنت علیؓ اور ان کا صاحبزادہ سیدنا زید بن عمرؓ بن الخطابؓ ایک ہی گھڑی میں فوت ہوئے۔ یہ تینیں معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں پہلے کون فوت ہوا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکے اور ان دونوں پر نماز جنازہ اکٹھی پڑھی گئی۔ (تہذیب الاحکام جلد ۲ ص ۳۸۸)

۴۔ مولا باقر مجلیؓ جو شیعہ مذہب کے خاتم المحدثین کہے جاتے ہیں ایک مقام پر ام کلثومؓ بنت فاطمہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

معادینے اپنے خاص رفیق سیدنا بسرن ارطاةؑ کو جب انہوں نے کسی وجہ سے سیدنا علیؑ کی شان میں کوئی تازیبا سا لفظ کہا، ڈانٹ دیا اور سیدنا علیؑ کے نواسے اور سیدنا فاروق اعظمؑ کے صاحبزادے کے جذبات کا احترام فرمایا تو ایسا شخص برابر عام اس فعل کا کیسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ام کلثومؑ فہی التي تزوجہا عمر بن الخطاب۔

یہ وہی ام کلثومؑ ہیں جن سے عمر بن الخطابؓ نے نکاح کیا تھا۔

(بخاری الانوار ص ۶۲۱، باب احوال اولادہ وازدادیہ وامتہ اولادہ)

۵۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب میں محمد بن جعفر بن ابی طالب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

محمد بن جعفر بعد از موت عمر بن خطاب بشرف مصاہرت

حضرت امیر المؤمنین مشرف گشتہ ام کلثومؑ را کہ با عدم

کفایت از روئے اکراہ در جالہ عمر بود تزویج نمود۔

محمد بن جعفر نے سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد سیدنا علیؑ امیر المؤمنین کے داماد ہونے

کا شرف حاصل کیا۔ ام کلثومؑ کو جو کفو کے نہ ہونے کی وجہ سے جبری طور پر حضرت عمرؓ

کے جبالہ عقد میں تھیں نکاح کیا۔ (مجلس المؤمنین ص ۱۹۵)

۶۔ انہی ام کلثومؑ سے سیدنا عمرؓ کی ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی تھی جس کا نام رقیہؑ تھا۔ ان رقیہ

بنت عمرؓ کا نکاح ابراہیم بن نعیمؓ تمام عدوی سے ہوا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے :-

ابراہیم بن نعیمؓ تمام عدوی کا نت عندہ رقیہ بنت عمر و امہا

ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب۔

ابراہیم بن نعیمؓ تمام عدوی اُن کے نکاح میں رقیہ بنت عمرؓ تھیں جن کی والدہ ام کلثوم

بنت علیؑ بن ابی طالب تھیں۔ (کتاب المجتہ ص ۵۴)

تفصیل کیلئے دیکھئے مجلس المؤمنین ص ۲۸۲، ۱۹۵، ۸۶، تہذیب الاحکام ص ۲۳۸، ہرۃ العقول

ص ۲۳۸، ۱۹، اعلام الوری باعلام الہدی ص ۲۰۳، کتاب المجتہ ص ۴۳۷

اہل السنۃ والجماعت کی حدیث اور تاریخ کی ہر کتاب میں اس نکاح کا تذکرہ مذکور ہے۔

ارتکاب کر سکتا ہے اور تمام اہل بیت نبوت کے جذبات کو اس طرح کیسے مجروح کر سکتا ہے؟ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت بھی فراہم کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ کو سیدنا علیؓ اور ان کے خاندان سے بہت محبت تھی اور آپؓ ان کی بہت تعظیم و توقیر فرمایا کرتے تھے مختلف قسم کے ہدیے اور تحائف ان کی خدمت میں ارسال فرماتے اور وہ بصد خوشی و مسرت ان ہدیوں کو قبول فرماتے۔

۱۔ آپ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی مختلف تحائف اور ہدیوں سے خاطر و مدارات فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۱)

ب۔ آپ سالانہ دس دس لاکھ درہم سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو دیتے اور ان کے بیٹے یزیدؓ میں لاکھ درہم دیتے رہے۔ اتنی ہی رقم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو دیتے اور سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ لیڈر جو سیدنا حسینؓ کے بہنوئی اور آپؓ کی بہن سیدہ زینبؓ کے خاوند تھے) کو دیتے تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۲۳)

ج۔ ان سالانہ دس لاکھ درہموں کے علاوہ اور بہت سے ہدیے بھی سیدنا حسینؓ کو دیتے جو وہ بصد خوشی قبول فرماتے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۷)

د۔ سیدنا حسینؓ کبھی اکیلے اور کبھی اپنے بھائی سیدنا حسنؓ کے ساتھ ہر سال سیدنا معاویہؓ کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے اور ان کو بہت تحائف و غیرہ دیتے۔ سیدنا حسنؓ کی وفات کے بعد ہر سال آپ سیدنا معاویہؓ کے پاس جاتے اور وہ ان کو بہت عطیات و غیرہ دیتے اور وہ بہت عزت و تکریم سے پیش آتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، ۱۵۲)

اب اندازہ فرمائیے کہ جو شخص سیدنا علیؓ کے صاحبزادوں اور ان کے قریبنداروں کی اس قدر تعظیم و تکریم کرتا ہے اور ان کو مختلف عطیوں اور تحائف سے نوازتا ہے اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود سیدنا علیؓ پر برسرِ منبرِ رسولؐ سب و ثَم کرنا ہوگا؟ اور اگر بقول ان کذاب رپورٹروں کے سیدنا معاویہؓ ایسا کرتے تھے تو ان صاحبزادوں اور سیدنا علیؓ کے دیگر قریبنداروں کی محبت و غیرت کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ پھر بھی ان کے ہدیوں اور تحائف

کو قبول کرتے بلکہ خود یہ ہدیے اور تحائف بننے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے پاس دمشق جاتے اصل بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اور اُن کے گورنر سب و شتم کے فعل قبیح کے مرتکب ہوتے تھے اور نہ ہی سیدنا علیؓ کے قرابت دار غیرت و حمیت سے عاری تھے۔ یہ دراصل سبائوں کی بنائی ہوئی روایات ہیں جو بنو امیہ کو بدنام کرنے اور عوام کے دل سے اُن کی عزت و توقیر نکالنے کے لیے وضع کی گئی تھیں۔ اگر سبائی راویوں کی روایات پر ہی اعتماد کر کے صحابہؓ کو مطعون کرنا مقصود ہے تو اُن کو وضع کردہ روایات سے تو سیدنا علیؓ کا دامن بھی نہیں بچا۔ سیدنا معاویہؓ پر تو انہوں نے صرف یہی الزام عائد کیا ہے کہ وہ سیدنا علیؓ کو ”ابو تراب“ کہتے تھے اور یہ سب و شتم تھا۔ لیکن روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں اور حامی سیدنا معاویہؓ کو بُرا بھلا کہتے آپ نے اُن لوگوں کو اس فعل قبیح سے باز کرنے کے لیے ایک گشتی مراسلہ (Circular) تمام شہروں میں ارسال فرمایا جس سے لوگوں کو سیدنا معاویہؓ کے مقام سے آشنا فرمایا اور اُن کی دینی منقبت اور علم و تربیت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ اُس گشتی مراسلہ کے الفاظ یہ ہیں:-

دکان بدار امرنا التقینا والقوم من اهل الشام والظاهر  
ان ربنا واحد ونبینا واحد و دعوتنا فی الاسلام  
واحدة ولا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق  
برسولہ ولا یستزید و نالامر واحد الا ما اختلفنا فیہ  
من دم عثمان ونحن منہ براء۔

اور ابتداء ہمارے واقعات کی اس طرح ہوئی کہ ہم ہیں اور اہل شام میں جنگ  
ہوئی اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا رب ایک ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہمارا  
اور ان کی اسلام کے بارے میں دعوت بھی ایک، نہ ہم ایمان یا شہاد اور تصدیق  
بالرسول میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ان باتوں میں ہم سے زیادہ ہیں۔ پس  
ہمارا اور اُن کا معاملہ ایک ہے۔ اختلاف صرف شہادت عثمانؓ کے بارے میں  
ہے اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ (منہج البلاغت جلد ۲ ص ۱۱۱)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر کے آدمی سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمروؓ ابن العاصؓ اور ان کے دوسرے ساتھیوں پر سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے بلکہ نمازوں میں بھی ان پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حکیم کے فیصلے کے بعد ابن عباسؓ اور شریح بن ہانیؓ سیدنا علیؑ کے پاس آ گئے۔ اب ان کا دستور یہ ہو گیا تھا کہ نماز فجر میں یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ ابوالاعور السلمیؓ، جبیبؓ، عبد الرحمن بن خالدؓ بن ولیدؓ، ضحاک بن قیسؓ اور ولیدؓ کے نام لے کر لعنتیں بھیجتے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۶۸، البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۳، ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۱۰)

طبری کی ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو القاجربن القاجر اور القاجربن الکافر کہا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

ابو صیفہ الدیوری نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؑ کو یہ اطلاع ملی کہ حجر بن عدیؓ اور عمرو بن المحکم سیدنا معاویہؓ کو سب و شتم کرتے اور دوسروں کو سب و شتم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اہل شام پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو کھلا بھیجا کہ وہ ایسی باتوں سے فوراً اپنی زبان کو روکیں۔ دونوں سیدنا علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا امیر المؤمنین! کیا ہم حق پر اور اہل شام باطل پر نہیں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ رب کعبہ کی قسم، درست ہے انہوں نے کہا پھر آپ ہمیں انہیں گالیاں دینے اور ان پر لعن طعن کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ ایسا کہا کر کہ اے اللہ! ان کے اور ہمارے درمیان خونریزی کو بند فرما اور ہمارے درمیان صلح و آشتی اور الفت و محبت پیدا فرما اور ان کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستہ پر ڈال حتیٰ کہ یہ حق کو پہچان لیں اور گمراہی کی گہرائیوں سے نکل جائیں۔ (راخبار الطوال صفحہ ۱۶۵)

علامہ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ صفین کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا:-  
 اَللّٰهُمَّ اَلْعَنُ اَهْلَ الشَّامِ -  
 اے اللہ! اہل شام پر لعنت فرما۔  
 سیدنا علیؑ نے جب یہ سنا تو فرمایا:-



لا تَسْبِ اَهْلَ الشَّامِ فَاَنْ يَهْلَ الْاَبْدَالِ فَاَنْ يَهْلَ الْاَبْدَالِ فَاَنْ  
يَهْلَ الْاَبْدَالِ -

اہل شام کو سب و شتم مت کرو۔ کیوں وہاں ابدال رہتے ہیں، وہاں ابدال رہتے  
ہیں، وہاں ابدال رہتے ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲)  
ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا علیؑ نے صفین میں ایک خطبہ کے دوران  
فرمایا:-

فَاَنْ مَعَاوِيَةَ وَعُمَرُ ابْنُ الْعَاصِ وَابْنُ ابِي مُعِيْطٍ وَ  
جَبِيْبُ بْنُ مُسْلِمٍ وَابْنُ ابِي سُرْحٍ وَالضُّحَاكُ بْنُ قَيْسٍ  
لَيْسُوا بِأَصْحَابِ دِيْنٍ وَلَا قِرَآنٍ وَأَنَا أَعْرِفُ بِهِمْ مِنْكُمْ قَدْ  
صَحِبْتَهُمْ أَطْفَالًا وَصَحِبْتَهُمْ رَجَالًا فَكَانُوا شَرَّ أَطْفَالٍ  
وَشَرَّ رَجَالٍ -

یہ معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابن ابی معیطؓ، جبیب بن مسلمہؓ، ابن ابی سرحؓ،  
ضحاک بن قیسؓ دین اور قرآن سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں۔ میں انہیں  
تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں بچپن میں بھی ان کے ساتھ رہا اور جب یہ جوان  
ہوئے اُس وقت بھی ان کے ساتھ رہا یہ بچے تھے تو بدترین تھے اور مرد تھے  
تو بدترین تھے۔ (رموز الذهب جلد ۲ ص ۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶، ابن ابی الحدید  
جلد ۲ ص ۲۱۶، طبری جلد ۴ ص ۲۷۷ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۷۷)  
طبری ہی نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ سیدنا علیؑ نے سیدنا معاویہؓ کے ایک وفد  
سے فرمایا:-

مَعَاوِيَةُ هُوَ هِيَ جَنِّكَ لِيْهِ حَقُّ تَعَالَى لَمْ يَدِيْنِ فِيْ دِيْنٍ مِّمَّنْ كُوْنِيْ فَضِيْلَتِمْ لَمْ يَكُنْ رُكْنِيْ  
اَوْ رَنَّهُ اِسْلَامِيْمْ اِنْ كَانُوْا كُوْنِيْ قَابِلِيْ تَشَاتُّشِ كَارْنَامِيْ هُوَ - وَهُوَ خَوْذِيْ طَلْقَاءِيْ  
سَيِّئِيْ اَوْ رَنَّهُ اَنْ كَالِدِيْ الْبُوسْفِيَانِيْ (بھی طلقاء میں سے تھے۔ احزاب میں  
سے ہیں) جو جنگ خندق میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے آئے تھے یہ اور ان کے والد

اللہ اور اس کے رسولؐ کے ہمیشہ دشمن رہے۔ یہاں تک کہ اسلام کو بادلِ نوحۃ

قبول کیا۔ (طبری جلد ۳ ص ۷۷)

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سیدنا معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے۔ کوفہ سیدنا علیؓ کا دار الخلافہ رہ چکا تھا اور ان کے حامیوں کی تعداد یہاں کافی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ:-

یستون معاویۃ ویتبدرون منہ۔

یہ لوگ سیدنا معاویہؓ پر سب و تم کرتے تھے اور ان سے اپنی برأت کا اظہار

کرتے تھے۔ (البدایۃ والنہایہ جلد ۸ ص ۷۵)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ:-

جب سیدنا علیؓ کو قہر شریف لائے تو ان کے حامی اور ساتھی سیدنا عثمانؓ کی بدگوئی کرنے لگے۔ بنو المارقم نے کہا کہ:-

لا نفیسم ببلد یستم فیہ عثمان۔

ہم ایسے شہر میں نہیں رہ سکتے جہاں سیدنا عثمانؓ کو گالی گلوچ دی جاتی ہو۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

فخرجوا الی الجزیرۃ فزلوا التہا وشہدوا مع معاویۃ الصقین۔

وہ جزیرہ کی طرف چلے گئے اور رہا کے مقام پر مقیم ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھ جنگ صفین میں سیدنا علیؓ کے مقابل صف آرا ہوئے۔

(المحجرہ ص ۲۹۵)

میں وہ تھی کہ جنگ صفین کے موقع پر مجھی سیدنا علیؓ کے سپاہی سیدنا معاویہؓ اور اہل شام کو سب و تم کرتے۔ سیدنا علیؓ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؐ نے اپنے ساتھیوں اور لشکریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:-

اخی اکره لکم ان تکلونوا سبابین۔

میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم سب و تم کرنے والے بنو۔

(نجم البلاغۃ ص ۳۹۸)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب و شتم سیدنا معاویہؓ کی طرف سے شروع نہیں کی گئی تھی بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علیؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے سب و شتم کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کچھ جو ابی کار و دانی کے طور پر تھا۔ اور مؤرخانہ نقطہ نظر سے بھی سیدنا علیؓ کی طرف سے ”تلاعن“ اور ”سب و شتم“ کی جو روایات مروی ہیں وہ ان روایات سے زیادہ قوی ہیں۔ جو سیدنا معاویہؓ سے مروی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ سیدنا علیؓ اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ کسی پر لعن طعن اور سب و شتم کرتے تھے۔ ہاں سیدنا علیؓ کے لشکر کے وہ لوگ جو سبائی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا مقصد زندگی ہی صحابہؓ کی مخالفت کرنا تھا۔ وہ ضرور اس فعلِ قبیح کے مرتکب ہوتے تھے، لیکن سیدنا علیؓ ان کو بار بار سمجھاتے اور اس فعل سے باز رکھتے جیسا کہ روایات میں آتا ہے لیکن یہ دونوں جلیل القدر صحابہؓ اس ”تلاعن“ اور ”سب و شتم“ سے بالکل بری تھے۔ اور ان کی طرف اس فعل کی نسبت ان کی توہین ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں وہ کذب و افتراء کا پلندہ ہیں چنانچہ قاضی ابوبکر ابن عربیؒ ان جیسی روایات کے بارہ میں لکھتے ہیں:

هَذَا كَلِمَةٌ كَذِبٌ صَرَّاحٌ، مَا جَوَّزَ مِنْهُ حَرْفٌ قَطُّ، وَإِنَّمَا

هُوَ شَيْءٌ اخْبَرَعْنَاهُ الْمُبْتَدِعَةُ وَوَضِعْتُهُ التَّارِيخَةُ لِلْمَلُوكِ  
فَتَوَارَثَهُ أَهْلُ الْمَجَانَةِ وَالْجَهَامَةِ مَعَاصِي اللَّهِ وَالْبِدْعِ -

یہ سب صریح کذب ہے ان میں سے ایک حرف بھی وقوع میں نہیں آیا۔ ان واقعات کو صرف اہل بدعت نے نقل کیا ہے اور ان لوگوں نے ان کو وضع کیا ہے جو بادشاہوں کی تاریخیں لکھتے ہیں اور مجنوں اور اس قسم کے لوگ جو کھلے بندوں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے اور بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں اس قسم کی روایات کو نسلاً بعد نسل روایت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

(العوالم من القوام ص ۱۷)

علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ ہر

ان هذه الآثار المروية في مساوئهم منها ما هو كذب و

ومنہا ما قد زید فیہ ونقص وغیر وجہہ۔

(اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی بُرائیاں ظاہر ہوتی ہیں ان میں سے کچھ تو سراپا کذب ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کمی اور زیادتی دشمنانِ صحابہؓ نے کر دی ہے۔

یہ روایات تو سراپا کذب اور موضوع ہیں اور لوط بن یحییٰ، ہشام اور مجالد بن سعید وغیرہ راویوں کی نکال کی وضع کردہ ہیں کیونکہ ان لوگوں نے سیدنا معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، یزید، مروان اور دیگر بنو امیہ کے اکابر کے متعلق حدیثِ قتاریخ کی بے شمار روایات وضع کی ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین لکھتے ہیں کہ:-

ومن ذلك الاحاديث في ذم معاوية وذم عمرو بن العاص  
وذم بني أمية وممدح المنصور والسفاح وكذا ذم يزيد والوليد  
ومروان بن الحكم۔

ان موضوعات میں سے وہ احادیث (بھی موضوع ہیں) جو معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح کی مدح میں ہیں اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان کی مذمت میں تھیں اورایت مروی ہیں وہ بھی موضوع ہیں۔ (موضوعات، کبیر ص ۱۶۹)

لیکن اگر ان روایات کو جن میں سب ذم کی نسبت سیدنا معاویہؓ کی طرف کی جاتی ہے صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی ان کی تاویل کرنا ہوگی اس وجہ سے کہ محدثین نے لکھا ہے:-

قال العلامة الاحاديث الواردة التي في ظاهرها دخل على  
صحابي يجب تاويلها، قالوا ولا يقع في روايات الثقات  
الاما يمكن تاويله۔

علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو، ان کی تاویل واجب ہے اور علماء کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکے۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

علمائے اہل سنت نے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ کوئی شخص صحابہؓ کے بارہ میں کسی روایت کو کسی کتاب میں دیکھ یا سن لینے سے اپنے دل میں اُن کے خلاف غلط قسم کے خیالات پیدا نہ کرے کیونکہ صحابہؓ کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کی تربیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی اور وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری دنیا سے افضل ہیں۔ دوسرے اُن کی شان میں جو آیات قرآنی وارد ہیں وہ قطعی ہیں اور جو احادیث صحیحہ وارد ہیں وہ اگرچہ قطعی ہیں لیکن ان کی اسانید نہایت قوی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر صحابہؓ کے بارہ میں بعض جھملا کے کذب و افتراء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فكذب وبُهت وافتراء عظیم يلزم منه خطأ كبير من  
تكوين الصحابة ..... وكل مؤمن بالله ورسوله يتحقق  
ان دين الاسلام هو الحق يعلم بطلان هذا الافتراء  
لان الصحابة كانوا اخيرا الخلق بعد الانبياء وهم  
خير القرون هذه الامة التي هي اشرف الامم بنص  
القران واجماع السلف والخلف في الدنيا والاخرة  
ولله الحمد -

یہ صریح جھوٹ، بہتان اور افتراء عظیم ہے اس سے ایک بہت بڑی خطا صحابہؓ کو کرامؓ کی خیانت کی لازم آتی ہے اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہر شخص حقانیت اسلام کا قائل ہے اور وہ اس افتراء کے باطل ہونے سے بخوبی آشناب ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور وہ اس اُمت کے خیر القرون ہیں جو قرآنی نص اور سلف و خلف کے اجماع سے دنیا و آخرت میں تمام اُمتوں سے اشراف اور بزرگ ہے۔

والحمد لله - (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۴)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:-

فلاسفہ کے یہ اقوال تاریخ و سیرت وغیرہ کی مثل منقطع روایات میں سے ہیں جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ جب ایسی چیز ہے تو صحابہؓ کے محاسن و فضائل جو کتاب و سنت اور تواتر سے ثابت ہیں، ان کا رد ایسی روایات سے قطعاً جائز نہیں جن میں سے بعض منقطع ہیں، بعض تحریف ہیں اور بعض ایسی ہیں جن سے معلومات قطعہ پر جرح و قدح جائز نہیں کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا اور ہم یقین کے ساتھ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے اور دلائل عقلیہ بھی ان منقولات، متواترہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

أَنْ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ  
فَلَا يَقْدَحُ فِي هَذَا أَمْرٌ مُشْكُوكٌ فِيهَا فَكَيْفَ إِذَا عُلِمَ  
بِطِلَانِهَا -

اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اس لیے اُن کے بارہ میں مشکوک اور تحریف باتوں سے جرح و قدح جائز نہیں ہے جائیکہ باطل روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۹)  
اس کے متعلق ایک مثال ذہن میں رکھیے۔ صحیح مسلم (جس کا درجہ صحیح بخاری و صحیح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے) کے بعد دوسرا ہے) میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عباسؓ کا اپنے بھتیجے سیدنا علیؓ سے کسی بات پر کچھ تنازعہ ہو گیا۔ آپ، سیدنا علیؓ کو لے کر امیر المؤمنین عمر الفاروقؓ کے پاس تشریف لائے اور سیدنا علیؓ سے متعلق سیدنا عمرؓ کو خفا طرب کر کے کہا۔

أَفْضَلُ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْأَثَمِ الْقَادِمِ الْخَائِنِ -  
میرے اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز اور خیانت کرنے والے کے درمیان  
فیصلہ کیجئے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۹)

اب جو لوگ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب و شکم کرنے کا الزام دیتے ہیں اُن کو چاہیے کہ وہ سیدنا معاویہؓ پر الزام دینے سے قبل سیدنا عباسؓ پر الزام دیں جنہوں نے ایک

ہی سانس میں سیدنا علیؑ کو چار غیر شایانِ شان القاب دیئے یعنی "الکاذب"، "الاثم"، "القادر" اور "الحائز" یہ سب وثم سیدنا امیر المؤمنین عمر القاروقؓ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؑ پر کیا۔ اس کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ نے تو صرف "ابو تراب" کہا تھا جس کو دگائی کا نام دے دیا گیا۔ اب اگر حضرت معاویہؓ ملزم ہیں تو حضرت عباسؓ اُن سے زیادہ ملزم ہیں لیکن ہماری دیانت دار اندر اسے یہ ہے کہ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؑ کے متعلق ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کی اور نہ ایسی زبان انہیں زیب ہی دیتی تھی۔ حضرت عباسؓ نہایت شستہ مزاج اور پاکیزہ زبان انسان تھے۔ وہ ایسی زبان ہرگز استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اگرچہ سیدنا علیؑ بھتیجا ہونے کی حیثیت سے اُن کے لیے بمنزلہ بیٹے کے تھے لیکن وہ سیدنا علیؑ کے بلند اور ارفع مقام سے بخوبی آشنا تھے۔ لہذا سیدنا علیؑ کی اعلیٰ مرتبت کا تقاضا بھی یہ تھا کہ سیدنا عباسؓ ایسی زبان استعمال نہ کریں۔ لہذا اگرچہ یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے لیکن ہم اس کی تاویل کریں گے اور اگر تاویل ممکن نہ ہوگی تو اس روایت کو محرف، یا موضوع مانیں گے۔ کیونکہ صحابہؓ کی شان ایسی چیزوں سے بہت بلند ہے جن کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ ہمارے اس خیال کی تائید میں علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قال القاضي عياض قال المازري هذا اللفظ الذي وقع  
لا يليق ظاهره بالعباس وحاش لعلی ان يكون فيه بعض  
هذه الاوصاف فضلاً عن كلها ولنا نقطع بالعصمة  
آل النبي صلى الله عليه واله وسلم ولمن شهد له  
بها لكتا ما مورون بخسن الظن بالصحابة رضى الله  
تعالى عنهم اجمعين ونفى كل رذيلة عنهم اذا انسدت  
طرق تاويلها نسبنا الكذب الى روايتها قال وقد  
حمل هذا المعنى بعض الناس على ان ازال هذا  
اللفظ من نسخته تورعاً عن اثبات مثل هذا ولعله

لوہر علی رواۃ -

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مازری کا قول یہ ہے کہ اس روایت میں جو الفاظ وارد ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ سیدنا عیاضؓ کی شان کے شایان نہیں اور سیدنا علیؓ بھی اس بات سے پاک اور میرا ہیں کہ ان میں ان اوصاف میں سے بعض ہی ہوں چہ جائیکہ وہ سارے اوصاف موجود ہوں جو اس روایت میں بیان ہوئے ہیں۔ گو ہم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ہی کے قائل ہیں لیکن ہمیں اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے ساتھ حسن ظن رکھیں اور تمام اخلاقِ رذیلیہ ان سے نفی کریں لہذا جب اس حدیث کی تاویل کے سلسلے رستے مسدود ہو جائیں گے۔ تو پھر ہم اس کے راویوں کو کاذب قرار دیں گے یہ بھی فرمایا کہ اسی وجہ سے بعض محدثین نے اپنے نسخے سے یہ الفاظ نکال دیئے۔ (ردوئی شرح مسلم جلد ۲ ص ۹)

یہ تو ایک مثال پیش کی ہے وگرنہ آپ حدیث کی کتابوں کی ان سب روایات کے متعلق محدثین کی یہی رٹ پائیں گے کہ قل تو انہوں نے ایسی حدیثوں کی تاویل کی لیکن جب کوئی تاویل نہ ہو سکی تو پھر انہوں نے ان احادیث کے راویوں کو کذاب کہا اور اُس حدیث کو موضوع یا مخرف قرار دیا۔ جب حدیث کی یہ حالت ہے تو تاریخ جس میں اکثر روایات تو بلا سند ہیں اس کے بارہ میں تو اور احتیاط کی ضرورت ہے۔

یہ تو عام صحابہؓ کے متعلق ہے لیکن سیدنا معاویہؓ کے متعلق تو ایسی باتوں کے بارہ میں اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تاریخ کے اوراق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کے متعلق تو ان کے زمانہ ہی میں سبائشوں نے غلط راہ پکینڈہ شروع کر دیا تھا چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد نمایاں ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:-

کیف لا ولا ازال اری ساجلاً من العرب قائماً علی رأسی  
یلقی لی کلاماً یلزمی جوابہ فان اصبحت لمارحمہ وان



اخطأ ت سامت بهما البد -

کیوں نہ ہو؟ ہر وقت کوئی نہ کوئی عربی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا رہتا ہے جس کا جواب دینا مجھے پر لازم ہو جاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کر لیا تو میری تعریف نہیں کی جاتی اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو اسے اونٹنیاں ساری دنیا میں لے اُڑتی ہیں۔ (البدا یہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۴۱)

لہذا سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ہر وہ روایت جس میں اُن کی تنقیص کی ہوگی یا اُن کی طرف کوئی ایسا فعل منسوب کیا ہوگا جو اُن کے شایان شان نہ ہو تو اول تو اُس کے راوی کذاب ہوں گے اور وہ روایت موضوع ہوگی اور اگر وہ روایت ثقہ راویوں سے مروی ہوگی تو اُس کی ایسی تاویل کی جائے گی جس سے اُن کی ذات پر کوئی حرف نہ آئے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

۱۔ سیدنا معاویہؓ پر سیدنا علیؓ کو سب و شتم کرنا اور اپنے گورنروں کو ایسا کرنے کا حکم دینا سراسر غلط ہے اور اس بارہ میں جو روایات مروی ہیں اُن کے راوی کذاب اور دشمنانِ صحابہؓ ہیں سے ہیں اور انہوں نے ایک خاص سازش کے تحت ایسی روایات کو وضع کیا ہے۔  
۲۔ ان روایات میں سے اگر کوئی روایت ثقہ راویوں سے مروی ہے تو اُس میں ”سب“ سے مراد صرف یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے انہیں کسی پراشیوٹ مجلس میں ”الوتراب“ کے لقب سے پکارا جس کو ”گالی“ سمجھ لیا گیا یا اگر کبھی اپنی رائے کے اختلاف کا اظہار کیا تو اُس کو ”سب و شتم“ کا عنوان دے دیا گیا۔

۳۔ لیکن اگر کوئی شخص روایات کو بھی صحیح مانتا ہے اور اُن کی تاویل بھی نہیں کرتا تو پھر اُس کو یہ بھی مانتا پڑے گا کہ سب و شتم کی یہ رسم سیدنا معاویہؓ نے شروع نہیں کی تھی بلکہ اس کی ابتداء سیدنا علیؓ اور اُن کے ساتھیوں نے کی جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مختلف روایات سے واضح کیا گیا ہے۔ اور پھر صحیح مسلم کی اُس روایت کو بھی صحیح مانتا پڑے گا جس میں سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو چار نازیبا کلمات سے نوازا جو کہ سب و شتم کے نہایت مکروہ الفاظ ہیں۔

## شہادتِ عمار بن یاسرؓ

بعض لوگ سیدنا معاویہؓ کو باطل پرشانت کرنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

عن عكرمة ابن عباس قال لهُ وعلی بن عبد الله ائمتنا  
ابا سعید فاسمعنا من حدیثہ فاتیناہ وھو واخوہ فی  
حائط لھما لیستیانہ فلما راۓا جاء فاجتبیٰ وجلس  
فقال لنا منقل لبنۃ لبنۃ وکان عمار یقل لبنتین لبنتین  
فمدّ بہ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ومسح عن رأسہ  
الغباس فقال ویج عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ عمار یدعوھم الی  
اللہ ویدعونھم الی التار۔

سیدنا عکرمہؓ سے روایت ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے اُن سے اور اپنے فرزند  
سیدنا علیؓ بن عبد اللہؓ سے فرمایا تم دونوں سیدنا ابی سعید الخدریؓ کے پاس  
جاؤ اور اُن کی باتیں سُنو۔ ہم دونوں اُن کے پاس گئے۔ اُس وقت وہ اور  
اُن کے بھائی اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ تشریف لے  
آئے اور ٹانگوں کے گرد کپڑا پیٹ کر بیٹھ گئے۔ پھر گفتگو فرماتے ہوئے  
ارشاد فرمایا (مسجد نبویؐ کے لیے) ہم ایک ایک اینٹ اُٹھا رہے تھے اور سیدنا  
عمارؓ دو دو اینٹیں اُٹھاتے تھے۔ اتنے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
وَسَلَّمَ کا دھڑ سے گزر رہا۔ آپؐ نے اُن کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا اعمارؓ  
کے کیا کہنے اس کو باغیوں کی ایک ٹولی قتل کرے گی۔ عمارؓ تو انہیں اللہ کی

طرف بلارہا ہوگا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیتی ہوگی۔

(بخاری جلد ۱ ص ۳۹۴، ۳۹۵)

مسند احمد میں بھی یہ حدیث کئی مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد

جلد ۹ حدیث نمبر ۴۴۹۹-۴۵۰۰، جلد ۱۰ حدیث نمبر ۴۵۳۸

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ”فتنہ باغیہ“ اور اہل باطل میں سے تھے۔ حالانکہ احادیث و تاریخ سے اُن کا یہ دعوئے غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نہ تو سیدنا معاویہؓ نے سیدنا عمارؓ کو قتل کیا تھا اور نہ ہی وہ باغی گروہ میں سے تھے۔ یہ سب تائید بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ حدیث نہ تو روایت صحیح ہے۔ (مسند رک حاکم جلد ۳ ص ۳۸۷، تہذیب الجنان ص ۳۵)

اور نہ ہی درایتاً جس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو وہ صحابہؓ جو اُس وقت غیر جانبدار تھے یا سیدنا معاویہؓ کے ساتھ صفین میں شامل تھے۔ فوراً سیدنا علیؓ کے ساتھ مل جاتے۔ کیونکہ صحابہؓ رسولؐ کی جماعت ایسی جماعت نہیں تھی جس طرح کہ آج کل کی جماعتیں ہوتی ہیں جن میں دھڑے بندیاں اور تعصب کی بڑی بڑی غلیچیں حاصل ہوتی ہیں اور ان میں سے اگر ایک جماعت خواہ کیسی ہی حق بات کہے دوسری جماعت اپنی جانبدارانہ پالیسی سے مرمو انحراف نہیں کرتی بلکہ صحابہؓ کی جماعت ایک ایسی پاکیزہ اور حق پرست جماعت تھی جو ہر وقت حق کی متلاشی رہتی اور جو ہر کسی معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان اُن کے کانوں میں پہنچتا وہ فوراً اُس کو قبول کرتی خواہ دیوی طور پر اُنہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑتا۔ حدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، لیکن ایک چھوٹی سی مثال سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُعْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ

کَرِیْمٌ ۝ (سورۃ الحديد آیت ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے؟ اچھا قرض، تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اُس کے لیے بہترین اجر ہے۔

توسیدنا ابوالدحداحؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا حق تعالیٰ ہم سے قرض چاہتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، اے ابوالدحداحؓ! انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ذرا اپنا ہاتھ دکھائیے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا، انہوں نے اپنے ہاتھ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ لے کر کہا کہ میں نے آپؐ کو اپنا بارغ قرض دے دیا۔ سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اُس بارغ میں چھ سو درخت تھے۔ اسی میں اُن کا گھر بھی تھا اور وہیں اُن کے بچے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور بیوی کو پکار کر کہا: وحداح کی ماں!

نکل آؤ میں نے یہ بارغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ وہ بولیں، آپؐ نے نفع اور فائدے کا سودا کیا ہے، وحداح کے ابا! اور اُسی وقت اپنا سامان اور بچے لے کر بارغ سے نکل گئیں۔ (ابن ابی حاتم ص ۲۲۶)

جو لوگ اسلام کی ایک ایک بات کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے یہ بھلا کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سیدنا عمار بن یاسرؓ کو سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل دیکھیں اور پھر انہیں صفین کی جنگ میں شہید ہوتے بھی دیکھیں لیکن اس کے باوجود وہ سیدنا معاویہؓ کا ساتھ چھوڑ کر سیدنا علیؓ کا ساتھ نہ دیں۔ اور اُن پر حق ظاہر نہ ہو۔ اور وہ برابر غیر جانبداری کی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھی اور کئی جلیل القدر صحابیؓ غیر جانبداری کی زندگی گزار رہے تھے۔ چنانچہ علامہ تودویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی آپس کی جنگوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات ان پر مشتبہ تھے اور ان کی اشتباہت کی وجہ سے ان کا اجتہاد بھی مختلف تھا۔ لہذا ان کی تین قسمیں ہو گئیں۔ قسم اول وہ صحابہؓ تھے جن کو اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ

علم ہوا کہ حق اس طرف ہے اور ان کا مخالف باغی ہے۔ لہذا ان پر حق والی جانب کی نصرت و امداد ضروری ہے اور ان کے باغی سے قتال واجب دوسری قسم اس کے برعکس تھی۔

وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية وتحيروا فيها  
ولم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين فاعتزلوا  
الفریقین وكان هذا الاعتزال هو الواجب في  
حقهم لانه لا يحل الاقدام على قتال مسلم حتى  
يظهر انه مستحق لذلك ولو ظهر له ثبوت رجحان  
احد الطرفين وان الحق معه لما جاز لهم التأخر  
عن نصرته في قتال البغاة عليه فكلهم معذورون  
رضي الله عنهم۔

اور تیسری قسم ان صحابہ کرامؓ کی تھی جن پر حق مشتبہ تھا اور وہ اس بارہ میں  
متحیر تھے کہ کیا کیا جائے اور ان پر دونوں طرفوں میں سے کسی طرف کی ترجیح ظاہر  
نہیں ہوئی تھی لہذا وہ دونوں فریقوں سے الگ اور علیحدہ رہے اور ان کا  
دونوں سے الگ رہنا ان کے لیے ضروری تھا کیونکہ ان کے لیے کسی مسلمان  
کے قتال کا اقدام جائز نہیں تھا جب تک کہ ان پر اس کا مستحق ہونا ظاہر  
ہو جائے۔ اگر ان پر یہ ظاہر ہو جاتا کہ حق اس طرف ہے تو ان کے لیے اس کے  
باغیوں کے خلاف قتال میں نصرت و امداد سے اعراض برتنا جائز نہ تھا  
پس وہ سب معذور ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ (نووی جلد ۲ ص ۲۷۲)

اسی شی کو علامہ نوویؒ نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-  
كانت القضايا مشبهة حتى ان الجماعة من الصحابة  
تحيروا فيها فاعتزلوا للطائفتين ولم يقاتلوا ولو تيقنوا  
الصواب لم يتأخروا عن مساعدته۔

حق ان پر مشتبہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس معاملہ میں حیران تھی

لہذا وہ دونوں گروہوں (سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ) سے الگ رہے اور وہ اس قتال میں شریک نہ ہوئے۔ اگر وہ (سیدنا علیؑ کی طرف) حق و صواب یقین کرتے تو ان کی نصرت اور امداد سے ہرگز پیچھے نہ رہتے۔

(نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹)

نہ صرف وہ لوگ جو ان دونوں فریقوں سے الگ تھے۔ اس قسم کے خیال کے حامل تھے بلکہ سیدنا علیؑ کے ساتھیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کا یہ خیال تھا کہ اس معاملہ میں راہ صواب واضح اور صاف نہیں ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا یہ قول نہایت جلی حروف میں مرقوم ہے۔

”ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے مابین جو معاملہ درپیش ہے اس میں جانب ترجیح واضح نہیں بلکہ مشتبہ ہے۔ خدا کی قسم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طریقہ کو اختیار فرماتے تھے اس کی صداقت اور اُس کے حق ہونے کا انہیں علم ہوتا تھا، یہاں تک کہ یہ معاملہ پیش آگیا۔ اس میں ان کی قوت فیصلہ جواب دے گئی اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس معاملہ میں انہیں پیش قدمی کرنی چاہیے یا پیچھے رہنا چاہیے۔“

وہ غیر صحابی جو سیدنا علیؑ کے لشکر میں شامل ہو کر فریق مخالف سے لڑ رہے تھے اُن پر بھی راہ حق مشتبہ اور غیر واضح تھی۔ وہ بالکل نہیں جانتے تھے کہ سیدنا علیؑ کی طرف سے یا سیدنا معاویہؓ اور ایک کشمکش میں تھے۔ اور سیدنا علیؑ کا ساتھ دینے کے باوجود جنگ میں نہایت بدل تھے۔ چنانچہ جنگ کے دوران سیدنا علیؑ کے لشکر کا ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک قبیلے کا علم بھی تھا، وہ یہ کہتا تھا:-

”اے اللہ! تو نے ہمیں جہالت اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کی صراطِ مستقیم نصیب فرمائی، لیکن آج ہم پھر ابتلاء اور آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ اور ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ حق کیا ہے، ہم ریب اور شک میں مبتلا ہیں۔“

(کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۶)

معلوم ہو کہ صحابہ کرام پر حق ظاہر نہیں تھا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو سیدنا عثمان بن یاسرؓ کو میدان جنگ میں سیدنا علیؓ کے لشکر میں دیکھ کر ہی تمام صحابہؓ اُن کے ساتھ تعاون کرتے اور سیدنا معاویہؓ یکہ و تنہا رہ جاتے بلکہ خود سیدنا معاویہؓ بھی اپنے موقف سے دستبردار ہو کر سیدنا علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ، سیدنا عروبن العاصؓ، سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا عمران بن حصینؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابوالدرداءؓ، سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ، سیدنا ابومسعودؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہؓ کبھی بھی سیدنا علیؓ سے تعاون کرنے سے پیچھے نہ رہتے۔

ثانیاً: قتل عثمانؓ کے بعد جبل اور صفین کی جنگوں کے موقع پر متعدد مرتبہ جانبین کے نمائندے صلح کے لیے آپس میں ملے لیکن کسی نے بھی فریق مخالف کو یہ بات بطور دلیل اور حجت کے پیش نہ کی کہ سیدنا علیؓ راہِ حق پر ہیں اور اُن کا موقف بالکل صحیح ہے کیوں کہ سیدنا عثمانؓ بن یاسرؓ اُن کے لشکر میں شامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس جنگ میں شہید ہو جائیں۔ تاریخ کی کتابیں ایسی شہادت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ثالثاً: اگر واقعی یہ حدیث صحابہ کرامؓ میں مشہور و معروف تھی اور سیدنا عثمانؓ بن یاسرؓ کا قتل اس بات کی یقین اور واضح دلیل تھا کہ جس گروہ میں وہ شامل ہو کر جامِ شہادت نوش فرمائیں گے وہ گروہ حق پر ہوگا اور دوسرا باقی تو اس نص صریح کے ہوتے ہوئے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی قبول کر کے قرآن حکیم کا خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الحجرات: ۹)

اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرادو۔ پس اگر ایک دوسرے

پر زیادتی کرتا ہے یعنی ایک دوسرے پر چڑھا چلا جاتا ہے تو تم سب لڑو  
اُس گر وہ سے جو چڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف  
رجوع کرے۔ پھر اگر وہ پھر آیا تو ملاپ کرادو ان دونوں میں برابر اور انصاف  
کو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سیدنا علیؓ کا جنگ بندی پر رضامند ہو جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ  
سیدنا معاویہؓ کو باطل پر نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ ان کو باغی اور باطل سمجھتے تو وہ کبھی بھی  
جنگ بندی کو قبول نہ فرماتے۔

تاریخ کی کتابوں میں بعض موضوع روایات میں آتا ہے سیدنا علیؓ نے جنگ بندی  
کی مخالفت کی تھی اور اپنے ساتھیوں کو سختی سے روکا تھا کہ وہ جنگ بند نہ کریں؟ لیکن  
دیکھنا یہ ہے کہ وہ مخالفت اس آیت کریمہ کے تحت کی تھی یا اس کی وجہ کچھ اور تھی؟ اور  
اس وقت جب سیدنا معاویہؓ کے لشکر نے قرآن حکیم کو نیزوں پر اٹھایا تھا تو کیا انہوں  
نے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ ہم نے اپنی بغاوت سے رجوع کر لیا ہے۔ لہذا تم اب ہمارے  
ساتھ صلح کرو۔

طبری مسعودی اور دوسرے کئی ایک مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریباً پانچ سو قرآن  
نیزوں پر اٹھائے گئے تو سیدنا علیؓ نے اس شے کو مکاری اور عیاری پر محمول کیا اور آپؐ  
لشکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ قتال جاری رکھو یہ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ یہ عمرو بن العاصؓ  
یہ ابن ابی معیطؓ، یہ جیب بن مسلمہؓ یہ ابن ابی سرحؓ اور یہ ضحاک بن قیسؓ۔

یسوا باصحاب دین ولا قرآن انا اعرف بہم منکم و  
صحبتہم اطفالاً ورجالاً فکانوا شراطفال وشررجال  
وہیکم واللہ! ما رفعوها انہم یقرأوها ولا  
یعلمون بما فیہا وما رفعوها الا خدیعة  
ودہاء ومکیدۃ۔

ان کا دین اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انہیں تم سب سے زیادہ



جاتا ہوں۔ میں نے بچپن اور جوانی انہیں میں گزاری اور یہ بدترین بچے اور بدترین جوان ہیں۔ واسطے ہے تم پر۔ بخدا انہوں نے (صدق دل سے) ان کو نہیں اٹھایا۔ یہ لوگ قرآن کو پڑھتے تو ہیں لیکن ان کا عمل اس کے مطابق نہیں اور اب جو انہوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر ثالثی کے لیے اٹھایا ہے یہ محض دھوکہ دہی، مکاری اور عیاری کے لیے ہے۔

(مروج الذهب جلد ۲ ص ۲۸، ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۶۱، ابن ابی الحدید

جلد ۲ ص ۲۱۶، البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۷۲)

اس روایت اور ان جیسی دوسری موضوع روایات میں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سیدنا علیؑ جنگ بندی پر بالکل راضی نہیں تھے، کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ اب تو ان لوگوں کا باغی ہونا ظاہر و باہر ہے لہذا جنگ بندی اُس وقت ٹکٹ ہوگی جب تک کہ یہ اپنے موقف سے بالکل رجوع نہ کر لیں۔ پھر آپ کا حکم کو مان لینا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا علیؑ اپنے کو یقینی طور پر حق پر نہیں سمجھتے تھے؟ اگر وہ اپنے کو یقینی طور پر حق پر سمجھتے تو اس ثالثی کو کبھی بھی قبول نہ کرتے کیونکہ ثالثی صرف اور صرف اسی وقت قبول کی جاتی ہے جب آپس میں دو دست و گریبان جماعتوں کے پاس ایسے دلائل موجود ہوں جن سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوتا ہو کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون؟ اور دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل کی رُو سے اپنے آپ کو حق اور صواب پر سمجھتے ہوں۔ سیدنا علیؑ کا ثالثوں کو قبول کر لینا ہی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خود سیدنا علیؑ اور دوسرے سب صحابہؓ اس معاملہ میں حیران و سرگردان تھے کہ کس کو حق پر سمجھا جائے اور انہوں نے اپنے اپنے دلائل کی رُو سے جس گروہ کو حق پر سمجھا اُس کا ساتھ دیا اور جو صحابہؓ دونوں طرف کے قوی دلائل کی رُو سے ترجیح کی کسی جانب کا فیصلہ نہ کر سکے وہ بالکل غیر جانبدار رہے اور اپنے کو جنگ قتال کی دھول سے ملوث نہ ہونے دیا اور مختلف علاقوں میں کئی سال تک اپنی غیر جانبداریاں زندہ گی کے دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ اہل نہ ہمیں سیدنا معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور ساری امت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان صحابہؓ نے بھی اُن کی بیعت فرمائی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، اور وہ سال ”عام الجماعة“ کے نام سے موسوم ہوا۔

رابعاً سیدنا حسنؑ کا سیدنا معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونا ہمارے دعویٰ کی مزید تائید کرتا ہے، کیونکہ اگر سیدنا عمارؓ کی شہادت نے حق و باطل کو واضح کر دیا تھا تو صاف ظاہر تھا کہ سیدنا معاویہؓ اپنے موقف کے لحاظ سے باطل پر تھے اور سیدنا حسنؓ کا باطل کے حق میں دست بردار ہونا خود باطل ہے۔ پھر اس بارہ میں کسی شخص نے سیدنا حسنؓ کو یہ نہ کہا کہ سیدنا عمارؓ کی شہادت سے چونکہ حق واضح ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہؓ باطل پر ہیں لہذا آپ کو ان کے حق میں خلافت جیسے پاکیزہ منصب سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ تاریخ کے اوراق اس بات کی مکمل شہادت دیتے ہیں کہ کسی شخص نے سیدنا عمارؓ کی شہادت کو بطور دلیل پیش نہیں کیا۔ تاریخ میں یہ تو آتا ہے کہ سیدنا حسینؓ اور چند لوگوں نے سیدنا معاویہؓ کے حق میں دست برداری پر سیدنا حسنؓ کی مخالفت کی لیکن اس مخالفت کے سبب اور تھے شہادت عمارؓ کا سبب اور وجہ ان میں سے کسی نے پیش نہیں کی تھی۔

(ملاحظہ ہو طبری، ابن اثیر، اخبار الطوال، تاریخ الخلفاء، ابن ابی الحدید وغیرہم)

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن اصحاب سے مروی ہے ان میں چار حضرات (سیدنا عثمانؓ، سیدنا حذیفہؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا ابورافعؓ) تو جنگ صفین سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے۔ چار حضرات سیدنا ابومرثدؓ، سیدنا ابوسعید خدریؓ، سیدنا ابوالیوب انصاریؓ، سیدہ ام سلمہؓ سلام اللہ علیہا جنگ صفین کے موقع پر زندہ تو تھے لیکن غیر جانبدار رہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ کبھی بھی غیر جانبدار رہتے بلکہ ضرور سیدنا علیؓ کا ساتھ دیتے کیونکہ یہ محال اور ناممکن ہے کہ صحابہ کرامؓ حق و باطل کی جنگ میں حق کا ساتھ نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں۔ باقی پانچ حضرات میں سے تین سیدنا خزیمہ بن ثابتؓ، سیدنا ابوقنادہؓ اور سیدنا ابوالیسرؓ جنگ صفین کے موقع پر قیناً سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے اور باقی دو حضرات عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سیدنا معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ وہ تین صحابہ جنہوں نے سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا تھا کسی صحیح

حدیث میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس حدیث کو ملامت بنا کر آپ کا ساتھ دیا ہو۔ یا انہوں نے شہادت عمار کے بعد اس حدیث کو مدار استدلال بنا کر دوسرے صحابہ میں پرچار کیا ہو کہ سیدنا علیؓ حدیث شہادت عمار کی رو سے چونکہ حق پر ہیں لہذا تم ان کا ساتھ دو یا انہوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا معاویہؓ یا ان کے گروہ کو ”القبیۃ الباغیہ“ (باغی گروہ) کہا ہو۔

۱۔ صحیح حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات حق پر تھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ  
 لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتُلَ فِتْنَانِ عَظِيمَتَانِ يَقْتُلُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ  
 عَظِيمَةٌ وَدَعَوَاهُمَا وَاحِدَةٌ۔

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑی جماعتوں میں لڑائی نہ ہو، ان کے مابین سخت  
 جنگ و قتال ہوگا اور ان دونوں جماعتوں کا ”دعویٰ“ ایک ہوگا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۲۵، ص ۱۰۵۴)

حق و باطل کا مدار دعویٰ اور دعوت پر ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک تھا تو  
 پھر ہمارا مذہب یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان میں ایک جماعت حق پر ہو اور دوسری صریحاً باطل ہے  
 اس حدیث کی مزید تائید سیدنا علیؓ کے اس مکتوب سے بھی ہوتی ہے جو بیعت ابلاغ میں ان الفاظ  
 سے درج ہے اور اس خط کو آپ نے اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں لکھ کر بھیجا اور جو کچھ اہل صفین  
 اور ان کے درمیان پیش آیا اس کو اس الفاظ میں بیان فرمایا۔

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا إِنَّا التَّقِيَّةُ وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ  
 أَنْ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيُّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتُنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ  
 وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالْمُتَصَدِّقِ بِرَسُولِهِ وَلَا  
 يَسْتَزِيدُونَنَا، أَلَا مَرُّ وَاحِدٌ أَلَا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ  
 دَمِ عِثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ۔

اور ابتداء ہمارے واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم میں اور اہل شام میں جنگ ہوئی اور ظاہر

اگر اس حدیث کو سند اور متن یا روایت اور درایت دونوں کے لحاظ سے صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی اس حدیث کا معنی وہ نہیں ہے جو مخالفین صحابہ بیان کرتے ہیں کیونکہ اگر اس کا یہ معنی بیان کیا جائے تو نہ صرف سیدنا معاویہؓ پر اس حدیث کی زد پڑتی ہے بلکہ سیدنا علیؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا عقیلؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا سعدؓ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہے کہ ہمارا اور ان کا رب ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام بھی ایک۔ نہ ہم ایمان باللہ اور تصدیق بالرسالہ میں ان سے زیادہ ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں۔ پس ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہے۔ صرف خون عثمانؓ کے بارہ میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔  
(منہج البلاغہ ص ۵۳۳)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی دعوت فی الاسلام ایک ہی تھی امتداد دونوں حق پر تھے، کسی ایک کا باطل پر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا شاید یہی وجہ تھی کہ متقدمین کے نزدیک سیدنا علیؓ کو حق پر سمجھنا اور ان کے مخالف سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا تشیع کہلاتا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:-

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علیؓ علی عثمان  
وان علیاً کان مصیباً فی حروبہ وات مخالف مخطی مع  
تقدیم الشیخین وتفضیلہما۔

متقدمین کے نزدیک سیدنا عثمانؓ پر سیدنا علیؓ کو تفضیل دینا اور جنگوں میں سیدنا علیؓ کے حق و صواب پر ہونے اور آپ کے مخالف کے خطا پر ہونے کا اعتقاد رکھنا تشیع ہے یا وجود حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ) کو افضل اور مقدم سمجھنے کے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ سیدنا علیؓ کو حق پر اور سیدنا معاویہؓ کو خطا پر سمجھنا بعد کے دور کی ذہنی ایجاد ہے جب اہل سنت والجماعت کے ذہن شیعی پراگنڈہ سے متاثر ہوئے۔

ابن وقاصؒ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم جلیل القدر صحابہؓ کے دامن بھی داغدار ہوتے ہیں۔  
لہذا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے ہمیں الفتنۃ الباغیہؒ (باغی گروہ) کا تشخص کرنا  
پڑے گا کہ وہ کون سا گروہ تھا۔ اور تاریخ کے صفحات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ  
وہ باغی گروہ سیدنا معاویہؓ کا گروہ نہ تھا بلکہ سیدنا علیؓ کی فوج میں شامل شدہ وہ خاص  
افراد تھے جنہوں نے پہلے۔

۱۔ سلطنت اسلامیہ میں ایک خاص یہودی اور ایرانی سازش کے تحت خلیفۃ المسلمین  
کے خلاف غلط پراپیگنڈہ کیا۔

۲۔ پھر دن دھاڑے امیر المومنینؓ کو مدینہ طیبہ میں شہید کیا۔

۳۔ پھر جلد ہی غیر اسلامی طریقے سے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی پناہ کی  
ایک راہ ڈھونڈ لی۔ حالانکہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو ایسی  
بیعت سے روکا تھا۔

۱۔ تاریخ میں مرقوم ہے کہ شہادت عثمانؓ کے تیسرے روز سبائی سیدنا علیؓ کے پاس آئے  
اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں حالانکہ آپ اُس وقت مدینہ طیبہ کے ایک  
بازار میں تھے۔ آپ نے فرمایا جلد سی نہ کرو، عمل الفاروقؓ بڑے مبارک آدمی تھے انہوں نے  
مشورہ کی وصیت فرمائی تھی لہذا تم بھی لوگوں کو مہلت دو، وہ مشورہ کریں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے  
یہ بات سن کر وہ واپس چلے گئے، پھر سیدنا علیؓ کے پاس آئے۔ اس وقت مالک الاشتر بھی اُن کے  
ساتھ تھا۔ اُس نے آتے ہی آپ کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد اس کے سارے ساتھیوں  
نے بیعت کر لی۔ (طبری جلد ۳ ص ۴۵۵)

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ مالک الاشترؓ جو سبائیوں کا سرغنہ تھا، اور اس کے ساتھیوں نے  
آپ کی بیعت کرنا چاہی تو سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے سیدنا علیؓ کو بڑی سختی سے منع کیا اور کہا  
کہ آپ ان بلوائیوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں کیونکہ

فانک واللہ ان تھضت مع هؤلاء اليوم لیحملنک الناس

۴۔ پھر ان کو سیدنا زبیرؓ، سیدنا طلحہؓ اور سیدنا عائشہؓ ام المؤمنین سلام اللہ علیہا کے مقابلہ میں لے آئے۔

۵۔ پھر حجب سیدنا قنقار بن عمروؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر تیار ہو گئے تو انہوں نے صلح ہونے سے قبل ہی اندھیرے منہ دونوں لشکروں پر حملہ کر دیا جو جنگ جمل کی صورت میں نمودار ہوا۔

رفقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دم عثمان غداً۔

بغداد اگر آج آپ ان راہیوں کے ساتھ خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو کل لوگ آپ پر قتل عثمانؓ کا الزام لگا دیں گے۔  
لیکن سیدنا علیؓ نے سیدنا عبد اللہؓ بن عباسؓ کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔

(طبری جلد ۳ ص ۴۱، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۱)

بعض روایات میں سیدنا حسنؓ بن علیؓ کا منع کرنا بھی آتا ہے، لیکن آپ نے ان کی بات بھی نہ مانی تھی اور جلدی میں باغیوں سے اپنی خلافت کی بیعت لے لی جس کا آپ کو ساری عمر افسوس رہا۔  
(ملاحظہ ہو ابواب الدیۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۹۳، ص ۲۳۴)

۱۔ جنگ جمل میں جب دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے تھیں تو آپس میں صلح کی گفتگو جاری ہوئی سیدنا قنقارؓ کی وجہ سے دونوں گروہ صلح پر راہی ہو گئے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ

وَعُولُوا جَمِيعًا عَلَى الصَّلْحِ وَبَاتُوا بِخَيْرٍ لَيْلَةٍ لِحُسْنِ بَيْتِهِ وَامْتِنَانِهَا

لِلْعَاقِبَةِ وَبَاتَ الَّذِينَ اتَّارُوا مَعَ عُمَانَ بِشَرِّ لَيْلَةٍ بَاتُوا هَاقِطًا۔

سب صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسی چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی ایسی اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے، لیکن وہ لوگ جنہوں نے سیدنا عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور ان کو تشدید کیا تھا، انہوں نے اس سے بدترین رات سپہ کبھی نہیں گزاری تھی۔

(ابواب الدیۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۲۳۶، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۳، طبری جلد ۳ ص ۴۸۸)

۶۔ پھر انہوں نے سیدنا علیؑ سے مدینۃ الرسول الیہا چھڑوا یا کہ پھر اب تک وہ اسلامی دار الخلافۃ بن سکا۔

رفیقہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) صلح کی اس صورت کو دیکھ کر سبائی پریشان ہو گئے اور کہنے لگے۔  
 رأی الناس فینا واللہ واحدًا وان یصلحو مع علی فعلی دما لنا۔  
 بخدا! ہم لوگوں کے بارہ میں ان سب کی رائے ایک ہے ان میں اگر باہم صلح ہو گئی تو وہ ہمارا  
 خون ہی پر ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تجویز سوچی کہ۔  
 اذا التقی الناس غداً فانشبوا القتال ولا تفرعوه وحرر للنظر۔  
 کل جب دونوں آپس میں ملیں تو چپکے سے جنگ کی آگ بھڑکا دی جائے اور انہیں  
 غور و فکر کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۹، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)  
 اس طریقے سے اُس شریک و مددگار دشمن گروہ نے ان دونوں طالبانِ حق کو آپس میں لڑوا یا حالانکہ  
 وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے پر راضی نہ تھے۔  
 اے سیدنا علیؑ جب مدینہ طیبہ کو اس سیاہیوں کی مجبوری کی وجہ سے چھوڑنے لگے تو سیدنا عبداللہؑ  
 سلامؑ نے آپ کی اس بارہ میں سخت مخالفت کی اور آپ کے گھوڑے کی نگام پکڑ کر فرمایا۔  
 یا امیر المؤمنین! لا یخرج منها فواللہ لئن خرجت منها لا ترجع  
 الیہا ولا یعود الیہا سلطان المسلمین ابداً۔

اے امیر المؤمنین! آپ مدینہ سے ہرگز نہ نکلیں۔ بخدا! اگر آپ مدینہ کو چھوڑ گئے تو پھر  
 نہ تو آپ کبھی اس کی طرف لوٹیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی حکومت پھر کبھی مدینہ میں آئے گی۔  
 اس پر سیاہیوں نے سیدنا عبداللہؑ بن سلامؑ کو سب و شتم کیا، لیکن سیدنا علیؑ نے فرمایا۔  
 ان کو چھوڑ دو یہ اصحاب رسولؐ میں سے بہت اچھے آدمی ہیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۳، طبری جلد ۳ ص ۴۴۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)

۷۔ پھر سیدنا علیؑ سے بنو امیہ کے تمام گوزروں کو بغیر چار ج شیط کے یکفلم معزول کر دیا تاکہ ان کو مملکت کے ہر صوبہ میں اسلام دشمن کارروائیوں کی کھلی چھٹی مل جائے اور کوئی ان کے راستہ میں خلل انداز نہ ہو۔

۸۔ پھر سیدنا علیؑ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ میں صفین کے میدان میں لے آئے اور نہ صرف عمار بن یاسرؓ بلکہ دوسرے کئی ایک مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ بعد ازیں سیدنا علیؑ کو شہید کیا اور کوفہ میں سیدنا حسینؓ کو بلا کر میدان کربلا میں شہید کیا۔ یہ لوگ نہ صرف سیدنا عمار بن یاسرؓ کے قاتل تھے بلکہ سیدنا عثمانؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ، سیدنا علیؓ اور

۱۔ سیدنا علیؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی سیدنا عثمانؓ کے مقرر کردہ قریباً تمام گوزروں کو معزول کر کے زیادہ تر اپنے خاندان کے اور کچھ سبائوں میں سے گوزر مقرر فرما دیے۔ یمن میں عبید اللہ بن عباسؓ مدینہ طیبہ پر ثمامہ بن عباسؓ، مکہ اور طائف پر قثم بن عباسؓ، عراق پر عبد اللہ بن عباسؓ خراسان پر اپنے بھائی اور داماد جعد بن ہیرہؓ، مصر پر اپنے سوتیلے بیٹے محمد بن ابی بکرؓ اور قزح کا سریم کماندار جحف آف سٹاف اپنے حقیقی فرزند ارجمند محمد بن الحنفیہؓ کو مقرر فرمایا۔ یہ سب نوجوان تھے اور ناتجربہ کار بھی۔

رہا خطہ ہوا البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۲۲۷، ابن اثیر جلد ۲، ص ۱۷۷، اخبار

الطوال ص ۱۵۳، منہاج السنۃ جلد ۳، ص ۱۷۳، ۱۷۵، ص ۱۸۷، ۱۸۹

عثمانی گوزروں کی تبدیلی اور اپنے قریبی لوگوں کو گوزر بنانے کی تجویز انہی ذمہ دار تھی اور اس سے سیدنا علیؑ کی حکومت کا اندرونی نظم و نسق بہت جلدی خراب ہو گیا جو سیدنا علیؑ کی خلافت کے زوال پذیر ہونے کا ایک خاص سبب بنا۔ پھر مالک الاشتر جو سبائی سرغنہ تھا، کو بھی مصر کا گوزر بنا دیا گیا اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اُس نے سیدنا علیؑ کو سیدنا معاویہؓ کے مقابلہ پر لاکھ صفین کے میدان میں کھڑا کر دیا۔ جمہیں کافی لوگوں کی قیمتی جانتیں ضائع ہوئیں جن میں ایک سیدنا عمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ گویا کہ ان سب پاکیزہ حضرات کو میدان جنگ میں لسنے والے سی سبائی، پھر ان کو شہید کرنے والے بھی ہی ناہنجار تھے۔



آخر میں سیدنا حسینؑ بھی انہی دشمنان اسلام کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں :-

الَّذِينَ قَامُوا عَلَى عَثْمَانَ وَانْكروا عَلَيْهِ اَشْيَاءَ اعْتَذَرَ عَنْ فَعْلِهَا ثَمَرُ كَانُوا  
مَعَ عَلِيٍّ ثُمَّ خَرَجُوا بَعْدَ ذَلِكَ عَلَى عَلِيٍّ -

یہ (ساتھی) وہ لوگ ہیں جو سیدنا عثمانؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور  
اُن کے ذمہ وہ گناہ تھوپ دیئے جن کا آپ کو علم بھی نہیں تھا۔ پھر اُن کی  
شہادت کے بعد (سیدنا علیؓ کے ساتھ مل گئے۔ آخر کار اُن سے بھی خروج کیا۔  
(فتح الباری جلد ۳ ص ۴۳۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ان الفاظ میں اس دین دشمن عناصر کو عرباں کیلئے فرماتے ہیں۔  
اختلفوا کا ذیب وابتدعوا آراء فاسدة لیفسدوا بها دین  
الاسلام ویسترلوا بها من یسوا باولی الاحلام  
فسعوا فی قتل عثمان وهو اول الفتن ثم اتروا الی علی  
لاحبا فیہ ولا فی اهل البیت لکن لیقیموا سلوک الفتنۃ  
بین المسلمین ثم هؤلاء الذین سعوا معه منهم من کفر  
بعد ذلك وقاتله کما فعلت الخوارج وسیفهم اول سیف  
سل علی الجماعۃ ومنهم من اظهر الطعن علی الخلفاء الثلاثة  
کما فعلت المرافضة -

انہوں نے غلط سلط اور جھوٹی روایتیں گھڑیں اور فاسد خیالات ایجاد کئے  
تاکہ ان سے دین اسلام میں فتنہ و فساد برپا کریں اور جن کی عقل ماری گئی ہے  
اُن کو صراطِ مستقیم سے بھٹکائیں۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ کے قتل میں بھڑپور  
کوشش اور سعی کی اور یہ سب سے پہلا فتنہ تھا۔ پھر یہ لوگ سیدنا علیؓ کے  
پاس جمع ہو گئے اس وجہ سے نہیں کہ انہیں سیدنا علیؓ یا اُن کے اہل بیت  
کوئی محبت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ کی شاہراہ کھولیں

پھر انہیں لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر جدوجہد کی (اور جبل اور صفین کی جنگیں بھی لڑیں) پھر اس کے بعد انہی میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تکفیر کا اور آپ سے جنگ و جدل کیا جیسا کہ خوارج نے کیا اور ان کی تلوار سب سے پہلی تلوار تھی جو مسلمانوں کی جماعت پر بے نیام ہوئی اور ان ہی میں سے کچھ لوگوں نے خلفائے ثلاثہ (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ) پر زبانِ طعن دراز کی جیسا کہ روافض نے کیا۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۴۳)

تاریخ کی روایات اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ سبائیوں کی اچھی خاصی تعداد آپ کے لشکر میں موجود تھی اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے پہلے سیدنا عثمانؓ کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگا اور بعد میں جنگِ جبل میں سیدنا زبیرؓ اور سیدنا طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو شہید کیا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جنگِ صفین میں جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں تو سیدنا علیؓ نے سیدنا جریرؓ بن عبد اللہ البجلیؓ کو قاصد بنا کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیجا تاکہ فریقین کے درمیان صلح کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ سیدنا جریرؓ کے قاصد بنائے جانے پر مالک الاشترؒ نے جو سبائی گروہ کا سرغنہ تھا اعتراض کیا اور سیدنا علیؓ سے کہا:۔

لے جریر بن عبد اللہ البجلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قریباً پانچ چھ ماہ قبل مسلمان ہوئے۔ روایات میں ہے کہ جب یہ اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا جریر! کیسے آنا ہوا۔ عرض کیا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے۔ آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:۔  
اذا جاء کرم قوم فاکرموه۔

جب کسی قوم کا کوئی معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت و تکریم کرو۔

(اصابہ جلد ۲ ص ۲۴۲)

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر قرض نمازوں کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، مسلمانوں کی خیر خواہی، انسانوں پر رحم کرنا اور حق تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنے کی تاکید فرمائی۔  
(مسند احمد جلد ۳ ص ۳۵۸)

## لا تفعل فان هواه مع معاويةؓ

ان کو نہ بھیجیں کیونکہ ان کی ہمدردیاں معاویہؓ کے ساتھ ہیں۔

لیکن سیدنا علیؓ نے اشتراکِ بات نہ مانتے ہوئے سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلیؓ کو خط لے کر سیدنا معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جس میں لکھا تھا کہ چونکہ ہاجرین و انصار نے میری بیعت کر لی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اور لوگوں کو خاموش کرنے کی خدمت آپ کے سپرد تھی (مسند احمد جلد ۳ ص ۳۵۸) بعد ازاں ذوالحجیفہ کے صوم کوہ کو منہدم کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی جس کو آپ نے پورا کیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۴) حضورؐ کے انتقال کے وقت آپ یمن میں تھے۔ اور کئی دن بعد آپ کو اطلاع ملی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۶۲۵)

ہمدردی میں اپنی زندگی خاموشی سے گزاری۔ البتہ عہد فاروقی میں عراق کی فوج کشی میں واقعہ جسر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس کے بعد جنگ یرموک اور دوسری کئی ایک اہم جنگوں میں حصہ لیا اور دشمن سے اپنی بہادری کا لوہا منوایا۔ (انجام الطوال ص ۱۱۹)

عہد عثمانی میں آپ ہمدان کے گورنر تھے۔ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں بہت کوشش کی کہ سیدنا معاویہؓ اور سیدنا علیؓ کی کشیدگی ختم ہو جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جنگ جمل اور صفین میں سے کسی میں شرکت نہ کی اور اپنی زندگی ترقیبیہ کے گوشہٴ عافیت میں گزاری۔ آخر ۵۴ھ میں وفات ہوئی۔

(تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۷)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپ کی بڑی پذیرائی تھی۔ آپ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے پیش آتے۔ بلکہ بعض مرتبہ ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دیتے۔ (تہذیب الکمال ص ۱۰۰) غائبانہ ان کا نہایت اچھے طریقے سے ذکر فرماتے۔ خود بیان فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا۔ تو مدینہ سے باہر سواری بٹھا کر کھڑے رہنے کا تعین کیا کھولا اور حلقہ پہن کر داخل ہوا۔ آپ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے سلام کیا۔ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا۔ سیدنا عبد اللہؓ کے پوچھنے پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے دورانِ خطبہ فرمایا تھا کہ اس دروازہ سے تمہارے پاس میں کا ایک بہترین شخص داخل ہوگا جس کے چہرہ پر بادشاہی کے آثار ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی اس عورت افزائی پر میں

ہے۔ لہذا تم بھی میری بیعت کرو۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنی عادت کے مطابق روسائے شام اور سیدنا عمرو بن العاصؓ کو مشورہ کے لئے بلایا اور ان کو وہ خط سنا کر مشورہ طلب کیا۔ ان سب نے جو جواب دیا۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اُس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قالوا ان يبایعوا حتى يقتل قتلة عثمان او ان يسلم اليهم  
قتلة عثمان -

انہوں نے اُس وقت تک بیعت کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ قاتلان عثمانؓ کو (قصاص میں) قتل نہ کیا جائے یا ان کو ان کے سپرد کر دیا جائے تاکہ اگر سیدنا علیؓ قاتلان عثمانؓ کو قصاص میں قتل نہیں کر سکتے تو وہ خود قتل کریں)

سیدنا معاویہؓ نے سیدنا جریر بن عبداللہ ابجلیؓ کو چند روز اور اپنے ہاں روکے رکھا تاکہ وہ لوگوں کے جذبات سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ سیدنا جریر بن عبداللہ ابجلیؓ نے دیکھا کہ لوگ امیر المومنین سیدنا عثمانؓ کی خون میں لتھڑی ہوئی قمیص اور تیدہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دیکھ دیکھ کر روتے ہیں اور انہوں نے قمیص کھاٹی ہیں کہ جب تک وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے میں گے اس وقت تک نہ تو اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے اور نہ ہی وہ بستر پر سوئیں گے۔

”سیدنا جریر بن عبداللہ ابجلیؓ نے شام میں جو کچھ دیکھا اُس کی پوری رپورٹ سیدنا علیؓ کو پیش کر دی اور کہا کہ شام کے سب لوگ قاتلان عثمانؓ سے قصاص کے بارہ میں معاویہؓ کے ساتھ ہیں اور وہ سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت پر روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا علیؓ کا ان کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (مسند احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۸) اللہ تعالیٰ نے ایسا حسین و جمیل بنایا تھا کہ سیدنا عمر الفاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ امت اسلامیہ کے یوسف ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۷۸) تیز ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائیں تم زمانہ جاہلیت میں بھی اچھے مرد اور تھے اور اسلام میں

بھی اچھے مرد اور ہوئے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۷۷)

شہادت میں ہاتھ ہے۔ اور انہوں نے اُن کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔

سیدنا جبریل بن عبداللہؓ کے منہ سے یہ واقعات سُن کر مالک الاشتر لال چلا ہو گیا اور سیدنا علیؓ سے کہا کہ کیا میں نے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ اس کو قاصد بنا کر نہ بھیجیں اگر آپ مجھ کو قاصد بنا کر بھیجتے تو میں اس سے بہتر بات چیت کر کے آتا جو اچھے نتائج کی حامل ہوتی۔ لیکن سیدنا جبریلؓ نے کہا: ”بڑے میاں! اگر آپ وہاں چلے جاتے تو وہ لوگ آپ کو زندہ واپس نہ بھیجتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ تم قاتلانِ عثمانؓ میں سے ہو۔“ اس پر مالک الاشتر نے کچھ اُلٹا سا جواب دیا جس پر سیدنا جبریلؓ غضبناک ہو کر چلے گئے اور قریسا میں اقامت پذیر ہو گئے اور سیدنا معاویہؓ کو اپنی اس بات چیت سے متعلق مطلع کر دیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۲۵۳، ابن الاشتر جلد ۳ ص ۱۴۲، ۱۴۱)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک ایسا عنصر شامل تھا جس کا قاتلانِ عثمانؓ سے تعلق تھا یا وہ خود قاتلانِ عثمانؓ تھے۔ اور وہ ہر معاملہ میں اپنی سر توڑ کوشش کرتے کہ دونوں فریقوں میں کہیں صلح نہ ہو جائے کیونکہ صلح کی صورت میں اُن کی تیر نہیں تھی۔ اس روایت سے زیادہ واضح ایک اور روایت ابن کثیرؒ ہی نے نقل کی ہے کہ جنگ صفین موقع پر اصحاب رسولؐ کی یہ خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا یہ باہمی جنگ و قتال ختم ہو جائے چنانچہ دو درود دل رکھنے والے صحابہؓ سیدنا ابودرداءؓ اور سیدنا ابوامامہؓ لیبالی نے سیدنا معاویہؓ سے مل کر کہا:۔

”اے سیدنا ابوالدرداءؓ! اصل نام جو میرا تھا۔ کنیت ابودرداءؓ تھی آپ انصار قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تعلق رکھتے تھے۔ سُنہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوہ بدر میں چونکہ مسلمان نہ ہوئے تھے لہذا شرکت نہ فرمائی۔ غزوہ اُرد میں شرکت فرمائی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔ جناب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا ”عزیز کس قدر اچھے شاہسوار ہیں“ اُس کے بعد پھر سر غر۔ وہ میں شریک ہوئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد مدینہ کو چھوڑ دیا اور شام کے دار الخلافہ دمشق

» معاویہؓ! آپ سیدنا علیؓ سے کس بناء پر لڑتے ہیں؟ خدا کی قسم وہ آپؓ سے زیادہ  
قدیم الاسلام اور اقرب الی الرسول ہیں اور خلافت کے بھی آپؓ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) میں سکونت اختیار کر لی کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
سے سنا تھا کہ ”فتنہ کی آمدھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔ مسند احمد جلد ۵ ص ۱۹۹ دمشق  
میں آپؓ کا وقت زیادہ تر درس و تدریس میں گزرتا سیدنا عمرؓ نے شام کے سفر میں یزید بن ابی سفیانؓ،  
عمرو بن العاصؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ کے مکانوں پر جا کر دیکھا تو شام کی خصوصیات اور نکلنات، کارنگ و عن  
چڑھا ہوا تھا لیکن جب ان کے در دولت پر گئے تو اس کشور دین و ملت کے تاجدار کو بغیر زینب و  
آرائش کے ایک تنگ و تاریک مکان میں کھل اوڑھے ہوئے پایا۔ سیدنا عمرؓ کی آنکھوں میں ان کو دیکھ  
کر آنسو آ گئے۔ پوچھا، ابوالدرداء! اس قدر عسرت کی زندگی گزارنے کا کیا مطلب؟ آپؓ نے جواب  
میں فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ ہم کو اس قدر ساز و سامان رکھنا  
چاہیے جس قدر ایک مسافر کے لیے درکار ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کیا سے کیا ہو  
گئے، اس جملہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۷۸)

سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں سیدنا معاویہؓ نے خود فرمائش کر کے ان کو دمشق کا قاضی مقرر  
کر دیا اور سیدنا معاویہؓ جب کبھی بائیں تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے جاتے  
(الاستیعاب صفحہ ۳۲) آخر ۳۲ھ میں اس عدم ہستی تمام سے ہستی عدم نما کو انتقال فرمایا۔

علم و فضل میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا  
تھا کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے آپؓ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ قرآن و سنت کے بہت بڑے عالم اند  
تفسیر قرآن کے بہت بڑے ماہر تھے۔ آپؓ کی روایات کی تعداد ۱۹۰۱ ہے جن میں سے ۳ بخاری میں اور  
آٹھ مسلم میں مندرج ہیں۔

۷ سیدنا ابوامامہ الباہلیؓ ان لوگوں میں سے تھے جن کو بیعت رضوان میں حق تعالیٰ کی رضا کا متمتع ملا تھا  
اور اسی موقع پر آپؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھ سے بہادری تم میں سے ہوں، ”راصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱“  
ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ان کے اپنے قبیلہ میں دعوت

مستحق ہیں۔ سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں تو سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے لیے لڑ رہا ہوں اور انہوں نے قاتلانِ عثمانؓ کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے آپ دونوں حضرات سیدنا علیؓ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ وہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیں۔

ثُمَّ اَنَا اَوَّلُ مَنْ بَايَعَهُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ۔

پھر اہل شام میں سے سب سے پہلا شخص ہوں گا جو آپ کی بیعت کروں گا۔ وہ دونوں سیدنا علیؓ کے پاس گئے اور سیدنا معاویہؓ کی یہ بات سُنائی۔ علامہ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ :-

فخرج خلق كثير فقالوا لقتله عثمان -

اُن کے لشکر سے بہت لوگ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ ہم سب قاتلانِ عثمانؓ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اسلام کے لیے بھیجا۔ اہل قبیڈان کی دعوتِ اسلام سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ بڑی تکلیفیں دیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور حق تعالیٰ نے ان کی شبانہ روز کوششوں کو بار آور کیا اور سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (مسندک حاکم جلد ۳ ص ۶۴۲، اصابہ جلد ۳ ص ۲۴۱)۔

عبدِ علوی میں پہلے سیدنا علیؓ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ جنگِ صفین میں بھی سیدنا علیؓ کا ساتھ دیا پھر شام میں معتقل طور پر پکونت اختیار کر لی اور ۴۸ھ میں ۱۰۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس زمانے میں عبد الملک بن مروانؓ سریرِ آرائے خلافت تھے۔

اللہ تعالیٰ نے علم و فضل سے نوازا تھا۔ جہاں کہیں دوچار آدمی مل جلتے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ سناتے گویا احادیثِ نبویؐ کی تبلیغ و اشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دین کے جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچے تم لوگ ہم سے سن کر انہیں دوسروں تک پہنچاؤ۔ (ابن سعد جلد ۱ ص ۳۲۷) ان کی روایتوں کی تعداد ۲۵۰ ہے ان میں سے ۵ بخاری میں اور ۴ مسلم میں ہیں۔

(تہذیب الکمال ص ۴۴)

جن کا جی چاہے وہ ہم سے جنگ کرے۔ سیدنا علیؑ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا۔  
هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

یہ ہیں وہ لوگ جن کو تم دیکھ رہے ہو۔

اس پر یہ دونوں حضرات نا اُمید اور مایوس ہو گئے اور انہوں نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا بلکہ غیر جانبدار رہے۔ (المیادۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۹۵)

اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو قاتلانِ عثمانؓ تھے۔ کیونکہ وہ ایک نہایت گہری سازش کے تحت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور دوست کے روپ میں دشمن کا پارٹ ادا کر رہے تھے۔

رتفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اول

الوصیفۃ الدینیور نے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک عابد و شب زندہ دار بزرگ سیدنا ابوسلم الخولانیؒ چند مسلمانوں کی معیت میں سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ سیدنا علیؑ سے برسرِ پیکار ہونا چاہتے ہیں۔ آپ کو ان سے برابری کی کیسے جرأت ہوئی؟ حالانکہ آپ اسلام لانے میں ان سے بعد کے لوگوں میں سے ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ

”میں فضیلت میں ان کی برابری کا ہرگز دعویدار نہیں ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اور اگر سیدنا علیؑ قصاص لینے پر قدرت نہیں رکھتے تو قاتلوں کو ہم سے حوالہ کر دیں۔ ہم ان سے قصاص لے لیں گے اور پھر ان کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔“

ابو مسلم الخولانیؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی اور اُمت کے لیے ایک درد تھا وہ اس معاملہ کو خونریزی کے بغیر ٹپٹا نا چاہتے تھے، لہذا انہوں نے سیدنا معاویہؓ سے کہا کہ آپ یہ سب مطالبات مجھے لکھ دیں۔ میں خود سیدنا علیؑ کے پاس جانا ہوں اور ان سے زبانی گفتگو کر کے



آپ کے یہ مطالبات منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ابو مسلم الخولانیؒ کے کہنے پر آپ نے ان مطالبات کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا اور ایک خط کی شکل میں ابو مسلم الخولانیؒ کے ہاتھ سیدنا علیؑ کو روانہ کیا۔ آپ نے لکھا۔

اما بعد! سیدنا عثمانؓ امیر المومنین مدینہ طیبہ میں آپ کی موجودگی میں شہید کئے گئے۔ آپ اُن کے گھر کا شور و غل اور آہ و بیکاسنتے رہے لیکن اپنے قول و عمل سے اُس کا کوئی مداوانہ کیا۔ میں بقسم کتنا ہوں کہ آپ اگر خلاص اور سچائی سے ان کی مدافعت کرتے اور دشمنوں کو اُن کے قتل سے روکتے تو آج نہ تو میں آپ کے خلاف کوئی شکایت ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کی جاتی۔

دوسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ نے قاتلان عثمانؓ کو اپنے بن پناہ دی ہوئی ہے اور آج وہ آپ کے دست و بازو اور مشیر کار ہیں۔ ہمارے کاتوں تک یہ بات بھی پہنچی ہے کہ آپ قاتل عثمانؓ سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے اور آپ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں تو قاتلان عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں اگر آپ خود قصاص پر قدرت نہیں رکھتے، اور اے علیؑ! آپ یقین رکھنے ہم سب سے پہلے آپ کی بیعت کے لیے تیار ہیں لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ہمارے پاس اس کا جواب صرف تلوار ہے۔ قسم ہے خداے بزرگ و بزرگی ہم مجرد برے قاتلان عثمانؓ کو تلاش کر کے ان سے انتقام لیں گے یا پھر خود اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں گے۔

ابو مسلم الخولانیؒ سیدنا معاویہؓ کا یہ خط لے کر سیدنا علیؑ کی خدمت میں پہنچے۔ خط پیش کیا اور خط کے ساتھ زبانی بھی سارے حالات بیان کر دیئے اور پورا پورا یقین دلا با کہ یہ منصب ہم کسی دوسرے کے لیے ہرگز پسند نہیں کرتے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لیں کیوں کہ وہ مظلوم شہید کئے گئے ہیں لیکن اگر آپ ان سے قصاص لینے کی قدرت نہیں رکھتے تو آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں اس طرح سے سب لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ اور آپ کے مخالفین کے

ساتھ ہم خود آپ کے دست و بازو اور اہل خانہ و انصار بن کر لڑیں گے ۛ  
 آپ نے ابو مسلم الخولانیؓ کی یہ سب باتیں نہایت غور سے سنیں۔ آپ نے اس روز تو  
 ابو مسلمؓ کو کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا کہ کلی اس کا جواب دیں گے۔ دوسرے روز ابو مسلمؓ جامع  
 مسجد کو قذیں جب آپ سے ملنے کے لیے گئے تو دیکھا کہ وہاں دس ہزار مسلح آدمی یہ نعرے  
 لگا رہے ہیں۔

کلنا قتلة عثمان -

ہم سب قاتلان عثمانؓ ہیں۔

یہ دیکھ کر ابو مسلمؓ نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو میرے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی ہے  
 اور انہوں نے اپنے تحفظ اور بچاؤ کے لیے یہ تدبیر سوچی ہے۔ بعد ازیں سیدنا علیؓ نے  
 زبانی ابو مسلمؓ سے کہا کہ قاتلوں کو آپ لوگوں کے حوالے کرنا میرے امکان سے باہر ہے ،  
 لہذا میں مجبور ہوں۔ (اخبار الطوال ص ۱۷۳، ۱۷۴ ملخصاً)

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے لشکر میں ایک اچھی خاصی تعداد  
 سبائیوں اور قاتلان عثمانؓ کی تھی۔ جنہوں نے اُن کے گرد گھیر ڈالا ہوا تھا۔ اور ان کو اپنی  
 مرضی اور خواہش کے مطابق چلاتے تھے۔ چنانچہ ایک شیعی محقق ملا عبد الرزاق لاہجی نے  
 صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ :-

و خلافت او بعد از ثلاثہ خلافت نہ بود کہ دران خلافت عمل بہ مقتضائے علم

او خواہد کرد ۛ

اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے بعد اُن کی خلافت ایسی خلافت نہ تھی جس میں

وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل درآمد کر سکتے۔ (رگوہر مراد ص ۱۲۵)

یہاں تک بات بڑھ گئی تھی کہ جب کبھی آپ ان کی مرضی کے خلاف رائے دیتے  
 تو یہ دشمنان اسلام آپ کو دھمکیاں دینی شروع کر دیتے۔ چنانچہ جب سیدنا علیؓ نے مملکت  
 اسلامیہ میں اپنے عزیز و اقارب کو گورنر مقرر فرمایا۔ تو ان سبائیوں نے اس چیز کو اپنے لیے  
 خطرہ کا باعث سمجھا اور مالک الاشتر جو اس گروہ کا سردار تھا، سیدنا علیؓ سے غضبناک

ہو کر کہنے لگا۔

علی ما قتلنا الشیخ اذن۔

پھر ہم نے اس بڑے میاں (سیدنا عثمانؓ) کو کیوں قتل کیا تھا؟

(طبری جلد ۵ ص ۱۹۴)

پھر ہر مشکل وقت میں ان لوگوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور جب سیدنا علیؓ کو ان کی ضرورت پڑتی یہ کوئی نہ کوئی عذر رنگ تراش کر پہلو تہی کر جاتے۔ چنانچہ خوارج کی جنگ کے فوراً بعد آپ کی فوج کے ایک سردار اشعث بن قیس کنذی نے سیدنا علیؓ سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ :-

”ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں اور ہمارے نیزوں کی اتیاں خراب ہو گئی ہیں، لہذا آپ ہمیں اب گھر جانے دیجئے“

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۷۶، اخبار الطوال ص ۲۱۱)

یعنی امیر المؤمنینؓ کو فوج کی مدد کی ضرورت ہے اور فوج یہاں سے تراش کر رخصت پر جانا چاہتی ہے۔ اس سے زیادہ اور بے وقافی کیا ہوگی؟ ان لوگوں کی اسی طرح کی بیوقوفانہ اور فتنہ انگیزوں سے تنگ آ کر آپ نے ایک دفعہ منبر پر حلفیہ بیان فرمایا۔

”وہ خدا سو گند! مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ تم میں سے مجھے اٹھالے۔ پھر فرمایا خداوند! تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں۔ میں ان سے ملوں ہوں۔ خداوند! مجھے ان سے راحت عطا فرما اور ان کو اس شخص کے ہاتھ مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔“

(جللاء العیون از ملا باقر مجلسی باب ۳ فصل ۲ ص ۲۳۹)

اس تاریخ ردۃ الصغاکے مؤلف کہتے ہیں کہ امیر المؤمنینؓ کی یہ دعا آخر قبول ہو کر سی اور سی رات حجاج بن یوسف ثقفی پیدا ہوا۔

واز دہ کو فیاں رسید آنچہ رسید

اور اس سے کوئیوں کو جو سزا ملی وہ ملی۔

تاریخ میں حجاج کے ذمہ جو قتل لگاتے رہتے ہیں وہ زیادہ تر ان ہی کوئیوں اور دشمنان اسلام کے ہیں جنہوں نے دوستی کے روپ میں دشمنی کا کام انجام دیا۔

ایک اور موقع پر ان لوگوں کے بارہ میں اپنی شکایت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا :-  
 ”اگر وہ کم گرمائیں تم کو کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہہ اٹھتے ہو کہ بڑی سخت  
 گرمی ہے۔ ہم کو مہلت دیجئے کہ گرمی کم ہو جائے۔ جب تم گرمی سے بھاگتے ہو  
 تو تلوار سے تو زیادہ بھاگو گے۔ اے لوگو! جو لڑکیوں اور عورتوں کی مانند عقل  
 رکھتے ہو، کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور  
 میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا اور تم نے سخت نا فرمائی کی ہے اور میری  
 رائے کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔“

(حلیۃ المتقین ملا باقر مجلسی باب ۴۴ فصل ۱۲ ص ۳۶۲)

چنانچہ جب ان لوگوں نے آپ کو زیادہ تنگ کیا تو ایک روز آپ کے منہ سے یہ الفاظ  
 بھی نکل گئے۔ فرمایا :-

قَاتِلْکُمْ اللّٰهُ لَقَدْ مَلَأَ تَحْرِ قَلْبِیْ قِیْہًا وَشَحَحْتُمْ صَدْرِیْ  
 غِیْطًا -

اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے تم نے میرے دل کو غم کی پیپ سے بھر دیا اور میرے  
 سینہ کو غصہ سے۔ (ترجمہ البلاغۃ ص ۴۴)

ایک روز آپ بہت کمیدہ خاطر تھے اور اپنے ان ساتھیوں اور لشکریوں کا جنہوں نے  
 پہلے تو جنگ جمل اور جنگ صفین میں اپنوں سے لڑایا، لیکن اب معاہدہ تحکیم کے بعد جب اپنی  
 سازشوں کو کامیاب ہوتے نہ دیکھا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، ان الفاظ میں شکوہ فرمایا :-

وَقَدْ زَعَمْتَ قَوْلَیْنِ اِنْ اِیْنِ ابْنِیْ طَالِبٍ شَجَاعٌ وَّلٰکِنْ لَا عِلْمَ  
 لِّیْ بِالْحُرُوْبِ، تَرِیْتُ اَیْدِیْہِمُ وَهَلْ فِیْہِمُ اَشَدُّ مَرَا سًا  
 لِّہَا مَتْنٰی؟ لَقَدْ نَهَضْتُ فِیْہَا وَمَا بَلَغْتَ الْعَشْرِیْنَ وَہَا  
 اَنَا اِذَا قَدْ اَرَبِیْتُ عَلٰی نِیْفٍ وَسَتِیْنِ وَّلٰکِنْ لَا سِرَاعَ  
 لِّیْ لَا یُطَاعُ -

قریش سمجھتے ہیں کہ ابوطالب کا بیٹا بہادر تو ہے لیکن جنگی علوم و فنون سے نا آشنا

اودنا بلند ہے۔ خاک آلود ہوں اُن کے ہاتھ، کیا ان میں کوئی مجھ سے زیادہ ماہر ہے؟  
 میں تو جنگوں میں اُس وقت پڑا تھا جب میری عمر بھی بیس برس کی بھی نہ تھی اور  
 اب میں زندگی کی ۶۰ منزلوں سے بھی تجاوز کر چکا ہوں لیکن جس کی کوئی اطاعت نہ  
 کرے اُس کی رائے کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ درود الزہب جلد ۲ ص ۶۲،  
 اخبار الطوال ص ۲۱۲، کتاب الاغانی جلد ۱ ص ۴۳، حلیۃ المتقین باب ۱۲، فصل ۱۲ ص ۳۲۲  
 مؤرخین اسلام نے ان کے خصائل کے کچھ واقعات اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔ ان میں ایک  
 تحصیل اُن کی یہ تھی کہ :-

”سیدنا معاویہؓ جب بھی کوئی مراسلہ سیدنا عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجتے تو فائدہ  
 کے آنے جلنے کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ پیغام رساں کب آتا ہے اور کب  
 جاتا ہے اور کیا خط لے گیا اور کیا جواب لایا۔ شام کا کوئی شخص اس سے اس بارہ  
 کچھ دریافت کرتا۔ لیکن جب سیدنا عیؓ کا پیغام رساں آتا تو عراق کے لوگ  
 سیدنا ابن عباسؓ جو سیدنا عیؓ کے معتمد خاص تھے کے پاس جاتے اور دریافت  
 کرتے کہ امیر المؤمنین سیدنا عیؓ نے آپ کو کیا لکھا ہے؟ اگر آپ اُن سے خط کے  
 معنوں کو چھپتے تو پھر خود ہی اُکل بچوڑا یا کرتے کہ ہماری رائے میں امیر المؤمنینؓ  
 نے فلاں فلاں بات لکھی ہوگی۔ اس پر سیدنا عبداللہؓ اُن سے فرمایا کرتے تھیں کبھی  
 عقل بھی آئے گی؟ لیکن کیا تم نہیں دیکھتے کہ سیدنا معاویہؓ کا فائدہ آتا ہے تو کوئی خبر  
 نہیں ہوتی کہ کیا پیغام لایا اور کیلے گیا۔ نہ ان کے ہاتھ بلند ہوتے ہیں اور نہ کوئی  
 شور و غوغا سناٹی دیتا ہے۔ مگر تم یہاں سارا دن بیٹھ کر اُکل بچوڑا کرتے ہو؟“  
 ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۶۶، اخبار الطوال ص ۱۹۷، محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ  
 جلد ۱ ص ۱۷۱

ان کی یہ باتیں جب سیدنا عیؓ کے کانوں میں پڑتیں تو آپ کو بہت صدمہ ہوتا اور آپ  
 ان کو اچھی طرح ڈانٹتے۔ چنانچہ زہیر بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے جمعہ کے  
 خطبہ میں ارشاد فرمایا :-

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ لبرٹریں ارطاة اب یمن پہنچ گئے ہیں۔ واللہ! مجھے ایسا لگتا ہے کہ عقرب یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ تم پر صرف اس وجہ سے غالب آجائیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو، اور وہ اپنے امام کے تابع اور فرماں بردار ہیں۔ تم امانت میں خیانت کرتے ہو اور وہ اہلن ہیں۔ تم زمین میں فساد برپا کرتے ہو اور وہ صلح و آشتی پھیلاتے ہیں؟“ میں نے فلاں کو بھیجا۔ اس نے خیانت کی اور دھوکہ دیا۔ فلاں کو بھیجا۔ اس نے بھی خیانت کی اور غدر کر کے مال و دولت معاویہؓ کو بھیج دیا۔ میں اگر تم میں سے کسی کو ایک پیالے پر این بناؤں تو وہ اُسے بھی چاٹنا شروع کر دے گا۔“

پھر بڑے دلگیر اور پژمردہ ہو کر ان لوگوں کے بارہ میں حق تعالیٰ سے یوں دعا کرتے :-  
 اللَّهُمَّ سُمَّتْهُمْ وَسُمَّوْنِي وَكُرْهَتْهُمْ وَكُرْهَوْنِي اللَّهُمَّ قَارِحْهُمْ مَتْنِي وَارْحَنِي مِنْهُمْ۔

اے اللہ! میں ان سے تنگ ہوں اور مجھ سے تنگ ہیں۔ اے اللہ! ان کو مجھ سے نجات دے اور مجھے ان سے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، ص ۳۲۵)

بعض اوقات اپنے شیعوں اور نام نہاد سائبیوں کی انہیں غداروں اور فتنہ انگیزوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کی طرح آنسو ٹپک پڑتے اور آپ بڑی حسرت سے فرمایا کرتے :-

وَاللّٰهُ! اِنْ مَعَاوِيَةَ صَارَ فَنِي بَكَرٍ صَدَقَ الدِّينَارُ بِالدِّهْمِ فَاخْذْ مَتْنِيْ عَشْرًا مِنْكُمْ وَاعْطَانِيْ رَجُلًا مِنْهُمْ۔

بخدا! میری دلی آرزو ہے کہ معاویہؓ مجھ سے اس طرح تمہارا تبادلہ کر لیں جس طرح دینار (اشرفیاں) درہموں (روپوں) سے تبادلہ کئے جاتے ہیں، مجھ سے وہ تمہارے دس آدمی لے لیں اور مجھے اپنے آدمیوں میں سے ایک آدمی دیدیں۔

(رنج البلاغت جلد ۲، ص ۳۵۴)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی میدانِ علیؓ کے گردہ کے ان سائبیوں کے بارہ میں ایسا ہی

لکھا ہے اور سیدنا علیؑ کی ان کے مقابلہ میں ایسی کسی کا ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں :-  
 وَكَانَ عَلِيًّا عَاجِزًا عَنْ قَهْرِ الظَّالِمَةِ مِنَ الْعُسْكَرِينَ وَلَوْ تَكُنْ  
 أَعْوَانَهُ يُوَافِقُونَهُ عَلَى مَا يَأْمُرُ بِهِ وَأَعْوَانُ  
 مُعَاوِيَةَ يُوَافِقُونَهُ -

سیدنا علیؑ اپنے سپاہیوں کے ظلم و قہر سے عاجز اور مجبور تھے اور ان کے ساتھی  
 ان کے ساتھ کسی کام میں موافقت اور تعاون نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے  
 مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ کے ساتھی ان کے احکام کو بدل و جان قبول کرتے تھے۔  
 (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۲)

ان سب حوالجات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علیؑ کے لشکر کی اچھی خاصی تعداد ان  
 لوگوں کی تھی جو قاتلان عثمانؓ میں سے تھے اور جن کی زندگی کا مقصد وحید ہی اسلام میں رخنہ  
 اندازی اور فتنہ انگیزی تھا اور جو اسلام کا لبادہ اڑھ کر اسلام کو تاخت و تاراج اور اہل  
 اسلام سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہی جنگِ جمل میں مسلمانوں  
 کے دو گروہوں کو آپس میں لڑایا تھا کیونکہ ان دونوں کو لڑا کر ہی وہ اپنے آپ کا تحفظ کر  
 سکتے تھے۔

رَأَى النَّاسَ فَيَتَأَلَّفُهُ وَاحِدًا وَاحِدًا وَيَصْطَلِحُ مَعَهُ  
 عَلَى فَعْلَى دُمَائِنَا -

ہم لوگوں کے بارہ میں ان کی رائے ایک ایک ہے۔ ان میں اگر آپس میں صلح ہوئی  
 تو وہ ہمارے خون پر ہوگی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۹، طبری جلد ۳ ص ۲۸۸، ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۳)  
 بعض علماء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں  
 یہ الفاظ بھی منقول ہیں :-

يَا عُمَارُ! لَا يَقْتُلُكَ أَصْحَابِي تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ -  
 اے عمار! تم کو میرے اصحاب قتل نہ کریں گے بلکہ باغی گروہ قتل کرے گا۔  
 (روفا الوقاء)

اس حدیث میں جماعت باغیہ کو صحابہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جماعت باغیہ صحابہ کے علاوہ کوئی اور جماعت تھی اور سیدنا معاویہؓ کا صحابی ہونا قطعی اور یقینی ہے لہذا ان کو قاتل عمارؓ کہنا ایسا ہی غلط ہے جیسا کہ سیدنا علیؓ کو قاتل عثمانؓ کہنا غلط ہے۔ اور باغی گروہ اُس وقت بالاتفاق وہ بلوائی اور سبائی تھے جو سیدنا عثمانؓ کے قاتل تھے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) پس وہی گروہ قاتل عمارؓ تھا۔

(دبرۃ عثمان مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۶۲)

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمارؓ نے جنگ صفین میں شرکت ہی نہیں فرمائی بلکہ وہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انخواری کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے مصر تشریف لے گئے تھے اُس وقت انہیں سبائی گروہ نے شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن جریرؒ طبری نے لکھا ہے کہ :-

وَاسْتَبْطَأَ النَّاسَ عَمَّا لَا حَتَّى ظَنُّوا قَدْ اغْتِيلَ -

عمارؓ کو لوگوں نے روک لیا تھا یہاں تک کہ راہل مدینہ نے یقین کر لیا کہ وہ دھوکہ سے قتل کر دیئے گئے ہیں۔

(طبری جلد ۳ ص ۳۷۹، التہمید والبیان فی مقتل الشہیر عثمان لمحمد بن یحییٰ ص ۸۹)

بہر حال سیدنا عمارؓ بن یاسرؓ مصر میں شہید کئے گئے ہوں یا صفین میں۔ سیدنا معاویہؓ کا ان کی شہادت میں کوئی دخل نہیں تھا، کیونکہ وہ باغی نہ تھے وہ سیدنا عثمانؓ کے ناحق خون کے قصاص کے طالب تھے جن کے بارہ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ آیت قرآنی وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيَّتِهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنصُودًا۔ (

اور جو شخص ظلماً قتل کر دیا جائے تو ہم نے اُس کے وارث کے لیے مضبوط حق رکھا ہے۔ پس وہ وارث) مارنے میں (یعنی بدلہ لیتے وقت) زیادتی نہ کرے۔ بلا شک وہی مظفر و منصور ہے گا۔

کے اشارہ سے سمجھ گئے تھے کہ اگر سیدنا علیؓ نے قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہ لیا تو اُن



کے مقابلہ میں سیدنا معاویہؓ منظر و منصور ہوں گے۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۴۴۴، برآۃ عثمان ص ۶۳)

المختصر ان کو قتل کرنے والے وہ سیائی اور باغی تھے جنہوں نے خلیفہ برحق سیدنا عثمانؓ بن عفان کو شہید کر کے اُمت میں فتنہ برپا کیا تھا اور مسلمانوں کے خون سے جبل اور صفین میں اپنے ہاتھ رنگے تھے۔ وہ تھے ”الفتنۃ الباغیۃ“ اور سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی تو ”فتنۃ عظیمۃ“ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا تھا۔  
 اِنَّ ابْنِیْ هَذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ یَّصْلَحَ بَیْنِ بَیْنِ فِئْتَتَیْنِ  
 عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

میرا یہ بیٹا (سیدنا حسنؓ) سرور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کر لے گا۔

(بخاری جلد ۲ ص ۲۴۳، جلد ۲ ص ۵۳۰، ۱۰۵۶، ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۱)

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۶، ۲۶، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۲، ۲۱۱)

یہ مصالحت سیدنا حسنؓ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کے گروہوں میں کروائی تھی۔ جیسا کہ محدثین نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ لہذا اس حدیث کا مصداق سیدنا معاویہؓ کو کسی صورت نہیں بتایا جاسکتا اور نہ اس حدیث کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ پر زبانِ طعن دراز کی جاسکتی ہے۔



## یزید کی ولی عہدی

سیدنا معاویہؓ اپنی زندگی کی آخری منزلوں میں تھے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے جو اصحاب رسولؐ میں تہایت بلند مقام کے حامل تھے۔ یہ تحریک پیش کی کہ امیر المومنینؑ اپنی حیات متعاً ہی میں ولی عہدی کا انتظام فرما جائیں، کیونکہ حالات کی کروٹیں یہ بتا رہی تھیں کہ آسمانِ خلا پر بڑے گھرے بادل چھانے والے ہیں۔ چنانچہ ولی عہدی کی تحریک پیش کرنے کے بعد انہوں نے خود ہی امیر یزید کا نام پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امیر المومنینؑ! شہادت عثمانؓ کے بعد کی خویشی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لیں تاکہ آپ کے آنکھیں بند کرنے کے بعد اہل اسلام کے پاس ایک سہارا موجود ہو اور امت اختلاف اور فتنہ و فساد کی آگ کی لپیٹ میں نہ آئے۔

سیدنا معاویہؓ کا تپ و جی اور محبوب رسول ہونے کے ساتھ حالات کا بڑی گہری نگاہ سے مطالعہ کرنے والے تھے۔ وہ ایک صاف بصیرت بزرگ اور سیاسی اور روحانی افکار کے حامل تھے۔ اس لیے وہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے اہل اسلام متفق و متحد نہ ہوں وہ اگر یہ سمجھ رہے تھے کہ سیدنا مغیرہؓ کی تجویز بالکل صحیح ہے اور حالات کی کروٹیں بھی یہی بتلا رہی ہیں کہ امت سوائے اموی کے اور کسی کو خلیفہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، لیکن وہ سب کچھ اَمْرُھُمْ شُؤْرُی بَيْنَھُمْ کے قرآنی حکم کے تحت کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا مغیرہؓ کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس معاملہ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک تمام ولایتوں اور صوبوں کے نمائندے اور اربابِ حل و عقد مل کر کوئی فیصلہ نہ کریں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ یہ جواب سُن کر واپس کو فہ تشریف لے گئے۔

یہ بیان بعض مؤرخین کا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے معز ولی سے بچنے کے لیے یزید کی ولی عہدی

کی تجویز پیش کی تھی، انہوں نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں ایک واقعہ بتانے کے لیے نقل تو کر دیا، لیکن یہ نہ سوچا کہ سیدنا مغیرہ کی وفات ۵۶ھ میں ہو چکی تھی اور یزید کی ولیمحمدی کا معاملہ ۵۶ھ میں پیش آیا۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۲۳) وہ اپنی وفات کے ۶ سال بعد یعنی ۵۶ھ میں اپنی معزول سے بچنے کے لیے یہ تجویز سیدنا معاویہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے کیسے تشریف لائے تھے؟ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ۵۶ھ کے واقعات میں اُن کی وفات کا ذکر بایں الفاظ میں کیا ہے۔

فلم یزل امیرھا حتی مات فی ہذہ السنۃ علی المشہور  
قال محمد بن سعد وغیرہ وقال الخطیب اجمع  
الناس علی ذلک۔

یعنی آپ کو فہ کے آخر وقت تک امیر رہے یہاں تک کہ ۵۶ھ میں مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات ہو گئی۔ محمد بن سعد وغیرہ کا یہی قول ہے اور خطیبؒ لکھا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے۔ (ابداۃ والنہایت جلد ۴ ص ۴۸)  
علامہ ابن حجر عسقلانیؒ آپ کے سن وفات کے بارہ میں یوں لکھتے ہیں:-

قال ابو عبیدہ القاسم بن سلام توفی سنۃ تسع و  
اربعین وھو امیرھا وقال ابن سعد والوحسان الزیادی  
وغیرہ واحدات سنۃ خمسین ونقل الخطیب الاجماع  
من اهل العلم علی ذلک وقال ابن عبد البر مات  
سنۃ احدى وخمسين، قلت انما حکى ابن عبد البر  
ذلک بصیغۃ التمریض بعد ان جزم فی موضعین  
من ترجمتہ انه مات سنۃ خمسین۔

ابو عبیدہ القاسم بن سلام کہتے ہیں کہ اُن کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی جب وہ کوفہ

کے امیر تھے اور ابن سعد اور ابو حسان الزیادی اور دوسرے بے شمار حضرات فرماتے ہیں کہ وہ سنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ اور خطیب نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۵۸ھ میں انتقال فرمایا میں ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ ابن عبد البر نے اس کو تمزیض کے صیغہ سے ذکر کیا ہے جب کہ انہوں نے ان کے ترجمہ میں دو دفعہ قطعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ سنہ ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ (زمذیر التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۶۳، طبری جلد ۱ ص ۱۴۴) علامہ ابن قتیبہ نے ان کا سن وفات سنہ ۵۸ھ نقل کیا ہے۔

(کتاب المعارف ص ۲۵۹)

اگر اس بات کو صحیح مان لیا جائے کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی تھی تب بھی آپ پر یہ الزام بالکل غلط ہے کہ آپ نے اپنی گورنری کو قائم رکھنے کیلئے یہ حیلہ اختیار کیا تھا یا یہ کہنا کہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو ختم دیا۔ سرایا اتہام اور خلاف حقیقت بات ہے، کیونکہ تاریخ صفحات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا مغیرہؓ خود اپنے آخری ایام میں گورنری کے باردوش سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے لیکن سیدنا معاویہؓ مصر تھے کہ ان کی خدمات سے

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ جن کو بعض جاہل اور نادان یزید کی ولی عہدی میں مورد الزام گردانتے ہیں اس مرتبہ کے انسان تھے۔ اکثر لوگ اس سے نا آشنا ہیں۔ اور بعض جاہل لوگ ان غلط سلسلہ روایات کو بنا پر ان کی شان میں نازیبا قسم کے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے بعض نام نہاد مفکرین بھی ان کی شان میں دریدہ دہن ہو گئے ہیں۔ لہذا اجمالی طور پر ان کے بعض محامد و فضائل درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ سنہ ۵۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۹)

سنہ ۵۸ھ میں غزوہ حدیبیہ میں شرکت فرمائی۔ اور بیعت رضوان میں شرکت کے سبب

فائدہ اٹھایا جائے۔ اس لیے ان کا استغفی منظور نہ کیا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ سیدنا مغیرہؓ نے امیر المومنین معاویہؓ کی خدمت میں لکھا کہ ۱۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رضی اللہ عنہؓ کی سند فضیلت حاصل کی۔ کیونکہ اس بیعت کے شرکاء کے لیے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ  
فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ  
فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح : ۱۸)

اللہ راضی ہوا ان مسلمانوں سے جب کہ وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا سو اللہ نے ان میں الطینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک گتے ہاتھ فتح بھی عطا فرمادی۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا :-

قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔  
اللہ تعالیٰ نے اس کے گنہگاروں کو گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

(الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۰)

صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کا نمائندہ عروہ بن مسعود ثقیفی گنتگو کے لیے آیا تو عرب کے عام قاعد کے مطابق وہ گنتگو کے دوران جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھا تا تھا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ اس وقت تلوار سونٹے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہانے کھڑے تھے۔

كَانَ وَقْعًا يَوْمَ الصُّلْحِ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَأَلِهِ وَسَلَّمَ بِالسَّيْفِ صَلَاتًا۔

صلح حدیبیہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر ہانے تلوار سونٹے کھڑے تھے۔  
(البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۵۰)

اما بعد! فانی قد کبرت سستی و دق عطشی و شنفیت  
لی قریش فان رأیت ان تعزلنی فاعزلنی۔

میری عمر بڑی ہو چکی ہے۔ ہڈیاں کمزور پڑ چکی ہیں۔ قریش مجھ سے بغض رکھنے  
لگے ہیں۔ اگر آپ مجھے معزول کرنا مناسب سمجھیں تو معزول کر دیجئے۔

(طبری جلد ۵ ص ۳۳۱)

رحاشہ صفحہ گذشتہ) آپ کو عروہ بن مسعود ثقفی کا یہ ایک انداز گفتگو بہت ناگوار گذرنا تھا۔ اور یہ وہ  
ریش مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتا تو یہ غصہ سے اپنا ہاتھ تلوار کے قبضہ کی طرف لے جاتے آخر ضبط  
ہو سکا تو عروہ ثقفی کو ڈانٹ کر فرمایا: اپنا ہاتھ قابو میں رکھو۔

طائف کے صتم خانہ کو منہدم کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوسقیان  
کو بھیجی تو سیدنا مغیرہؓ کو بھی اُن کی معادرت کے لیے ساتھ بھیجا۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۴۷)۔  
آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے موقع پر موجود تھے۔ جب صحابہ کرامؓ  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو قبر میں اتار کر باہر نکلے تو آپ نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی  
قبر مبارک میں گرا دی۔ سیدنا علیؓ نے کہا کہ خود قبر میں اتار کر انگوٹھی نکال لیجئے۔ چنانچہ یہ قبر مبارک میں اترے  
آپ کے مبارک قدموں کو چھوا اور کہا مٹی گراؤ۔ جب تھوڑی مٹی ڈالی جا چکی تھی تو باہر نکلے اور ذات نبویؐ  
سے سب سے آخر میں جُدا ہونے کا شرف حاصل کیا۔ خیر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب میں جناب رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری جُدا ہونے والا ہوں۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۷۷)

سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مختلف لوگوں کے پاس سفیرین کر گئے چنانچہ جنگ قادسیہ میں  
مستم ایرانی کے پاس اور جنگ نہادند میں مروان شاہ کے پاس سفیرین کر گئے اور اسلامی لشکر کے مطالبات  
کو بڑے بہترین انداز میں پیش کیا گیا جس سے اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت ایرانیوں کے دلوں میں بیٹھ  
گئی۔ سیدنا عمرؓ نے پیٹے بصرہ کا اور پھر کوثر کا گورنر مقرر فرمایا۔ سیدنا معاویہؓ کے زمانے میں بھی بڑے کارہائے  
نمایاں سرانجام دیئے۔

سیدنا مغیرہؓ عقل و دانش اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے عرب کے مدبر ترین اور ”دھات“ میں

معلوم ہوا کہ تاریخ کی یہ روایت دو وجہ سے غلط ہے۔

اول ۱۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ۵۸ھ میں یا ۵۷ھ میں ہو گیا تھا۔ جب کہ یزید کی دلی عہدی کی تحریک ۵۶ھ میں ہوئی۔

دوم ۱۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یزید کی تحریک دلی عہدی کے وقت سیدنا مغیرہؓ زندہ تھے اور انہوں نے اپنی معزولی سے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا تو یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ نہ تو سیدنا معاویہؓ سیدنا مغیرہؓ کو معزول کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی سیدنا مغیرہؓ اپنی معزولی سے ڈرتے تھے بلکہ انہوں نے خود استعفیٰ پیش کیا تھا جس کو منظور کیا گیا۔

بہر حال دلی عہدی کی تجویز سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ نے پیش کی یا کسی اور نے یا سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں خود آئی۔ واقعات کا تسلسل یہ بتاتا ہے کہ آپؐ ماضی میں امت مسلمہ کی باہمی تباہی کے پیش نظر اپنی خداداد بصیرت سے یہ نہایت مناسب سمجھتے تھے کہ وہ اپنے انتقال سے قبل کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جائیں تاکہ جل و صفین کی طرح امت کی تلواریں پھر بے نیام نہ ہوں۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) شمار ہوتے تھے۔ اپنی اس غیر معمولی بصیرت اور عقل و رائے کی وجہ سے ”مغیرۃ الرائے“ کہلاتے تھے۔ (اصابت ذکرہ مغیرہ بن شعبہؓ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے قبصہ بن جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ میں عرصہ تک مغیرہؓ کے ساتھ رہا۔ وہ تدبیر و سیاست کے آدمی تھے۔ اگر کسی شے کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاک کے گزرنا مشکل ہو تو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ آٹھوں دروازوں سے گزر جاتے ہیں (تہذیب التہذیب، جلد ۲ ص ۲۰۲)۔

آپؐ صرف سیاسی شخصیت ہی نہ تھے بلکہ علمی حیثیت سے بھی آپؐ کا ایک اہم مقام تھا۔ آپؐ کی ۱۳۳ احادیث، تنویر حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں ۹ بخاری و مسلم دونوں میں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں امام مسلم منقول ہیں۔ (تہذیب الکمال ص ۳۸۵) آپؐ کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔

۱۷۔ آپؐ نے ایک مرتبہ سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا تھا۔

انی خفت ان اذوالرعیۃ من بعدی کالغنم المطیورۃ

گویا یہ آپ کی امت مسلمہ پر نہایت شفقت تھی، لیکن آپ اپنا ولی عہد خود تجویز کرنے کے بجائے امت کے ارباب حل و عقد کے سپرد یہ معاملہ کرنا چاہیے تھے۔

اگرچہ تمام ولایتوں کے نمائندوں کا ولی عہد کی نامزدگی میں کوئی اختیار نہیں تھا، کیوں کہ اب ارباب حل و عقد کا مرکز صرف دمشق تھا۔ جب کہ مدینہ طیبہ مرکز خلافت تھا، تھانقلیفہ کے تقرر کی ذمہ داری وہاں کے ارباب حل و عقد کے ذمہ تھی۔ سیدنا علیؑ کے زمانہ میں جب مدینہ طیبہ کے بجائے کوفہ کو مرکز خلافت بنایا گیا۔ تو نصب امام کی تمام تر ذمہ داری کوفہ کے اہل الحل و العقد پر تھی۔ چنانچہ سیدنا حسنؑ کو کوفہ کے ارباب حل و عقد ہی نے خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور بعد میں دوسرے صوبوں کے ارباب حل و عقد نے بیعت کی۔ اب جب کہ سیدنا معاویہؓ کے عہد میں دمشق مرکز خلافت بنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ صرف دمشق کے ارباب حل و عقد کی رائے ہی سے ولی عہد تقرر کر لیا جاتا لیکن سیدنا معاویہؓ نے بڑی وسعت قلبی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب تک تمام صوبوں اور ولایتوں کے نمائندے کسی کو ولی عہد تجویز نہ کریں اس وقت تک میں اُسے نامزد نہیں کر سکتا۔

مملکت اسلامیہ کے سب گوشوں سے وفد مرکز خلافت میں حاضر ہوئے۔ عراق جو سبائؓ تحریک کا مرکز تھا، وہاں سے بھی احف بن قیسؓ کی زیر قیادت ایک وفد دربار خلافت میں حاضر ہوا (مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۷۱) اہل عراق ہی نے یزید ابن معاویہؓ کا نام تجویز کیا تھا۔ مخالف اور موافق دونوں قسم کی تقریریں ہوئیں اور سب نے بلا جھجک مخالفانہ موافق دلائل پیش کئے۔ لیکن اکثریت یزید کے حق میں تھی۔

امیر المومنین سیدنا معاویہؓ کے کان میں کہیں سے بھنگ پڑی تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ یزید کے ولی عہد ہونے کے مخالف ہیں۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ جب تک مدینہ طیبہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لیس لہا راع۔

مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا

(البدایۃ والتہایۃ جلد ۸ ص ۸۷)

کوئی چرواہا نہ ہو۔



کے باشندے بھی متفق نہ ہوں، میں ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کا ہرگز اعلان نہیں کر سکتا۔  
پہنچنے اُس کے لیے آپ نے سید نامردان گورنر مدینہ کو لکھا کہ :-

”اب ضعیفی و ناتوانی نے مجھے آلیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے  
سفر پر چلا جاؤں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد پھر امت تشتت و افتراق  
اور فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ لہذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں  
ارباب حل و عقد کے مشورے سے کسی کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر جاؤں  
اس معاملہ میں آپ کا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ طیبہ کے ارباب حل و عقد  
پر پیش کرو۔ یاہمی اتفاق سے جو وہ جواب دیں وہ مجھے لکھیں۔“

سید نامردان نے مدینہ طیبہ کے اکابر کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات پیش کی اور یزید  
بن معاویہ کا ذکر چھیڑا۔ پورے اجتماع میں سے صرف سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے کوئی چھٹی  
ہوئی بات کہی۔ جس سے سید نامردان کو غصہ آگیا۔ اور سیدنا عبدالرحمنؓ اس اجتماع کو چھوڑ کر چلے

۱۔ بخاری نے تو جو کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو وہ  
بات نقل نہیں کی جو انہوں نے اس اجتماع میں فرمائی، لیکن خضریٰ، مسعودی اور طبری وغیرہ مؤرخین نے  
لکھا ہے کہ مروان کی یہ بات اُس کر سیدنا عبدالرحمنؓ نے کہا تھا کہ یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہے جو معاویہؓ  
دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن بات یہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس اجتماع میں معمولی قسم کے لوگ تھے  
تھے بلکہ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا سعید بن زیدؓ، سیدنا عبداللہ بن عمروؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ  
اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ اگر سیدنا معاویہؓ واقعی قیصر و کسریٰ کی سنت کو جاری کرنا چاہتے تھے  
تو اجتماع میں موجود سیدنا حضرت سیدنا عبدالرحمنؓ کی تائید کرتے، لیکن بخاری کی روایت کے مطابق پورے  
اجتماع میں سے سوائے سیدنا عبدالرحمنؓ کے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا  
معاویہؓ کا یزید کی ولی عہدی کے لیے نام پیش کرنا قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی۔ اور اگر واقعی تو عشرہ مبشرہ  
کے صحابہؓ اصحاب بدر اور بدر بکر جلیل القدر صحابہؓ نے اس کی مخالفت میں زبان کیوں نہ کھولی۔ بلکہ اللہ  
یزید کی بیعت کر لی۔ جب ولی عہدی کے لیے یزید کے نام کی تحریک قیصر و کسریٰ کی سنت نہیں تھی اور یقیناً

گئے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۱۵) باقی خضریٰ، مسعودی، طبری اور ابن اثیر وغیرہم نے جو باتیں لکھی ہیں وہ روایت اور درایت کے لحاظ سے سراسر غلط ہیں۔

رحاشیہ صفحہ گذشتہ: نہیں تھی تو سیدنا عبدالرحمنؓ جیسا پختہ کار آدمی ایسی کچی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور جھپٹی ہوئی بات کہی تھی جس سے سیدنا مروان کو غصہ آگیا۔

ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمنؓ کی طرف جو بیان منسوب ہے کہ انہوں نے اُٹھ کر سیدنا مروانؓ کی تجویز پر اعتراض کیا۔ غلط ہے کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) بلکہ مسعودی نے تو ۵۹ھ لکھا ہے (مروج الذهب جلد ۳ ص ۳۷۴) اور سیدنا عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ ۵۳ھ میں اس دار فانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں۔

مات فجاءة سنة ثلاث وخمسين بجبل يقرب مكة۔

سیدنا عبدالرحمنؓ کی ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہو گئی۔

(المعارف ص ۲۶)

امام ابو عبد اللہ محمد ایتھا پوری صاحب ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مات عبد الرحمن بن ابی بکر فجاءة وكنيته ابو عبد الله  
ومات سنة ثلاث وخمسين۔

عبد الرحمن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہو گئے۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور سن

وفات ۵۳ھ تھا۔ (متدرک جلد ۳ ص ۴۷۵)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سیدنا عبدالرحمنؓ بن ابی بکرؓ کے سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

توفي عبد الرحمن بعشي وهو اثني عشر ميلاً من مكة

فحمل الى مكة فدفن بها وقال ابن سعد وغير واحد

كان ذلك سنة ثلاث وخمسين۔

سیدنا معاویہؓ جیسے محتاط آدمی کے نزدیک پورے اجتماع میں ایک آواز کا اٹھنا بھی بہت تھا۔ لہذا آپؐ نے خود مدینہ طیبہ کا سفر کیا تاکہ بذاتِ خود ان حضرات سے ملاقات کی جائے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ میں آپؐ کی موجودگی میں دوبارہ اجتماع ہوا جس میں سیدنا معاویہؓ نے خود اس معاملہ کو اس کے سارے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ تمام اجتماع نے اس بات کا خیر مقدم کیا اور حالات حاضرہ اور مصالحِ امت کے پیش نظر اس تجویز کو منظور کر لیا۔ غرض اس طرح باہمی گفت و شنید اور مشاورت سے یزید بن معاویہؓ کی دلِ عمدی کے لیے نازنگی ہوئی اور پوری امت اور سب اربابِ حل و عقد نے اس تحریک سے اتفاق کیا جو امیر المؤمنین سیدنا معاویہؓ نے ان کے سامنے پیش کی تھی۔ اور اس معاملہ میں یزید بن معاویہؓ کو یہ شرف

رحمۃ صغیر گذشتہ سیدنا عبدالرحمنؓ کی وفات حتیٰ کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے ہوئی۔  
 ۱۔ ان کی لاش کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی۔

(تمذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۷۱)

لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمنؓ نے اعتراض کیا تھا وہ اعتراض وہ تھا۔ جس کو سیدنا عبدالرحمنؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابن اثیر وغیرہ اور ان کی اتباع میں موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین نے یہاں بڑی بے سرو پا باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان پانچ حضرات نے یزید کی دلِ عمدی سے اختلاف کیا۔ (۱) عبدالرحمن بن ابی بکرؓ (۲) عبداللہ بن عمرؓ (۳) عبداللہ بن عباسؓ (۴) سیدنا حسین بن علیؓ (۵) عبداللہ بن زبیرؓ۔ سیدنا معاویہؓ نے جب خود مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ پانچوں حضرات مدینہ سے باہر امیر المؤمنینؓ سے ملے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ یہ سارے حضرات مدینہ چھوڑ کر مکہ چلے گئے۔ امیر المؤمنین وہاں ان کے پیچھے مکہ پہنچے پہلے ان سب کو حسنِ خلق، خاطر مدارات اور طرح طرح کی نوازشات سے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ جب یہ کوشش ناکام ہوئی نظر آئی تو قرابت اور مہرِ رحمی کا واسطہ دیا۔ جب یہ کوشش بھی کارگر ثابت نہ ہوئی تو دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مخالفت کی تو تلوار اور

خاص حاصل ہے۔ کہ جیسا استصواب رائے ان کی خلافت پر ہوا۔ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سختی سے کام لیا جائے گا۔ چنانچہ یہ سب ایک ہی دھمکی سے خاموش ہو گئے۔ اندرونِ شام ان کو اس طرح دھمکایا اور باہر کر دیا کہ ان پانچوں بزرگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ لوگ پہلے ہی ان کے فیصلے کے منتظر تھے یہ سب ہی سب نے بیعت کر لی۔ بعد میں لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن پھر بھی کسی نے کوئی مخالفت نہ کی (ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۵۱، ۲۵۲) قاضی ابو بکر ابن العربی نے اپنی کتاب العوام والقوام ص ۲۱۹، ۲۲۵ پر اور علامہ محب الدین الخطیب نے اس کتاب کے حواشی میں ان سب روایت پر بڑی عالمانہ تنقید کی ہے اور انکا غلط ہونا واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اب جن لوگوں نے یہ واقعات وضع کئے ہیں انہوں نے صرف سیدنا معاویہؓ کے کیر پکڑ پری پر حملہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے بزرگوں کی ”برأت ایمانی“ اور ”سختی گوئی“ کا سارا ساما یا نا بھی امت کے سامنے بکھر دیا کہ وہ اتنے بہادر تھے کہ صرف ایک دھمکی ہی سے ایک خلافِ حق بات پر خاموش ہو گئے۔ اور رضامندی کا اظہار کر دیا۔

لَمِيتَ كُلُّمُؤَاثِيَةً حَذَرَ الْقَتْلِ -

(الامامت والسياسة جلد ۲ ص ۲)

انہوں نے موت کے ڈر سے کوئی بات نہ کی۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ بزرگ ایسے پست ہمت تھے اور نہ ہی سیدنا معاویہؓ ایسے بد اخلاق تھے۔ یہ سارے واقعات دراصل دشمنانِ صحابہ اور دشمنانِ اسلام نے وضع کر کے مسلمانوں کے قلوب میں صحابہ کرام کی عزت و ناموس اور محبت و عقیدت کو کم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور آج کل کے بعض جاہل مجتہد اور تادان مفکرانہیں روایات کو پیش کر کے خلافت و ملوکیت پر کتابیں لکھ مانتے ہیں۔

بلکہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں :-

فالتقت البيعة ليزيد في سائر البلاد ووجدت

الوفود من سائر الاقاليم الى يزيد..... الخ

حکومت اسلامیہ کے تمام شہروں میں یزید کی بیعت بلا اختلاف کی گئی اور ملک کے

یہ اجتماعات جو یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہوئے ایک ایسی تاریخی حقیقت ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور بعض جاہل اور دین دشمن لوگ ان اجتماعات میں کیڑے نکالتے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) گوشے گوشے سے (بیعت کے لیے) یزید کے پاس دفود آئے۔

ر البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۷

گویا یزید میں معاویہ کی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے کی اور اس اہتمام سے یہ بیعت منعقد ہوئی کہ کسی ناقبل خلیفہ کی بیعت آج تک اس اہتمام سے نہیں ہوئی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اس لیے تھا۔ کہ سیدنا معاویہؓ نے یزید کو خلوص نیت، مسلمانوں کی خیر خواہی، اس کی اہلیت اور حق تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ صرف محبت پدری کے تحت یہ سب کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت آپ کی اس دعا سے ملتا ہے جو آپ نے یزید کی ولایت عہد کی بیعت کے خاتمہ پر مانگی تھی۔ آپ نے کہا تھا۔

اللہم ان کنت عہدت لیزید لما رأیت من فضله فبلغه  
ما أملت واعنه وان کنت انما حملنی حب الولد لولد  
وانه لیس لما صنعت به اهلاً فاقبضه قبل ان  
یبلغ لذلک۔

اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اُس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنا دیا ہے تو  
اُسے اُس عظیم مرتبہ اور مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اُس کے لیے امید کی ہے اور  
اُس کی اپنے فضل و کرم سے، امداد و اعانت فرما اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے  
آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور درحقیقت اُس منصب  
جلیلہ کا اہل نہیں ہے تو اس کے اس منصب خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی  
موت دے دے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۲۶۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے آپ کی اس دعا کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

اللہم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانتہ فیما ارادہ اهل لذلک  
فاتمم له ما ولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تمحم

ہیں۔ کہیں یہ کہا جاتا ہے کہ امت پر سختی کر کے یہ رائے لی گئی تھی۔ اگر سختی اور درستی ہی سے لوگوں کو ساتھ لگانا تھا تو اجتماعات کے بغیر بھی سختی سے لوگوں کو ساتھ لگایا جاسکتا تھا۔ یہ اجتماعات منعقد کرنے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کا کیا فائدہ؟ پھر وہ لوگ جن کو امت مسلمہ صحابہؓ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں اور نہ اتنے پست اخلاق تھے کہ لالچ میں آکر باطل کو حق اور حق کو باطل کہہ دیں۔ وہ بدر و خنین کے مجاہد اور اُرد و اجزاب کے شاہنشاہ، دہ عشرہ مبشرہ کے سند یافتہ اور بیعت رضوان کے متمتع یافتہ کیا معاذ اللہ سیدنا معاویہؓ کی صرف ایک دھمکی سے ڈر جانے والے تھے۔ اور کیا یہ اتنے بزدل اور ڈرپوک ہو چکے تھے کہ سیدنا معاویہؓ منبر پر بیٹھ کر ان کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، یہ عبد اللہ بن عباسؓ، یہ عبد اللہ بن عمرؓ، یہ عبد اللہ بن زبیرؓ اور یہ حسین بن علیؓ متفقہ طور پر یزید کی ولی عہدی کے حق میں ہیں بلکہ بیعت کر چکے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ ما ولیتہ -

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی اور خلافت کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اور اگر میں نے صرف محبت پدری کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچانا۔

البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۰

اے عبد اللہ بن زبیرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھو پھیرے بھائی سیدنا زبیر بن العوامؓ کے ہاں جڑا ہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا زبیرؓ کو حواری رسول کا خطاب مرحمت فرمایا تھا (بخاری جلد ۱ ص ۵۲۷) سیدنا عبد اللہ کی والدہ ماجدہ سیدہ اسماءؓ سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا کی حقیقی بہن اور سیدنا ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں ہجرت کرنے والے پیدا ہونے والے یہ سب سے پہلے بچے تھے۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) اٹھ سال کی عمر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی (متحدک حاکم جلد ۲ ص ۵۶۷) اپنے والد ماجد کی طرح بچپن ہی سے بڑے شجاع اور بہادر تھے۔ چنانچہ سن شہور کے بعد

اور یہ سب موت کے ڈر سے دم بخود بیٹھ رہیں اور اتنی بات بھی اپنی زبان سے نہ کہہ سکیں کہ امیر المومنین  
یہ بات غلط ہے اور ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مختلف مہمات میں شریک ہوئے۔ طرابلس وغیرہ انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔  
(ابن اثیر جلد ۳ ص ۸۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۹ سال تھی۔ (تمذیب التہذیب جلد ۵  
ص ۲۱۲) جنگ یرموک میں شرکت فرمائی اور اس خطبہ میں بھی شامل تھے جو سیدنا امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ  
عہو عنہ کے مقام پر دیا۔ (تمذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳)  
جنگ جمل میں آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی خالہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور  
بقول ابن حجر اس قدر بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔

(اصابہ جلد ۳ ص ۷)

۶۳ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ اگرچہ آپ پہلے ہی  
یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے اور آپ امت مسلمہ میں تنہا شخصیت ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی  
(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۴) حالانکہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ بھی یزید کی بیعت پر راضی تھے۔  
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ کتاب الشافعی اثر شریف المرتضیٰ شیعہ ص ۱۴۴) یزید بن معاویہ

کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں، کیونکہ امت یزید کی خلافت پر مجتمع تھی،  
لیکن اُس کی وفات کے بعد جب آپ نے دعویٰ خلافت کیا تو اُس وقت کے اساطین امت نے ان کی  
خلافت کو باز یحییٰ اطفال سے زیادہ جنت نہ دی۔ چنانچہ سیدنا محمد بن الحنفیہ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ اور  
سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ نے باوجود ان کے اصرار کے ان کی بیعت نہ کی۔

۶۳ھ میں عبد الملک بن مروان کے جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھائی اور  
ہشیدہ سوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔ مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک  
۹ برس۔ (تمذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳)

اپنے زمانہ خلافت میں سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک دن بھی جیلن نصیب نہ ہوا لیکن پھر بھی اس

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب روایات ان لوگوں کی وضع کردہ ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور صحابہ رسولؐ کی ذرہ برابر بھی محبت اور عقیدت نہیں تھی۔ انہوں نے صرف اسلام دشمنی کے لیے ان روایتوں کو گھڑا ہے۔ ورنہ ایک طرف تو صحابہ کرامؓ کو عادل قرار دینا اور دوسری طرف ان کے کیریکٹر اور اخلاق میں کیڑے نکالنا تضاد بیانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ پر تاریخی غلط، خلاف حقیقت اور دواہمی تباہی روایات سے خط تسمیح کھینچنا ہے جو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث کی نصوص صحیحہ صحابہ کرامؓ کو اللہ رب العزت کی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا کرتی ہیں اور مرضی اللہ عنہم و رضو عنہم (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) کے القابات سے سرفراز کرتی ہیں، اب ایسے حضرات کو دنیا کا بندہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ وہ جو کچھ کرتے تھے دنیا طلبی اور اپنی خواہشات کی پیروی میں کرتے تھے، ان کے ان

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) عرصہ میں آپؐ نے خانہ کعبہ کو بنیاد ابراہیمی تعمیر کروایا اور حطیم کا حصہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کھلا تھا اُس کو بھی عمارت میں شامل کر دیا۔ اور یمن کے بادشاہ ابراہیم بن الحارث کے کینسہ کو توڑ کر اُس کے پتھر اور عمارتی سامان کو بیت اللہ کی تعمیر میں صرف کیا۔ (مروج الذهب جلد ۱ ص ۲۹۱) آپؐ زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ زبالہ اکل ایسی پڑھتے جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے (مسند درک عالم جلد ۳ ص ۵۴۹) رکوع و سجود میں ایک عجیب و غریب کیفیت اور استغراق ہوتا تھا۔ (اصابہ جلد ۳ ص ۷۷) اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۶۲) قیام میں ایک بے جان ستون معلوم ہوتے تھے (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۸۹) سنت کے بڑی سختی سے پابند تھے اور جرأت و حق گوئی کی اپنی مثال آپ تھے۔

حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد اسحاقؑ خالہ سیدہ عائشہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ سے مستفید ہوئے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی ۳۲ روایات مروی ہیں۔ تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۳) فقہ میں مدینہ کے صاحب علم و افتاء صحابہ میں سے شمار ہوتے تھے (اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۱۲)۔ سیدنا ابن عباسؓ ان کی قرأت کے معترف تھے۔  
(بخاری جلد ۲ ص ۶۴۴)۔



عفت و رضا کو جھوٹے الزامات سے داغدار کرنا ہے۔ اس لیے ہر وہ تاریخی روایت جو قرآن و سنت کی ان نصوص سے ٹکرائے گی، ناقابل اعتبار ٹھہرائی جائے گی اور ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ہوگی۔ چنانچہ قاضی ابوبکر بن العربیؒ ان تاریخی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں :-

والناس اذا لم يجدوا عيباً لاحد و غلبهم الحسد عليه  
وعداوتهم له احدثوا له عيوباً فاقبلوا الوصية ولا  
تلتفتوا الا الى ما صنع من الاخبار واجتنبوا —  
كما ذكرت لكم — اهل التواريخ، فانهم ذكروا  
عن السلف اخباراً صحيحة يسيرة ليتوسلوا  
بذلك الى رواية الا باطيل، فيقذفوا — كما قدمنا  
— في قلوب الناس ما لا يرضاه و ليتحصروا  
السلف ويهونوا الدين، وهو اعز من ذلك، وهم اكرم  
متافرضي الله عن جميعهم -

لوگ جب کسی میں کوئی عیب نہیں پاتے اور ان کو اس پر حسد اور عداوت ہوتی  
ہے تو اُس کے بارہ میں طرح طرح کے عیوب تراشتے رہتے ہیں۔ لہذا تم اس وصیت  
کو قبول کرو اور سوائے صحیح روایات کے اور کسی طرف توجہ نہ کرو۔ جیسا کہ میں نے  
تمہیں کہا ہے کہ اہل تاریخ سے کچھ کیوں کر اُن کا شیوہ ہے کہ وہ سلف کے بارہ  
میں پہلے چند صحیح روایات ذکر کرتے ہیں تاکہ اُن کی آڑ میں باطل اور غلط روایات  
کو فروغ دے سکیں یہ مؤرخین لوگوں کے قلوب میں ایسی باتیں ڈالنے کی کوشش  
کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اسلاف کی تزیل و تحقیر اور دین  
کی توہین کرتے ہیں حالانکہ دین اس سے بہت زیادہ عزت والا اور اسلاف اس  
سے کہیں زیادہ قابل احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔

(العوام من الفقہ ص ۲۳۳)

قاضی ابوبکر رحمہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

انما ذكرت لكم هذا التحذروا من الخلق وخاصة من  
المفسرين والمؤرخين واهل الادب بانهم اهل جهالة  
بحرمات الدين او على بدعة مصترين، فلاتبالموا بما رووا  
ولا تقبلوا رواية الا عن ائمة الحديث -

یہ باتیں میں نے اس لیے ذکر کی ہیں تاکہ تم لوگوں سے اعتراض کرو، بالخصوص مفسرین  
مؤرخین اور اہل ادب سے۔ یہ لوگ دین کی حرمتوں سے نا آشنا اور بدعات پر  
اصرار کرنے والے ہیں۔ لہذا ان کی بیان کردہ روایات کی بالکل پرواہ نہ کرو اور  
ائمہ حدیث کے سوا اور کسی شخص کی روایات کو سرگز قبول نہ کرو۔

(ایضاً ص ۲۴۷، ۲۴۸)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:-

قال العلماء الاحادیث الواردة في ظاهرها دخل على  
صحابي يجب تأويلها قالوا ولا يقع في روايات الثقات  
الا ما يمكن تأويله .

علامہ کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو اُس کی تاویل واجب  
اور ضروری ہے اور علمائے اسلام کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود

نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۷۸)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ بعض مصنفین کی کتابوں پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ان لوگوں کی بیان کردہ روایات تاریخ و سیر کی روایات کی قبیل اور جنس سے ہیں جن میں  
مرسل و مقطوع اور صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو صحابہ  
کرامؓ کے محامد و محاسن اور فضائل و مناقب جو کتاب و سنت اور روایات متواترہ  
سے ثابت ہیں، ان کا رد منقطع، محرف اور ایسی روایات سے جن سے یقینی اور قطعی  
روایات پر جرح و قدح نہیں ہو سکتی، نہیں ہو سکتا کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں  
ہو سکتا، ہمارا یقین ہے ان چیزوں پر جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع

سلف سے ثابت ہیں۔ نیز ان منقولات متواترہ کی دلائل عقلیہ سے بھی تائید و تصدیق  
اس طرح ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین مخلوق  
ہیں۔ لہذا ان کے بارہ میں مشکوک باتوں سے جرح و فذح نہیں ہو سکتی ہر جائیکہ  
باطل اور سراپا کذب روایات سے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۲۰۹)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تاریخ کی اسی قسم کی روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں۔  
”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیث صحیحہ  
ان کے متعلق وارد ہیں ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تاریخ کی روایات ان  
کے سامنے بیچ ہیں۔ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور احادیث صحیحہ میں  
تعارض واقع ہوگا۔ تو تاریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی  
شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں، مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کا دعا فرمانا: اللہم اجعلہ ہادیاً مہدیاً۔

(اے اللہ! تو معاویہؓ کو ہدایت یاب اور ہادی بنا دے) یا حضرت ابن عباسؓ  
کا ان کے تعلقہ کا اقرار کرنا وغیرہ، اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے  
خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط کی جائے گی۔ ہم قرطہ عقیدت  
اہل بیت میں آکر ان کے مقامات اور اُس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہو  
جاتے ہیں، مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں۔

(مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۲)

ایک اور مقام پر شیخ الاسلام مؤرخین کی روایات کا تار و پود ان الفاظ میں بکھیرتے ہیں۔  
”یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سرو پا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی  
توثیق و تخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر  
بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غفلت و غمہ  
سے ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہو یا ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید  
ہوں یا ابن سعد۔

”ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقیدہ اور نقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماڈل قرار دی جاتیں یہ جائیکہ روایات تاریخ“

مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۶۶

علامہ ابن کثیرؒ اس بارہ میں کتاب و سنت سے ثابت شدہ حقائق کے خلاف تاریخ کی روایت قابل قبول نہیں ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

”بہت سے مؤرخین جیسے ابن جریر طبری وغیرہ نے جو مہجول راویوں سے صحاح سے ثابت شدہ روایات کے خلاف جو روایات نقل کی ہیں، وہ تالکین کے منہ پر ماری بجائیں گی۔ صحابہؓ سے حسن ظن اس بات کا مقتضی ہے کہ ان روایات سے اور غبی الذہن قصہ خوانوں کی مخالفت کی جائے، جن کے نزدیک صحیح اور ضعیف مستقیم اور سقیم اور کمزور اور مضبوط کے درمیان کوئی امتیاز نہیں“

البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۴۱

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی ہر بات ہدایت پر مبنی اور موجب نجات اور حجت قاطعہ ہے اور سیدنا معاویہؓ چونکہ خلیفہ راشد ہیں، اس وجہ سے ان کا یہ فعل خلاف شریعت نہیں بلکہ شریعت کے عین مطابق اور اُمت کے لیے حجت ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلفائے راشدین کی اطاعت و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

من یعیش منکم بعدی فیسیر فی اختلافنا کثیراً فاعلیکم  
یستتی وستۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا  
وعضوا علیہا بالمتواخذ۔

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ سو تم پر لازم ہے کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔

ترنزی جلد ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، البداء و الجہد جلد ۲ ص ۲۷۹، مسند احمد

جلد ۲ ص ۲، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۹۵)

سیدنا معاویہؓ سے قبل پانچ خلفائے راشدین گزرے تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ اور سیدنا حسنؓ ابن علیؓ۔ ان پانچوں خلفاء کے تقرر میں الگ الگ طریقہ رہا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ کا تقرر ہنگامی حالات میں ہوا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ قریش کہہ رہے تھے :-

منا میکر و منکم امیر۔

ایک امیر ہم میں سے ہوا اور ایک آپ میں سے۔

بخاری جلد ۱ ص ۱، الامامہ والسیاستہ جلد ۱ ص ۱، العوام من القواہم ص ۴۷ تعلیقہ)

اسی ہنگامے میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ سنا تھا کہ پورے اجتماع نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کو سیدنا ابوبکرؓ نے نامزد فرمایا۔ چنانچہ اپنے وصیت نامہ میں لکھا :-  
انی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب۔

میں عمر بن الخطابؓ کو تم پر خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔

(الامامت والسیاستہ جلد ۱ ص ۱۹، العوام من القواہم ص ۵۱)

سیدنا عمرؓ جب زخمی ہوئے تو آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ بھی کسی کو نامزد فرما جائیں جس طرح صدیق اکبرؓ نے آپ کو نامزد فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :-  
کس کو جانشینی کے لیے منتخب کروں؟ اگر آج ابوعبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو ان کو جانشین مقرر کر جاتا۔ اگر میرا رب مجھ کو اس بارہ میں پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ میں نے تیرے رسول کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ ابوعبیدہؓ اس امت کے امین ہیں، یا اگر ابوحذیفہؓ کے مولیٰ سالمؓ زندہ ہوتے تو انہیں خلیفہ نامزد کر جاتا۔ اگر میرا رب اس بارہ میں مجھ سے پوچھتا تو کہہ دیتا کہ تیرے نبی کو فرماتے سنا تھا کہ

”سالم حق تعالیٰ سے بہت محبت رکھنے والے ہیں“ کسی نے کہا کہ اپنے فرزند عبد اللہ بن عمرؓ کو نامزد کر جائیں۔ فرمایا کہ میں ایسے شخص کو کیسے خلیفہ نامزد کر جاؤں جو اپنی عورت کو طلاق دینے میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ ہمیں تمہارے معاملات کی کوئی خواہش نہیں۔ میں نے اس کو کچھ اچھا نہیں پایا کہ اپنے گھر میں سے کسی اور کے لیے بھی اس کی تمنا اور خواہش کروں۔ اگر یہ حکومت کوئی اچھی چیز تھی تو اس کا مزہ ہم نے چکھ لیا اور اگر یہ کوئی بڑی چیز تھی تو عمرؓ کے خاندان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کل کو حق تعالیٰ کے سامنے صرف ایک ہی آدمی سے حساب لیا جائے۔ رطری جلد ۳ ص ۲۹۲، ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۵، الامامۃ والسیاستہ جلد ۱

ص ۲۳، منهاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۴۲، ۱۴۸

بعض روایات میں آپؐ نے معاذ بن جبلؓ اور خالد بن ولیدؓ کا بھی نام لیا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ نامزد کر جاتا۔ لیکن چونکہ آج وہ حضرات زندہ نہیں ہیں۔ لہذا میں ایسے چھ آدمیوں کو تم پر نامزد کر کے جاتا ہوں جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جاتے وقت راضی تھے۔

- |                             |                             |
|-----------------------------|-----------------------------|
| ۱۔ سیدنا عیسیٰ بن ابی طالبؓ | ۲۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ     |
| ۳۔ سیدنا زبیر بن العوامؓ    | ۴۔ سیدنا طلحہ بن عبد اللہؓ  |
| ۵۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ   | ۶۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ |

آپؐ نے فرمایا کہ خلیفہ ان چھ ہی میں سے ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ کے نزدیک خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز نہ تھی بلکہ آپؐ اسے اچھا سمجھتے تھے۔ اسی لیے تو فرمایا کہ آج اگر فلاں فلاں حضرات میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اُسے نامزد کر جاتا۔ اگر خلیفہ کی نامزدگی شرعی لحاظ سے ناجائز ہوتی تو سیدنا عمرؓ فاروقؓ جیسا انسان صاف اور واضح طور پر یہ کہہ دیتا کہ میں خلیفہ کیسے نامزد کر کے جاؤں جبکہ نامزدگی اسلام میں جائز ہی نہیں۔ لیکن آپؐ نے ایسا جواب نہیں دیا۔ بلکہ چھ آدمیوں کی ایک کونسل بنادی جو کہ دوسرے لفظوں میں ایک قسم کی نامزدگی ہی تھی، کیونکہ آپؐ نے شرط یہ لگا دی تھی کہ خلیفہ

چنانچہ انہی چھ میں سے سیدنا عثمانؓ کو اس کونسل نے خلیفہ مقرر کیا جس کو سیدنا عمرؓ نامزد کر گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں سیدنا عثمانؓ بھی سیدنا عمرؓ کے نامزد کردہ خلیفہ تھے۔ سیدنا عثمانؓ کی مطلوبہ شہادت کے بعد باغیوں کے گروہ کے لیڈر اشتر نخعی نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۶ گویا سیدنا علیؓ کی خلافت بھی درحقیقت ایک قسم کی نامزد خلافت تھی۔ کیونکہ اس میں نہ تو اربابِ حل و عقد سے کوئی مشورہ کیا گیا اور نہ ہی اربابِ حل و عقد نے آپ سے بیعت کی۔

۱۔ سیدنا علیؓ کی بیعت کے سلسلہ میں بہت لوگوں کو غلط فہمی سے وہ سمجھتے ہیں کہ شاید سیدنا علیؓ کی بیعت خلافت اربابِ حل و عقد کے باہمی مشورہ سے ہوئی تھی۔ حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اربابِ حل و عقد سے اس بارہ میں کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ باغیوں نے خود آپس ہی میں پلان بنا کر سیدنا علیؓ کو خلیفہ نامزد کر لیا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے المناک حادثہ کے بعد مسلمان تو اسی فکر میں تھے کہ اس ساری سازش کے پس منظر اور منتظر ہیں کون کون سے عناصر کام کر رہے ہیں۔ پورے شہر کے نظم و نسق پر عافقی بن حرب باغیوں کے سرخیل ہکا بقضہ تھا۔ باغی اس سے قبل کہ مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوں اور میراثین سیدنا عثمانؓ کی مطلوبہ شہادت کا انہیں مزہ چکھائیں۔ یہ چاہتے تھے کہ اپنی مرضی کے مطابق کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دیں۔ باغیوں میں مصر، کوفہ اور بصرہ کے لوگ شامل تھے اور تیغوں کے گروہ امر خلافت میں مختلف تھے۔ مصر کے باغی سیدنا علیؓ کو خلیفہ بنانے پر بضد تھے، کوفہ کے شریک سیدنا زبیر بن العوفؓ کو اور بصرہ کے باغی عناصر سیدنا طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، لیکن ان تینوں حضرات نے ان حالات میں خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ اور سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے بھی خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ ان سب حضرات کے انکار سے یہ لوگ بیحد پریشان ہوئے۔ یہ اس کام کو ناممکن اور ادھورا چھوڑ کر واپس نہیں جانا چاہتے تھے، کیونکہ اس میں ان کو اپنی عاقبت اور خیریت معلوم نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ سب پھر سیدنا علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصرار کیا کہ وہ منصب خلافت کو قبول فرمائیں۔ آپ انکار کر رہے تھے کہ باغیوں کے سرگروہ اشتر نخعی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت خلافت کر لی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

سیدنا علیؑ کی شہادت کے بعد سیدنا حسنؑ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صفحہ ۲۵)

جلد ۷ صفحہ ۳۲۳، جلد ۸ صفحہ ۱۴۹، ہیفتی جلد ۸ صفحہ ۱۴۹) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے فرما گئے تھے کہ میرے بعد حسنؑ کو خلیفہ بنانا۔ اب زمام خلافت سیدنا حسنؑ کے پاس آتی ہے اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ سیدنا حسنؑ خلیفہ راشد تھے اور خلیفہ راشد کا قول اور فعل حجت ہوتا ہے۔ اور شیعہ حضرات کے نزدیک تودہ ائمہ معصومین میں سے تھے جن کا ہر قول اصول اور ہر فعل خطہ سے متبرک ہوتا ہے۔ اب سیدنا حسنؑ نے خود اپنی مرضی سے سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) حالانکہ آپ کے تمام ماننے والوں اور اعران و انصار نے اس بارہ میں آپ کی شدید مخالفت کی۔ خود آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حسینؑ بن علیؑ نے بڑے سخت الفاظ میں آپ کے اس عمل کی مخالفت کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد اول صفحہ ۲۹۶ تا ۳۰۶) لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی اور خود خلافت سے دست بردار ہو کر سیدنا معاویہؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔ یہ بھی دراصل نامزدگی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نامزدگی جائز بلکہ مستحسن ہے۔

ان پانچ خلفائے راشدین کے عمل سے یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ اہل الحل والعقد کی باہمی مشاورت سے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس سلسلہ میں شورعی نہیں ہوئی اور نہ ہی ارباب حل و عقد نے کوئی فیصلہ کیا چنانچہ اشتر بنی اور اس کے ساتھی سیدنا علیؑ کی بیعت کر کے سیدنا طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے سیدنا علیؑ کی بیعت کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا شورعی نے جمع ہو کر سیدنا علیؑ کی بیعت کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کا یہ لوگ کوئی جواب نہ دے سکے۔ یہی وجہ تھی سیدنا علیؑ کی خلافت کی آئینی حیثیت آخر وقت تک زیر بحث رہی۔ اور مملکت اسلامیہ کے لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے سیدنا علیؑ کی بیعت نہ کی۔ اور بقول علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ صرف ایک شہر کے دس ہزار افراد نے سیدنا علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ صفحہ ۲۱۳)

شام کے پورے صوبے نے آپ کی بیعت سے انکار کیا تھا۔



۲۔ خلیفہ کی نامزدگی سے۔

اور ان دونوں طریقوں کا اسلام میں ایک ہی مقام ہے۔ یہ نہیں کہ نامزد خلیفہ کی حیثیت اسلام میں کم ہے اور شوریٰ سے منتخب شدہ خلیفہ کی زیادہ۔ اگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنے سے وہ صحیح خلیفہ ہو جاتے ہیں۔ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے سے پوری اُمت ان کو خلیفہ مان لیتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے سے یزید کو صحیح خلیفہ نہیں مانا جاتا بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اعتراضات و اہمیت کا ہدف بنایا جاتا ہے لیکن اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو بالکل نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام صوبوں سے ارباب حل و عقد کے یا بھی مشورہ سے اس کو ولی عہد مقرر فرمایا۔ ہو سکتا ہے ایک دو نے مخالفت بھی کی ہو (حالانکہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی) لیکن اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہل الحل و العقد کے بیعت نہ کرنے کے باوجود خلیفہ ہو سکتے ہیں۔ راز آلہ الخفاء جلد ۲ ص ۲۷۹) تو ایک دو حضرات کی مخالفت کے باوجود یزید خلیفہ کیوں نہیں ہو سکتے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ خلیفہ کے لیے اہلیت شرط ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل تھے اور یزید اہل نہیں تھا یہ اعتراض بھی سراسر غلط ہے۔ آخر اہلیت ہے کیا چیز؟ اہلیت نام ہے سیرت میں استقامت، شریعت کی حرمت اور اُس کے احکام پر عمل کرنے کا اور لوگوں کے مابین عدل و انصاف اور ان کی مصالح پر نگاہ رکھنے کا۔ اُن کے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے اور آفاق عالم میں ان کی دعوت کی نشر و اشاعت کرنے اور ان کے ساتھ انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے نرمی سے پیش آنے کا۔ اور اگر تاریخ کے اوراق پر گہری نگاہ ڈال جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب خوبیاں یزید میں رکھی ہوئی تھیں۔ بہادری میں ”فتی العرب“ عرب کا بہادر، کالقب حاصل کیا ہوا تھا (ہمٹری آف عربز از پروفیسر بیٹھی ص ۲۱۰) علم و فضل کا کوئی کمال ایسا نہیں تھا۔ جو ان کی ذات میں نہ ہو۔ نیکو کاری اتنی کہ سیدنا عید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی معترف ہیں۔ چنانچہ عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ

۱۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب قاصد سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ہم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے پاس گئے وہ بھی اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان بچھ چکا تھا، لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا۔

فَقُلْنَا لَهُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ جَاءَ الْبَرِيدُ بِمَوْتِ مُعَاوِيَةَ  
فَوَجَّحَ طَوِيلًا ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ أَوْسِعْ لِمُعَاوِيَةَ أَمَّا وَاللَّهِ  
مَا كَانَ مِثْلَ مَنْ قَبْلَهُ وَلَا يَأْتِي بَعْدَهُ مِثْلُهُ وَإِنَّ ابْنَهُ  
يَزِيدَ لَمِنْ صَالِحِي أَهْلِهَا فَالْزَمُوا مَجَالِسَكُمْ وَاعْطُوا  
طَاعَتَكُمْ وَبِيعْتَكُمْ۔

ہم نے ان سے کہا، اے ابن عباسؓ! قاصد معاویہؓ کے انتقال کی خبر لے کر آیا ہے اس پر وہ کافی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا، اے اللہ! معاویہؓ کے لیے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے، بخدا وہ پہلوں کی طرح نہیں تھے اور ان کے بعد ان جیسا کوئی نہیں آئے گا۔ اور بلاشبہ یزید ان کے خاندان کے صالحین میں سے ہے۔ لہذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت اُسے دے دو۔

رَأْسَابِ الْأَشْرَافِ بِلَا ذَرَى الْخَرْجِ وَالرَّابِعُ قِطْمُ ثَانِي ص ۲۱۳ (الامامة والسياسة جلد ۱ ص ۲۱۳)  
صاحب الامامة والسياسة نے سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں

۱۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کو یزید کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں تھا تبھی تو وہ لوگوں سے بھی کہتے تھے کہ تم یزید کی بیعت کر لو اور اس کی اطاعت سے اپنے دامن نہ کھینچو۔ اور وہ یزید کی صالحیت اور قابلیت بلکہ اہلیت کے بھی معترف تھے اور شاید اسی وجہ سے سیدنا ابن عباسؓ نے خود بھی ان کی بیعت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ ص ۲۵۴، ابن اثیر جلد ۴ ص ۵۰، البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۲۸) حالانکہ یہی ابن عباسؓ ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تو چونکہ حجاز و عراق میں ان کے متقدمین کی ایک کثیر تعداد تھی، اس لیے عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے بیعت کے لیے بے حد اصرار کیا اور بصورت انکار آگ میں جلادینے کی دھمکی دی لیکن آپ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۵)

نے سیدنا معاویہؓ کی وفات کی خبر سُن کر حسب ذیل الفاظ میں اظہارِ افسوس فرمایا :-  
 جبل تنزع ز ثمر مال بکل کله | ما والله ما کان کمین کان  
 قبلہ ولما یکن بعدہ مثله واللہ ان ابنہ لخیواہلہ -  
 وہ ایک پہاڑ تھا جو ہلا پھر سینے کے بل آ رہا۔ کیا واقعی ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے  
 پہلوں جیسا نہیں تھا اور اب تک ان کے بعد ان جیسا بھی کوئی نہیں ہوا -  
 بخدا! ان کا بیٹا (یزید) اُن کے گھرانے میں سب سے بہتر ہے -

(الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۲۱۳)

علم و فضل میں یہ مقام تھا کہ ایک مرتبہ ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ سیدنا حسنؓ  
 بن علیؓ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہؓ کے پاس گئے اور اس مجلس میں یزید بن معاویہؓ بھی آ  
 کر بیٹھ گئے۔ جب یزید اُٹھ کر چلے گئے تو سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا :-

اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس -  
 جب بنو حرب اُٹھ گئے تو لوگوں کے صاحبِ علم اُٹھ جائیں گے -  
 (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۸)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سنہ ۳۵ھ میں سیدنا علیؓ کے پاس ان کی شکایت کی گئی کہ انہوں نے بیت المال میں کچھ روپیہ  
 خُرُود بُر کیا ہے۔ آپ اس زمانہ میں سیدنا علیؓ کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔ سیدنا علیؓ نے اس شکایت  
 کو نبولے کی شکایت پر اعتماد کرتے ہوئے سیدنا عبد اللہ سے جواب طلبی کی اور لکھا کہ :-

”مجھے بتلاؤ کہ تم نے کس قدر جزیرہ اکٹھا کیا ہے اور کہاں کہاں خرچ کیا ہے“  
 آپ کو اس بات پر بہت غصہ آیا کہ امیر المومنینؓ نے میری دیانت اور امانت کو مشکوک سمجھا  
 ہے۔ چنانچہ آپ نے بصرہ کی گورنری سے استعفیٰ دیدیا اور مکہ المکرمہ تشریف لے گئے -

(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۴، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۳۲۲)

گویا ایسے قناط آدمی کا یزید کی بیعت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دینا یزید کی اہلیت کے لیے ایک  
 محنتِ قاطعہ ہے -

اتباع سنت اور نیکی کی لگن اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی پر سیدنا حسینؑ کے بھائی اور سیدنا علیؑ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہؑ کی گواہی کافی ہے۔ جب عبداللہ بن الزبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن الحنفیہؑ کی خدمت میں آئے

اے محمد بن حنفیہؑ سیدنا علیؑ کے صاحبزادے تھے اور سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام تولد تھا جو بنی حنفیہ کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کے آخر میں پیدا ہوئے یعنی سنہ ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں۔ (ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۵) آپ نہایت بہادر اور شجاع تھے، چنانچہ جنگ جمل میں جب کہ اُن کی عمر پندرہ سولہ سال تھی، علوی فوج کے علمبردار تھے اور جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے جس سے سیدنا علیؑ نہایت متاثر ہوئے۔ جنگ صفین میں بھی آپ شروع سے لے کر آخر تک اپنے والدِ محرم کے ساتھ تھے۔ اور کئی نازک موقعوں پر سیدنا علیؑ کی حفاظت کی۔ (اخبار الطوال ص ۱۸۴)

سیدنا علیؑ نے اپنی شہادت کے وقت اپنے دونوں بیٹوں سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کو ان کے بارہ میں خاص وصیت فرمائی کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کی مانند ہیں اور تمہارے والد کے بیٹے ہیں۔ لہذا ان کو ہمیشہ یاد رکھنا کیونکہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے۔ اسی طرح کی وصیت ان کو بھی فرمائی کہ ان دونوں بھائیوں کی عزت و توقیر کرنا ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ (ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۹) سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ نے باپ کی اس وصیت پر پورا پورا عمل فرمایا اور ہر موقع پر محمد بن حنفیہؑ سے شفقت آمیز سلوک کیا۔ سیدنا حسنؑ نے اپنے انتقال کے موقع پر سیدنا حسینؑ سے فرمایا کہ میں تمہیں محمد بن حنفیہؑ کے بارہ میں حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چڑھے کی طرح عزیز ہیں پھر سیدنا محمد بن حنفیہؑ سے فرمایا کہ تم کو بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت اپنے بھائی حسینؑ کی مدد کرنا۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۵)

سیدنا محمد بن حنفیہؑ نے سیدنا علیؑ اور سیدنا حسنؑ کی ان وصیتوں پر دل و جان سے عمل کیا اور ہر نازک موقع پر ایک مخلص اور نگہ سار بھائی کی طرح اُن کی مدد بھی کی اور مفید مشورے بھی دیے۔ سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بھی آپ نے سیدنا حسینؑ کو بڑے مفید

اور ان کو زید کی بیعت توڑنے کو کہا تو سیدنا محمد بن الحنفیہؓ نے اُن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ حضرت آپ اس کی بیعت کہوں نہیں توڑتے، حالانکہ زید

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشورے دیئے۔ کچھ مشوروں پر سیدنا حسینؓ نے عمل بھی کیا، لیکن کوتاہ جانے کے معاملہ میں محمد بن الحنفیہؓ نے اپنے بھائی سے اختلاف کیا۔ اس معاملہ میں آپ اکیلے نہ تھے بلکہ سیدنا علیؓ کے پندرہ صاحبزادوں میں سے جو اس وقت زندہ تھے گیارہ نے آپ کے ساتھ کوتاہ جانے سے انکار کر دیا۔ ان میں ایک محمد بن الحنفیہؓ بھی تھے۔ سیدنا حسینؓ انکے علم و فضل اور شجاعت و بہادری کے بہت قائل تھے۔ لہذا آپ نے ان پر ساتھ چلنے کے لیے بہت زور ڈالا اور یہاں تک کہ اگر آپ ساتھ نہیں چلتے تو اپنے بچوں ہی کو میرے ساتھ چلنے کی اجازت دیں، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا و معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیدنا حسینؓ کے اس موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۶۵)

امیر زید کے عہد خلافت میں آپ نے ان کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی ہوئی تھی جس طرح عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے کی تھی۔ اور سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد جب عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے لوگوں کو زید کے خلاف بغاوت پر اُکسایا تو انہوں نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے محمد بن حنفیہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کو اپنی بیعت کے بارے میں بہت زور دیا لیکن تینوں حضرات نے ان کی بیعت نہ کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کے بعد جب عبدالملک بن مروانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حجاج بن یوسف کے ہاتھ پر اُن کی بیعت کی اور عبدالملک کو ایک خط اس بارہ میں تحریر فرمایا :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم و محمد بن علیؓ کی جانب سے عبدالملک بن مروان خدا کے بندے کی طرف :-

اما بعد ! اس وقت جب اُمت میں خلیفہ کے بارہ میں اختلاف رونما تھا تو میں لوگوں سے کنارہ کش رہا اب جب کہ خلافت آپ کو مل گئی ہے اور تمام مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوتا ہوں اور اس بھلائی اور نیکی کے کام میں جس میں سب مسلمان داخل ہوئے ہیں میں بھی داخل ہوتا ہوں میں نے حجاج کے ہاتھوں پر آپ کی بیعت کر لی ہے اور اب یہ تحریر بیعت آپ کو بھیج رہا ہوں کیوں کہ

شراب پیتا ہے۔ نماز کا تارک ہے اور کتاب اللہ کے احکام کو توڑتا ہے۔ اس کے جواب میں سیدنا حسینؑ کے بھائی اور سیدنا علیؑ کے صاحبزادے سیدنا محمد بن الحنفیہؑ نے فرمایا :-

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے۔  
(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۲)

اس کے جواب میں عبد الملک نے بہت محبت آمیز خط لکھا اور یقین دلایا کہ جب تک زندہ رہوں گا آپ کی عزیز داری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی اعانت و امداد سے کبھی دست کش نہیں ہوں گا۔ چند سالوں کے بعد آپ امیر المومنین عبد الملک کے پاس گئے۔ عبد الملک نے نہایت تپاک اور خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا اور اُن کی بہت پذیرائی کی۔ آپ نے وہاں ایک ماہ سے زیادہ قیام فرمایا۔ ایک دن خلوت میں عبد الملک سے اپنے قرض کا تذکرہ کیا۔ عبد الملک نے ادائیگی کا وعدہ کیا۔ بعد میں آپ نے اپنی کچھ اور ضروریات بھی پیش کیں اور ان کے ساتھ اپنی اولاد، اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے مخالف مقرر کئے جانے کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ بعد میں آپ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۸۳) یہاں ۸۱ سنہ میں آپ نے وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

آپ علم و فضل میں ایک بلند مقام کے مالک تھے۔ علامہ ابن حبان قریظی نے اس کو وہ اپنے خاندان میں ناضل ترین آدمی تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۵)۔ علامہ خیر الدین زریں کلی نے ان کا اپنا ایک قول نقل کیا ہے کہ :-

الحسن والحسين افضل مني وانا اعلم منهما -  
حسن اور حسین مجھ سے افضل ہیں لیکن علم میں میں ان دونوں سے زیادہ ہوں۔  
(الاعلام جلد ۷ ص ۱۸۲)

صاحب عمدہ المطالب فرماتے ہیں :-

كان محمد بن الحنفية احداً جال الدهر في العلم  
والزهد والعبادة والشجاعة وهو افضل ولد علي بن

مَا رَأَيْتَ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ وَقَدْ حَضَرْتَهُ وَاقَمْتِ  
عِنْدَهُ فَوَافَيْتَهُ مَوَاطِبًا عَلَى الصَّلَاةِ مَتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ لَيْسَالِ  
عَنِ الْفَقْهِهِ مَلَانِمًا لِلْسُنَةِ -

جو کچھ تم کہتے ہو وہ باتیں ہیں بیزید میں نہیں دیکھتا۔ میں وہاں اقامت پذیر رہا  
ہوں۔ میں نے اس کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیکی کا متلاشی، دینی مسائل پر  
گفتگو کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر پابندی سے  
عمل کرنے والا دیکھا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۳۲، ۲۳۳)

عبد اللہ بن مطیع اور اُن کے ساتھی کہنے لگے، حضرت! وہ یہ سب کچھ آپ کو دکھانے  
کے لیے کرتا ہو گا۔ آپ نے فرمایا۔ اُسے مجھ سے کیا خوف اور لالچ تھا جو میرے سامنے اس طرح  
کرتا تم جو اُس کی شراب نوشی کی بات کرتے ہو کیا اُس نے تمہیں دکھا کر پی تھی۔ اگر تمہیں دیکھا کر  
پی تو تم بھی اس گناہ میں اُس کے ساتھ شریک ہو۔ اور اگر تمہیں دکھا کر نہیں پی تھی تو جس شی کا ہمیں  
علم نہیں اُس کے متعلق تمہیں شہادت دینی جائز نہیں۔ وہ بولے حضرت! اگرچہ ہم نے اس

حاشیہ صفحہ گذشتہ) ابی طالب بعد الحسن والحسین -

محمد بن الحنفیہؓ علم زہد، عبادت اور شجاعت و بہادری میں اپنے زمانے میں ایک بلند  
ترین شخصیت تھے اور سیدنا علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے حسنؓ اور حسینؓ کے بعد

سب سے افضل تھے۔ (عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۵۲)

اسی طرح کے تعریفی کلمات قاضی نور اللہ شومتری نے مجالس المؤمنین میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں سیدنا علیؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، سیدنا عمارؓ  
بن یامرؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا ابن عباسؓ وغیرہم سے استفادہ کیا تھا۔ بعض محدثین کے  
نزدیک سیدنا علیؓ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۵۴)

کو شراب پیتے نہیں دیکھا لیکن یہ بات ہے سچی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ شہادت دیں والوں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتا۔ وہ تو فرماتا ہے **إِلَّا هُنَّ شَهِيدَاتُ بَاطِلٍ وَهُنَّ كَذَّابَاتٌ** (ہاں جو گواہی دیں علم و یقین کے ساتھ وہی الزخرف: ۸۶) اور میں تمہاری کسی بات میں تمہارا شریک نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا، شاید آپ اس کو ناپسند فرماتے ہیں کہ حکومت کسی اور کو ملے تو آئیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہارے مقصد کے لیے جنگ کرنا جائز ہی نہیں سمجھتا نہ کسی کا تابع ہو کر اور نہ کسی کا متبوع ہو کر وہ کہنے لگے۔ آپ اس سے قبل اپنے والد کے ساتھ مل کر جو جنگ کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میرے باپ جیسا کوئی شخص اور جن سے انہوں نے جنگ کی تھی، ان جیسے لوگ تو لڑا دکھاؤ۔ پھر میں بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کروں گا، وہ بولے اگر آپ شریک جنگ نہیں ہونا چاہتے تو اپنے دونوں صاحبزادوں ابوالقاسم اور قاسم ہی کو حکم فرمادیں کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر جنگ کریں آپ نے جو اب فرمایا اگر انہیں حکم دوں تو یہ بھی تو خود جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا تو پھر ہمارے ساتھ مل کر دوسروں کو جنگ و قتال پر آمادہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا بھان! اللہ! کیا میں لوگوں کو اس چیز کا حکم دوں جس کو نہ میں خود کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی پسند کرتا ہوں اس طرح تو میں اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے والا نہیں ہوں گا۔ وہ بولے، ہم آپ کو مجبور کر رہے گے۔ آپ نے فرمایا ”پھر میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دوں گا اور کہوں گا کہ لوگو! اللہ کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے

رتاریخ الاسلام للذہبی جلد ۳ ص ۱۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۳۳، ۲۱۸

انساب الاشراف جلد ۳ ص ۱۱۱

محمد بن الحنفیہؒ خاندان اہل بیت کے ایک ممتاز فرد کی یہ شہادت یزید کی زندگی کے تمام گوشوں کو اجاگر کر دیتی ہے اور یہ واقعہ ہے بھی واقعہ کربلا کے بعد کا۔ جو اس بات پر شاہد بنا طعن ہے کہ یزید بن معاویہؒ کی اپنے معاصرین کے قلوب میں کس قدر محبت و عظمت تھی اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے واقعہ کربلا میں یزید کا کوئی دخل نہیں تھا وگرنہ سیدنا حسینؑ کے بھائی محمد بن الحنفیہؒ یزید کے خلاف کربلا میں کو یہ جواب نہ دیتے۔



اسی قسم کا ایک اور واقعہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا صحیح مسلم جیسی معتبر کتاب میں درج ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا عمر بن الخطابؓ کے صاحبزادے تھے۔ غزوہ اُحد میں جو سترہ سال کے تھے، ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ جب سیدنا عمرؓ مشرف باسلام ہوئے اُس وقت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ گویا بچپن ہی سے اسلامی ماحول میں پرورش پائی۔ سب سے پہلے جنگ خندق میں شریک جہاد ہونے کی اجازت ملی کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ غزوہ بدر اور غزوہ اُحد میں کم سن ہونے کی وجہ سے شرکت کی اجازت بارگاہ رسالت سے نہ مل سکی۔ بیعتِ اوضوان اور فتح مکہ میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا اور فتح مکہ کے روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰ غزوہ خنین، محاصرہ طائف، حجة الوداع، غزوہ تبوک وغرضیکہ ہر معرکہ میں شرکت فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پابرجا رہے۔ عہد فاروقی میں بھی کافی جنگوں میں شرکت فرمائی۔ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں بھی جہاد فی سبیل اللہ میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض لوگوں نے درخواست کی کہ آپ امیر امیر ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۱۱۔ سیدنا علیؓ کی خلافت میں آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ جب تک کسی شخص پر لوگوں کا اجماع نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہیے۔ فتح الباری جلد ۵ ص ۱۰۰ سیدنا معاویہؓ جب اکسنتہ میں خلیفہ ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی کیونکہ سب لوگوں نے بلا اختلاف ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ بعد میں یزید کی خلافت کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت فرمائی کیونکہ آپ نے فرمایا تھا:۔

ان اجمع الناس علی بیعتہ بالاعتہ۔

اگر لوگ اُس کی بیعت پر اکٹھے ہو جائیں گے تو میں بھی اُس (یزید) کی بیعت کر لوں گا

(الفتح شدی جلد ۱ ص ۱۰۰)

چنانچہ جب جمہور نے یزید کی بیعت کر لی تو آپ نے بھی بیعت کر لی۔ یزید کی وفات کے

کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نیز یدین معاویہؓ کی بیعت میں کس قدر مخلص اور اس کی بیعت توڑنے والوں کے کس قدر مخالف تھے۔ مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مطیع اور عبداللہ بن حنظلہؓ نیز ید کے خلاف بغاوت کرتے والوں کی قیادت کر رہے تھے۔ سیدنا عبداللہؓ کو جب اس بات کا پتہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعد عبداللہ بن عمرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ عراق، حجاز اور یمن کے لوگوں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ان کے دعوئے خلافت کو باز بیچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ رطبقات ابن سعدؒ مآل تذکرہ ابن عمرؓ مروانؓ کے بعد جب عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوا تو سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اُن کے پاس تحریری بیعت نامہ بھیج دیا جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ بخاری جلد ۲ (۲۶۹) آپ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک خاص عقیدت اور محبت تھی۔ فاروق اعظمؓ کی تعلیم و تربیت اور دین کیلئے خود ان کی اپنی کرد و کاوش نے اُن کو قرآن، حدیث، تفسیر و فقیہ میں مجربے پایاں بنا دیا تھا۔ آپ علم و عمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۵)۔

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ کچھ بدل گیا، مگر عمرؓ اور ان کے فرزند اور جند عبداللہؓ ذرہ برابر نہیں بدلے۔ چنانچہ آپ کے خادم اور شاگرد تاق فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس زمانہ میں عبداللہ بن عمرؓ نہ ہوتے تو ان کو آثار نبویؐ کی اس شدت پیروی اور اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم ہی کہتے کہ یہ مجنون ہیں (ابن سعد جلد ۱ ص ۱۶۷)۔

۸۴ھ میں ۸ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ مختلف روایات میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی وفات کا سبب حجاج بن یوسف بنایلیکی یہ سب روایتیں پایہ ثقاہت سے گری ہوئی ہیں۔ آپ کو مدینہ طیبہ میں وفات پانے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ جب آپ کی حالت خراب ہو گئی تو دو عاقر مانے تھے کہ خدا یا! مجھ کو مکہ میں نہ موت دے۔ (ابن سعد جلد ۱ ص ۱۳۶) اور اپنے صاحبزادہ سالم کو وصیت کی کہ اگر میں مکہ ہی میں انتقال کر جاؤں تو مجھے حدود حرم سے باہر دفن کرنا کیونکہ جو عمر زمین سے ہجرت کی ہے پھر اسی میں دفن ہونے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ چند روز کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ ”حجاج نے نماز جنازہ پڑھاٹی اور ”فتح“ کے قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

رضی اللہ عنہ۔

چلا تو آپ فوراً بعد اللہ بن مطیع کے پاس گئے وہ انہیں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے  
 ابو عبد الرحمن (سیدنا ابن عمرؓ) کی کنیت کے لیے مسند بچھاؤ۔ آپ نے فرمایا میں آپ کے  
 پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ ایک حدیث سنانے کے لیے آیا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ حدیث بیان فرمائی :-

يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدَهُ مِنْ طَاعَةِ لِقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَاحِجَةً لَهُ وَمِنْ  
 مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص عہد طاعت کو  
 توڑ دے، وہ قیامت کے روز اللہ رب العزت سے اس حال میں ملے گا کہ اُس  
 کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مر گیا کہ اُس کی گردن میں  
 کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا“

(صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۳۶)

صحیح بخاری میں بھی اسی قسم کی ایک روایت سیدنا بعد اللہ بن عمرؓ کے بارہ میں مروی  
 ہے۔ کہ عبد اللہ بن زبیرؓ کے کہنے پر جب مدینہ کے لوگوں نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ  
 دی تو اس وقت سیدنا بعد اللہ بن عمرؓ نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے اس اقدام  
 کی شدید مخالفت کی اور آپ نے اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ  
 جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ :-

يَنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاقِدٌ بَايَعَنَا هَذَا  
 الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاقِي لَا أَعْلَمُ غَدِرًا أَكْثَرَ مِنْ  
 أَنْ يَبَايِعَ رَجُلًا عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يَنْصَبُ لَهُ الْقِتَالَ  
 وَاقِي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مَنَكُمُ خَلَعَهُ وَلَا تَابِعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا  
 كَانَتْ الْفَيْصَلُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ۔

قیامت کے روز ہر عہد توڑنے والے کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے  
 گا۔ ہم نے اس شخص (یزید بن معاویہؓ) کی بیعت اللہ اور اس کے رسولؐ کے

نام پر کی ہے اور میں اس سے زیادہ بد عمدی اور کوئی نہیں سمجھتا کہ ایک شخص اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کسی کی بیعت کرے اور پھر اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ اور سنا اگر مجھے تم میں سے کسی کے بارہ میں بہتہ چلا کہ اُس نے اس (یزید) کی بیعت توڑ دی ہے یا بیعت توڑنے والوں کے پیچھے لگ گیا ہے تو میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳)

اُس زمانہ میں یہ معاملہ صرف عبد اللہ بن عمرؓ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ اہل بیت النبوة کے تمام لوگ یزید کی بیعت پر قائم رہے اور بیعت توڑنے والوں کی برابر مخالفت کرتے رہے چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

كان عبد الله بن عمر بن الخطاب وجماعات اهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع احداً بعد بيععة ليزيد..... ولم يخرج احد من آل ابي طالب ولا بنى عبد المطلب ايام الحرة -

سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور اہل بیت نبوة ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت کو تمیز توڑا تھا اور یزید کی بیعت کے بعد کسی کی بیعت کی۔ آل ابی طالب (سیدنا علیؓ کا خاندان) اور نہ ہی بنو عبد المطلب میں سے کسی نے ایامِ حرہ میں یزید کے خلاف خروج کیا۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۳۲، ۲۳۳)

۱۔ ان سب روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے یزید کی بیعت کی ہوئی تھی اور یہ بیعت جبری بیعت نہیں تھی بلکہ یزید کو صحیح معنوں میں امیر المؤمنین سمجھ کر بیعت کی گئی تھی یہ وجہ تھی کہ جب ایامِ حرہ میں کچھ لوگوں نے عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھیوں کے ورغلانے پر یزید کی بیعت توڑی تو سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ اور خاندان ابی طالب، بنو عبد المطلب اور خاندان نبوت کے دوسرے افراد نے لوگوں کی بیعت توڑنے سے روکا بھی اور خود بھی اس بیعت پر قائم رہے حالانکہ اُس

ان روایات کے علاوہ تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ہر قابل تعریف خصلت یزید میں پائی جاتی تھی، شجاعت، جانبازی، حسن المعاشرت، نظم مملکت میں صاحب الرائے غرض کہ علم و عمل کی ہر خوبی اس کی ذات میں پائی جاتی تھی۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ ص ۹۳)

اگر یہ سب صفات و خصائل پائے جانے کے باوجود بھی یزید اہلیت سے محروم تھا تو پھر میں کہوں گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہ تھی۔ لیکن صحیح اور درست بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس میں یزید سے زیادہ کاروبار حکومت چلانے کی اہلیت ہو اس لیے کہ اس وقت صحابیہ یا ان کی اولاد میں جتنے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبار مملکت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید بن معاویہؓ ماہر تھے۔ مورخین کے بیان کے مطابق متواتر سات سال تک باز تلپنی حکومت کے خلاف بحری و بری سرگرمیوں میں آپ نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ کریم النفس، حلیم الطبع، انتظامی امور میں فکری اور ذہنی خوبیوں کے حامل غرضیکہ ایک حکومت کو چلانے کے لیے ایک شخص میں جس قدر خوبیاں اور صفات ہونی چاہئیں وہ سب یزید بن معاویہؓ میں موجود تھیں۔ خاندانی تجارت، ذہنی اور عملی شرافت

حاشیہ صفحہ گزشتہ) وقت اُن کے لیے بیعت توڑنے کا سنہری موقع تھا۔ لیکن انہوں نے دلی غلوں سے بچنے کی بیعت کی ہوئی تھی لہذا شدت سے لوگوں کو یزید کی بیعت توڑنے سے روکا خود سیدنا حسینؑ بھی یزید کی بیعت کرنے پر مضامند ہو گئے تھے جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اور شیعی عالم علامہ شریف المرقفیؒ نے لکھا ہے کہ میدان کربلا میں سیدنا حسینؑ نے عمرو بن سعد کے سامنے جو تین شرائط پیش کی تھیں اُن میں سے ایک شرط یہ تھی کہ:-

ادان اضع یدی علی ید یزید فہو ابن عمی لیرئی فی رایہ۔

یا میری یہ شرط قبول کر لو کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیتا ہوں جو کہ میرا چچا زاد

بھائی ہے وہ میرے بارہ میں اپنی رائے خود قائم کرے گا۔ (کتاب الشافی ص ۱۷۴)

ان واقعات کی تفصیل کے لیے میری کتاب ”واقعہ کربلا کے اسباب و عوامل“ کا مطالعہ کریں۔

آپ کی خاص صفات میں سے تھیں وہ ماں کے پیٹ ہی سے چاندی کا چھپے پیدا ہوئے  
آنکھ کھولی ہی تھی تو باپ کو شام جیسے برصہ اور متحدہ صوبے کا والی اور گورنر پایا۔ خود  
باپ میں سیادت اور قیادت کی صفات سیدنا عمر الفاروقؓ سے بھی زیادہ تھیں۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۵)

باپ نے حسن تربیت سے وہ ساری خوبیاں بیٹے میں پیدا کیں لیکن اور صحابہؓ امدان کے  
ماہر تھے جو اس زمانہ میں موجود تھے۔ ان میں سیادت اور قیادت کی اس قدر خوبیاں  
جمع نہیں تھیں۔ حکومت کے لیے زہد و انفاق کی اتنی ضرورت نہیں اگرچہ خلیفہ وقت  
میں زہد و انفاق کا پایا جاتا بھی ضروری ہے (جتنی انتظامیہ امور میں صلاحیت اور عزم و شجاعت  
داناں دھمکت کی ضرورت اور اہلیت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ اُمت میں سیدنا عمر الفاروقؓ  
سے زیادہ زہدان، شب زندہ دار، صالح، المرہر اور سنت نبویؐ کے متبع موجود تھے، لیکن  
کاروبار حکومت چلانے کے لیے جو خوبیاں اللہ رب العزت نے ان میں ودیعت فرمائی  
تھیں، وہ نہ تو ابوذر غفاریؓ جیسے زہد، شب زندہ دار میں تھیں اور نہ ابن عمرؓ جیسے متبع  
سنت میں، نہ ابن عباسؓ جیسے ترجمان القرآن میں اور نہ قرآن کو بہترین انداز میں پڑھنے  
والے ابی بن کعبؓ میں۔ نہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے ”ایمن الامۃ“ اور خالد بن ولیدؓ جیسے  
”سیف من سیوف اللہ“ میں تھیں۔ کاروبار حکومت میں ”اشد فی امر اللہ“ کی ضرورت  
ہے۔ خود سیدنا معاویہؓ کے زمانہ میں آپ سے زیادہ افضل صحابہؓ موجود تھے، لیکن کاروبار  
حکومت چلانے کے لیے جن صفات کی ضرورت تھی وہ اور کسی میں نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ  
جب سیدنا حسنؓ نے کاروبار حکومت ان کے سپرد کیا تو تمام صحابہؓ نے جن میں عشرہ مبشرہ  
کے لوگ بھی شامل تھے اور بیعت عقبہ اور بیعت رضوان کے سند یافتہ بھی بے چون و چرا  
ان کی بیعت فرمائی، اور کسی نے ان پر معمولی سا اعتراض بھی نہ کیا۔ خود سیدنا معاویہؓ نے اپنی  
اس حیثیت کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا بلکہ دوسرے لفظوں میں آپ نے خلیفہ کی صفات  
ضروریہ کا اظہار فرمایا آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا أَنَا بِخَيْرٍ كَمَا وَأَنْتُمْ لِمَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي

عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عمرو و غیرہما من  
الافاضل ولكن عسى ان اكون انفع لكم ولايةً وانكالم  
في عدوكم وادراكم حلياً۔

اے لوگو! میں تم میں سے سب سے بہتر نہیں ہوں بلکہ تم میں عبداللہ بن عمرؓ اور  
عبداللہ بن عمرؓ جیسے کئی حضرات مجھ سے افضل ہیں، لیکن امید ہے کہ میں حکومت  
چلانے کے اعتبار سے ان سب سے زیادہ تمہارے لیے سودمند ثابت ہوں گا اور  
تمہارے دشمنوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ اور مالی لحاظ سے زیادہ نفع بخش  
ثابت ہوں گا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۲)

معلوم ہوا کہ حکومت چلانے کے لیے الگ صفات میں جو بعض دفعہ بڑے بڑے صاحب  
نقوی بزرگوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ کا زہد و تقویٰ میں کس قدر بلند مقام  
ہے کہ خود جناب رسالہ صلی اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والتحمیات ارشاد فرماتے ہیں کہ ”میری امت  
میں ابوذر غفاریؓ میں عیسیٰ ابن مریمؑ جیسا نہ ہے۔“ (اسد الغابہ جلد ۸ ص ۱۸۷) اور یہ زہد کوئی  
چند روزہ نہیں تھا بلکہ شروع سے اخیر تک ایک ہی طرح کا رہا (اصابہ جلد ۲ ص ۶۲) نہ  
جاہلیت ہی میں بتوں کی پوجا سے میزار تھے، خدا پرست تھے، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب  
پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اطلاع دی ان کے الفاظ یہ تھے کہ  
”ابوذر! امکہ میں ایک شخص تمہاری طرح لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔“

(لبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۱۶۳)

علم کا یہ حال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ علم و عمل کے مجمع البحرین آپ کے بارہ میں فرمایا  
کرتے تھے کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے  
اور اس ہتھیل کو اس طرح سے بند کر دیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا۔

(استیعاب جلد ۲ ص ۶۶۵)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے امر اللہ آپ کے متعلق فرماتے تھے کہ ”ابوذرؓ کا علم عبداللہ  
بن مسعودؓ کے برابر ہے۔“ (تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۱۵)

اور وہ خود اپنے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر شی کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کرتا تھا حتیٰ کہ کتلی کے متعلق بھی پوچھتا تھا۔

(مسند احمد جلد ۵ ص ۱۶۳)

لیکن یہی ابوذرؓ ایک مرتبہ امارت کی خواہش کرتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں ”ابوذر! امارت کا بار بہت بھاری ہے اور تم کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے اس بار کے متحمل نہیں ہو سکتے جس سے قیامت کے روز سوائے ندامت اور ذلت کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔“

(طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۶۳)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”ابوذر! اگر دو آدمیوں پر بھی تمہیں امیر مقرر کیا جائے تو اُسے قبول نہ کرنا۔“

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ یزید اگر چہ زہد و انقیاد میں سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، سیدنا حسینؓ ابن علیؓ اور سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہم سے کم تھا، لیکن حکمرانی اور جہان بینی کے کمالات اس میں دوسروں کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہی تھے۔ کیونکہ سچین ہی سے امارت اور قیادت کے سائے میں تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ اور کئی سال تک تجرباتی میدان میں بھی سرگرم عمل رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ولی عہدی کے لیے ان کا نام تجویز کیا گیا تو سب نے بلا اختلاف اُس کو قبول کر لیا۔ اور صحابہؓ کی کثیر تعداد نے جو حجاز، شام، بصرہ اور کوفہ میں تھے نہ از خود یزید کے خلاف خروج کیا اور نہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ حالانکہ اس زمانہ میں اور صحابہؓ کو چھوڑ کر خود اہل بیت نبوت کے گھر کے کئی لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی زیارت کی تھی، لیکن سیدنا

---

یزید بن معاویہؓ کی ولی عہدی کے بالاتفاق منعقد ہونے کے بارہ میں علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں :-

”یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو وہ ابن زبیرؓ تھے

اور اجماع اور اتفاق کے مقابلہ میں شاید ذرا اختلاف کو کوئی وقعت نہیں ہوتی۔“

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۳۱۔)



حسینؑ کا کسی نے ساتھ نہ دیا نہ ہی آپ کے چچا عبداللہ بن عباسؓ نے اور نہ ہی آپ کے بھائی محمد بن الحنفیہؓ نے اور نہ ہی دیگر دس بھائیوں نے چنانچہ ”اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء میں لکھا ہے۔  
وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابة بالحجاز  
والشام والبصرة والكوفة ومصر وکلهم لم یخرج علی  
یزید ولا وحده ولا مع الحسین۔

اس زمانہ میں کثیر المتعداد صحابہؓ، حجاز، کوفہ، بصرہ اور مصر میں موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی یزید بن معاویہؓ کے خلاف خروج نہ کیا نہ تو از خود اور نہ سیدنا حسینؓ کی معیت میں۔ (اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء ص ۱۴)

ہاں اس زمانہ میں ایک صحابی ایسے تھے جو جہانباں اور امور مملکت کے اصولوں سے بخوبی واقف اور آشنا تھے۔ وہ تھے فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، لیکن وہ ان دنوں

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ رشتہ میں آپ کے ماموں تھے جن کا اقرار کئی دفعہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا تھا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱) اسلام میں قریباً آٹھویں مسلمان ہیں ابتداء اسلام میں جب کہ وہ چند صحابیؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں مصروف عبادت تھے، ایک کافر نے اسلام کا مذاق اڑایا۔ آپ کو جوش آگیا اور اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اُس بے ایمان کے سر پر ماری اور اُس کا سر پھاڑ دیا۔ اسلام کی حمایت میں یہ پہلی خونریزی تھی جو سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۲۹۱) غزوہ بدر سے لے کر فتح مکہ تک، تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ غزوہ احد میں جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے زعم میں آگئے تو آپ اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر سیدنا سعدؓ کو دیتے اور فرماتے ”یا سعد ارم نذاک ابی واقتی“ (اے سعد! تیر جلا میرے مال باپ تجھ پر قربان ہوں) فتح مکہ کے بعد غزوہ طائف اور تبوک میں بھی شرکت فرمائی۔ حجتہ الوداع کے موقع پر مکہ میں بیمار ہو گئے۔ آپ عبادت کے لیے تشریف لائے۔ دیکھا کہ دُور ہے ہیں۔ پوچھا سعدؓ! کیوں روتے ہو۔ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس سرزمین کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چھوڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہوگی۔ آپ نے صحت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی

اپنی زندگی کی بالکل آخری منزلوں میں تھے اور سیاسی دنیا سے ریٹائرڈ ہو کر بالکل گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ لہذا ان کی نامزدگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

(عاشیہ صغیر گزشتہ) بشارت کے طور پر پایا اسے سعدؓ اتم اس وقت تک ہرگز نہیں مروئے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری کو نفع نہ پہنچے (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ) یہ پیش گوئی آپ کے حق میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ عجمی اقوام کو آپ کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا اور ملت اسلام مستفید ہوئی۔

سیدنا عمرؓ نے کے زمانہ خلافت میں وہ دہ کارنسے دکھائے کہ آج تک دنیا انگشت بدندان سے ایک قبیل مدت میں کسریٰ کی ساری سلطنت کو اسلامی حکومت میں مدغم کر لیا اور اس کی فوج کو قادیہ اور دیگر جنگوں میں ایسی شکست فاش دی کہ ایرانی سلطنت تہس نہس ہو کر رہ گئی۔ کسریٰ کے پڑ پڑت مدائن پر قبضہ کر لیا اور تمام مال و اسباب بال غنیمت بنا کر مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ سیدنا عمرؓ فریق نے ان کی خدمات جلیلہ کو دیکھ کر ان کو فتوح و عطا کا گور تر بنا دیا۔ آپ نے اس منصب کو بھی اچھے طریقے سے نبھایا۔ اسی اثنا میں آپ نے سیدنا عمرؓ کے فرمان کے مطابق کوفہ کو آباد کیا۔ آپ نے فوج اور دیگر انتظامی امور میں گراں قدر اصلاحات کیں۔

سیدنا عمرؓ نے وفات کے وقت خلافت کے لیے جن چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا۔ ان میں ایک سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے اور فرمایا تھا کہ اگر یہ خلیفہ منتخب نہ ہو سکیں پھر بھی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں بھی کوفہ کے والی مقرر ہوئے لیکن ۳ سال کے بعد سیدنا عبداللہؓ بن مسعودؓ سے کچھ اختلاف پیدا ہو جانے کے وجہ سے معزول ہو گئے۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی جنگوں میں آپ نے بالکل کسی کا ساتھ نہیں دیا بلکہ گوشہ نشین رہے چنانچہ ایک مرتبہ جب کہ آپ جنگل میں اونٹ چرا رہے تھے آپ کے صاحبزادے عمر بن سعدؓ نے آپ سے کہا کہ کیا یہ اچھا معلوم ہو تو کہ آپ جنگ میں اونٹ چرائیں اور لوگ حکومت کے لیے اپنی اپنی رحمت آزمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ خاموش! میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے

اس سلسلہ میں ایک سوال اور پیدا کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ولی عہدی اور تائز ولی نہیں اور اگر ہے تو کیا بیٹے کو ولی عہدی یا خلافت کے لیے تائز کیا جاسکتا ہے ؟ اس سوال کے پہلے حصے کے

”اسلام میں ولی عہدی ہے ہی نہیں“

کا جواب مؤرخ اسلام علامہ ابی خلدونؒ نے اپنے مقدمہ ”ہیں دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ اسی کو نقل کر دیا جائے اور وہ یہ ہے۔

امام ولی اُمت ہوتا ہے اور اُس کا امین بھی جو اپنی پوری زندگی میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو حالات پیش آتیوالے ہوتے ہیں اس کا انتظام بھی حسب طاقت زندگی ہی میں کر جاتا ہے۔ وہ یہ کہ ملامت کی غور و پرداخت کے لیے اپنا ایک ایسا جانشین مقرر کر جاتا ہے جس پر اُمت کو ایسا ہی اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے جس طرح اُس پر تھا اور شریعت میں اجماع اُمت سے اس عمل رولی عہد مقرر کرنے کا جواز ثابت ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ نے صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر فرمایا تھا جس کو تمام صحابہؓ نے جائز رکھا اور حضرت عمرؓ کی اطاعت و پیروی اپنے آپ پر لازم قرار دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ولی عہدی کے مسئلہ کو عشرہ مبشرہ میں سے چھپے صحابہؓ کی صوابدید پر چھوڑا اور اُن کو اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے مسلمانوں کے لیے کوئی بھی امام منتخب کر دیں۔ ان صحابہؓ نے مسئلہ انتخاب کو

حاشیہ صفحہ گزشتہ: کہ اللہ تعالیٰ مستغنی اور پرہیزگار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (اسد اللغات جلد ۲ ص ۲۹۱)

۵۵۔ میں انتقال فرمایا۔ وصیت کے مطابق کفن میں مٹی آونی کپڑا استعمال کیا گیا جو قرعہ بدر کے

روز جسم پر تھا۔

علم و فضل میں ایک خاص مقام حاصل تھا اور تحصیل علم میں حجاب یا شرم دامن گیر نہیں ہوتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے پیار اور محبت سے ان کی تشفی فرماتے تھے۔

ایک دوسرے پر ٹالا۔ آخر اس انتخاب کا سہرا حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے سر بندھا۔ آپ نے غور و فکر کر کے مسلمانوں کی دلی منشا معلوم کی تو سب کا دل حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی طرف جھکا ہوا پایا۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی خود حضرت عثمانؓ کے پیش آمدہ معاملات میں اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اتباعِ شیخین کو لازم سمجھتے تھے لہذا حضرت عثمانؓ کی خلافت سب کو تسلیم ہوئی اور وہ خلیفہ مان لیے گئے۔ اور ان کی اطاعت واجب سمجھ لی گئی۔ اب جس مجمع میں یہ مسئلہ انتخاب طے پایا اس میں وہ سب صحابہؓ موجود تھے جو شیخین سے بیعت کر چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے اس مسئلہ دلی عہدی اور جانشینی پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ باتفاق رائے اس طریق جانشینی کے جواز کے قائل تھے اور اس کی مشروعیت کو پہلے ہی جانتے تھے۔ اور یہ بات معلوم بھی ہو گئی کہ اجماع شرعی مسائل کے لیے حجت مانا گیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۷)

علامہ قاضی ابوالعلیٰ الحنبلیؒ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

خلیفہ کے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کسی شخص کو اپنا ولی عہد بنائے اس معاملہ (ولی عہدی) میں اربابِ حل و عقد کی موجودگی ضروری نہیں، اس لیے کہ سیدنا ابو بکرؓ نے سیدنا عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا اور سیدنا عمرؓ نے چھ صحابہؓ کو نامزد کیا تھا اور یہ نامزدگی کرتے وقت اربابِ حل و عقد کی موجودگی کو ضروری سمجھا۔ اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ کسی شخص کو ولی عہد بنانے کا مطلب اس کو خلیفہ بنانا نہیں، ورنہ ایک ہی وقت میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آئے گا جو کسی صورت جائز نہیں۔ اور جب یہ خلافت کا عہد نہیں ہے تو اربابِ حل و عقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں۔ بل جس نے ولی عہد بنایا ہے اس کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔ (الاحکام السلطانیہ ص ۹)

علامہ ابن حزمؒ نے تو صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ نصبِ خلافت کے لیے

اسلام میں سب سے بہترین طریقہ نامزدگی ہی ہے۔ کیونکہ اس سے بہت ساری خرابیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ علامہ قسمر لکھتے ہیں :-

فوجدنا عندنا عند الامامة يصح بوجوه ولها واصحابها  
بعهد الامام الميت الى ان يختاره اما ما بعد موته وسواء  
فعل ذلك في صحته او في مرضه او عند موته اذ لانص  
ولا اجماع على المنع من عهد هذه الوجوه كما فعل  
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بابي بكر وكما فعل  
ابوبكر وعمر وكما فعل سليمان بن عبد الملك بعمر  
بن عبد العزيز وهذا هو الوجه الذي نختاره ونكره غيره  
لما في هذا الوجه من اتصال الامامة وانقطاع امر الاسلام  
واهلها وسرقة ما يتخوف من الاختلاف والشغب مما يتوقع  
في غيرهم من بقاء الامامة فوضي ومن انتشار الامر وارتفاع  
النفوس وحدوث الاطماع -

پس ہمارے نزدیک امامت اور خلافت کا انعقاد کئی صورتوں سے ہو سکتا ہے  
ان میں سب سے پہلی اور سب سے افضل اور سب سے زیادہ صحیح صورت یہ  
ہے کہ مرنے والا خلیفہ اپنی مرضی سے کسی کو اپنی موت کے بعد خلیفہ مقرر کر جائے  
اس نامزدگی میں برابر ہے کہ وہ اپنی حالت صحت میں اس کو نامزد کرے یا اپنی  
بیماری میں اور یا اس دنیا سے رحلت کرتے وقت کیونکہ نص اور اجماع کے  
لحاظ سے اس کی کسی صورت میں بھی عدم جواز اور منع نہیں ہے اور اسی طریقے  
سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکرؓ کو نامزد کیا تھا اور ابوبکرؓ  
نے عمر بن الخطابؓ کو اور سلیمان بن عبد الملكؓ نے عمر بن عبد العزيزؓ کو نامزد  
کیا تھا اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہم پسند کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسری  
صورتوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس صورت میں خلافت کا

اتصال اور اسلام اور اہل اسلام کا انتظام قائم رہتا ہے، لیکن اس کے برعکس دوسری تمام صورتوں میں اختلاف اور شور و شغب کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے اور انارکی، امور شرعیہ میں انتشار لوگوں کے اٹھ جانے اور ان کے اندر خلا کے لیے حرص و طمع کے جذبات پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔

(الفصل فی الملل والنحل جلد ۱ ص ۱۶۹)

اب رہا دوسرا مسئلہ کہ بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون المغربيؒ ہی سے سنیں۔ علامہ فرماتے ہیں: ۱۔

اب اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کر دے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کر سکتے اور اس معاملہ میں اس کو متمم نہیں کر سکتے، کیونکہ جب وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد بنا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلے دے گیا ہوں میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے۔ یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ امام کو اپنے باپ یا بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا باعث اتہام ہے یا جو صرف بیٹے کو ولی عہد بنانا اتہام کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ عمل بدگمانی اور بدظنی سے بہت دور ہے۔ خصوصاً جب کوئی خاص مصلحت اس کی داعی ہو یا کسی خاص فتنہ و فساد سے تحفظ کے لیے یہ کہا گیا ہو تو ایسے وقت تو بدظنی کی سرے سے گنجائش نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنایا تو ان کے اس فعل پر اپنی اُمت کے ارباب حل و عقد کا اتفاق ان کے لیے کافی حجت تھا اور پھر ان کو یوں بھی متمم نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یزید کو ترجیح دینا اُمت میں اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی مصلحت کے پیش نظر تھا اور یہ حقیقت ہے کہ بنو اُمیہ اس وقت یزید کے سوا اور کسی کی ولی عہدی پر متفق نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اہل حل و عقد عموماً اپنی اُمت میں سے تھے اور بنو اُمیہ اس وقت اپنے سے باہر کسی آدمی کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے اور وہ قریش

اور تمام مسلمانوں کی عصیت اپنی پشت پناہی پر رکھتے تھے۔ خود بھی باشوکت تھے اور دوسروں پر بھی باثر انہیں نزاکتوں کے پیش نظر حضرت معاویہؓ نے ان بہتر لوگوں کو چھوڑ کر خلافت کے لیے یزید کا انتخاب کیا اور افضل و بہتر کو چھوڑ کر مفضل کو مسند حکومت پر لائے تاکہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق اور ان کی رائے میں یک جہتی کہیں ہاتھ سے نہ بچتی رہے جس کی بقا کو شارع علیہ السلام نے بہت اہمیت دی ہے ورنہ اس کے سوا حضرت معاویہؓ کے بارہ میں اور کیا کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبویؐ کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارہ میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے لنگے۔ مزید برآں اگر صحابہؓ کی موجودگی اور ان کا اس بارے میں سکوت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت معاویہؓ ہر بدظنی اور بدگمانی سے پاک ہیں اور ان کو الزام نہیں دیا جاسکتا، نہ تو صحابہؓ ہی کی وہ شخصیتیں تھیں کہ وہ حق کے اظہار سے خاموش رہتے نہ معاویہؓ اس مزاج کے تھے کہ وہ عزت و شان مملکت کی خاطر حق کو اختیار کرنے سے باز رہتے۔ ان بزرگوں کی عدالت -

۱۔ مفضل کی امامت کے جو ذمہ تمام ائمہ حدیث و فقہ کا اتفاق ہے۔ صرف یا حفظ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے، لیکن یا حفظ کا یہ اختلاف کچھ بھی مقرر نہیں ہے والا حکام السلطانیہ انتقامی ابو الحسن الماوری (ص) جمہور فقہاء اور متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ مفضل کی امامت بالکل جائز ہے۔ اور افضل کو اس کی بیعت کرنا صحیح ہے اور افضل کا وجود مفضل کی امامت کے مانع نہیں بشرطیکہ مفضل میں امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔

اس مسئلے کی تفصیل کے لیے ابن حزم اندلسی کی کتاب "الامامة المفاضلة" جو کران کی کتاب الفصل فی المسئل والنحل کی جلد چہارم میں درج ہے ص ۱۶۳، ۱۶۴، طبع مصر، نیز علامہ ابو بکر الباقلائی "کی کتاب التہبید" ص ۲۳۱ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ نیز ملاحظہ ہو المسارہ لاین الہمام ص ۱۳۶، ۱۳۷، الاحکام السلطانی لابی یحییٰ ص (۷)

ایسی غلط کاریوں سے بہت بلند و بالا ہے یزید کی ولی عہدی کے اتفاقی مسئلہ سے اگر کسی نے اختلاف کیا تھا تو وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے مگر اجماع و اتفاق کے مقابلہ میں میں شاذ و نادر اختلاف کی ظاہر ہے کہ کوئی وقت حاصل نہیں ہے

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵)

حقیقت یہ ہے کہ ارباب نظر کی بصیرت یہ کام کرتی ہے کہ اگر یزید کے علاوہ سیدنا معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد مقرر فرمادیتے تو مسلمانوں کا پچاس سالہ قصر خلافت بیک قلم منہدم ہو جاتا اس کے لیے ایک مرتبہ پھر علامہ ابن خلدون کو نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

”اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو پوری خلافت اسلامیہ میں ایک شورش برپا ہو جاتی۔ کیونکہ بنو امیہ اپنے خاندان سے خلافت کے منتقل ہونے کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر حضرت معاویہؓ کسی اور کو ولی عہد بناتے تو بنو امیہ خوٹان پر پلٹ پڑتے گو ان کے ساتھ پہلے سے جس قدر بھی حسرت ظن ہوتا امدان کی خوبی میں کسی کو شک و شبہ نہ ہوتا ، وگرنہ اس کے برعکس سدا معاویہؓ کے بارے میں کوئی اور خیال کرتا عدل و انصاف کا خون کرتا ہے“ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۳۵)

چند صنعت کے بعد علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں :-

”لہذا اگر امیر معاویہؓ مصیبت کے تقاضے کے خلاف یزید کے علاوہ کسی اور کو مسند خلافت پر لاتے تو ان کی خلافت کون قبول کرتا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ

بالکل ختم ہو جاتی اور ملت اسلامیہ جس اختلاف کا ~~موضوع~~ ~~موضوع~~ وہ بھی ارباب بصیرت

سے پوشیدہ نہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۴۱)

مشہور مؤرخ علامہ محمد الخضری اس بارہ میں اپنے خیالات ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

یزید کو ولی عہد بنانا اور خلافت کو بنو امیہ میں محدود کر دینا اصلاح اُمت کے لیے ضروری اور ناگزیر تھا تاکہ اُمت فتنہ و فساد اور خون خرابہ کا شکار ہونے سے بچ جائے، کیونکہ حلقہ انتخاب جس قدر وسیع ہوتا ہے۔ اتنے ہی اُمیدوار بھی زیادہ



ہوتے ہیں اور جہاں اُمیدواروں کی کثرت ہو وہاں اختلاف ہونا ایک لازمی امر ہے۔“ (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۴ ص ۵۲)

بات دراصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ وہ اس کام کے لیے کسی ایک شخص کو نامزد کرنے کے بجائے سیدنا عمرؓ کی طرح چھ اشخاص کو نامزد کر جائیں گے جن میں سے کسی ایک شخص کو درباب حل و عقد یا لوگوں کی اکثریت اپنی پسند سے منتخب کرے گی۔ اس کام کے لیے ان کے ذہن میں جو لوگ تھے اُن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں :-

- |                          |                           |
|--------------------------|---------------------------|
| ۱۔ سیدنا سعید بن العاصؓ  | ۲۔ سیدنا عبداللہ بن عامرؓ |
| ۳۔ سیدنا حسن بن علیؓ     | ۴۔ سیدنا مروان بن الحکمؓ  |
| ۵۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ | ۶۔ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ |

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۵)

لیکن ابن کثیرؒ کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت کا زیادہ رجحان ان سب میں سے سیدنا حسنؓ بن علیؓ کو اپنا ولی عہد بنانے کے لیے تھا، کیونکہ وہ ایک صلح پسند

۱۔ عبداللہ بن عامرؓ ۸۰ھ یا ۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۶۲) یہ سیدنا عثمانؓ بن عفان کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دُعا فرمائی اور فرمایا یہ ”مستی“ یعنی سیراب کرنے والا ہو گا۔ مستند حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹) سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت میں ۲۹ھ میں یہ ۲۵ سال کی عمر میں بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ اور کئی شہروں کو فتح کیا۔

تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۶۳، استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۷) جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدہ عائشہؓ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں ان کا کوئی نمایاں کردار تاریخ کی کتابوں میں نظر نہیں آتا لیکن تھے۔ سیدنا معاویہؓ کے ساتھیوں میں سے۔ اور فیصلہ تکمیل کے گواہوں میں سے تھے۔ سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے جو صلح کی تھی اس کی شرائط بھی انہوں نے ہی سیدنا معاویہؓ کے پاس بھی بتیں۔ جو منظور ہو گئیں (اختیار الطوال ص ۲۳) چنانچہ سیدنا معاویہؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو پھر تین سال کے لیے بصرہ اور عراق کے گورنر مقرر ہوئے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

اور اُمت مسلمہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات رکھتے تھے اور ملتِ اسلامیہ میں نظم و ضبط اور یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کے خواہاں تھے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بابت فرمایا تھا:-

ان ابني هذا سيّدٌ ولعلّ الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے درمیان مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان مصالحت کرائے گا۔

بخاری جلد ۳۴، جلد ۲ ص ۵۳، ۱۰۵۶، ترمذی جلد ۲ ص ۲۳۱، ابن عساکر جلد ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲

لیکن جب سیدنا حسن بن علیؓ سیدنا معاویہؓ کی زندگی ہی میں انتقال فرما گئے تو آپ نے ملکی حالات اور بنو امیہ کی عصبیت کے تحت یزید کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا جس میں سیدنا معاویہ جیسے راشد، بردبار، حلیم، طبع، وسیع النظار اور براہِ علم و فریقہ اور یورپ تک پھیلی ہوئی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بڑے صاحبِ ثروت اور متولِ انسان تھے لیکن ساتھ آنے ہی فیاض بھی تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے:-

كان اُحد الوجود الممدوحين۔

عرب کے مشہور معدود فیاضوں میں سے تھے۔ (راشد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ ”مستی“ ہونے کی دُعا فرمائی تھی لہذا انہوں نے عرب کی خشک سرزمین میں بکثرت پانی رمال کر کے اُسے سرسبز و شاداب بنایا۔ حاجیوں کے لیے بڑے بڑے حوض بنوا کر ان میں نہروں کے ذریعے پانی اتارا۔ (راشد الغابہ جلد ۳ ص ۱۹۲) چنانچہ لکھا ہے:-

وله اُبار في الاماكن كثيرة۔

بہت سے حوض اور کنویں بنوائے۔ (مسندک حاکم جلد ۳ ص ۶۳۹)

۵۸۰ھ یا ۵۸۱ھ میں مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۴۴)

اسلامی مملکت کے ولی عہد ہونے کے جملہ اوصاف موجود تھے چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

كان معاوية لما صالح الحسن عهداً للحسن بالامر من بعده فلما مات الحسن قوی امر يزيد عند معاوية ورأى انه لذلك اهلاً وذاك من شدة محبة الوالد لولدہ ولما كان يتوسم فيه من التجابة الدينيوة وسيما اولاد الملوك ومعرفتهم بالحروب وترتيب الملك والقيام بأمره وكان ظن ان لا يقوم احد من ابناء الصخابة في هذا المعنى ولهذا قال لعبد الله بن عمر فيما خطبه به اتي خفت ان اذمر الرعية من بعدى كالفتم المطيوة ليس لها راع -

جب سیدنا معاویہؓ نے سیدنا حسنؓ سے مصالحت کی تو آپ نے سیدنا حسنؓ ہی کو اپنا ولی عہد بنایا۔ لیکن جب سیدنا حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا معاویہؓ کا یزید کی طرف رجحان قوی ہو گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ خلافت کی اہلیت رکھتا ہے، اور رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی اور اس لیے بھی تھی کہ وہ یزید میں دنیوی شرافت اور شاہزادوں کی سی خصوصیات، جنگی فنون سے آشنائی سلطنت کا نظم و ضبط اور اس کی ذمہ داری کے بار دوش سے سبکدوش ہونے کی اہلیت دیکھتے تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی اولاد میں سے کوئی اس بارہ میں بہتر انتظام نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا تھا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں رحیت (رپلیک) کو بچوں کے ایک منتشر اور پر اگدہ گئے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی راعی (چرواہا نہ ہو)

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۸۷)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے ولی عہد کے بارہ میں جو کچھ کیا وہ بالکل درست اور صحیح کیا اور مصالحت وقت اور ملکی حالات کا بھی یہی تقاضا تھا۔ اسی وجہ سے

علمائے اہل سنت نے یزید کی خلافت کو شرعی نقطہ نگاہ سے بالکل درست مانا ہے۔

(منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۲، جہرۃ الانساب ص ۱۰۳)

اور اس کو ان بارہ خلفاء میں سے مانا ہے جن کے زمانہ میں اسلام چہار دانگ عالم میں عربی

محترم رہا۔ (شرح فقہ الکبرا ملا علی قاری ص ۱۸۴، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۸۲، شرح عقیدۃ

الطحاوی ص ۵۵۳)

ادب یزید پر فقہ و فحور کے اتہامات سراسر غلط ہیں، یہ سب چیزیں کچھ توسیاتی تحریک کے  
درکوں نے مشہور کیں اور کچھ عبداللہ بن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے وقت ان کے داعیوں  
نے یزید کی پوزیشن اور وقار کو کم کرنے کے لیے پھیلائیں جیسا کہ سیدنا علیؓ کے صاحبزادے  
محمد بن الحنفیہؓ کے حوالے سے قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر بعد کے راویوں نے ہنٹے پر  
دھسے کا کام کیا اور ایسی ایسی غلط باتیں مشہور کیں کہ شرافت و انسانیت منہ دھانختی پھرتی ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب الاغانی جلد ۱ ص ۶۱)

لیکن کسی نے بھی ان کی ان برائیوں کو جو ان کی طرف منسوب کی گئیں، کسی عینی شاہد سے بیان  
نہیں کیا جیسا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے داعی عبداللہ بن مطیع وغیرہ امیر یزید پر شراب پینے کا الزام  
لگایا کرتے تھے لیکن اپنے ذاتی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سنی سنائی باتوں سے۔

(ملاحظہ ہو انساب الاشراف جلد ۸ ص ۲۳۳، البدایۃ والنبایۃ جلد ۸ ص ۲۳۳)

یزید کے نیک سیرت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ جیسے  
عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن بسرؓ، المازنیؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن غنیفؓ  
انصاریؓ، مالک بن ربیعہؓ، ثابت بن ضحاکؓ، عبداللہ بن سعد بن خثیمہ انصاریؓ، ابوقنادہ انصاریؓ  
الوامحہ البالیؓ، رافع بن خدیجؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، عثمان بن حنیف انصاریؓ، براء بن عازہؓ  
زید بن ارقمؓ، ابوسعید الخدریؓ، سلم بن اکوعؓ، معقل بن یسارؓ، بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ، عبداللہ  
بن ابی اوفیؓ، اسلمیؓ، نوفل بن معاویہؓ، عوف بن مالکؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عدی بن حاتمؓ،  
نعمان بن بشیرؓ، معاویہ بن خدیجؓ، مسور بن محرزؓ، عبداللہ بن حنظلہؓ، معقل بن سنانؓ، جابر  
بن سمورہؓ، مالک بن حویرثؓ، عبدالطلب بن ربیعہؓ، عقیقہ بن عامر الجہنیؓ، عبداللہ بن سائب الخزومیؓ

عمر بن ابی سلمہؓ، بعید اللہ بن عباسؓ وغیرہم نے اُن کی بیعت کی۔ اگر یزید کا ذاتی کردار یہی ہوتا جو تواریخ کے سیاہی راویوں اور اُن کی روایات سے ظاہر ہے، جو خود فسق و فجور اور کذب و افتراء کی زندگی بسر کرتے تھے تو جلیل القدر صحابہ کی اتنی کثیر تعداد کبھی بھی ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت نہ کرتی اور کبھی بھی ان کو قرون مشہود لہا با بخیر میں مسلمانوں کا امام اور خلیفہ نہ ہونے دیتی اور جبر الامت سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ اور سیدنا حسینؓ کے بھائی سیدنا محمد بن الحنفیہؓ کبھی بھی اُن کو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی اتباع کرنے والا پابند صلوٰۃ اور صالحین میں سے شمار نہ کرتے۔ (ملاحظہ سو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۱۸، ص ۲۳۳، الامامۃ والسیاستہ

جلد ۱ ص ۲۱۳)

اور سیدنا حسینؓ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی اور سیدنا علیؓ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر طیارؓ کے صاحبزادے عبد اللہ بن جعفر طیارؓ اپنی صاحبزادی ام محمد کا نکاح کبھی بھی یزید بن معاویہ سے نہ کرتے۔ (جمہور الانساب ص ۶۲)

اور خود سیدنا حسینؓ ان کی زیر قیادت جہاد قسطنطنیہ میں شمولیت نہ فرماتے۔

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، سیرت آف دی سیرت سرائر امیر علی ص ۴۸،

تاریخ زوال رومۃ الکبریٰ ص ۲۸۶)

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب الزہد میں امیر یزید کے بہت سے اقوال سنداً

پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یزید نے کہا:-

اذا مرض احدکم مرضاً فی شقی ثم تماثل فلینظر الی افضل

عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسواء عمل

عندہ فلیدعہ -

جب کوئی تم میں سے بیمار پڑے اور پھر صحت یاب ہو جائے تو اُسے غور کرنا

چاہیے کہ اُس نے کون سا عمل کیا ہے۔ چاہیے کہ وہ اُس کو لازم جانے اور یہ بھی

دیکھے کہ اُس نے کون سا بُرا عمل کیا ہے پس اس کو چھوڑ دے۔

(العواصم من القواصم ص ۲۳۳)

امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کر کے قاضی ابوبکر ابن عربیؒ فرماتے ہیں :-  
 ”یہ بات اس کی دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیرِ یزید کی بہت قدر و منزلت تھی یہاں تک کہ انہوں نے ان کو زہاد صحابہؓ اور تابعینؓ کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی اقتداء کی جاتی ہے اور ان کے نصائح و مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور انہوں نے تابعین کے تذکرہ سے پہلے صحابہؓ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے۔ (ایضاً ص ۲۳۳)

اس کے بعد قاضی ابن العربیؒ فرماتے ہیں :-  
 فاین هذا من ذکر المومنین له في الخمر وانواع الفجور  
 الا تسبحون ؟

پس کہاں ہیں اس کے سلسلے شراب اور فسق و فجور کے اتہامات جن کو مومنین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کیا ان لوگوں کو ایسی غلط باتیں کہتے (شرم نہیں آتی ؟)  
 (العوام من القوام ص ۲۳۳)

نیکی اور صالحیت کا یہی جذبہ تھا جو آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست تھا کہ حکومت کا نشہ بھی ان کو اس راستہ سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔ سیدنا الفاروق الاعظمؓ کی حکومت کے حالات اور خدمتِ خلق کا جذبہ آپ نے اپنے معاصرین سے سنا تھا۔ آپ کے دل میں خواہش تھی کہ اگر کبھی زمامِ خلافت میرے ہاتھ میں آئی تو میں بھی اسی اسیدِ بیل (Ideal) جیسی عادلانہ اور صالحانہ حکومت چلاؤں گا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ باپ بیٹا رسیدنا معاویہؓ اور یزیدؓ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا معاویہؓ نے بیٹے سے پوچھا، بیٹا! اگر تمہیں والی بنا دیا جائے تو تم کس طرح حکومت کرو گے؟ باپ کا یہ سوال بیٹے کے قلب کی اتھاہ گھڑیاں ہیں جھانکنے کے لیے تھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ بیٹے کے قلب میں قیصر و کسریٰ کی اتباع

---

۱۔ امیرِ یزید کے کردار اور فضائل و محاسن کے لیے ہماری کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و عوامل“ کا مطالعہ فرمائیں۔ م۔ ۱۔ ۱۔ ظ۔

کا جذبہ ہے یا ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کا۔ باپ کا یہ سوال سن کر بیٹے نے فوراً جواب دیا۔  
 کنت واللہ یا ابتاعاً ملاً فیہم عمل عمر بن الخطاب۔  
 ابا! خدا کی قسم میں بھی وہی عمل کروں گا جو سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے رملت اسلامیہ کے  
 ساتھ کیا تھا۔

سیدنا معاویہؓ نے فرمایا۔

سبحان اللہ یا یٰ بُنّٰی واللہ لقد جہدت علی سیرۃ عثمان بن  
 عفان فما اطقتها، فلیک بک وسیرۃ عمر۔

اے میرے بیٹے! سبحان اللہ، مجھ میں نے عثمان بن عفانؓ کی اتباع کی کوشش کی  
 مگر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، پس کہاں تم اور سیدنا عمرؓ کی سیرت کی اتباع اور  
 پیروی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۲۹)

یہ جواب امیر یزید کی صفائی قلب اور نیک نیتی کی غمازی کرتا ہے اور ان لوگوں کی پروردگار پر دید  
 کرتا ہے جو آپ پر شراب پینے، نماز نہ پڑھنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے اتہامات لگاتے ہیں۔  
 اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے امیر یزید کو جو اپنا ولی عہد نامزد کیا  
 وہ شریعت اسلامیہ کی رُوسے بالکل صحیح اور درست تھا۔ اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ  
 نہ صرف سیدنا معاویہؓ کی تغلیط کرتے ہیں بلکہ ان سب صحابہ کرامؓ پر بھی معترض ہیں جنہوں نے یزید کو  
 اپنا امیر المؤمنین سمجھا اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ اور خود سیدنا حسینؓ کی بھی تکذیب  
 کرتے ہیں جنہوں نے آخر وقت میں امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی رضامندی کا اظہار کیا۔

(ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص —)

اور یزید کے اخلاق و عادات و اطوار میں جو کیڑے نکالے جاتے ہیں اور اس پر شراب  
 نوشی اور فسق و فجور کے جو اتہامات لگائے جاتے ہیں وہ از سر تا پا غلط ہیں۔



# خلافتِ راشدہ

بعض حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت ایسی ہی تھی جیسا کہ ہم نے اس کتاب کی جلد اول میں بیان کی ہے تو پھر ان کی خلافت "خلافتِ راشدہ" ہونی چاہیے اور وہ خلیفہ راشد ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت واقعی "خلافتِ راشدہ" تھی اور وہ خود خلیفہ راشد تھے۔ اس دعوے کے اثبات کے لیے ہم اے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اسلامی تاریخ سے دلائل موجود ہیں، باقی رہا یہ اعتراض کہ جمہور علماء نے انہیں خلفائے راشدین میں سے کیوں شمار نہیں کیا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ تدوین تاریخ کے وقت سے لے کر ان کی مقدس ذات کے بارہ میں اس قدر غلط پراپیگنڈہ کیا گیا اور عام ذہن کو ان کے حمائد مناقب کو غلط اور جھوٹی روایات کے گرد و غبار کے نیچے دبا دیا گیا۔ ان کی خوبیوں کو برائیاں اور مناقب کو مثالب بنا کر تاریخ کے صفحات کے فریم میں آویزاں کیا گیا اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ انہوں نے برسرِ اقتدار اگر خلافتِ راشدہ کے نظام کو ملوکیت اور جاہلیت کے نظام میں تبدیل کر دیا۔ اس کے علاوہ ان کے فرزند ارجمند نیز بد کے دورِ خلافت میں شہادتِ حسینؓ کا جو جانگزا واقعہ کوڑے کے سبائیوں اور شیعیانِ علیؓ کی وجہ سے پیش آیا اور اس کی تمام ترمذمداری ایک خاص پراپیگنڈہ کے تحت ین بدین معاویہؓ کے سر منڈھ دی گئی اس سے بھی سیدنا معاویہؓ کی شہرت اور نیک نامی، بدنامی کی دبیز تہوں کے نیچے دب گئی۔ بہر حال کتابوں سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح آج ہمارے ذہنوں میں یہ ٹھوسا جاتا ہے کہ سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی چپقلش میں حتیٰ اور صواب سیدنا علیؓ کے ساتھ تھا اور سیدنا معاویہؓ راہِ خطا پر تھے، یہ عقیدہ متفقہ بین اہل سنت کا نہ تھا بلکہ ان کے نزدیک اسلام کے یہ دونوں بزرگ راہِ صواب پر تھے۔ کیونکہ دونوں کا موقف اپنے اپنے مقام پر صحیح تھا۔ اور اس کے خلاف



اعتقاد رکھنا یعنی سیدنا علیؑ کو راہِ صواب پر اور سیدنا معاویہؓ کو راہِ خطا پر سمجھنا ”تشیع“ تھا۔  
چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں :-

فالتشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفصیل علیؑ علی عتقان  
وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطئ مع  
تقدیم الشیخین وتفضیلہما ۔

متقدمین کے نزدیک اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ سیدنا علیؑ سیدنا عثمانؓ سے افضل  
تھے اور جنگوں میں سیدنا علیؑ راہِ صواب پر تھے اور آپ کے مخالفین سیدنا  
معاویہؓ اور ان کے ساتھی راہِ خطا پر تھے، تشیع کہلاتا تھا۔ باوجود حضرات  
شیعین سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو افضل اور مقدم سمجھنے کے ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۴)

آج اہل سنت کی اکثر کتابوں میں یہ الفاظ آپ کو ملیں گے کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ  
کی باہمی جنگوں اور تنازعات میں سیدنا علیؑ حق پر تھے اور جناب معاویہؓ خطا پر۔ اس کی وجہ  
صرف اور صرف یہ ہے کہ ایک زمانہ میں جب مسند اقتدار بنو عباس آلِ بُوَیہ اور دوسرے  
ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن کا تعلق شیعانِ علیؑ سے تھا تو انہوں نے تاریخ کی جھوٹی اور  
سراپا کذب روایات کے زور پر یہ عقیدہ ایجاد کر دیا کہ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی باہمی  
جنگوں میں اول الذکر راہِ حق پر تھے اور ثانی الذکر راہِ خطا پر۔ اس عقیدہ کی ترویج میں علامہ  
تغذرائی، علامہ سیوطی جیسے کئی بزرگوں کا ہاتھ بھی نظر آتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا  
علیؑ کی خلافت اگر ”راشدہ“ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت ”راشدہ“ نہ ہو  
اور جو حضرات ان دونوں خلافتوں کے درمیان ”راشدہ“ اور ”غیر راشدہ“ کا فرق ظاہر کرتے  
ہیں ان کے دلائل کسی معقول ذہن کو بالکل متاثر نہیں کر سکتے کیونکہ ”خلافت غیر راشدہ“ کا مارکہ  
لگانے کے لیے سیدنا معاویہؓ کے مقدس دامن پر چن دھبوں کو نمایاں

کیا جاتا ہے تاریخ کی خود دہن دہی دہے سیدنا علیؑ کے دامن پر بھی بتا ہی ہے پھر ذہن اس بات  
کو قبول کرنے سے یکظم ابا کرتا ہے کہ ایک بزرگ صحابی کی خلافت کو ”راشدہ“ تسلیم کیا جائے

اور دوسرے بزرگ کی خلافت کو بغیر راشدہ اور اس کے ساتھ ذہن فردا اس بات کو اخذ کرتا ہے کہ اس قسم کے بے دلیل دعوے کے پیچھے ضرور کوئی سازشی ہاتھ ہے جس سے امت کے ساتھ اس قسم کی سازش ہوئی ہے۔ اس کی ایک عام فہم مثال سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کے اسمائے گرامی کے ساتھ امام بطور سابقہ اور علیہ السلام بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایک ایسا پراپیگنڈہ ہے جس سے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں اور آج یہ لفظ ان کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے۔ حالانکہ امامت کا یہ تصورات جس کے تحت حضرات حسنینؑ کو امام کہا جاتا ہے خالص شیعہ تصور ہے اور اہل سنت کے ہاں ایسی امامت کا کوئی جواز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں امام ابو بکرؓ امام

---

لے شیعہ حضرات کے نزدیک امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کے ہیں چنانچہ شیعہ حضرات کی کتابوں میں لکھا ہے۔

”ہمارا عقیدہ ہے کہ امامت کی وہی شرائط ہیں جو نبوت کی ہیں۔ رسولوں کی طرح امام بھی بطین مادرہ سے امام پیدا ہوتا ہے“ (عقائد الشیعہ ص ۳۲ سید ظفر حسن)  
 شیعہ حضرات کے خاتم المحدثین ملا باقر مجلسی فرماتے ہیں :-  
 ”اجماع علمائے امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہاں صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمر خدا خواہ سہو“۔

شیعہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام اول عمر سے آخر عمر تک صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتا ہے خواہ وہ گناہ عدا ہوں یا سہو“۔

(رحیات القلوب جلد ۳ ص ۱۶)

یہی ملا باقر مجلسی امامت کے بارہ میں یہاں تک لکھتے ہیں :-

مرتبہ امامت یا الازر مرتبہ پیغمبریت

امامت کا مرتبہ پیغمبری کے مرتبہ سے بلند اور اونچا ہے۔

(رحیات القلوب جلد ۳ ص ۱۶)

عمرؓ وغیرہ کے الفاظ نہیں لکھتے دوسرے علیہ السلامؓ کا لفظ اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے لیے مختص ہے۔ انبیاء کی ذوات کے علاوہ غیر نبی کے لیے اس کا استعمال جائز

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک اور کتاب میں لکھا ہے :

”اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیرؓ و دیگر تمام ائمہ طاہرینؓ جمیع انبیاء سے

افضل ہیں“ (حق البقین ص ۸۵)

جمیع انبیاء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے کہ ایک

روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علیؓ سے فرمایا :-

”تمہیں اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں دی ہیں جو مجھے بھی نہیں دیں۔ اول یہ کہ جیسی تمہاری بیوی

فاطمہؓ ہے ویسی میری نہیں۔ دوم تمہارے نطفہ سے جیسے بیٹے ہیں ویسے میرے نطفہ سے

نہیں۔ سوم جیسی تمہاری ساس خدیجہؓ ہے ویسی میری نہیں۔ چارمؓ مجھ جیسا تمہارا خسر ہے

حالانکہ میرا خسر نہیں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۵ ص ۱۵۱)

پھر ائمہ کی جانب وہ وہ چیزیں منسوب کیں جو انبیاء علیہم السلام کو بھی تفویض نہیں کی گئیں

بلکہ خاصہ خداوندی ہیں مثلاً :-

”ائمہ جس شے کو چاہتے ہیں حلال کرتے اور جس شے کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں“

(اصول کافی ص ۲۷۸)

”ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کو کب انتقال کر لیا ہے“

(اصول کافی ص ۲۳۶)

”وہ ماکان و مایکون کا علم جانتے ہیں اور ان پر کوئی شی خفی نہیں ہوتا“

(اصول کافی ص ۱۹۵)

”ان کے پاس اپنے شیعوں کے نام مع ولایت لکھے ہوتے ہیں“

(اصول کافی ص ۱۳۶)

”وہ اللہ کی آنکھیں اس کا ہاتھ، اس کا دروازہ، اس کی زبان ہوتے ہیں“

(اصول کافی ص ۸۳)

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ جو ساری امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں اُن کے لیے بھی علیہ السلام کا لفظ اہل سنت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ اور تو اور سیدنا صدیق اکبرؓ جو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ”افضل البشر بعد الانبیاء“ ہیں اہل سنت کی کتابوں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) شیعہ حضرات نے اپنے ایک ماہنامہ میں سیدنا علیؓ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

”اگر جناب مولا علیؓ نہ ہوتے تو جناب رسول خداؐ پیدا نہ ہو سکتے، اور جناب رسول خداؐ پیدا نہ ہوتے تو ”لَوْ لَآكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَآكُ“ زمین و آسمان پیدا نہ ہوتے، لہذا علیؓ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا“

(ماہنامہ معارف اسلام، لاہور، بابت ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۷)

اسی رسالہ کی ایک اور شاعت میں ملا باقر مجلسی کے حوالے سے سیدنا علیؓ کا ایک فرمان نقل کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامت کے بارہ میں ان حضرات کا کیا عقیدہ ہے۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:-  
 ”میں خدا کے اسمائے حسنی، اشغال علیا اور آیات کبریٰ ہوں اور میں ہی جنت کا اور دوزخ کا مالک ہوں۔ میں اہل جنت کو جنت میں داخل کروں گا اور اہل نار کو جہنم میں ڈالوں گا۔ میں ہی اہل جنت کی ترویج کروں گا اور میرے ہی ذمہ اہل جہنم کو عذاب کرنا ہے اور میری ہی طرف ساری مخلوق کی بازگشت ہوگی۔ اور میں ہی مرکز ہوں اور میری ہی طرف ہر ایک شے بعد قضاے الہی رجوع کرتی ہے اور میرے ہی ذمہ ساری مخلوق کا حساب ہے۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت کے وقت احتجاج اور اتمام حجت کیا اور میں ہی روز قیامت ان کا شاہد ہوں۔ اور میں ہی وہ ہوں جس کے پاس کل مخلوق کی موت اور مصائب اور فیصلہ جات کا علم ہے اور جملہ آیات و معجزات و کتب انبیاء علیہم السلام میرے سپرد کی گئی ہیں۔ اور ان کا محافظ ہوں۔ اور میں لاٹھی والا اعد نشان والا ہوں۔ اور میں ہی ہوں جس کے لیے بادل اگرچہ بجلی، تاریکیاں، روشنیاں، ہوائیں، پہاڑ سمندر، ستلے سورج اور چاند مسخر کر دیئے گئے ہیں اور میں ہی وہ ہوں جس کو خدا نے اپنا نام، اپنا

میں ان کے نام کے ساتھ بھی کبھی "علیہ السلام" کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ یہ بات اس چیز کی غمازی کرتی ہے کہ شیعی پراپیگنڈے نے بڑے بڑے ائمہ اہل سنت کو غیر شعوری طور پر کچھ چیزوں کے بارہ میں متاثر کیا ہوا تھا۔ جن میں ایک چیز سیدنا معاویہ کی خلافت کا مسئلہ بھی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) کلمہ، اپنی حکمت، اپنی فہم عطائی فرمائی ہے۔۔

راہنما معارف اسلام بابت تمبر، اکتوبر ۱۹۷۲ء ص ۶۱، ۶۲

ایک اور بزرگ سیدنا علیؑ کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ و۔  
 قربان جائیں اس منظر العجائب والقرائب اسد اللہ الغالب کے کہ جب اُس نے قورات  
 موسیٰ میں ظہور فرمایا تو خدا کا منہ اور خدا کا کلام بن گیا۔ جب وہ زبور میں جلوہ افروز ہوا  
 تو تمجید و تمجید کا لباس اُٹھ کر لحن داؤد بن گیا۔ جب اس کی تجلیات غزل القمرات میں  
 ظاہر ہوئیں تو تقدیس و عروجیت کی دعاؤں میں سلیمانؑ کا لہجہ بن گیا۔ جب وہ انجیل عیسیٰؑ  
 میں نور بار ہوا تو مددگار اور طفل معصوم بن گیا جب وہ صحیفہ یوحنا میں ضیا پوش ہوا تو  
 اسے سفید پر سوار ہو کر شیر کی آواز میں آیات حمد پڑھنے لگا۔ جب وہ قرآن مجید میں  
 روشن ہوا تو جگہ جگہ اس کا ذکر، جگہ جگہ اس کی فضیلت، جگہ جگہ اس کی مدحت، جگہ جگہ  
 اُس کی شجاعت، جگہ جگہ اس کی کرامت، کبھی وہ **يَا لَهِ** کی صورت میں  
 خدا کا ہاتھ، کبھی وہ **لِسَانِ صِدْقٍ** کی صورت میں رسولوں کی سچی زبان۔

(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء ص ۹۱)

یہ بے مثال و بے نظیر امام اول زرتشت کے ترند و پاژند میں پہنچا تو شعلہ جوالہ کی صورت  
 میں، جبین مت میں گیا تو شافقی اور اہنشاکی صورت میں شاستروں میں سروپ دکھایا تو پریم  
 آتما کی صورت میں، گیائیوں میں قدم رکھا تو ہمابل کی صورت میں۔ گیتا میں جلوہ ریز ہوا تو  
 نارائن کی صورت میں۔ رامائن میں صوفٹاں ہوا تو ماتم کی صورت میں، اودو پناؤں کو نظر  
 آیا تو سنگھ کی صورت میں۔ سنگھ۔ شیر۔ اسد۔ لائن۔ اسی شیر کی، اسی سنگھ کی، ہزار ہا سال  
 سے مندروں، شہوداروں میں پرستش کی جا رہی ہے۔ کریشن جی کو جب چودہ معصوموں کے

پھر تاریخ کی تدوین بنو عباس کے دور میں ہوئی جنہوں نے حکومت بنو امیہ سے چھینی تھی اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ایک گروہ جب کسی دوسرے گروہ سے حکومت چھینتا ہے تو وہ اپنے استحقاق کو (Genuine) ثابت کرنے کے لیے سابقہ حکومت میں کیڑے نکالتا ہے، اس کی خوبیوں کو بُرائیوں میں، مناقب کو مثالب میں اور فضائل کو معائب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنے پراپیگنڈہ کی پوری مشینری کو دن رات کام پر لگائے رکھتا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب کو اُن سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کر سکے اور اُن کی ہمدردیوں کا کاٹا ادھر سے موڑ کر اپنی طرف کر سکے۔ چنانچہ بنو عباس نے حکومت پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ جہاں بنو امیہ کو قتل اور سولی سے نیست و نابود کیا وہاں علمی انداز میں اُن کے خلاف ایسا پراپیگنڈہ بھی کیا کہ آج تک عوام اور خواص کے قلوب میں بنو امیہ کے لیے ہمدردی اور رحم کا کوئی جذبہ اور گوشہ پیدائہ ہو سکا بلکہ ان کے متعلق نفرت اور حقارت کے جذبات کو تقویت ملتی رہی اور شاید آئندہ بھی ان کے متعلق ایسے ہی حقارت آمیز جذبات لوگوں کے سینوں میں پختہ رہیں۔ چنانچہ مصر کے ایک فاضل اور محقق علامہ محب الدین الخطیبؒ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

ان التاريخ الاسلامي لم يبدأ تدوينه الا بعد نه وال  
بنی اُمیة و قیام دول لا یستمر جالها التحدت بمفاخر  
ذالک الماضی ومحاسن اهلہ فتولی تدوین تاریخ الاسلام  
ثلاث طوائف -

طائفة كانت تنشده العیش والجدة من التقرب الى

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) چودہ صفائی روپ نظر آتے تھے تو ایک روپ میں سنگم یعنی شیر بھی دکھائی دیتا تھا۔

(معارف اسلام بابت نومبر ۱۹۶۷ء صفحہ ۹۲)

آپ ان عبارتوں سے اندازہ لگالیں کہ امامت کے متعلق شیعہ حضرات کا کیا عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کے ہاں ان معنوں میں کسی کو امام کے لفظ سے نہیں پکارا جاتا۔ مسئلہ امامت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب ”اسلام کا تصور نبوت“

میغضی بنی اُمیۃ بسا تکتیہ و قلفہ ۔

تاریخ اسلامی کی تدوین بنو اُمیہ کے زوال کے بعد شروع ہوئی اور ان حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں ہوئی جن کا برسر اقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے معاذر اور اس وقت کے ادبیات اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔ پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو اُمیہ کے بغض اور غیظ و نفرت میں کتابیں تالیف کرنا اور ان کے کاموں میں کیڑے ڈال کر ان کے دشمنوں (بنو عباس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا۔

(العواہم من القواہم ص ۱۷۷ تعلیق)

اسی طرح کے خیالات مندہ کے فاضل شاہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمائے ہیں کہ :-  
”بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی یہ سب بنو اُمیہ کے سخت دشمن تھے۔ اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا۔ اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہو گئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جب کہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے افسانہ و حقائق میں پورا امتیاز ہو سکے، مشکل تھی، گو بہت سی بے سرو پا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا، تنقید سے مسترد ہو گئیں، لیکن پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے۔ حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے۔“

(رسیرۃ الصحابہ جلد ۴ ص ۹۲)

اس سیاسی اور گروہی پراپیگنڈہ کا بنو اُمیہ پر جو اثر ہوا وہ عیاں ہے، ہر زمانہ کے لوگوں کے ذہن اس سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے۔ چنانچہ حضرات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مؤلف کا یہ بیان بھی ہمارے اس دعوئی کی دلیل بن سکتا ہے جو اس نے ۳۵۱ھ کا وہ واقعہ لکھا ہے جس کو پڑھ کر اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :-

فقد كان اهل بغداد قبل الدولة البويهية على مذهب  
 اهل السنة والجماعة ويفضلون الشيخين ابا بكر و  
 عمر على سائرهم ولا يقدحون في معاوية ولا غير  
 في سلف المسلمين فلما جارت هذه الدولة وهي  
 متشعبة غالية نها مذهب الشيعة ببغداد ووجد له من  
 قوة الحكومة اتصالاً فقد كتب على مساجد بغداد  
 ۳۵۱ ھ ما صورته:-

لعن الله معاوية بن ابي سفيان ولعن من غصب فاطمة  
 رضي الله عنها فداكا ومن منع ان يدفن الحسن عند قبر  
 جده عليه السلام ومن نفى ابا ذر الغفاري ومن  
 اخبر العباس من الشورى-

آل بویہ کی حکومت کے قیام سے قبل بغداد کے لوگ مذہب اہل سنت والجماعت پر  
 تھے اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کو سب صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے اور معاویہؓ کی شان  
 میں کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی گزرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی  
 برائی کرتے تھے، لیکن جب یہ فرقہ پرست غالی حکومت آئی تو بغداد میں مذہب شیعہ  
 پروان چڑھا اور اقتدار کے بل بوتے پر اس کے انصار و اعدا پیدا کئے گئے  
 اور ۳۵۱ ھ میں بغداد کی تمام مساجد پر عبارت لکھوائی گئی۔

خدا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ پر لعنت کرے۔

اور اس پر لعنت کرے جس نے فاطمہؓ کے نذک کا حصہ غصب کر لیا مراد ابو بکرؓ  
 تھے اور اس پر لعنت کرے جس نے حسنؓ کو اس کے نانا جان کے پاس دفن نہ  
 ہونے دیا۔ (مراد ہمدانؓ تھے)

اور اس پر لعنت کرے جس نے ابوذر غفاریؓ کو شہر بدر کیا۔ (مراد عثمانؓ تھے)  
 نیز اس پر لعنت ہو جس نے عباسؓ کو شہر مدی سے خارج کر دیا۔ (مراد عمرؓ تھے)



یہ کس نے کیا؟ اور کس کے ایما پر ہوا۔ تاریخ اس کے نام کو چھپاتی نہیں۔ وہ معز الدولہ  
تھا۔ جو امت کے ان پاکبازوں کی تنقیص اور رسوائی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ جس کے مذہب

۱۔ معز الدولہ وہ شخص تھا جس نے دسویں محرم کو سیدنا حسینؑ کا یوم شہادت منانے کا بدعت سیئہ  
کی بنیاد رکھی اور اس بات کا حکم دیا کہ اس دن کو ماتم کا دن منانا چاہیے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

فی عاشر المحرم من هذه السنة امر معز الدولة بن  
بويه قبحه الله ان تغلق الاسواق وان يلبس النساء  
المسوح من الشعرو ان يخرجن في الاسواق حاسرات عن  
وجوههن، ناشرات شعورهن يلبسن وجههن ينحن  
على الحسين بن علي بن ابي طالب۔

یعنی اس سال ۳۵۲ھ کے محرم کی دسویں تاریخ کو معز الدولہ بن بویہ نے حکم دیا کہ بازاروں  
کو بند رکھا جائے اور عورتیں کھردرے بالوں کے کپڑے پہنیں اور بازاروں میں ننگے منہ،  
پکھرے بال، منہ پر لمبا نیچے مارتے ہوئے اور حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب کا نوہہ کرتی ہوئی  
ٹکلیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۴۳)

یہ چیز صرف ابن کثیرؒ ہی نے نہیں لکھی بلکہ شیعہ مؤرخ امیر علیؒ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے لکھا ہے:-  
”معز الدولہ اگرچہ علم و ادب اور فنون کا مہر تھی اور سرپرست تھا لیکن اپنی فطرت کے لحاظ سے  
نہایت ظالم تھا اور اسی نے ساتھ کر بلا کی یاد میں دسویں محرم کو ماتم کا دن منانا شروع کیا تھا۔“  
(شارٹ ہسٹری آف سیرینز انگریزی ص ۲۰۳ لندن)

غیر مسلم مؤرخ پرو فیئر ہسٹری نے ہسٹری آف دی عربز انگریزی ص ۴۷ اور ڈاکٹر براؤن نے تاریخ  
ادبیات ایران جلد ۵ ص ۵۵ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ گویا کہ اس نے حکومت کے بل بوتے  
پر شیعہ مذہب کی آبیاری کی اور اپنے مذہب میں طرح طرح کی بدعات کو جنم دیا جس کی تفصیل  
کامیاباں موقع نہیں ہے۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب آل بویہ کا تسلط کم ہوا، تو علامہ ابو بکر ابن عربیؒ نے اپنی آنکھوں سے

نے اُس کے کوزہ ذہن میں یہ بات ڈالی تھی کہ اسلام کے ان محسنوں کے احسانات کے تصور کو لوگوں کے ذہنوں سے کھرچ کھرچ کر مٹا دو تاکہ کوئی ان کے لیے کلمہ خیر نہ کہہ سکے، لیکن بتایا جاتا ہے کہ صحابہؓ کے متوالوں نے رات کے وقت ان مکروہ اور غلیظ الفاظ کو کھرچ کر مٹا دیا۔

معزز الدولہ دوبارہ یہ حرکت کر کے صحابہؓ کے بارہ میں اپنے خبیث باطن کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ اس کے وزیر ابو محمد المہلبی نے اُس کو مشورہ دیا کہ پہلی عبارت کا اعادہ نہ کیا جائے بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ لکھ دیئے جائیں، گویا زہر کو شکر چڑھا (Sugar Coated)؛ کہ اہل سنت کو نگلایا جائے تاکہ اُن کو زہر کا احساس نہ ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے :-

لَعَنَ اللَّهُ الظَّالِمِينَ لِأَيِّ رَسُولٍ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے۔

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اس مرتبہ جن پر لعنت کی گئی اُن کا نام تو ظاہر نہ کیا گیا لیکن

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیکھا کہ دار الخلافہ بغداد میں عباسی حکومت نے صحابہ کرامؓ اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اپنے جذبات کا جو اظہار کیا وہ شنیدنی ہے علامہ ابن عربی لکھتے ہیں :-

وهذه مدينة السلام دال الخلافه بنى عباس وبنيهم و  
بين بنى أمية ما لا يخفى على الناس مكتوب على ابواب  
مساجدها خير الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآله  
وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي ثم معاوية  
خال المؤمنين -

اور یہ مدینۃ السلام (بغداد) ہے جو عباس کا دار الخلافہ۔ اُن کے اور بنو امیہ کے مابین جو سیاسی چمقلش ہے وہ لوگوں پر پوشیدہ نہیں۔ اُن کی مساجد کے دروازوں پر لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بہترین شخص ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر مومنوں کے ماحول سیدنا معاویہؓ، راموں اس لحاظ سے کہ آپ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہؓ سلام اللہ علیہا کے سگے بھائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر بستی تھے۔  
(العوام من القوام ص ۳۳)

سیدنا معاویہؓ کا نام اب کی دفعہ بھی بغداد کی مسجدوں پر لعنت کے ساتھ لکھوا دیا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ولا ینذکر فی اللعن الا معاویۃ۔

اور لعنت میں کسی کا نام نہ ذکر کیا جائے مگر سیدنا معاویہؓ کا کیا گیا۔

یہ سب کچھ خلیفہؓ بغداد کے ہوتے ہوئے اُس کے ایک وزیر معز الدولہ الدیلمی نے کیا اور خلیفہؓ وقت اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے مذہب کے اساطین کی توہین برداشت کرتا رہا کیونکہ والخلیفۃ کان محکوماً علیہ لایقدر علی المنع۔

خلیفہؓ بغداد بے دست و پا تھا اور معز الدولہ کو اس حرکت شنیعہ سے روکنے کی اس میں طاقت نہ تھی۔

معز الدولہ الدیلمی نے جب ظاہری طور پر سیدنا معاویہؓ کے خلاف اپنے بغض اور عدالت کا اس طرح اظہار کیا تو اُس نے زیر زمین اہل سنت کے مذہب کو برباد کرنے کا کیا کیا حربہ اختیار نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اہل تشیع نے اس قسم کی زیر زمین علمی سرگرمیاں اپنے مذہب کی تعمیر اور مذہب اہل سنت والجماعت کی تخریب کے لیے ہمیشہ جاری رکھی ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۱۲، ۱۳ پر ہم نے اس بارہ میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے خاندان کے دیگر افراد ہمیشہ اس قسم کے ظالم لوگوں کی تیغ ستم کا تختہ مشق بنتے رہے۔ ظالموں نے ان کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کئی اقوال منسوب کر دیے جن میں ان کی قدر و اہم برائی پائی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر دشمنانِ معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں ایک قول منسوب کر دیا کہ آپؐ نے فرمایا۔

اذا رأیتہم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ۔

جب تم معاویہؓ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر دو۔

لے اس حدیث پر ابن حجر مکی نے بڑی اچھی بحث کی ہے اور امام ذہبیؒ کا قول نقل فرمایا ہے اِنَّہ کذب

چنانچہ علامہ حافظ مقدسیؒ نے اس حدیث کو موضوع اور چھوٹی قرار دیتے ہوئے اس کے ایک راوی عباد بن یعقوب الرواحنی کے بارہ میں لکھا ہے :-

وهو من غلاة الرافض وتترك الرواية عن عباد جماعة من الحفاظ -

وہ غالی رافضی تھا اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس سے روایت کرنا ترک کر دیا ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۲، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۴۰)

درایت بھی بتاتی ہے کہ یہ حدیث رافضیوں کی وضع کردہ ہے کیونکہ اگر واقعی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہوتا تو سیدنا معاویہؓ کبھی بھی منبر رسولؐ پر کھڑے نہ ہو سکتے اور دنیا دہیتی کہ پہلے ہی خطبہ میں معاویہؓ کا سرتن سے جدا ہو جاتا۔ اور اگر حضورؐ نے ایسا فرمایا ہوتا تو جناب علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حسن بن علیؓ کبھی بھی ان کے سپرد خلافت کی ذمہ داری کر کے خود گوشہ نشینائی میں نہ جا بیٹھتے۔ چنانچہ خود شیعی مؤرخ طاباقر مجلسی نے اعتراف کیا ہے کہ :-

صالحه علی ان یسلم علیہ ولایۃ امیر المسلمین علی  
ان یعمل فیہم بکتاب اللہ وسنة رسول اللہ وسیرۃ  
الخلق الصالحین -

سیدنا حسنؓ نے سیدنا معاویہؓ سے مصالحت فرمائی کہ وہ کتاب اللہ سنت رسولؐ

رعاشیہ صفحہ گزشتہ) موضوع لا اصل لہ - کہ یہ چھوٹی اور موضوع ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں) ملاحظہ ہو تلخیص الجمان ص ۱۹۔ یہ روایت دراصل یہی جو سیدنا جابرؓ نے نقل کی ہے کہ :-

اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقبلوہ فانہ امین مأمون  
(۴) واہ الخطیب والحاکم

اور خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق امور مملکت کو چلائیں گے۔

(بخاری الاوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴، جلاء العین ص ۳۱۵، فتح الباری جلد ۱۲ ص ۵۳)

نہ صرف خلافت ہی سپرد کی بلکہ دونوں بھائیوں سیدنا حسینؑ اور سیدنا حسنؑ نے تمام لوگوں کے سامنے اس خلیفہ راشد کی بیعت بھی فرمائی۔ اس کا اعتراف بھی مشہور مؤرخ شیبی ماباقر مجلسی نے کیا ہے۔ چنانچہ سیدنا جعفر الصادقؑ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ اور سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ الانصاریؑ جب شام تشریف لائے تو۔

فاذن لهم معاوية اعد لهم الخطباء فقال يا حسن قم فبايع

ثع قال للحسين قم فبايع فقام فبايع۔

سیدنا معاویہؓ نے انہیں آنے کی اجازت دی اور ان کی عزت افزائی میں خطیبوں کو بلایا اور سیدنا حسنؑ سے کہا کہ اُٹھیں اور بیعت فرمائیے۔ وہ کھڑے ہوئے اور مجمع عام کے سامنے بیعت فرمائی۔ پھر سیدنا حسینؑ سے کہا کہ کھڑے ہو کر بیعت فرمائیے چنانچہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر بیعت فرمائی۔

(بخاری الاوار جلد ۱۰ ص ۱۲۴)

یہ تو صرف ایک روایت آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی سینکڑوں روایات بنو امیہ خصوصی طور پر سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے بار میں گھڑی گئیں۔ اور ان کی پوزیشن کو نہ صرف عوام بلکہ خواص کی نگاہ میں بھی متحدہ دش کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے نہایت غور و فکر کے بعد موضوعات کی فہرست میں ان تمام روایات کو درج کر دیا جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کے دوسرے خلفاء کی مذمت اور بُرائی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور محدث اور فقیہ ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں،۔

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویة وذم عمر وبن العاص

وذم بنی امیة ومدح المنصور والتفاح وكذا ذم یزید

والولید ومروان بن الحکم۔

اور وہ احادیث بھی موضوعات میں سے ہیں جن میں معاویہؓ، عمر بن العاصؓ اور

دیگر بنو امیہ کی مذمت اور منصور اور سفاح (عباسی خلفاء) کی تعریف پائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح یزید، ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت میں جو احادیث ہیں وہ بھی موضوعات میں سے ہیں۔

(الموضوعات الکبیر ص ۱۶۹، ۱۷۰، المناہج المنیف فی الصحیح والضعیف لابن قیم ص ۱۱۷)

۱۔ سیدنا مروان بن الحکم خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ آمنہ بنت علقمہ بن صفوان الکنانی تھیں ان کی کنیت ام عثمان تھی۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۱) آپ کے والد فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ مروان اس وقت بچے تھے۔ کیونکہ سیدنا مروان ۲۰ سنہ میں پیدا ہوئے۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۱) اس لحاظ سے فتح مکہ کے وقت آپ کی عمر قریباً چھ سال تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت ۸ سال۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ سیدنا مروان کے والد الحکم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض نشاۃ حرکت کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے نکال کر طائف جلاوطن کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایات روایتاً اور درائناً غلط ہیں۔ کیونکہ ایسے اہم واقعہ کو کسی صحابی رسولؐ نے نقل نہیں کیا اور نہ ہی معتبر تاریخ میں اس کا کوئی آنا پتا ملتا ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے نقل کیا ہے ملاحظہ ہوا استیعاب (اور علامہ بلاذری نے جو سند اس واقعہ کی نقل کی ہے۔ اس میں کذاب اور مجہول راوی ہیں اور ایسے راوی بھی ہیں جنہوں نے بنو امیہ کی مخالفت میں ادھار کھایا ہوا ہے ملاحظہ ہوا نساب الاشراف جلد ۵ ص ۱۷۰) اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

”اکثر اہل علم نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس کی سند بھی کوئی نہیں“

(منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۱۸۹)

محققین نے لکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے طائف گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جلاوطن نہیں کیا تھا۔ بنو امیہ اور ان کے افراد کو بدنام کرنے کے لیے مخالفین نے ایسی روایتیں گھڑی ہیں، وگرنہ بنو امیہ کا مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک نہایت اعلیٰ و ارفع تھا۔ ملاحظہ ہو

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ نبو عیاسؓ کے خلفاء کی مدح اور تعریف میں اور ان سے سابق  
خلفاء بنی امیہ کی مذمت اور قدح میں احادیث وضع کرنے کے لیے دشمنان صحابہؓ اور مضامین کا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) سیدنا معاویہؓ - شخصیت اور کردار جلد ۱ ص -

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا مروانؓ کے والد  
حکم کے لیے بددعا کی تھی، لیکن شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کی بھی تردید کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے  
ابن السکن کے حوالے سے لکھا ہے :-

انذا لہ ثبت دعاء النبی علیہ السلام علی الحکم -

حکم پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا ثابت نہیں ہے۔ (اصابہ)

سیدنا مروانؓ ہزار صحابہؓ میں سے تھے اور صحابہؓ کے اُس زمرہ میں شامل تھے جس میں سیدنا عبداللہ  
بن زبیرؓ، سیدنا حسنؓ، سیدنا حسینؓ، سیدنا جعفر طیارؓ، سیدنا مسور بن مخرمہؓ اور سیدنا عبداللہ  
بن عامرؓ شامل تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

وہو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانتہ ولد فی حیاۃ النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم۔

اکثر لوگوں کے نزدیک وہ صحابی ہیں کیونکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے

میں پیدا ہوئے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کو صحابہؓ کی اس قسم میں ثابت کیا ہے جنہیں سماع کا شرف تو حاصل نہیں  
البتہ روایت کا شرف حاصل ہے (ردی الساری مقدمۃ فتح الباری ص ۴۳)، علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی لکھا ہے  
کہ ان کی روایت کی نفی ممکن نہیں ہے۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

جنگ جمل اور جنگ صفین میں سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا اور سیدنا معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ بعض لوگوں  
نے لکھا ہے کہ جنگ جمل میں سیدنا طلحہؓ انہی کے تیرے شہید ہوئے۔ لیکن یہ بات پاٹھ ثبوت کو نہیں  
پہنچتی۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۴۱)

سیدنا مروانؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں :-

کا ایک ادارہ (Institution) قائم کیا گیا تھا جو عباسی خلفاء کی تعریفیں اور بنو امیہ کی مذمت کر کے عباسیوں کی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے۔ تاریخ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) وکان مروان من سادات قریش وفضلاً ثہا۔  
مروان قریش کے سرداروں اور فضلاء میں سے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۷)

شاید اسی وجہ سے سیدنا معاویہؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر فرمایا۔ آپ اس منصب پر کئی سال تک فائز رہے۔ اس زمانہ میں آپ کے خاندان نبوت سے بڑے اچھے تعلقات رہے، چنانچہ آپ کے دو صاحبزادے عبدالملک بن مروان اور معاویہ بن مروان سیدنا علیؓ کے داماد تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۶۹، جمہورۃ الانساب ص ۸) اس عرصہ میں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ آپ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے تھے۔

ان الحسن والحسین کان یصلیان خلف مروان ولا یعیدانہا  
و یعتدان بہا۔

بے شک سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے انہیں ٹٹلتے  
تھیں تھے بلکہ صحیح سمجھتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۸، سیر اعلام النبلاء جلد ۳ ص ۳۱۵)

خاندان نبوت کے مابین باہمی محبت اور مودت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیرؒ نے سیدنا علیؓ  
زین العابدینؓ کے بارہ میں لکھا ہے :-

واحبتہم الی مروان وابنہ عبدالملک۔

وہ مروان اور ان کے بیٹے عبدالملک کے ہاں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۶)

ایک مرتبہ سیدنا زین العابدینؓ نے سیدنا مروانؓ سے ایک لاکھ کی رقم بطور قرض حتمی جو وہ ادا  
کر سکے۔ چنانچہ سیدنا مروانؓ نے اپنے بیٹے عبدالملک کو وصیت فرمائی کہ وہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں۔  
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۱۰۶)



اسلامی کی تہذیب بھی چونکہ اسی دور میں ہوئی لہذا جان بوجھ کر بنو امیہ کے محاسن کو معائب میں اور ان کے فضائل کو ردِ اہل ینا کر ظاہر کیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کی ان کتابوں کی روشنی میں لوگوں کی

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) زہد و تقویٰ کی بیجا حالت تھی کہ تمام پیش آمدہ مسائل میں صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور ان کی متفقہ رائے پر عمل فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۲۵۸)

سیدنا عاصیہ کو ان کے زہد و تقویٰ، پابندی شریعت اور تفقہ فی الدین پر بہت اعتماد تھا چنانچہ شروع میں آپ سیدنا عمرؓ کی طرح جیسے آدمیوں کی ایک کونسل مقرر کرنا چاہتے تھے۔ تا کہ ان کی وفات کے بعد ارباب حل و عقد ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۷) ان میں ایک سیدنا مروانؓ بھی تھے اور آپ کے ریمارکس ان کے بارہ میں یہ تھے۔

المقاری للکتاب اللہ، الفقہ فی دین اللہ، الشدید فی حدود اللہ۔

یہ کتاب اللہ کے قاری، دین کے فقیہ اور اللہ کی حدود کے قائم کرنے میں سب سے زیادہ

سخت ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۵۵۷، سیر اعلام النبلا جلد ۳ ص ۳۱۵)

آپ کا خود اپنا دعویٰ تھا کہ میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

(انساب الاشراف جلد ۵ ص ۱۲۵)

ان کے اس دعویٰ کو کبھی کسی نے چیلنج نہیں کیا۔

آپ نے سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، سیدنا عبدالرحمن بن الاسود

اور سیدہ لمرۃ بنت صفوانؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی

آپ کی کچھ روایتیں احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں لیکن محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کا سماع ثابت نہیں۔ آپ سے آپ کے بیٹے عبدالملک، بہل بن سعد الساعدی، سعید بن المسیب

علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ)، عروہ بن زبیر، ابو یزید بن عبدالرحمن بن الحارث، حمید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ

عجابد، ابوسفیان وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۹۱)

علامہ محب الدین الخطیبؒ نے اس بارہ میں لکھا ہے۔

رہے سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے بارہ میں اچھی نہ رہی اور سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں اہل سنت والجماعت کا وہی عقیدہ ہو گیا جس کا ذکر ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب جلد ۱

ر حاشیہ صفحہ گزشتہ) اخرج اهل الصحاح عدة احادیث من مروان  
وله قول مع اهل الفتيا -

اہل صحاح نے اُن کی کئی احادیث کی تخریج کی ہے اور وہ اہل فتویٰ میں سے ہیں۔

(العوام من القوام ص ۱۸ حاشیہ)

امام مالکؒ نے ان کے کئی فیصلے اور فتاویٰ اپنے موطا میں نقل فرمائے ہیں جو ان کی جلالت علمی اور

عقائیت پر دلالت کرتے ہیں۔

آپ کی انہی علمی اور فکری قابلیتوں کی وجہ سے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ بن عفان نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں اپنا پرسنل اسسٹنٹ مقرر فرمایا۔ یہ سیدنا عثمانؓ کے داماد بھی تھے اور چچا زاد بھائی بھی، لیکن ہمارے اربابِ نواریج بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سیکرٹری شپ کے زمانہ میں سیدنا عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا۔ حالانکہ یہ بات از سر تا پا غلط ہے۔ سیدنا عثمانؓ اکثر خود فیصلے کرتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے صرف سیدنا مروان کو املاک دیتے تھے۔ سیدنا مروان پالیسی بنانے والے نہیں تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں آپ پر فتنہ برپا کرنے کا سب سے بڑا الزام یہ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے والی مصر کے نام خط میں لکھا تھا کہ جب حامل خط آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قتل کر دیں۔ حالانکہ آپ نے لکھا تھا کہ جس وقت حامل مکتوب ہذا آپ کے پاس پہنچے تو اس کو قبول کیجیو، اس کو قبول کیجیو کے مفہوم کو انہوں نے فاقبلولہ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا لیکن فتنہ پردازوں نے اس کو فاقبلولہ یعنی قتل کر دیجیو بنا دیا۔ اور جان بوجھ کر اس کو فتنہ کا نکتہ آغاز بنا دیا۔ ملاحظہ ہو تہذیب الراوی ص ۱۵۱) حالانکہ وہ ایک سازش تھی جو صرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف تھی بلکہ پورے دین اسلام کے خلاف تھی۔ سیدنا مروان کو بھی اس سازش کا مدد بنا یا گیا اور کج نمک بنایا جا رہا ہے۔ آپ کے خلاف اور بھی بہت سی غلط روایتیں نقل کی جاتی ہیں، لیکن محققین کے نزدیک وہ پایہ ثقافت سے گری ہوئی ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ نے اہل بیت نبویؐ کو ایذا دینے، سیدنا علیؓ کو ہرجوہ منبر مدینہ پر کھڑے ہو کر سب دہشتم کرنے

۹۴۔ میں کہتا ہوں کہ اس حوالہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اس عقیدے کی آبیاری اُن لوگوں نے بھی کی جنہوں نے جعلی طور پر اہل سنت والجماعت کا لبادہ اٹھ کر مختلف کتابیں

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کی اعانت کے بارہ روایات کے متعلق صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے۔

لم یصح عنه شی من ذلک کما ستعلمہ مما سنا ذکرہ  
ان کل ما فیہ نحو ذلک فی سندہ علقہ ولہذا روی لہ البخاری  
وغیرہ ولم یخرجه المحدثون ولو صح عنه شی من ذلک  
لنقلہ الحفاظ وتکلموا علیہ۔

ان میں سے کوئی شی بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ تمہیں بتہ پہلے گا۔ اور جن روایات میں ایسی باتیں مرقوم ہیں ان کا سند معلول ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ اپنی صحیح میں ان کی روایات نقل کی ہیں۔ اور محدثین نے ایسی روایات کی تصریح نہیں کی۔ اور یہ روایات صحیح ہوتیں تو حفاظ حدیث ان کو نقل کرتے اور ان پر کلام کرتے۔ (تطہیر الجنان ص ۲۶)

قاضی ابوجبر بن العریؒ نے سیدنا مروان کے بارہ میں اپنی جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ شنیدنی ہے غرض کہ وہی مروان رجل عدل من کبار الائمۃ عند الصحابة والتابعین وفقہاء المسلمین۔

مروان ایک عادل انسان تھا اور صحابہؓ، تابعینؓ اور فقہائے مسلمین کے نزدیک امت کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ (العواصم من القواصم ص ۸۹)

الغرض مروان علم و عمل، زہد و تقویٰ میں یکتا ہے روزگار تھے اور ان پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ اگر وہ صحیح ہوتے تو اس زمانہ کے اہل علم و فضل اور کبار صحابہؓ اور تابعینؓ ضرور اس کا تذکرہ کرتے بلکہ سیدنا مروان کے خلاف ہر ملوگوں میں پرچار کرتے، لیکن ایسا تمہیں ہے۔

آپ کی وفات رمضان المبارک ۶۵ھ میں واقع ہوئی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی اور مدت خلاف ۹ ماہ۔

لکھیں جن میں سیدنا معاویہؓ اور بنو امیہ کے دوسرے خلفاء کے بارہ میں مسلمانوں کے اعتقاد کو مخدوش کرنے کے لیے یہی موضوعات گھسیٹ دیں اور اس انداز میں ان کو بیان کیا کہ اچھے اچھے لوگوں نے اُن کی کتابوں کو بنیاد بنا کر بنو امیہ کے بارہ میں اپنے اعتقاد کی عمارت تعمیر کی۔ مثال کے طور پر محمد بن جریر الطبریؒ جو کہ بنو عباس کے دور حکومت کی پیداوار ہے۔ یہ تاریخ، حدیث اور تفسیر میں یحتمائی روزگار تھا لیکن تھا رافضی۔ اُس نے قرآن حکیم کی تفسیر اور تاریخ اسلام پر دو ضخیم و ضخیم کتابیں لکھیں۔ اور ان میں زیادہ تر مسائل تو اہل سنت والجماعت کے نقطہ نظر کے مطابق لکھے لیکن درمیان میں اہل سنت کے اذہان کو زہر آلود (Poisoned) کرنے کے لیے کچھ ایسی باتیں بھی لکھ دیں تاکہ غیر شعوری پر مسلمان قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اہل سنت و الجماعت کے علمداری آراء ابن جریر الطبری کے بارہ میں مختلف ہو گئیں بعض علماء سے اکابر اہل سنت میں سے شمار کر کے اس کی ہر بات کو بطور دلیل پیش کرنے لگے اور یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ

لا تسمعوا المتوسخ كلاماً الا للطبري -

طبری کے سوا اور کسی مورخ کی بات نہ سُنو۔ (العوام من العوام ص ۲۳۸)  
لیکن محققین اور تہ تک پہنچنے والے بزرگوں نے اُس کی کتابوں کا مطالعہ کر کے فرما کہہ دیا۔  
كان يضع المروافض -

وہ رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (لسان المیزان جلد ۵ ص ۱)  
اگرچہ بعض حضرات نے محدث احمد بن علی سلیمانؒ کے اس قول کو ابن جریر الطبری کے بارہ میں بدگمانی پر محمول کیا، لیکن پھر خود اقرار کرنا پڑا کہ  
ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مفسر نہیں تھا۔

(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱) المیزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵)  
ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک بزرگ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:-  
ابو جعفر الطبریؒ وہو امام من الائمة الامامية -  
ابو جعفر الطبری امامیہ (شیعہ) ائمہ میں سے ایک امام تھے۔  
(لسان المیزان جلد ۵ ص ۱)

اب اندازہ قرائیں کہ جو شخص خم غدیر جیسے خالص شیعہ واقعہ پر دو ضخیم جلدیں مرتب کرے  
وضو میں جو اندر مسجرح جلیں رپاڈل پر مسجرح کرنے کا قائل ہو اور ان کا دھونا واجب اور ضروری نہ  
سمجھتا ہو اور اپنی تاریخ الام والملوک جلد ۱۲ کے صفحہ ۲۴ کی سطر ۲۵ پر سیدنا معاویہؓ پر لعنت بھیجے  
پھر اسی جلد کے صفحہ ۲۹ سطر ۱ پر معاویہ بن ابی سفیانؓ اور یزید بن معاویہؓ دونوں پر لعنت بھیجے۔ وہ  
شخص اہل سنت و جماعت کا امام ہو سکتا ہے؟ اہل سنت تو سیدنا معاویہؓ کو صحابی رسولؐ اور  
ایک جلیل القدر خلیفہ رسولؐ تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ابن جریر الطبری کی زندگی ہی میں اکثر لوگ  
اس کے شیعہ فکر کی وجہ سے مخالف ہو گئے اور اُس کے رفض ہی کی وجہ سے وفات کے وقت اُس  
کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اُس کو گھر کی چار دیواری ہی میں دفن  
کیا گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۱ ص ۱۴۶)

اس کے علاوہ اُس نے اپنی کتاب میں قریباً ۹۰ فیصد روایات کذاب اور راقضی رلیوں  
کی درج کیں تاکہ لوگوں کے جذبات کو صحابہ رسولؐ کے خلاف برا بھلا سمجھتے کیا جائے۔ ان راویوں میں  
ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایات سب سے زیادہ تعداد میں ہیں جس کے متعلق محدثین کا متفقہ فیصلہ  
ہے کہ وہ کٹر شیعہ تھا، کذاب تھا اور اُس کی روایات قابل اعتماد نہیں۔

رما حظ ہو تذکرۃ الموضوعات ص ۲۸۶، لسان المیزان جلد ۴ ص ۴۹۲، میزان الاعتدال  
جلد ۲ ص ۲۶، تاج العروس شرح القاموس جزء ۴ فصل ۵ ص ۱۰۵

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کے علاوہ محمد بن السائب الکلبی اور اس کے بیٹے ہشام کی روایات بھی  
کثرت سے اپنی کتاب میں جمع کر دی ہیں جن میں صحابہ رسولؐ کو کفر طعن و تمقید بتایا گیا ہے۔ حالانکہ  
ان دونوں راویوں کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ وہ کذاب تھے اور ناقابل اعتماد  
رما حظ ہو لسان المیزان جلد ۴ ص ۱۹۶، میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۵۶

۱۔ علامہ ابن کثیر نقل فرماتے ہیں۔

”ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہؓ نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے  
جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال کرنے پر اکسایا گیا تھا“  
(البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص ۱۴۵)

یہ تو صرف ایک طری کا ذکر ہے لیکن تاریخ الاسلام میں ایسے کئی لوگ ہیں جنہوں نے اندرون خانہ مذہب اہل سنت کے عقائد کے خلاف رقص اور تشیع کے عقائد کی تشریح کی اور بزرگ اور سادہ لوح اکابر نے اُن کو اپنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

ایسی روایتیں جن سے صحابہ کی ذوات مخدوش ہوتی تھیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بعد والے مؤرخین اُن کو اپنی کتابوں میں درج نہ کرتے بلکہ اُن پر تنقید کے تیر چلا کر ان کو محجور کرتے لیکن یہ نظریہ کہ جو مکہ فلاں بڑے نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لہذا ہم بھی اُس کو نقل کر دیتے ہیں، اسی طرح متاخر متقدمین کی قریباً سب روایتوں کو بغیر تنقید کی چھلتی ہیں چھانے اسی طرح اپنی کتابوں میں نقل کرتے آئے اور آج تک نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور پھر انہی روایتوں پر اپنے عقائد کا استنباط کرتے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ باوجود اپنی محدثانہ شان کے صرف اس اکابر پرستی کی وجہ سے اپنی کتاب کو ایسی روایتوں سے پاک نہ رکھ سکے چنانچہ خود لکھتے ہیں :-

والتشیعة والرافضة في صفة مصرع الحسين كذب  
كثير واخبار باطله وقيما ذكرنا كفاية وفي بعض  
اوسدناه نظر ولو كان ابن جرير وغيره من الحفاظ  
والائمة ذكره ماسقته واكثره من رواية ابي مخنف  
لوط بن يحيى وقد كان شيعياً و هو ضعيف الحديث  
عند الاثمة -

سیدنا حمیدؒ کی شہادت کے بارہ میں شیعہ اور رافضیوں کی بہت زیادہ جھوٹی اور

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابن جریر کے یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :-

هذا كذب على الصحابة -

یہ صحابہؓ پر افتراء اور جھوٹ ہے۔

اس طرح کی بے شمار روایات نقل کر کے صحابہؓ کے خلاف لوگوں کے جذبات کو اکسایا گیا ہے۔ جو کہ

خالص اہل رقص کا کام ہے۔

باطل خبریں ہیں ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور ان میں سے بعض حصہ محل نظر ہے۔ اگر این بریری اور دوسرے ائمہ و حفاظ اُس کو نقل نہ کرتے تو ہم بھی اُس کو ترک کر دیتے۔ ان میں اکثر روایات ابو مخنف و طاب بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ ہے اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۰۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ سمجھنے اور جھٹکے کہ فلاں روایت غلط ہے پھر بھی اُس کو صرف اس وجہ سے نقل کر دینا کہ فلاں امام اور بزرگ نے نقل کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی معقول بات نہیں ہے اور اسی چیز کا سہارا لے کر کئی نام نہاد مفکر مختلف مضامین اور کتابیں لکھ کر صحابہ کرام کے متعلق اُمت کے صحیح اعتقادات میں کتر دیونٹ کی کوشش کر رہے ہیں۔ غلط چیز غلط ہی ہے خواہ اس کو کتاب بڑا امام یا محدث نقل کرے اور صحیح چیز صحیح ہی ہے خواہ وہ کسی چھوٹی سی کتاب ہی میں کیوں نہ ہو۔

اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ سیدنا معاویہ کی خلافت کے بارہ میں اگر قرآن و سنت اور تاریخ اسلام کی صحیح روایات کی روشنی میں کوئی نتیجہ نکالا جائے تو وہ یہی نکلتا ہے کہ ان کی خلافت "خلافت راشدہ" تھی، لیکن اگر وہ مخصوص شرطیں ہی لگائی جائیں جو کہ ہمارے بعض لوگوں نے سیدنا معاویہ کی خلافت کو "غیر راشدہ" ثابت کرنے کے لیے لگائی ہیں تو پھر خلافت راشدہ خلفائے اربعہ میں مخصوص ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ پھر "خلافت راشدہ" کا دور سیدنا عثمان کی شہادت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ کو یہ لکھنا پڑا کہ

لموت حضرت عثمانؓ خلافت خاصہ منقطع گشت و اکثر احادیث بہیں مضمون

وارد شدہ

سیدنا عثمانؓ کی وفات سے خلافت خاصہ منقطع ہو گئی اور اکثر حدیثیں اسی مضمون کی

وارد ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الخفاء مقصد امل ص ۶۱)

یعنی اس لحاظ سے سیدنا علیؓ کی خلافت بھی "خلافت راشدہ" نہیں رہتی۔ اور اگر وہ شرائط ذرا ڈھیلی کر دی جائیں تو پھر سیدنا علیؓ اور سیدنا معاویہؓ دونوں کی خلافتیں "خلافت راشدہ" شمار

ہو سکتی ہیں لہذا قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ اسی بات کی تائید کرتے ہیں کہ خلافت راشدہ چار خلفاء میں محصور نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کریں تو بیسیوں آیات صحابہؓ کے تقدس اور ان کے رشد و ہدایت کے مینار ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جن میں سے ہم چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ صحابہ کرامؓ کا علوم و تربیت اور ان کی عظمت معلوم ہو سکے کیونکہ خلافت راشدہ کا تعلق خلیفہ کے راشد ہونے پر موقوف ہے۔ خلیفہ اگر راشد ہے تو اس کی خلافت ”خلافت راشدہ“ ہے اور خلیفہ اگر خود راشد نہیں تو اس کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ نہیں ہو سکتی چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن حکیم میں صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَارُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَكُنْتُمْ هُنَا بِاللَّهِ ۝

تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے اس لیے بھیجی گئی ہو تاکہ انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ۔ (آل عمران: ۱۱۰)

تمام محدثین اور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کا صحیح مصداق صحابہ کرامؓ نہیں کیونکہ انہیں کے بارہ میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں حضرت صحابہؓ کو تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بہتر اور افضل قرار دیا۔ لہذا جب اصحاب رسولؐ ساری امت سے افضل و اعلیٰ ہیں تو ان کا دوراداران کی حکومت بھی ان کے بعد آیا والوں کی حکومتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:-  
وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَوَضَعْنَا عَنْهُمْ  
أَعْدَاءَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔

اور جو ہجرتیں اور انصار ایمان لانے میں سب سے پہلے اور مقدم ہیں۔ اور وہ لوگ بھی جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی



ہوا اور وہ سب اُس (اللہ) سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے باغ

متبیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ (التوبہ: ۱۰۰)

• اس آیت میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ پھر صحابہ کرامؓ کے دو طے بیان قرآن کے ایک طبقہ السابغون الاولون کا اور دوسرا بعد میں ایمان لانے والوں کا۔ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا اور جنت کی عطا کا وعدہ کیا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

و السابغون الاولون سے کون صحابہؓ مراد ہیں اس بارہ میں علما کے مختلف اقوال ہیں پہلے خیال میں سب سے زیادہ صحیح قول اس بارہ میں یہ ہے کہ جو لوگ بیعت رضوان میں جو شتمہ میں ہوئی شامل تھے وہ السابغون الاولون میں شامل ہیں اور جو لوگ بیعت رضوان کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے وہ والذین اتبعوہم باحسان میں شامل ہیں۔ اس آیت میں صاف لفظوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہؓ کی جماعت میں داخل ہو گیا اُس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور اللہ رب العزت اس کو آخرت میں جنت کی دوائی زندگی عطا فرمائیں گے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا خاتمہ اور انجام نیک اور بخیر ہوا، کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے علم ازل کے تحت انہیں رضا کا مژدہ سنایا۔ اور اللہ کی رضا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ لوگ اپنے انجام کے لحاظ سے حالت صالحہ پر تھے کیونکہ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر اُس سے کبھی ندامت نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علما نے لکھا ہے کہ:-

من رضى الله عنه لم يسخط عليه أبداً انشاء الله تعالى

جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے پھر انشاء اللہ تعالیٰ اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوں

گئے۔ (الاستيعاب جلد ۱ ص ۱۰۰)

قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے مقام عظمت کو ان

الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ إِلَيْكُمْ إِلِيمَانٌ وَذَيْعِي فِي قُلُوبِكُمْ

وَكُنَّا إِلَيْكُمْ لُفْرًا وَالْفُسُوقُ وَالْعِصْيَانُ أُولَٰئِكَ

الَّذِينَ شَدُّوا فُضْلًا مِنَ اللَّهِ وَبِعَمَلِهِ وَاللَّهُ  
عَلِيمٌ حَكِيمٌ

لیکن اللہ جل شانہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں  
میں مزین بنا دیا، اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمہارے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ  
بنا دیا۔ یہی لوگ راشدین ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمت سے اور اللہ  
تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (المحجرات: ۱)

یہ خوش خبری حق تعالیٰ نے چند صحابہ کرامؓ کو نہیں دی بلکہ بلا استثناء سب صحابہؓ کو دی اور  
اس آیت میں تمام صحابہؓ کے لیے تین باتیں بیان فرمائیں۔

۱۔ ایمان کو ان کے لیے محبوب بنا دیا۔

۲۔ ایمان کو ان کے دلوں میں مزین فرما دیا۔

۳۔ کفر، فسوق اور عصیان کو ان کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ بنا دیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک بڑے پتے کی بات ارشاد فرمائی ہے  
فرمایا:-

یہاں ایمان میں فرائض، مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی گئی اور اس کے  
مقابلہ میں کفر، فسوق اور عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
ایمان کا مل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ  
بلا تفصیل اُس کے تمام احکام کی محبت ہو۔ اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہو  
گی اور بعض مرتبہ فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ عموماً کامل کے لیے ضروری  
ہے کہ وہ صرف کفر ہی سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ  
لیے رکھے گئے ہیں کہ فسق و عصیان کفر نہیں اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔

(کتاب الایمان ص ۱۷)

اس آیت کے آخر میں تمام صحابہؓ کے متعلق فرمایا کہ:-

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

یہی لوگ راشدین (ہدایت یافتہ) ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ کہاں کی منطق اور کہاں کی سورج ہے کہ حق تعالیٰ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو ”راشدین“ کہہ رہے ہیں اور راشد اس کو کہتے ہیں جو رشد و ہدایت سے مالا مال ہوا اور ہم بعض صحابہ کو غیر راشد ہونے کا فتویٰ دے رہے ہیں۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معاویہؓ کے متعلق ایک شکایت کے سلسلہ میں فرمایا کہ:-

اِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا۔

(لہذا ان پر یہ اعتراض غلط ہے)

بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، الاصابہ جلد ۳ ص ۱۲۴

اور قرآن کہہ رہا ہے کہ تمام صحابہؓ ”راشدین“ ہیں سے ہیں لیکن ہم ایک ہی بات کی سٹ لگا رہے ہیں کہ سیدنا علیؓ ایک تو تمام صحابہؓ ”راشدین“ تھے اس وجہ سے ان کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ تھی لیکن سیدنا علیؓ کے بعد والے لوگ صحابی ہونے کے باوجود راشد نہ تھے لہذا ان کی خلافت بھی ”خلافت راشدہ“ نہ ہوئی؟

سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو ”خلافت راشدہ“ نہ سمجھنے والوں کی بات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ وہ سب صحابہؓ کو راشد نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن حکیم انہیں صاف لفظوں میں ”راشدین“ کہہ رہا ہے لیکن ہم قرآن کے خلاف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی سمجھتے ہوئے غیر راشد بھی سمجھتے ہیں اور فسوق و عصیان میں ملوث بھی۔ یہ قرآن حکیم کے معافی کے ساتھ زیادتی ہے۔

قرآن حکیم کے بعد اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر نگاہ ڈالیں تو بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا زمانہ بہترین زمانہ تھا اور پھر اس کے بعد تابعین کا زمانہ اور پھر اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ۔ ان تینوں زمانوں کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیریت کی خبر دی ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

خَيْرَ أُمَّةٍ قَوْمِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ

ثُمَّ يَحْيَى أَقْوَامَ تَسْبِقُ شَهَادَةَ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ

ویمینہ شہادتہ -

بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، بعد ان کے وہ آئیں گے، پھر جو ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسی قومیں رونما ہوں گی جن کا شہادت قسم سے آگے اور قسم شہادت سے پیش پیش ہوگی۔

(مسلم جلد ۲ ص ۳۹، ترمذی جلد ۲ ص ۴۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا۔

ای الناس خیر، قال القرن الذی انا فیہ۔ ثم الثانی۔  
ثم الثالث۔

سب سے اچھے لوگ کون سے ہیں؟ فرمایا میرے زمانے کے پھر دوسرے کے پھر تیسرے کے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۳۱)

ان تین زمانوں کے بارے میں محدثین میں کچھ اختلاف ہے، لیکن صحیح بات وہ ہے جو علامہ نوویؒ نے فرمائی ہے۔

والصحيح ان قرنته صلى الله عليه وآله وسلم والصحابه  
والثاني التابعون والثالث تابعوهم۔

صحیح بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور صحابہؓ کا زمانہ ہے۔ دوسرا  
تابعین کا اور تیسرا تبع تابعین کا۔ (نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۳۹)

شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ۔

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرن سے مراد صحابہؓ کا زمانہ ہے۔

(فتح الباری جلد ۴ ص ۴۴)

صحابہؓ کے زمانہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں سب سے بہتر زمانہ

قرار دیا۔ اس کی وجہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

وخیر القرون القرن الذین شہدوہ مؤمنین بہ وبما  
یقولوا اذ کانوا عرف الناس بالفرق بین الحق الذی

جاء بهم وبين ما يخالفه واعظم محبته لما جاء بهم وبغضاً  
لما خالفه واعظم جهاداً عليه فكانوا افضل ممن بعدهم  
في العلم والدين والجهاد اكمل علماً بالحق وبالباطل  
واعظم محبة للحق وبغضاً للباطل واصبر على متابعة  
الحق واحتمال الاذى فيه -

ان تینوں درودوں میں بہترین درود ان لوگوں کا ہے جن کی نگاہوں نے جمالِ جہاں  
آرا کا بحالتِ ایمان مشاہدہ کیا ہے۔ یہی لوگ حق و باطل میں فرق کو سب سے اچھا  
جاننے والے، حق کے سب سے زیادہ ماننے والے، حق کے سب سے زیادہ  
شید اور فریقہ، باطل کے سب سے زیادہ بُری اور دشمن، حق کی خاطر سب  
سے زیادہ جان کھپانے والے ہیں۔ بعد میں آنے والوں کے مقابلہ میں علم و  
دیانت، ہر فردی و حق آشنائی، حق پذیری اور حق کی خاطر مصائب کے استقبال  
میں سب سے پیش پیش ہیں! (النبوت ص ۸۵)

نواب صدیق حسن خاںؒ نے لکھا ہے کہ

”میں صدر اول اور سلف صالح ہیں۔ ان ہی کو ہر موضوع پر بطور دلیل پیش کیا جا  
سکتا ہے، ان ہی پر دین کی زندگی میں اعتماد کیا جاسکتا ہے، دینی زندگی کے سارے  
حوال، اعمال، اخلاق اور احکام میں یہی لوگ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(الحق فی ذکر الصحاح السبعة ص ۲۲)

لے امام بخاریؒ نے صحابی کی تعریف یہ کی ہے کہ :-

من صحب النبي صلى الله عليه وآله وسلم او راأه من  
المسلمين فهو من اصحابه -

جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت یا دید کا شرف بحالتِ ایمان  
حاصل کیا وہ صحابی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی قرن سے مراد یہی لیا ہے۔ فرماتے ہیں :-  
 واعدل الاقوال قول صاحب المحکم هو القدر المتوسط  
 من اعمار اهل كل زمن، والمراد بقرنه صلى الله عليه وآله  
 وسلم في هذا الحديث الصعابة والاخر من مات منهم  
 على الاطلاق بلا اختلاف ابوالطفيل عامرين واثلة  
 الليثي كما جزم به مسلم في صحيحه وكان موته  
 سنة ما تله على الصحيح -

ان سب اقوال میں سب سے معتدل قول صاحب المحکم کا ہے کہ قرن سے مراد  
 ہر زمانے کی عمریں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرن سے مراد  
 اس حدیث میں صحابہ کا زمانہ ہے۔ اور صحابہ میں سے بلا اختلاف سب سے آخر میں  
 جس کا انتقال ہوا وہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ اللیثی صحابی رسول ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم  
 میں جزم اور یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق ان کی وفات متانہ  
 میں ہوئی ہے (الصواعق المحرقة - ص ۲۱۲)

اس حدیث کی رو سے صحابہ کو اٹھ کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے ہمارے نزدیک اس سلسلہ میں صحیح روایت ثلاثہ کی ہے اور اس کی تائید ایک حدیث نبوی سے بھی  
 ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا  
 تھا :-

على رأس ما تله سنة لا يبقى على وجه الارض من هو  
 عليها اليوم احد -

جو لوگ آج زمین پر رہ رہے ہیں یعنی آپ کے صحابہؓ ان میں سے سو سال کے بعد  
 کوئی زمین پر زندہ نہ رہے گا۔

(الصواعق المحرقة - ص ۲۱۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۰)

نے اس کو اپنا زمانہ قرار دیا ہے۔ اور صحابہؓ میں سب سے آخری صحابی ابو الطفیلؓ نے جو جنگ اُحد کے روز پیدا ہوئے۔

مات سنۃ عشر و مائۃ۔

سنۃ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔

(تقریب التذیب ص ۱۸۷)

اس لحاظ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد پورے سو سال تک کا دور صحابہؓ کا دور تھا جو کہ سب سے بہتر اور سب سے افضل دور تھا۔ اسی دور میں یعنی سنۃ ۱۰ میں سیدنا معاویہؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور تمام اُمت جن میں صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد شامل تھی، بلکہ ان میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا ارقم بن ابی ارقمؓ، جابر بن عبد اللہ انصاریؓ، کعب بن عذر انصاریؓ، سیدنا ربیعہ بن عباد الدلیؓ، سیدنا اسلمہ بن زیدؓ، سیدنا انس بن مالکؓ، سیدنا جابر بن عذیک انصاریؓ، سیدنا مالک بن ربیعہؓ، سیدنا فضالہ بن عیینہ انصاریؓ، سیدنا ابو قتادہؓ، سیدنا ربیعہ بن کعبؓ، سلمیٰ، سیدنا قیس بن سعدؓ، عبادہؓ، سیدنا عثمان بن حنیفؓ، سیدنا ابوسعید خدریؓ، سیدنا براءؓ، عازبؓ، سیدنا زید بن ارقمؓ، سیدنا سلمہ بن اکوعؓ، سیدنا معقل بن یسارؓ، سیدنا عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، سیدنا عوف بن مالکؓ، سیدنا حکم بن حزامؓ، سیدنا عدی بن حاتمؓ، سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، سیدنا حسن بن علیؓ، سیدنا حسین بن علیؓ، سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عبد اللہ بن جعفرؓ، سیدنا عبید اللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے اور سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پوری ملت اسلامیہ نے ۵-۶ سال کے تفرقہ اور تشدد کے بعد آپ کی خلافت پر اجماع کیا۔ اسی وجہ سے اس سال کو عام الجماعۃ کا نام دیا گیا ہے۔

رلاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۳۱، اسد الغابہ

جلد ۴ ص ۲۸۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۹۳

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے شخص کی خلافت صحیح اور راشدہ نہیں؟ کیا سیدنا معاویہؓ بقول قرآن حکیم اُولَئِكَ هُمُ الرّٰشِدُونَ۔ خود راشد نہیں؟ کیا ان کے دستِ حق

پرست پر بیعت کرنے والے راشد نہیں تھے؟ جب وہ خود بھی راشد تھے اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر نیوالے بھی راشدین کی جماعت کے لوگ تھے۔ جنہوں نے ان کی خلافت میں گورنری تک کے عہدے بھی حاصل کئے تو پھر ان کی خلافت کو ”خلافت راشدہ“ کیوں نہیں کہا جاتا ہے؟ چنیسیٹر لوہا بلکہ ہزاروں صحابہؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی کیا انہوں نے سیدنا معاویہؓ کی حکومت کو ملک ”مغصوف“ سمجھ کر بیعت کی تھی؟ اور اگر انہوں نے ان کی خلافت راشدہ کو غیر راشدہ سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو انہوں نے کسی ایک موقع پر اس بات کا سیدنا معاویہؓ سے اظہار کیوں نہ کیا؟ کہ جناب آپ خلیفہ نہیں بلکہ آپ تو ایک غیر راشد بادشاہ ہیں اور ہم آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم نہیں کریں گے۔

تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہؓ نے سیدنا معاویہؓ کے ہاتھ پر اسی طرح بیعت کی تھی جس طرح سیدنا ابوجبرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ اور یہ لوگ ان کے احکام کی اسی طرح تعمیل کرتے تھے جس طرح ان حضرات کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ انہوں نے تو ان سب خلافتوں میں کوئی فرق نہیں کیا، لیکن بعد والوں نے اتنا فرق کیا کہ بغیر دلیل کے خلافت راشدہ کو کفر کے اختتام کے ساتھ ہی ختم کر دیا اور اس کفر سے ملوکیٹ کا دوسرا شروع کر دیا۔ کیا یہ صحابہؓ کے ساتھ زیادتی اور ان کے عمل سے انحراف نہیں ہے؟ کیا اچھا فرمایا سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے کہ:-

مَنْ كَانَ مُتَاسِئًا فَلَيْتَ أَسَىٰ يَا صَحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّهَمُوا بِرَهْذَةِ الْأُمَّةِ قُلُوبًا وَاعْمَقَهَا عِلْمًا وَقَلْبًا تَكَلَّفًا وَقَوْمَهَا هَدِيًّا وَاحْسِنَهَا حَالًا، قَوْمَ اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِمُصْحَبَةِ نَبِيِّهِ وَامَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوا آثَارَهُمْ فَاتَّهَمُوا كَمَا تَوَاعَى الْهَدَى الْمُسْتَقِيمُ -

جو شخص اقتداء کرنی چاہتا ہے اُسے اصحاب رسولؐ کی اقتداء کرنی چاہیے، کیونکہ یہ حضرات ساری امت سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک، علم کے لحاظ سے



گہرے تکلف سے الگ تھلک عادات کے لحاظ سے معتدل اور حالات کے لحاظ سے سب سے بہتر میں یہ وہ قوم ہیں کہ اللہ جل و علا شانہ نے ان کو اپنے نبیؐ کی صحبت اور دین کی اقامت کے لیے پسند فرمایا۔ لہذا تم ان کی قدر سمجھاؤ اور ان کے قدموں کی اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ سیدھے راستہ پر ہیں۔

(شرح عقیدہ سفارینیہ جلد ۲ ص ۲۸، اعلام المؤمنین جلد ۴ ص ۱۳۹)  
ان لوگوں کی بزرگی اور مرتبت کو عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعید بن زیدؓ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ :-

واللہ! لمشهد ر جل منهم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغفر فیہ وجہہ خیر من عمل احدکم ولو عتمر

عمر فوج  
بعد اوصحابہ کرامؓ میں سے کسی شخص کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہونا جس میں اُس کا چہرہ عیار آلود ہو جائے، غیر محابہؓ سے ہر شخص کی ساری عمر کی عبادت اور عمل سے بہتر ہے اگرچہ اُس کو عمر فوج عطا ہو جائے۔  
(جمع الفوائد جلد ۲ ص ۴۹۲)

اس بارہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی بڑے پیارے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں کہ :-

فارض لنفسک ما رضى اہل القوم لانفسہم فانہم علی علم وقفا و بیصیر ناقد کفو و اہم علی کاشف الامور کانوا اقوی و بفضل ما کانوا فیہ اولی -

اپنے لیے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم اہل کرامؓ نے (پسند فرمایا، اس لیے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس سے لوگوں کو روکا۔ ایک دوسرے کی بنا پر روکا۔ بلاشبہ وہ دقیق حکمتوں اور عملی الجھنوں کو کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ نفیست وہی مستحق تھے۔  
(البراد و جلد ۱ ص —)

اب جو لوگ اپنی لہارت قلب اور گہرائی علم کے لحاظ سے ساری دنیا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک روشنی کا مینار ہوں وہ کسی ایسے شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پوری اتباع اور اطاعت نہ کرتا ہو وہ کس طرح اپنا امام اور خلیفہ بنا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ خلیفہ کی حیثیت سے کسی کے ماتھے پر بیعت کریں گے تو وہ یقیناً بلا شک و شبہ صحیح طور پر خلیفہ رسول ہو گا۔ اور اس کی خلافت "خلافت راشدہ" بلکہ "مرشدہ" ہو گی۔

راہنہ الیقین نے اعلام الموقنین جلد ۴ ص ۱۲۸ تا ص ۱۵۳ پر بڑی نفیس بحث کی ہے (



## ایک حدیث اور اُس کا جواب

بات دراصل یہ ہے کہ اکثر حضرات کو ایک حدیث سے یہ شبہ ہو گیا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت غیر راشدہ ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ سیدنا سفینہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

الخلافة في أمتي ثلاثون سنة ثم ملك بعد ذلك ثم قال لي سفينة امسك خلافة ابى بكر ثم قال وخلافة عمرو وخلافة عثمان ثم قال امسك خلافة علي فوجدناها ثلاثين سنة ، قال سعيد فقلت له انت بنى أمية يزعمون ان الخلافة فيهم قال كذبوا بنوا الزمراء بل هم ملوك من شر الملوك -

خلافت میرے بعد تیس سال تک ہے گی اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔ پھر سیدنا سفینہؓ نے مجھے فرمایا کہ آپ خلافت ابوبکرؓ، خلافت عمرؓ، خلافت عثمانؓ، اور خلافت علیؓ کا حساب کر لیں۔ ہم نے جب حساب کیا تو وہ تیس سال بنتے تھے سعید (راوی حدیث) نے کہا کہ میں نے سیدنا سفینہؓ سے کہا کہ بنو امیہ یہ لگان کتے ہیں کہ ان میں بھی خلافت ہے سیدنا سفینہؓ نے فرمایا وہ جھوٹ کتے ہیں بلکہ وہ بڑے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۴۸)

یہ وہ حدیث ہے جس کی بنیاد پر خلافت راشدہ کو چار خلفاء میں محصور و محدود کیا جاتا ہے۔ پتا نہی جس نے بھی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو راشدہ شمار نہیں کیا اُس نے اسی حدیث کو اپنے اس غلط فیصلے کی بنیاد بنایا ہے اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے غیر راشدہ ہونے پر صرف اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے حالانکہ یہ حدیث روایت اور درایت کے لحاظ سے غیر صحیح بلکہ موضوع ہے

اور اس کو کسی صورت بھی اس اہم فیصلے کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔

روایت کے اعتبار سے اس حدیث کے غیر صحیح ہونے پر مشہور محدث قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے لکھا ہے۔

هذه احديث لا يصح۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (العواصم من القواصم ص ۲۱)

مشہور فاضل علامہ محبت الدین الخطیبؒ نے اس حدیث کی سند پر بحث فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ محدثین کرام نے اس حدیث کو جو غیر صحیح کہا ہے وہ درست ہے چنانچہ فرماتے ہیں :-

لا ترويه عن سفينة سعيد بن جهمان ، قد  
اختلفوا فيه قال بعضهم لا بأس به ووثقه بعضهم وقال  
فيه الامام ابو حاتم شيخ لا يفتح به ، وفي سنده  
حشرج بن نياته الواسطي وثقه بعضهم ، وقال فيه  
النسائي ليس بالقوي وعبد الله بن احمد بن حنبل يروي  
هذه الخبر عن سويد الطحان ، قال فيه الحافظ ابن حجر  
في تقريب التهذيب : لين الحديث۔

کیونکہ سیدنا سفینہؒ سے اس کے راوی سعید بن جہمان ہیں۔ ان کے بارہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں اور بعض نے توثیق کی ہے۔ اور شیخ ابوحاتم فرماتے ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی اس کی سند میں حشرج بن نیاثہ ایک راوی ہیں ان کی بھی بعض نے توثیق کی ہے لیکن امام نسائی فرماتے ہیں کہ قوی نہیں ہے اور عبد اللہ بن احمد بن حنبل یہ حدیث سويد الطحان سے روایت کرتے ہیں جن کے بارہ میں حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں :- لین الحديث یعنی حدیث میں کمزور ہے۔ (ایضاً)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے سعید بن جہمان کے بارہ میں ایک خاص انکشاف فرمایا ہے کہ :-

قال ابن معين روى عن سفينة احاديث لا يرويهما غيره۔

حدیث میحیی بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس نے سیدنا سفینہؓ سے بعض احادیث ایسی روایت کی ہیں جو ان کے سوا کسی اور نے نہیں کہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۳۸)  
ابن حجرؒ نے اس کے بارہ میں امام بخاریؒ کا بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ :-

قال البخاری فی حدیثہ عجائب  
اس کی حدیث میں بڑی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

ان عجیب و غریب باتوں میں سے اور ان مخصوص احادیث میں سے جن کو سوائے اس راوی کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے روایت نہیں کیا ایک یہ حدیث خلافت کو بیس سال میں مقید کرنے کی بھی ہے جس کو سوائے سعید بن جہان کے اور کسی نے سیدنا سفینہؓ سے نقل نہیں کیا۔ یہ خبر جس کو سیدنا سفینہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، کوئی معمولی اور غیر اہم خبر نہیں ہے بلکہ ایک نہایت اہم خبر ہے جس سے امت مرحومہ کا مستقبل وابستہ ہے لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سیدنا سفینہؓ کے سوا کسی اور صحابیؓ نے آپؐ سے اس کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی سعید بن جہان کے سوا کسی اور شخص نے سیدنا سفینہؓ سے اس کو نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول نہیں ہے بلکہ بعد کے کسی ذہن کی اختراع ہے اور سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علیؓ کی خلافتوں کی مدت کو جمع کر کے اس حدیث کے الفاظ بنتے گئے ہیں۔ حالانکہ ان چاروں خلفاء کی خلافت میں جب تک سیدنا حسن بن علیؓ کی خلافت کے چھ ماہ درج نہ کئے جائیں اس وقت تک تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لیکن حدیث کے الفاظ میں ان کی خلافت کو تیس سال میں شمار نہیں کیا گیا بلکہ سیدنا علیؓ کی خلافت پر ہی تیس سال پورے کر دیے ہیں جو کہ خلاف واقعہ ہیں۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ سعید بن جہان کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا سفینہؓ

---

لہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ سیدنا سفینہؓ کا انتقال ۳۵ھ میں ہوا۔ اور سعید بن جہان کا انتقال ۱۳۶ھ میں۔ پھر اہل الذکر مدینہ میں رہے اور ثانی الذکر بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ ان کی ملاقات بھی آپس میں ثابت نہیں۔

سے پوچھا کہ بنو اُمیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم میں بھی خلافت ہے تو جواب میں سیدنا سفینہؓ نے فرمایا :-  
**ہم ملوک من شر الملوک -**

وہ بُرے بادشاہوں میں سے بادشاہ ہیں -

اگر سیدنا سفینہؓ کی رائے بنو اُمیہ کے بارہ میں یہی ہوتی جس کا اظہار انہوں نے اس حدیث میں فرمایا ہے تو وہ کبھی بھی سیدنا معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کے ہاتھوں پر بیعت نہ فرماتے ان کا ان دونوں کے ہاتھوں پر بغیر مشروط بیعت فرالینا اس بات کی تین دلیل ہے کہ وہ ان دونوں کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے -

اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ متعدد صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہے - ان میں سے ایک صحیح ترین حدیث وہ ہے جس کو امام بخاریؒ اور مسلم اند دوسرے کئی ایک محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے - یہ حدیث سیدنا جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے - وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوا تو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ :-

ان هذا الامر لا ينقضي حتى يمضي فيهم اثنا عشر خليفة  
 قال ثم تكلم بكلام خفي علي قال فقلت لابي قال قال  
 اكلمهم من قریش -

اسلامی حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفائے ہوں -  
 جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آواز سے  
 کوئی بات کہی جس کو میں نہ سُن سکا - لہذا میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپؐ نے  
 کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے -  
 ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں :-

لا يزال هذا الامر عزيزا الى اثني عشرة خليفة قال ثم  
 تكلم بشئ لم افهمه فقلت لابي ما قال فقال كالم  
 من قریش -

اسلام بارہ خلفاء کے زمانہ تک برابر عزت والارہے گا سیدنا جابر کہتے ہیں کہ آپ نے پھر کچھ اور بھی ارشاد فرمایا جس کو میں نہ سمجھ سکا میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ خلفاء سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔ (مسلم جلد ۲ ص ۱۱۹ بخاری مع فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۹)  
ایک روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں :-

لا يزال امر امتی صالحاً۔ میری امت کے معاملہ بہتر رہیں گے۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۹)  
اسی قسم کی ایک روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود سے بھی مروی ہے کہ اُن سے ایک شخص نے پوچھا :-

يا ابا عبد الرحمن! هل سألتم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم  
كرومك هذه الأمة من خليفة؟ فقال عبد الله بن مسعود ما سألني  
عنها أحد منذ قدمت العراق قبلك ثم قال نعم، ولقد سألنا  
رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال اثنا عشر كعدة  
نقباء بني إسرائيل -

اے ابو عبد الرحمن! کیا تم لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھا تھا کہ اس امت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعود نے فرمایا۔ جب سے میں عراق آیا ہوں مجھ سے پہلے کسی نے یہ سوال مجھ سے نہیں کیا پھر آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بارہ خلیفہ بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے برابر۔

مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۹ مسند ابی داؤد طحاوی حدیث نمبر ۹۶۷، ۱۲۷۸،  
مسند احمد میں بھی کئی مقامات پر یہ حدیث مرقوم ہے، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲،  
فتح الباری جلد ۱ ص ۸۱

سنن ابی داؤد میں جابر بن سمرہ کی اس روایت میں اُن بارہ خلفاء کی ایک صفت منقول ہے کہ:-  
صلی اللہ علیہ وسلم

اُن سب پر اُمت جمع ہوگی۔

(سنن ابی داؤد مع عون المعبود جلد ۳ ص ۸۴)

اب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو یہ چلتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اُمت  
نشتت و افتراق کا شکار ہوئی اور بجائے دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد کرنے کے مسلمان خود آپس  
میں جدال و قتال کرنے لگے اور حمل اور صفین کے معرکوں میں مسلمانوں کا قیمتی خون پانی کی طرح بہا  
اور اسلام کی ترقی کا ستارہ غروب ہونے لگا۔ آخر ۵-۶ سال کی بد نظمی اور افتراقی کے بعد  
سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں تمام اُمت نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ایک جھنڈے  
تحتے جمع ہو کر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد شروع کیا اور اسلام کی ترقی کا وہی دور شروع ہوا جو  
سیدنا عثمانؓ بن عفان کے دور خلافت اور اُن سے پہلی خلافتوں کے دور میں تھا۔ چنانچہ اس سال کو  
تاریخ میں عام الجماعت کے نام سے پکارتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۱۲ ص ۵۳، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۲، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۴)

مشہور محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں :-

ففي سنة خمس وثلاثين من ابتداء الجهاد وقعت  
حادثة قتل ذي النورين وتفرق المسلمين وايضاً  
في سنة ست وثلاثين وقعت الجمل والصفين وفي  
هذه الحوادث لما ظهر الفساد والتقاتل فيما بين  
المسلمين وجعل جهاد الكفار متروكاً ومهجوراً  
الى حين علم نظراً الى القرأين الظاهرات الاسلام  
قد وهن واضمحل وكوبه قد احل ولكن الله  
تعالى بعد ذلك جعل امراً لخلافة منتظماً وامضى الى ظهور  
بنی العباس وتلاشتی دولة بنی أمیة -

۳۵ میں سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہوا  
اور ۳۶ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حادثات رونما ہوئے ان حادثات



میں اسلامی سلطنت میں فساد اور فراق فری پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے مابین جنگ و جدال شروع ہو گیا۔ کفار سے کچھ مدت تک جہاد بالکل متروک ہو گیا اور ظاہری نگاہ میں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اسلام کمزور اور مفلج ہو گیا ہے اور اس کا کوئی ترقی و خوب ہونے کو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس تشتت و فراق کے دور کے بعد) خلافت کے کام کو منظم فرمایا اور بنو عباس کی خلافت کے ظہور تک جہاد کا سلسلہ پھر جاری رہا۔

(عنون المعجود جلد ۴ ص ۱۷۱)

گویا کہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد کفار سے جہاد اور اسلام کی نشر و اشاعت میں جو تعطل واقع ہو گیا تھا۔ اس سے پوری اُمت کو چھٹکا ر امل گیا۔ آپس میں جو دلی منافرت پیدا ہو چکی تھی، سیدنا معاویہؓ کے دور خلافت میں وہ کلیتہً جاتی رہی اور تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اسی طرح اکٹھے ہو گئے جس طرح سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، اور سیدنا عثمانؓ کی خلافتوں کے دور میں تھے۔ چنانچہ غیر مسلم مورخین کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سیدنا معاویہؓ دولتِ اسلامیہ کے دوسرے ”موسس کبیر“ ہیں (سیدنا معاویہؓ کے بارہ میں غیر مسلم مورخین کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کی جلد ۱ ص ۴۴، ۴۵)۔ اس کے مقابل میں سیدنا علیؓ کی بیعت سے الشرحی بڑے گریز کیا۔

(خطوط الثام جلد ۱ ص ۱۳۶)

جن میں سیدنا اسماعیل بن زیدؓ، سیدنا ابوسعید الخدریؓ، سیدنا قنبر بن مغفلؓ، سیدنا صہیبؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا محمد بن مسلمہؓ، سیدنا حسان بن ثابتؓ، سیدنا عکب بن مالکؓ، سیدنا مسلم بن مخلدؓ، سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ، سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، سیدنا طلحہؓ، سیدنا زبیر بن عوفؓ، سیدنا نعمان بن ثابتؓ، سیدنا فضالہ بن جلیدؓ، سیدنا عبد اللہ بن سلامؓ، سیدنا رافع بن خدیجؓ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۲۶، الحاضرات للخصری جلد ۱ ص ۳۳۴۔ وطبری وغیرہ)

سیدنا جابر بن سمیرہؓ کی بارہ خلفاء کے بارہ میں جو روایتیں اور تفصیلات ہیں، ان میں اُن خلفاء کی تعداد بتائی گئی ہے جن کے زمانہ میں کلمہ اسلام عزت والا اور مستحکم ہو گا اور اسلام کا نور ترہ اترے گا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور قرآن حکیم کی عظمت کا پھر پرا

زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے گا۔ اُن خلفاء کا وعدہ دراصل خلافت راشدہ کا دور ہوگا اور اس دور میں اسلام کو دن گئی رات چوگنی ترقی ہوگی۔ اسی وجہ سے علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے۔۔

ومعنى هذا الحديث البشارة بوجود اثنا عشر خليفة صالحاً  
يقيم الحق ويعدل فيهم۔

اس حدیث کے معنی میں بارہ نیک اور صالح خلفاء کی بشارت مضمر ہے جو کہ حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل و انصاف برپا کریں گے۔  
(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۲)

اب یہ نیک دل اور صالح بارہ خلفاء جن کے دور حکومت میں اسلام عزیز اور مستحکم ہوگا اور اُن کا نظام حکومت قرآن و سنت کے مطابق ہوگا اور دنیا میں ہر جانب رشد و ہدایت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا، وہ ہیں کون؟ طاعلی قاریؒ جو ایک مشہور محدث اور فقیہ ہیں، اس حدیث کے بارہ خلفاء کی تعیین فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

فالاثنا عشر هم الخلفاء الراشدون الاسبعة ومعاوية وابنه  
يزيد وعبد الملك بن مروان واكاد الاسبعة وبينهم عمر  
بن عبد العزيز۔

بارہ خلفاء سے مراد سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا معاویہؓ، یزید بن معاویہؓ، سیدنا عبد الملکؓ بن مروان، ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک اور عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔  
(شرح فقہ اکبر ص ۱۸، شرح عقیدۃ الطحاویہ ص ۵۳، فتح الباری جلد ۲ ص ۱۸۲)

طاعلی قاریؒ کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور خلافت راشدہ صرف چار خلفاء میں محدود نہیں بلکہ بہت سے خلفاء میں جن کی تعداد بارہ ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آتا ہے۔

اس بات کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سیدنا ابو مرثدہؓ سے مروی ہے کہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك بنى خلفه نبي  
وانه لاني بنى بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون قالوا ما تأمرنا  
قال فوايعة الاول فالاول

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی بنی کی وفات ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ کسی اور بنی کو اس کے بعد بھیجتے، لیکن میرے بعد کوئی بنی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ اُن کے بارہ میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر فگار۔  
(بخاری جلد ۱ ص ۲۹۱، مسلم جلد ۲ ص ۱۲۶، مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۷)

اس حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "یکثرون" کا لفظ استعمال فرما کر یہ واضح کیا کہ آپ کے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ دو چار نہیں بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کو چار میں محدود کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کی تعداد کثیر ہے جس کو دوسری حدیث میں ۱۲ ار کے عدد سے واضح کیا گیا ہے۔ انہیں خلفاء کو ایک اور روایت میں خلفائے راشدین کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :-

فانتم من يعيش منكم بعدى فسيروا اختلافاً كثيراً  
فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها  
وهي عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فان كل  
محدثه بدعة وكل بدعة ضلالة -

جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ ستونم پر لازم ہے کہ تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو اور اپنی ڈاڑھوں اور کچلیوں سے محکم طور پر اس کو قابو رکھو۔ اور تم نئی نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ترمذی جلد ۲ ص ۹۱، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۷۹، مسند ترک جلد ۱ ص ۹۵، مسند احمد ص ۲۶، مسند احمد جلد ۱ ص ۲۶)

وہ خلفاء جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”راشدین“ اور مہدین کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ ان میں سیدنا معاویہؓ بھی شامل ہیں کیونکہ اُن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”اللہم اجعلہ ہادیاً مہدیاً و اہدیہ“

یعنی اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔

ترمذی جلد ۲ ص ۲۴۷، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۸۶، تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۸

جن کو آپؐ نے ہادی اور مہدی فرمایا ہو۔ اگر وہ ”راشدین“ اور مہدین میں شامل نہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ اور اس زمرہ میں کون شامل ہے۔ یہ صرف تعصب یا شیعی پراپیگنڈہ کا اثر ہے کہ سیدنا معاویہؓ کو ”راشدین“ مہدین میں سے شمار نہیں کیا جاتا۔

معلوم ہو کہ خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے والی حدیث روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہے، اس کے علاوہ کئی ایسی روایات بھی ہیں جو اس روایت کی تردید کرتی ہیں اُن میں ایک روایت تو ۱۲/۱۲ خلفاء والی ہے جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے جس میں صحیح حقیقت حال کو واضح کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان دحی الاسلام ستنزول بعد خمس وثلاثین اوسیت وثلاثین اوسیع وثلاثین سنۃ فان یہلکوا فسیل من قد ہلک وان یقم ہم دینہم یقم سبعین سنۃ قال عمرؓ یا بنی اللہ بما مضی او بما بقی قال لا بل بما بقی۔

”اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال کے بعد بند ہو جائے گی۔ پھر اگر لوگ ہلاک ہو تو اُن کا بھی وہی راستہ ہے جو اور ہلاک ہونے والوں کا ہے اور اگر اُن کا دین ان کے لیے قائم رہ گیا تو ستر برس تک قائم رہے گا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر مشتمل زمانہ ملا کر (ستر برس) یا صرف آئندہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صرف آئندہ کے۔

ازالۃ الخفاء جلد ۲۶، فتح الباری جلد ۳ ص ۱۸۱

اس حدیث کے بارے میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-  
و مضمون این حدیث در خارج ظہور یافت زیرا کہ در سن  
خمس ثلاثین حضرت عثمان مقتول شد و امر جہاد  
بر ہم خور و باز در زمان معاویہ بن ابی سفیان  
امر جہاد قائم گشت و از آن تاریخ بعد ہفتاد سال  
دولت بنو امیہ متلاشی شد -

اس حدیث کا مضمون خارج میں ظاہر ہوا کیونکہ ۳۵ سنہ میں حضرت عثمان شہید  
ہوئے اور جہاد کا انتظام بگڑ گیا۔ پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ میں  
جہاد کا انتظام قائم ہوا اور اس تاریخ سے شتر برس کے بعد امیہ کی سلطنت زائل  
ہو گئی۔  
ازالۃ الخفاء جلد ۲۶

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خلافت راشدہ کا ایک  
دور تیس دن عثمان کی شہادت پر ختم ہوا اور دوسرا دور خلفائے بنو امیہ پر ختم ہوا لہذا جس طرح کی خلافت  
راشدہ پہلے دور کی تھی دوسرا دور خلافت راشدہ کا اس طرح کا نہیں تھا جس کی کئی وجوہات ہیں۔  
جن کا تذکرہ آئندہ کیا جائے گا چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :-

بنقل متواتر کہ در شریعات نقلی معتدل تر از ان یافتہ نمی  
شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم  
فقتہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمع  
اشارہ ساختہ اند و آن را بتفصیل کہ زیادہ از آن در شرائع  
یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ  
اند در میان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ  
دریں وقت خلافت علی متہاج النبوة منقطع شود و  
ملک عضو پدید آید و معنی لفظ عضو دلالت

می کنند برحروب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے  
در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلق لے ثلاثہ  
در ایک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر  
سہ بزرگ فی مرتبہ من المراتب متفق اند و غیر ایشان در آن  
مرتبہ شریک ایشان نیست و در بعض احادیث لفظ کہ مشعر  
بانتطاع خلافت باشد ارشاد فرمودند -

نقل متواتر ہے کہ جس سے زیادہ معتبر تر عیادت میں کوئی نقل نہیں ہے یہ اثبات ہو  
چکا ہے کہ جو قتنہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے قریب پیدا ہو اجاب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم نے اس کی جانب ارشاد کیا اور اسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس  
زیادہ تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپؐ نے سیدنا عثمانؓ کی  
شہادت کو زمانہ غیر اور زمانہ شر کے درمیان میں حد فاضل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ  
بعد شہادت عثمانؓ کے خلافت علیؓ منہاج النبوة نہ رہے گی اور کاٹنے والی سلطنت  
ظاہر ہوگی کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب و قتال کا پیش آنا اور ایک  
کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی  
معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ پہلی خلافتیں ہر طریق نبوت تھیں اور قتنہ سے  
محفوظ تھیں، اکثر احادیث میں خلفاء ثلاثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے یہاں تک کہ  
ظن قوی کے ساتھ معلوم ہوا کہ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں یعنی خلافت کے  
ہر طریق نبوت ہونے اور قتنہ سے محفوظ رہنے میں، بلکہ برابر ہیں اور ان کے ساتھ  
اس مرتبہ میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
بعض احادیث میں صاف صاف الفاظ فرمادیے جن سے سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے  
بعد خلافت علیؓ منہاج النبوة ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔ (انزالہ الحقائق جلد ۱ ص ۳۰۳)  
شاہ صاحبؒ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں -

۱۔ خلافت علیؓ منہاج النبوة سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہو گئی تھی اُس کے بعد والی خلافتیں

اُس پایہ کی نہ تھیں جس پایہ کی یہ پہلی تین خلافتیں تھیں۔

۲۔ ملک عضوض رکھنے والی سلطنت سے مراد مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور آویزش جسے  
کا آغاز سیدنا علیؑ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

۳۔ سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کی خلافتیں دونوں باہم برابر تھیں۔ اگر سیدنا معاویہؓ کی خلافت  
خلافت راشدہ نہ تھی تو سیدنا علیؑ کی خلافت بھی خلافت راشدہ نہ تھی۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی اسی کتاب میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں حل کیا ہے۔ آپ حدیث  
»الخلافة بعدی ثلاثون سنة« خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی  
پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

»اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت سے ختم  
نہیں ہوئی۔ بلکہ سیدنا علیؑ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ ان کا زمانہ شامل کئے  
بغیر تیس سال مکمل نہیں ہوتے، لہذا اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو۔ بات دراصل  
یہ ہے کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔

پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اُس کے تصرف یعنی احکام کا  
جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق و متحد ہو جانا (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۰۷)

اس بحث کے بعد شاہ ولی اللہؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت خاصہ کے ان دو اوصاف  
میں سے پہلا وصف سیدنا علیؑ میں پایا جاتا تھا۔ اور دوسرا ان میں مفقود تھا اور سیدنا معاویہؓ  
میں دوسرا وصف پایا جاتا تھا اور پہلا مفقود تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ  
کی خلافت بالکل سیدنا علیؑ کی خلافت کی طرح تھی۔ اور سیدنا علیؑ کی خلافت کو چونکہ راشدہ

سیدنا علیؑ اور سیدنا معاویہؓ کے مابین ایک خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ سیدنا علیؑ کی شہادت کے  
بعد ان کے فرزند امیر محمدؓ سیدنا حسنؓ خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد خلافت سیدنا معاویہؓ کے خاندان میں چلی گئی  
اور سیدنا معاویہؓ کے انتقال کے بعد بھی ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوئے۔ اور ان کے بعد خلافت دوسرے خاندان  
یعنی سیدنا مروان کے پاس چلی گئی۔ لہذا سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنایا اور

مانا جاتا ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی راشدہ نہ مانا جائے۔  
شاہ ولی اللہؒ کے جلیل القدر پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے بھی خلافت راشدہ کی دو قسمیں  
بیان فرمائی ہیں :-

(۱) خلافتِ منتظمہ (۲) خلافتِ غیر منتظمہ  
پہلی خلافت کا اختتام سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ہو گیا۔ لیکن دوسری خلافت غیر منتظمہ میں  
صرف سیدنا علیؓ کی مثال دی ہے لیکن اسی خلافت راشدہ غیر منتظمہ میں سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی  
آتی ہے کیونکہ شاہ اسماعیل شہیدؒ جس کو خلافت غیر منتظمہ کا نام دیتے ہیں۔ وہ وہی خلافت ہے جس  
کو شاہ ولی اللہؒ نے انزالہ الخفاء ص ۲۷ میں لکھا ہے کہ خلافت کے دو وصفوں میں سے ایک وصف  
اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ اور خلافت کے دو وصف یہ ہیں :-

۱- خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔  
۲- اصل کا تصرف یعنی احکام کا جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا سیدنا علیؓ  
میں وہ تمام صفات پوری طرح موجود تھیں جو خلافت خاصہ (خلافت راشدہ) کے لیے شرط اول ہیں  
لیکن اجتماع کلمہ مسلمین اور انتظام مملکت کی وہ دوسری شرط نہیں پائی جاتی تھی جو اس کے لیے ضروری  
ہے کیونکہ ان کے دور میں مسلمانوں میں باہمی افتراق و انتشار رہا۔ اور ان کا تصرف اقطار ارض میں  
نافذ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اہل حل و عقد کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی  
اللہؒ فرماتے ہیں :-

خلافت برائے مرتضیٰ قاضی شد ذیالکھ اہل حل و عقد

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) غلط ہے کیونکہ ان کی نسل میں تو صرف یہ ایک خلافت رہی اُس کے بعد تو دوسرے  
خاندان کے پاس خلافت چلی گئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ سیدنا مروانؓ بھی تو بنو امیہ میں سے تھے تو اُس کا جواب  
یہ ہے کہ بنو امیہ ایک بہت بڑا خاندان تھا۔ سیدنا مروانؓ سیدنا عثمانؓ کو سیدنا معاویہؓ سے زیادہ قریبی  
تھے۔ سیدنا معاویہؓ سے اُن کا دور کا تعلق تھا۔ اور اس لحاظ سے تو بنو امیہ اور بنو ہاشم بھی آپس میں  
ملتے ہیں۔



عن اجتہادٍ ونصیحةٍ للمسلمین بیعت نہ کردہ -  
سیدنا علیؓ کی خلافت قائم نہ ہوتی تھی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد اور مسلمانوں  
کی نصیحت کے لیے اُن سے بیعت نہیں کی تھی۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۴۹)

ایک اور مقام پر حکیم الامتؒ فرماتے ہیں :-  
اَن حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم دہر بسیارے اذا  
حدیث متواترہ مرویہ بطریق متعدّدہ بیان فرمودند کہ  
اُمت بر حضرت مَرْتَضٰی نشود -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد طریقوں سے مروی بہت سی احادیث  
متواترہ میں بیان فرمایا ہے کہ اُمت سیدنا علیؓ کی خلافت پر جمع نہ ہوگی۔

(ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۴۵)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سیدنا علیؓ کی بیعت کے بارہ میں فرماتے ہیں :-  
فان اکثر من المسلمین اما النصف واما قتل او اکثر لم  
یبا یعوہ ولہربا یعو اسعد ابن ابی وقاص ولا ابن عمر  
ولا غیرہما -

مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نصف یا اس سے کم یا زیادہ نے (سیدنا علیؓ)  
کی بیعت نہیں کی تھی اور سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور نہ ہی دوسرے  
جلیل القدر صحابہؓ نے اُن کی بیعت کی۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۳۷)  
پنچاچھی دوسری تھی کہ جنگ صفین کے لیے جب آپؐ نے فوج تیار کی تو اہل مدینہ نے آپؐ  
کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ تواریخ میں ہے کہ :-

فندَّب اهل المدینۃ للمسیروہم فتشاقلوا -  
اہل مدینہ کو ساتھ چلنے کے لیے آپؐ نے بلایا لیکن انہوں نے اپنا پہلو بچایا۔

(ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۰۵، طبری جلد ۵ ص ۱۴۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے اور زیادہ واضح الفاظ میں اہل مدینہ کے طرز عمل کو بیان کیا ہے کہ :-  
وكان على لما عزم على قتال اهل الشام قد ندب اهل  
المدينة الى الخروج معه فابوا عليه -

سیدنا علیؑ نے جب اہل شام کے ساتھ جنگ کا عزم کیا تو انہوں نے اہل مدینہ کو ساتھ  
چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، ص ۲۳)  
اور قنود اور خود سیدنا علیؑ کے بڑے خفیہ بھائی عقیل بن ابی طالبؑ نے بھی آپ کو چھوڑ دیا  
اور وہ سیدنا معاویہؓ کے پاس شام چلے گئے اور سیدنا معاویہؓ کے ساتھ مل کر صفین کی جنگ لڑی  
چنانچہ شیبی مؤرخ لکھتا ہے :-

وقارق (عقیل) اخاه علياً اميداً المؤمنين في ايام خلافتهم  
وحرب الى معاوية وشهد صفين معه -

اور عقیلؑ اپنے بھائی علیؑ امیر المؤمنین سے اُن کے ایام خلافت میں علیحدہ ہو گئے  
اور معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور معاویہؓ کے ساتھ مل کر انہوں نے (علیؑ سے)  
صفین کی جنگ لڑی۔ (رحمة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۱۵)

اس کے مقابل میں سیدنا معاویہؓ کے دور میں خلیفہ خاص کی صفات اگرچہ ویسی نہ تھیں۔  
جیسی سیدنا علیؑ میں تھیں کیونکہ سیدنا علیؑ بہر حال سیدنا معاویہؓ سے افضل اور سابق فی الاسلام  
تھے، دوسری شرط اُن کے دور میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اُن کے زمانہ میں تمام لوگ ایک خلیفہ  
پر مجتمع ہو گئے تھے اور اُمت میں انتشار و افتراق یکھلم ختم ہو گیا تھا یہاں تک کہ اُس سال ہی  
کو عام الجماعت کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۱۳ ص ۵۳، البدایۃ والنہایۃ جلد ۸

ص ۱۳۱، ۱۳۲، اسد الغابہ جلد ۳ ص ۳۸۷)

داخل انتشار ختم ہوتے ہی دشمنان اسلام نے جہاد جو سیدنا علیؑ کی خلافت کے دوران  
بند ہو گیا تھا، پھر سے شروع ہو گیا اور پوری سلطنت میں کامرانی اور شادمانی کا پھر رالہرا سنے  
لگا۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

الجهاد في بلاد عدو قائم وكلمة الله عالية والفتائم ترد اليه من

اطراف الاضر والمسلمون معه في راحة وعدل  
وصفح وعفو۔

(سیدنا معاویہؓ کے دورِ خلافت میں) دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا  
اور اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر  
آپ کے پاس آتی تھیں اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور  
راحت و آرام سے اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۹

گویا کہ ہر جانب مرقہ حالی کا دورِ دورہ تھا۔ سلطنت کی پہنائیوں میں ہر جانب اضافہ  
ہو رہا تھا۔ سمندر پار کے علاقوں میں بھی اسلامی پھر رہا ہونے لگا۔ رعیت کی گرویدگی اور شینگ  
آپ کے ساتھ پوری طرح وابستہ تھی اور آپ کے حسن سلوک نے رعایا کے ہر متنفس کے  
دل کو موہ لیا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :-

كانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار امير الولاة وكان  
دعيته يحبونه وقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله  
عليه واله وسلم انه قال خيارا ممتكم الذين تحبوتهم  
ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشوار  
امتكم الذين تبغضونهم يبغضونكم وتلعنونهم  
ويلعنونكم۔

سیدنا معاویہؓ کا رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کی طرح تھا اور آپ کی رعایا  
کو آپ سے انتہائی محبت تھی اور صحیحین کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ  
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن  
سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ تم ان کے لیے دعائیں کرو۔ اور  
وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض  
رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں۔  
(منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۱۸۹)

ہمارے اس نظریہ کی تائید مشہور مؤرخ بلکہ فلسفہ تاریخ اور علمات کے امام علامہ ابن خلدون نے بھی اپنی تاریخ میں کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :-

وقد كان ينبغي ان تلحق دولة معاوية واخباره بدول الخلفاء  
واخبارهم فهو تأليهم في الفضل والعدالة والصعوبة ولا ينظر  
في ذلك الى حديث "الخلافة بعدى ثلاثون" فانه لم يصح  
والحق ان معاوية في عداد الخلفاء وانما اخذوا المؤرخون في  
التأليف عنهم الامرين -

چاہیے یہ تھا کہ سیدنا معاویہؓ کی حکومت اور ان کے حالات و واقعات کو ان سے  
پہلے خلفاء (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا علیؓ اور سیدنا حسنؓ کی)  
حکومت اور حالات و واقعات کے ساتھ ذکر کئے جاتے کیونکہ آپ عظمت و  
فضیلت، عدالت اور شرف صوابیت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور اس بارہ میں  
حدیث "الخلافة بعدى ثلاثون" (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی) کی  
طرف کوئی توجہ اور التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث (روایت و حدیث  
کے لحاظ سے) صحیح نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اپنے پہلے خلفاء کے زمرہ  
میں شامل ہیں اور مؤرخین نے انہیں جو اپنی کتابوں اور تالیفات میں الگ اور بعد  
میں ذکر کیا ہے اُس کے دو سبب ہیں :-

۱۔ پہلا سبب یہ کہ ان کے زمانہ خلافت میں مقابلہ کی صورت پیدا ہو گئی تھی حالانکہ اس سے  
پہلے وہ ایک اختیاری اور اجتماعی چیز تھی۔ چنانچہ مؤرخین اسلام نے اس دوروں حالتوں  
میں فرق کر دیا ہے۔ اس وجہ سے سیدنا معاویہؓ ان خلفاء میں سے سمجھے جانے لگے جن  
میں مقابلے اور مصدیت کا پہلو شامل ہے۔ اس شی کو اہل الاہواء کو کثرت سے تعبیر  
کرتے ہیں لیکن سیدنا معاویہؓ کو ان لوگوں کے ساتھ کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں  
ہے۔ وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ اسی طرح ان کے بعد والے خلفاء کا حال ہے۔  
اس معاملہ میں قانون شرعی یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال کو قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی

روشنی میں دیکھا جائے پس جس کے افعال و اعمال اس کے مطابق ہو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح خلیفہ خلیفہ راشد ہے اور جس کے افعال و اعمال امارت صحیحہ اور قرآن حکیم کے مطابق نہیں تو وہ بادشاہ ہے اگرچہ اس کو عجازی طور پر لوگ خلیفہ بھی کہیں نہ کہیں۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۴)

علامہ ابن خلدون نے دوسرا سبب جس کی وجہ سے مؤرخین نے ان کا ذکر خلفاء راشدین کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وجہ سے لوگوں کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں غلط فہمی ہو گئی ہے، یہ بیان کیا ہے کہ ۱۔

۲۔ فی ذکر معاویۃ مع خلفاء بنی امیۃ دوت الخلفاء الاربعۃ فانہم کانوا اهل نسب واحد، عظیمہم معاویۃ فجعل مع اهل نسبه۔ والخلفاء الاولون مختلفوا الانساب فجعلوا فی نمط واحد۔ والحق بہم عثمان وان کان من اهل ہذا النسب للحقوۃ بہم قریباً فی الفصل۔ واللہ نحشرنا فی زمرتہم ویرحمنا بالاعتدال بہم۔

دوسرا سبب جس کی وجہ سے سیدنا معاویہؓ کو خلفائے اربعہ کی بجائے خلفائے بنو امیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ بنو امیہ کے خلفاء سب ایک ہی سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان سب میں عظیم اور بڑے سیدنا معاویہؓ تھے اس وجہ سے ان کو اہل نسب ہی کے ساتھ (تاریخ کی کتابوں میں) ملا دیا گیا۔ اور ان سے پہلے چاروں خلفاء مختلف سلسلہ ہائے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا انہیں ایک ہی سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور سیدنا عثمانؓ اگرچہ بنو امیہ میں سے تھے لیکن انہیں پہلے خلفاء کے ساتھ شرف و فضل میں قرابت کی وجہ سے ملا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے زمرے میں سے اٹھانے اور ان کی اقتداء پر ہمیں اپنی رحمت سے نوازے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۴)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی درجہ کی خلافت تھی جس درجہ کی خلافت سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفائے راشدین کی خلافت تھی۔ اور ان دونوں خلافتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ان خلافتوں میں حکومت کی کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ فائز تھے اور ملک میں کتاب و سنت کا قانون جاری و ساری تھا اور سیدنا معاویہؓ کی خلافت میں بھی حکومت کے عہدوں اور کلیدی آسامیوں پر صحابہ کرامؓ ہی تھے اور تمام مملکت اسلامیہ میں شریعت اسلامیہ کا قانون نافذ تھا۔ اور ہر طرف رشد و ہدایت کا دور دورہ تھا۔ بلکہ یہ بھی بتایا کہ ان کے بعد بھی وہ خلفاء جنہوں نے اپنی حکومت کو قرآن و سنت کے مطابق چلایا وہ خلیفہ راشد تھے۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود و مقید کرنے کی بھی پرتز و تردید کی ہے اور یہ بھی واضح کیلئے کہ وہ حدیث جس کی رو سے خلافت راشدہ کو تیس سالوں میں محدود کیا جاتا ہے روایت درایت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے علاوہ خلافت کو تیس سالوں میں محدود کر نبیوں کے پاس اور کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کریں اس حدیث پر تفصیلی بحث ہم نے گزشتہ صفحات میں کر دی ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور دور تھے ایک دور تو سیدنا عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہو گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ذکر فرمایا ہے ملاحظہ ہوا ترجمۃ الخلفاء جلد ۱ ص ۳۰۷ اور دوسرا دور سیدنا علیؓ کی خلافت سے شروع ہوا اور ان کے بعد کئی سال تک رہا۔ کیونکہ جو جوں زمانہ نبوت سے بعد ہوتا گیا خلافت کے خصائص و اوصاف میں بھی تغیر آتا گیا نہ ماہ صدیق اکبرؓ میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا فاروق اعظمؓ کی خلافت کے دوران نہ تھیں اور سیدنا فاروقؓ امیر المومنین کے دور خلافت میں جو خصوصیات تھیں وہ سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں نہ تھیں۔ اور سیدنا علیؓ کا زمانہ توقفت و آشوب کا زمانہ تھا۔ اس میں تو اور بھی خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کمی واقع ہو گئی۔ اسی طرح سیدنا معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں کچھ اور نیا دہ لیا گیا لیکن جس طرح سیدنا علیؓ کی خلافت ”خلافت راشدہ کی خصوصیات“ کی کمی کے باعث خلافت راشدہ ہی رہی حالانکہ اکثریت نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت بھی خلافت راشدہ ہی تھی اگرچہ زمانہ نبوت سے مزید

بعد کے باعث اس میں خلافت راشدہ کی خصوصیات میں کچھ کمی تھی۔ لیکن وہ روح باقی تھی جو خلافت راشدہ کی جان ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے سیدنا عثمانؓ تک کی خلافت راشدہ کے مقام اور اس کے بعد کی خلافتوں کے مقام میں کچھ فرق کیا ہے۔ چنانچہ امام اہل مدینہ سیدنا مالک بن انسؒ، سیدنا علیؓ کی سنت کو وہ مقام نہیں دیتے تھے جو سیدنا ابو بکرؓ، سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنت کو دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے :-

احمد بن حنبل وکثیر من العلماء يتبعون علياً فيما سنه كما يتبعون عمر وعثمان فيما سناه واخرون من العلماء كما لا يتبعون علياً فيما سنه وكلهم متفقون على اتباع عمر وعثمان فيما سناه .

امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر علماء سیدنا علیؓ کی سنت کی اُسی طرح اتباع کرتے ہیں۔ جس طرح سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع کرتے ہیں اور دوسرے علماء جیسے امام مالکؒ وغیرہ سیدنا علیؓ کی سنت کی اُسی طرح اتباع نہیں کرتے ہیں بلکہ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کی سنن کی اتباع میں وہ سب متفق و متحد ہیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۱ ص ۱۷۱، انہاء السکن ص ۱۱۱، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

اس سلسلہ میں کہ ہر خلیفہ راشد سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ ہی کی طرح ہو مصر کے مشہور فاضل شیخ محب الدین الخطیبؒ نے گہايات ارشاد فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں :-

ان كان مقياس الاهلية لذلك ان يبلغ مبلغ ابى بكر و عمر في مجموع سجايهما، فهذا الم يبلغه خليفة في تاريخ الاسلام ولا عمر بن عبد العزيز وان طمعتا بالمستحيل وقدسنا امكن ظهور ابى بكر اخر وعمر اخر فلن تتاح له بيئة كالبيئة التي اتاحها الله لابي بكر وعمر وان كان مقياس الاهلية الاستقامت في السيرة، والقيام بحرمة الشريعة والعمل باحكامها والعدل في الناس

والنظر في مصالحهم، والجهاد في عدوهم وتوسيع الآفاق  
لدعوتهم والرفق بافرادهم وجماعاتهم فان يزيد يوم تمحص  
اخباره و يقف الناس على حقيقته حاله كما كان في حياته  
تبين من ذلك انه لم يكن دون كشيدين ممن تغنى  
التاريخ بمحامدهم واجزل الثناء عليهم۔

اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس یہ ہے کہ خلیفہ اپنی مجموعی سیرۃ کے لحاظ سے تہدینا  
الوجہ عرفہ اور سیدنا عمرؓ کی مانند ہو تو پھر اسلام کی تاریخ میں اس طرح کا کوئی خلیفہ  
آپ کو ڈھونڈنے سے نہیں ملے گا یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیزؓ رجن کو سب خلیفہ  
راشد کہتے ہیں بھی اس مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر کم کہنا ممکن اور محال شی کی اس  
لگاٹے بیٹھے رہیں اور ہم ایک اور الوجہ عرفہ اور عمرؓ کے طور کا امکان سلیم  
کر لیں۔ تب بھی وہ، وہ الوجہ عرفہ اور عمرؓ نہیں ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ کیونکہ وہ  
جس معاشرہ اور ماحول کی پیداوار تھے وہ ہی اب سرے سے مفقود ہے لہذا الوجہ عرفہ  
اور عمرؓ جیسا ہونا ناممکن اور محال ہے، اور اگر اہلیت کا پیمانہ اور مقیاس سیرت و کردار  
میں راست روی اور استقامت، حرمت شریعت کی پاسداری اور احترام، احکام  
شریعت پر عمل اور اتباع، لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے مصالح کا خیال  
و دشمنان اسلام کے ساتھ جہاد اور اسلامی دعوت کی اس کمرۂ عالم میں توسیع اور نشر و  
اشاعت، تمام افراد اور جماعتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک تو جس روز لوگ  
یصحیح تاریخ اور حقیقت حال سے واقف ہوں گے، اُن پر یہ بات روز روشن  
کی طرح واضح ہو جائے گی کہ یہ نہ بھی ان بہت سے افراد و اشخاص سے کسی طرح  
کم نہیں جن کے قابل تحریف کا نام مولیٰ اور محمد و فضائل سے اسلامی تاریخ کے  
ادراک بھرے پڑے ہیں۔ (العوام من القوام ص ۲۱۱ تعلیقہ)

خلاصہ یہ کہ اگر ہم سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو الوجہ عرفہ و عمرؓ کی خلافت کے معیار پر جانچنا شروع  
کر دیں گے تو پھر تو واقعی ان کی خلافت اس معیار کی ثابت نہیں ہو سکتی جس معیار کی خلافت الوجہ عرفہ



اور عمرہ کی خلافت تھی۔ یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کی خلافت بھی اُس معیار پر پوری نہ اترے گی۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم گزشتہ سطور میں نقل کر چکے ہیں یعنی زمانہ نبوت سے بعد، کیونکہ زمانہ نبوت میں معاشرہ اور ماحول میں نورانیت تھی وہ آپؐ کے انتقال کے بعد تدریج کم ہوتی گئی۔ اسی چیز کو سیدنا انسؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :-

لما كان اليوم الذي قدم فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة واضاء منها كل شيء ، فلما كان اليوم الذي مات فيه اظلم منها كل شيء -

جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپؐ کی تشریف آوری سے مدینہ کی ہر شے روشن اور منور ہو گئی اور جس روز آپؐ کا انتقال ہوا اُس روز مدینہ کی ہر شے تاریک ہو گئی۔ (العواصم ص ۲۷ تعلیقہ)

جوں جوں زمانہ نبوت سے دوری ہوتی گئی معاشرہ اور مسلم سوسائٹی میں برکات کی محرومی اور بدعات و فتن کا ظہور ہوتا گیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلامؒ فرماتے ہیں :-

”نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان ایک تدریجی تنزل تھا اور بدعات و فتن کے ظہور اور احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی۔ کالجیور عوداً عوداً، جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے شروع ہوئی اور جس قدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی اتنی ہی عہد نبوت اور خلافت رحمت کی سعادوں سے امت محروم ہوتی گئی۔ یہ محرومی صرف امت اور خلافت کبریٰ کے معاملے میں ہی نہیں ہوئی بلکہ قوم و نظام امت کے مبادیات اور اساسات سے لے کر حیات شخصی و انفرادی کی اعتقادی اور عملی جزئیات تک ساری باتوں کا یہی حال ہوا۔ (مسئلہ خلافت ص ۱۷)

معلوم ہوا ارباب اقتدار معاشرے ہی کی پیداوار ہوتے ہیں اور جب معاشرہ میں ... بگاڑ پیدا ہو تو یقینی بات ہے کہ ارباب حکومت کی زندگیاں بھی اُس سے متاثر ہوں گی اور معاشرے کے اچھے اور بُرے اثرات، اخلاقیات، معاطات، عبادات، دیانات، اقتصادیات میشت اور معاشرت سب متاثر ہوں گے اور زندگی کا کوئی شعبہ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گا

چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علیؑ سے پوچھا کہ آپ کے عہد خلافت میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو آپ سے قبل سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی خلافتوں کے دور میں تھا۔ آپ کے عہد خلافت میں تشمت و افتراق پیدا ہو گیا ہے جب کہ ان کے زمانہ میں امت کے تمام افراد میں اجتماع و اُتلاف تھا تو آپ نے اُس شخص کو جو جواب دیا وہ ہمارے اس خیال کی پرزور تائید کرتا ہے آپ نے فرمایا:-

”ابوبکرؓ اور عمرؓ کے عہد کی رعایا مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم جیسے لوگ پر مشتمل ہے“ (مقدمہ ابن حلدون ص ۳۳)

ہماری اس بات کی تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ ابن حجر مکیؒ نے درج فرمائی ہے کہ عزن عبد العزیزؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے پوتے سیدنا سالمؓ کو ایک خط لکھا کہ آپ مجھے سیدنا عمرؓ کی ایک سیرت لکھ بھیجیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔ سیدنا سالمؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ اگر آپ سیدنا عمرؓ کی سیرت کے مطابق عمل کریں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ سیدنا عمرؓ سے افضل اور بہتر ہیں کیونکہ:-

زمانک لیس کنہان عمر ولا رجالک کو جال عمر۔

تو آپ کا زمانہ سیدنا عمرؓ کے زمانہ جیسا ہے اور نہ آپ کے ساتھی سیدنا عمرؓ کے ساتھیوں جیسے ہیں۔ (الصواعن المحرقة ص ۲۱)

سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ نے اس زمانہ کے سب علماء اور فقہاء کو یہ بات لکھی تو سب نے وہی جواب دیا جو سیدنا سالم بن عبد اللہؓ نے دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کے بعد چونکہ معاشرہ کے ہر گوشہ میں بگاڑ کے اثرات پیدا ہو گئے تھے لہذا نظام حکومت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، لیکن تمام خلفاء جو عہد خلافت پر متمکن ہوئے ان کا نظریہ یہی تھا کہ حفظِ دین و سیاست دنیا کی غرض سے امت کا سیاسی نظام شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو کیونکہ خلافت اسلامیہ کی غرض دعاوتِ جو قرآن مجیم نے بیان کی ہے وہ یہی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

الَّذِينَ إِذَا مَكَتَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَخَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوُا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ  
الْأُمُورِ ۔ (الحج: ۴۱)

وہ لوگ کہ ہم ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں اور نظام،  
زکوٰۃ قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ  
ہی کے ہاتھ میں ہے۔

کیونکہ خلافت کی تعریف ہی یہ ہے :-

ہی الریاسة العامة فی التصدی لا قامۃ الدین باحیاء العلوم  
الدینیۃ واقامۃ ارکان الاسلام والقیام بالجهاد وما يتعلق به  
من توتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطاءهم من الفی  
والقیام بالقضاء واقامۃ الحدود ورفع المظالم والامر  
بالمعروف ونہی عن المنکر نیابة عن التی صلی اللہ  
علیہ وسلم ۔

خلافت وہ ریاست عامہ ہے جو بذریعہ علوم دینیہ کے زندہ رکھنے اور بذریعہ  
ارکان اسلام کے قائم کرنے اور بذریعہ جہاد اور متعلقات جہاد کے قائم رکھنے  
کے جیسے لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا، مال غنیمت کو ان پر  
تقسیم کرنا اور بذریعہ عمدہ قضا کے فرائض انجام دینے اور حدود کو قائم کرنے  
اور مظالم کو دور کرنے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دینے اور برے کاموں سے  
منع کرنے کے، بحیثیت نائب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالفعل حاصل ہوئی ہو۔

(انزالہ الخفاء جلد ۱ ص ۹)

خلافت کی یہ تعریف میدان معاویہ کی خلافت پر ہر لحاظ سے صادق آتی ہے۔ کیونکہ ان  
کا عہد گورنری اور عہد خلافت دونوں صرف اور صرف دین اسلام کی سرپرستی کے لیے تھے اور  
خلافت سے ان کی کوئی ذاتی غرض یا ذاتی مفاد وابستہ نہ تھا، پھر ایک صحابی رسول سے اس بات  
کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دے گا۔ صحابی کی پوری زندگی اس بات کی

بن دلیل ہے کہ دین و دنیا میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جب بھی کوئی صودت پیدا ہوئی۔  
انہوں نے ہمیشہ دین کو ترجیح دی اور دنیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ چنانچہ سیدنا معاویہؓ بھی  
اپنے تعلق خود بیان فرماتے ہیں :-

مَا كُنْتُ لَأَخِيرَ بَيْنَ اللَّهِ وَغَيْرِهِ إِلَّا اخْتَرْتُ اللَّهَ عَلَى غَيْرِهِ  
مما سواہ -

حق تعالیٰ کی رضا اور دوسرے دنیوی مفادات میں جب بھی کوئی ٹکراؤ پیدا ہوا تو  
میں نے دوسرے تمام مفادات کو یکھٹم ٹھکرا کر اللہ کی رضا کو اپنے لیے پسند کر لیا۔  
البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۳، الاستیعاب جلد ۱ ص ۲۵۵، منهاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۰۳  
پھر مختلف احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا معاویہؓ کے خلیفہ ہونے  
کے بارے میں بشارت بھی دی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کو وضو کروا رہے تھے۔ سیدنا معاویہؓ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا :-

يَا مُعَاوِيَةُ! إِنِّي وَلِيْتُ أَمْرًا فَاتَّقِ اللَّهَ وَاعْدِلْ -  
اے معاویہؓ! اگر مجھے حکومت ملے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام  
لیتا۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۳۳، تطہیر الجنان ص ۱۵)  
سیدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ :-

مَا شَرَلْتُ أُنْفُسِي بِمَبْتَلَى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَتَّى وَلِيْتُ -  
مجھے ہمیشہ یقین رہا کہ میں ضرور حکومت کے کاموں میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں  
خلیفہ ہو گیا۔ (تطہیر الجنان ص ۱۵)

اسی طرح کی ایک اور حدیث امام ابو بکر بن شیبہ نے نقل کی ہے کہ سیدنا معاویہؓ فرماتے  
ہیں کہ مجھے اس وقت سے یقین تھا کہ مجھے خلافت ضرور ملے گی جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ  
وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ :-

اذا ملکت فاحسن -

معاویہؓ جبھے خلافت حاصل ہوتا چھپے طریقے سے حکومت کرنا۔

(الصواعق المحرقة ص ۲۱۶)

ان روایات پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :-

وتأمل انه صلى الله عليه واله وسلم اخبر معاوية بانه يملك وامره بالاحسان تجد في الحديث اشارة الى صحة خلافته واتهاحق بعد تمامها له بنزول الحسن له عنها فان امرة بالاحسان المترتب على الملك يدل على حقيقة ملكه وخلافته وصحة تصرفه ونفوذافعاله من حيث صحة الخلافة لا من حيث التغلب لان المتغلب فاسق معاقب لا يستحق ان يبشر ولا ان يؤمر بالاحسان فيما تغلب عليه بل انما يستحق الجزر والمقت والاعلام بقبيح افعاله وفساد احواله فلو كان معاوية متغلبا لاشار له صلى الله عليه وسلم الى ذلك او صرح له به فلما لم يشر له فضلا عن ان يصرح الا بما يدل على حقيقة ما هو عليه علمنا انه بعد نزول الحسن له خليفة حق وامام صدق -

”خود فرمائیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاویہؓ کو اس بات کی خبر دی کہ اُس کو حکومت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نیک سلوک اور عفو و درگزر سے کام لینے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہ حدیث سیدنا معاویہؓ کی صحت خلافت پر دلائل کرتی ہے اور یہ کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور سیدنا معاویہؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد اُن کی خلافت صحیح اور برحق ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کو حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمانا جو حکومت کے حصول

کے بعد ممکن تھا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی خلافت برحق اور ان کے افعال اور تصرفات اسی طرح صحیح تھے جس طرح خلافت صحیح طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد کسی خلیفہ کے ہوتے ہیں نہ کہ غلبہ اور استیلاء سے کُرسی حکومت پر متمکن ہونے والے کے۔ کیونکہ غلبہ اور استیلاء سے خلافت حاصل کرنے والا شخص تو فاسق اور نرادر عقوقت ہوتا ہے۔ وہ نہ تو کسی بشارت کا مستحق ہوتا ہے اور نہ ہی اس بات کا کہ اس کو حسن سلوک اور عفو و درگزر کی تلقین کی جائے۔ ہاں تاجر و تزیج کا وہ ضرور مستحق ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اس کو اس کے بُرے اعمال اور فساد احوال کی اطلاع دی جائے۔ سیدنا معاویہؓ بھی اگر غلبہ و استیلاء سے مستند خلافت پر قابض ہوئے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور صراحت کے ساتھ یا کم از کم اشارتاً بیان فرما دیتے۔ جب آپ نے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا، بلکہ صراحت کے ساتھ ایسے امور کی خبر دی ہے جو ان کی خلافت کے برحق اور صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سیدنا حسنؓ کی خلافت سے دست برداری کے بعد سیدنا معاویہؓ خلیفہ برحق اور صحیح اور سچے امام تھے۔

(المصواعق المحرقة فی الرد علی اہل البدع والزندقة ص ۲۱۷)

ایک اور مقام پر علامہ ابن حجرؒ کی سیدنا معاویہؓ کی خلافت کے صحیح اور حق ہونے پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ سیدنا حسنؓ کے سیدنا معاویہؓ کو امور خلافت سپرد کرنے کے بعد سیدنا معاویہؓ صحیح معنوں میں خلیفہ ہو گئے تھے اور وہ خلیفہ حق اور امام صادق تھے۔ علامہ کے الفاظ ہیں:-

فالحق ثبوت الخلافۃ لمعاویۃ من حیثین ذواتہ بعد

بعد ذلک خلیفۃ حق و امام صدق -

صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سیدنا حسنؓ کی صلح کے بعد سیدنا معاویہؓ کی خلافت صحیح معنوں

میں ثابت ہے اور اس صلح کے بعد وہ خلیفہ حق اور امام صادق ہیں -

(المصواعق المحرقة ص ۲۱۷)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ ایک خلیفہ راشد تھے اور ان کی خلافت انہی معنوں میں خلافت راشدہ تھی جن معنوں میں سیدنا علیؓ اور دوسرے خلفاء کی خلافت راشدہ تھی۔ اور خلافت راشدہ کو تیس سال میں محدود کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے ایک حدیث کے جس کے روایتاً اور درایتاً غیر صحیح ہونے کو ہم نے بدلائل واضح ثابت کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی دلیل ”خلافت راشدہ“ کو تیس سال میں مقید اور محدود کرنے کی نہیں ہے۔ اب صرف ایک غیر صحیح حدیث پر ”خلافت راشدہ“ کو محدود کرنے کا نظریہ قائم کرنا ہمارے نزدیک نہ صرف صحیح نہیں بلکہ قرآن و سنت کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو کسی صورت میں صحیح ہی مان لیا جائے تو سیدنا حسنؓ کی خلافت بھی راشدہ ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ خود سیدنا سفینہؓ نے مت شمد کرنے میں ان کی خلافت کو نکال دیا۔ اور اگر ان کی خلافت کو کبھی ”خلافت راشدہ“ میں شامل کر لیا جائے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض بزرگوں نے کس دلیل سے سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ کو کبھی خلفہ راشدین میں شمار کر لیا ہے حالانکہ عمر بن عبد العزیزؓ کا سیدنا معاویہؓ سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ اول الذکر ایک تابعی ہیں حالانکہ آخر الذکر ایک فقیہ و مجتہد صحابی رسولؐ، ایک کاتب وحی اللہ کی وحی کے امین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادر بستی اور خال المومنینؓ، سیاست میں نالغہ روزگار ہادی اور مہدی۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارکؓ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ معاویہؓ اور عمر بن عبد العزیزؓ دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ :-

واللہ ! ان الغیار الذی دخل فی الف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر بالف مرتۃ۔ صلی معاویۃ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ۔ فقال معاویۃ رضی اللہ عنہ۔ دینا لك الحمد فما بعد هذا المشرف الاعظم۔

خدا کی قسم ! وہ عباد اور مٹی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سیدنا معاویہؓ کے گھوڑے کے تحفوں میں آکر جم گئی وہ عمر بن عبد العزیزؓ سے

ہزار درجہ افضل ہے۔ سیدنا معاویہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے فائز بن پڑھیں۔ جب آپ کہتے تھے "سمع اللہ لمن حمدہ" تو معاویہؓ کہتے تھے "ربنا لک الحمد" اس شرف کے بعد اور بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے۔

(تطہیر الجنان ص ۱۱۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی عیاضؒ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے معاذ بن عمروؓ سے دریافت کیا کہ سیدنا معاویہؓ کے سامنے عمر بن عبد العزیزؓ کا کیا مقام ہے؟  
فغضب غضباً شديداً وقال لا يقاس بأصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم احد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وامينه على وحي الله۔

آپ کو یہ سوال سن کر سخت غصہ آیا اور فرمایا! اصحاب رسولؐ کے مقابلہ میں کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی آپ کے برادر نسبتی، اللہ کی وحی کے کاتب اور امین ہیں۔ (تطہیر الجنان ص ۱۱۱)  
اگر سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ کی خلافت "خلافت راشدہ" ہو سکتی ہے تو سیدنا معاویہؓ کی خلافت کیوں راشد نہیں ہو سکتی؟

قرآن حکیم نے ایک بڑی بنیادی بات مسئلہ خلافت کے بارہ میں بیان فرمائی ہے کہ  
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلَفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ  
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ  
الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا  
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنا چکا ہے، ان کے لیے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں





صرف ایمان اور عمل صالح کی صفات سے متصف لوگ ہیں۔“

(تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۸)

۲۔ دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ یہ وعدہ بعد کے مسلمانوں کو بالواسطہ پہنچتا ہے

بالواسطہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد

میں موجود تھے۔ (تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۴۱۹)

بیساری باتیں ذہن میں رکھنے کے بعد اب دیکھئے کہ کیا سیدنا معاویہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود نہیں تھے؟ یقیناً تھے۔ اور آپ کاتب وحی اور ایک فقیہ

صحابی تھے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱، اصابہ جلد ۳ ص ۴۱۲، ابن ابی الحدید جلد ۱

ص ۲۳۸، کنز العمال جلد ۲ ص ۲۴۹، البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۱۱۸)

ایمان اور عمل صالح میں روشنی کا مینار تھے کہ سیدنا عمر بن عبد العزیزؓ جیسا خلیفہ راشد

اُن کے گھوڑے کے تھنوں میں جی ہوئی مٹی کا درجہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

(تطہیر الجنان ص ۱)

عمرہ القضاء کے روز ایمان لائے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے خود ان کی زبانی نقل فرمایا

ہے کہ :-

اسلمت یوم عمرۃ القضاء والکتی کتمت اسلامی من ابی

الی یوم الفتح۔

میں عمرہ القضاء کے روز ایمان لایا تھا لیکن اپنے والد کے طمس سے اپنے ایمان

کو فتح مکہ تک چھپائے رکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۱، ۱۱۸)

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی لکھا ہے :-

معاویۃ بن ابی سفیان خلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و

کتب الوحی۔

معاویہؓ بن ابی سفیان صحابی اور خلیفہ راشد ہیں، فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام

ہوئے اور آپ کاتب وحی بھی تھے۔ (تقریب التہذیب ص ۳۵۷)

گویا کہ آپ میں ایمان اور عمل صالح کی دونوں شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں ان شرطوں کے ساتھ خلافت راشدہ کے دونوں ثمرات بھی ان کے زمانہ خلافت میں مرتب ہوئے۔

پہلا ثمرہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین یعنی اسلام اُن کے زمانہ میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہوا۔ سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد اسلامی فتوحات کا سلسلہ یکھلم بند ہو گیا تھا یہاں تک کہ سیدنا علیؓ کے زمانہ میں ایک شہر بھی اسلامی قلمرو میں داخل نہ ہوا۔ آپ نے اپنے زمانے میں جس قدر جنگیں بھی لڑیں وہ اسلام کی خاطر نہیں تھیں بلکہ صرف طلب خلافت کے لیے تھیں۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے :-

مقاتلات و مہمات رضی اللہ عنہ برائے طلب خلافت بودند  
بجہت الاسلام۔

سیدنا علیؓ کی لڑائیاں صرف اپنی خلافت کے حصول کے لیے تھیں اسلام کی ترقی کے لیے نہیں تھیں۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۲۷۷)

فتوحات کا وہ سلسلہ جو سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں بند ہوا۔ سیدنا معاویہؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کو دوبارہ جاری کیا اور اپنے بہترین کمانڈر عقبہ بن نافعؓ کے توسط سے اُسٹنہ میں شمالی افریقہ کے ایک وسیع علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا اور آپ کے جرنیل مہلب بن ابی صفرؓ نے اُسٹنہ میں سندھ اور ترکستان کے علاقے پر اسلامی پرچم لہرایا۔ پھر اپنے صاحبزادے یزید بن معاویہؓ کی زیر قیادت قسطنطنیہ پر حملہ کروایا۔ ۵۳ھ میں بحری لڑائی کے ذریعہ آپ کے جرنیل جناب یزید بن امیہؓ نے روڈس کو فتح کیا۔ پھر ۵۴ھ میں قسطنطنیہ کے قریب ایک جزیرے ارداد کو اسلامی حکومت میں داخل کیا۔ چنانچہ علامہ خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے :-

ہو اقل مسلمہ ركب بحر الروم للغزو وفي ايامه فتح كثير  
من جزائر يونان والدر دنیل۔

آپ (سیدنا معاویہؓ) سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بحرِ روم کو اپنے جہازوں کی بازی گاہ بنایا اور آپ کے عہد میں یونان کے بے شمار جزیرے اور درہ دانیال

وغیرہ . علاقے فتح ہوئے۔

(الاعلام جلد ۸ ص ۱۷۳، الفتوحات الاسلامیہ جلد ۲ ص ۹۱)

آپ نے آخری وقت میں یہ وصیت فرمائی۔

شد خناق الترم -

ردم کا گلا گھونٹ دو۔ (النجوم الزاہرہ جلد ۱ ص ۱۳۴)

کئی نئے شہر بھی تعمیر کئے، نظم مملکت کو سیدنا فاروق اعظمؓ کی بنیادوں پر قائم کیا ملک میں رعایا کی خوشحالی اور آرام کے لیے مختلف اصلاحات کیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے ان سب چیزوں کو ان الفاظ میں یوں بیان کیا ہے کہ :-

الجهاد في بلاد عدو قائم وكلمة الله عالية والغنائم تروى  
اليه من اطراف الارض والمسلمون معه في راحة  
وعدل وصفح وعفو۔

آپ کے زمانہ میں دشمن کے ممالک میں جہاد کا سلسلہ جاری تھا اور اللہ کا کلمہ بلند تھا اور غنیمتیں زمین کے سب گوشوں سے سمٹ کر آپ کے پاس آتی تھیں۔ اور مسلمان آپ کے دورِ خلافت میں عدل و انصاف اور راحت و آرام کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزارتے تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۱۸)

آپ کی اسی اسلام دوستی اور رعیت پروری کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانے کے سارے لوگ جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ پر مشتمل تھے آپ پر دل و جان سے فدا تھا۔ اور دل کا اتھاہ گہرائیوں سے آپ سے محبت کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے لکھا کہ :-

كانت سيرة معاوية مع رعيتہ من خيبر امير الولاية وكان  
رعيتہ يحبونه۔۔۔ الخ

سیدنا معاویہؓ کا اپنی رعایا سے سلوک بہترین حکمرانوں کا تھا اور آپ کی رعایا آپ کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ (منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۸۹)

الغرض آپ کی خلافت سے وہ فخر بھی مرتب ہوا جس کا حق تعالیٰ شانہ نے اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا تھا۔ اور دوسرا فخر بھی مرتب ہوا کہ جب اسلام کا قانون دُور دُور تک رائج ہوا اور سلطنت اسلامی کی پہنائیوں میں دُور دُور تک اضافہ ہوا اور ہر جانب مرتہ حالی کا دُور دُور ہو گیا تو۔

مسلمانوں کی حالتِ خوف پہلے سے زیادہ حالتِ امن میں تبدیل ہوئی اور مسلمان ایک غالب قوم کی صورت میں دنیا میں ابھرے اور اس جاہلیت کی تہذیب اور تمدن سے حذبِ قومیں سرنگوں ہو کر اہل اسلام کی رعایا بنیں ان میں اسلام کو درشناس کو پایا گیا یہاں تک کہ اہل اسلام کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ ہر شخص کی جان، مال اور عزت کو تحفظ نصیب ہوا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کی حالتِ خوف حالتِ امن میں بدل گئی بلکہ تمام اقوام عالم ہر قسم کی زبائیوں اور تدبیروں سے محفوظ و مہشون ہو گئیں۔

چنانچہ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جس طرح ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی خلافتوں کو راشدہ ثابت کرتی ہے اسی طرح سیدنا معاویہؓ کی خلافت کو بھی راشدہ ثابت کرتی ہے اب قرآن حکیم کے اتنے واضح ثبوت کے بعد صرف ایک مخدوش حدیث کی بنا پر خلافت راشدہ کو صرف چار صحابہؓ میں محدود کر دینا امدان کی خلافت کے بارہ ہیں دورانہ کار تا وہیں کرنا ہماری نگاہ میں صحیح نہیں۔ بلکہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غلط ہے۔

سیدنا عمر الفاروقؓ اور سیدنا عثمانؓ ذو النورینؓ کے امداد خلافت تو بالاتفاق خلافت راشدہ کے دور تھے۔ ان دونوں خلافتوں میں سیدنا معاویہؓ دمشق کے اہم صوبہ پر گورنری کے جلیل القدر عہدہ پر قریباً ۲۰ سال تک فائز رہے ان دونوں خلافتوں میں تو وہ خلافت راشدہ کے کل پرزہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے پھر کیا وجہ ہے کہ جب ان کا دور خلافت آیا تو یکا یک ان کی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی حالانکہ انہوں نے اپنی خلافت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے طریق سے ہٹ کر ہو۔ اور آج جو اعتراضات ان کی خلافت کو غیر راشدہ یا ملوکیت ثابت کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں وہ سب بعد کے ذہنوں کی پیداوار

ہیں۔ خود اُن کے زمانہ خلافت میں یا اُن کی خلافت کے کئی سو سال بعد تک اُن پر اس قسم کے کوئی اعتراضات نہیں ہوئے۔ خود ان کا اپنا دور خلافت صحابہ کرام کا دور تھا جس کی حدیث نبوی میں ”غیر القرون“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اُن کی خلافت میں کئی ایک صحابہ جلیل القدر عہدوں پر فائز تھے۔ اس کا یہ معنی ہوا کہ عہد معاویہ اگر خلافت راشدہ کا دور نہیں تھا بلکہ ملوکیت کا دور تھا تو وہ سارے صحابہ ملوکیت کی مشین کے لیے پُرزدوں کے طور پر کام کرتے رہے اور انہوں نے اس نظام حکومت کو پروان چڑھایا جس سے اللہ اور اس کا رسول قطعاً راضی نہ تھے اور یہ بات محالات میں سے ہے۔ کیونکہ صحابہ جاہلیت اور باطل کے نظام کو دنیا میں کبھی فروغ دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے جیسا کہ گذشتہ سطور میں دلائل واضحہ سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا معاویہ کی خلافت پر غیر راشدہ کا اعتراف جلیل القدر صحابہ پر اعتراف ہے بلکہ اُس وقت کے پورے معاشرہ پر اعتراف ہے جو ان کی خلافت کو صحیح اور راشدہ سمجھ کر اُن کے حلقہ مبیعت میں شامل ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں سیدہ ام حرام کی حدیث بھی غور کے قابل ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمائی ہے کہ :-

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کھانا تناول فرما کر اُن کے ہاں استراحت کے لیے لیٹ گئے اور سیدہ ام حرام نے ان کا سر دیکھنا شروع کر دیا آپ کو ملیندا لگئی۔ تھوڑی دیر بعد سیدہ ام حرام نے دیکھا کہ جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوات والتحيات مسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سیدہ ام حرام نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ ہندو میں جنگ و جہاد کے ارادہ سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں سیدہ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے اور انہی الفاظ کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرام نے پھر اپنی شرکت کی دعا کی درخواست کی۔ آپ نے

فرمایا ”تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو“

بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، ص ۴۰۳، ص ۴۰۵، ص ۴۰۹، ص ۴۱۰، جلد ۲ ص ۹۲۹، ۹۳۰،

صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴۲، زرقانی جلد ۱ ص ۶۶، اصابہ جلد ۸ ص ۲۲۲)

امام بخاریؒ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا۔

میری اُمت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اُس پر جنت واجب ہو گئی ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

لیکن دوسری پیش گوئی کے بارہ میں بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرٍ مَغْفُورٌ لَهُمْ

میری اُمت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا۔ اُس کے لیے

(رد بار الہی سے) مغفرت (کا پروانہ) ہے (بخاری جلد ۱ ص ۴۱۰)

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے ۲۸ء میں سمندر

کے سینے کو چیر کر سمندر پار کے علاقے قبرص (Cyprus) پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے

اسلامی علم بلند کیا وہ ذات والا صفات سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کی قیادت میں تھا۔ چنانچہ

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ،

وَكَانَ امِيرُ ذَٰلِكَ الْجَيْشِ مَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ فِي خِلَافَةِ عَثْمَانَ

ومعه ابوذر والوالد سردار وغيرهما من المصَنَّاعَةِ۔

خلافت عثمانی میں جب یہ حملہ ہوا تو اس لشکر کے امیر سیدنا معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

تھے اور ان کے ساتھ ابوذرؓ اور والد سردار وغیرہ جیسے کئی اور دوسرے صحابہؓ تھے

(اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵)

والہی پر سیدہ ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ خچر کے بدکنے سے نیچے گر پڑیں اور انتقال

فرما گئیں۔ (بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱، جلد ۲ ص ۹۲۹، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۷۵،

عمدة القاری جلد ۱ ص ۱۹۸، ارشاد الساری جلد ۵ ص ۱۰۴)

چنانچہ لکھا ہے کہ :-

قبراً تم حرام بنت ملحان بقبرس وهم يقولون هذا قبر  
المرأة الصالحة -

ام حرام بنت ملحان کی قبر قبرس میں ہے اور (وہاں کے لوگ) کہتے ہیں کہ یہ ایک  
نیک اور پاکباز عورت کی قبر ہے -

رصفۃ الصفوة جلد ۲ ص ۳۸، اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۴۵

قبرس کی یہ فتح ۲۸ء میں سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔ اس لڑائی میں سیدنا  
معاویہؓ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ”قَدْ أُوجِبُوا“ (جنت ان پر واجب  
ہوگئی) کے تحت اہل جنت میں شامل ہو گئے۔ یہ فضیلت کوئی معمول فضیلت نہیں بلکہ جس طرح  
عشرۃ مبشرہ کو دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری مل گئی تھی اسی طرح ان صحابہؓ کو بھی جنت ہی کی بشارت  
دے دی گئی تھی جنہوں نے قبرس کے اس معرکے میں شمولیت فرمائی تھی -

پیش گوئی کا پہلا حصہ تو سیدنا معاویہؓ کے دور امارت میں پورا ہوا اور دوسرا حصہ آپ  
کے دور خلافت میں پایہ تکمیل کو پہنچا جب آپ کے فرزند ارجمند زبید کی زیر قیادت ایک  
عظیم الشان لشکر نے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، سیدنا عبداللہ  
بن زبیرؓ، امیر میزبان رسولؓ سیدنا ابوالاؤب انصاریؓ بھی شامل تھے، مدینہ فیصلہ یعنی قسطنطنیہ پر  
حملہ کیا۔ (معدۃ القاری جلد ۱ ص ۱۹۹، فتح الباری جلد ۲ ص ۷۸، ارشاد الساری

جلد ۵ ص ۱۰۴، ابن اثیر جلد ۲ ص ۲۲۷)

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :-

فساس معہ خلق کثیر من کبار الصحابة -

جلیل القدر صحابہؓ کی بہت بڑی تعداد آپ کے ساتھ روانہ ہوئی -

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۳۲۱، ۳۲۲)

بلکہ سیدنا حسینؓ بن علیؓ نے بھی امیر زبید کی زیر قیادت ایک سپاہی کی حیثیت سے اس  
لشکر میں شمولیت فرمائی -

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۵۱، مطریؒ آف سیر سنز انگریزی ص ۸۷)



اسی وجہ سے مشہور حدیث ملبّٰیٰ فرماتے ہیں :-

فِي هَذِهِ الْحَدِيثِ مَنْقِبَةٌ لِمَعَاوِيَةَ لَا تَهْ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ  
مَنْقِبَةٌ لَوْلَدِهِ يَزِيدُ لَا تَهْ أَوَّلُ مَنْ غَزَا مَدِينَةَ قَيْصَرَ

اس حدیث میں معاویہؓ کی منقبت بیان کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جنگ لڑی تھی اور اس حدیث میں اُن کے بیٹے یزیدؓ کی بھی منقبت ہے کیونکہ انہوں نے

سب سے پہلے مدینہ قیصر (مکہ) پر حملہ کیا تھا۔ (رفع الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸)  
اب آپ ہی اندازہ فرمائیے کہ جس شخصیت کے بارہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قدر پیش گوشتیاں فرمائی ہوں اور جس نے ملتِ اسلامیہ کا چارواک عالم میں شہرت کا ڈنکا بجایا ہو کیا اُس کی خلافت غیر راشدہ ہو سکتی ہے؟ اور وہ دنیا میں ایسا نظام برپا کر سکتا ہے کہ جو اسلام کے خلاف ہو۔ کیونکہ اسلام کے نظریات و افکار کے مطابق معاشرہ کی داغ بیل ڈالنا عین رشد و ہدایت ہے اور غیر راشدہ ہر وہ فعل ہے جو اسلام کے نظام سے لگاتار کھاتا ہو۔ خلافتِ راشدہ کو صرف چار پانچ خلفاء میں محدود کر کے ان کے علاوہ سب خلفاء کو عام سطحی بادشاہوں کا درجہ دینا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین کی توہین ہے۔

یہ سب وہ دلائل جن کی مدد سے ہمارا دعویٰ ہے کہ سیدنا معاویہؓ کی خلافت اسی قسم کی خلافتِ راشدہ تھی جس قسم کی سیدنا علیؓ کی خلافت راشدہ تھی۔ اور اگر کوئی شخص ان کو کاتبِ وحیؓ صحابیؓ رسولؓ مانتے ہوئے خلیفہ راشد نہیں مانتا تو اس کو صحابیؓ رسولؓ کے بارہ میں اپنے اُس عقیدہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو علمائے اہل سنت کا متفقہ ہے۔ بہر حال اگر کسی کو آپؐ کی خلافت کے راشدہ ہونے میں اختلاف ہے تو اسے چاہیے کہ وہ دلائل دے اور دلائل قرآن و سنت سے ہوں۔ اور صحیح اور صریح ہوں اور اگر دلائل نہ دے سکیں تو پھر خلافتِ راشدہ کو تیس سالہ ہی محدود و مقید کرنے کے نظریہ پر نظر ثانی کریں اور اس مظلوم صحابیؓ رسولؓ کے بارہ میں اپنے عقیدے کے اُن جراثیم کو ختم کریں جو رفض و تشیع کے مسلسل پراپیگنڈے کی وجہ سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں نسلاً بعد نسل پل رہے اور موجودہ زمانے کے بعض نام نہاد مفکرین اسلام نے بھی اپنی متحدہ کتاہوں اور مضامین کے ذریعہ ان کی مسلسل آبیاری کی ہے۔

سیدنا معاویہؓ پر ان اعتراضات کے علاوہ کچھ اور اعتراضات بھی کئے ہیں کہ :-

۱۔ انہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں تبدیلی کی۔

۲۔ انہوں نے انسانی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ان اعتراضات کی حقیقت وہی ہے جو ان اعتراضات کی جن کے تفصیلی جوابات ہم نے اس کتاب میں دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا معاویہؓ اس لحاظ سے ایک نہایت مظلوم شخصیت ہیں کہ ان کے بارہ میں صدیوں سے پراپکینڈہ کیا گیا اور مروہ حربہ اختیار کیا گیا جس کی وجہ سے ان کی پاکیزہ اور بے داغ شخصیت کو داغدار بنایا جائے۔ اس بارہ میں خطیب بغدادیؒ نے کیا اچھی بات فرمائی اس کو ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے، لیکن بات اتنی مختصر رہی ہے کہ ہم اس کتاب کے اختتام پر بھی اس کو ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ سیدنا معاویہؓ پر اعتراضات کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں :-

معاویۃ مستولاً صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کشف

الرجل المستول اجتواد علی ما و س ا ۷

معاویہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کے لیے ایک پردہ ہیں

جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں ان پر بھی

ان کی ہمتیں اور جراتیں بڑھ جائیں گی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۰۹)

سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ سیدنا معاویہؓ کی شخصیت پر اعتراضات کر کے صحابہؓ کے اس

پردہ کو کھولنا چاہتے ہیں وہ دراصل سیدنا معاویہؓ سے پہلی شخصیتوں یعنی سیدنا ابوبکرؓ و سیدنا

عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کو اپنی تنقید کا ہدف بنانے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ

ہے کہ جن لوگوں کے قلم سے سیدنا معاویہؓ کے خلاف کچھ لکھا گیا ان کے قلموں کی روشنائی ابوبکرؓ

عمرؓ اور عثمانؓ جیسے لوگوں پر بھی خشک نہ ہوئی اور انہوں نے بلا جھجک ان کی شخصیتوں اور

ملکی پالیسیوں میں بھی کڑے نکالنا شروع کر دیئے اور اپنی صحابہؓ دشمنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔

والآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین